تاریخ اہلِ حدیث کی حقانیت اور علمائے اہلِ حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل
ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخِ اہلِ حدیث

جلد سوم

2018-19

اعداد و ترتیب

عبد الحکیم عبد المعبود المدنی

ناشر

مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

برانچ آفس: بس اسٹاپ بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر یوپی

بسلسلۂ اشاعت اہل حدیث انسائیکلوپیڈیا

تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی
گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی و تاریخی دستاویز

سالنامہ

تاریخِ اہل حدیث

جلد سوم

۱۹۔۲۰۱۸ء

اعداد و ترتیب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)

©جملہ حقوق بحق مرتب وناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات مرکز [۴]

سالنامہ تاریخ اہل حدیث

۲۰۱۸-۲۰۱۹ء/۴۱-۱۴۴۰ھ

جلد سوم

مرتب
عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

سن طباعت: جولائی 2020ء
صفحات: 478

ناشر
مرکز تاریخِ اہل حدیث ممبئی
برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (یوپی)
ای میل:tareekh.ahlehadees@gmail.com
abdulhakimmumbai@gmail.com
موبائل:**9869395881**

ملنے کا پتہ: (۱) مرکز تاریخ اہل حدیث بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، یوپی
(۲) جامع مسجد اہل حدیث وعلامہ البانی ٹرسٹ دھانو باغ، نالاسوپارہ (E) ممبئی
(۳) دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث کرلا ممبئی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلد سوم

نمبر شمار	عناوین	اصحاب نگارشات	صفحہ نمبر
1	فہرست	مرتب	4
2	کلمات تشکر	مرتب	10
3	انتساب	مرتب	11
4	رشحات قلم	مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ	12
5	اداریہ	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	13
6	افتتاحیہ	شیخ عبدالمعید مدنی علی گڈھ	14

باب أول: تاثرات وانطباعات

7	پیغام آفریں	فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمن فیضی	23
8	تہنیتی پیغام	فضیلۃ الشیخ شیر خان جمیل احمد عمری	24
9	کلمات تبریک	فضیلۃ الشیخ عبدالستار السراجی	26
10	تبصرہ وتجزیہ	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری	27
11	تبصرہ وتجزیہ	مولانا ہلال ہدایت السّلفی	30

باب دوم: بحوث ومقالات تاریخ اہل حدیث

12	مسلک حدیث ترجمہ رسالہ عمل بالحدیث فارسی	مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ	35
13	تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد	مولانا عبدالمبین منظرؒ	45
14	سلفی دعوت کے پانچ اہم اصول	مولانا اشفاق احمد سنابلی	51
15	فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی میں علمائے اہل حدیث کی مساعی جمیلہ	مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی	59
16	برصغیر میں اہل حدیث کی عظیم کارکردگی	شیخ عبدالمعید مدنی	70
17	اہل حدیث مجاہدین آزادی	مولانا محمد مقیم فیضی	74

18	تاریخ اہل حدیث بہار	مولانا محمد تنزیل صدیقی	85
19	صادق پور سور ماؤں کا وطن سرفروشوں کی زمین	انظار احمد صادق	102
20	جمعیت علمائے ہند کی تاسیس میں علمائے اہل حدیث کا بنیادی کردار	مولانا عبدالوہاب خلجیؒ	106
21	ہندوستان کے تین بڑے مدارس	مولانا عبدالروف جھنڈانگری	111
22	مئوناتھ بھنجن	مولانا محفوظ الرحمن فیضی، مئو	127
23	مئو کے ہم عصر اور ہم نام علماء	مولانا عزیز الحق عمری	133
24	ابنائے جامعہ عالیہ عربیہ مئو کی حدیثی خدمات	مولانا شریف اللہ سلفی	135
25	فیضی علمائے مئو کی خدمات حدیث	مولانا اقبال محمدی فیضی	150
26	جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی	مولانا ابوالعاص وحیدی	166
27	جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی کی مختصر تاریخ	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	168
28	جامع مسجد اہل حدیث مؤمن پورہ ممبئی، منزل بہ منزل	مولانا محمد سلیم انصاری	170
29	تعارف جمعیت اہل حدیث بھیونڈی، مہاراشٹر	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	176

باب سوم: یادرفتگاں

30	مولانا ولایت علی صادقپوری	(وفات ۱۸۵۲ء)	مولانا محمد عطاء اللہ بھوجیانی	180
31	جماعت اہل حدیث کا ایک گمنام قائد (جھاؤ میاں)	(وفات ۱۸۸۲ء)	حکیم ضیاء الدین الہ آبادی	185
32	مولانا عبداللہ عرف جھاؤ میاں الہ آبادی	(وفات ۱۸۸۲ء)	مولانا محمد مستقیم سلفی	188
33	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی	(وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح	190
34	مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی حیات وخدمات	(وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا شیخ عزیر شمس سلفی	199
35	مولانا عبدالرحمن لکھنوی ثم دلاپوری اور جھارکھنڈ	(وفات ۱۹۱۸ء)	مولانا اشفاق سجاد سلفی	202
36	مولانا عبدالسلام مبارکپوری: حیات وخدمات	(وفات ۱۹۲۴ء)	مولانا عبدالرحمن مبارکپوری	205
37	مولانا عبدالصمد مبارکپوری کارگاہ علم وحیات	(وفات ۱۹۴۸ء)	ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری	208
38	مولانا علامہ نذیر احمد رحمانی چند یادیں	(وفات ۱۹۶۵ء)	مولانا عبدالحمید رحمانیؒ	216
39	مولانا نذیر احمد املوی۔ ایک تعارف	(وفات ۱۹۶۵ء)	مولانا اسعد اعظمی/مولانا محمد رحمانی	222

40	ماہر علم میراث مولانا عبدالرحمن بجواوی	(وفات ۱۹۷۲ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	230
41	شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی	(وفات ۱۹۷۴ء)	خودنوشت	238
42	آہ! شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی	(وفات ۱۹۷۴ء)	مولانا عبدالحمید رحمانی	244
43	مولانا عبدالاحد پورینوی	(وفات اکتوبر ۱۹۷۸ء)	مولانا اسداللہ فیضی	247
44	مولانا محمد یحییٰ بنارسی	(وفات اکتوبر ۲۰۰۴ء)	مولانا محمد یونس مدنی	251
45	مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف ندوی	(وفات اپریل ۲۰۰۵ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	254
46	مولانا ذکراللہ خاں ذاکر ندوی	(وفات فروری ۲۰۰۶ء)	مولانا خالد صدیقی	257
47	بزم سے رخصت ہے ذاکر مرحبا کہتا ہوا	(وفات فروری ۲۰۰۶ء)	ڈاکٹر اقبال بسکوہری	259
48	مولانا عبدالعزیز جامی عمری ادھونی	(وفات نومبر ۲۰۰۷ء)	مولانا ثناءاللہ عمری	263
49	شیخ الحدیث مولانا محمد عمر سلفی (بونڈیہار)	(وفات مارچ ۲۰۱۰ء)	مولانا محمد رحمانی/مولانا یار محمد سلفی	269
50	مولانا محمد حنیف فیضی مدنی بہار	(وفات مئی ۲۰۱۲ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	288
51	مولانا قرۃ العین فائق املوی	(وفات فروری ۲۰۱۴ء)	مولانا فواز مبارکپوری	292

باب چھارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین

52	شیخ عبدالقادر شبیہ الحمد (مختصر تعارف)	(وفات مئی ۲۰۱۹ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	308
53	جزیرے یادوں کے شیخ عبدالقادر شبیہ الحمد کی وفات پر		مولانا حفیظ الرحمن عمری	310

باب پنجم: مرحومین علمائے اہل حدیث وأعیان جماعت ۲۰۱۸-۲۰۱۹ء

54	مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی سدھارتھ نگر	(وفات فروری ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالمنان سلفی	320
55	مولانا محمد ادریس شمسی جھارکھنڈ	(وفات مارچ ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالستار سلفی	322
56	مولانا زین العابدین سدھارتھ نگر	(وفات مارچ ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	323
57	مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیری	(وفات مارچ ۲۰۱۸ء)	مولانا عزیز عمر سلفی	325
58	مولانا محمد جعفر سلفی پڑریا نیپال	(وفات مارچ ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالمنان سلفی	327
59	مولانا حافظ محمد توحید فیضی پرتاپ گڑھ	(وفات اپریل ۲۰۱۸ء)	محمد طیب جلیل احمد فیضی	328
60	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب دہلی	(وفات اپریل ۲۰۱۸ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	332

61	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب دہلی	(وفات اپریل ۲۰۱۸ء)	شیخ عبدالمعید مدنی	333
62	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب دہلی	(وفات اپریل ۲۰۱۸ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	335
63	پروفیسر زہیر انور دہلی	(وفات مئی ۲۰۱۸ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	337
64	الحاج عبدالرحمن خلجی راجستھان	(وفات مئی ۲۰۱۸ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	338
65	مولانا مختار احمد مدنی بڑھنی سدھارتھ نگر	(وفات جون ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالمنان سلفی	339
66	مولانا مختار احمد مدنی بڑھنی سدھارتھ نگر	(وفات جون ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	345
67	رافع عبدالرحمن عرب بھوپال	(وفات جولائی ۲۰۱۸ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	346
68	مولانا وجیہ الدین فیضی سدھارتھ نگر	(وفات جولائی ۲۰۱۸ء)	شیخ محمد رحمانی	347
69	مولانا عبدالسلام مدنی سدھارتھ نگر	(وفات جولائی ۲۰۱۸ء)	مولانا محمد اسلم مبارک پوری	348
70	جناب عبدالصمد چودھری پونہ	(وفات اگست ۲۰۱۸ء)	مولانا محمد عاطف سنابلی	352
71	مولوی عبدالرحمن ریاضی (دہلی)	(وفات اگست ۲۰۱۸)	مولانا شریف اللہ سلفی	356
72	مولانا ولی محمد صاحب بھوپال	(وفات اگست ۲۰۱۸)	ادارہ	361
73	حافظ عبدالحکیم فیضی جھنڈانگر بنارس	(وفات ستمبر ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالمنان سلفی	362
74	حافظ عبدالحکیم فیضی جھنڈانگر بنارس	(وفات ستمبر ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالحکیم المدنی	365
75	ڈاکٹر عبدالدیان انصاری شنکر نگری پنجاب	(وفات ستمبر ۲۰۱۸ء)	منصور عالم	366
76	جناب ضیاء الحسن آروی بہار	(وفات اکتوبر ۲۰۱۸)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	369
77	مولانا عبدالحفیظ سنابلی سدھارتھ نگر	(وفات نومبر ۲۰۱۸ء)	مولانا جمیل احمد سنابلی	370
78	شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی بنگال	(وفات نومبر ۲۰۱۸ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	371
79	قاری عبداللہ فیضی مرشد آبادی مئو	(وفات دسمبر ۲۰۱۸ء)	مولانا فیضان اشرف مئو	372
80	مولانا عبداللہ سعیدی ہرہٹہ بلرامپور	(وفات دسمبر ۲۰۱۸ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	379
81	مولانا جلال الدین رحمانی سدھارتھ نگر	(وفات جنوری ۲۰۱۹ء)	مولانا عبدالمنان سلفی	380
82	مولانا جلال الدین رحمانی سدھارتھ نگر	(وفات جنوری ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی	382
83	حافظ محمد اسحاق صاحب راجستھان	(وفات فروری ۲۰۱۹ء)	شیخ محمد رحمانی	383

84	مولانا محی الدین عمری کیرالہ	(وفات مارچ ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	384
85	مولانا محمد عبدالرحمن فاروقی آندھرا	(وفات مئی ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	385
86	مولانا محمد اسرائیل ندوی ہریانہ	(وفات جولائی ۲۰۱۹ء)	مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	386
87	مولانا عبدالرشید عمری، آندھرا پردیش	(وفات اگست ۲۰۱۹ء)	محمد رفیع کلوری	391
88	ڈاکٹر سلمان راغب بنارس	(وفات اکتوبر ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	393
89	حافظ محمد ظہور الحسن اڑیسہ	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا محمد حفیظ الرحمن	394
90	جناب رانڈرر راجستھان	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	395
91	الحاج عبدالرقیب مبارکپوری	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	396
92	جناب ریاض احمد کلکتہ	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا محمد رحمانی	397
93	الحاج عبدالرشید مالیر کوٹلہ	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	398
94	الحاج شرافت حسین وزیری	(وفات نومبر ۲۰۱۹ء)	مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی	400
95	مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری سدھارتھ نگر	(وفات دسمبر ۲۰۱۹ء)	شیخ عبدالمعید مدنی	402

باب ششم: موجودین علمائے کرام ۲۰۱۸-۲۰۱۹ء

96	مولانا شفیع اللہ رحمانی سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۳۰ء)	مولانا خالد حنیف صدیقی	406
97	مولانا عبدالرحمن مبارکپوری	(ولادت ۱۹۳۵ء)	فواز عبدالعزیز مبارکپوری	408
98	مولانا احسان اللہ رحمانی سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۴۰ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	413
99	مولانا رحمت اللہ جامعی سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۴۰ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	418
100	مولانا امر اللہ رحمانی ٹکریا سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۴۱ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	421
101	مولانا عبدالوہاب حجازی سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۴۶ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	425
102	شیخ احمد مجتبیٰ سلفی بہار	(ولادت ۱۹۴۹ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	431
103	مولانا عزیز الرحمن سلفی سدھارتھ نگر	(ولادت ۱۹۴۹ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	435
104	مولانا عبدالقدوس مدنی مالیگاؤں	(ولادت ۱۹۵۱ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	439
105	مولانا ابوالقاسم فاروقی الہٰ آباد	(ولادت ۱۹۵۲ء)	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی	441

106 مولانا شریف اللہ سلفی سدھارتھ نگر (ولادت ۱۹۵۴ء) عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی 447

107 مولانا علی حسین السّلفی جھارکھنڈ (ولادت ۱۹۵۵ء) عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی 449

108 ڈاکٹر اقبال بسکوہری مالیگاؤں (ولادت ۱۹۵۶ء) خودنوشت 453

109 ڈاکٹر لیث محمد مکی سدھارتھ نگر (ولادت ۱۹۶۲ء) خودنوشت 457

110 مولانا اسعد اعظمی مئو (ولادت ۱۹۶۶ء) مولانا ہلال ہدایت 463

111 مولانا ارشد فہیم مدنی بہار (ولادت ۱۹۶۷ء) خودنوشت 468

باب ہفتم: مناظرات ومتفرقات

112 مناظر مرشد آباد بنگال ۱۸۸۸ء مولانا تنزیل صدیقی 471

113 سیمینار علامہ داؤد راز ممبئی مولانا عبدالمنان سلفی 473

114 جماعتی مصالحت کا مستحسن اقدام مولانا عبدالمنان سلفی 477

کلمات تشکر وامتنان

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۱۹-۲۰۱۸ء جلد ثالث آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سلسلہ مبارکہ کی اشاعت پر میں خلوص دل سے رب العالمین کے حضور دست بدعا ہوں کہ بارالہا ہماری اس حقیر کاوش کو قبول فرما اور اس کی اشاعت، ترتیب وتصنیف میں تعاون کرنے والے تمام اہل علم واحباب جماعت کو دنیا وآخرت کی رحمات وبرکات سے مالا مال فرما، خاص طور پر میں اپنے دیرینہ رفیق شیخ عبدالجبار سلفی، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا ابوالعاص وحیدی، مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد رحمانی، مولانا شمیم احمد عبدالحلیم مدنی، مولانا عبدالمنان سلفی، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا محمد عاطف سنابلی، مولانا محمد مستقیم سلفی (بریلی)، عبدالحمید بھائی، الیاس بھائی، عبید بھائی ودیگر معاونین واصحاب قلم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے قدم قدم پر ہر طرح سے اس عظیم تاریخی دستاویز کی تیاری واشاعت میں میرا ساتھ دیا۔

فجزاهم الله احسن الجزاء وتقبل مساعيهم وجهودهم ۔آمین

تقبل یا رب العالمین

□□□

انتساب

میری یہ حقیر علمی کاوش

سالنامہ تاریخ اہل حدیث ۲۰۱۸ء۔۲۰۱۹ء جلد سوم جماعت اہل حدیث کے نامور مصنف، مناظر، مؤرخ، محدث، تاریخ رجال اور تاریخ حدیث واہل حدیث کی گہری معرفت رکھنے والے، ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے مدرس ومفتی استاذی المحترم

علامہ محمد رئیس ندوی الملقب بہ رئیس الاحرار رحمہ اللہ کے

نام

جن کی تدریس، تصنیف اور قلم کی جولانیوں نے مجھ خاکسار کو یہ حوصلہ دیا کہ آج اس میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کر سکا۔

تغمدہ اللہ بواسع رحمتہ واسکنہ فسیح جناتہ

رب العالمین سے دعا ہے کہ اس بابت ان کی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ مقام نصیب کرے، اور ہمیں اخلاص وعزم کے ساتھ تاریخ اہل حدیث کے روشن ابواب کو صفحہ قرطاس پر اجاگر کرنے کی سعادت دے، آمین۔

تقبل یا رب العالمین

❑❑❑

رشحاتِ قلم

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ

بڑی سے بڑی آرزو جس کو اپنے دل میں رکھ سکتا ہوں، یہی ہے کہ زندگی کی آخری گھڑیوں تک اپنے اسلاف کرام کے طریقِ صدق وحق پر مستقیم رہنے کی توفیق پاؤں، اور اپنی ساری زندگی اسی راہ کی کوچہ گردی میں بسر کردوں، جس کا نشانِ سفر وہ اپنی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں، خدمتِ علم وحق کا ایک سرمایۂ سعادت ہے، جو مجھ تہی دست تک پہنچا ہے، میری محرومی ہے اگر اس کو نہ بچا سکا، اور فضلِ الٰہی کی بخشش ہے اگر اس کی عزّت اور نامِ نیک کو آنے والوں کے لئے محفوظ چھوڑ گیا: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾

احب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني صلاحاً

(تذکرہ ص: ۳۰)

❑❑❑

اداریہ

جماعت کے تاریخی سرمایہ کی حفاظت ضروری ہے

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ بے حد قدیم ہے جو علماء کی متنوع اور بے مثال قربانیوں، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تدریس، جہاد آزادئ وطن میں شرکت و قیادت اور میراثِ رسالت کی حفاظت و صیانت سے عبارت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، اور شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہما اللہ اور سیکڑوں علماء کے جہود و نقوش کو بھلایا نہیں جاسکتا، دراصل یہ اس تاریخ کی روح اور اس جماعت کا قیمتی سرمایہ ہے جس کی حفاظت بے حد ضروری ہے، اس کے لئے صرف میاں سید نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کے بعض تلامذہ کی خدمات پر ہی نگاہ ڈال لی جائے تو کافی ہے۔ اس بابت استاذ محترم مولانا ابوالقاسم فاروقی حفظہ اللہ رقمطراز ہیں کہ ''یوں تو حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کی عظیم الشان خدمات کو کسی ترازو میں نہیں تولا جاسکتا ہے، ہر ذات اپنے میں ایک انجمن تھی، تاہم تاریخ اہل حدیث کے مطالعہ کے دوران میں نے پایا کہ میاں صاحب کے تلامذہ میں تین ہستیاں ایسی تھیں جن کی خدمات کا عشرِ عشیر بھی ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آسکا، اتفاق سے تینوں کا تعلق سرزمین پنجاب سے تھا، تینوں نومسلم تھے، ان کے گھرانے معزز اور خوش حال تھے، لیکن انہوں نے زر، زمین، جورو، ناتا، خاندان سب کچھ اللہ کے لئے ترک کردیا، یہ تھے مولانا عبیداللہ پائلی، مولانا محی الدین لاہوری اور مولانا محمد سعید محدث بنارسی۔ برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی نشاۃ ثانیہ میں ان تینوں کا اہم کردار تھا، اللہ نے ان کی تصنیفات کو قبولیت عام بخشی، متقدم الذکر نے غیر مسلمین میں تبلیغ کا محاذ سنبھالا، مولانا محی الدین لاہوری نے اپنی تصنیف ''الظفر المبین'' اور اپنے مطبع کے ذریعہ جو دعوتی خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مولانا محمد سعید نے بنارس کو اپنا مرکز بنایا، خطابت، مناظروں، تصنیف و تالیف، تدریس اور اشاعت کتب کے ذریعہ کتاب و سنت کی خوب خوب اشاعت کی، ان پاکباز نفوس نے نہ کبھی لومۃ لائم کی پرواہ کی، نہ کسی معاشرتی دباؤ کو قبول کیا، اس راہ کے مصائب کو ہنستے ہنستے گلے لگایا۔

(علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی حیات و خدمات: ص ۱۸)

ظاہر سی بات ہے اسلاف کی اس عظیم میراث سے نسل نو کو روشناس کرانا ہم سب کی ذمہ داری ہے اس لئے تاریخ کے اس عظیم سرمایہ کی حفاظت اور اس کی تدوین و اشاعت بے حد ضروری ہے۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

❑❑❑

افتتاحیہ

تاریخ اہل حدیث ہند کے خدوخال

عبدالمعید مدنی علی گڑھ

افتتاحیہ کا یہ خوبصورت مضمون ہمارے مربی ومحسن شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ کے گہر بار قلم سے تحریر شدہ ہے، شیخ موصوف برصغیر اور عالم اسلام میں سلفی دعوت، اس کی روشن تاریخ اور اس کے نشیب وفراز اور علمائے اہل حدیث ہند کی گراں قدر خدمات وجہود کے تاریخی تسلسل کے ایک رمز شناس مورخ ہی نہیں بلکہ بیک وقت کئی زبانوں کے ماہر بالخصوص عربی واردو کے ایک صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ اور یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہے کہ شیخ محترم نے اپنے مستند قلم سے افتتاحیہ رقم فرمایا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کے شکریے کے ساتھ قارئین سالنامہ کی خدمت میں یہ قیمتی مضمون پیش ہے۔ (عبدالحکیم مدنی)

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث صرف اس خطے میں نہیں بلکہ معاصر تاریخ میں ایک روشن اور تابناک باب ہے۔ تاریخ اہل حدیث ہند کے کیا خدوخال ہیں، ان کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ اہل حدیث چند افراد اور چند کردار کا نام نہیں ہے۔ تاریخ انسانی جماعت، گروہ اور خطے وعلاقے کی سرگرمیوں، تاثیر وتاثر، بناؤ بگاڑ، اصلاح وفساد، ہمہ جہت بشری سلبی وایجابی جدوجہد کا نام ہے۔

عموماً لوگ روایتی زندگی کے عادی ہوتے ہیں، جو ہے بس ٹھیک ہی ہے، کی کسل مندی ان پر طاری رہتی ہے۔ ایسے لوگ تاریخ کا موضوع نہیں ہوتے، انہیں نسیان کے اندھیرے میں ڈھکیل دیا جاتا ہے۔ یا ان کا ذکر کرنا قابل توجہ لوگوں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ناکاروں کو بھی اکاذیب کا حنوط لگا کر ان کی یاد کی لاشوں کو سڑنے سے بچایا جائے۔

تاریخ کے خدوخال ہوتے ہیں جو بنتے بھی ہیں اور بگڑتے بھی ہیں۔ اور یہی کسی کی تاریخ کی ابتداء وانتہا ہوتے ہیں۔ جب تاریخ کے خدوخال بننے لگتے ہیں، ان کے نمو تکوین وتشکل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ کامل تابندہ شکل وصورت اختیار کر لیتے ہیں تو تاریخ بن جاتی ہے۔ تاریخ خود بخود نہیں بنتی، جب کسی جماعت اور خطے کے جیالے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں اور اپنے آپ کو عظیم مقاصد کے لئے فنا کر دیتے ہیں، اپنی ساری صلاحیتوں کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں لگا دیتے ہیں تب تاریخ بنتی ہے۔ ایسے لوگ تاریخ ساز ہوتے ہیں جن کی تاریخ لکھنے والوں کو ان پر فخر ہوتا ہے۔

برصغیر میں تاریخ اہل حدیث بننے کے لئے تاریخ ساز لوگوں نے ہمہ جہتی کارنامہ انجام دیا اور مثالی کارنامہ انجام دیا تب یہ تاریخ بنی، اور مثالی تاریخ بنی جس کا ابھی تک شاید لوگوں کو صحیح شعور بھی نہیں ہے۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ تاریخ کا صحیح شعور بھی بہت ضروری ہے۔ ورنہ تاریخی حقیقت کے تہوں سے نکل جاتی ہے اور بات صرف چند افراد وکردار تک گھوم کر رہ جاتی ہے۔

تاریخ ایک معمولی شئے نہیں ہے، انسانی جدوجہد کا ایک ریکارڈ فرشتے تیار کرتے ہیں جو سو فیصد صحیح ہوتا ہے اس میں زیر وزبر کی غلطی کا امکان نہیں ہوتا، نہ بھول چوک کا امکان ہے، انسان کی ریکارڈ کردہ تاریخ کو بھی اسی سچے اور صحیح نہج پر ہونا چاہیے۔ تاریخ کا ریکارڈ اگر درست نہ ہو تو لوگوں کی گمراہی، اور دھوکے میں رہنے کا بڑا سبب بن جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث کے خدوخال اس وقت نمایاں ہونے شروع ہوئے جب مغلیہ سلطنت نے اپنے اثرورسوخ ضائع کردیئے۔قوم باغیوں، سرکشوں اور کافروں کے عتاب وانتقام کا شکار ہونے لگی، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تقلیدی حصار اور فسوں کاری کے طلسم کو توڑا اور مسلمانوں کے فکری رہنما بن کر آئے۔اس وقت سماج میں جس قدر دینی بگاڑ تھا ان سب کو انہوں نے محسوس کیا۔رسم ورواج اور آباء پرستی کی مذمت کی، انہیں چھوڑنے اور کتاب وسنت سے تمسک پر زور دیا، وقت کی تمام برائیوں اور بگاڑ کی نشاندہی کی۔ برصغیر کی مسلمانوں کے اجتماعی سیاسی ڈھانچے کو درست کرنے کے لئے بھرپور قلمی کوشش کی۔

شاہ ولی اللہ رحمہ کو اپنے دور کی ہمہ جہتی بگاڑ کا کلی شعور تھا اس لئے ان کے پاس ان کے اصلاح کا صحیح اور مکمل سجھاؤ بھی تھا۔اس وقت کے فکر وعمل کے تباہ کن فساد اور بگاڑ کی کلی تشخیص اور اس کے علاج کی تدبیر کا جس کو شعور ہو وہ وقت کا کارنامہ ہوتا ہے۔ یہ پہلا قدم یعنی مرض کی تشخیص اور علاج کی تدبیر سب سے کٹھن کام ہوتا ہے۔ حالات کے غلام وقت کے فساد کے اندھے مقلد ہوتے ہیں، رسم ورواج اور ترویج یافتہ افکار ونظریات، عادات واطوار کے لوگ ایسے مانوس ہوتے ہیں کہ ان بوسیدہ سڑی بدبودار ہڈیوں سے بھی عشق کرتے ہیں۔ان کے خلاف کچھ بھی سننا ان کو گوارا نہیں ہوتا۔اس وقت دیکھ لیں اباحیت اور علمانیت کا دلوں پر راج ہے، یہ ساری کفریات زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہوگئی ہیں۔مگر ان کے خلاف کوئی سننے کو تیار نہیں، خیانتیں فرد سے لے کر حکومت تک زندگی کی پہچان بن گئی ہیں۔اس مرض کا صحیح شعور اور تدبیر علاج کس کے پاس ہے، اس مرض کے خلاف لوگ سن نہیں سکتے اور علاج کے لئے تیار نہیں ہوسکتے یہی حال ہر وقت ہر زمانے کا ہوتا ہے۔تاریخ ساز لوگ ہی مرض کا صحیح شعور لیتے ہیں اور علاج کی تدبیر کر سکتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے ملفوظات، پیغامات، تالیفات، خطوط میں فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں تشخیص مرض اور تدبیر علاج کی۔ اتاولے پن میں شاہ رحمہ اللہ کے دیگر افکار پیش کئے جاسکتے ہیں جن کو تنبہ اور احتیاط سے دیکھا جاتا ہے وہ اپنی جگہ ہیں اور ان کے اپنے سلبی اثرات ہیں۔لیکن انہوں نے جس اعلیٰ استعداد سے، حکیم وقت کی حیثیت سے مرض کی تشخیص کی اور علاج کی تدبیر کی وہ تاریخ ساز کام ہے۔

ملوکیت اور طوائف الملوکی کے علاج کے لئے کیا ان کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' ازالۃ الخفاء اور ''قرۃ العینین'' علاج نہیں ہے؟ پورے برصغیر میں رافضی طوائف الملوکی، قتل عام اور فکری فساد کا علاج نہیں ہے۔کیا ان کا مشن ایک حکیم اور مصلح کی حیثیت سے سلفیت اور اہل حدیثیت کے مزاج کے خلاف تھا؟ ٹھیک ہے تصوف کی ہزار داستان نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔تصوف کو خطا کار ٹھہرائیں بقیہ ان کے پیغام کا خلاصہ کیا تھا؟ اصلاح امت کا مکمل منصوبہ اور پلان۔حکومت، سیاست، عبادت، معاشرت، معیشت اور فروعی وعائلی زندگی سب کی اصلاح۔خالص اتباع سنت کی دعوت میں اُن کی مستقل سترہ تحریریں ہیں۔اور دیگر کتابوں اور بلاغات میں اس کی دعوت موجود ہے۔عملاً فقہ اور فلسفہ کے بجائے حدیث وتفسیر پر ان کا ارتکاز تدریس پورے بگڑے ماحول میں اصلاحی عمل کا ایک جرأت مندانہ حق ہے۔روایتی طور پر ان کی اکثر تحریریں تصوف پر ہیں اور ان کے لئے دعا گو رہنے اور محبت کرنے والوں کے لئے شرمندہ کرنے والی تحریریں بھی ہیں۔لیکن ان کے جلائے ہوئے چراغ کی روشنی کا انکار بددیانتی ہے۔

یہ چراغ جلا تو اس سے دوسرے چراغ بھی جلے، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اولاد اور تلامذہ نے اس چراغ کو کس حد تک جلائے رکھا۔گھر کے اثرات بھی تھے، ماحول کی ستم ظریفی بھی تھی۔ اور موہبت الٰہی بھی کہ شاہ شہید تجدید دین کا کام لے کر کھڑے ہوگئے۔ وہ نظریاتی وفکری اصلاح کے حجروں اور دائروں سے نکل کر میدان میں آئے، اسلامی ریاست کے قیام کے لئے کمربستہ ہوگئے، احیاء دین کا فریضہ نبھانے میدان میں آگئے۔رب کریم نے انہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے وہ ساری صلاحیت دی تھی جس کی ضرورت ایک مصلح اور مجدد کو ہوئی ہے۔بگڑے ہوئے ماحول میں مقبول عام وخاص

ریت ورواج کے مقابل کھڑا ہونا سب سے کٹھن کام ہے۔ پوری بھیڑ کی مخالفت برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ شاہ شہید رحمہ اللہ کی خاصیت یہ بھی تھی، ان کو فقہ الواقع اور فقہ الدین دونوں کا پورا شعور ملا، بہت کم ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں جو کہر زدہ گرد آلود ماحول میں دینی ودنیاوی بصیرت حاصل کر سکیں۔ حالات کے اتنے تہ بہ تہ پردے ہوتے ہیں اور اتنا بوجھ ہوتا ہے کہ لوگ دباؤ میں رہتے ہیں، ادراک حقیقت ان کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ کار اصلاح وتجدید کے لئے کھڑے ہونے والے شخص کے اندر اللہ تعالیٰ مطلوب صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ مصلح اور مجدد کے لئے وہبی اور کسبی دونوں چیزیں ملی ہوئی ہیں۔

صحیح اور کامل شعور وادراک کے ساتھ احیاء دین وتجدید دین کا کام کرنے والوں کے اندر ہمت وشجاعت بھی ہوتی ہے۔ بے مثال ہمت وشجاعت، فکر وعمل دونوں میں ایسے لوگ یکا وتاز ہوتے ہیں۔ ایک عالم فاضل اور صحیح شعور کا انسان اگر ہمت وشجاعت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا دائرہ عمل بہت محدود ہوتا ہے۔ حجروں سے باہر اس کی سرگرمی نہیں رہ جاتی ہے۔

شاہ رحمہ اللہ نے احیاء دین واصلاح امت کا جو عظیم بیڑا اٹھایا اس کے دائرے میں برصغیر کی پوری آبادی تھی۔ اور زندگی میں پورے اسلام کے نفاذ کے خواہاں تھے۔ ان کی دعوت جزئی نہ تھی نہ فرقہ واری تھی، ایک طرف تجدید دین کا بھی عمل تھا، دوسری طرف اصلاح معاشرہ کا بھی۔ احیاء سنت، اماتت بدعت، اشاعت دین، اقامت جہاد، اسلامی شعائر کا احیاء، اشاعت تعلیم، دعوت دین کا پورا پروگرام تھا۔ مسلمانوں کو متحد رکھنے کا پورا اہتمام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری جہود کو مقبول فرمائے۔ اسلامی ریاست تک قائم ہوگئی، برصغیر کا پورا مسلم سماج ان کی جہود سے مستفید ہوا۔ ان لوگوں نے تو ہندو آبادی کو بھی ساتھ رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ ہندو ریاستیں بھی ان کی تائید وتعاون میں تھیں۔ ان کے سامنے تھا کہ سارے فسادی اور استعماری قوتوں کو ختم کریں اور لگام لگائیں۔

جس دور میں ان نفوس پاک نے دین کی بالادستی کے لئے یہ کام شروع کیا، اس دور کے تقاضے تھے، صعوبتیں تھیں، سہولتیں بھی تھیں، ان سے ان حضرات نے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ وہ اسلامی ریاست بھی قائم کر لے گئے۔ غدار قبائلی سرداروں نے قدم قدم پر دھوکہ دیا اور ریاست ٹوٹ گئی۔

برصغیر کا ہجوم خلق کوئی مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجر نہ تھے کہ ان کی بنیاد پر اسلامی ریاست قائم ہو جائے۔ قائم ہو بھی تو آج تہجد گذار بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس وقت کسی سے گھر سنبھلتا نہیں، اسلامی ریاست سنبھالیں گے؟ اس کا عقیدہ رکھنا چاہیے، اس کے عناصر اساسی اور پرامیٹر کو قائم کرنے اور درست کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ اس کی اساس عقائد، عبادات، تصوف، جہاد، وحدتِ امت، بقاء امت...... ہیں۔ لوگوں کو ان بنیادی امور کا اہتمام کرنا محالات میں ہو گیا ہے۔ جو لوگ حکومت الٰہیہ یا خلافت کی بات کرتے ہیں ان کے پاس اسلامی ریاست کے قیام وبقا کے لئے پانچ فیصد اس کے عملی، علمی اور منہجی تقاضے پورا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بک بک کرنا، صفحات سیاہ کرنا بڑا آسان ہے۔

اس قافلۂ حق نے اخلاص کے ساتھ اپنی ساری علمی، عملی، تنفیذی صلاحیت لگا دی، بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو گئے، اتنا ہی انبیاء سے مطالبہ تھا، کیا ہم اس سے زیادہ ان سے مطالبہ کر سکتے ہیں؟

انسان نہ موت وحیات کا مالک ہے۔ نہ وقت وحالات اس کے کنٹرول میں ہیں، نہ موسم وجغرافیہ میں اسے تصرف حاصل ہے، نہ وقت کے تمدن کو دوسرے وقت کے تمدن میں فٹ کر سکتا ہے۔ انسان کے اوپر بس اتنی ذمہ داری ہے کہ جس جگہ اور زمانے میں ہے اور جو صلاحیت ملی ہے اپنے خاص زمانے اور جگہ میں صحیح طور پر اللہ کی رضا کے لئے استعمال کرے۔

اس قافلہ حق کی دین داری، دینی وتمدنی صلاحیت، پیہم عمل، منصوبہ بندی، رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ، مشقتوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت، نظم واجتماعیت قائم رکھنے کی استعداد، فیصلوں کی تنفیذ میں چستی، تربیت کا شاندارروحانی نظم بے مثال، کل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم ملوکیت کے پورے وقفے میں پہلی بار خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی کوشش ہوئی اور پورے برصغیر میں ہوئی اس کا ابتدائی نظم قائم ہوگیا اوراچھے لوگ اس سے جڑ گئے اور جوڑے بھی گئے۔شہیدین کے بعد صادقین صادق پور نے ایک صدی تک اس کو قائم رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دی۔تقسیم ہندتک اس کے اندر یہ تسلسل قائم رہا۔

مغل حکومت کی مرکزیت ختم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کے دور میں، خلافت علی منہاج النبوۃ کے قیام کی کوشش شروع ہوئی، کہاں سے شروع ہو، کہاں اس کی شدید ضرورت تھی، کہاں بہترین تربیت اور نظم ونسق کا انتظام ہوسکتا تھا۔ان کا انتخاب عین ضرورت کے مطابق تھا۔پورے پنجاب اوراس سے ملحق علاقوں میں سکھ شاہی راج قائم تھا، سکھ مسلمانوں کے مقدسات، جان مال اور آبرو کے لئے خطرہ بن گئے تھے۔مساجد میں گھوڑے باندھتے تھے، اغوا کرگھر والوں کو پہلے ہی خبر دے کر ڈرا بھگا دینا اور گھروں پر قبضہ کرلینا عام بات تھی۔رنجیت سنگھ کا نے کا تخت لاہور میں بچھا تھا۔اس کا سکھ شاہی راج چل رہا تھا۔مسلمانوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔اگر شہیدین کا پہلا قدم پنجاب اور مضافات پنجاب مثلاً کشمیر کے بعض علاقے میں مجاہدانہ اقدام تھا۔ان کی مجاہدانہ حرکتوں سے خطہ پرامن ہوگیا تھا۔توان کی تنہا یہی کوشش ان کی سرخروئی کے لئے کافی ہے۔

اس قافلہ حق نے مغل حکومت کے بے اثر ہونے کے بعد جوملت اسلامیہ ہند کی شناخت کی بنیاد رکھی آج وہی برصغیر کے مسلمانوں کی شناخت ہے۔صلیبی استعمار جس طرح اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا، اس قافلے کی محنتیں، اصلاحات، تیاریاں کام آئیں اوردور استعمار میں برصغیر کے تمام مسلمانوں کو اسلامی شعور مل گیا، صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی بازیابی ہوگئی۔اگر عنایت ربانی کی یہ شکل نہ ہوتی تو قبوریت میں فنا مسلم معاشرے کا حال بدسے بدتر ہوتا، شہیدین کی دعوت اور جدوجہد اپنے دور کی کامیاب ترین دعوت تھی۔انہوں نے برصغیر کے سماج کو ہمہ جہتی طور پر متاثر کیا۔سیاسی سماجی معاشی دینی تعلیمی، ہر اعتبار سے انہوں نے مسلمانوں کے اندر زبردست تبدیلی پیدا کی۔اس وقت مسلمانوں کی اکثریت اسی دعوت دین اوراحیاء دین وامت کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

یہ جہود آگے مختلف شکل میں ظاہر ہوئیں اورلوگوں کی الگ الگ شناخت بن گئی، قبوریت نے بریلی کواپنی شناخت بنالی۔ردّعمل کے طور پر مشیخت پرستی نے دیوبند کواپنی شناخت بنالی، اتباع سنت اہل حدیث کی شناخت بن گئی پھرانہیں کے آمیزے سے دیگر شناختیں بنیں۔جیسے تحریکیت۔

ان جہود کی کامیابی کا ذرا تصور کیجئے، پوری تاریخ اسلامی ہند میں کیا ایسی خالص دعوت کی مثال ہے۔شاہ شہید نے پورے دعوتی مشن کو چند جزئی تصوف کی مزلتوں کے سوا۔اہل سنت کے منہج پر لا کھڑا کیا۔اگر اس دعوت کا موازنہ آج کی تحریکیت سے کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آوارگی فکر کے سوا یہاں کچھ ہے ہی نہیں۔انہوں نے دین ہی کو تغیر پذیر بنادیا، کبھی اس کو سیاسی بناتے ہیں، کبھی اسے ملائیت کی چادر اڑھاتے ہیں کبھی اتارتے ہیں، رافضیت کو عین دین بتاتے ہیں اوراسکے ساتھ وحدت کو واجب گردانتے ہیں۔خارجیت کو پروان چڑھا کر سارے عالم میں خون کی ندی بہاتے ہیں۔خارجیت ورافضیت کی سوچ انکار حدیث، عظمت صحابہ کے انکار اور تفسیر بالرائے کی طرف لے جاتی ہے، چودہ صدیوں میں سب سے بڑی گمراہی اس کا عطیہ ہے۔بڑے سے بڑے کفروارتداد کی راہ پراور عنوان دین کی خدمت۔

ذرا تصور کیجئے، اس منظرنامے میں احیاء دین وامت کا شہیدین کا کارنامہ کس قدر شاندار تھا۔اصلاح معاشرہ، اصلاح فرد، اصلاح معیشت، احیاء

شعائرِ دین، رجوع الی الکتاب والسنۃ، وحدت امت، اشاعت دین، مسلم اور غیر مسلم دونوں میں سیاسی بیداری جو آگے چل کر استعمار سے آزادی کا سبب بنی۔

تفصیلات طلب کریں تو حیران و دنگ رہ جائیں گے۔ بنگال میں اصلاح معیشت و اصلاح معاشرت کی تاریخ کا عظیم کارنامہ ہے۔صرف سید والا جاہ صدیق حسن کے اباجان اولاد حسن کی دعوت سے وسط ہند میں دس ہزار ہندو مسلمان ہوئے، آزادی ہند میں ان کا کنٹربیوشن سب سے زیادہ ہے۔حتیٰ کہ ۱۸۵۷ء کا جہاد بھی ان کی تدبیر کا نتیجہ ہے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ مستعمر ہند میں عالم اسلام سے زیادہ دینی علوم کا چرچا بھی برصغیر میں زیادہ تھا۔نواب صاحب نے تصنیف کتب کا شاندار ریکارڈ قائم کیا۔انہوں نے سلف کی کتابوں اور اپنی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا شاندار کام کیا اور بعد میں چل کر وہی راہ سعودی عرب، قطر نے اپنائی۔ ایک صدی تک برصغیر کے علمائے اہل حدیث سارے عالم اسلام میں علم صحیح کی قافلہ سالاری کرتے رہے۔شہیدین کے تاریخی کارناموں کی اساس ڈھونڈیں تو بے مثال ملے گی۔

ایک عام آدمی کے اندر اس دعوت سے ایسا صحیح دینی و عملی شعور پیدا ہوا، اعتصام بالکتاب والسنۃ سے وہ وابستگی ہوئی کہ مودودی کے اندر ویسا شعور نہ جاگ سکا، وہ زندگی بھر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے رہے۔اور نئے نئے فتنے جگاتے رہے۔

تاریخ کا شعور نہ ہو تو چند الفاظ کا سہارا لے کر انسان منفی کو ایجابی اور ایجابی کو سلبی بنا تا رہتا ہے یا خوابوں کی برات سجا تا رہتا ہے۔شہیدین کی دعوت اور احیاء دین و امت کے ساتھ چھٹ بھیوں کا اب یہ تماشا ہونے لگا، چند پیسوں کے عوض جن کے اقلام باطل کے ہمنوا بن جاتے ہیں اور جو ایمان سے کلیتاً محروم ہیں وہ بھی اپنی کوتاہ قامتی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے لئے بھی اس تاریخ میں جگہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

تاریخ اہل حدیث کے خصائص میں یہ شامل ہے کہ وہ منہج سلف کے اصولوں پر سودا نہیں کرتی ہے۔اس کی تشریح و تفہیم تاویل، تحریف اور مادی تعبیرات سے جدا ہوتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں جدوجہد منہج سلف کے مطابق شریعت کے دائرے میں ہوتی ہے، کتاب وسنت کی تعلیمات پر سلف صالحین کے منہج فہم وعمل کے مطابق ہوتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں فوکس اصول پر ہوتا ہے رجال پر نہیں۔اور رجال کی شرعی حیثیت کو تسلیم کیا جاتا ہے اور علماء کی مرجعیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

احوال و احداث کو کتاب وسنت کی تعلیم کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔تاریخ اہل حدیث میں کم و کیف کو دلائل سے جانچا جاتا ہے۔ پروپیگنڈوں کے زیر اثر نہیں رکھا جاتا ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں علماء کی مرجعیت قائم رہتی ہے۔خاص کر غیر اسلامی ممالک میں کیوں کہ اس کا رد اور عدم توجہ سارے فتنوں کو جنم دینے اور پنپنے کا سبب بن جاتی ہے۔

تاریخ اہل حدیث میں امر بالمعروف کے ساتھ "رد باطل" پر بھی بڑا زور ہوتا ہے، قلمی جہاد کی اصل شکل یہی ہوتی ہے۔رد باطل سے حق کے فروغ کے لئے راستہ صاف ہوتا ہے اور باطل کی بیخ کنی ہوتی ہے۔دوسرے حق و باطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں بلکہ باطل کے بطلان کا شعور ہی مدھم پڑ جاتا ہے۔ اس لئے نظر آئے گا کہ اہل حدیث علماء باطل کی تردید میں سب سے آگے رہتے ہیں۔بعد میں دوسرے بھی کریڈٹ لینے اور اسے ہتھیانے آجاتے ہیں۔

تاریخ اہل حدیث میں تعلیم و عمل یک ساتھ چلتا ہے۔یہاں صرف جملہ بازی نہیں ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد لوگوں کے رجحان بدل گئے،

داروگیر کا سلسلہ دراز ہوا، وہابی باغی مترادف لفظ بن گئے، انگریز کا فارمولہ کامیاب رہا۔ سب کنارے چھٹتے گئے۔ لوگوں نے احیاءدین وامت کے دعوت اور جدوجہد کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس سے کٹ کر بریلی مرکز بنا، اسے دیوبندی نے بریلوی مسلک کا نام دیا اور خود اس کے وزن پر دیوبندی بن گئے جب کہ اس نام میں شرک کی بوموجود ہے اس کی حدبندی تاریخ جغرافیہ اور اشخاص سے ہوکر الگ مسلکی شناخت کا حامل ہے۔ اس کا سرا مولانا مملوک علی سے جڑتا ہے جو دلی کالج میں استاذ تھے، یہ اور ان کے شاگردان کرام انگریزوں کے نوکر بن گئے۔ ان کے زیر اثر ان کے گھرانے، ان کے طلباء استعمار کے ہم رکاب ہوگئے۔ دیوبند میں اسی ذہنیت کے مطابق مدرسہ بنا، جس میں ابن الوقتی کی بنیاد پڑگئی اور آج اس کے اندر اس کا اثر ہے۔ شہیدین کی دعوت سے دوری بنانے کے بعد اس کے اندر تضادات، ابن الوقتی، ادّعا، مبالغہ، شیخی، اور قبوریت کے سامان اکٹھا ہوگئے۔ غنیمت یہ ہے کہ رجوع الی الکتاب والسنۃ کا چراغ جلا تھا وہ حدیث وتفسیر کی تدریس سے بجھا نہیں، گو حدیث پر مسلکی حنفی تعصب کا کور چڑھانے اور تفسیر کو تصوف میں رنگنے کی کوشش کی جاتی ہے، اہل حدیثوں کی مخالفت نے بھی ان کو حدیث وتفسیر سے جوڑ رکھا ہے اگر مسابقہ آرائی کا جذبہ نہ ہوتا تو استرخاء کا شکار ہوتے اور تفسیر وحدیث کی تدریس موقوف ہوجاتی۔ یہ بھی تاریخ اہل حدیث کا شاندار باب ہے کہ مخالفین کو قرآن وسنت سے جوڑ رکھا ہے۔

بریلویت تو پوری طرح پرانی قبوریت کا وارث ہے۔ اور سراسر ادعا اور وھم، الگ لائن، شہیدین کی دعوت کا یہ بھی ایک کارنامہ ہے کہ اس نے جہاں کروڑوں لوگوں کو راہ مستقیم پر کھڑا کردیا، وہیں مخالفین کو بذات خود بعض اصلاحات پر مجبور کردیا، قبوریت میں تشیع کی بڑی آمیزش تھی، سمجھ دار بریلوی علماء کی وجہ سے بظاہر ریت ورواج کی بہت سی چیزیں نکالی گئیں، سماج میں لین دین، خوشی غم، شادی بیاہ، کفن دفن میں پرانے بہت سے خرافات کو اچھے گھرانوں نے ختم کیا۔

قبوری علماء جو یکا دکا شہیدین کے ساتھ تھے وہ شاہ شہید کے دور میں کٹنے لگے تھے۔ جب الگ الگ دوراہیں نکلیں تو شہیدین کی دعوت اہل حدیثوں کے لئے سمٹ کر رہ گئی۔ صادقین صادق پور قریب ایک صدی تک پوری تندہی اور امانت داری کے ساتھ پورے برصغیر میں یہ امانت سنبھالے رہے اور اسکی خاطر وہ سب لگا دیا جس کا ایک انسان کے اندر امکان ہوتا ہے۔

بیسویں صدی میں حالات بدل گئے، ملک کے سارے فیصلے قومیائی اور علمانی بنیادوں پر ہونے لگے، اسلامی ریاست کے قیام کے لئے مجال ہی نہیں رہا، اس کا سیاسی عمل رک گیا۔ سارے علماء قومی علمانی سیاست میں لگ گئے۔ اور ہر مسلک کے لوگوں نے اس میں اشتراک کیا۔ لوگوں کے الگ الگ دینی ادارے قائم ہوگئے، انجمنیں بن گئیں، الگ الگ مساجد بن گئے۔ اور اپنے اپنے مسلک کی ترویج واشاعت میں لگ گئے۔ مشترکہ پلیٹ فارم بھی نہ رہا، نفس پرستی اسے کھا گئی۔ آج لوگ اپنی اپنی مسلکی شناخت کے ساتھ جی رہے ہیں۔ اور جو طاقت ور بن گئے ہیں دوسروں کو کھا جاتے ہیں اپنے سے کم طاقت والوں کی مسجدیں گرادیتے ہیں، ادارے قبضہ کرلیتے ہیں۔

آج برصغیر کا سارا سرمایہ علم وامت شہیدین کی دعوت کا رہین ہے۔ ہر قسم کی سیاسی، دینی، دعوتی، تعلیمی، سماجی جدوجہد میں اس کے اثرات کلیتاً موجود ہیں۔

مغل سلطنت کے بکھرنے کے بعد برصغیر کے مسلمان یتیم ہوگئے اور اس طرح بکھراؤ کا شکار ہوئے کہ سروں کی فصلیں کٹ گئیں اور آج تک وہ سلسلہ جاری ہے۔ دوصدیوں کے اندر ان کے مقدر میں صرف انحطاط اور ناکامی لکھ دی گئی ہے۔ استعمار کی راہ میں ساری رکاوٹیں ختم ہوتی گئیں۔ ٹیپو سلطان کا سقوط میسور، سراج الدولہ کا سقوط بنگالہ، ۱۸۵۷ء کا انقلاب، تقسیم ہند، تقسیم پاکستان، بابری مسجد کا انہدام، فرقہ وارانہ فسادات، مسلسل مسلمانوں کی ہزیمت کے محاذ میں سازشیں، کمزوریاں غفلتیں رنگ لائیں۔ اور ہم آج اجتماعی سزا بھگتتے چلے آرہے ہیں۔ دوسو سالہ وقفے میں تمام فتنوں کے خلاف

اگر کوئی طاقت کھڑی ہوتی اور ایکشن پلان لے کر آتی تو وہ صرف شہیدین کی دعوت تھی۔ اگر اس کے مرحلہ وار عمل اور جدوجہد کو نظرانداز کر دیں تو پھر برصغیر کے مسلمانوں کے پاس بچتا کیا ہے۔ ہمارا سارا وجود مائنس پوائنٹ پر جائے گا۔ اور مائنس سو پر تو تحریکی ہیں۔ قریباً ایک صدی میں انہوں نے فتنہ وفساد گمراہی اور قتل وخوں ریزی کے سوا کچھ نہ دیا۔ صرف تعلّی کا شکار رہے اور مودودی جیسے کنفیوز و بگڑے دانشور کی ہفوات میں پڑے رہے۔

تاریخ اہل حدیث نے برصغیر کے مسلمانوں کی تنظیم نو کی ہے اور ہر میدان میں ان کو راہ مستقیم پر لانے کی کوشش کی ہے، انہیں اپنے وجود کی، دین اور سماج کی شناخت دی ہے۔ تاریخ اہل حدیث سرفروشیوں اور کامیابیوں کا نام ہے، اہل حدیث سرخرو تھے اور سرخرو تاریخ رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق دیوبندی گپ محض ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے خود کو تاریخ میں اہل حدیث کی جگہ فٹ کرنے کی۔

آزادی سے کچھ پہلے اور آزادی کے بعد اہل حدیث افراد، تنظیمات اور ادارے تنزل کا شکار ہونے لگے اور اب تاریخ اہل حدیث کے خصائص وامتیازات کا ادراک ہمارے اپنے لوگوں میں نہیں رہ گیا ہے۔

اس مختصر سے مقدمے میں تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ اس میں قابل غور نقطوں کی طرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ اور قارئین سے اپیل کی جاسکتی ہے کہ حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں، تاریخ اہل حدیث سے متعلق چھٹ بھیوں کی سفیہانہ باتیں قابل اعتناء نہیں ہوتیں۔ نہ ان کے پاس اتنی سمجھ ہے کہ ان امور کو سمجھ سکیں۔

مولانا عبدالحکیم صاحب اس کام میں لگے ہیں ان سے گذارش ہے کہ تاریخ کا سودا بہت کھرا ہوتا ہے ہر الو کلو کو اس بزم میں نہ سجائیں۔ نہ ہر ایرے غیرے سے سرٹیفکیٹ لینے کے سودائی بنیں۔

اللہ تعالی انہیں خیر کی توفیق دے اور ان کی جہود کو قبول فرمائے، مطالعہ تاریخ کا ایک اسلامی منہج ہے اس کے مطابق حقیقت نگاری کی جائے، حقیقت کیا ہے وہ فکری وعملی سرگرمیاں جو زندگی میں جاری رہتی ہیں اور جن سے تاریخ بنتی ہے۔ یہ سرگرمیاں جو تاریخ کے حقائق کا روپ اختیار کرتی ہیں ان کا ادراک وہی شخص کرسکتا ہے جو صاف ستھرا ذہن رکھتا ہو۔ سرگرمیوں کی صحت ومنہجیت کی خبر رکھتا ہو۔ اس کے اچھے برے نتائج اس کے حیطۂ امکان میں آسکیں۔ وہ حالات وظروف کو جانتا ہو، اس کے وقت کے رجحانات اور صلاحیتوں کو جانتا ہو۔ مصلح داعی اور رجال کار وقیادت کے مشکلات، مسائل منصوبے ہمت وحوصلے، صلاحیت، علمیت اور منہجیت کو جانتا ہو۔ ان کی جانفشانی اور قربانی کی قدر جانتا ہو۔ اگر کسی قلم کار کو ان تفصیلات کی خبر نہ ہو تو ایک بازاری کی طرح تاریخ کو اپنی پھکڑ بازی کا نشانہ بنا سکتا ہے اور کچھ نہیں۔

تاریخ اہل حدیث پر ظلم کا ایک طریقہ دیوبندی حضرات کا ہے۔ اس طرز تحریر سے انہوں نے تاریخ اہل حدیث چرالی۔ اس کی ابتدا مولانا عبیداللہ سندھی سے ہوئی، ان کے خاکے میں مولانا محمد میاں نے رنگ بھرا اور سارے کے سارے دیوبندی قلمکار اس پر ٹوٹ پڑے، ساری تاریخ کو اپنانے اور اہل حدیث اساطین کو بدنام کرنے کا انہوں نے بیڑا اٹھالیا۔ حکیم سید عبدالحئ، ایوب قادری اور علی میاں نے اس میں زیادہ حصہ لیا۔ شہیدین کی دعوت وتجدید اور احیاء دین کو خاندانی بنانے کی ناروا کوشش رائے بریلی کے گھرانے نے برابر کی خاص کر علی میاں نے اور ان کے اباجان نے سید السادات نذیر حسین اور سید والا جاہ نواب صدیق حسن بھوپالی کو ٹارگیٹ بنایا، اس مسلسل کوشش سے برصغیر کی پوری تاریخ دعوت وتعلیم دیوبندی بن گئی اور سارے سیکولر ومذہبی قلمکار اس نہج پر چل پڑے۔

تحریکی تاریخ اہل حدیث کو دیوبندی منہج سے پڑھتے ہیں یا مودودی کی استنکاری وانکاری منہج سے پڑھتے ہیں۔ مودودی نے دعوت شہیدین

کے متعلق ''تجدید واحیائے دین'' میں عامیانہ سرسری تبصرہ کر دیا اور اسے ناکام ہونے کا فتوی دے دیا، بس اسی کو نیم اہل حدیث و نیم مودودی سیانے لے اڑے اور بدبودار دانشوری پھیلانا شروع کر دیا۔ تاریخ تاثراتی ادبی تبصرہ کی چیز نہیں ہے، مذکورہ تفصیلات سے آگاہی کے بغیر ڈیڑھ دوصدی کی بے مثال قربانیوں کو آج کے اٹھائی گیروں، چندٹکوں میں بکنے والوں کو اتنی جرأت نہیں ہونی چاہیے کہ انکار کریں اور ان عظماء کے متعلق فلم شعلے شائع کریں۔

ہر پڑھے لکھے انسان کو علمی سرگرمیوں کی بداھۃً علی الاطلاق اجازت ہے لیکن کسی کو یہ اجازت نہیں کہ دیوبندی یا مسلکی منہج سے تاریخ اہل حدیث پڑھے اور اس کا تیاپانچہ کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوتا ہے۔ اہل حدیث تاریخ پڑھنے کے مذکورہ حقائق کو جاننا بہت ضروری ہے۔

آج جس طرح بے جا شہرت اور زر کی طلب ہے اس سے جس طرح سطحیت پھیل رہی، تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری، ایک کھیل بن چکی ہے۔ حالات ایسے ہیں اخلاقی معیار کی پستی کے سبب ایک مجرم کو بھی لوگ معتبر مان بیٹھتے ہیں۔ اور مطلب براری کے لئے تو اخلاق واعتبار اور ثقاہت کی دھجیاں روز اڑائی جاتی ہیں۔

اباحیت پسندانہ اور منفعت پسندانہ ذہنیت تو اشرار وقت کی دوستی کو پسند کرتی ہے کہ بے لگام، اصول وضوابط سے عاری لوگ زیادہ مفید بن سکتے ہیں، انہیں کہیں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور لوگ کہیں بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ بہر حال اب بچا ہی کیا ہے، جن کو تاریخ کی حقیقت نگاری سے دلچسپی ہو وہ تاریخ اہل حدیث کے موجود سارے مواد کو پڑھیں اور تاریخ کے منہج اہل حدیث کے مطابق حقائق کی رونمائی کریں۔ اور اگر ہرایرے غیرے کے گپ اور افسانہ ہی کو پسند کرنا ہے تو راہ کھلی ہے، کوئی کسی پر حاکم نہیں اور ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں تو انسان کی حکومت اپنے او پر نہیں چلتی وہ صرف نفس کا شکار رہتا ہے۔

بہت سے لوگوں کو برا لگتا ہے کہ کیوں بار بار تاریخ کا رونا رویا جاتا ہے۔ ایسے فریب خوردہ لوگوں سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جب علمی دنیا میں پائریسی ہوگی اور اس کا ذکر آئے گا تو اپنی تاریخ کا رونا رویا ہی جائے گا، جن کو تاریخ اور اس کے اثرات کا شعور نہیں ہے ان کو گپ اور افسانے سے دلچسپی ہے وہ یہ دکھڑا سنیں کیوں۔ افسانہ پڑھیں، گپ لگائیں، خوش رہیں، تماشائی بن کر رونے دھونے کی بات فیشن کے طور پر نہ کریں۔

یہ سب سے بڑا جرم ہے کہ تاریخ چرائی جائے، اس میں گھپلا کیا جائے یا انکاری رویہ اپنایا جائے۔ علمی امور میں خیانت، مالی خیانت سے زیادہ ہولناک ہے۔ اور بلا جانے سمجھے انکاری نہج اختیار کرنا جہالت کو علم ودانش بنانے کی ناکام کوشش ہے۔ جن کو تاریخ کی خبر نہ ہو یا خبر ہو مگر اسے گپ بنانے کی خواہش ہو ان کے لئے اور کام ہیں ایسے لوگ تاریخ پر لب کشائی کرنے کے بجائے رافضیت کی خدمت کریں زیادہ آمدنی ہو جائے گی۔

عبدالمعید

۲۹۔۱۱۔۲۰۱۹ء

❑❑❑

باب اوّل

تاثرات وانطباعات

پیغام آفریں:

استاذ الاساتذہ

فضیلۃ الشیخ محفوظ الرحمن فیضی رحفظہ اللہ

سابق شیخ الجامعہ جامعہ فیض عام، مئوناتھ بھنجن یوپی

گرامی قدر مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی رحفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

یاد فرمائی کا تہ دل سے شکریہ، آپ کا ارسال کردہ بیش بہا تحفہ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی کا شائع کردہ دو سالنامہ ''تاریخ اہل حدیث'' (۲۰۱۶ء۔۲۰۱۷ء) موصول ہوا۔ میں نے پہلی فرصت میں اسے اول تا آخر پڑھا، آپ نے جماعت اہل حدیث کا تاریخی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس عظیم مہم پر میں آپ کو دل کی گہرائیوں سے ہدیہ تحسین وتبریک پیش کرتا ہوں۔ اور اللہ رب العالمین سے دعا گو ہوں کہ اس مہتم بالشان منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے اور آپ کے حوصلہ وہمت میں مزید توانائی اور ترقی عطا فرمائے، ہمتِ مرداں مدد خدا۔ آمین۔

آپ نے اس سالنامہ کو ایک متنوع گلدستہ کی شکل میں پیش کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ شخصیات کے ساتھ مقامات اور جماعتی اداروں کے تعارف پر مشتمل مضامین کو بھی شامل کیا ہے۔ اسی کو پڑھ کر ناچیز کے دل میں داعیہ پیدا ہو کہ مئوناتھ بھنجن کی تاریخ اور جماعتی حیثیت سے متعلق چند صفحات لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کردوں، ہوسکتا ہے کہ آپ کے ساتھ تعاون کی یہ بھی کوئی مقبول صورت قرار پاسکے۔

آخر میں میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ شخصیات وغیرہ کے تعارف وتذکرے میں تکرار سے بچنے کی کوشش کریں تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، بہرحال میں آپ کو اور مرکز کے جملہ رفقاء ومعاونین اور ذمہ داروں کو یہ زریں سلسلہ شروع کرنے پر مکرر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ وشکر اللہ مساعیھم وجزاھم احسن الجزاء۔

ہیچمداں
محفوظ الرحمن فیضی۔ مئو

❑❑❑

پیامِ تہنیت:

محسنِ جماعت

فضیلۃ الشیخ شیر خان جمیل احمد عمری/حفظہ اللہ

رکن مجلس القضاء الاسلامی بریطانیہ

''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' برصغیر میں علمائے اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیائی کام کے سلسلے کی ایک اچھی کاوش ہے، اس مجلہ کا تیسرا سالنامہ طبع ہوکر آپ کی روح وقلب کو معطر کرنے جارہا ہے۔

میرے مخلص، جماعت کے ایک متحرک، متحمس، فاضل عالم دین شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود سلفی مدنی حفظہ اللہ اس کے مرتب ہیں۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ثقیل فریضہ کے ساتھ ساتھ اس کٹھن کام کو بھی انجام دینا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے کرم ہی کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں بہت سارے معززین ایسے عظیم کاموں کا منصوبہ بناتے ہیں لیکن وہ کرنہیں پاتے ہیں، دراصل یہ نصیب کی بات ہے۔ شیخ عبدالحکیم مدنی صاحب نہ صرف مبارکباد کے لائق ہیں بلکہ آپ ہم سب کی ڈھیر ساری دعاؤں کے بھی مستحق ہیں فجزاه الله أحسن الجزاء فی الدارین۔ آمین۔

قارئین کرام! ایک سروے کے مطابق آج دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں سرفہرست کتابیں ''سوانح'' پر مشتمل ہیں۔ انسان کبھی نہیں چاہتا کہ وہ ناکام ہو اس لئے وہ کامیاب لوگوں کی سوانح پڑھنے کا خوگر ہوتا ہے۔ وہ کامیابی کے ہنر سیکھنا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو کامیاب لوگوں میں شامل کرنا چاہتا ہے، آپ جانتے ہیں سوانح میں تین بنیادی چیزیں ہوتی ہیں، زمانہ، فرد اور واقعہ (کارنامہ)۔ جس سے واقف ہوکر ایک انسان اپنے کاموں کے لائحہ عمل کو ترتیب دیتا ہے۔

قرآن مجید کو اللہ عزوجل نے ''کتاب ہدایت'' قرار دیا اور اس کے اندر ایک بھرپور حصہ انبیائے کرام کی سوانح کو بھی رکھا پھر آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے کارناموں کے تذکرہ کے بعد فرمایا: ''لقد كان لكم فی رسول الله أسوة حسنة (الاحزاب:۲۱) رسول اکرم کی ذات (سوانح) تمہارے لئے بہترین اسوہ ونمونہ ہے۔''

تاریخ اہل حدیث دراصل تاریخ اسلام ہے۔ علمائے اہل حدیث کی خدمات اور ان کے کارناموں کے تذکرے کے بغیر اسلام کی تاریخ بیان نہیں کی جاسکتی ہے، یہ کوئی مبالغہ یا تعصب پر مبنی بات نہیں ہے بلکہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔

علمائے اہل حدیث نے اسلام کی خالص تعلیمات کو اس کی اصلی شکل میں باقی رکھنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے میں جو محنتیں، مشقتیں اور قربانیاں پیش کی ہیں اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے اس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کرسکتا۔ جماعت اہل حدیث کے علماء فرمان

رسول: ''لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق '' کی عملی تفسیر ہیں۔

لہٰذا ان نفوس قدسیہ کی سیرت اور کارناموں کا مطالعہ تاریک راہوں میں قندیل کا کام کرتا ہے۔ مستقبل کے دعاۃ کو تیار کرنے میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ ان علماء کی سیرت کے مختلف گوشوں سے عبرتیں، نصیحتیں اور بہت سارے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ جن کو مدنظر رکھ کر آنے والے اپنے کام کا لائحہ عمل ترتیب دینے میں غلطیوں سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان علماء کی سوانح کی حفاظت کا کام بلا شبہ ایک عظیم خدمت ہے۔

میں شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی صاحب حفظہ اللہ اور ان کے جملہ معاونین کرام کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ ذھبیہ کو دراز سے دراز فرمائے اور آپ سب کو دنیا وآخرت میں بہترین بدلہ کا مستحق ٹھہرائے۔ آمین۔

شیر خان جمیل احمد عمری

رکن مجلس القضاء الاسلامی بریطانیہ

صدر صلح کمیٹی

مرکزی جمعیت اہل حدیث بریطانیہ

وسابق شیخ الجامعۃ المحمدیۃ منصورہ، مالیگاؤں انڈیا

❑❑❑

کلمات تبریک:

صاحبِ درس وافتاء

فضیلۃ الشیخ عبدالستارالسراجی /حفظہ اللہ

وکیل جامعہ سراج العلوم، بونڈیہار

مکرمی ومحترمی جناب مولانا عبدالحکیم عبدالمعبودالمدنی /حفظہ اللہ وتولاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا!

عرض یہ ہے کہ مرکز تاریخ اہل حدیث الہند کے زیراہتمام شائع ہونے والا ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' کی اشاعت پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور امت کی رہبری ورہنمائی میں یہ سالنامہ سنگ میل ثابت ہو آمین۔

درحقیقت یہ سالنامہ نہیں بلکہ تحریک اہل حدیث کا ایک روشن باب ہے جس سے کامیابی کی بہت سی راہیں وا ہونگی، اور تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن مینارہ ہے جہاں سے افراد جماعت کی تابناک زندگیوں میں جھانک کر درس عبرت لی جائے گی، افراد امت کے لئے ایک مضبوط قلعہ ہے جس کے ذریعے بے راہ روی اور انارکی سے تحفظ ملے گا، زمانے کے سردوگرم میں زندگی گزارنے کی ترکیب ملے گی، کس ڈگر پر خود کو چلا کر کامیابی سے ہمکنار کیا جاسکتا ہے اس سالنامہ کے ذریعہ مکمل رہنمائی ملے گی، اسلاف کرام کی زندگیوں کے نشیب وفراز سے اصلاح کے طریقے اور بندشوں سے نکلنے کی تدبیریں معلوم ہوں گی، اسلاف نے کیا پایا، کیوں پایا؟ اور کیا کھویا کیوں کھویا؟ اس کیا اور کیوں کے مطالعہ سے کھونے کی راہیں مسدود ہوں گی اور پانے کی راہیں کھلیں گی ان شاء اللہ۔

اس لئے میں دوبارہ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اتنی بڑی ذمہ داری اپنے کاندھے پر رکھ کر جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب کرنے کا قرض گویا جماعت کی طرف سے ادا کررہے ہیں اور تاریخ اہل حدیث مرتب کرنے کی راہیں ہموار کررہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تاحیات آپ سے یہ کام لیتا رہے اور اسے آخرت میں آپ کی کامیابی کا ذریعہ بنائے آمین۔

خادم جماعت

عبدالستار راغب اللہ السراجی

وکیل جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار، بلرام پور۔ یوپی

❑❑❑

تبصرہ وتجزیہ:

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری رحفظہ اللہ

استاذ جامعہ سلفیہ وایڈیٹر ماہنامہ 'محدث' بنارس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد:

مذہب اسلام ایک ہمہ گیر اور آفاقی دین ہے جس کی اساس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔ ان ہی دونوں چشموں پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے اور یہ دونوں چشمے باہم اس قدر مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، ان کا ربط وتلازم اس بات کا داعی ہے کہ ایک کے انکار سے دوسرے کا انکار لازم آئے۔ دین اسلام کی سچی تعبیر کے لئے یہی دونوں چشمے ہیں، اور علمائے اہل حدیث اپنے اعتقادی، فقہی، منہجی، علمی اور عملی امور کو انہیں دونوں مصدر یعنی کتاب وسنت سے استدلال اور اخذ واستنباط کرتے ہیں۔ مسلک اہل حدیث وہ مسلک ہے جو ہمیشہ آب وتاب کے ساتھ کرۂ ارضی پر جلوہ گر رہا ہے۔ باطل کی زور آزمائی اور کشمکش نے حق کی شعاعوں کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کی رفتار کو کم کردی مگر قیوم السماوات والارض نے ہر زمانے میں ایسے افراد کو پیدا کیا جن کی وجہ سے یہ طائفہ منصورہ ہر دور میں کم وبیش موجود رہی ہے اور ان تلبیسات وتشکیکات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے جو باطل نظریات وافکار کے حاملین کی طرف سے معرض وجود میں آئے۔ کوئی بھی مذہب ومسلک اپنے افراد ہی کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔ زندہ قومیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو اپنے ذہن وفکر میں اتار کر ان سے راہنمائی حاصل کرتی ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے عروج وارتقاء کے مدارج طے کرتی ہیں۔ ان کی مساعی جمیلہ، تگ وتاز اور محنت وکاوش دین وملت کے حوالے سے ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

جب خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور فتنے آندھیوں کی طرح رونما ہونے لگے تو محدثین علماء ہر روایات کو اخذ کرنے میں احتیاط سے کام لینے لگے اور عرض کرتے کہ'' سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ ''اپنے لوگوں کا تذکرہ کرو، صحیح اور ضعیف احادیث کی تمیز انہیں رجال پر مبنی ہے، اسی لئے محدثین نے فن علم الرجال کی تاسیس کی اور زبردست طریقے سے حدیث کے راویان ورجال کی سوانح عمریاں اور ان کے تراجم زیب قرطاس کیا اور اس کو ایسا منظم، ممہد، مستحکم اور مشید کردیا کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا۔ اگر یہ تراجم آج ہمارے پاس نہ ہوتے تو حدیث پر صحت وضعف اور قوی وسقیم کا حکم لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف نہیں، بلکہ محال اور ناممکن امر تھا۔ اللہ تعالیٰ محدثین کرام کی مساعی کو قبول فرمائے اور ان کے بدلے میں انہیں باغ فردوس کی کیاریوں میں غوطہ زن کرے۔

مذکورہ قول میں جہاں رجال کے تذکرے کی بابت ترغیب دی گئی ہے وہیں یہ اشارہ بھی ہے کہ رجال کے تذکرے کی ابتدائی کوشش اور جہد تدوین وترتیب ہے۔ علمائے متقدمین کے ذہن ودماغ میں حدت، سیلانیت اور ذہانت کی جو صلاحیت تھی وہ قرون متاخرہ کے لوگوں میں کہاں پائی جاتی ہے۔ اب زمانہ علم الصدور کا نہیں بلکہ علم السطور کا ہے۔

سوانح نویسی اور ترجمہ نگاری کے لئے علمائے اہل حدیث سے بہتر کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ مقدس گروہ ہے جس نے درس وتدریس اور تسمیع کے ذریعہ احادیث رسول ﷺ کی ترویج واشاعت کی۔ اجازہ، اور مناولہ کے ذریعہ اسے فروغ بخشا۔ تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حدیث رسول ﷺ کو وضاعین کی وضع واختلاق سے پاک کیا۔ تاویلات رکیکہ اور تحریفات سئیہ کا ٹھوس علمی انداز میں اوران کے اندرون میں مخفی باطل افکار وخیالات کا قلع قمع کیا۔ یہ وہ نابغہ روزگار ہستیاں ہیں جو اپنی اصلاحی کوششوں، تقوی واخلاص، خیر خواہی اور حسن کردار کی بنا پر معاشرہ میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہیں اور جماعتی حمیت اور مسلکی غیرت کے اعتبار سے ہمارے لئے قدوہ ہیں۔ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہماری حصہ داری اس میدان میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ہمارے اجلہ علمائے کرام جن کی سمعت وشہرت اور ناموری اندرون ملک ہی نہیں، بلکہ بیرون ملک میں انہیں درجہ سند حاصل ہے، ان کی کوئی تفصیلی سوانح نہیں ہے۔ غیروں نے اس میدان کو اتنا سر کرلیا کہ رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کررہے ہیں، مگر ہم پہاڑ کو پہاڑ بنا کر پیش کرنے سے عاجز رہ گئے۔ حالانکہ سب لوگ اس بات سے اتفاق رکھتے ہیں کہ ربانی علماء کے تذکرے اوران کی فقہی تدبر، علمی تبحرّ، تصنیفی ذوق اور تحقیقی شوق کے زمزمے لوگوں کے کانوں میں رس گھولتے ہیں اوران کی یادداشتوں اور سرگزشتوں کے حسین تذکرے قلب وجگر میں جوش کورواں کرتے ہیں۔

صاحب سیرۃ البخاری حضرت مولانا عبدالسلام مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’ہم اپنی قومی ومذہبی روایات سے بالکل ناواقف ہیں۔ ہم ایسی تفسیر سے جو مادی، سوشل اور سیاسی امور کی تعلیم کو واضح طریق پر ایک ساتھ بتاتی ہو، نہ انبیاء، صالحین، محدثین، علماء، فضلاء کی صحیح سوانح عمریاں موجود ہیں جو عمدہ نمونہ ہر وقت پیش کرے، بخلاف اس کے یورپ میں ادنی سے ادنی شخص کی اس تفصیل سے حالات لکھے گئے ہیں جن سے وہ ہر طرح کے سبق پاتے رہتے ہیں۔ قومیت زندہ رہتی ہے اوران کی ہمت بڑھتی رہتی ہے۔ ہمارے تنزل کا ایک سبب یہ ہے کہ ہمارے قومی کارناموں کا کوئی عمدہ انتظام اور سلسلہ نہیں رہا‘‘ (فتاوی شیخ الحدیث مبارک پوری، ۲/ ۲۶۱)

مذہب اہل حدیث اوراس کے نابغہ روزگار، یکتائے زمانہ، بیہقی زماں، فقیہ دوراں، راسخین فی العلم اور متقنین علماء پر مشتمل کتاب (سالنامہ تاریخ اہل حدیث) بیش بہا علمی ذخائر اور تاریخی دستاویز ہیں جن میں ہمارے اسلاف کرام کی جہود ومساعی کو نئے قالب اوراحسن طریقے سے ترتیب دیا گیا ہے اوران کے متنوع کارناموں اور خدمات کو دنیا کے سامنے عمدہ اسالیب اور جدید زاویے میں پیش کیا گیا ہے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں ان کی علمی میراث، اصلاحی، تحریکی، تعمیری اورفنی کمالات، درخشاں پیغامات اور حیات بخش نظریات سے مستفید ہوں۔

اس وقت میرے سامنے سالنامہ تاریخ اہل حدیث کی دونوں جلدیں ہیں جن کا ٹائیٹل رنگین، دیدہ زیب اور عمدہ طباعت سے مزین ہے۔ پہلی جلد ۳۷۶ صفحات میں سات ابواب پر محیط ہے تو دوسری جلد ۵۷۴ صفحات میں آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدوں کا مقارنہ کیا جائے تو جلد اول کے مقابلہ میں دوسری جلد میں (باب چہارم: عالم اسلام کے سلفی اساطین علم وفن) کا اضافہ ہے اور یہ بہت عمدہ اضافہ ہے کہ ملک عزیز کے سلفی علماء کے ساتھ بیرون ملک کے سلفی علماء سے بھی متعارف ہوسکیں۔

بروقت دوسری جلد کا تعارف نامہ پیش خدمت ہے۔

□ **باب اول:** میں تاثرات وانطباعات ہیں جو پانچ گرامی قدر علماء کے تاثرات، تبریکات، رشحات اور پیغامات پر مشتمل ہیں جو صفحہ ۱۷ سے ۲۳ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

□ **باب دوم:** میں تاریخ اہل حدیث کے متعلق بحوث ومقالات ہیں جو بارہ عناوین پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۲۵ سے ۱۱۳ تک محیط ہیں۔

□ **باب سوم:** میں یادرفتگاں کا ذکر خیر ہے جو محدث کبیر علامہ محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی

سے شروع ہوکر پروفیسر عبدالودود اظہرؒ پر ختم ہوتا ہے۔اس باب میں کل ۲۳/ علمائے اہل حدیث اوراعاظم رجال کے تراجم ہیں جوصفحہ ۱۱۵ سے ۳۳۸ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

□ **باب چہارم:** عالم اسلام کے سلفی اساطین علم وفن کے لئےمخصوص کیا گیا ہے۔تین جلیل القدر علماء کی سوانح اوران کی مساعی جمیلہ کا تعارف پیش کرنے کے لئے ۳۴۰ سے ۳۵۹ تک بیس صفحات کواستعمال کیا گیا ہے۔

□ **باب پنجم:** ۲۰۱۷ء میں وفات پانے والے علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے،جس میں ۳۶۱ سے ۴۵۲ صفحات میں ۱۳/ علمائے کرام کے تراجم کوجگہ دی گئی ہے۔

□ **باب ششم:** ۲۰۱۷ء میں وفات پانے والے اعیان جماعت وہمدردان جمعیت کے تذکروں کے لئےمختص ہے،جس میں بشمول مولاناخلیل الرحمن صاحب عمری اورمولاناظہیرالدین صاحب رحمانی،۱۹/ افراد کے تراجم کوصفحہ ۴۵۴ سے ۴۷۵ تک اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔واضح رہے کہ باب پنجم میں ان دونوں مذکورہ شخصیات کا تفصیلی ترجمہ بھی ہے۔

□ **باب ہفتم:** موجودین علمائے کرام اوراعیان جماعت کے لئے خاص ہے،جس میں ۴۷۷ سے ۵۶۹ تک ۱۷/ علمائے کرام کے تراجم کواحاطہ تحریر کیا گیا ہے۔

□ **باب ہشتم:** مناظرات اورمتفرقات پرمشتمل ہےجس میں ۵۷۴ صفحہ پرضروری وضاحت اورگزارشات کوقلم بندکیا گیا ہے،جس میں تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کے مقصدکو بیان کیا گیا ہےاورگزارش کی گئی ہے کہ تذکرہ نگاری میں جماعت اہل حدیث بہت پیچھے ہے،اس لئے علمائے کرام اوراعیان جماعت اپنی سوانح اورخدمات کا خاکہ جلدازجلدارسال کرنے کی زحمت کریں تاکہ اچھےاورمنظم طریقے پراس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔

علماء حضرات سے باادب التماس ہے کہ اس گزارش پر دھیان دیں۔اپنے اوراپنے قرب وجوار کے علماء اوراعیان جماعت کی جوبھی خدمات ہوں انہیں منظرعام پرلانے میں تعاون کریں۔ورنہ:

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

کتاب میں خال خال ہی پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں۔ایک ہی عالم کے ترجمہ کے لئے تین تین اہل قلم کی تحریروں سے کچھ چیزوں میں تکرار پیدا ہوگئی ہے جوبعض اہل علم کے یہاں باعث نقد ہے۔اگران تحریروں کوجامعیت کے ساتھ ایک ہی تحریر میں سمودیا جاتا توتکرار بھی ختم ہوجاتی اور بارخاطر بھی نہ ہوتا۔ویسے یہ منہج بھی بعض اہل علم کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔

اس عظیم خدمت پرمیں اپنے رفیق محترم شیخ عبدالحکیم بن عبدالمعبود مدنی/حفظہ اللہ تعالیٰ کوبہت بہت مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے بڑی مستعدی اورجانفشانی سے اس ذمہ داری کوبحسن وخوبی اداکیا۔میں رب جلیل کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ انہیں مزید علمی، تدریسی،دعوتی،تصنیفی،تحقیقی،صحافتی اورجماعتی خدمات کی توفیق بخشےاورتاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کوپایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے صحت وتندرستی اورحسن عمل کے ساتھ وقت اورعمرمیں برکت عطافرمائے،آمین۔

۳۰جولائی ۲۰۱۹ء

□□□

تبصرہ وتجزیہ:

معروف قلمکار

مولانا ہلال ہدایت السّلفی/حفظہ اللہ

ایڈیٹر ماہنامہ'الاتحاد'ممبئی

ہندوستان میں اہل حدیث کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی مسلمانوں کی تاریخ۔دونوں لازم وملزوم ہیں جس کے امتیاز سے ہمارا مضبوط تاریخی قلعہ منہدم ہوجائے گا۔ بلادِ حرمین میں اسلام کی کرن پھوٹنے کے بعد جب چہار دانگ عالم میں اس کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی تو ارضِ ہند میں بھی قرآن وسنت کی شعاعیں جگمگائیں، یہاں بھی قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں اور شرک وبدعت کے اس مندر سے اللہ اکبر کی دل نواز آواز سے کالی بدلی چھٹی۔ابتداء میں صرف کتاب وسنت ہی رواج پذیر رہا لیکن تطورِ زمانہ کے ساتھ جب عربوں کا عجمیوں سے اختلاط ہوا تو کچھ نا کچھ چیزیں علاقائی لوگوں سے در آئیں جس میں تصوف،شیعیت،حزبیت اور اعتزال کا اثر کافی تھا۔علماء ومحدثین اور فقہائے کرام نے خالص اسلام کو بعد والوں تک پہنچانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کرنا شروع کیا،رجال وتراجم کو اکٹھا کیا،اس طرح احادیث کے ساتھ جستہ جستہ اسلام کی تاریخ منضبط شکل میں آتی گئی اور بعد میں یہی تاریخ کہلائی۔تاریخ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں داخلہ کے بعد کسی بھی زمانہ میں موجود شخصیات وواقعات چلتی پھرتی تصویر بن کر محفوظ ہوجاتی ہیں،دشمن کی نظر عنایت اور دوست کی کرم فرمائی کی وجہ سے آئندہ نسلوں کے لئے ذخیرۂ تقدس ہوجاتی ہیں۔

اہل حدیث کا مرجع کتاب وسنت،صحابہ کرام،تابعین،اتباع تابعین اور سلف صالحین کا عمل ہوتا ہے اس لئے ان کی نسبت سلف کی جانب کرتے ہوئے انہیں سلفی بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں یہ گروہ ہمیشہ سے رہا ہے اور اس کی مقدس تاریخ رہی ہے، اٹھارہویں اور انیسویں صدی تو پورے عالم کے لئے مرجع خلائق تھی،دبستان علم وفن یہیں تھے۔دہلی، پٹنہ، بھوپال گنجینۂ علم وفن سمجھے جاتے تھے، یہاں موتیاں رولی جاتی تھی۔دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خانوادہ اور بیسویں صدی کے اوائل میں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ اور پوری دنیا میں ان کے مثبت اثرات نے بقعۂ ارضی کو جنت نما بنادیا تھا۔یہ ساری چیزیں ہمارا تاریخی ورثہ ہیں اور جس کی چلتی پھرتی تصویر ہمارے آباء واجداد تھے جن کے اثر سے اہل حدیثیت برقرار ہے۔تاریخ کا تحفظ کسی بھی قوم کے لئے مالی خزانوں سے زیادہ قیمتی ورثہ ہوتا ہے،اس کی ذمہ داری متعلقین کی ہوتی ہے کہ وہ کس حد تک اس میں تعاون کرتے ہیں۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اپنی تاریخ اور سوانحی خاکوں کو ڈائری اور کتابوں میں محفوظ کیا ہے اور یہ سلسلہ قائم رہے گا کیونکہ ان سے حوصلہ اور لگن ملتا ہے ساتھ ہی مستقبل کی راہیں ہموار ہوئی ہیں۔

بزرگوں سے عقیدت واحترام،ان کی افکار ونظریات،ان کی دعوت وفکر کو محفوظ کرنا اور نسل نو کو اس سے روشناس کرانا ایک اہم ذمہ

داری ہے۔ یہ ذمہ داری اسی وقت ہوسکتی ہے جب ان کو کتابوں میں محفوظ کیا جائے۔ اسی تاریخی سلسلے کی غیر معمولی کڑی ہمارے ہاتھوں میں **سالنامہ تاریخ اہل حدیث شمارہ نمبر ۱** کے نام سے ہے، جس کو ترتیب دیا ہے جماعت کے غیور عالم دین فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ نے اور شائع ہوا ہے محسن جماعت جناب عبدالشکور چودھری حفظہ اللہ کے تعاون سے۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ ولی اللہی شخصیات کو خواندگان کے لئے پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ قابل مبارکباد ہیں شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کہ انہوں نے یہ بیڑا اٹھایا اور الحمدللہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ جس کی واضح مثال ہمارے سامنے موجود سالنامے کی دو جلدیں ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب 376 /صفحات پر مشتمل ہے جس میں عمدہ ونفیس کاغذ کے ساتھ دیدہ زیب اور جاذب نظر ڈیزائن میں ٹائیٹل پیج تیار کیا گیا ہے۔ ٹائٹل صفحہ کے اوپری حصہ میں **''تاریخ اہل حدیث کی حقانیت اور علمائے اہل حدیث کی گرانقدر خدمات پر مشتمل ایک اہم علمی وتاریخی دستاویز''** مرقوم ہے۔ جس سے مشمولات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اس مناسبت سے کتاب سے پہلے اس کے مرتب کا مختصر تعارف پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

نام ونسب: ابوالمظفر عبدالحکیم مدنی بن عبدالمعبود بن محمد بشیر بن محمد گلاب (بابا) خان

تاریخ پیدائش اور وطن: 26/دسمبر 1973۔ موضع ملگہیا، بڑھنی بازار، ضلع سدھارتھ نگر یوپی (انڈیا)

حالیہ عمل: استاد حدیث جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: (۱) 1977ء سے 1981ء تک آپ کی ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں کے مکتب مدرسہ بحر العلوم میں ہوئی، (۲) 1982ء میں ایک سال عربی کی تعلیم ننیہال اونرہوا، مدرسہ نورالہدیٰ میں پائی۔ (۳) 1983ء سے 1987ء تک چار سال متوسطہ کی تعلیم معہد التعلیم الاسلامی (حال جامعہ اسلامیہ سنابل) دہلی میں ہوئی۔ (۴) 1987ء سے 1990ء تک تین سال (رابعہ، خامسہ، سادسہ چند ماہ) کی تعلیم مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس میں حاصل کی، اور ثانویہ کی سند سے مدینہ یونیورسٹی میں قبل از وقت داخلے کی وجہ سے عالمیت کی تکمیل نہ ہوسکی اور مدینہ روانہ ہوگئے۔ (۵) 1990ء سے 1993ء ثانویہ اور 1993ء سے 1998ء تک کلیۃ الحدیث میں کل سات سال مدینہ یونیورسٹی میں کسب فیض کا حسین موقع ملا اور تلافی مافات کی تکمیل ہوئی۔ اور ہمیشہ امتیازی پوزیشن حاصل رہی۔ (۶) 2000ء سے 2001ء تک پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما (دبلوم عالی) جامعۃ الملک سعود ریاض سے مکمل کیا۔ (۷) دوران طالب علی مولوی، عالم الہ آباد بورڈ اور ادیب کامل، وماہر جامعہ اردو علی گڑھ سے فرسٹ ڈویزن پاس کیا۔ (۸) 2005ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ایم اے اسلامیات کی ڈگری فرسٹ ڈویژن کے ساتھ حاصل کی۔

سالنامہ تاریخ اہل حدیث سات ابواب پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تقسیم سے قبل شیخ محترم نے اداریہ بنام ''شجرہ طیبہ'' زیب قرطاس فرمایا ہے اور افتتاحیہ محسن ملت جرنیل تحریک ختم نبوت ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ اور مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی حفظہ اللہ کے قلم سے بنام ''تاریخ اہل حدیث کی تدوین: وقت کی اہم ضرورت'' لکھا گیا ہے۔

باب اول: تاثراتی وتہنیتی کلمات بعنوان ''تاثرات وانطباعات'' پر مشتمل ہے۔ جس میں جماعت کے نامور علماء کرام اور اعیان جماعت کے قیمتی تاثرات ہیں۔ مولانا عبدالمنان سلفی (ایڈیٹر ماہنامہ السراج، نیپال) اپنے تاثراتی کلمات میں رقمطراز ہیں: ''اس طرح مرکز تاریخ اہل حدیث کا یہ پہلا سالنامہ اپنے موضوع کے مختلف گوشوں کو سمیٹتے ہوئے ایک علمی مرقع اور حسین گلدستہ کی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے''۔

باب دوم: مختلف مقالات اور جماعت کے جواہر پاروں کے رشحات کا مجموعہ ہے جس میں ''حدیث اور اہل حدیث'' مولانا عبدالخالق محمد صادق (کویت)، ''اہل حدیث اور ان کا شرف وامتیاز'' حافظ صلاح الدین یوسف، ''اہل حدیث کا اعتقادی وفقہی منہج'' مولانا ابوالعاص وحیدی (ڈومریا گنج)، آبروئے اہل حدیث مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے قلم سے قیمتی مضمون ''سنت صحیحہ کے خلاف عالمی سازش''، ''اہل حدیث اور ان کا عقیدہ'' مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ''، ''ائمہ اربعہ کے سلسلے میں علمائے اہل حدیث کا موقف'' از طارق اسعد بن اسعد اعظمی کے وقیع مقالات ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد مضامین شامل ہیں جو کہ قاری کے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں کچھ علاقائی جماعت وجمعیت، اس کی خوبیوں اور اس کی تاریخ سے متعلق ہے اسی طرح جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کی تاریخ پر مشتمل مضامین شامل ہیں۔

باب سوم: ''یادرفتگان'' کے عنوان سے ہے جو صفحہ نمبر 135 سے شروع ہو کر 253/ پر ختم ہوتا ہے۔ جس میں جماعت اہل حدیث کے اساطین علماء ودعاۃ کی سیرت وسوانح کو قلم بند کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے جس شخصیت کو جگہ ملی ہے وہ ہیں گجرات کے بھوج کے مرد مجاہد ''مولانا عبدالرحیم پچھمیؒ'' جس میں ان کی حالات زندگی سمیت ان کے مناظروں کی روداد اور حصول تعلیم میں پیش آمدہ مصائب ومشکلات، ان کے رفقاء وتلامذہ کا تذکرۂ جمیلہ موجود ہے۔ اس کے بعد ''شیر گجرات محدث ہند علامہ عبدالجلیل سامرودھی علیہ الرحمہ مختصر داستان علم وعمل'' کے عنوان کے تحت شیخ عبدالحکیم مدنی صاحب کے قلم سے مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق شیخ الجامعہ ڈاکٹر رضاء اللہ سلفی مدنی رحمہ اللہ، شیخ ابوالمکرم عبدالجلیل سلفیؒ کی حیات وخدمات، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ، رئیس الاحرار مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ، استاذ الاساتذہ مولانا عابد حسن رحمانی رحمہ اللہ، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ سمیت کل 18/ شخصیات کے تراجم شامل ہیں۔

باب چہارم: ''مرحومین علمائے کرام اہل حدیث 2016'' کے تحت مذکورہ سن میں وفات پانے والے علمائے کرام کے سوانحی خاکے شامل ہیں جن میں عالم عرب وعجم کی عظیم المرتبت شخصیت ڈاکٹر عبدالعلیم بن عبدالعظیمؒ کی حیات وخدمات کافی اہم اور قابل مطالعہ ہے۔ ان کی شخصیت جہاں پورے عالم اسلام میں معروف ومشہور ہے وہیں اہل حدیث طلباء اور اساتذہ کے لئے مشعل راہ بھی ہے۔ انہوں نے قلیل مدت میں جو تاریخی کارنامہ انجام دیا ان شاء اللہ رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔ انہوں نے نظیر قائم کی اور بحث وتحقیق میں ممتاز مقام حاصل کر کے وقت کے موقرین میں نئی پہچان بنائی، اللہ ان کے اس دینی خدمات کو ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین) اس باب میں کل 17/ علمائے کرام جو حال فی الحال جماعت وجمعیت کی خدمت کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کی ہے، ان کے تراجم شامل ہیں۔

باب پنجم کے تحت مرحومین اعیان جمعیت وجماعت کے گراں قدر خدمات کو سراہا اور بیان کیا گیا ہے۔ اور **باب ششم** میں علمائے موجودین 2016ء کا تذکرہ بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے اور بعض حضرات کی خودنوشت بھی شامل ہے۔

ہمارے قلم ادھر اُدھر کی بحثوں اور غیر مفید تبصروں میں خوب جولانیاں کھاتے ہیں اگر کچھ نظر التفات اور توجہ اس جانب کی جاتی تو شاید ہمارے تاریخی ورثے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ برصغیر ہندوپاک میں ہمارے اسلاف کے کارناموں کی فہرست طویل ہے جس سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے، تاہم بہت سوں کے بارے میں ہم واقف نہیں ہو سکے یا جن کا تذکرہ قلم وقرطاس کے سپرد نہ ہو کر پیوند خاک ہو گیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خصوصاً ہندوستان میں جماعت وجمعیت کے افراد اس جانب توجہ مبذول کریں تاکہ ہمارا قیمتی ورثہ ضائع ہونے سے بچ سکے۔ مرثیہ خوانی اور ماتم کنائی سے بہتر ہے کہ موقر شخصیات کی زندگی ہی میں انہیں جاوید کرتے ہوئے وہ مقام ومرتبہ دیا جائے جس کے وہ حقدار ہیں ہمیں اپنے قیمتی لعل وگہر اور گمنام زندگی بسر کر رہے سیپیوں میں بند موتیوں کو منظر عام پر لانا چاہیے۔

میں دل کی عمیق گہرائیوں سے اس مستحسن اور قابل صد تعریف قدم پر شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کے ذریعہ جماعت کو ایک پلیٹ فارم مل گیا ہے جہاں سے اہل قلم اپنے علاقوں میں موجود علماء کرام کے سوانحی خاکے اور ان کی حیات وخدمات پر مشتمل وقیع مقالے جمع کر کے سالنامے کی شکل میں محفوظ کر سکتے ہیں۔

باب ہفتم مناظرات ومتفرقات کے تحت ہے جس میں اس اہل حدیث انسائیکلو پیڈیا کے غرض وغایت اور مقاصد کو بیان کیا گیا ہے ساتھ ہی دو مختلف فارم دیا گیا ہے، جس میں موجودہ علمی، دعوتی اور جماعتی شخصیات اپنا شخصی تعارف نامہ ادارہ کو بھیج سکتے ہیں تا کہ آئندہ شماروں میں جگہ مل سکے۔

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اردو داں حضرات کے علاوہ یہ کتاب طلباء اور اساتذہ کے لئے بھی کارآمد ہے۔اس سے جامعات ومدارس اور لائبریریوں کی زینت میں اضافہ ہوگا اور حسب موقع استفادہ میں مدد ومعاون ہوگی۔کتاب آسان اور عام فہم زبان میں ہے۔یہ سالنامہ تاریخ اہل حدیث شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ اور ان کے معاونین کی جماعت وجمعیت کے والہانہ محبت اور لگاؤ کا بین ثبوت ہے۔زیر تبصرہ سالنامہ کو میں نے حرف بہ حرف شروع سے آخر تک پڑھا ہے۔جہاں یہ سینکڑوں خوبیوں کا مرقع ہے وہیں چند ایک جگہ سن ولادت اور وفات کے ساتھ کچھ مقامات پر پروف ریڈنگ کی غلطیاں ہیں، حالانکہ معمولی غلطی کا امکان بہر حال ہے اور جس کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے تاہم امید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کا خیال رکھا جائے گا۔سب سے بڑی خوبی اس سالنامے کی یہ نظر آئی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اس کو انٹرنیٹ پر گوگل وکی کے حوالے کیا جائے گا۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری تاریخ آن لائن ایک کلک پر مل سکتی ہے اور کبھی بھی، کہیں بھی، کوئی سیکنڈوں میں اس جانب رجوع کر سکتا ہے۔اگر یہ کام ہو گیا تو یہ بھی تاریخ کا ایک باب ہی ہوگا کیونکہ شاید ہی ہماری جماعت کی توجہ اس جانب گئی ہو۔شیخ عبدالحکیم مدنی حفظہ اللہ کی یہ پہل میرے اپنے علم کے مطابق غیر مسبوق علمی شاہکار ہوگا۔اللہ رب العالمین اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

اخبارات وجرائد اور گوگل وکی پیڈیا پر سوانح اور تاریخی چیزیں پڑھنے کا شوق ہے، مختلف سیاسی، سماجی اور تاریخی شخصیات کا تعارف اور ان کا سوانحی خاکہ دلچسپی کا موضوع رہا ہے، اسی طرح مجلّے اور اخبارات میں شائع شخصی انٹرویوز پہلی فرصت کا حقدار ہوتا ہے۔یہ کتاب جس وقت منظر عام پر آئی تھی اسی وقت میں نے شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ سے اصل نسخہ مرحمت فرمانے کی درخواست کی تھی۔تاہم وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ دوسرا حصہ منظر عام پر آ گیا تب پھر سے یہ یاد تازہ ہوئی۔گزشتہ 10/اپریل 2019ء کو جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی میں طلباء کا سالانہ پروگرام تھا جس میں شرکت کے لئے ہمارے یہاں مدرسہ رحمانیہ گوونڈی ممبئی میں بحیثیت مدرس فرائض انجام دے رہے مولانا محمد اجمل رحمانی حفظہ اللہ جامعہ رحمانیہ تشریف لے جا رہے تھے جن سے میں نے درخواست کی کہ اس بار سالناموں کا نسخہ ضرور لے آنا اور الحمد للہ شیخ عبدالحکیم صاحب نے اپنے دستخط اور مہر کے ساتھ دونوں نسخے بھجوا دیئے۔جن کا میں ممنون ومشکور ہوں۔**فجزاھم اللہ خیرا واحسن الجزاء**

کتاب ملنے کا پتہ: مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی۔ برانچ آفس: بس اسٹاپ، بڑھنی بازار سدھارتھ نگر یوپی۔ رابطہ نمبر 9869395881 اور مقالات وسوانحی خاکے ارسال کرنے کے لئے /abdulhakimmumbai@gmail.com tareekh.ahlehadees@gmail.com پر رابطہ کریں۔

❑❑❑

باب دوم

بحوث ومقالات تاریخ اہل حدیث

مسلک حدیث

ترجمہ

رسالہ عمل بالحدیث

مولانا ولایت علی صادقپوریؒ

یہ رسالہ تحریک مجاہدین کی عظیم المرتبت شخصیت مولانا ولایت علی صادقپوری (۱۲۰۵ھ۔۱۲۶۹ھ) کا ہے جو فارسی زبان میں ہے۔اس کا ترجمہ مولانا ابوبکر صدیق سلفی صاحب نے کیا ہے جو دارالدعوۃ السّلفیہ کے صدر اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے سرپرست ہیں۔اور اس کی اشاعت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے اشارہ پر ہوئی تھی فجزی اللہ الجمیع خیر الجزاء، افادہ عام اور حفظ تراث کے جذبہ سے اسے مولانا بھوجیانیؒ کے مختصر مقدمہ کے ساتھ شامل اشاعت کیا گیا ہے۔'' (عبدالحکیم مدنی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ استعین وصلّی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ وسلّم

''اتباع سنت واجتناب از بدعت کا بیج سرزمین برصغیر میں شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) نے ڈالا۔ان کے پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) کے عہد میں یہ بیج برگ وبار لایا'۔(اتحاف النبلاء،ص:۴۱۷)

امر واقعہ یہ ہے کہ اس ''بیج کے برگ وبار'' لانے اور عوام تک توحید وسنت کی دعوت پہنچانے کی سعادت سب سے زیادہ مولانا شہید کے خاص تلمیذ رشید مولانا ولایت علی (۱۲۶۹ھ) کو حاصل ہوئی۔انہوں نے استاد شہید کے شروع کردہ کاموں کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ انہیں بہت آگے بڑھایا۔مولانا نواب سید محمد صدیق حسن خاں (۱۲۴۸۔۱۳۰۷ھ) اور محدث بے نظیر مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (۱۲۲۵۔۱۳۲۰ھ) اس مبارک سلسلہ میں علماً وعملاً دو مرکزی شخصیتیں ہوگزری ہیں۔اور دونوں ہی اپنے اپنے طور پر مولانا ولایت علی کے وعظ وتذکیر سے مستفیض ہوئیں۔بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ مواعظ دونوں بزرگوں کی علمی، عملی، تدریس اور تالیفی مساعی کا منبع ہوئے۔اور برصغیر میں شیوع عمل بالحدیث کے سوتے اسی سرچشمہ فیض سے پھوٹے۔

مولانا نے خالص اسلام کی طرف دعوت اپنی مجالس تذکیر وموعظت کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی پھیلائی۔ایک طرف مولانا شہید کی متعدد دعوتی تالیفات شائع کرائیں تو دوسری طرف احوال وظروف کے مطابق

خود بھی چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف اور شائع کیے، اس سلسلہ درنایاب کی ایک کڑی رسالہ 'عمل بالحدیث' بھی ہے جس میں مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کو بہت معتدل طریقے اور ولی اللہی فکر کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

یہ رسالہ حضرت مؤلف نے خود شائع کیا تھا، اس کے بعد کئی بار...... بلکہ با ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اب ایک مدت سے ناپید ہے۔ حالانکہ ضرورت آج بھی ایسی کتابوں کی ختم نہیں ہوئی۔ بنا بریں میرے نہایت عزیز دوست مولانا ابوبکر صدیق السّلفی فیروز پوری حال مقیم لاہور زادہ اللہ علماً وفہماً نے شوق ومحبت سے ''مسلک حدیث'' کے عنوان سے اس کا شگفتہ ترجمہ کر دیا ہے۔ جس کے لئے احقر ان کا ممنون ہے اور المکتبۃ السّلفیہ اس کی اشاعت کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ (بھوجیانی)

● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ●

تعریف کے لائق اس ہادی مطلق کی پاک ذات ہے جس کے قرآن کی آیتوں کا نور نفسانی اندھیروں میں اسیر لوگوں کے لئے مددگار رہا اور بے شمار درود وسلام سیّد المرسلین، خاتم النّبین ﷺ پر جن کے پاکیزہ کلمات، روحانی تکلیفوں اور قلبی امراض کے لئے اکسیر ثابت ہوئے اور آپ کے آل اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر جنہوں نے آپ کی اتباع عزم وہمت سے کی۔ اس طرح گمراہی کے اندھیروں سے نجات پائی اور مردہ دل سے زندہ بن گئے۔ صلی اللہ علیه وعلی آله واصحابه وسلم۔

حمد وسلام کے بعد چونکہ دوستوں کی طرف سے حدیث وفقہ کی پیروی کے سلسلہ میں اس فقیر کے پاس سوالات بہ کثرت آتے رہتے ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ ارادہ کیا کہ ہر سائل کو الگ الگ جواب دینے کی بجائے ایک مختصر سا رسالہ اس موضوع پر لکھ دینا چاہیے جو ہر سائل کے سامنے پیش کیا جا سکے اور دوستوں کے پاس ایک یادگار بھی رہ جائے۔ اس رسالہ کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل: دین کی سمجھ کی خوبی اور فضیلت کے بیان میں

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیوں نہیں نکلی ان سے ایک جماعت تاکہ دین میں سمجھ حاصل کرتی''۔ یعنی ہر فرقے میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے۔ یہ آیت شریفہ فقاہت کے حکم پر واضح دلیل ہے۔ اس مضمون کے سلسلے میں اسی قسم کی اور بہت سی آیات واحادیث آئی ہیں۔ فقاہت سے مراد یہ ہے کہ ایسے مسائل واحکام کا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استنباط کرنا جن کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر نہیں ہے۔ اس کو ایک غلام کی مثال کے ذریعہ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے اور احکام سننے اور کام انجام دینے کی وجہ سے اپنے آقا کا طبیعت آشنا اور مرضی دان ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر اسے اپنے آقا کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کے متعلق اس نے اپنے آقا کی زبان سے کوئی حکم نہ سنا ہو تو بلا شبہ وہ اپنے آقا کی طبیعت آشنا اور مرضی شناس ہونے کے باعث اس معاملہ کو اپنے آقا کی پسند کے مطابق انجام دے سکے گا۔

فقاہت:

فقاہت ایک عظیم الشان اور اہم چیز ہے اور دین کی ضروریات میں داخل ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کا مرضی دان خدائے تعالیٰ کے حضور میں قدر ووقار رکھتا ہے۔ اور اوامر ونواہی کے مراتب ومدارج کو سمجھنا بھی فقاہت میں داخل ہے، جیسے فرض، واجب، سنن

ونوافل، مستحب، مباح اور حرام ومکروہ وغیرہ۔ ان مراتب ومدارج کو معلوم کیے بغیر قوی احتمال اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا رشتہ بالکل ہی چھوٹ جائے کیونکہ تمام اوامر ونواہی پر کاربند ہونا عزم وہمت کا کام ہے اور یہ ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔ لامحالہ وہ ضروری کو غیر ضروری سے الگ کر کے نفس کی برداشت کے مطابق ضروریات کو اختیار کرے گا۔ شرعی امور کے حقائق واسرار کے علم کو اس کی جلالت شان کے پیش نظر ایک الگ فن قرار دے دیا گیا ہے۔ کلام عرب کے محاورات میں حقیقت ومجاز اور تشدید وتغلیظ وترغیب کے لحاظ سے غور وفکر کرنا بھی فقاہت کا حصہ ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے امور ہیں۔ اس مختصر سے رسالے میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔

فقاہت کی علامت حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حضرت امام مالکؒ اور ان کے اکثر وبیشتر متبعین میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ شروع زمانہ میں جب کہ ابھی احادیث کی جمع وتدوین مکمل نہیں ہوئی تھی یہ بزرگ حدیثوں کی تحقیقات کر کے ان سے مسائل نکالتے تھے۔ انہوں نے حدیثوں اور ان کی اسناد کو جمع کرنے میں بڑی بڑی کوششیں فرمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے اللہ عزوجل کے حضور میں قدر ومنزلت کا نام ومقام حاصل کر لیا۔ ان لوگوں سے محبت وشیفتگی دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور ان کے متبعین کو بارگاہِ الٰہی کے مقبول لوگوں میں شمار کرنا چاہیے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مردہ دل ہوتے ہیں جن کی نظر ظاہر سے تجاوز کر کے معنی تک نہیں پہنچتی، وہ اپنے قیمتی اوقات کو دنیا حاصل کرنے میں ضائع وبرباد کرتے ہیں۔ وہ غور وفکر کے میدان میں ہمت کا قدم نہیں رکھتے۔ چوروں کی طرح ہر آشنا وناآشنا کی جیب پر نظر رکھتے ہیں۔ ہر عقلمند اور دیوانے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

قرآن وحدیث کا مطالعہ اور ان میں غور وفکر بالکل ترک کر دیتے ہیں اور جو بات کسی کتاب میں لکھ دیکھتے ہیں چاہے وہ قرآن وحدیث کے موافق ہو یا مخالف جھٹ اس کو مان لیتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جو قرآن وحدیث کو دیکھتے تک نہیں اور بعض جو دیکھنے کا تکلف کرتے ہیں ان کے معنی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر کچھ لوگ غور وفکر کرتے بھی ہیں تو نصائح میں یا پھر قیامت وبرزخ اور ترکِ دنیا وغیرہ کی روایات واحکام میں لیکن شرعی احکام کے استنباط کو یہ سمجھ کر کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی ہے غور وفکر کے ساتھ قطعاً متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر کبھی قرآن وحدیث میں اپنی اعتقادی کتابوں کے خلاف حکم پاتے ہیں تو بعض لوگ ظاہری معنی میں ہیر پھیر کر کے اپنی کتابوں کے موافق بنا لیتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اصل مقصود تو قرآن وحدیث کی تابعداری ہے۔ بعض لوگ ایسے مقام پر گریز اور چشم پوشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسے ہی فقہاء کے متعلق مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے: ''کئی فقہ حاصل کرنے والے غیر فقیہ ہوتے ہیں''

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دوسری فصل میں بتاؤں کہ کس مقام پر تقلید کرنی چاہیے اور کس مقام پر تقلید نہیں کرنی چاہیے۔

دوسری فصل: تقلید کا محلِ جواز وعدم جواز

یہ بات خوب ذہن نشین کر لیجئے جو شخص خود عام سا ہو اور اپنے کاروبار میں مصروفیت کے باعث لکھنے پڑھنے سے محروم رہا ہو اور علماء سے مسئلہ دریافت کرنے کو کافی سمجھتا ہو تو ایسے شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ محدثین اور دیندار علماء سے جو دریافت اور خوف خدا میں،

قرآن وحدیث کے جاننے میں مشہور ہوں اس طرح سوال کیا کرے کہ ہمیں اس مسئلہ میں بتائیں کہ خدااور رسول کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی طالب علم ہواور علوم کو حاصل کرنے کا پورا شوق دل میں رکھتا ہوتواس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے قرآن وحدیث پڑھے اس کے بعد دوسری کتابوں کی تعلیم حاصل کرے تا کہ آئینہ کی مانند واضح ہوجائے کہ کون بزرگ کس جگہ صواب کو پہنچا اور کس جگہ خطا کی ہے۔ پس جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ مل جائے اس میں کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے کیونکہ واضح احکام میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ جب تجھے میری عدم موجودگی میں شرعی امور سے واسطہ پڑے گا تو کیا کرے گا۔ انہوں نے عرض کی پہلے کتاب اللہ میں مسئلہ تلاش کروں گا، فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ عرض کی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تلاش کروں گا۔ فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے خوش ہوکر تعریف کی اور شاباشی دی۔ اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی حکم قرآن وحدیث میں صراحت سے مل جائے تو اجتہاد کی ضرورت نہیں، اگر مجتہدین کی کتابوں میں اس کے خلاف حکم ہوتو اس سے چشم پوشی کرکے قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھام لے ورنہ مجتہدین کے اقوال سے قرآن وحدیث کا منسوخ ہونا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

امام ابوحنیفہؒ سے جو اجتہاد کی راہ پر چلنے والوں کے سردار ہیں دو قول مروی ہیں جو دین کی عمارت کے بڑے ستونوں کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر میرا قول حدیث کے مخالف پاؤ تو دیوار پر دے مارو۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حدیث کی مخالفت میں مجتہدین کے اقوال کو سننا حضرت امام کے دائرۂ تقلید سے نکل جانے کی راہ اختیار کرنا ہے اور ایسا کرنے والا ہرگز حنفی نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ میرے قول پر کسی کو عمل کرنا جائز نہیں ہے جب تک یہ نہ جان لے کہ یہ قول میں نے کہاں سے لیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کے قول پر بے دھڑک اور بلا سوچے سمجھے جم جانا اور وجوہاتِ قیاس پر غور وفکر نہ کرنا امام صاحب کی ہرگز پسند نہیں ہے اور امام صاحب اپنے ان دو ارشادات کے باعث قیامت کے روز مواخذہ الٰہی سے نجات پا جائیں گے۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (المائدۃ:۱۱۶)

''اگر میں نے کہا تھا تو تجھ کو معلوم ہے تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے، بلاشبہ تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے''۔

اوران کے جھوٹے مقلد مواخدہ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ ائمہ کرام کے شاگردوں کو جس مقام پر اپنے استاد کی بات پر اطمینان نہ ہوا تو وہ وہاں سے اپنا دامن بچا کر گزر گئے۔ امام محمدؒ نے امام اعظمؒ سے اتنا زیادہ اختلاف کیا ہے کہ اگر اسے ایک الگ مذہب قرار دیا جائے تو بجا ہے اور متاخرین نے متقدمین کے کتنے ہی اقوال کو چھوڑ دیا ہے۔ غرضیکہ جو قول قرآن وحدیث کے مخالف ہو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہت سے اہل علم نے اس بات کی خوب تصریح اور تاکید کی ہے۔ اس مختصر سے رسالے میں ان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر خوبی کی بات یہ ہے کہ احادیث باسند ہیں اور مجتہدین کے اقوال بلا سند یعنی احادیث کے راویوں کے حالات کی تحقیق، ان کی شہرت وثقاہت شرائط کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں۔ لیکن جو لوگ مجتہدین کے اقوال

بیان کرتے ہیں وہ سند بیان نہیں کرتے کہ کس نے ائمہ سے سنا؟ اس سے کون روایت کرتا ہے اور راوی کیسے ہیں؟ جب تک معتبر راویوں کی شرائط کے مطابق قولی ثابت نہ ہوجائے اس پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ کیا معلوم وہ امام صاحب کا قول ہے یا کسی نے اپنی طرف سے امام صاحب پر بہتان تراشا ہے۔ جیسا کہ بعض نادان لوگ وساوس کی نقول جو خالص افتراء ہے امام اعظمؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس گمان پر کہ لوگ انہیں کمال متقی خیال کریں۔ مقلدین کے متعلق کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے:

''دو تین بے سمجھ مقلدوں کی تقلید جواں مردوں، یعنی اماموں کو بدنام کرتی ہے''۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بستان المحدثین میں صراحت فرمائی ہے کہ امام حنیفہؒ نے حدیث کی کوئی کتاب جمع نہیں فرمائی۔(مترجم)

اگر سند ضروری نہ ہو تو حدیث کی سندوں میں کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھائی جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مجتہد کی رائے کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ حدیث (جو معصوم کی باسند بات ہے) کے مقابلہ میں کوئی ایسی بات جو غیر مستند ہے اور اس میں خطا کا بھی احتمال برابر موجود ہے قبول نہیں کی جا سکتی۔ بعض احادیث اور اقوال میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ پوری توجہ سے سنیں جو مختصر طور پر اس جگہ بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد احادیث معتبر پرہیز گار لوگوں کی زبانوں اور ذہنوں میں تھیں، لوگ بھولنے، جھوٹی حدیث بنانے اور تحریف کے ڈر سے حدیث کو کتابوں میں جمع کرنے کے لئے مشغول ہو گئے۔ چنانچہ ائمہ مجتہدین نے بھی حسب توفیق کچھ احادیث معتبر اور پرہیز گار راویوں سے سن کر اپنی مستند کتابوں میں باسند جمع کر دیں۔ آخر کار جس زمانہ میں صحاح ستہ کی تدوین ہوئی علوم نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جو سارے ممالک میں پھیل چکے تھے، حدیث کی کتابوں کی شکل میں مدوّن ہو گئے اور حدیثوں کی تخریج موقوف ہو گئی اور سب تخریج کی ہوئی احادیث شمار ہو کر مشہور مقولے کے مطابق یعنی فضیلت متاخرین کے لئے ہے، متاخر محدثین کے ہاتھ آئیں اگرچہ یہ بالکل درست ہے کہ سند اور جمع کرنے کا ثواب پہلوں کو ہی زیادہ ملے گا لیکن علم حدیث زیادہ پانے کی فضیلت متاخرین محدثین کے حصہ میں آئی ہے۔ اسے اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ماں باپ، بہن اور دادا کا وارث ہوا یقیناً ایسا شخص مال و دولت میں ان سے زیادہ ہوگا جن کا وارث ہوا ہے اگرچہ وہ مال و دولت ان ہی کا کمایا ہوا ہے جن کا وہ وارث ہوا ہے۔ پس اکثر حدیثیں سند کی شرائط کے ساتھ زمانے اور وقت کے تقاضوں کی بناء پر اکثر مجتہدین کو نہ پہنچ سکیں اس موقع پر انہوں نے اجتہاد کے میدان میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہمت کا گھوڑا دوڑایا اور بشری تقاضے کی بناء پر صواب کو نہ پا سکے۔ اس طرح وہ نادانستہ طور پر حدیث کے مخالف ہوئے۔ احادیث جمع ہونے کے بعد جو اختلاف ظاہر ہوا وہ یہی ہے کہ اب حدیث کی مخالفت میں اس قوم کو چھوڑ دینے میں کیا مضائقہ ہے؟ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں حنفی مشہور ہونا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے، اگر ہم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مخالفت کریں گے تو حنفی نہ رہیں گے۔ اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے مسائل امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہیں وہ دو طرح کے ہیں:

ایک تو وہ اقوال جو امام صاحب سے مروی ہیں اور ان کو فقہ کی کتابوں میں عن ابی حنیفہؒ لکھتے ہیں۔

دوسرے وہ مسائل جو اہل علم نے امام صاحب کے اقوال سے نکالے ہیں، ان کے مذہب کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ ایسے مسائل کو فقہ کی کتابوں میں عند ابی حنیفہؒ لکھتے ہیں اور یہ اجتہاد در اجتہاد ہے، پہلے تو وہ اقوال خود قرآن و حدیث سے نکالے گئے ہیں پھر

دوسری باران اقوال سے اور مسائل نکالے گئے۔ لہٰذا ایسے مسائل دو خطاؤں کا احتمال رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر بار مسئلہ کے نکالنے میں ایک غلطی کا احتمال ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر دوسرے علماء اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے بعض مقامات پر اپنے امام کے مذہب کا خلاف کیا ہے بلکہ خود ان مقلدوں نے بھی ان مقامات پر امام صاحب کی تقلید چھوڑ کر دوسرے علماء کی بات قبول کی ہے۔ اس طرح وہ کسی جگہ حنفی کسی جگہ ابو یوسفی اور کسی جگہ محمدی اور دوسری جگہ زفری اور بعض جگہ ابو اللیثی ہوتے ہیں۔ اب ان کی حنفیت کہاں باقی رہی؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے تو کہا جاسکتا ہے کہ بعض مؤرخین نے امام شافعیؒ کی شاگردی کی نسبت بھی امام صاحب کی طرف کی ہے اگر ہم مان لیں کہ وہ شاگرد تھے تو ان میں سے صرف دو شخص تھے۔ ابو یوسف اور محمدؒ، باقی علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص میرا مخالف ہو چاہے وہ میرے تابعداروں میں سے ہی کیوں نہ ہو تو اس کی موافقت کرنے والے کو مخالف کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔ معلوم ہوا جو کوئی امام صاحب کے مخالف کا متبع ہوا اس مسئلہ میں حنفی نہ رہا بلکہ اسی مخالف کی طرف منسوب ہو گیا۔

اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق پرستوں کو حق کی پیروی مدنظر ہوتی ہے نہ کہ کسی کی طرف منسوب ہونا۔ یہاں ایک اور بات یاد رکھنی چاہیے جیسا کہ فقہ کی کتابوں کے عالموں پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام اعظمؒ سے کوئی کتاب منقول نہیں ہے جس پر آپ کے مذہب کی بنیاد رکھی جائے۔ فقہ کی مشہور کتابوں مثلاً کنز، ہدایہ، عالمگیری، قاضی خاں وغیرہ میں جو بے شمار مسائل پائے جاتے ہیں سارے امام صاحب سے منقول نہیں ہیں۔ ان میں سے صرف چند مسائل آپ کی طرف منسوب ہیں۔ اکثر مسائل صاحبین (امام یوسف و امام محمدؒ... اور) متقدمین علماء کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور بے شمار مسائل علماء متاخرین کی طرف جیسا کہ صاحب ہدایہ، فتاویٰ اور ذخیرہ کی طرف منسوب ہیں، ان حضرات نے اپنی فراست سے ان مسائل میں یجوز اور لا یجوز یعنی جائز اور ناجائز لکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب کی دیانت و فراست اور مسائل پر عبور اور تقوی و پرہیز گاری کے بارے میں متواتر خبروں کا ہم اپنے دل میں جس قدر اعتقاد رکھتے ہیں ہمارا وہ اعتقاد ان علماء کے متعلق نہیں ہے جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کسی شخص نے ان کتب مشہورہ کی مخالفت کی بناء پر یا ناپسند استنباط کی وجہ سے قابل اعتبار نہ سمجھا تو حقیقت میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اب میں ایک دوسری بات بیان کرتا ہوں کہ آپ کو قیاسی مسائل میں کیا کرنا چاہیے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بعض لوگوں پر قرآن و حدیث کا رات دن مطالعہ رکھنے کے بعد نور ایمان کی شدت اور عقل و فطانت کی سلامتی کی وجہ سے قیاسی مسائل میں بھی اکثر اوقات اس طرح حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس میں شک و شبہہ کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی اور بعض لوگوں کو دلائل سمجھ لینے کے بعد بعض مسائل میں پوری طرح حق کھل جاتا ہے جس مسئلہ میں ایسا انکشاف ہو جائے۔ اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے کیونکہ انسان سے اس کی اپنی عقل پر پرسش ہوگی نہ کہ دوسروں کی عقل پر، جان بوجھ کر مخالفت کرنے پر یقیناً مواخذہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام صاحب کے دوسرے قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر اسے خود یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے تو کسی مجتہد کی تقلید کرنا ہوگی جسے وہ اپنے خیال میں دیندار سمجھتا ہو کیونکہ جب تک انسان کو تحقیق کا درجہ حاصل نہ ہو اسے تقلید سے چارہ نہیں ہے۔ جب تحقیق کی راہ کھل جائے تو تقلید سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے کیونکہ اندھا مجبور ہے کہ ہر کس و ناکس پر ہاتھ ڈالے لیکن آنکھ والے سے یہ نہیں ہو سکتا کہ آنکھ بند کر کے ہر در و دیوار پر ہاتھ مارتا پھرے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر طالب حق کو قرآن و حدیث کا علم ضرور سیکھنا چاہیے لیکن اس زمانے میں لوگ اسے مشکل خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کا علم بہت مشکل

ہے۔ پہلے لوگ اس کی لیاقت رکھتے تھے ہم میں ہمت ولیاقت کہاں؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیسری فصل میں علم حاصل کرنے کی سہولت بیان کردی جائے تاکہ اہل ایمان کا اس نعمت عظمیٰ کے حاصل کرنے میں حوصلہ بڑھے۔

تیسری فصل: قرآن وحدیث کے آسان ہونے کے بیان میں

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن شریف آنحضرت ﷺ پر آپ کے صحابہ کرامؓ کے سامنے نازل ہوا تھا اور یہ سب ان پڑھ تھے۔ قرآن کے اصلی اور پہلے مخاطب یہی لوگ تھے باقی لوگ ان کے بالتبع مخاطب ہیں۔ قرآن کی سب مثالیں اور محاورات عرب کے ان پڑھوں کے عرف وعادات کے موافق ہیں۔ قرآن کے ساتھ آسمان سے کوئی تفسیر نہیں اتری تھی۔ اب بتایا جائے اگر ان پڑھوں کا فہم قرآن کے سمجھنے میں کافی نہیں ہے تو صحابہ کرامؓ اس کو کس طرح سمجھتے تھے اور کس طرح اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے؟ سورۃ قمر میں رب العالمین جابجا فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورۃ قمر: ۱۷)

''ہم نے قرآن شریف کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟''

قرآن مجید کو مشکل کہنا اس آیت کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے قاریوں پر رحمت کرے کہ انہوں نے قرآن مجید پر اعراب (زیر، زبر، پیش وغیرہ) لگا کر گرائمر کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جو لوگ قرآنِ مجید میں الف لام کی تحقیق بیان کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے سے اس کے حکموں کو بجالانا مقصود ہوتا ہے اس لیے ان کی نظر ایسی بے فائدہ باریکیوں کی طرف نہیں جاتی۔ بعض لوگوں کا مقصد قرآن مجید پڑھنے سے اپنے آپ کو باریکیاں نکالنے والے علماء کے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی طبیعت ان ہی موشگافیوں کے نکالنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس گفتگو کی سچائی دنیا کی مثال سے سمجھی جا سکتی ہے۔ دیکھئے! جب کبھی دنیا کے حاکموں کے پاس سے کوئی پروانہ (نوٹس) آتا ہے تو باوجودیکہ اس کے ہر لفظ میں ہزارہا موشگافیاں اور بہت سے علمی باریکیاں تلاش کی جا سکتی ہیں لیکن رعایا میں کوئی شخص ان پڑھ ہو یا پڑھا ہوا حکام معلوم کرنے کے سوا اور طرف توجہ نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے اس کو پڑھنے کا مقصد اپنے ذہن میں تعمیل حکم ٹھہرایا ہوتا ہے بخلاف شعر وغزل کے کہ اس سے کسی کام کو انجام دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذہانت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ذہین لوگ اس کی عبارت کی باریکیوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور ایک کلمہ میں سینکڑوں نکات پیدا کر لیتے ہیں۔ علم احادیث کا تعلق دو فنون سے ہے۔ پہلا علم المتن ہے یعنی حدیث کے الفاظ سے دینی غرض سمجھنا اور دوسرے کو فن اسانید کہتے ہیں یعنی حدیث کا مرتبہ اور اس کے ضعف وقوت کے مدارج کو پہچاننا۔ علم المتین کا دارومدار ایمان پر ہے۔ جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی قرآن وحدیث سے کلام کی لطافت اور احکام کی عزت زیادہ ہوگی۔ ضعیف الایمان بھی اگر پیروی کی نیت سے ان متبرک کتابوں میں غور فکر کرے گا تو اس کی سمجھ حاصل کرنے سے ہرگز محروم نہ رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں عرب کی روزمرہ کی بول چال میں آسان اور فصیح ہیں اور اتنی جلدی سمجھ میں آنے والی ہیں کہ گنواروں کو بھی مطلب ومدعا تک پہنچا دیتی ہیں۔ قرآن وحدیث کا ترجمہ بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ غیر عربوں کو اب لغات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں رہی۔ اب ذرا دوسری

کتابوں مثلاً کافیہ، شافیہ، مطول، کفایہ، ہدایہ، قاموس اور کشاف وغیرہ کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عبارتیں کتنی مضبوط ہیں اوران میں کتنے باریک اشارے موجود ہیں ایک کتاب کو پورے طور پر سمجھنے میں ایک آدمی کی عمر صرف ہوجاتی ہے جیسا کہ علماء پر پوشیدہ نہیں۔ لیکن قیامت کے روز اسی قرآن وحدیث کے بارے میں سوال ہوگا نہ کہ دوسری کتابوں کے متعلق۔ خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ دوسری کتابوں کا مطالعہ یا تومنع ہے یا فائدے سے خالی ہے۔ مگر ضروری کو غیر ضروری سے علیحدہ کرکے اعلیٰ کو ادنیٰ سے امتیاز دے کر جو ضروری اور اعلیٰ ہو پہلے اسے اختیار کریں پھر اگر فرصت ملے تو جن کتابوں کی طرف طبیعت مائل ہو مطالعہ کریں یعنی عمر تھوڑی ہے اور علم زیادہ ہے جو علم ضروری ہو اسے پہلے حاصل کرو۔

فن اسانید:

ہر حدیث کے راویوں کے پورے پورے حالات اوران کی کثرت وقلت کے دریافت کرنے کو فن اسانید کہتے ہیں کیونکہ احادیث کی قوت وضعف پر موقوف ہے۔ اور سند کہتے ہیں اس ثقہ اور قابل اعتبار استاد سے حدیث سننے کو جس کا اپنا مضبوط سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا ہو۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ اس طرح کی سند شروع زمانہ میں جو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے قریب تھا۔ زیادہ آسان تھی ہمارے موجودہ زمانے سے جو ہدایت کے زمانے سے بہت بعید ہے۔ اور جب صحاح ستہ وغیرہ کو جمع کرنے والے متقدمین جیسے بزرگوں نے جن کی اپنی ثقاہت مسلم ہے ہر حدیث کو راویوں کے سلسلہ سمیت اپنی کتابوں میں جمع کردیا ہے اور لوگوں نے ان کتابوں سے اتنے تواتر سے احادیث نقل کی ہیں کہ ان میں ادل بدل بالکل ناممکن ہے اور راویوں کے حالات فن اسماء الرجال کی کتابوں میں جمع کردیے گئے ہیں۔ اس قدر معتبر اور نہایت عمدہ طریقہ سے جمع کی گئی کتابوں کی موجودگی میں سند کی ضرورت نہیں رہی کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ ''آزمائی ہوئی چیز کو آزمانے سے سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا''۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ بات یقیناً درست ہے کہ جو شخص صحیح بخاری پڑھتا ہے گویا وہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سند کرتا ہے اور امام بخاریؒ نے اپنی سند کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کردیا ہے اب جو شخص صحیح بخاری میں حدیث پالے تو گویا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی اپنی کتاب کی ابتداء میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں یہی بات بیان کی ہے کہ جب ہم حدیثیں محدثین کی صحیح کتابوں میں دیکھتے ہیں تو گویا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حدیثوں کو سند کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں کے مؤلفین نے ہمیں سند بیان کرنے سے بے نیاز کردیا ہے اور دیگر بہت سے محدثین نے بھی اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں سند بیان کرنے کی حیثیت رسم سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اللہ تعالیٰ متقدمین محدثین کو غریق رحمت کرے کہ انہوں نے موضوع احادیث کو غیر موضوع احادیث سے اور قوی کو ضعیف سے جدا کرکے حسب مدارج اپنی کتابوں میں جمع کردیا ہے اور ہر مسئلہ کے لیے علیحدہ علیحدہ باب اور فصلیں مقرر کردی ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں جزوی مسائل بھی بے شمار ہیں اب تو فن حدیث فقہ کی کتابوں کی طرح بالکل آسان ہوگیا ہے جو مسئلہ پیش آئے اس کے باب میں دیکھ لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا معلوم ہوجائے گی بلکہ علم حدیث تو فقہ سے بھی زیادہ آسان ہوگیا ہے کیونکہ فقہ کی کتابیں بے شمار ہیں اوران کے مصنف

ہزار ہا ہیں اگر ایک مسئلہ ایک کتاب میں جائز لکھا ہے تو گمان غالب ہے کہ دوسری کتابوں ناجائز لکھا ہوگا تو اب کس کے کہنے پر عمل کیا جائے اور اتنی کتابیں کہاں سے لی جائیں اور فرصت وعمر کہاں سے آئے کہ جس میں انسان ان کتابوں سے احکامِ الٰہی معلوم کرسکے۔ محدثین کرام نے جتنی احادیث اپنی مستند کتب میں جمع فرمائی ہیں وہ گنی چنی ہیں اور جس قدر غیر موضوع احادیث ہیں محدثین نے ان کو بھی اپنی کتابوں میں شمار کردیا ہے۔ جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور کتب حدیث کے جامعین عموماً ناسخ ومنسوخ ایک باب میں بیان کردیتے ہیں تاکہ تلاش کرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور کسی حدیث پر عمل اس گمان سے ترک نہ کردینا چاہیے کہ شاید یہ منسوخ ہو کیونکہ یہ احتمال تو تمام احادیث میں موجود ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی سب باتیں جمع نہیں ہوئیں بلکہ بہت سی رہ گئی ہیں۔ اس طرح تو کسی مجتہد کو کسی ایک حدیث پر بھی عمل کرنا مشکل ہوگا اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو ناسخ حدیث نہیں پہنچی اس وقت تک منسوخ حدیث اس کے حق میں منسوخ نہیں اگر چہ فی الواقع منسوخ ہی ہو اور جب ناسخ معلوم ہو جائے تو منسوخ حدیث پر عمل جائز نہ ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے: حنتم ولاکھ کی ٹھلیا اور دبا (کدو کے برتن) کا استعمال قوم ربیع کے حق میں منسوخ نہیں تھا جب تک ان کے علاقے میں ناسخ کا حکم نہ پہنچا تھا پس متبع سنت کو چاہیے اگر ساری عمر ایک حدیث کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ پہنچے تو اسی کو نعمت عظمیٰ سمجھے اور دور دراز کے احتمالات پر اسے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری طرف سے پہنچا دو اگر چہ ایک ہی حدیث ہو۔''

اس حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے اور کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علماء بھی ناسخ حدیث کے نہ ملنے کے زمانے میں منسوخ حدیث پر ہی عمل پیرا رہے ہیں اور متعارض احادیث جو بظاہر ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح ایک جگہ لکھی جاتی ہیں تاکہ معمولی سوچ بچار سے ظاہری تعارض اٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دو ارشادات کے درمیان حقیقتاً تعارض نہیں ہوسکتا۔ مگر کم فہم لوگوں کی نظر میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں ہر حدیث کے معنی کا محل جدا جدا ہوتا ہے۔

حدیث کی اقسام:

اقسام حدیث کے سلسلے میں ایک بات باقی رہ گئی۔ اصولِ حدیث کے علماء نے حدیث کی بہت سی اقسام بیان کردی ہیں، جیسے: صحیح، حسن، احسن، غریب، موقوف، مرسل، مقطوع وغیرہ۔ ہر شخص کے ذہن میں حدیث کے اتنے درجات جلدی سے ضبط نہیں ہوسکتے۔ تاکہ حدیث کا درجہ معلوم کرکے اس پر عمل کرسکے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اقسام کی زیادتی مختلف حیثیات کے زیادہ ہونے کی بناء پر ہے جس قدر قید وحیثیت زیادہ کریں گے اسی لحاظ سے قسمیں زیادہ ہوں گی۔ اور جس قدر قیود کم ہوں گی اتنی ہی اقسام کم ہوجائیں گی۔ مثال کے طور پر سارے انسان دو قسم کے بھی ہوسکتے ہیں۔ سیاہ اور غیر سیاہ۔ اور ہزار قسم کے بھی ہوسکتے ہیں سیاہ، سرخ، گندم گوں، دراز گردن علی ہذا القیاس۔ لیکن حدیث کی زیادہ اقسام کے باعث عمل کرنے والوں کے لئے کافی تردد ہوتا ہے۔ علمائے اصولِ حدیث نے حدیث کی اقسام کے سلسلہ میں بہت ہی عمدہ مگر مختصر سا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر عاملین حدیث بھی آسان اور مختصر طریقہ پیش نظر رکھیں تو بہت سا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور وہ مختصر سا طریقہ یہ ہے کہ غیر موضوع احادیث ساری کی ساری دو قسم کی ہیں: قوی اور ضعیف۔

ضعیف حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ تو مفقود نہیں ہے لیکن اس کے راوی ثقہ نہیں یا ان کی ثقاہت وغیرہ کا حال محفوظ نہیں ہے۔قوی حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ کہیں نہ ٹوٹے اوران کی ثقاہت بھی ثابت ہو۔قوی کی بھی دوقسمیں کرتے ہیں جس حدیث یا مضمون حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چندلوگ کرتے ہیں وہ متواتر ہے ورنہ غیر متواتر۔راویوں کے حالات کی بناء حدیث متواتر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔اس لیے علماء اپنی کتابوں میں متواتر حدیث کے راویوں کی تعداد بیان نہیں کرتے جو حدیث یقین کلی کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔لیکن یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جب راوی ثقہ، عادل اور سلیم العقل ہوں گے تو تین راویوں ہی سے قطعی یقین کا فائدہ حاصل ہوجایا کرتا ہے۔لہٰذا اس جگہ متواتر حدیث کے لئے تین راویوں کی حد مقرر کردی گئی ہے۔متواتر حدیث نص قطعی ہے اور غیر متواتر میں صدق کا ظن غالب ہوتا ہے اور ضعیف میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ضعیف حدیث قیامت کی خبروں اور برزخ اور دوزخ وجنت اور ترغیب وترہیب کے سلسلے میں قبول کی جائے گی۔اسی طرح حدود وقصاص اور دوسرے اہم امور کے علاوہ اوامر ونواہی میں بھی مقبول ہوگی بشرطیکہ قوی حدیث سے معارض نہ ہو ورنہ ترک کردینی چاہیے۔ایک مضمون کی اگر تین ضعیف حدیثیں ہوں تو ایک قوی حدیث کے حکم میں ہوجاتی ہیں اور متواتر سے غیر متواتر کا منسوخ ہونا جائز ہے اور جو مسئلہ قوی غیر متواتر سے ثابت ہوجائے اس پر عمل واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔حدیث کی اتنی اقسام اوران کے احکام کا جان لینا بقدر ضرورت ہر عمل کرنے والے کے لیے کافی ہے۔

الحمدللہ کہ رسالہ مسلک حدیث ترجمہ عمل بالحدیث بتوفیقہ تعالیٰ ختم ہوا۔ابوبکر صدیق السّلفی

(ماخوذ از مطبوع کتاب شائع کردہ دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور/شعبان ۱۴۳۴ھ/جون ۲۰۱۳ء)

❑❑❑

تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد

مولانا عبد المبین منظرؒ

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ زمانہ رسالت سے اواخر خیر القرون تک کسی شخص معین کی تقلید کا رواج نہیں تھا لوگوں کو جو مشکل مسئلہ درپیش ہوتا بلا تعین کسی بھی صاحبِ علم سے دریافت کر لیتے اور جس کسی کی بات بھی کتاب وسنت سے موافق ہوتی اسی کو لائحہ عمل قرار دیتے۔ اتفاقاً اگر تعبیر میں غلطی سرزد ہوگئی تو مفتی و مستفتی دونوں ہی فوراً رجوع کر لیتے۔

مختصر اینکہ کتاب وسنت ہی ان کی آخری سند اور چشمۂ رسالت ہی سے ان کی سیری ہوتی دیگر ہیچ:

❑ قد تواتر الخبر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطاً۔ تمام صحابہ وتابعین سے بطریق تواتر ثابت ہے کہ جب انہیں حدیث نبوی مل جاتی تو بلا لحاظ کسی شرط کے اس پر عمل کرتے۔

(انصاف شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)

❑ وقد صح اجماع الصحابة كلهم اولهم عن آخرهم واجماع التابعين اولهم عن آخرهم على الامتناع والمنع من ان يقصد احداً فى قول انسان منهم اومن قبلهم فياخذه كلهم۔

تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا اجماع از اول تا آخر خود تقلید شخصی سے باز رہنے اور دوسروں کو روکنے پر ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہ اپنے یا اگلوں میں سے کسی کی بھی تقلید نہ کی جائے اور کسی کی بھی ساری باتیں نہ قبول کی جائیں۔ (عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحبؒ)

❑ قد علم كل عالم انهم لم يكونوا مقلدين ولا منتسبين الى فرد من افراد العلماء بل كان الجاهل يسئل العالم عن الحكم الشرعى الثابت فى كتاب الله وسنة رسوله فيفتيه ويرويه له فليعمل من باب العمل بالرواية لا بالرائ۔

ہر صاحب علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سلف صالحین کسی امام کے مقلد نہ تھے کسی عالم کی طرف منسوب کئے جاتے تھے بلکہ جاہل کسی بھی عالم سے کتاب وسنت کی بات دریافت کر لیتا اور عالم اسے لفظاً یا معناً بطریق روایت بتا دیتا پھر وہ کتاب وسنت ہی پر عمل کرتا وہاں رائے کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ (القول المفيد للامام الشوكانى)

❑ ان الصحابة رضوان الله عليهم لم يكونوا فى زمانهم وعصرهم على مذهب لرجل معين يدرس ويقلد انما كانو يرجعون فى النوازل الى الكتاب والسنة (الى آخره) وكذالك تابعوهم۔

بیشک صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ خیر میں تقلید شخصی کا مذہب نہ تھا نہ اس کی درس وتدریس ہوتی تھی بلکہ تمام لوگ ضرورت کے وقت قرآن وحدیث ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (حقيقة الفقه بحواله ارشاد صفحه ۳۸)

تقلید کی ابتداء:

اعلم ان الناس کانوا قبل المأة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد۔
یہ قطعاً جان لو کہ چوتھی صدی سے پہلے مذہب واحد (تقلید شخصی) پر کسی کا اتفاق نہ تھا) (حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)

❑ انما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع المذمومة علی لسانه صلی الله علیه وسلم۔ یہ بدعت یعنی تقلید شخصی چوتھی صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی ہے جس کی مذمت اور برائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (اعلام الموقعین جلد۔۱)

تقلید کیسے شروع ہوئی:

خیر القرون کے بعد جب فتنہ وفساد جڑ پکڑ گیا، غیر امین اور نا معتمد فقہاء کے مابین پیش آمدہ مسائل کے اندر مناقضہ ومجادلہ اور محاکمہ کا عام رواج ہو گیا، بعض جاہل رؤساء اور علم حدیث وطریق تخریج سے نابلد لوگ قاضی ومفتی بن بیٹھے تو فیصلہ کے لئے عوام متقدمین سے کسی مجتہد کا قول تلاش کرنے لگے اور مسئلہ کی بحث اسی پر موقوف ہونے لگی کہ فلاں عالم امام نے اس مسئلہ کے بارے میں کیا فتویٰ دیا ہے، چنانچہ آہستہ آہستہ تقلید شخصی جڑ پکڑ گئی اور لوگ بلا تحقیق حق کے خالص تعصب پر جم گئے۔ (ملخص از انصاف شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ)

اقبال مرحوم نے محکومی وتقلید پر اظہار افسوس کیا ہے۔

حلقہ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ محکومیٔ تقلید وزوالِ تحقیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اصحاب الحدیث:

حدیث کا اطلاق قرآن اور سنت دونوں پر ہوتا ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو متعدد مقامات پر لفظ ''حدیث'' سے تعبیر فرمایا ہے: ''فبای حدیث بعده یومنون'' پس اصحاب الحدیث یا اہلحدیث کے معنی ہوئے قرآن وحدیث دونوں سے تمسک کرنے والے۔ چنانچہ اہلحدیث کا یہ مشہور ومعروف قول:

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

اسی معنیٰ ومفہوم کی ترجمانی کرتا ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ زمانۂ خیر القرون سے آج تک اس گروہ نے قرآن ناطق اور سنت صریحہ ثابتہ کے بالمقابل کسی کے قول وقیاس اورفہم ودرایت کو قابل اعتنا نہیں سمجھا، نہ خود ساختہ اصول وضوابط سے استنباط واستخراج کو کوئی قدر وقیمت دی بلکہ ہمیشہ اور ہر مقام پر علی الاعلان یہی کہتے رہے ۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول وکردار
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے
یاں وہم وخطا کا دخل کیا ہے

دعوت اہلحدیث کے مفید اثرات:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے جماعت اہلحدیث نے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں خالص کتاب وسنت ہی کی دعوت دی اور قیل وقال کے گورکھ دھندوں سے نجات دلا کر محض قرآن اور حدیث ہی کو مدار علیہ قرار دیا جس کی حقانیت وصداقت اور حلاوت شیرینی منجانب اللہ ہر مومن ومسلمان کے قلب میں فطرتاً ودیعت کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ تحریک امت مسلمہ کی تمام صالح تحریکات کی جان بنتی جارہی ہے، کمال یہ ہے کہ جن مقلدین کے یہاں کتاب اللہ اور احادیث وسنن نبویہ سے براہ راست مسائل کا اخذ کرنا ایک طرح کی گمراہی تھی وہ اس مبنی برصداقت اور پرتاثیر دعوت وتحریک کے سامنے مجبور وبے بس ہو کر تمام تقلیدی بکھیڑوں کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔

آج اس حقیقت سے کون کج فہم ہے جو انکار کرسکتا ہے کہ اکابر واسلاف اہلحدیث کی مساعی جمیلہ بارآور ہوئیں اور ہوتی جارہی ہیں، اس سے پہلے جن بڑے بڑے اسلامی اداروں اور ممتاز مشائخ وصوفیاء کی خانقاہوں میں کتاب وسنت کی اس تحریک بلکہ نام سے بھی چڑھ تھی، فتاؤوں پر جن کا مدار عمل تھا جو اقوال الرجال اور علماء وائمہ کی رایوں اور فقیہانہ موشگافیوں کو سرمایہ حیات جانتے تھے وہ بھی اب تحقیق وتفتیش کے خوگر ہوگئے، فتاؤوں کا رنگ بدل گیا، درس وتدریس اور تقریر وتحریر میں کتب حدیث سے استناد ضروری سمجھنے لگے، کتاب وسنت کے روشن چراغ سے دلوں کی تاریکیاں اور تقلید جامد کی سیاہیاں دور ہوئیں، شرک وبدعت کی گھنگھور گھٹائیں کافور ہوگئیں اور نکھری ہوئی توحید کھل کر سامنے آگئی۔ یہ ہیں دعوت اہلحدیث کے وہ مفید اثرات جن کی شہادت بمصداق ۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں

علماء اعلام کی زبان سے سنئے:

(۱) سرتاج علماء احناف حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

”بہر حال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانے سے آج تک ہمارے دوراد بار کی ساکن سطح میں اس سے جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکر یہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم

کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی ﷺ کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئیں لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی ﷺ کا جوجذبہ گم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہوگیا۔۔إلی۔۔۔۔علماء اہلحدیث کی تدریسی اور تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم سے اور مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانے تک علماء حدیث کا مرکز رہا، قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کررہے تھے، شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کی مسند درس بچھی تھی اور جوق درجوق طالبین حدیث مشرق ومغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کررہے تھے، ان کی درس گاہ سے جونامور اٹھے ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آروی تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس درس گاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنہوں نے کتب حدیث کی جمع اور اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے، اس درس گاہ کے تیسرے نامور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری ہیں، جنہوں نے درس وتدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جاسکتا ہے کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور کو ان کے شاگردوں میں نہیں ملا۔ اس درس گاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں مولانا صاحب مبارکپوری تھے جنہوں نے تدریس حدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی 'عربی' لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جوخیال ہوگیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہوگیا اور لوگ ازسرنو تحقیق وکاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل وقال کے مکدر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصطفیٰ کی طرف واپسی ہوئی۔

(مقدمہ تراجم علماء حدیث ہند نوشہروی)

(۲) مولانا مناظر احسن بہاری لکھتے ہیں:

اس کو تسلیم کرنا چاہیے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان (متحد) کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہلحدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے، عمومیت غیر مقلد تو نہیں ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔ (رحیق لاہور بحوالہ برہان دہلی، ص ۲، جلد ۴/ اگست ۱۹۵۸ء)

(۳) علامہ رشید رضا مصری فرماتے ہیں:

"ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فى هذا العصر لقضى عليها من امصار الشرق"

یعنی اگر ہندوستان کے علماء حدیث نے اس دور میں علوم حدیث سے خوب اعتنا نہ کیا ہوتا تو یہ علم مشرق کے شہروں سے مٹ جاتا۔

(رحیق مذکورہ فروری ۱۹۵۹)

(۴) استاذ عبدالعزیز خولی مصری فرماتے ہیں:

ولا یوجد فی الشعوب الاسلامیہ من اتی الحدیث قسطه من العنایة فی هذه العصر مثل اخواننا مسلمی الهند، اولائك الذین وجد بینهم حفاظ السنة ودارسون بها علی ما کانت تدرس فی القرن الثالث حریة فی الفهم ونظرا فی الاسانید۔ یعنی اس دور میں کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں نے برادران اہلحدیث کی طرح علم حدیث کا حق نہیں ادا کیا۔ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث میں ایسے حفاظ حدیث موجود ہیں جو پابندی مذاہب سے آزاد ہو کر بعینہٖ تیسری صدی ہجری کی طرح درس حدیث دیتے ہیں اور اسانید کی صحت وسقم سے بحث بھی کرتے ہیں۔ (رحیق بحوالہ مفتاح السنہ، صفحہ ۱۶۹)

و فی الهند الآن طائفة کبیرة تهتدی بالسنة فی کل امور الدین ولا تقلد احداً من الفقهاء ولا المتکلمین وهی طائفة المحدثین۔ یعنی ہندوستان میں اب بھی ایک جماعت (اہلحدیث) موجود ہے جو تمام امور دین میں حدیث نبوی ﷺ ہی کو رہنما مانتی ہے اور فقہاء و متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی۔ (رحیق بحوالہ مذکورہ)

تحریک اہل حدیث اور اس کے فوائد کے ذیل میں یہ چند حوالے مشتے نمونہ از خروارے ان علماء اعلام کے بیانات سے زیب قرطاس کئے گئے ہیں جو اپنی جگہ عالمی شہرت اور حق پسندی کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا خط کشیدہ عبارات آپ مکرر ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ہندوستان میں تحریک اہل حدیث کے اجاگر ہونے سے قبل یہاں خواص وعوام مسلمانوں کا دینی حال کیا اور کیسا تھا۔ خودساختہ رو بدعات کے شکار توحید وسنت کے حقیقت سے ناآشنا قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم سے غافل اور براہ راست اس کے استفادہ سے غیر متعلق وناموس حدیث نبویؐ کی تعلیم وتدریس سے اور تالیف کی کوششوں سے بے نیاز اور لاپرواہ قیل وقال کے گورکھ دھندوں اور فقیہانہ موشگافیوں کے دلدادہ ہو کر اتباع نبویؐ کا جذبہ گم کر دینے والے تحقیق وتفتیش کے دشمن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کے طلسم سے مرعوب ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصطفیٰ سے کوسوں دور مگر اس تحریک حق سے تھوڑے ہی دنوں میں ایک انقلاب برپا ہوگیا اور ہندوستانی مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی جس کا احساس واقرار عالم اسلامی کے مشہور ومقتدر علماء فضلاء کی زبان سے آپ سن چکے۔

اب میں بطور تبرک وتتمہ خود حضور ﷺ فداہ ابی وامی کی اس حدیث پاک کو نقل کرتا ہوں جس میں آپ نے ایک گروہ باشکوہ داعی الی الحق کا وجود مسعود از زمان برکت نشان تا قیام قیامت بطور حجۃ اللہ فی الارض ذکر فرمایا ہے۔ سرور عالم ﷺ کی اس پیش گوئی کا مصداق بھی محدثین کرام اور ائمہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اصحاب الحدیث کو قرار دیا ہے، فللّٰہ الحمد۔

عن جابر بن عبداللہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامة وفی لفظ عن ثوبان رضی اللہ عنہ لا یضرهم من خذلهم حتی یاتی وعداللہ وهم کذالك۔

یعنی حضرت جابر اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ اس وقت سے قیامت تک حق پر قائم رہے گا، حق کے واسطے لڑتا رہے گا ان کو چھوڑ دینے والے اور مقاطعہ کرنے والے انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ یعنی قیامت آجائے گی۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)

اس پیش گوئی کے مطابق آپ کی تمام امت اور مختلف فرقوں میں حق وصداقت پر قائم رہنے والی جماعت کون ہے؟ محدثین کرام وائمہ عظام رحمہم اللہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)امام یزیداس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''کہ اگراس سے مراد جماعت اہلحدیث نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں''۔

(۲) محدث ابن مبارک فرماتے ہیں:''میرے نزدیک اس سے مراد اہل حدیث ہیں''۔

(۳)امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ''کہ اگراس سے مراد اصحاب حدیث نہ ہوں تو کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا''۔

(۴)احمد بن سنان فرماتے ہیں:''اس سے مراد اہل علم اہلحدیث ہیں''۔

(۵)امام علی بن مدینی فرماتے ہیں: ''اس سے مراد حدیث والے ہیں''۔

(۶)امام بخاری فرماتے ہیں:''کہ یہ جماعت اصحاب حدیث کی ہے''۔

(۷)امام علی بن عبداللہ فرماتے ہیں:''اس سے مراد حدیث والے ہیں''۔

(۸)امام ابوداؤدفرماتے ہیں:''کہ اگر اہلحدیث کی یہ جماعت نہ ہوتی تو اسلام بےنشان ہوجاتا''۔

(۹)خلیفہ ہارون الرشید فرماتے ہیں:''میں نے حق کو اہلحدیثوں میں پایا''۔

(۱۰)ولید کرابیسی موت کے وقت اپنی اولاد کو وصیت فرماتے ہیں:''کہ مذہب اہل حدیث کو مضبوطی سے تھام لو میں نے حق کو انہیں کے ساتھ دیکھا''۔

(۱۱)ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن بشر فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا حضور ﷺ ۷۳ گروہوں میں ناجی کون ہے؟ فرمایا اے اہلحدیثو! تم ہو''

(۱۲)حسن بن علی تمیمی فرماتے ہیں: ''.....میرے دل میں خیال آیا کہ قیامت کے دن سب سے آگے کون ہوں گے، اچانک ایک غیبی آواز آئی کہ اہلحدیث ہوں گے''۔ (از فضائل محمد: مصنف مولانا محمد صاحب جوناگڑھیؒ)

(۱۳)حافظ الحدیث مولانا عبدالتواب علی گڑھیؒ بیان فرماتے ہیں:''کہ زمانۂ حج میں مدینہ منورہ گیا تو کوئی دن حدیث کا وعظ ہوا، ایک رات آنحضرت ﷺ کے مزار اقدس پے درود شریف پڑھتے پڑھتے آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ حضور انور ﷺ تشریف لے آئے ہیں، میں فوراً ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:

''انا راض منك لانك تتعظ بحديثي ''یعنی میں تم سے اس لئے خوش ہوں کہ تم میری حدیث کا وعظ کہتے ہو۔

مولانا رحمہ اللہ نے جس محفل میں یہ واقعہ بیان کیا، خاکسار حاضر تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل اور حدیث کی خدمت واشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔(آمین)

والسلام

عبدالمبین منظرؔ

(ماخوذ از کتابچہ: تحریک اہل حدیث اوراس کے فوائد، شائع کردہ منظر اکیڈمی سمرا)

❑❑❑

سلفی دعوت کے پانچ اہم اصول

شیخ اشفاق احمد سنابلی

منہج کا معنی ومفہوم، اس کے قواعد اور امتیازی خصوصیات جان لینے کے بعد یہ معرفت حاصل کرنا کہ سلفی منہج کس چیز کی دعوت دیتا ہے اور اس منہج کی دعوت کے اصول ومبادی کیا ہیں؟ نہایت اہم ہے۔ چند اہم امور یہ ہیں:

(۱) فہمِ سلف کے مطابق کتاب وسنت کی طرف رجوع۔

(۲) توحید اور اخلاص عمل کی دعوت۔

(۳) مسلمانوں کو شرک سے ڈرانا۔

(۴) اتباع کی دعوت اور تقلید سے اجتناب۔

(۵) نفع بخش علم کا حصول۔

مذکورہ بالا پانچوں نکات کی ضروری تفصیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

پہلی بنیاد: فہمِ سلف کے مطابق کتاب وسنت کی طرف رجوع

اس بنیاد میں دو باتیں ہیں۔ اول: کتاب وسنت کی طرف رجوع اور اس کا فہم۔ ثانی: کتاب وسنت کے رجوع اور فہم میں صحابہ کرام کا منہج اختیار کرنا۔

سلفی دعوت کی یہ اہم ترین اور اصل اساس ہے کہ صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ کرام کے فہم کے مطابق کتاب وسنت کی اتباع کی جائے۔ اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ عقائد وعبادات اور معاملات دین کے تمام شعبوں میں صحابہ کرام کا اتفاق انہیں دونوں مصادر پر رہا ہے اور یہی مومنین کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرۃ: ۱۳۷) ''اگر یہ لوگ ایمان لائیں جیسا کہ تم لوگوں نے ایمان قبول کیا ہے تو یہ ہدایت یافتہ ہیں اور اگر وہ منہ موڑیں تو صریح اختلاف میں ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا۔ (النساء:۱۱۵) ''اور جو شخص ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد بھی رسول سے اختلاف کرے اور تمام مومنین کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے اس راستے پر لگا دیں گے جدھر وہ متوجہ ہوگا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے''۔

ان دونوں آیتوں سے پتہ چلا کہ ہدایت ونجات صحابہ کرام کے منہج کو لازم پکڑنے میں ہے۔حدیث میں ان مومنوں کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔

فرمایا: "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الرشدين المهديين بعدي، عَضُّوا عليها بالنَّواجذ" ''تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرلینا اوراسے مضبوطی سے دانتوں سے پکڑلینا''۔(سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: ۲۳۴/۶)

اسی طرح مومنین کی جس جماعت کو اللہ کے رسول ﷺ نے خیریت سے متصف کیا ہے وہ صحابہ کرام وتابعین عظام اور تبع تابعین کی جماعت ہے فرمان نبوی ہے: "خيرُ الناسِ قَرني، ثم الذين يَلُونَهُمْ، ثُم الذين يلونهم" ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جولوگ میرے بعد ہیں ان کا زمانہ اور پھر جولوگ ان کے بعد ہیں ان کا زمانہ'' (صحیح البخاری: ۴۸۲/۱۱)

واضح رہے اس حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں اور نہ سلف میں سے کسی نے ایسا کہا ہے کہ اس زمانہ میں پائے گئے تمام لوگوں کا فہم لائق اعتبار ہے۔نہیں! کیونکہ ہرایک کواس بات کا بخوبی علم ہے کہ اس عہد میں بھی بہت سے خواہشات کی پیروی کرنے والے، اہل بدعت اوراسلام کالبادہ اوڑھ کراسلام اوراسلامی تعلیمات کوگزند پہنچانے والے منافقین کا وجودرہاہے۔خوارج اورروافض کا وجوداس امر کی زندہ مثال ہے لہٰذا اس سلسلے میں علامہ سفارینی کا حزم واحتیاط قابل داد ہے: فرماتے ہیں: "المراد بمذهب السلف ما كان عليه الصحابة الكرام رضوان الله عليهم.وأعيان التابعين لهم بإحسان وأتباعهم وأئمة الدين ممن شهدله بالامامة، وعرف عظم شانه في الدين، وتلقى الناس كلامه خلفاً عن سلف، دون من رمي ببدعة، أوشهر بلقب غير مرضي مثل الخوارج والروافض القدرية والمرجئة والجبرية والجهمية والمعتزلة والكرامية"

''مذہب سلف سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور بعد میں آنے والے وہ ائمہ دین گامزن تھے جن کی دینداری اعلیٰ درجہ کو پہنچی ہوئی تھی اور جن کی امامت امت کے نزدیک مسلم ہے اور جن کے اقوال وافعال لوگوں کے نزدیک مقبول ہیں۔نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جو بدعت کے کاموں میں ملوث ہیں لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ القاب سے یاد کئے جاتے ہیں جیسے خوارج، روافض، قدریہ، جبریہ، مرجیئہ، جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ۔ (لوامع الانوار البهية وسواطع الاسرار الاثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية/ السفاريني ۲۰/۱۔ سلفیت کا تعارف ص: ۱۷۔۸۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ان ناسا يجادلونكم بشبيه القرآن، فخذوهم بالسنن، فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله تعالى" ''کچھ لوگ تم سے قرآن کی متشابہ آیات کے ذریعہ جھگڑیں گے تم سنت کے ذریعہ ان کی گرفت کرو کیونکہ سنتوں والے کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھنے والے ہوتے ہیں''۔(الشريعة للآجري: ۱۰۳/۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "واذا تأمَّل اللّبيبُ الفاضل هذهِ الأمور تبيَّن له ان مذهبَ السلفِ والائمة في غايةِ الاستقامةِ والسَّدادِ والصحةِ والاطرادِ وانه مقتضى المعقُولِ الصَّريحِ والمنقولِ الصحيحِ وإن من خالفه كان مع تناقضِ قولهِ المختلف الذي يُؤفك عنه من افك خارجاً عن موجبِ العقلِ والسمع مخالفاً للفطرةِ والسمع"۔

’’ایک عقل مند، دور اندیش اور صحیح سالم انسان جب بدعتی ٹولوں کے اعتقادی اختلافات واضطرابات اور حیرانی میں غور کرے گا تو اس کے لئے یہ چیز بالکل واضح ہوجائے گی کہ سلف صالحین اور ائمہ دین کا منہج ہی درستی اور صحت پر قائم ہے۔ عقل سلیم اور نقل صریح وصحیح کے عین موافق ہے۔ اور جو ان کی مخالفت کرتا ہے وہ سوچنے، سمجھنے اور سننے کی صلاحیت سے محروم ہے‘‘۔(مجموع الفتاوی۔لابن تیمیۃ:۵/۲۱۲)

دوسری بنیاد: توحید اور اخلاص عمل کی دعوت

توحید اور عمل میں اخلاص کی دعوت وہ قیمتی سرمایہ ہے جس کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہیں، یہی وہ فطرت سلیمہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا، یہی وہ عظیم دولت ہے جس پر ملت کی بنیاد رکھی گئی، یہی اللہ سبحانہ وتعالی کا وہ پختہ عہد وپیمان اور عظیم حق ہے جو تمام بندوں پر عائد ہے۔ یہی جنت میں داخلہ اور جہنم سے خلاصی کا ذریعہ اور لوگوں کی نیک بختی وبدبختی کا پیمانہ ہے۔ چنانچہ نصوص کے حوالے سے توحید کی اہمیت مسلم ہے جس سے انکار کا کوئی راستہ نہیں۔ تمام رسولوں کو اللہ رب العالمین نے اسی ایک مرکز پر متفق کیا ہے۔ فرمان ربانی ہے:(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ)’’اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو‘‘۔(النحل:۳۶)۔

اس بنا پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جس امر یعنی توحید کے لئے انس وجن کی تخلیق ہوئی، جس امر کی وضاحت کے لئے تمام انبیاء ورسل کی بعثت عمل میں آئی اور تمام کتابوں کا نزول ہوا خود قرآن ابتداء تا انتہاء توحید کی دعوت پر مشتمل ہے۔ اسی امر اور توحید کے بارے میں کوئی کسی قسم کی لچک روا رکھتا ہو ظاہر ہے یہ لچک دار وہ منہج محض باطل ہوگا۔ منہج حق وہی ہوگا جو توحید اور اخلاص عمل میں بے لچک ہو۔ اللہ کا ارشاد ہے:(فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا)’’جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے‘‘۔(الکہف:۱۱۰)

تیسری بنیاد: مسلمانوں کو شرک سے ڈرانا

جس طرح توحید تمام اعمال کی اساس ہے اور اس کی فضیلت اور مرکزیت مسلم ہے اسی طرح شرک کی قباحت اور ہلاکت وخطرناکی بھی ناقابل برداشت ہے۔ شرک توحید کی نقیض اور ضد ہے جو نہ صرف توحید بلکہ تمام نیک اعمال کو برباد کردیتا ہے اس لئے اہل السنۃ والجماعۃ نے جب توحید کی دعوت کو اپنا اصل بنایا تو وہیں شرک سے ڈرانے کا بھی لازم تصور کرتے ہوئے اپنی دعوت کے اصول میں بنیادی مقام دیا اور ایسا اس لئے ہے کہ شرک اکبر الکبائر اور ایک ناقابل معافی جرم ہے: اللہ کا فرمان ہے:(اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ)’’اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اس کے علاوہ جسے چاہے گا معاف فرمادے گا‘‘(النساء:۴۸) (شرک کی مزید خطرناکیاں کتب عقائد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں)

چوتھی بنیاد: اتباع کی دعوت اور تقلید سے اجتناب

سلف صالحین کی دعوت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ وہ اتباع کی دعوت دیتے ہیں اور تقلید سے روکتے

ہیں۔اور منہج سلف صالحین کا یہ دعوتی اصول نصوص قرآن وسنت کے عین موافق ہے۔کیونکہ اتباع کا معنی ہی یہی ہے۔جیسا کہ امام احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں: "اَلاِتّباع ان یتّبع الرجلُ مَاجَاء عَن النبی ﷺ وعن أصحابه ثم هو مِنْ بعد فی التابعين مخيّر" ''انسان اس چیز کی پیروی کرے جو اللہ کے نبی ﷺ لے کر آئے اور جو صحابہ کرام سے منقول ہے اور ان کے بعد تابعین کے سلسلے میں انسان کو اختیار ہے'' (أضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن: ۷/ ۳۵۲)۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں رسول ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔اللہ کا فرمان ہے: (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ) ''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ سخت سزاؤں والا ہے''۔(الحشر: ۷)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: "مهما أمركم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فانه انما يامر بخير أو ينهى عن شر" ''جس چیز کا اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اس کو بجالاؤ اور جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جاؤ کیونکہ آپ ﷺ صرف بھلائی کا حکم دیتے اور برائے سے روکتے ہیں۔'' (تفسیر القرآن العظیم۔ابن کثیر: ۸/ ۶۷)

عَنْ أَبِي هريرة أنّ رسولَ اللهِ ﷺ قال كل امتي يَدْخلونَ الجنّةَ الا مَنْ أَبى قالوا يارسول الله ومن يأبى قال من أطاعني دخَلَ الجنّةَ وَمَن عَصاني فقدأبى۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ کون انکار کرتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً اس نے انکار کیا''۔(صحیح البخاری: ۲۲/ ۲۴۸)

یہ اور اس طرح کی بے شمار قرآنی آیات واحادیث اس امر کی رہنمائی کرتی ہیں کہ عقائد واعمال کے تمام مسائل میں رسول ﷺ کی پیروی لازم اور ضروری ہے، زندگی کے تمام شعبوں اور دین کے تمام امور میں طریقہ نبوی کی اتباع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔لیکن افسوس امت میں جب فتنہ رونما ہوا اور حزبیت اور طائفہ پرستی نے جڑ پکڑی تو شخصیت پرستی شروع ہوئی پھر چوتھی صدی ہجری میں جمود اور کتاب وسنت سے دوری دور کا آیا اور اندھی تقلید یعنی ''کسی کے قول کو دلیل کی معرفت کے بغیر قبول کرنے کا'' رواج عام ہوا۔(مجموع الفتاوی۔ابن تیمیۃ: ۴/ ۱۹۷)۔

لیکن سلف صالحین، اہل السنۃ والجماعۃ نے اسے ہرگز قبول نہیں کیا اور اسی وقت سے لے کر آج تک سلفی منہج نے نصوص کتب وسنت کی روشنی میں تقلید سے اجتناب کرتے ہوئے اتباع کتاب وسنت کی دعوت کو اپنا اصول بنایا۔چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''لايقلدن أحدكم دينه رجلا ان آمن آمن وان كفر كفر فانه لاأسوة في الشر''۔''خبردار تم میں سے کوئی شخص اپنے دین کے معاملے میں کسی آدمی کی ہرگز تقلید نہ کرے اس طور پر کہ اگر وہ ایمان لاتا ہے تو مومن رہے اور اگر وہ کفر کرتا ہے تو کافر ہو جائے کیونکہ شر میں کسی کو اپنا آئیڈیل نہیں بنایا جاتا ہے''۔(اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ابن القیم: ۲/ ۱۹۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "ويل للأتباع من عثرات العالم قيل: وكيف ذاك ياابن العباس؟ قال: يقول

العالم من قبل رأيه ثم يسمع الحديث عن النبیﷺ فيدع ماكان عليه وفي لفظ: فيلقى من هو أعلم برسول الله صلى الله عليه وسلم منه فيخبره فيرجع ويقضي الاتباعُ بما حكم۔" "عالم کی لغزشوں کی پیروی کرنے والے متبعین کے لئے تباہی ہے ان سے پوچھا گیا یہ کیسے اے ابوالعباس؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی بات کہتا ہے پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی حدیث سنتا ہے اور جو اس کی رائے تھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ وہ ایسے شخص سے ملاقات کرتا ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث کے بارے میں زیادہ جانتا ہے پھر وہ اسے آگاہ کرتا ہے یوں وہ عالم اپنی رائے سے رجوع کر لیتا ہے جب کہ پیروکار اس کے (پچھلے) حکم پر ہی باقی رہتے ہیں"۔ (اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ ابن القیم: ۲/ ۱۹۳)

اجتناب تقلید کے ضمن میں خود ان ائمہ کے اقوال مشعل راہ ہیں جن کی فی زمانہ تقلید ہو رہی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے: "لايحل لاحد أن يقول بقولنا حتى يعلم من أين قلناه"۔ "کسی کے لئے درست نہیں کہ وہ میرے کسی قول کو اختیار کرے جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو کہ اس قول کو ہم نے کہاں سے لیا ہے"۔ (اعلام الموقعین عن رب العالمین۔ ابن القیم: ۲/ ۲۱۱)

اسی طرح مزید کہتے ہیں: "اذا صَحَّ الحديثُ فَهوَ مذهبي" "جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے"۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۰/ ۳۵)

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: "انما أنا بشر أخطي وأصيب، فانظروا في رأيي، فكلما وافق الكتاب والسنة فخذوا به، وما خالف فاتركوه" "میں ایک انسان ہوں مجھ سے غلطی ہوتی ہے اور درستی کو بھی پہنچتا ہوں لہذا میری رائے میں غور وفکر کر لیا کرو جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو اس کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو"۔ (تاریخ الاسلام۔ للذہبی: ۳/ ۳۲۹)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كلُّ ما قلته فكان من رسول الله صلى الله عليه وسلم خِلافُ قولي مما صح، فهوَ أولى، ولا تقلدوني" "جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اگر اللہ کے نبی ﷺ سے میرے قول کے برخلاف صحیح حدیث ثابت ہے تو نبی کی حدیث اولیٰ ہے۔ میری تقلید نہ کرو"۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۰/ ۳۳)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لاتقلدني ولا تقلد مالكا ولا الثوري ولا الاوزاعي وخذ من حيث أخذوا" "نہ میری تقلید کرو نہ مالک، شافعی اور اوزاعی اور نہ ثوری کی بلکہ وہیں سے لو جہاں سے ان ائمہ کرام نے اخذ کیا"۔ (أعلام الموقعين عن رب العالمین: لابن القیم: ۲/ ۲۰۱)

واضح رہے تقلید کے سلسلے میں کچھ شبہات پیش کئے جاتے ہیں سو وہ ہمارا موضوع نہیں البتہ اتنا عرض ہے کہ کسی سے مسئلہ دریافت کرنا، علم حاصل کرنا تقلید سے مختلف چیز ہے لوگ ان باتوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی عالم کے فتوے پر مطمئن ہو کر عمل کر لینا اور کسی کی تقلید کرنا یہ دونوں دو باتیں ہیں انہیں بھی لوگ مختلط کر دیا کرتے ہیں۔ سو عرض ہے کہ علماء کا احترام ان سے استفادہ ان کے علم سے فیضیاب ہونے کے سلف قائل ہیں اور سلفیت اس پر کاربند ہے۔

پانچویں بنیاد: نفع بخش علم کا حصول

سلفی دعوت کے اصولوں میں سے پانچویں اصل علم نافع کا حصول ہے، حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اس علم کی تعریف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: "فالعلم النافع من هذه العلوم كلها ضبط نصوص الكتاب والسنة وفهم معانيها والتقيد فى ذلك بالماثور عن الصحابة والتابعين وتابعيهم فى معانى القرآن والحديث۔ وفيما ورد عنهم من الكلام فى مسائل الحلال والحرام۔ والزهد، والرقائق، والمعارف، وغيرذلك والاجتهاد على تمييز صحيحه من سقيمه أولا، ثم الاجتهاد على الوقوف فى معانيه وتفهمه ثانياً"۔

ان تمام علوم میں علم نافع کا معنی ہے کتاب وسنت کے نصوص کو ضبط کرنا ان کے معانی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے منقول طریقہ پر سمجھنا، اسی طرح سے حلال وحرام اور زہد ورقائق اور معارف میں ان کے کلام کی معرفت حاصل کرنا، اور اول صحیح کو ضعیف سے الگ کرنے کی اہلیت پیدا کرنا۔ ثانیاً ان کے معانی کی آگاہی اور فہم کی کوشش کرنا"۔ (فضل علم السلف علی الخلف۔ لابن رجب: ۶/)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "المراد بالعلم العلم الشرعى الذى يفيد معرفة ما يجب على المكلف من امر عباداته ومعاملاته، والعلم بالله وصفاته، وما يجب له من القيام بامره، وتنزيهه عن النقائص، ومدار ذالك على التفسير والحديث والفقه"۔

"علم سے مراد درحقیقت علم شرعی ہی ہے جس سے مکلف کو اس کے دینی امور اور عبادات ومعاملات میں فائدہ حاصل ہو اور اللہ رب العالمین کے اسماء وصفات اور جو چیزیں حکم الٰہی کی انجام دہی کے لئے ضروری ہیں اسی طرح اللہ کے نقائص سے پاک کرنے کا علم حاصل ہو اور اس علم کا مدار تفسیر، حدیث اور فقہ پر ہے" (فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ ابن حجر: ۱/ ۹۲)

اللہ رب العالمین نے اسی علم کے تعلق سے فرمایا: (شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (آل عمران: ۱۸) "اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "والمراد باولی العلم هنا: علماء الكتاب والسنة" "اولوالعلم سے مراد کتاب وسنت کے علماء ہیں"۔ (فتح القدیر۔ للشوکانی: ۱/ ۴۴۲)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (يَرْفَعِ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ) "اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور علم دئے گئے ہیں ان کے درجات بلند کرے گا" (المجادلۃ: ۱۱)

اس آیت کی تفسیر کی جاتی ہے کہ "قِيلَ فى تفسيرها: يَرفع الله المومن العالم على المومن غير العالم، ورفعه الدرجات تدل على الفضل، اذالمراد بهِ كثرة الثواب، وبِها ترتفع الدرجات، ورِفْعتها تشمل المعنوية فى الدنيا بعلوِ المنزِلة وَحُسن الصيت، والحِسية فى الآخرة بعلو المنزِلة فى الجنة"

"اللہ تعالیٰ نے مومن عالم کو غیر عالم مومن پر بلند کیا ہے اور درجات کی بلندی اس کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس سے مراد ثواب کی کثرت ہے جس کے ذریعہ درجات کو بلند کیا جاتا ہے اور اس کی بلندی کا مطلب دنیا میں بلند مرتبہ اور اچھی شہرت سے پیدا

شدہ معنویت بھی ہے اور آخرت میں جنت کے اندر علومنزلت کے ذریعہ حسی بدلہ بھی ہے'' (فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ابن حجر: ۱/ ۹۲)

صحیحین کی روایت ہے: عن مُعاوِيَةَ يَقُولُ قَالَ رسولُ اللهِ صلى الله عليهِ وسلمَ مَن يُرِد اللهُ بِهِ خَيراً يُفقِّهُهُ فى الدِّينِ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے''۔(صحیح البخاری: ۱۰/ ۳۵۸)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے دین میں سمجھ حاصل نہیں کی یعنی دین کے بنیادی اصول وضوابط نہیں سیکھ سکا جن کے ذریعہ انسان فروع تک بھی پہنچے تو ایسا انسان بھلائی سے محروم رہ گیا کیونکہ جو انسان اپنے دین کے امورنہیں جانتا ہے وہ فقیہ ہے نہ وہ سمجھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔لہٰذا اس کو اس بات سے متصف کرنا درست ہے کہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہیں کی ہے۔اور ایسی صورت میں علماء کی دیگر تمام لوگوں پر فضیلت ظاہر ہے، اور دین میں فقہ حاصل کرنے کی فضیلت دوسرے تمام علوم پر واضح ہے''۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَطْلُبُ فِيهِ عِلْماً سَلَكَ الله بِهِ طَرِيقاً مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رضا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وانَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ والحيتانُ فى جَوْفِ الْماءِ وَانَّ فَضْلَ العالِمِ عَلى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَة الْبَدْرِ عَلى سائِرِ الْكَوَاكِبِ وَانَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الانبياءَ لم يُورِثُوا دِينارًا ولادِرْهَماً انَّما وَرَثُوا العِلْمَ فَمَنْ اخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍ وافر»

''حصول علم کے راستے پر جو چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے کسی راستے پر لگا دیتا ہے، اور فرشتے طالب علم کے لئے اس کے کارناموں سے خوش ہو کر اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے زمین وآسمان کی تمام مخلوق یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔اور ایک عالم کی ایک عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیگر تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے درہم ودینار کی وراثت نہیں چھوڑی بلکہ علم کی وراثت چھوڑی۔جس نے علم حاصل کیا اس نے وافر حصہ حاصل کیا''۔(سنن ابی داؤد: ۱۰/ ۴۹)

علامہ آجری اپنی کتاب ''اخلاق العلماء'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: «فان الله عزوجل، وتقدست أسمائه، اختص من خلقه من أحب، فتفضل عليهم، فعلّمهم الكتاب والحكمة وفقههم فى الدين، وعلمهم التاويل وفضلهم على سائر المومنين، وذلك فى كل زمان وأوان، رفعهم بالعلم وزينهم بالحلم، بهم يعرف الحلال من الحرام، والحق من الباطل، والضار من النافع، والحسن من القبيح۔ فضلهم عظيم، وفكرهم جزيل، ورثة الانبياء، وقرة عين الاولياء، الحيتان فى البحار لهم تستغفر، والملائكة باجنحتها لهم تخضع، والعلماء فى القيامة بعد الانبياء تشفع، مجالسهم تفيد الحكمة، وباعمالهم ينزجرأهل الغفلة، هم أفضل من العباد، وأعلى درجة من الزهاد، حياتهم غنيمة، وموتهم مصيبة، يذكرون الغافل، ويعملون الجاهل، لا يتوقع لهم بائقة، ولايخاف منهم غائلة،..... فهم سراج العباد، ومنار البلاد، وقوام الامة، وينابيع الحكمة، هم غيظ الشيطان، بهم تحيا قلوب أهل الحق، وتموت

قلوب أهل الزيغ، مثلهم في الارض كمثل النجوم في السماء، يهتدي بها في ظلمات البر والبحر، اذا انطمست النجوم تحيروا، واذا أسفر عنها الظلام أبصروا"۔

پاکیزہ ناموں والے اللہ عزوجل بلند و بالا نے اپنے بندوں میں سے جسے پسند کیا اسے چن لیا اور انہیں ایمان کی ہدایت دی پھر تمام مومنین میں سے جسے پسند کیا ان پر بڑا فضل کیا اور انہیں کتاب وحکمت سکھلائی، دین میں فقہ عطا کی اور تاویل سکھلائی اور انہیں تمام مومنین پر فضیلت عطا کی، اور یہ چیز ہر زمان ومکان میں ہوتی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم سے بلند کیا اور عقلمندی و بردباری سے زینت عطا کی، انہیں کے ذریعہ حرام کے مقابلے حلال، باطل کے مقابلے حق، نقصاندہ کے مقابلے نفع بخش اور برے کے مقابلے اچھی شئے کی معرفت حاصل ہوتی ہے ان کی بڑی فضیلت ہے اور ان کی فکر بہت عمدہ ہے، وہ انبیاء کے وارث اور اولیاء کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، مچھلیاں سمندروں میں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں، ملائکہ ان کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں، قیامت کے دن انبیاء کے بعد علماء سفارش کریں گے، ان کی مجلسوں میں حکمت کی باتیں ہوتی ہیں، ان کے اعمال سے غافلوں کو ڈانٹ پڑتی ہے یہ عبادت گزاروں سے افضل اور تارکین دنیا سے درجے میں بلند و برتر ہیں، ان کی زندگی غنیمت اور ان کی موت مصیبت ہے، وہ غافلوں کو تنبیہ کرتے اور گنواروں کو سکھلاتے ہیں، ان سے کسی ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے اور نہ کسی تباہی کا خوف..... (یہاں تک کہ) وہ بندوں کے لئے چراغ اور قوموں کے لئے روشنی، امت کے لئے قوام اور حکمت کے چشمے ہیں وہ شیطان کو مبتلائے غضب کرنے والے ہیں، انہیں کے ذریعہ اہل حق کے دل زندہ اور اہل باطل کے دل مردہ ہوتے ہیں ان کی مثال زمین میں ستاروں کی ہے جس طرح ستاروں سے خشک وتر کی تاریکی میں رہنمائی لی جاتی ہے اسی طرح اہل علم سے زمیں میں رہنمائی لی جاتی ہے۔ جب ستارے بے نور ہوجاتے ہیں تو لوگ حیران اور جب اس سے تاریکی ہٹ جاتی ہے تو لوگ دیکھنے لگتے ہیں"۔ (أخلاق العلماء۔للآجری: ۱/۱)

چنانچہ علماء سلف صالحین نے حصول علم اور اس کی نشر واشاعت میں اپنی پوری زندگیاں وقف کردیں اسلامی تراث اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور اس بنیاد پر حصول علم کی دعوت کو اپنے دعوتی مناہج کا ایک رکن قرار دے کر لوگوں کو شریعت کا علم حاصل کرنے کی ترغیب دینا سلف صالحین کا خاصہ ہے۔ (ماہنامہ اعتدال ممبئی، مئی/جون ۲۰۱۶ء)

❑❑❑

فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی میں علماء اہل حدیث کی مساعی جمیلہ

مولانا عبدالعلیم ماہر بستویؒ

اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ شروع ہی سے مقدس مذہب اسلام اپنے خارجی وداخلی فتنوں کی آماجگاہ اور باطل قوتوں کے مظالم کا تختہ مشق بنتا رہا، سب سے پہلے مکی زندگی میں قریش مکہ نے اپنی ستم رانیوں کی انتہا کردی اور طرح طرح کے حربوں سے اسلام کے خلاف حملے کئے پھر مدنی زندگی میں یہی روش منافقین نے اپنائی اور اسلام کے خلاف ریشہ دوانی کرتے رہے آخری دور رسالت میں چند جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوئے اور انہوں نے اسلام کو زک پہنچائی، نبی ﷺ کی رحلت کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا اور بہت بڑی تعداد میں مرتدین اسلام کے خلاف نبرد آزما ہوگئے پھر مانعین زکوٰۃ نے ایک اور فتنہ کھڑا کردیا پھر رافضیت آگے آئی اور اس نے محبت اہل بیت کا نعرہ لگا کر ان احادیث کا انکار کردیا جو فضائل خلفائے راشدین وفضائل صحابہ وصحابیات پر مشتمل تھیں پھر ان کے بالمقابل خارجیت کا فتنہ کھڑا ہوا اور انہوں نے بغض اہل بیت میں ان احادیث کا انکار کردیا جو فضائل اہل بیت پر مشتمل تھیں اس کے بعد یونانی فلسفہ کی یورش اور متکلمین کا گروہ اس کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا اور انہوں نے ان احادیث کا انکار کردیا جو صفات باری تعالیٰ سے متعلق تھیں اور پھر سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد بھی قسم قسم کے باطل افکار ونظریات اسلام سے متصادم ہوتے رہے اور اسلام اور اہل اسلام کی راہوں میں فتنے کھڑے کرتے رہے، قدریہ اور جبریہ نام کے فرقے پیدا ہوئے مرجیہ اور کرامیہ سامنے آئے۔ معطلہ اور مشبہہ نام کے فرقے وجود میں آئے، صوفیاء کا گروہ اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہوا اور باطنیہ فرقہ اپنے باطل مزعومات کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوا اور پھر اصحاب بدعت وخرافات اسلام کی شکل وصورت بگاڑنے لگے پھر اہل تقلید نے اسلام میں رنگ آمیزی کی مگر اسلام کے حقیقی حاملین خاموش تماشائی نہیں رہے بلکہ ہر گوشہ جہاں میں اور ہر دور میں اور ہر محاذ پر ان فتنوں کا اور تمام باطل قوتوں کا مردانہ مقابلہ کیا اور حق کی آواز کو بلند کیا اور اس راہ میں جو بھی جانی، مالی، وقتی قربانی کی ضرورت پڑی اس سے دریغ نہیں کیا ہے۔

حضرت امام زہری، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت سعید ابن المسیب، حضرت امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام ابن خزیمہ، امام ابن الجوزی، ابواسماعیل انصاری، حافظ عبدالغنی مقدسی، خطیب بغدادی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم، امام ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر وغیرہم کے نام مثال میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔

پھر تیرہویں صدی ہجری میں قادیانیت کے فتنے نے سر ابھارا یعنی مرزا غلام قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا اعلان کردیا اور اپنے گرد ایک بھیڑ اکٹھی کرلی پہلے مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس کو للکارا اور اس کے مقابلے میں آئے پھر ان کے بعد شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس کو منہ توڑ جواب دیا اور اسے شکست فاش دی، پھر اس کو قبر تک پہنچایا۔

اس کے معاً بعد انکار حدیث کا فتنہ جاگا اور اس نے کئی لباس بدلے اور کئی طرح کی باتیں کیں، ہم اس مقالے میں اسی فتنے کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان منکرین حدیث نے کس کس طرح مختلف مرحلوں میں مختلف باتیں کی ہیں اور مختلف روپ بدلے اور ہر بار ایک نیا گل کھلایا ہے اور علمائے اہل حدیث میں کس کس نے ان کی گرفت کی ہے اور کس طرح سے ان کی ہفوات اور اوہام وخرافات کا جواب دیا ہے اور ان کے عقائد وافکار کا ابطال کیا ہے۔

علمائے اہل حدیث میں جن جن علماء نے فتنۂ انکار حدیث کی سرکوبی کی ہے اور ان کے نتائج وعواقب کی نشاندہی کر کے اس باطل فکر ونظر سے امت کو بچانے کی کوشش کی ہے ان کے نام میرے علم ومطالعے کی حد تک اس طرح ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ صاحب امرتسری۔

۲۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اسماعیل سلفی صاحب گجرانوالہ۔

۳۔ امام حریت مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی۔

۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی۔

۵۔ خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری۔

۶۔ نمونہ سلف مولانا محمد داؤد صاحب راز دہلوی۔

۷۔ مناظر اسلام مولانا عبدالمبین صاحب منظر۔

۸۔ مؤلف الرحیق المختوم مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری۔

۹۔ مولانا ابوالاقبال صاحب سلفی بریلی۔

سب سے پہلے علامہ گجرانوالہ نے فتنۂ انکار حدیث پر نظر ڈالی اور ان کے غلط افکار ونظریات کا جائزہ لیا اور اس کے نتائج وعواقب سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا فرماتے ہیں:

’’مجھے معلوم ہے کہ کئی سال سے ہمارے ملک میں انکار حدیث کی تحریک چل رہی ہے اور کئی مراحل سے گزری ہے اور اس کے محرکین نے وقت کے تقاضوں کے مطابق کئی لباس بدلے ہیں، میں نے ابتداء میں یہ لٹریچر بطور طالب علم تحقیق کی نظر سے پڑھا، اب مجھے اس تحریک اور اس کے لٹریچر سے نفرت ہے، اس شغل کو اضاعت وقت سمجھتا ہوں، صلوٰۃ القرآن، بیان القرآن، طلوع اسلام یہ اس تحریک کی بیچارگی کے مختلف مراحل ہیں۔ اس تحریک کی قیادت کے عمل وفکر کا حاصل یہ ہے کہ وہ قرآن کو مفصل کہنے کے باوجود مجمل اور قابل تشریح وتفسیر سمجھتے ہیں اور قرآن کی تفسیر وتشریح کے لئے لٹریچر شائع کرتے ہیں، جس کا مطلب ظاہر ہے کہ قرآن عزیز کو ان حضرات کی تشریح کی ضرورت ہے، ان کے یہاں اس تشریح کو قبول کرنا گویا قرآن کو ماننا اور قبول کرنا ہے۔ مگر اگر آنحضرت ﷺ یا ان کے رفقائے کرام قرآن کے مقاصد کو بیان کریں، تو اسے یہ حضرات نہ قبول کرتے ہیں نہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں بلکہ قطعاً ناپسند کرتے ہیں، کوئی حدیث سمجھ میں نہ آئے مگر اس کا انکار کر دینا سمجھ میں آتا ہے، ائمہ حدیث نے جن احادیث کو اپنے معیار پر نہیں پایا

ان کا انکار کر دیا یا ان کو موضوع فرما دیا لیکن چند احادیث سمجھ میں نہ آئیں تو پورے ذخیرہ اور فن کا انکار بالکل سمجھ میں آتا، عقل کو اس پر حیرت ہوتی ہے''۔(تحریک آزادی فکر صفحہ:۱۴)

علامہ موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ منکرین حدیث کے افکار و خیالات کو اور اس کے فساد و بطلان کو نمایاں کر دیا ہے اور ان کی کج فکری اس طرح ظاہر کی ہے، اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ کرام اگر قرآن کی تشریح و تفسیر کریں تو ان حضرات کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ خود تفسیر و توضیح کریں تو یہی مطلوب قرآن ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کس قدر بدبختی اور حرماں نصیبی ہے کہ رسول اور صحابہ کی توضیح تو ضلالت ہے اور ان کی تفسیر و تشریح عین ہدایت ہے۔

''انکار حدیث کے نظریہ کی عمر تقریباً ستر سال ہو گی جس کی ابتداء مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی حشمت علی لاہور، مولوی رمضان صاحب گجرانوالہ، رشید الدولہ صاحب گجرات منکرین حدیث ملتان ڈیرہ غازی خاں وغیرہ نے کی اور حدیث اور ائمہ حدیث کے اصول پر کڑی تنقید کی ہیں''۔(حجیت حدیث: صفحہ ۳۹)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۲ پر اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''پچاس سال کے بعد کچھ کلرک ریٹائر ہوئے کچھ یورپ زدہ حضرات احادیث کی تشریحات سے تنگ آئے ہوئے تھے، جنہیں نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور قربانی وغیرہ مسائل کسی طرح پسند نہ تھے، انہوں نے نظریہ تو مولوی عبداللہ سے مستعار لیا، لیکن اپنے سابقہ تجربے سے فائدہ اٹھا کر نماز، روزہ ارکان اسلام کو کچھ غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور فرمایا یہ سب وقتی احکام تھے جو اس وقت امت کو دیئے گئے تھے۔ اب دنیا بہت آگے نکل چکی ہے وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں، یہ نماز، وضو، روزے، عبادات پرانا فرسودہ فلسفہ ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں زندگی کی دوڑ میں یورپ سے آگے نکلنا ہے اسی لئے اب عورت کو برقع اتار پھینکنا چاہیے، اسے حق ملنا چاہیے کہ وہ سر محفل اپنے حسن کی نمائش کرے، کلب میں دوستوں سے ملے، مرد کو خواہ مخواہ اس پر بدگمان نہیں ہونا چاہیے ہر ایک کو اپنی خواہشات پورا کرنے کا حق ہے یہ پابندیاں اور ستر، شرم و حیا یہ حدیثوں نے دین میں شامل کی ہیں اب قرآن کے الفاظ یا ترجمہ کی ضرورت نہیں اب صرف مفہوم اور مقصد سمجھنا چاہیے اور قرآن اور اسلام کو نئے تقاضوں اور زندگی کی جدید راہوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے اگر یہ کشادگی اسلام میں پیدا نہ کی جاسکی تو زندگی آگے نکل جائے گی اسلام پیچھے رہ جائے گا اس لئے قرآن کی تشریح وقت کے مطابق ہونی چاہیے''۔

علامہ موصوف کی اس تحریر میں منکرین حدیث کا چہرہ بھی نظر آ گیا اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انکار حدیث کا یہ خطرناک نظریہ پھیلانے میں کون سے مقاصد کارفرما ہیں دراصل اسلام کے وسیع ترین مفادات اور اس کی حقیقی تعلیمات ان کے ذہن سے اوجھل ہیں اور یہ جہالت اور لاعلمی سے دوچار ہیں اس لئے حقیقی اسلام سے اپنا دامن چھڑانا چاہتے ہیں اور اسلام کو دنیا کے سامنے ایک نئے انداز میں پیش کرنا چاہتے ہیں جو کسی طرح بھی حقیقی اسلام کا مطلوب نہیں ہے۔

یہ کس قدر افسوسناک اور تشویشناک پہلو ہے کہ جو اسلام دنیا میں اوہام و خرافات کو مٹانے آیا تھا آج انہیں اوہام و خرافات سے یہ

لوگ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور اس کی حسین شکل وصورت کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور جو اسلام دنیا والوں کے لئے رحمت اور نعمت بن کر آیا تھا آج یہ لوگ اس کو لعنت اور عذاب بنا رہے ہیں۔ ؎ برین عقل ودانش بباید گریست۔

اسی بات کو اور واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری نے اپنی مشہور معروف کتاب ''صیانۃ الحدیث: ج۔۱''میں فرماتے ہیں:

صیانۃ الحدیث جیسے اہم موضوع پر مجھے کچھ بھی لکھنے کا خیال نہ تھا لیکن منکر حدیث برق جیلانی ''دو اسلام'' لکھ کر عام مسلمانوں میں حدیث نبوی سے متعلق شکوک وشبہات کا ماحول اور عصر حاضر کے ناواقف وبے خبر مسلمانوں میں یہ تصور پیدا کر رہا تھا کہ حدیثیں اس لئے مستند نہیں کہ وہ دو ڈھائی صدی گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہیں، اس لئے عہد رسالت سے اس طویل زمانہ تک حدیثوں کے بعینہٖ محفوظ رہ جانے کی کوئی واقعی ضمانت موجود نہیں ہے''۔(کتاب مذکورہ:ص ۵)

اسی بات کو اور واضح انداز میں پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف آگے فرماتے ہیں:

''منکرین حدیث نے احادیث کے خلاف طرح طرح کے مغالطات وشبہات پیدا کرنے کی ایک مہم چلا رکھی ہے اگر یہ لوگ اپنے وساوس وشکوک کو لکھ کر ان کے صحیح جوابات کے بعد قانع اور خاموش ہو جاتے ہیں تو ہمیں بھی کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی لیکن یہ کس قدر مقام افسوس ہے کہ علمی انداز کے جوابات کے بعد بھی اور ہر طرح کی تسلی وتشفی بخش دلائل کے باوجود انہیں اعتراضات وشبہات کو بلا ذکر دلائل وجوابات اعادہ کرتے رہتے ہیں ان کے جس قدر بھی شکوک ہیں ہر ایک کا بار بار جواب دیا جا چکا ہے مگر ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی تشکیک وتدلیس وتلبیس کے حربوں سے بار بار کام لے رہے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے احادیث کا لکھنا منع فرمادیا تھا۔

۲۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث میں تحریف واقع ہوگئی تھی حد یہ کہ صحابہ کرام تک مشاجرات وفتن میں اس سے محفوظ نہ تھے۔

۳۔ کبھی کہتے ہیں کہ صحابہ نے احادیث کے دفاتر کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا دیا تھا اور وہ احادیث بیان کرنے والوں کو سزائے تازیانہ دیتے تھے۔

۴۔ کبھی لکھتے ہیں احادیث ڈھائی تین صدی کے بعد لکھی گئی ہیں تو اس وقت تک کوئی حدیث نبوی کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

۵۔ کبھی کہتے ہیں قرآن کے ہوتے ہوئے احادیث کی کیا ضرورت ہے قرآن تو خود مکمل کتاب ہے۔

۶۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث باہم سخت متعارض ہیں اور ان میں باہم تصادم ہے اس لئے احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔

۷۔ کبھی عالم بدحواسی میں یوں لکھتے ہیں کہ ہم صرف انہیں حدیثوں کو قبول کریں گے جو قرآن کے موافق ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی تشریح وتوضیح وتحدید وتعیین سے متعلق اور تحلیل وتحریم واضافات سے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ سب ناقابل قبول ہیں وغیرہ وغیرہ'' مولانا موصوف آگے فرماتے ہیں:

’’میں نے اپنی ناچیز تالیف میں ان کے انہیں تمام باتوں کا جواب دینا اپنے ذمہ لیا ہے اور کافی بسط و بحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ نہی کتابت کی احادیث عارضی تھیں بعد میں نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت صراحۃً فرمائی ہے، اس طرح اس میں تحریف صحابہ کا بھی مدلل جواب دیا گیا ہے، اسی طرح صحابہ، تبع تابعین، ائمہ دین کے ان واقعات و تاریخی حالات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن میں ان کے احادیث کے یاد کرنے اور لکھتے رہنے اور درس حدیث و تبلیغ حدیث میں مشغول رہنے کی مساعی کا بیان ہے، اسی طرح اس الزام مالا یلزم کا بھی جواب دی ہے کہ احادیث دوڈھائی صدی کے بعد کی نو ایجاد چیز ہے پھر احادیث کے جلائے جانے کے غلط فسانہ کی بھی تردید کی گئی ہے اسی طرح واضح طور پر اس کا بطلان بھی کی ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے احادیث کی ضرورت کیا ہے، ساتھ ہی کتاب وسنت کا باہمی تعلق وضاحت سے بتلایا گیا ہے پھر منکرین حدیث کے اس الزام کا بھی جواب ہے کہ احادیث باہم متعارض ومتضاد ہیں چونکہ انکار حدیث کے سبب ان کو حدیث سے عناد ہے اس لئے ان کو حدیث کی معرفت و بصیرت ہی حاصل نہیں نہ اہل علم وشیوخ حدیث سے ان کے مذاکرات اور نہ فہم وانصاف کے ساتھ مطالعہ، اس لئے فہم حدیث کے راستے ان کے لئے ہموار نہیں‘‘۔
(ص:۲۵ تا ۲۷ کتاب مذکورہ)

مولانا جھنڈانگری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم تالیف صیانۃ الحدیث کے اس طویل اقتباس سے آپ حضرات نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ منکرین حدیث نے انکار احادیث کے لئے کس طرح سے من گھڑت افسانے اور پرفریب حیلے و بہانے تراشے ہیں اور امت مسلمہ کو ضلالت و گمراہی اور شکوک و شبہات کے عمیق غار میں ڈھکیلنے کی سازش کی ہے اور بات صرف حیلے و بہانے و شکوک و شبہات تک نہیں رہتی ہے بلکہ دوقدم آگے بڑھ کر محدثین کرام کے لئے ایک ایسا شرمناک اور بدبودار انکشاف کیا ہے کہ ’’ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے‘‘ اس دل آزار انکشاف کی تفصیل شیخ الحدیث مولانا گجرانوالہ کی تحریر سے ملاحظہ فرمائیں مولانا لکھتے ہیں کہ:

’’تاریخ سازی کا یہ انکشاف صرف ادارہ طلوع اسلام اور مولانا جے راج پوری کے حصہ میں آیا ہے، ان حضرات کا خیال ہے کہ ائمہ حدیث میں چونکہ کافی تعداد اہل فارس کی ہے، فارسی حکومت چونکہ پہلی صدی ہی میں ختم ہو چکی تھی، یزدجرد کی موت کے بعد فارسی اقتدار ہمیشہ کے لئے دم توڑ گیا، منکرین حدیث کا خیال ہے کہ ائمہ حدیث نے فارسی حکومت کے بقیۃ السلف کے ساتھ مل کر اسلام کی تخریب کے لئے سازش کی اور احادیث کے یہ طویل وعریض دفاتر، رجال کا یہ علمی اور تاریخی ذخیرہ، اصول حدیث کے یہ عقلی اور لغوی قواعد، یہ سب اس شکست کا نتیجہ ہیں جو فارسی حکومت کے افراد اور علماء کی سازش سے وجود میں آئی اور اسی سے اسلام میں تخریب کی راہ پیدا ہوئی، چند سال سے اس تہمت کو بے حد ہوا دی جا رہی ہے، فتح فارس کی وجہ سے آج کا بے خبر ذہن اسے قبول بھی کر رہا ہے، میں اس پر ذرا تفصیل سے تبصرہ کرنا چاہتا ہوں، میں اس پوری داستان کو محض افسانہ اور افترا سمجھتا ہوں میری دانست میں یہ محض وہم ہے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں بلکہ جو حضرات اس سازش کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں وہ خود کسی کی سازش کا شکار ہیں‘‘۔ (حجیت حدیث: ص ۳۹)

مولانا موصوف کی یہ آخری بات صرف دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقعہ ہے جیسا کہ بعض شواہد و دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ اس گندی تخریب کاری کے لئے انگریزی بہادر اور عیسائی مشنریاں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں اور روپیہ کا لالچ دے کر ان بدکردار

لوگوں کو اسلام کی تخریب کاری کے لئے استعمال کررہی ہیں، اور بھولے بھالے اور سادہ لوح مسلمانوں کو راہ حق سے منحرف کرنے کے لئے اسلام کو عملی اور اعتقادی اعتبار سے کمزور اور بے وزن کرنے کی سازش کررہی ہیں۔

علماء فارس کی اس سازش کے انکشاف پر مولانا گجرانوالہ رحمۃ اللہ کا مفصل تبصرہ فرمائیں مولانا فرماتے ہیں: ''کہ تعجب ہوتا ہے کہ ادارہ طلوع اسلام اور جناب اسلم جے راج پوری نے سازش کے جراثیم کو کون سی عینک سے دیکھ لیا، تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عدل گستری اور انصاف پسندی کی وجہ سے فارس کے لوگ بالکل مطمئن ہو گئے ہیں اس لئے انہوں نے سیاست کا میدان چھوڑ کر فاتحین کی علم دوستی کے اثرات سے فارس کے ذہین لوگ فوراً علم کی طرف متوجہ ہو گئے، اس راہ میں انہوں نے آخرت کی سربلندیوں کے علاوہ علمی دنیا میں بہت بڑا نام پیدا کیا اور حکومت کے خلاف سازش کا ان کی زبان پر کبھی نام تک نہیں آیا، یہ سازش کا پورا کیس مولانا جیراج پوری کے کاشانہ اور ادارہ طلوع اسلام کے دفتر میں تیار ہوا، واقعات کی روشنی میں اسے ثابت کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، سازش کی یہ عجیب قسم ہے کہ سازشیوں نے فاتحین کا مذہب قبول کیا پھر ان کے علوم کی قدر خدمت کی کہ فاتحین اپنے علوم کی حفاظت سے بے فکری اور کلی طور پر مطمئن ہو گئے، پھر سازشیوں کا یہ پورا گروہ مختلف عجمی ممالک سے ہزاروں میل سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچ کر امام مالک کی خدمت میں تحصیل علم کے لئے پیش ہوتا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ ان کا شیخ عرب ہے اور یہ عجمی النسل لوگوں کی پوری سازش کا راز فاش نہ کردے، عرب استاذ کے عجمی شاگرد مدتوں استفادہ کرتے ہیں اور انہیں علوم کا درس دیا جاتا ہے ساتھی ساتھی پر جرح کرتا ہے، ایک دوسرے کی کمزوریوں کے کھلے بندوں تذکرے ہوتے ہیں، عرب محدث عجمی علماء پر تنقید کرتے ہیں، عجمی اہل عرب کے نقائص کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن اس سازش کا سراغ جس کے اختراع کا سہرا طلوع اسلام کے دفتر کے سر ہے نہ کسی عرب کو لگا نہ کسی عجمی کو نہ استاد نے اسے محسوس کیا نہ شاگردوں نہ ساتھی نے، پھر تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ فارس کی فتح پہلی صدی کے اوائل میں ہوئی اور سازش کا منصوبہ تیسری صدی میں بنایا تقریباً پورے دو سو سال بے وقوف اہل فارس آرام کی نیند سوتے رہے یعنی جب شکست کا درد اور کوفت تازہ تھی اس وقت تو فارسیوں کو کوئی احساس نہ ہوا لیکن تین سو سال کے بعد درد کی بے قراریاں انگڑائیاں لینے لگیں اور فارسی سازشوں نے بخاری مسلم اور کتب صحاح کی صورت اختیار کرلی فیھا للعقول وارباھا۔ پھر اتنی بڑی سازش جس نے پوری اسلامی اور تعلیمی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اسے کوئی نہ جان سکا، دنیا کے مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں کی آنکھیں بیکار ہو گئیں، قلم ٹوٹ گئے اور زبانیں گنگ، ان کی ضخیم کتابیں اس عظیم الشان سازش کے تذکرہ سے یکسر خالی ہیں، یہ راز سب سے پہلے یوروپ کے ملحد مکتشفین پر کھلا اور اس کے بعد دفتر طلوع اسلام کے دریوزہ گروں نے کچھ ہڈیاں مستعار لے لیں۔ "فویل لھم مما کسبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون"۔ (حجیت حدیث ص: ۴۲/۴۴)

پھر اس عجیب وغریب سازش کا مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری نے بڑی گہرائی سے اور ایک نئے زاویئے سے جائزہ لیا ہے، ملاحظہ فرماتے ہیں:

''اس ''ایرانی سازش'' کا ایک اور پہلو بھی خاص دلچسپ ہے اس سازشی ٹولے کی جمع کی ہوئی کتب احادیث میں ایسی احادیث

بھی ہیں جن میں قبیلوں، قوموں اور ملکوں کے فضائل ومناقب یا خرابیاں اور کمزوریاں بھی بیان کی گئی ہیں اس قسم کی احادیث میں حجاز کو دین کی پناہ گاہ کہا گیا ہے۔(بخاری، مسلم وغیرہ) یمن کو ایمان وحکمت کا مرکز قرار دی ہے (بخاری، مسلم وغیرہ) شام کو اسلام کی چوٹی کی شخصیتوں کا مرکز، اللہ کی منتخب کی ہوئی زمین اور اسلام کا مستحکم قلعہ کہا گیا ہے اور اس کے لئے دعائیں کی گئی ہیں۔(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد) لیکن جانتے ہیں مشرق کو عموماً اور ایرانیوں کے مرکز اقتدار (عراق) کو خصوصاً احادیث میں کیا مقام عطا ہوا ہے؟ اسے فتنہ وفساد کا مرکز اور اجڈوں اور اکھڑوں کا مسکن قرار دیا گیا ہے، اس پر قدرتی آفات اور تباہیوں کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اسے ابلیس کی قضائے حاجت کا مقام بتلایا گیا ہے۔(بخاری، طبرانی وغیرہ) اگر ایک آدھ حدیث میں اہل ایران سے متعلق کوئی فضیلت آ بھی گئی ہے تو صرف چند افراد کے لئے رجال من ھولاء۔

بتلایئے! آخر یہ کیسے بدھو قسم کے سازشی لوگ تھے کہ سارے فضائل وکمالات تو عطا کردیئے اپنے دشمنوں کو اور ساری پستی اور خرابی منتخب کرلی اپنے لئے اور اپنے آقاؤں کے لئے، کیا سازش اسی طرح کی جاتی ہے اور کیا ایسی ہی الٹی سیدھی تدبیروں سے سیاسی بالادستی حاصل ہوتی ہے؟ (انکار حدیث حق یا باطل: ص:۲۸۔۲۹)

مولانا گجرانوالہ اور مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری کے اقتباسات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ منکرین حدیث کا محدثین کے پاکباز گروہ پر سازش کا بے بنیاد الزام ایک من گھڑت افسانہ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات اور اسکے عقائد وایمان پر ایک جارحانہ حملہ کے سوا کچھ نہیں ہے، وہ محدثین عظام جن کی زندگی کا بیشتر حصہ درس حدیث، کتابت حدیث اور اشاعت حدیث میں گزرا ہے جنہوں نے حدیث کی تلاش وتفحص میں سینکڑوں اور ہزاروں میل کا سفر کیا اور اس راہ میں بے شمار اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں، اپنی پوری زندگی قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق گزاردی، ان کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا، تقویٰ واخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے، عبادت وریاضت میں مشغول رہتے تھے، سچائی، راستبازی، حق گوئی اور بے باکی کے جوہر سے سرفراز تھے، مہمان نواز تھے، مساکین ویتامیٰ کے مسیحا تھے غرضیکہ ان تمام خوبیوں اور کمالات کے مرقع تھے، اسلامی تعلیمات جن کا متقاضی تھا، ایسے پاکباز لوگ اسلام کے خلاف سازش کریں اور اسلام کی شکل وصورت بدل ڈالیں، کوئی بھی ذی ہوش انسان اس کو تسلیم نہیں کرسکتا، پھر ایک اور ناحیہ سے غور کیجئے کہ اگر یہ سب کچھ یعنی خدمات حدیث سازش کے طور پر انجام پارہی تھیں تو پھر ان کی حقیقی زندگی اسلامی تعلیمات کے برعکس ہونی چاہیے اور ان کی نجی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے مگر آپ نے دیکھا کہ ان کی حقیقی اور نجی زندگی کس قدر پاکیزہ اور اسلامی احکام ومسائل اور اس کی تعلیمات کے عین مطابق تھی بلکہ اس سے بڑھ کر فضائل اور اعلیٰ اخلاق کی بلندیوں پر سرفراز تھے۔ فتدبروا یا اولی الابصار۔

منکرین حدیث کے گروہ کو تین دھڑوں میں بانٹا جاسکتا ہے:

ا۔ وہ لوگ جو بالکلیہ تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں، اسی گروہ کا سرغنہ مولوی عبداللہ چکڑالوی ہے جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ مولوی حشمت علی لاہور، مولوی رمضان گجرانوالہ، رشید الدولۃ گجرات، مولوی رفیع الدین ملتان، غلام جیلانی برق، اسلم جے راج پوری

اور تمنا عمادی، نیاز فتح پوری اور غلام احمد پرویز وغیرہ ہیں۔

۲۔ وہ لوگ ہیں جو بالکلیہ تمام احادیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ جزئی طور پر بعض احادیث کا انکار کرتے ہیں اس گروہ میں خوارج، روافض، معتزلہ اور جہمیہ کے علاوہ قاضی عیسیٰ بن ابان اور قاضی ابوزید و مولوی چراغ علی اور سرسید وغیرہ ہیں۔

۳۔ یہ لوگ احادیث کا انکار تو نہیں کرتے ہیں لیکن ان کی باتوں سے احادیث کا استخفاف ہوتا ہے اور ان کے انداز فکر سے انکار حدیث کے چور دروازے کھل سکتے ہیں اس گروہ میں مولانا شبلی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ ہیں۔

ان منکرین حدیث میں ایک نام غلام جیلانی برق کا ہے جو اپنی دریدہ دہنی اور حدیث دشمنی میں بہت آگے ہے، اس نے ایک بہت ہی زہریلی اور دل آزار کتاب لکھی ہے جس کا نام ''دو اسلام'' ہے۔ جماعت اہل حدیث کے ایک معتبر اور مستند عالم جناب مولانا محمد داؤد صاحب راز نے اس کی ہفوات اور اعتراضات کا بروقت معقول اور دنداں شکن جواب ''خالص اسلام'' لکھ کر دیا ہے، مولانا راز صاحب مرحوم نے بڑی ہوشمندی اور بالغ نظری کے ساتھ برقی فتنہ کا مسکت اور منہ توڑ جواب دیا ہے، جی تو چاہتا ہے کہ تفصیل کے ساتھ کتاب کے محتویات کو پیش کردوں اور مولانا موصوف کی مضبوط گرفتوں اور معقول جوابوں کو جو اس کی ہفوات کی رد میں لکھی گئیں ہیں حوالۂ قرطاس کروں مگر یہ مختصر سا مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے اس لئے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر صرف ایک بحث کو ذکر کررہا ہوں جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ مولانا نے اس دشمن اسلام اور دشمن حدیث کی پر فریب اور من گھڑت باتوں کا کس قدر دنداں شکن جواب دیا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

''برق صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں تحریف کی اولین وجہ یہ ہوئی کہ جناب نبی کریم ﷺ نے خود اپنی احادیث کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا'' (دو اسلام: ص ۲۷)

''برق صاحب کو اس دعویٰ پر کوئی دلیل بھی پیش کرنی ضروری تھی، شکر ہے کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں اپنی تردید کرنے کے لئے خود ایک عدد ''حدیث'' ہی پیش فرمادی ہے اور ''عملاً'' اپنے دعوی کو خود جھٹلا کر ثابت کردیا ہے کہ ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں تحریف نہیں ہوئی اور ان سے آج ''استشہاد'' کیا جاسکتا ہے۔ ؎ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

برق صاحب کے طرز عمل پر قدرتاً مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوجاتے ہیں امید ہے کہ اب کوئی اور ''نیا اسلام'' تصنیف کرتے وقت برق صاحب کے ان سوالات کو حل کرنے کی تکلیف فرمائیں گے۔

۱۔ جب بقول آپ کے سب احادیث محرف ہوکر درجہ اعتبار سے ساقط ہوگئیں ہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ آپ اپنے نظریہ کے اثبات کے لئے ایک عدد حدیث ہی پیش فرمائیں۔

۲۔ جب کلیہ جملہ احادیث محرف ہوکر ساقط الاعتبار ہوچکی ہیں تو یہ غیر محرف روایت آپ کو کہاں سے دستیاب ہوگئی، جس کو آپ اپنے مقصد کے لئے استعمال فرما کر عملاً اب حدیث کی تصدیق فرمارہے ہیں۔

۳۔جب رسول علیہ السلام نے مطلقاً کتابت حدیث سے بقول آپ کے منع فرما دیا تھا تو یہ حدیث قید کتابت میں آ کر کس طرح آج تک باقی رہ گئی اس حالت میں یہ قابل استشہاد ہے۔

''حضرت برق جب تک ان سوالات کو حل نہ کر دیں ان کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے غلط مزعومات کے اثبات کے لئے احادیث وروایات سے کام لیں ورنہ کہا جائے گا کہ برق ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عادت میں داخل ہے ''میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو' برق صاحب ''منکر مے بودن وہم رنگ مستاں زیستن کار خرد نداں نیست'' شراب سے منکر ہونا اور شرابیوں کی سی زندگی گزارنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے''۔ (خالص اسلام: ص: ۲۰۔۲۱)

منکرین حدیث کے مغالطات وشبہات کے جواب میں شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی نے بھی فضائل حدیث کے نام سے ایک عظیم ترین کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس میں حجیت حدیث، تدوین حدیث اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کی خدمات حدیث کو بڑی تفصیل سے ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ احادیث نبوی کا انکار سراسر ضلالت اور گمراہی ہے اور جو لوگ اس کے پس پشت ہیں وہ لوگ دراصل اسلام کے دشمن ہیں اور اسلام کی حقیقی شکل وصورت کو مسخ کر کے اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح سے مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی اور مولانا ابوالاقبال صاحب سلفی نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے ان منکرین حدیث نے انکار حدیث کا جو فتنہ تصنیف کیا ہے یہ دراصل عیسائی مشنریوں کے ایماء پر کیا ہے اور انہیں کے سر میں سر ملا کر بھولے بھالے اور سادہ مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کو بگاڑنے کی ناروا کوشش کی ہے۔

اب آخر میں تھوڑا سا تذکرہ مشککین حدیث کا بھی ہو جائے کیوں کہ یہ لوگ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ہمارے موضوع کا حصہ ہیں تو جب کہ معلوم ہے کہ کچھ لوگ احادیث کا انکار تو نہیں کرتے ہیں لیکن ان کی تحریروں سے انکار حدیث کے چور دروازے کھلتے ہیں اور ان سے منکرین حدیث کو تقویت ملتی ہے، ان مشککین میں نمایاں نام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا ہے جنہوں نے اپنی کتاب تفہیمات میں ''مسلک اعتدال'' کے نام سے کچھ باتیں پیش کی ہیں جس میں احادیث پاک اور محدثین کرامؒ کی تخفیف کی ہے اور ان کی قدر ومنزلت کسی حد تک گھٹا کر پیش کیا ہے، اور یہ بات ثابت کیا ہے کہ حدیثیں بالکلیہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں اور جن اعمال کو سنت سمجھ کر ادا کیا جا رہا ہے اس پر اصرار کرنا نہ صرف بدعت ہے بلکہ منشاء نبوی کے خلاف ہے۔

مناظر اسلام مولانا عبدالمبین صاحب منظر رحمۃ اللہ نے مودودی صاحب کے مسلک اعتدال والے حصہ پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور تفصیل سے اس پر بحث کی ہے مگر میں بہت اختصار سے اس کا کچھ حصہ پیش کر رہا ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں:

''مولانا مودودی نے اپنے رسالہ تفہیمات میں ایک حصہ مسلک اعتدال کے نام سے شائع فرمایا ہے، جس میں انہوں نے جملہ احادیث نبویہ پر بلا استثنائے صحیح وضعیف بے اعتمادی کی راہ پیدا کر دی ہے اور حدیث کے رد وقبول کا معیار ذوق مجتہد قرار دے کر ہر مذہب والے کے لئے راستہ وسیع کر دیا ہے کہ جس حدیث کو چاہیں قبول کریں اور جس کو چاہیں ردی کے ٹوکرے میں ڈال دیں اس

بدترین اور گمراہ کن نظریہ کی تردید میں سب سے پہلے جماعت اہل حدیث کے سردار شیخ الاسلام حضرت علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے ایک رسالہ بنام ''خطاب بمودودی'' شائع فرمایا تھا جسے گو علامہ مودودی کے فلسفۂ سکوت نے قابل اعتنا نہ سمجھا ہو مگر ارباب بصیرت اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہی رسالہ مودودیت کے اس مسلک جدید کے رد میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور بہت بڑی حد تک جماعت اہل حدیث کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے اس نے بچایا ہے''۔(نیا مذہب فکر: ص ۲)

پھر مولانا منظر صاحب مرحوم نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں مسلک اعتدال کے چار اقتباس کو نقل کرکے مولانا مودودی کے نظریہ اور موقف کی وضاحت کی ہے، نمبروار وہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔''محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلا شبہ نہایت بیش قیمت ہے مگر ان میں کون سی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو (الی) انسانی کمزوریوں سے مبرا نہ تھے نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے یہ امکان محض عقلی نہیں اس کا ثبوت موجود ہے کہ بارہا یہ امکان عمل میں آ گیا۔(تفہیمات: ص ۲۹۲)

۲۔صحت کا کامل یقین تو خود ان کو بھی نہ تھا، وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے، مزید برآں یہ ظن غالب جس بنا پر ان کو حاصل ہوتا تھا وہ بلحاظ روایت تھا نہ بلحاظ درایت (الی) احادیث کے متعلق جو کچھ تحقیقات انہوں نے کی ہے اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں ایک بلحاظ اسناد اور دوسرے بلحاظ تفقہ۔(تفہیمات: ص۔ ۲۹۲)

۳۔وہ روایات کو معتبر یا غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اس چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اسلئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جایا کرتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں۔(تفہیمات: ص ۲۹۵)

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور میں جن کی بنیاد پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہیں کہ سنت نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں ان سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ رکھا جائے مگر اس قابل نہیں کہ بالکلیہ اسی پر اعتماد کر لیا جائے''(حوالہ مذکورہ)

مولانا مودودی کے ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا فن جرح و تعدیل، اسماء الرجال، احادیث نبویہ اور ائمہ محدثین کی خدمات کو ایک طرف ناقابل یقین بتلاتے ہیں تو دوسری طرح ان کے افادی پہلوؤں سے انکار کی جسارت بھی اپنے اندر نہیں پاتے ہیں گویا سانپ کہ منہ میں چھچھوندر والی بات ہے، نہ اگلتے بنتا ہے نہ نگلتے بنتا ہے، کسی شاعر نے شاید ایسے ہی موقع کے لئے کہا کہ: خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

مولانا گجرانوالہ رحمہ اللہ علیہ نے مولانا مودودی کے مسلک اعتدال پر بحث کی ہے اور اس کی خامیوں اور بے اعتدالیوں کی

نشاندہی کی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ ''مسلک اعتدال قریباً تیرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، پورا مضمون پڑھ لینے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف علام جو کچھ لکھ رہے ہیں اس پر خود بھی مطمئن نہیں، پورے مضمون میں ذہنی انتشار نمایاں ہے'' (حجیت حدیث: ۸۸)

یہ ذہنی انتشار وہی ہے جس کی طرف گذشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مولانا مودودی صاحب تذبذب کا شکار ہیں، نہ احادیث کا بالکلیہ انکار کر پاتے ہیں نہ احادیث کو قابل اعتبار مانتے ہیں البتہ محدثین کرام پر فقہاء اسلام کو زبردست ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اس (فقہاء اسلام) کی روح روح محمدی میں گم ہوجاتی ہے، اس کی نظر بصیرت نبوی کے ساتھ متحد ہوجاتی ہے اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے، پھر آگے فرماتے ہیں اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا، وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلہ کا مدار اسناد پر نہیں ہوتا، وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر میں اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے'' (تفہیمات: ص ۳۲۴)

مولانا گوجرانوالہ رحمہ اللہ مودودی صاحب کی اس تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہاء اسلام کے مقام کی رفعت میں کلام نہیں لیکن مسلک اعتدال کے آخری صفحات میں جو کچھ فرمایا گیا ہے قطعی بے دلیل ہے اور محض شاعری ہے، معاملہ صرف طریق فکر کے اختلاف کا ہے نہ کوئی ہیرا ہے نہ کوئی جوت مگر یہ محل جو شاعرانہ پرواز سے تعمیر ہوا تھا اسے بھی بالآخر پیوند خاک فرماتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

''یہ چیز چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی''۔ (تفہیمات: ص ۳۲۴)

مولانا گجرانوالہ فرماتے ہیں: ''پھر یہ ہیرے کی جوت کیسے ہوئی؟ یعنی فقہاء اسلام کا طریقہ فکر بھی ذوقی ہے کہ کوئی اصول نہیں، اب کوئی بتائیے ان تیرہ صفحات میں مولانا نے ہمیں کیا دیا اور کون سی اعتدال کی راہ بتائی، منکرین حدیث دریافت کرتے ہیں کہ حضرت نے اس قدر ملاقات کے بعد ہمیں کیا عنایت فرمایا؟ آپ اور ہم میں نقطۂ امتیاز کیا ہے''۔

گویا مولانا مودودی صاحب نے تحریر کی ہیرا پھیری سے منکرین حدیث ہی کی ہمنوائی کی ہے اور ان کے کیس کو مضبوطی فراہم کی ہے اور احادیث پاک کے باب میں شکوک وشبہات کا دروازہ وا کردیا ہے اور ''برعکس نام نہند زنگی کافور'' کے بمصداق فکری بے اعتدالی کو ''مسلک اعتدال'' کا نام دے دیا ہے۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین یارب العالمین۔

(مجلہ اہل السنہ ممبئی جلد ۵ شمارہ ۵۲ فروری ۲۰۱۶)

❑❑❑

برصغیر میں اہل حدیث کی عظیم کارکردگی

شیخ عبدالمعید مدنی، علی گڑھ

پوری تاریخ اسلام میں ہر جگہ منہج سلف کے حاملین نے اپنا دینی فریضہ نبھایا اور ہمیشہ ہر جگہ ان کی علمی واخلاقی ہیمنت قائم رہی۔ چار صدیوں تک یہی منہج سلف مسلمانوں کے اندر ہر میدان عمل میں معمول بہ رہا۔ اس کے بعد بھی شمع ہدایت ہر جگہ یہی اٹھائے رہے اور آج تک اٹھائے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں بھی چوتھی صدی تک مفتوحہ مسلم خطوں میں اور مسلم آبادیوں میں اہل حدیثیت کا بول بالا رہا۔ چوتھی صدی کے بعد ہندوستان میں تورانی ثقافت، فقہ حنفی اور وحدۃ الوجود کا ریلا آیا اور سارا ملک اسی رنگ میں رنگ گیا لیکن تورانی ثقافت کے مقابلے میں بھی کہیں نہ کہیں اہل حدیثیت زندہ رہی، خصوصاً تغلق گھرانے کے دور حکومت میں مغلوں کے ساتھ جب ہندوستان میں ایرانی ثقافت آئی اور لوگ تورانی ثقافت کے بعد وحدۃ الوجود، منطق اور فلسفہ میں منہمک ہو گئے۔ اس وقت بھی ملک کے مختلف علاقوں میں ایسے علماء موجود تھے جو خالص کتاب وسنت کی تعلیم دیتے تھے اور تقلید کی ہلاکت خیزیوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ ان کے تلامذہ اور ان کے بیٹوں نے لوگوں کے اندر تقلیدی ثقافت سے ہٹ کر سنت کی راہ مستقیم پر چلنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس سنی اور حدیثی رجحان سے تھوڑا کچھ علماء کی سوچ میں بدلاؤ آیا۔ شاہ ولی اللہ کی الانصاف، عقد الجید، ازالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ، تراجم ابواب البخاری، فارسی میں ان کے بعض وصایا، قرآن کریم کا فارسی ترجمہ، قرۃ العینین اور ان کے تدریس حدیث نے رجوع الی الکتاب والسنۃ کا علماء کے اندر ایک مثبت رجحان بنایا۔ جامد تقلیدی ماحول میں یہ بہت عظیم کارنامہ تھا۔

ان کے بعد ان کے بیٹے خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی تفسیر اور فتاوی میں تقلیدی جمود پر قیمتی مباحث، ان کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے تراجم قرآن نے ایرانی وتورانی ثقافت کو متزلزل کیا۔ شاہ ولی اللہ کے شاگردوں میں مرزا مظہر جان جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری اور ملا معین الدین صاحب دراسات اللبیب کی دعوت رجوع الی الکتاب والسنہ نے اپنا ایک حلقہ بنایا جن کی تقلیدی ماحول میں الگ پہچان بنی۔ اسی طرح علماء سندھ میں جو شاہ ولی اللہ کے قریب وبعید کے ہمسر تھے ان کی بھی رجوع الی الکتاب والسنہ کی جہود اہمیت کی حامل ہیں۔

شاہ ولی اللہ کے سلسلہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کی تیسری پیڑھی شاہ اسماعیل، مولانا عبدالحئی بڈھانوی، سید احمد شہید اور شاہ اسحاق کے دور میں رنگ ہی کچھ اور نکھر چکا تھا۔ یہ سبھی تقلیدی جمود سے باہر آچکے تھے اور ان کے منہج دعوت میں نکھار آچکا تھا اور یہ لوگ عملاً اور تعلیماً ہر طرح تقلید وسنت میں مقابلہ آرائی کے موقع پر سنت کو ترجیح دیتے تھے۔

اس تیسری نسل میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کا رنگ سب سے زیادہ نرالا تھا اور ان دونوں میں شاہ شہید کا رنگ ہی الگ تھا۔ انہوں نے ماحول کی ساری تقلیدی بندھنوں کو توڑ ڈالا اور دعوت حق کے مشن کو تدریسی حجروں سے نکالا اور عملی میدان میں لا کھڑا کیا، عوام میں توحید کی صدا بلند کی، جہاں کے لئے منصوبہ بنایا، افراد کی تربیت کی، عوام کے لئے دعوتی تحریریں چھاپیں، تقویۃ الایمان کو پورے برصغیر میں پھیلایا۔ پورے ملک میں دعوتی جہادی دورے ہوئے۔ حج کے لئے سفر کی۔ اس طرح پورے ملک میں ہر جگہ دعوت رجوع الی الکتاب والسنۃ کی آواز پہونچی اور اس کی خاطر مثالی عملی جدو جہد شروع ہوئی۔ دین کے کام میں پھیلاؤ ہوا اور پورے ملک میں اصلاح دعوت تعلیم اور جہاد کا کام شروع ہوگیا۔ ہر طرف کتاب وسنت کی دعوت دی جانے لگی۔ تقلیدی جمود ٹوٹا اور ملک کو شاہراہ کتاب وسنت پر لانے کی بھرپور کوشش شروع کی گئی۔ شرک وبدعت کی دلدل سے بندگان الٰہی کو نکال۔ فکر وخیال میں تازہ کاری آئی۔ اعمال میں نکھار آیا۔ معاشرے میں زندگی آئی۔ اسلامی شناخت بننے لگی۔ ملک کا ہر طبقہ تجدید دعوت کے اس سلفی مشن سے متاثر اور مستفید ہوا۔

دعوت وتعلیم اور اصلاح وجہاد کا یہ کام چوتھی نسل کے ہاتھ میں آتا ہے۔ شاہ اسحٰق کی تدریس حدیث کی وراثت سید السادات میاں ندیر حسین کو ملتی ہے۔ علمی کارواں کی حدی خوانی سید والا جاہ نواب صدیق حسن کو ملتی ہے۔ جہاں کا کام مولانا ولایت علی اور عنایت علی کو سپرد کیا جاتا ہے اور تینوں خدمت دین کے سوتے ایک ساتھ مل جاتے ہیں اور تینوں جہتیں مل کر دعوت واصلاح کا وہ کام کرتی ہیں کہ تاریخ اسلام کے نقوش اولیں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دعوت واصلاح تعلیم وتدریس اور جہاد کے یہ تینوں مورچے اور ان پر لگے خدام اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے سوا ہوتا تو وہ بھی اللہ کی راہ میں لٹا دیتے لگا دیتے۔

ایک فقیر بے نوا درِ کبریا پر بیٹھا علم کا دریا بہائے ہوئے تھا۔ جس کی لہریں برصغیر کے علاوہ ایران وتوران، نجد وحجاز، عرب وعجم تک پہونچیں اور جس نے اس کے دربار گہربار سے استفادہ کرلیا اگر وہ ذرّہ تھا تو نیر تاباں بن گیا۔ برصغیر کا گوشہ گوشہ اس کے جود علم سے فیض یاب ہوا۔ اس کے تلامذہ نے سارے برصغیر میں دعوت وتعلیم اور جہاد واصلاح کو اپنا مشن بنالیا اور صادق پور کے جہادی مشن میں مکمل مشارکت کی زیرزمین بھی اور آن دی گراؤنڈ بھی۔

بھوپال میں دوسرے فدائے سنت نے برصغیر اور اس سے ورے اپنے فیضانِ علم کی وہ بارش کی کہ گھر گھر میں علم کی روشنی پہونچی۔ علماء کا کفیل بن گیا اور بلا طلب مستند ثقہ اور معتبر علماء کے لئے سہارا بن گیا اور خدمت دین کے لئے انہیں فارغ البال کردیا۔ اس کی گرم گستری کا یہ حال تھا کہ خانپور کے قاضی برادران کو خدمت دین کے لئے اتنا نوازا کہ آج کے دور میں اس کا حساب کروڑوں نہیں اربوں میں ہوگا۔ اس نواب اور اپنے دور کے سب سے بڑے قلمکار سیدزادے نے مسلمانوں کے اندر دینی کتابوں کو چھاپنے اور مفت بانٹنے کی سنت حسنہ قائم کی جس پر آج دینی علمی دنیا میں ہر خطے میں عمل ہو رہا ہے۔ اور اسی تتبع میں ''دارالمعارف العثمانیہ'' حیدرآباد کا قیام عمل میں آیا اور اس کی نقل ''دارالمصنفین''، ''ندوۃ المصنفین'' اور دوسرے تالیفی وتحقیقی ادارے ہیں۔ ان

سے پہلے جزوی طور پر یہ کام مولانا ولایت علی صادق پوری نے بھی کیا تھا۔

صادقپور عظیم آباد کا صدیقی گھرانہ بھی نوابوں کا گھرانہ تھا اس میں کئی پٹیاں تھیں۔اور بعض استثناءات کے ساتھ سب پورے برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیمی جہادی اور دعوتی قیادت کر رہی تھیں، ان کا یہ نیٹ ورک زیر زمین سونا جنگل بنگلہ دیش سے پشاور تک پھیلا ہوا تھا اور اس سے دہلی کی مسند درس سے وابستہ لوگ بھی جڑے ہوئے تھے۔اور بھوپال کے دربار علم سے وابستہ لوگ بھی اور بنگال کے دادو میاں ٹیٹو میاں کے مشن کے لوگ بھی۔

اس گھرانے کی اتنی قربانیاں ہیں کہ اسے برصغیر کا اول گھرانہ کہنا چاہیے۔علم دولت، جاہ وحشمت کیا کچھ نہیں تھا اس گھرانے میں۔مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی ۱۸۴۰ء کے قریب گھرانے کی جائداد سے اپنا حصہ لے کر سرحد جا بسے اور راہ جہاد میں ان کا گھرانہ مرکھپ گیا، اس وقت ان کا حصہ ۶ لاکھ روپئے نکلا۔اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر انہوں نے جان ومال سب کی قربانی دے دی۔اندازہ لگایئے پونے دوسو سال پہلے چھ لاکھ کی قیمت آج کتنی ہوگی۔صادق پور گھرانے کی قربانیوں کی یہ عظیم شاہکار مثال ہے اور اس گھرانے کی دوسری قربانیاں بھی شاہکار ہیں۔برصغیر کے ہر فرد کی گردن پر اس گھرانے کا احسان ہے۔اس گھرانے کی قربانیوں کا اعتراف پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا تھا۔ہندوستان کے وزیر اعظم نے مولانا سید عبدالخبیر کی زیارت کی اور کہا ہندوستان کی آزادی کی ساری قربانیوں کو اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور صادقپور گھرانے کی آزادی کے لئے دی گئی قربانیوں کو دوسرے پلڑے میں تو صادق پوری قربانیوں کا پلڑا بھاری ہوگا۔

اس رجوع الی الکتاب والسنہ کی دعوت اور جدوجہد میں ملک کے مسلم باشندوں کے ہر طبقے سے لوگ شریک ہوئے۔اور اس سے وابستہ ہوگئے اور اس دینی اجتماعی جدوجہد کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے۔اس میں سارے اہل حدیث تجار شریک ہوئے کلکتہ، پٹنہ، بنارس، لکھنؤ، قنوج، بھوپال، دہلی، آگرہ، ممبئی، لاہور، پشاور، امرتسر کے مشہور تاجروں کی فیاضی خفیہ طور پر کام آتی رہی۔عوامی تعاون ہر اہل حدیث کرتا رہا اور خفیہ طریقے سے یہ کام آزادی ہند تک جاری رہا اس میں علماء، تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ مختلف پیشوں سے وابستہ حضرات، طلباء اور محنت ومزدوری کرنے والے اہل حدیث بھی شریک رہے۔اس میں بہت سے نوابوں، زمین داروں اور جاگیرداروں کی بھی حصہ داری رہی۔یہ سارا کام عیاں ونہاں مشن کے طور پر جاری رہا اور اتنے منظم فدا کارانہ اور رضا کارانہ ڈھنگ سے ہوا کہ ڈیڑھ سو سال تک خفیہ جہادی تعلیمی وتنظیمی مشن کی تاریخ میں ایک غدار نہیں نکلا۔بڑی سی بڑی اذیتیں جھیل لیں لیکن کبھی مشن کے برخلاف کام نہیں کیا، نہ اس کے ساتھ وفاداری میں فرق آیا۔

مومنین صادقین کا یہ کارواں قریب ایک صدی تک تنہا برٹش استعمار سے لڑتا رہا۔۱۹۱۶ء تک ندوہ، دیوبند، بریلی، فرنگی محل، حمایت اسلام لاہور استعمار کے ہمنوا تھے یہ تو علماء، اصلاحی تنظیمات اور اداروں کا حال ہوا۔ملک کے جاگیردار، نواب، رجواڑے، بنئے سب استعمار کے ساتھ۔ملک کی ساری اسلامی تنظیمیں ان صادقین کے خلاف۔ان کو وہابی مترادف باغی قرار دے کر پھانسی پر لٹکانے کے لئے سفارش میں سرگرم۔ہندوستانی وہابیوں کے خلاف ملک کے سارے مقلدین کے متفقہ فتاوی، تکفیر کے فتاوی، ضلالت

وتفسیق کے فتاوی، سماجی بائیکاٹ کی قراردادیں، مساجد سے نکالنے کی اپیلیں، کورٹ میں مقدمے، قتل وخونریزی مار پیٹ سب روا۔علمآؤں کی استعماری حکومت سے گزارش کہ وہابیوں کو باغی قرار دے کر انہیں تہہ تیغ کردیا جائے۔ یہ سب ہوا لیکن کاروان دعوت وجہاد چلتا رہا۔اس کے توڑ میں دیوبند میں استعمار کے نوکروں نے مدرسہ قائم کیا اور استعمار غلامی کی برٹش استعمار سے سند حاصل کی۔۱۹۱۶ء کے بعد قومی سیاسی عمل شروع ہوا اور سیاسی تحریکیں اٹھیں تو یہ بیچارے بھی اس میں شریک ہوگئے اور آزادی کا ہیرو بننے کا افسانہ گھڑنے لگے۔

برصغیر میں بہت سے جھوٹے مسیحا پیدا ہوئے اور اپنے لیے عظمت کا مینار قائم کرنے لگے۔سرسید کی عظمت کے لئے بڑی چھلانگیں لگائی جاتی ہیں،اس استشراقی بندے، استعماری غلام اور انکار حدیث کے بانی اکبر کے کمالات میں ایک کالج کے قیام کو بڑا عظیم قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ استعمار کے در کی ایک بھیک کے سوا کچھ نہ تھا اور ہزاروں کے بجٹ سے آگے نہ جانا تھا اور یہاں عظمت کے میناروں کا یہ حال ہے کہ برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کے لئے ایک فرد واحد سرسید سے چالیس سال قبل ۶ لاکھ خرچ کردیتا ہے اور اپنی پوری فیملی کھپا دیتا ہے اور کسی سے اس کا صلہ نہیں مانگتا، نہ شہرت کی راہ سے، نہ منصب کی راہ سے، برصغیر کی سوسالہ عظمتیں اداروں، تنظیموں اور قائدین کی شکل میں اگر صرف مولانا عنایت علی صادق پوری پر قربان ہوجائیں تب بھی ان کی عظمت کا حق ادا نہ کرسکیں گی۔مگر افسوس خود اہل حدیث اپنی عظمتوں کو نہیں جانتے اور ہما وشما کی خودساختہ جعلی عظمتوں کے سامنے شرمانے لگتے ہیں۔

برصغیر میں اہل حدیثوں کے کارنامے کے ہمہ گیر اثرات اور ان کی عظمت واہمیت کو نہ اپنے جانتے ہیں نہ غیر۔یہاں تو پیہم یہ صدا آتی رہتی تھی۔

سودا خمار عشق کا خسرو سا کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

اور راہ حق میں سب کچھ لٹا کر یہ صدا لگاتے تھے۔

ہم کھوکے تری راہ میں کل دولت دنیا
سمجھا ہے کہ کچھ اس سے سوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

(ماہنامہ جمال المصباح، اڑیسہ۔مارچ ۲۰۱۶)

❑❑❑

اہل حدیث مجاہدین آزادی

مولانا محمد مقیم فیضی

یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں دنوں اور سالوں کے منانے کی گنجائش نہیں ہے مگر جب لوگ ان دنوں کو تاریخی غلط فہمیاں پھیلانے اور حقائق کو مسخ کرنے کا ذریعہ بنالیں، سیاہ کو سپید اور سپید کو سیاہ بتانے لگیں۔ کارنامے انجام دینے والوں کو مجرموں کی صفوں میں کھڑا کرنے لگیں، اور کارناموں سے تہی دامن لوگوں کے سر کامیابیوں کا سہرا باندھنے لگیں تو بھی چپ سادھے بیٹھے رہنا کہاں کہ دانشمندی ہے، اور یہاں اسلام کب حقائق کی نقاب کشائی سے روکتا ہے؟

پھر غیروں کی حقائق کشی اور تاریخ سازی کا رونا کیا روئیں، یہاں تو جو اپنوں میں ہمارے غیر ہیں ان کی کرم فرمائیاں کیا کم ہیں۔ ان کے سیکولر دانشوروں تک کا معاملہ یہ ہے کہ جب ان کے حلقے کے بزرگوں کا ذکر ہوتا ہے (تاریخی حقیقت کچھ بھی ہو)، ان کے کارنامے گنائے جاتے ہیں تو وہ خوب چہکتے رہتے ہیں، مگر جیسے ہی کسی اہل حدیث کا نام آیا ان کے مزاج کا اکثریتی پہلو فوراً سامنے آجاتا ہے، انہیں تنگ نظری اور تعصب تلاش کرنے کے لئے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں پڑتی ہے، طرح طرح کی نصیحتیں اور مشورے شروع ہوجاتے ہیں، مگر اپنی مجلسوں میں انہیں اس طرح کا ایک بھی جملہ بولنے کی ضرورت کبھی نہیں محسوس ہوتی، ہمارا اپنی مجلسوں میں بھی اپنے بزرگوں کا ذکر کرنا، ان کے سچے اور حقیقی کارناموں کا بغیر کسی دیگر کی تجریح کے بیان کرنا بھی انہیں امت میں اختلاف کو ہوا دینے کا عمل لگنے لگتا ہے، اور ان کی مصلحانہ رگ حمیت پھڑکنے لگتی ہے۔ جب کہ ان کے مفتیان کرام اور اجلہ مورخین حقیقت بیانی کے نام پر چاہے جتنی خوش فعلیاں کریں، مشق ناز کریں، نوازشیں فرمائیں انہیں سب کچھ نارمل نظر آتا ہے۔ تاریخ بیان کریں یا بنائیں انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا، اس پر انہیں مرحبا اور آفریں کی صدائیں ہی سننے کو ملتی ہیں۔ ادھر اپنے دانشوری گزیدہ لڑکوں کا عالم یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سیکولر و لبرل ہیں۔ اپنے علماء کی حقیقت بیانی میں خواہ وہ کتنی ہی مہذب وروادار ہو، اختلاف، تعصب، تنگ نظری، پسماندگی محسوس کر لینے کا حاسہ ان میں بہت تیز نظر آتا ہے اور ان کا یہ عمل انہیں اپنی وسعت قلبی، روشن خیالی، اور صلح کلی والے موقف کے لئے سراپا چیلنج نظر آنے لگتا ہے۔

دراصل اس مرعوبیت کا سبب اپنے متعلق حد سے بڑھی ہوئی غلط فہمی اور اظہار قابلیت کے باوجود حقائق سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں ہے، نہ ان میں اس بات کی فہم ہے کہ زمانہ کس قیامت کی چال چل رہا ہے اسی لئے وہ دوسرے کے بچھائے جال میں بہ آسانی پھنس جاتے ہیں اور جو کام انہیں خود کرنا چاہیے تھا اسے دوسروں کا کرنا بھی انہیں گوارا اور برداشت نہیں ہوتا۔

کم از کم دوسروں سے تو سبق لیجئے! جب کوئی مناسبت آتی ہے ان کا عالم وغیر عالم طبقہ سب کا سب اپنی تاریخ اور کارنامے لئے تمام اخباروں، رسالوں اور میڈیا کے ذرائع میں اپنی حاضری پوری طرح درج کراتا ہے، مگر ہمارے افراد کا عالم یہ ہے کہ انہیں باہمی تنقیص اور دل کے پھپھولے پھوڑنے سے ہی فرصت نہیں ہوتی، حد درجہ تعمیری صلاحیتیں بیشتر تخریب ہی میں صرف ہوتی نظر آتی ہیں۔

خود اپنے رسالوں اور پرچوں تک میں اپنے مجاہدین آزادی اور حریت کے سورماؤں کا ذکر نہیں ہوتا ہے، نئی نسل کو امام اسماعیل دہلوی سے نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ و متعلقین تک کوئی بھی آزادی کی تاریخ میں قابل ذکر نظر نہیں آتا ہے۔ غیروں نے جتنا اپنے بزرگوں کا ذکر کیا ہم اسی قدر خاموش رہے، حالانکہ اصول بقا کا یہ رنگ ہم دیکھتے آرہے ہیں کہ جو بولنا بند کر دیتا ہے وہ فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اگر سو آدمی ایک ایک بزرگ کو لے لیں تو بھی ہر سال بہت سے بزرگوں کا نام اور کارنامہ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا، نیز ان کی ملی خدمات کے پہلو رنگا رنگ ہیں، ان کی تاریخ محض کسی فوج یا حکمراں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس میں دعوت، تنظیم، تعلیم و تربیت، ایثار و قربانی اور بہت سی خوبیوں کی داستانیں موجود ہیں، ان کے متعلق دوستوں اور دشمنوں سب کے تاثرات محفوظ ہیں، اور آنے والی نسلوں کے لئے ان میں عبرت و نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تاریخ حریت میں وقت عمل گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے تھے، آج کثرت ذکر سے وہی اصل سورما اور ہیرو بن بیٹھے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی جان مال، گھر بار اور سماجی ساکھ سب کچھ قربان کر کے رسم تمنا کی بناڈالی ان کا فسانے میں کہیں نام نہیں ہے۔ اس لئے تذکروں کی اہمیت کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں محسوس اور ادا کی جائیں۔

وہابیوں کی جہادی تحریک کا گہرا مطالعہ اور اس کے مختلف وقائع کو اسلام کے تربیتی اصولوں کی روشنی میں پرکھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اس طرح بہت سے گہرے اسباق حاصل کئے جا سکیں گے، بہت سے وہ پہلو اجاگر ہوں گے، جن سے بچنا اور گریز کرنا لازم رہا ہوگا، کچھ ایسے اقدامات نمایاں ہوں گے جن میں جلد بازی کے سنگین نتائج ہوا کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ صلاحیتوں کی جگہ جذبات سے کام لیا گیا ہو اور اخلاص کے ساتھ تیاریوں کی ضرورت اور ان کے شرعی وجوب کو نظر انداز کی ہو۔ بہرکیف اس کا فیصلہ ایک بابصیرت اور ذی علم ناقد ہی گہرے مطالعے اور تجزیے کے بعد کر سکتا ہے جس کی طرف ابھی توجہ حسب ضرورت نہیں دی جا سکی ہے، ہمارے وہ نوجوان جن کے پاس فاضل وقت کے ساتھ بڑا دماغ بھی ہے، اس کام کی طرف رخ کریں اور کسی تجربہ کار محقق کی رہنمائی میں یہ کام کریں تو یہ ایک مفید جدوجہد ہوسکتی ہے اور ممکن ہے نتیجہ خیز بھی ہو، اس سے نئی پود کو جہاد جیسے اہم اور نازک مسئلے میں صحیح رہنمائی بھی فراہم ہوگی اور وہ کسی جذباتی نعرے کے پیچھے کھنچنے اور تباہ ہونے سے محفوظ بھی رہیں گے اور اسلام کی صحیح رہنمائی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل بھی طے کر سکیں گے۔

ذیل میں اہل حدیث مجاہدین آزادی سے متعلق کچھ بھولے بسرے حقائق پیش کئے جا رہے ہیں جو ہماری روشن تاریخ کا سرمایہ افتخار ہیں:

انگریزوں کے ساتھ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ میں سراج الدولہ، حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا نام سدا جگمگاتا رہے گا جنہوں نے گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی پر شیر کی ایک روزہ زندگی کو ترجیح دی اور ملک کی آزادی کے لئے اپنے لہو کا آخری قطرہ نچھاور کر دیا۔ ان کے بعد اگر کسی نے اس ملک میں آزادی کا صور پھونکا اور حریت کے لئے لہو دینے کی پکار لگائی تو وہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ رشد و ہدایت سے فیض یافتہ اور ان کی تحریک آزادی فکر سے وابستہ بیدار مغز و ناصح قوم وملت زعمائے حق سید احمد بریلوی، اسماعیل دہلوی اور ان کے سچے رفقاء ہی تھے، جنہوں نے اپنے قول کی مالا کو عمل کے نگینوں سے سجایا اور اپنے ہر قدم سے یہ ثبوت فراہم کیا کہ جانثاری اور وفاداری کی تاریخ میں یہ ایک انوکھی ادا کے لوگ ہیں جنہیں اپنے مشن کی راہ میں حالات کے تیز

وتند دھاروں اور نامساعد وناساز گار طوفانوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ انہوں نے اخلاص اور قربانیوں کی ایک نئی داستان رقم کی۔

سید وشاہ کی نگاہ میں پورا ہندوستان تھا جس کا بیشتر حصہ انگریزوں کے قبضے میں تھا، انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں اپنا نشانا صاف صاف بتاتے ہوئے لکھا تھا:

''دور کے ملک سے آنے والے بیگانے اور سامان بیچنے والے تاجر مالک سلطنت بن گئے۔ جب ہندوستان کا میدان غیروں اور دشمنوں سے خالی ہوجائے گا تو میں مناصب ریاست وسیاست دوسروں کے حوالے کر کے الگ ہوجاؤں گا''۔ (مکاتیب شاہ اسماعیل ص: ۱۷۰، بحوالہ سید احمد شہید حصہ اول ۳۴۷/ از غلام رسول مہر مطبوعہ مکتبہ الحق جوگیشوری ممبئ)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا جذبہ مذہبی تھا مگر ان کے سامنے کا ٹارگیٹ ملک سے غاصب انگریزوں کو بھگانا تھا، گوان کا تصادم درمیان میں کچھ ملکیوں سے بھی ہوا مگر ان کا اصل مقصد انگریزوں سے جہاد تھا اور ان کی ساری کاوشیں اسی ڈھب پر جاری تھیں۔

ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں سید وشاہ دونوں نے اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں، اللہ تعالیٰ انہیں شہیدوں کے بلند ترین مقام سے سرفراز فرمائے۔

بالاکوٹ تک اس جنگ میں اہل حدیث اور احناف کی جماعت مشترکہ طور پر جہاد میں شریک تھی، شاہ ولی اللہ کی فکری تحریک اور شاہ اسماعیل کی عملی کاوشوں سے جو جماعت اہل حدیث تیار ہوئی اور اس کے جو افراد سفر جہاد میں شریک تھے، ان سب کے سربراہ شاہ اسماعیل دہلوی رحمہ اللہ تھے اور احناف کے سربراہ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تھے جو اسی خاندان کے فیض یافتہ اور متعلقین میں سے تھے۔ مگر یہ سب کے سب باہم شیر وشکر تھے، ان میں مسلکی تعصب کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا ہے، نہ اس ناحیے سے اس متحدہ جماعت میں کسی اختلاف ہی کا پتہ چلتا ہے۔

معرکہ بالاکوٹ کے بعد ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک تحریک جہاد اور انگریزوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کی باگ ڈور عام طور پر اہلحدیثوں ہی کے ہاتھ رہی۔ چنانچہ ۱۲۴۶ھ سے ۱۳۶۷ھ تک امرائے جماعت یا سپہ سالاران جماعت کے جو نام نظر آتے ہیں ان میں غالب تعداد حتمی طور پر اہلحدیثوں ہی کی ہے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں: ولی محمد پھلتی، مولوی نصیر الدین منگلوری، میر اولاد علی عظیم آبادی، سید نصیر الدین دہلوی، مولانا عنایت علی عظیم آبادی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، شیخ نوراللہ، شاہ اکرام اللہ، میر تقی، مولانا مقصود علی عظیم آبادی، مولانا عبداللہ عظیم آبادی، مولوی عبدالکریم عظیم آبادی، مولوی نعمت اللہ عظیم آبادی، مولوی رحمت اللہ عظیم آبادی، مولانا محمد بشیر، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی۔

ان میں اکثریت کا اہل حدیث ہونا یقینی طور پر معلوم ہے بالخصوص عظیم آباد خاندان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ان کے معرکے سرحد پر جاری تھے مگر ان کی تنظیم پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں، وہ ہوس ملک گیری میں جنگ نہیں بپا کئے ہوئے تھے، ان کا مقصد ملک سے ظلم وجبر کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف کا بول بالا کرنا اور ملک کو خوشحالی اور ترقی کی طرف لے جانا تھا، ان سب کے پیچھے وہ رضائے الٰہی اور خوشنودی مولا کے خواہاں تھے، ان کے دعاۃ ومصلین ملک کے

گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے، انہیں دوطرفہ مشکلات کا سامنا تھا، انگریز توان کی تاک میں رہتے ہی تھے، مسلمانوں کے مخالف گروہ بھی ان کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، لوگوں کو ان کے خلاف ورغلاتے، اکساتے تھے، ان کے خلاف فتوے شائع کرتے تھے، مسجدوں میں ان کا داخلہ ممنوع کیا جاتا تھا، ان کے خلاف حکومت کی جاسوسی کی جاتی تھی اور انہیں زیر کرنے کے تمام حربے آزمائے جاتے تھے۔ مگر وہ اللہ والے اپنی دھن کے اتنے پکے تھے کہ کسی بھی سنگین یا مصیبت کو خواہ وہ کتنی ہی سخت کیوں نہ ہو خاطر میں نہیں لاتے تھے، تحریک جہاد کے ساتھ اصلاح عقائد کا کام پوری جرأت سے کرتے تھے، مجاہدین کی بھرتی کرکے، انہیں سرحد روانہ کرتے، چندہ کرکے بڑی بڑی رقمیں اور سامان ضرورت مرکز کو بھیجا کرتے تھے، اللہ نے انہیں بڑی صلاحیتوں کا مالک بنایا تھا، شاید یہ ان کے اخلاص وللّٰہیت اور اعمال صالحہ کے اہتمام کی تاثیر تھی کہ بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے تھے، اور ان کی زندگی یکسر تبدیل ہو جایا کرتی تھی، وہ لہو ولعب اور دنیاداری کی زندگی ترک کرکے سچے، دیندار اور پابند شرع مسلمان بن جاتے تھے، اس راہ میں آنے والی تمام دشواریوں کا سامنا خندہ پیشانی سے کرتے تھے اور بڑی سی بڑی قربانیاں پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

ان کا نیٹ ورک اتنا وسیع، خفیہ اور کامیاب تھا کہ وہ انگریزوں کی تمام تر مستعدی اور ہوشیاری کے باوجود اپنا کام کرجایا کرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ انہوں نے پورے سوا سو سال تک نہایت کامرانی کے ساتھ چلایا۔

انہوں نے باقاعدہ سکھ اور انگریز فوجوں سے جنگیں لڑیں، کچھ میں انہوں نے شکستیں کھائیں اور کچھ میں فریق مخالف کی کئی گنا طاقت، تنظیم، وسائل اور جنگی مہارتوں کے باوجود میدان انہیں کے ہاتھ رہا، انہوں نے ان معرکوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے۔ جہاں انہیں فتوحات حاصل ہوئیں وہاں انہوں نے امن وامان قائم کرنے اور رعایا کی خوشحالی وترقی کے لئے بیش بہا انتظامات کئے، عدل کے دقیق ترین تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مگر غیروں کی طاقت اور تدبیر سے زیادہ اپنوں کی بے وفائی، غداری اور منافقت نے انہیں زیادہ نقصان پہنچایا اور کئی بار وہ فیصلہ کن کارنامے انجام دیتے دیتے رہ گئے، منزلیں ہاتھ آ آ کر نکل گئیں، کامیابیوں کی چوکھٹیں چوم کر واپس آ جانا پڑا۔ اگر اپنوں کے چرکے نہ ہوتے، پشت سے آنے والے خنجروں سے انہیں امن ملا ہوتا تو پھر ۱۹۴۷ سے بہت پہلے ہی ملک کا نقشہ بدل چکا ہوتا، مگر مسلمانوں کی اکثریت درحقیقت پچھلی صفوں ہی کی اہل رہ گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہیں چھوڑ دیا۔

جہاں تک ان کی بات ہے تو انہیں معلوم تھا کہ یہ سودا سہل نہیں ہے، انہوں نے شہادت گہ الفت میں قدم رکھا ہے جہاں ہر قدم برسر تیغ ہوتا ہے، تلوار کی دھاروں پر چلنا ہوتا ہے، اس لئے وہ ذہنی طور پر ہر متوقع وغیر متوقع صورت حال کے لئے تیار رہے، انہوں نے اپنا گھر بار لٹایا، جیل گئے، چکیاں پیسیں، گرمیوں کی شدت میں بزرگوں نے رہٹ چلائے، اس قدر شدت سے دوچار ہوئے کہ خون کا پیشاب آیا، سیکڑوں میل پابجولاں و پیادہ پا چلائے گئے، کالا پانی جزائر انڈومان نکوبار کی طرف دیس نکالا دیا گیا، حویلیاں گرادی گئیں، جائدادیں ضبط کرلی گئیں، بچے سڑکوں پر آگئے، مگر انہوں نے ہار نہیں مانی، دار پر چڑھ کر مسکراتے رہے اور اپنی آنے والی موت کا جشن مناتے رہے یہاں تک کہ دشمن بھی ان کی سخت جانی اور اصولوں پر استقامت کی اس حیرت انگیز صلابت پر ششدر رہ گیا۔

مشہور انگریز آفیسر ڈبلو ڈبلو ہینٹر صاحب نے میدانی تحقیقات کے بعد ایک تفصیلی رپورٹ مجاہدین کی سرگرمیوں کے متعلق مرتب کی تھی جو بعد میں ہمارے ہندوستانی مسلمان کے نام سے شائع ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ بازار میں دستیاب ہے۔ اس کتاب سے ذیل

میں چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جن سے مجاہدین کی سرگرمیوں کی اہمیت ان شاء اللہ پوری طرح اجاگر ہو جائے گی۔

وہابی مجاہدین کا نیٹ ورک اور انگریزوں کے خلاف اس کی سرگرمیاں

ہنٹر صاحب لکھتے ہیں: بنگال کے مسلمان ایک دفعہ پھر عجب کش مکش میں مبتلا ہیں۔ سالہا سال سے سرحد کے مجاہدین کی نوآبادی ہماری سرحد پر چھاپے مار رہی ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ متعصب لوگوں کے گروہ بھیج دیتی ہے جو ہمارے کیمپ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ہمارے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہماری فوج کو ان کے ساتھ تین تباہ کن لڑائیاں لڑنی پڑی ہیں۔ اس مخالف نوآبادی کے لئے نہایت ہی منظم طریقہ پر بنگال میں آدمی بھرتی کیے جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے مختلف سازشی مقدمات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سازش کا یہ جال ہمارے تمام صوبوں میں پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ پنجاب سے پرے کا غیر آباد کوہستانی علاقہ گرم تلک کی ان دلدلوں سے جہاں پر دریائے گنگا سمندر میں جا گرتا ہے اس قسم کے مسلسل سازشی اداروں سے ملا ہوا ہے۔ ان مقدمات سے ایسے سازشی اداروں کا پتہ بھی چلا ہے جو گنگا کے دہانے (یعنی جنوبی بنگال) سے بڑی باقاعدگی کے ساتھ روپیہ اور آدمی حاصل کرتے ہیں اور ان کو ہماری جرنیلی سڑک پر منزل بمنزل گزارتے ہوئے باغی کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں جو یہاں سے دو ہزار میل کی مسافت پر واقع ہے۔ بڑے بڑے ذہین اور دولتمند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے ہیں اور روپیہ پہنچانے کے طریقے کو جو باغیانہ سازش کا ایک نہایت ہی خطرناک کام ہے، کمال ہوشیاری سے ایک بے ضرر مہاجنی کاروبار کا رنگ دے دیا گیا ہے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۱۹-۲۰)

مجاہدین سے انگریزوں کو پیش آنے والی مشکلات اور ان کی سخت ترین یورشیں

''میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی واقعہ تمام حالات کو واضح کر دے گا۔ یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے۔ جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہو گئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۳ء تک اس مہمات کی گنتی ۲۰ تک پہنچ گئی تھی، باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولس اس کے علاوہ تھی۔ اس اثنا میں ستینا کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا، نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا۔ لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنیاد ڈالی اور یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ انگریزی حاکموں سے بھی تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ چنانچہ ہمارے انکار پر وہ اس قدر برانگیختہ ہو گئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لیفٹ ہورن (Lefut Horn) کے کیمپ پر شبخوں مارا۔ جو اس علاقہ کا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی''۔ (ص ۳۳)

سخت جان مجاہدین کے حملوں کا تسلسل

اپریل ۱۸۵۳ء کے اوائل میں انہوں ے ہمارے علاقے میں پھر قتل و غارت اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اسی سال ماہ

جولائی میں وہ نہایت دلیری کے ساتھ ستیانا کے علاقہ پر پھر قابض ہو گئے اور ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب کو تہدید آمیز خطوط لکھے۔ ان کی ہمسایہ اقوام نے ایک دفعہ پھر اپنی وفاداری کو اپنے تعصب پر قربان کر دیا اور ان مواعید کو جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے، بالکل فراموش کر دیا۔ چنانچہ اس باغی آبادی کو سرحد پر ایک دفعہ پھر حاکمانہ اقتدار حاصل ہو گیا۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کو وہ برطانوی علاقہ پر چڑھ دوڑے اور ہماری طلایہ گرد فوج کے کیمپ پر شبخوں مار کر گویا باقاعدہ جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کو نواب صاحب پر بھی حملہ کر کے کوہ سیاہ پر ان کے دیہات کو جلا دیا اور سرحدی چوکیوں پر باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ اسی مہینے میں انہوں نے تناول کو حلیف تحصیلوں پر بھی چھاپہ مارا اور ایک ملکی افسر کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

پھر ہمارے دوستوں پر ہی حملہ کرنے پر اکتفانہ کرتے ہوئے انہوں نے دریائے سندھ کے کنارے ہماری چوکی پر بھی ہلہ بول دیا۔ انگریز کافروں کے خلاف ایک باقاعدہ اعلان جنگ شائع کیا اور ہر دیندار مسلمان کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔

منظم فوج سے مجاہدین کو نبرد آزمائی پر انگریز کو تعجب

''اس متعصب نو آبادی کے خلاف ان چار مہموں میں سے ایک مہم کو بہ تفصیل بیان کرنے کے لئے منتخب کر لوں گا۔ اس سے ظاہر ہو جائے کہ جس طرح باغی کیمپ امن کے زمانہ میں ہماری سرحد پر ہمارے لیے باعث توہین تھا اس سے کہیں زیادہ جنگ کے زمانہ میں ہماری فوج کی تباہی کا سبب بن گیا تھا۔ جب تک ہم نے ان سے باز پرس نہ کی وہ ہماری دوستوں اور ہماری رعایا کو قتل اور اغوا کرنے کے لئے گروہ پر گروہ بھیجتے رہے اور جب ہم نے ان کو فوجی قوت کے ساتھ صفحہ ہستی سے نابود کر دینا چاہا تو انہوں نے ہمارے افسروں کو دھوکے میں رکھا اور ہماری فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور کچھ عرصہ تک سارے برطانوی ہندوستان کی سرحدی فوج کا جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

اس سے یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہوگا کہ کس طرح باغیوں اور پناہ گزینوں کی آبادی نے جس کے پشت پناہ ہماری ہی سلطنت کے سازشی اور متعصب لوگ تھے، نفرت وحقارت سے مغلوب ہو کر خود ہم کو ہی کھلم کھلا چیلنج دے دیا تھا۔ لیکن اس بات کا سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ وہ کس طرح ایک منظم فوج کی قوت اور جنگی قابلیت کا مقابلہ کر سکتے تھے خواہ وہ تھوڑے ہی وقت کے لئے کیوں نہ ہو''۔ (ص ۷ ۳)

مجاہدین کی قوت

''۱۸۶۳ء کی لڑائی میں ہم نے کافی نقصان اٹھانے کے بعد یہ سبق حاصل کیا تھا کہ ایک مجاہدین کے کیمپ کے خلاف مہم روانہ کر دینا دنیا کے ۵۳۰۰۰ ہزار جنگجو اور بہادر انسانوں کی مجموعی طاقت کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ ملک کے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے ہمارے سرحدی افسر قبائل کے مزاج اور ان کے آپ کے تعلقات کے متعلق اکثر متذبذب رہتے ہیں اور جب کبھی ان باغیوں کو شکست ہوتی ہے تو وہ صرف مہابن کے اندر دشوار گزار دروں میں چلے جاتے ہیں۔

(۱) (میں یہاں پر علاحدہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر ایک قبیلہ بغیر کسی تکلیف کے کتنے آدمی میدان جنگ میں لاسکتا ہے حسین زئی ۲۰۰۰، آکازئی ۱۰۰۰، دستکارزئی ۶۰۰۰، مدک خیل ۴۰۰۰، آمازئی ۱۵۰۰، جادوں ۴۰۰۰، خداخیل ۲۰۰۰، بیزی ۱۲۰۰۰، باجور ۳۰۰۰، رانی زئی ۲۰۰۰،

دیر قبیلہ ۶۰۰۰، سوات کے قبیلے ۱۰۰۰۰، مجموعی ۵۳۵۰۰۔ یہ اعداد وشمار میں نے دفتر خارجہ سے حاصل کیے ہیں اور جہاں تک ہو سکا کرنل میکریگر (Macragar) سے اصلاح کرالی ہے۔اس وقت فرانٹیر گیزٹر میں مشغول ہیں ۱۸۶۲ء میں ایک موقع پر ہمارے خلاف ان جنگ جوؤں کی تعداد ۶۰۰۰۰ ہزار ہوگئی تھی)

انگریزی فوج کے نزدیک مجاہدین کی اہمیت

''میں یہاں پر اس مہم کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا۔جولائی کے مہینے ہی میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ضروری برقی پیغامات موصول ہوئے تھے جن میں شورش برپا ہونے کی اطلاعات دی گئی تھیں۔جیسا کہ فوج کے کوارٹر ماسٹر جنرل (۱) نے لکھا تھا کہ تنبیہ اس قدر ضروری اور مدد کے لئے التجا اس قدر اہم تھی کیونکہ حقیقۃً ہماری فوج کا ایک دستہ باغیوں کے محاصرہ میں تھا کہ حکومت ہند نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔جیسا کہ ۱۸۶۳ء کی تباہی نے سبق دیا تھا، کمانڈر اعظم نے پنجاب کی فوجی چھاؤنیوں کو کمزور کرنے یا سرحدی چوکیوں سے فوجی دستے منگوانے کے بجائے شمال مغربی صوبوں سے رجمنٹیں منگوائی تھیں۔لڑائی لڑنے والا دستہ چھ ہزار سے سات ہزار باقاعدہ فوج پر مشتمل تھا۔اس کے علاوہ باقی سرحد کی تمام فوج دگنی کردی گئی تھی اور ہندوستان میں انگریزی فوج کے منتخب شدہ سپاہی مجاہدین کے مقابلہ میں جمع کردیے گئے تھے''۔

(۱) گورنمنٹ کے ملٹری محکمہ کے سکریٹری کو خط نمبر ۱۶۳ مجریہ ۵/نومبر ۱۸۶۸ء پیرا نمبر ۴)

مجاہدین کے خلاف انگریز کی کارروائیوں کا نتیجہ اور اس کا اعتراف عجز

''اب میں نے اپنی سرحد پر اس باغی کیمپ کی تمام تاریخ ۱۸۳۱ء سے جب کہ اس کی ابتداء ہوئی ۱۸۶۸ء تک جب کہ آخری مرتبہ انہوں نے ہم کو جنگ میں دھکیلا، بیان کردی ہے۔وہ تمام پرانی مصیبتیں جو انہوں نے سکھ حکومت کے وقت سرحد پر نازل کی تھیں، وہ تمام ایک تلخ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچیں۔اس نے تمام سرحد میں تعصبی جذبات کو برقرار رکھنے کے علاوہ تین مرتبہ قبائل کو یکجا اکٹھا کردیا۔جس کی وجہ سے برطانوی ہند کو ہر ایک موقع پر بہت سی مہنگی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔یکے بعد دیگرے ہر گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ ہے، لیکن اس کے باوجود ان کو تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔اب تک بھی یہ ہماری غیر وفادار رعایا اور ہمارے سرحد پار کے دشمنوں کی امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم قبائل کی خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں آجائیں گے جو وسط ایشیا میں ہر وقت جاری رہتی ہیں۔مگر اس وقت یہ عین ممکن ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ایک اور افغانی جنگ لڑنی پڑے۔یہ جنگ جب کبھی بھی ہوگی (اور جلد یا بدیر ہوکر رہے گی) تو ہماری سرحد پر غدار آبادی ہمارے دشمنوں کو ہزارہا آدمی مہیا کرسکے گی۔ہمیں ان غداروں کی اپنی ذات سے کوئی ڈر نہیں، اگر ہمیں ڈر ہے تو ان شورش پسند عوام سے ہے جن کو یہ مجاہدین ہمارے خلاف جہاد کرنے کے لئے بار بار اکٹھا کرتے ہیں۔نو صدیوں کے دوران میں ہندوستانی لوگ شمال کی طرف سے حملہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں اور کوئی شخص اس اہمیت کے متعلق پیشگوئی نہیں کرسکتا جسے یہ باغی کیمپ مغربی مسلمان خانہ بدوش گروہوں کی مدد سے ایک ایسے لیڈر کی سرکردگی میں جو اپنے اندر ایشیا کی قوموں کو جہاد کرنے کے لئے اکٹھا کرسکتا ہو، حاصل کرسکتا ہے''۔(۵۱۔۵۲)

انگریزوں کے خلاف وہابیوں کا باغیانہ لٹریچر

انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر اگر وہابیوں کی نظم ونثر کی مختصر سی مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہیے۔اس جماعت نے بہت سا ادب پیدا کر دیا ہے جو انگریزی حکومت کے زوال کی پیشگوئیوں سے پُر اور ضرورت جہاد کے لئے وقف ہے۔ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں:

(۱) **صراط مستقیم:** یہ امام سید احمد امیر المومنین کے ملفوظات ہیں۔مولوی محمد اسماعیل دہلی نے اس کو فارسی زبان میں لکھا اور مولوی عبدالجبار کانپوری نے اردو میں ترجمہ کیا۔

(۲) **قصیدۂ جہاد:** یہ ایک نظم ہے جس میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کے لئے اجر بیان کیا گیا ہے جو اس میں حصہ لیں گے، مصنفہ مولوی کرم الٰہی کانپوری۔

(۳) **شرح وقایہ:** کافروں کے خلاف جہاد پر بحث ہے۔اس میں مجاہدین کے متعلق اور کن کن سے جہاد کرنا چاہیے کے متعلق پوری ہدایات موجود ہیں۔اس میں بہرحال اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جہاد اس وقت کرنا چاہیے جب کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو۔

(۴) **منظم پیشگوئی نعمت اللہ:** یہ انگریزی حکومت کے زوال کی پیش گوئی ہے۔اور اس میں ایک مغربی بادشاہ کی آمد کا بیان ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کو انگریزوں کے پنجے سے رہائی دلائے گا۔

(۵) **تاریخ قیاصر روم، مصباح السیر:** یہ عبدالوہاب بانیٔ جماعت کی سوانح عمری ہے اس پر مظالم، اس کی جنگ ترکی مرتدین کے خلاف وغیرہ درج ہیں۔(مسودہ)

(۶) **آثار محشر یعنی قیامت کی نشانیاں:** مطبوعہ مولوی محمد علی ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء اس منظوم کتاب کی بہت اشاعت کی گئی ہے۔یہ پنجاب کی سرحد پر خیبر کی پہاڑیوں پر ایک جنگ کی پیش گوئی ہے جہاں پر انگریز پہلے پہل مسلمانوں کو شکست دیں گے، اس پر مسلمان ایک سچے امام کی تلاش کریں گے۔پھر ایک جنگ ہوگی جو چار دن تک رہے گی۔جس کا انجام انگریزوں کی مکمل تباہی پر ہوگا۔یہاں تک کہ حکومت کی بوبھی ان کے دل و دماغ سے نکل جائے گی۔اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا اور اب کہ مسلمان ہندوستان کے حکمراں ہوں گے تو وہ جوق در جوق مکہ معظّمہ میں ان سے جا ملیں گے۔یہ واقعات رونما ہونگے جب کہ چاند اور سورج دونوں رمضان المبارک کے مہینے میں گرہن ہوں گے۔

(۷) تقویۃ الایمان۔یعنی استحکام دین۔مصنفہ مولوی محمد اسماعیل دہلوی۔

(۸) تدابیر الاخوۃ یعنی برادرانہ گفتگو۔

(۹) نصیحت المسلمین۔مسلمانوں کو نصیحت۔مولوی کرم علی کانپوری۔

(۱۰) ہدایت المومنین۔مصنفہ اولاد حسین۔

(۱۱) تنویر العینین۔آنکھوں کی روشنی (عربی میں ہے)

(۱۲) عبدالحامد۔(عربی میں ہے)

(۱۳) تنبیہ الغافلین۔(اردو میں ہے)

(۱۴) چہل حدیث۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق۔(۷۶۔۷۷)

(آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان میں ہر کتاب نہ انگریزوں کے خلاف لکھی گئی نہ ان میں جہادی تحریک پائی جاتی ہے مگر اس نے اپنی تحقیق میں جن جن کتابوں کو موثر دیکھا اور لوگوں میں ان کی پذیرائی دیکھی ان سب کو اس فہرست میں شامل کر دیا ہے۔مگر بہت سی خاص وہ کتابیں اور مضامین جو موضوع سے متعلق تھے اس کی فہرست میں نظر نہیں آتے ہیں)

مجاہدین کی باکمال اور پرجوش قیادت کے کارنامے

''ایک دفعہ پھر ان مجنونوں کی تحریک تباہی کے قریب معلوم ہوتی تھی مگر پٹنہ کے خلیفوں کے تبلیغی جوش اور مال و دولت نے جوان کے تصرف میں تھی، مقدس جھنڈے کو خاک سے اٹھا کر ایک بار پھر بلند کر دیا۔انہوں نے تمام ہندوستان میں اپنے مبلغ دوڑا دیے اور مذہبیت کو اس حد تک زندہ کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ان دونوں خلیفوں(۱) نے بذات خود بنگال اور جنوبی ہند کا دورہ کیا۔چھوٹے چھوٹے مبلغین بے شمار تھے۔اور مدبرانہ تنظیم نے ان کو اس قابل بنا دیا تھا کہ جہاں کہیں حالات اجازت دیتے اپنے مریدوں میں اپنا اڈا جما لیتے۔اس طرح پر ہر ضلع میں مجاہدین کا ایک مبلغ ہوتا اور ان کے جذبات کو مشتعل رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً سفری واعظ بھی دورہ کرتے رہتے۔پٹنہ کا مرکزی پروپیگنڈا ان کے اقتدار کو پائدار اور مستقل کرتا رہتا تھا۔شر انگیزی کے لئے ان مبلغوں کی قوت بنگال میں کس قدر بڑھ گئی ہے، میں بعد میں بیان کروں گا۔جنوبی ہند میں انہوں نے جوش و خروش کی وہ آندھی چلائی کہ عورتوں نے اپنے ہیرے جواہرات تک بیت المال میں دے دیے۔شمال مغربی صوبوں سے انہوں نے رنگروٹوں کی کمپنیوں کی کمپنیاں مجاہدین کے کیمپ کی طرف روانہ کیں۔ہر جگہ پر انہوں نے مسلمان آبادی کے جوش کو انتہا تک پہنچا دیا۔اور اگرچہ بنگالیوں کی اعلیٰ دفاعی قوتیں آخر کار اس تحریک کو موجودہ درجہ تک لے آئیں لیکن کچھ مدت کے لئے ہندوستان کے تمام صوبوں میں ایک ہی جیسے جوش و خروش کے ساتھ زندہ رہی۔پٹنہ کے مجسٹریٹ نے لکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے گنجان آباد ضلعوں کے ہر ایک گاؤں میں خود حکومت کے افسروں کی زیر حفاظت اور زیر سایہ علانیہ بغاوت کی تبلیغ کی۔مسلمان آبادی کے دلوں کو بے قرار کیا اور فتنہ و فساد کے لئے ایسا حیرت انگیز اقتدار حاصل کیا جیسا کہ ظاہر ہے''۔(۲)

(۱) ولایت علی اور عنایت علی۔اول الذکر نے بنگال کا دورہ کرنے کے بعد بمبئی علاقہ نظام اور وسط ہندوستان کو اپنا خاص علاقہ بنا لیا۔ولایت علی نے اپنی تمام کوششیں جنوبی اور وسطی صوبوں میں صرف کر دیں مالوہ، بوکرہ، راجشاہی پٹنہ، نادیہ اور فرید پور، عنایت علی نے اس تحریک کو فرید پور سے مشرق کی طرف ڈھاکہ، میمن سنگھ، نواکھلی اور باریسال تک پہنچا دیا۔زین العابدین نے جو حیدر آباد کا رہنے والا تھا اور جس کو ولایت علی نے اپنے جنوب کے دورے میں مرید کیا تھا اپنی کوششوں کا مرکز شمال مشرقی بنگال کو بنایا اور سلہٹ اور شمالی پتریا کے کسانوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔کلکتہ ریویو جلد (c.i)

(۲) سرکاری دستاویزات ۱۸۶۵ء، ص:۵۹۔

وہابیوں کی تنظیمی صلاحیت

''اس بغاوت کے تین نمایاں پہلو جو مقدمہ کے دوران میں ظاہر ہوئے یہ ہیں۔پہلی وہ حیرت انگیز قابلیت جس سے دور دراز تک پھیلی ہوئی بغاوت کو منظم کیا گیا، دوسرے وہ راز داری جس کے ساتھ اس کی مختلف پیچیدہ کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔تیسرے

وفاداری کا وہ رویہ جو اس کے ممبران نے ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھا۔ ان کی کامیابی کا راز ان کے عمدہ فرضی ناموں کے ترکیب اور خفیہ زبان پر تھا''۔(۱۰۶۔۱۰۷)

بنگال کے وہابی مجاہدین کی سرگرمیاں اور انگریزوں کے خلاف ان کے جذبات کی کیفیت

''دہانۂ گنگا کے متعصب مسلمان اپنے آپ کو وہابی نہیں بلکہ فرازی (۱) کہتے ہیں یعنی زیادہ اعلیٰ مذہب کے پیرو۔ وہ اپنے آپ کو نومسلم کہہ کر بھی پکارتے ہیں۔کلکتہ کے مشرقی اضلاع میں ان کی ایک کافی تعداد رہتی ہے۔ ہم اس سے پہلے دیکھ آئے ہیں کہ ۱۸۳۱ء میں ایک مقامی لیڈر نے تین چار ہزار آدمیوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور کلکتہ کے ملیشیا کی ایک جماعت کو شکست بھی دی تھی، یہاں تک کہ باقاعدہ فوج ہی کی مدد سے ان کو دبایا جاسکا۔ ۱۸۴۲ء میں اس جماعت نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی اور حکومت کو اس کی بالخصوص تحقیقات کرنا پڑی۔ بنگال کے پولیس افسر نے رپورٹ کی تھی کہ ان کے صرف ایک واعظ نے اسی (۸۰) ہزار مرید جمع کر رکھے ہیں جو آپس میں پورا پورا بھائی چارہ رکھتے اور ہر ایک کے منشا کو جماعت کا منشا سمجھتے ہیں۔ بعد کے خلفاء خصوصاً یحییٰ علی نے جنوبی بنگال کے فرازیوں کو شمالی ہندوستان کے وہابیوں میں مدغم کر دیا تھا۔ اور گزشتہ تیرہ برس سے ہم ان کو میدان جنگ کے مقتولین اور عدالتوں کے کٹہروں میں ساتھ ساتھ کھڑا دیکھتے ہیں۔

(۱)(فراز: بلند۔ وہ اپنی جماعت کا بانی تیطو میاں کو نہیں بلکہ شرکت اللہ کو جوڑھا کہ میں ۱۸۲۸ء میں وعظ کیا کرتے تھا قرار دیتے ہیں)

تحریک کے لئے جذبہ فدائیت و جانثاری

۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک جمع شدہ سرمایہ اور آدمی حسب دستور سرحد جاتے رہتے۔ چنانچہ اس سازش کو قابو میں لانے کے لئے ہمیں ایک علاحدہ محکمہ قائم کرنا پڑا۔ اس وقت وہابیوں کی دیکھ بھال اور انکو اعتدال پر رکھنے کے لئے صرف ایک ہی صوبے کا خرچ اس قدر بڑھ گیا تھا جتنا ایک انگریزی ضلع کا جس میں سکاٹ لینڈ سے ایک تہائی انسان بستے ہیں۔ بندوبست، عدالت اور جرائم پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یہ شرانگیزی اس حد تک پھیل چکی ہے کہ ہمارے لئے اس بات کا معلوم کرنا بہت ہی مشکل ہو گیا ہے کہ اصلاح شروع کی جائے تو کہاں سے۔ ہر ایک ضلع کا مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے اطمینانی پھیلاتا ہے اور ان کے خلاف صرف وہی لوگ شہادت دے سکتے ہیں جو ان کے مرید ہوں لیکن ان کا یہ حال ہے کہ اپنے سردار سے غداری کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

۱۸۶۸ء میں ہماری پولیس کی تگ و دو اور سرحد پر فوجی چوکیوں کے باوجود ان مجاہدین کی سازشوں نے حکومت ہند کو ایک اور خونریز جنگ میں ڈھکیل دیا، جس میں ہمارا بہت سارو پیہ خرچ ہوا۔ اسی سال مالدہ کے مرکز نے بے خطر ہو کر پٹنہ کے خلیفہ کے لڑکے کو دعوت دی کہ وہ بنگال کے عین وسط میں پہنچ کر بغاوت کی تبلیغ کرے۔ روزمرہ کی عدالتی کارروائیاں اس بحران کو روکنے کے لئے بالکل بے کار ثابت ہوئیں اور حکومت کو ان اختیارات خصوصی سے کام لینا پڑا جن کے استعمال کا ایسے مواقع پر اس کو اختیار دی ہے۔(ص۱۰۸۔۱۰۹)

وہابیوں پر قائم مشہور مقدمات

ہنٹر نے ۱۸۶۴ء کے انبالہ کیس کا جو وہابیوں پر قائم کیا گیا تھا تفصیلی بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: جولائی ۱۸۶۴ء میں سر ہربرٹ

ایڈورڈ نے انبالہ کے سیشن جج کی حیثیت سے ایک ایسے سیاسی مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں عدالت کی بیس پیشیاں ہوچکی تھیں۔ انگریزی حکومت نے مسلمان رعیت کے گیارہ افراد کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کی۔ اس میں مسلمان قوم کے ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ ان میں بہت بڑے عالم خانوادوں کے چشم وچراغ، ایک فوجی ٹھیکیدار، ایک فوجی تھوک فروش قصاب، ایک عرضی نویس، ایک سپاہی، ایک دورہ کرنے والا مبلغ، ایک خدمت گار نوکر اور ایک کاشتکار تھا۔ ان کی پیروی ایک انگریز وکیل نے کی۔ ان کو عدالت میں قانونی عذرخواہی اور مقدمے پر بہترین وکالت سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل تھا۔ ان کے چھ ہم وطن بحیثیت اسیسر کے جج کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس مقدمہ کے خاتمہ پر ان میں سے آٹھ کو عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور تین کو قانون کی انتہائی سزا دی گئی۔ اس کے بعد اس نے ہر ہر ملزم کا مبسوط تعارف کرایا جن میں مولانا یحییٰ علی اور مولانا جعفر تھانیسری سرفہرست ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے تحریک مجاہدین کے ہمہ گیر اثرات، ملکی سطح پر ان کی سرگرمیوں اور انگریزوں کے خلاف ان کی سرگرمیوں اور تباہ کاریوں کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس لئے انگریزوں نے اس تحریک کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اپنے اقتدار کا اندھا دھند استعمال کیا اور اس کے لئے ایسے ایسے حربے آزمائے جن کی تفصیل انتہائی المناک ہے۔ مگر ان سے آگاہی کے لئے مولانا غلام رسول مہر، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا نذیر احمد املوی، جناب قیام الدین صاحب بلکہ مولانا عبدالرحیم صادقپوری اور مولانا جعفر تھانیسری کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

تحریک مجاہدین کی سرگرمیوں کے علاوہ جب ملک میں تحریک آزادی کی عام لہر چلی تو اس میں اہل حدیث علماء واعیان نے نمایاں کارنامے انجام دئے تھے جن میں سرفہرست مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد علی قصوری، مولانا داؤد غزنوی وغیرہ تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سی اہم شخصیات ہیں جن کے کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرانا بہت ضروری ہے، جس کے لئے مختلف جہات سے کام کرنے کی ضرورت ہے، اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس تاریخ کو مسخ کرنے اور فراموش کرنے کی منظم کاوشیں ہورہی ہیں۔

(ماہنامہ الجماعۃ ممبئی: ستمبر واکتوبر ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

تاریخ اہل حدیث بہار

محمد تنزیل الصدیقی

بہار، بھارت کا اہم ترین خطہ ہے۔ زمانۂ قدیم ہی سے یہ خطہ مشہور و معروف رہا ہے۔ یہ بھارت کی شمال مشرقی ریاست ہے۔ اس کے شمال میں آزاد ملک نیپال ہے، جب کہ مغرب میں اتر پردیش، جنوب میں جھارکھنڈ اور مشرق میں مغربی بنگال کی ریاستیں ہیں۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق بہار کی آبادی دس کروڑ سے متجاوز تھی، جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۱۷ فیصد کے قریب تھا۔ ۲۰۱۱ء ہی کی مردم شماری کے مطابق بہار کا ضلع کشن گنج مسلم اکثریتی ضلع ہے جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۶۸ فیصد تھا۔ عظیم آباد (پٹنہ) بہار کا دارالخلافہ ہے، جب کہ اس کے مشہر اضلاع میں نالندہ، گیا، مونگیر، شیخ پورہ، مظفر پور، دربھنگہ، بھاگل پور، سمستی پور، پورنیہ، سارن، مغربی چمپارن وغیرہا شامل ہیں۔

بہار کا اصل نام ''ویہارہ'' تھا، لیکن کثرتِ استعمال سے یہ بہار بن گیا۔ مولوی جواد حسین گیاوی لکھتے ہیں:

''بہار بزبان سنسکرت دارالعلوم را می گویند۔ (تاریخ حسن، ص:۱۶)

''بہار سنسکرت میں دارالعلوم کو کہتے ہیں''۔

بہار کو ایشیا کے سب سے پہلے مرکز علم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مذہبی زرخیزی کے اعتبار سے بھی یہ سرزمین تاریخِ عالم میں خاص امتیازی شان رکھتی ہے۔ ہندو مذہب کے قدیم مذہبی نوشتوں رامائن اور مہا بھارت میں بھی بہار کا ذکر ملتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس دیوی سیتا جی بہار کے شہر مظفر پور سے تعلق رکھتی تھیں۔ دنیا کے دو بانیانِ مذاہب (بدھ مت اور جین مت) راجکمار سدھارتھ، جنہوں نے سلطنت و ریاست کو خیر باد کہہ کر گیان اور تپسیا کی زندگی اختیار کر کے گوتم بدھ کے لقب سے شہرت پائی، اور مہاویر کا تعلق اسی خطہ ارضی سے تھا۔ سکھ مذہب کے دسویں گورو گوبند سنگھ جی نے پٹنہ ہی میں آنکھ کھولی۔ موبدانِ مجوسی نے بھی ایک عرصہ تک پٹنہ کو اپنا مرکزِ علم و دانش بنائے رکھا۔ مشہور مجوسی عالم آذر کیوان نے پٹنہ ہی میں وفات پائی۔

بہار کی اسلامی تاریخ کا آغاز بھی نہایت شاندار طریقے سے ہوا۔ الخلیل (بیت المقدس، فلسطین) کے خانوادۂ زبیری ہاشمی کے بزرگ امام محمد تاج فقیہ اپنی مجاہدانہ تگ و تاز کے ساتھ یہاں ۵۷۶ھ کو فاتحانہ داخل ہوئے اور اس وقت منیر کے ہندو راجہ کو شکست دے کر بہار کی پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ امام محمد تاج فقیہ کے ۲۴ برس بعد ترک سپہ سالار بختیار خلجی نے پورے بہار و بنگال کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنا ڈالا۔

بہار کی مسلم مذہبی شخصیات میں مخدوم شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری، قاضی محب اللہ بہاری، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث بہاری ثم دہلوی، امام ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ بین الاقوامی شہرت کی حامل شخصیات گزری ہیں۔

بہار کی تاریخی حیثیت بھی متحدہ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے نمایاں رہی ہے۔قدیم ہندوستان کی تاریخ کو اگر بہار کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بہار کا دارالخلافہ ''پاٹلی پتر'' متحدہ ہندوستان کا دارالخلافہ تھا۔ چندر گپت موریہ اس پہلی عظیم الشان سلطنت کا حکمران تھا۔متحدہ ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ اشوکِ اعظم تھا، جو چندر گپت موریہ کا پوتا اور بہار کا باسی تھا۔اس کی حدودِ سلطنت مشرق میں برما، جنوب میں سری لنکا، شمال میں تبت اور مغرب میں افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ برصغیر کی تاریخ میں اس سے بڑھ کر نہ اس سے قبل کوئی حکمران گزرا ہے اور نہ ہی اس کے بعد کسی کو اتنی بڑی سلطنت مل سکی۔مغل دور میں صرف شیر شاہ سوری کی مثال ملتی ہے جس نے مغلوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور متحدہ ہندوستان پر حکومت قائم کی، اس کی زندگی میں مغل بادشاہ ہمایوں کو ہندوستان میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوسکی۔شیر شاہ سوری کا تعلق بہار کے شہر سہسرام سے تھا۔

سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کا سب سے بڑا مرکز بھی اندرونِ ہند صادق پور (پٹنہ) تھا۔ یہاں ایک مجاہد خانوادے نے سید احمد شہید کی شہادت کے بعد ایثار و قربانی اور مجاہدانہ تگ و تاز کی غیر فانی روایات قائم کیں۔مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا عبداللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا احمد، مولانا عبدالرحیم (صاحبانِ صادق پور) نے اپنی زندگیاں تحریکِ نفاذ اسلامی کی خاطر وقف کر دیں۔ برطانوی عہد میں ہندوستان کے واحد ہندوستانی گورنر جنرل سر علی امام کا تعلق بھی کرائے پر سرائے (پٹنہ) سے تھا۔تقسیم ہند کے بعد جمہوریہ ہندوستان کے پہلے صدر راجندر پرشاد پٹنہ سے تعلق رکھتے تھے۔

علم و دانش کی دنیا میں بھی فرزندانِ بہار نے نمایاں حصہ لیا۔آریا بھٹ جیسا ماہر فلکیات، حکیم بید پا مصنف ''کلیلہ و دمنہ'' جیسا معلم اخلاق، ہندی منطق کا بانی گوتم رشی، چانکیہ (کوٹلیہ) مصنف ''ارتھ شاستر'' جیسا ماہر سیاست اسی خطے سے تعلق رکھتے تھے۔

بہار میں تحریکِ اہلِ حدیث۔ایک اجمالی جائزہ

تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں بہار تحریک اہل حدیث کا اہم ترین مرکز رہا ہے، لیکن اس سے قبل گزشتہ عہد میں یہاں شیخ شرف الدین احمد منیری مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کی عام شہرت ایک صوفی کی حیثیت سے ہے، تاہم وہ ایک جلیل القدر محدث بھی تھے اور ان کا میلانِ طبع واضح طور پر اصحاب الحدیث کی جانب تھا۔

شیخ شرف الدین منیری

صاحبِ ''نزہۃ الخواطر'' علامہ حکیم عبدالحی حسنی ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الشيخ الامام العالم الكبير صاحب المقامات العلية والكرامات المشرقة الجلية شيخ الاسلام أحمد........ الهاشمي المنيري، الشيخ الامام شرف الدين البهاري أحمد مشاهير الأولياء، اتفق الناس على ولايته وجلالته وبلوغه درجة الاجتهاد" (نزهة الخواطر ـ ص:۱۴۳)

شیخ شرف الدین احمد منیری برصغیر کے پہلے محدث ہیں جنہوں نے ''مشارق الانوار'' سے آگے بڑھ کر صحیحین کی تعلیم و تدریس کا

فریضہ انجام دیا۔ ڈاکٹر محمد اسحاق لکھتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ ان کو نہ صرف بہار بلکہ پورے ہند میں صحیحین کی تعلیم شروع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ (علم حدیث میں برعظیم پاک وہند کا حصہ (ص: ۸۲)۔

شیخ شرف الدین احمد منیری نے حدیث کی تعلیم وتدریس کے ذریعہ ایک مستقل دبستانِ فکر کی بنیاد ڈال دی۔ کتبِ حدیث کی جمع واشاعت اوراس کی تعلیم وتدریس کا ایک خاص ذوق پروان چڑھانے میں اس دبستان کا امتیازی حصہ ہے۔ پروفیسر معین الدین دردائی لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف کی سب سے بڑی خصوصیت جو ایک اور نظر آتی ہے وہ آپ کا تفسیر وحدیث کو اپنی تحریر میں ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا ہے۔ آپ نے حدیث وتفسیر کے بے شمار حوالے دیے ہیں، بلکہ آپ کی تصانیف کا اصل مقصد ہی قرآنی احکام اور سنتِ نبویہ کی اشاعت معلوم ہوتا ہے۔'' (تاریخ سلسلہ فردوسیہ۔ص: ۲۳۹)

مخدوم شرف الدین احمد کی خدمتِ حدیث کے نتیجے میں ان کے تلامذہ علم حدیث کی نشر واشاعت کے لئے مستعد ہوئے، جنہوں نے اپنی زندگیاں حدیث کی نشر واشاعت کے لئے وقف کردیں۔ ان میں مولانا مظفر شمس بلخی، مخدوم منہاج الدین راستی گیلانی، مولانا نصیر الدین جون پوری، شیخ حسین نوشہ توحید اور پھر ان کے بعد شیخ احمد لنگر دریا بلخی اسی سلسلہ سند سے منسلک تھے۔

شیخ شرف الدین کے عقائد وافکار اور فقہی وتاریخی نظریات بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں توحیدِ اسماء وصفات کے باب میں شیخ شرف الدین احمد کا مسلک سلف صالحین کے طریقے پر تھا چنانچہ فرماتے ہیں:

''ذات اس کی موصوف ہے بہ صفاتِ کمالیہ، نقصان وزوال سے پاک ہے، جو اس کے لئے مناسب ہے، اسی طور پر ہے اور معرفتِ صفات سے مراد ہے کہ صفاتہ لیس کصفاتنا (معدن المعانی۔ص: ۲۹)

''جس طرح اس کی ذات قدیم ہے صفات بھی قدیم ہیں اور کل کائنات قائم بذاتِ خداوند ہے'' (معدن المعانی۔ص: ۲۹)

نیز فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ خدا بھی قدیم ہے اور اس کے صفات بھی قدیم۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ صفات کبھی نہ تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ یہ صفات کبھی نہ ہوں''۔ (شرح آداب المریدین: ص۔ ۳۷)

متشابہات کے باب میں فرماتے ہیں:

''بہت سے فتنے متشابہ آیات واحادیث کے سلسلے میں ہوتے رہے ہیں، ان فتنوں سے سلامتی کی راہ وہی ہے جو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ جتنا بھر تلاوتِ قرآن اور روایتِ حدیث میں آیا ہے اس سے آگے بیان وتشریح میں نہ جائیں۔'' (شرح آداب المریدین: ص۔ ۴۵)

اجتہاد وتقلید اور بعض فقہی مسائل سے متعلق ''خوانِ پر نعمت'' کی ۳۵ ویں مجلس بڑی اہم ہے، جس سے شیخ کے مسلک ومشرب کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ تقلید کے باب میں گفتگو ملاحظہ کیجئے:

’’شیخ معزالدین نے عرض کیا: اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے اور دوسرے مجتہد کا قول اس مجتہد کے قول کے خلاف ہے تو ایسے موقع میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت مخدوم نے فرمایا: ایسے موقع میں احتیاط واجب ہے۔ اس طرح عمل کرے کہ دونوں کے قول کی موافقت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل کرتا ہے (یعنی وہ اس مجتہد کا مقلد ہے) تو قیامت کے دن اس (مقلد) کے حق پر ہونے کی دلیل جائز اور صحیح ہوگی جس طرح اس (مقلد) کے حق پر ہونے کے لئے اس (مجتہد) کا قول دلیل ہوگا، اسی طرح جائز ہے کہ کل قیامت کے دن دوسرے (مجتہد) کا قول حق پر ہونے کے لئے دلیل ہوگا۔ مثلاً سر کا مسح فرض ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے تو ایسی صورت میں احتیاط واجب ہے یعنی (امام اعظم کا مقلد) پورے سر کا مسح کرلے تو دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا‘‘۔ (خوان پُرنعمت، مجلس: ۳۵ (ص: ۱۳۱، ۱۳۲)

مزید فرماتے ہیں:

’’اگر کسی مسئلہ میں قیامت کے دن امام مالک کے قول کے درست ہونے پر حکم ہوا اور امام اعظم نے جو فرمایا وہ صحیح نہ ہوا تو (مقلد) اپنی ذمہ داری سے مطلقاً عہدہ برانہ ہوگا۔ پس حقیقتاً ذمہ داری سے اس وقت عہدہ برا ہوگا کہ کل قیامت کے دن شرع کے رو سے اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور عبادات میں یہ اسی وقت ہوگا کہ وہ (مقلد) اس طرح عامل ہو کر جملہ اقوال پر اس کا عمل ہو جائے (خوانِ پُرنعمت، مجلس: ۳۵ (: ۱۳۲)

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ تقلیدِ شخصی کے اس طرح قائل ہی نہیں جیسا کہ عام مقلدین ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان کے اندازِ فکر میں خاصا توسع ہے جو مجتہدانہ اسلوبِ منہج کا عکاس ہے۔ (’خوان پرنعمت‘ کے انہی اقتباسات کی روشنی میں ابوالحسن بسمل جمال پوری کا ایک مضمون ’’مخدوم الملک مولانا الشیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور تقلیدِ شخصی و فاتحہ خلف الامام‘‘ ہفت روزہ ’’اہل حدیث‘‘ (امرتسر) کی ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں طباعت پذیر ہوا۔)

شیخ منیری کے سوانح نگار سید ضمیر الدین احمد عظیم آبادی نے گو ’’سیرت الشرف‘‘ میں انہیں حنفی باور کرانے کی کوشش کی ہے، تاہم ان کے مسلک کے ضمن میں یہ لکھنے پر بھی مجبور ہوئے:

’’حق یہ ہے کہ مخدوم کا مذہب فقہائے اہل حدیث کا مذہب تھا جو تمام صوفیہ کرام میں اس وقت شائع تھا۔ (سیرت الشرف۔ص: ۱۶۴)

علمائے صادق پور

بہار میں اہل حدیث فکر و منہج کو بطور تحریک وسیع تر بنیادوں پر پھیلانے کا کام سب سے پہلے علمائے صادق پور نے کیا۔ خانوادۂ صادق پور کے گلِ سرسبد مولانا ولایت علی صادق پوری سے متعلق مولانا عبدالرحیم صادق پوری لکھتے ہیں:

’’آپ کی تحصیلِ قرآن و احادیث اور وعظ و نصائح سے ملک ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا اور تقلید و تعصب کی بنا کمزور و مضمحل ہونے لگی، کیونکہ قرآن و حدیث کی محبت اور ان کی ترویج نے حق کو روشن کر دیا (جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ) (الدر المنثور فی

تراجم اہل الصادقفور(ص:۱۵۵)

مولانا ولایت علی کے بعد ان کے افرادِ خاندان میں شاہ محمد حسین، مولانا عنایت علی، مولانا فرحت حسین، مولانا اولیاء علی، مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی، مولانا ارادت حسین، مولانا فیاض علی وغیرہم نے خصوصی طور پر بہار کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، جس سے اہل حدیث فکر کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔

(مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں: ''پٹنہ کے مولانا ولایت علی معرکہ بالاکوٹ میں موجود نہ تھے۔ موصوف مولانا اسماعیل شہید کی اس جماعت کے خاص رکن تھے جو مولانا شہید نے حجۃ اللہ پڑھنے کے بعد اس پر عمل کرنے والی ایک جماعت بنائی تھی۔ یہ لوگ رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر کیا کرتے''۔(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص:۱۰۲)

مزید لکھتے ہیں: ''مولانا ولایت علی کی تحریک کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ مولانا اسماعیل شہید کی اس خاص جماعت کو، جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، زندہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی لئے مولانا نذیر حسین اور نواب صدیق حسن جیسے عالم بھی ان کا ساتھ دیتے ہیں''۔(حوالہ مذکور، ص ۱۰۴)

مقدماتِ سازش

ہندوستان میں وہابی تحریک کے اساطین کے خلاف انگریزوں نے سازشی مقدمات قائم کیے، ان پر فردجرم عائد کی گئی۔ انہیں جیلوں میں محبوس کیا اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۱ء تک سازش کے پانچ بڑے مقدمات قائم کیے گئے۔

(۱) مقدمہ سازشِ انبالہ ۱۸۶۴ء

پہلا مقدمہ سازشِ انبالہ کی نسبت سے معروف ہے، کیونکہ اس کی ابتدا منشی محمد جعفر تھانیسری سے ہوئی تھی، جن کا تعلق انبالہ سے تھا۔ اس ابتلا و آزمائش میں جو پانچ بزرگ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، ان میں سے چار کا تعلق عظیم آباد سے تھا، جن کے نام حسبِ ذیل ہیں: مولانا یحییٰ علی جعفری صادق پوری، مولانا عبدالرحیم زبیری صادق پوری، میاں عبدالغفار اور قاضی میاں جان۔ پانچویں بزرگ منشی محمد جعفر تھانیسری تھے۔ ان تمام اسیرانِ بلا و مصائب میں بقول مولانا مسعود عالم ندوی ''مولانا یحییٰ علی ہر حیثیت سے خاص امتیاز کے مالک تھے''۔(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۱۱۸)

انبالہ سیشن جج سر ہربرت ایڈورڈ نے انہیں سزائے موت دی اور بقول ولیم ولسن ہنٹر: ''شاید ہی کسی عدالت نے ایسے پراثر الفاظ کہے ہوں گے جیسے کہ سر ہربرٹ ایڈورڈ نے اس کے لئے سزائے موت تجویز کرتے ہوئے کہے'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص ۱۴۸)

اپنا فیصلہ سناتے ہوئے سر ہربرٹ ایڈورڈ نے کہا:

''وہ بہت تعلیم یافتہ انسان ہے اور اپنی لاعلمی کا عذر پیش نہیں کر سکتا۔ جو کچھ اس نے کیا، سوچ سمجھ کر عمداً اور سخت باغیانہ طریقے پر کیا۔ وہ موروثی باغی ہے اور ایک متعصب خاندان سے تعلق رکھتا ہے''۔(ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ ص ۱۴۸)

(۲) مقدمہ سازشِ پٹنہ ۱۸۶۵ء

۱۸۶۵ء میں حکومت نے پٹنہ میں مولانا احمد اللہ کے خلاف مقدمہ سازش قائم کیا مقدمے کی خاص بات یہ ہے کہ مقدمے کے مجسٹریٹ راونشا پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک یادداشت مرتب کی جس میں بنگال و بہار کے تمام کارکنانِ تحریک کی فہرست ضلع وار مرتب کی اور حکومت سے ان کے خلاف کارروائی کرنے کی سفارش کی، جس کی بدولت عرصہ تک انہیں تنگ کیا گیا ان کی املاک ضبط کر لی گئیں اور اس طرح کئی خوش حال مسلمان گھرانے خانماں برباد اور تہی دست ہو گئے۔ راونشاہی کی سفارش پر جو علمائے صادق پور مقدمات میں ماخوذ ہوئے ان کی تمام منقولہ و غیر منقولہ املاک ضبط کر لی گئیں اور ظلم کی انتہا یہ رہی کہ ان کے خاندانی قبرستان تک کو مسمار کر دی۔

(۳) مقدمہ سازشِ پٹنہ ۱۸۷۱ء

یہ اس سلسلے کا آخری بڑا اور مشہور مقدمہ تھا۔ مولانا احمد اللہ کی گرفتاری کے بعد مولوی مبارک علی اور ان کے فرزند مولوی تبارک علی اندرونِ ہند جماعت مجاہدین کے ذمے دار بنے۔ اس مقدمے میں سب سے دل چسپ معاملہ تحریکِ جہاد کے ایک بڑے معاون امیر خاں کے ساتھ پیش آیا۔ امیر خاں پٹنہ کے محلہ عالم گنج کے رہنے والے اور کروڑ پتی تاجر تھے۔ بڑے بڑے انگریز بھی ان کی تجارت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی عظیم الشان تجارت تباہ کرنے اور ان کی جائیداد ضبط کرنے کی غرض سے بڑا ہی عظیم الشان مقدمہ ''تصنیف'' کی۔ جس میں ۱۱۳ سرکاری گواہ امیر خاں کے خلاف پیش کیے گئے۔

یہ مقدمات تاریخ کا حصہ ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی استعمار کے خلاف بہار اور بالخصوص عظیم آباد کا کس درجہ امتیازی مقام رہا ہے۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی

شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی کا آبائی وطن بھی بہار کے ضلع مونگیر کا ایک گاؤں سورج گڑھ ہے، یہیں حضرت محدث دہلوی کی ولادت ہوئی۔ سید نذیر حسین دہلوی اکتساب علم کی غرض سے پہلے پہل پٹنہ پہنچے اور یہاں محلہ تمو ہیاں میں شاہ محمد حسین کے مدرسے میں ترجمہ قرآن پاک اور مشکاۃ المصابیح کی تعلیم حاصل کی۔ شاہ محمد حسین، سید احمد شہید کے خلیفہ اور خانوادہ صادق پور کے قرابت دار تھے۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کا بہار سے تعلق ہمیشہ برقرار رہا۔ اکثر تبلیغی دوروں پر وہ بہار تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں حضرت میاں صاحب کے عقیدت مندوں کا ایک بہت بڑا حلقہ تھا۔

اراکینِ دبستانِ نذیریہ

سید نذیر حسین دہلوی کے اثرات بہار میں بہت گہرے رہے۔ بہار سے ان کا تعلق ان کی وفات تک برقرار رہا۔ سید نذیر حسین دہلوی کے کبار تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کا تعلق بہار سے ہے۔ بعد کے ادوار میں بہار میں اراکین دبستانِ نذیریہ کا فیض علمائے صادق

پورے بھی کہیں وسیع تر بنیادوں پر پھیلا۔علماء مدرسین کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوئی، جنہوں نے بہار کے چپے چپے میں تبلیغ کے فرائض انجام دیے اور تدریسی مراکز قائم کیے۔

کسی ایک ضلع میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کی سب سے بڑی تعداد کا تعلق بھی بہار کے دارالخلافہ پٹنہ اور نالندہ (حضرت میاں صاحب کے عہد میں نالندہ کو مستقل ضلع کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا اور وہ پٹنہ ہی کا حصہ تھا) سے ہے، جن کی تعداد ۸۴ ہے۔اسی طرح جن خانوادوں کے متعدد اراکین کی نمایاں تعداد نے میاں صاحب سے استفادہ کیا، اس میں بھی بہار اور پنجاب کو نمایاں مقام حاصل ہے۔بہار میں ڈیانواں، مہدانواں، پھلواری، شکرانواں، جھمکا اور رحیم آباد وغیرہا کے علمی خاندانوں کے ایک سے زائد اراکین نے حضرت میاں صاحب سے اکتساب علم کیا۔

ایک دلچسپ اتفاق یہ بھی رہا کہ بہار میں حضرت میاں صاحب محدث دہلوی کے بیشتر کبار تلامذہ کا نسبی تعلق خلیفہ بلا فصل امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے، مثلاً: علامہ شمس الحق ڈیانوی دیگر علمائے ڈیانواں، مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم آروی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی ودیگر علمائے رحیم آباد، مولانا تلطف حسین عظیم آبادی، مولانا رفیع الدین شکرانوی، مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری وغیرہم نسباً دودمانِ صدیقی کے فرزند تھے۔

آرہ میں مولانا ابراہیم آروی نے ''مدرسہ احمدیہ'' قائم کیا جو اپنے عہد کی عظیم الشان دینی درس گاہ تھی، جس کی وجہ سے کبار اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں مجتمع ہوگئی تھی۔حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری نے ۲۰ برس یہاں صدرالمدرسین کے فرائض انجام دیے، حتیٰ کہ اس عہد میں ''آروی'' ان کی صفتِ نسبتی بن گئی۔خود انہوں نے بھی یہاں کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔اپنی ایک صاحبزادی سیوان (بہار) کے ایک نامور انصاری گھرانے میں بیاہی۔بہار کے مشہور کانگریسی لیڈر عبدالقیوم انصاری، حافظ عبداللہ غازی پوری کے نواسے تھے۔مگر اس سکونت پذیری کے باوجود وفات سے چند برس پیشتر مولانا کو تقدیر الٰہی نے دوبارہ اتر پردیش جا پہنچایا، وگرنہ شاید آج ان کا تذکرہ علمائے بہار کے ذیل میں ہوتا۔

ایسا ہی دل چسپ اتفاق مولانا سعید بنارسی اور مولانا عبدالسلام مبارک پوری کے ساتھ بھی رہا۔اول الذکر گجرات (پنجاب) کے ایک سکھ گھرانے کے رکن تھے۔قبولِ اسلام کے بعد دینی علوم کی تحصیل کی اور اس سے فراغت کے بعد انہوں نے پہلے پہل آرہ ہی کو اپنی جہود ومساعی کا مرکز بنایا۔''مدرسہ احمدیہ'' میں مدرس رہے، مگر بانی مدرسہ سے چند اختلافات کے باعث آرہ کی سکونت ترک کرکے بنارس میں جا مقیم ہوئے۔بزرگوں کے اختلافات میں حکمتِ الٰہی کے کئی گوشے مستور ہوتے ہیں۔مولانا سعید بنارس کیا گئے، بنارس میں مرکز اہل حدیث کی تخم ریزی کے لئے تقدیر الٰہی انہیں وہاں لے گئی۔آج اگر بنارس، بھارت میں اہل حدیث کا عظیم الشان مرکز ہے تو اس کی بنیادی وجہ مولانا سعید اور ان کے فرزند ہیں۔رحمۃ اللہ علیھم۔

آخر الذکر مولانا عبدالسلام نے ۱۶ برس صادق پور (پٹنہ) میں مولانا محمد یعقوب بن حکیم ارادت حسین صادق پوری کے درِ دولت پر درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔یہیں انہوں نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''سیرۃ البخاری'' لکھی۔

آرہ ہی میں مولانا ابراہیم نے ''مطبع خلیلی'' قائم کیا، جس کا انتظام مولانا کے بھائی مولانا ادریس سنبھالتے تھے۔اس مطبع سے دین کی بڑی خدمت ہوئی اور حدیث کی نادر کتابوں کی اولین طباعت یہاں سے انجام پائی۔

عظیم آباد (پٹنہ) اور نالندہ میں متعدد بستیاں تھیں جو دعوتِ کتاب وسنت کا مرکز بنی ہوئی تھیں، جن میں سب سے نمایاں ڈیانواں تھا جو علامہ شمس الحق اوران کے خانوادے کا مسکن تھا۔علامہ عظیم آبادی صاحبِ ثروت ودولت تھے۔انہوں نے اپنی دولت کو دین کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنایا اور علماء کی ایک بڑی تعداد یہاں جمع کرلی، جنہوں نے تدریس وتصنیف کے ذریعے غیر معمولی دینی خدمات انجام دیں۔علامہ حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا مبارکپوری صاحب ''تحفۃ الاحوذی''، مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا نور محمد اعظم گڑھی وغیرہم مختلف ادوار میں ڈیانواں سے منسلک رہے۔حافظ صاحب غازی پوری نے یہاں ایک برس تدریس کے فرائض انجام دیے۔صاحبِ تحفہ یہاں سات برس مقیم رہے، ''ابکار المنن'' جیسی علمی کتاب یہیں بیٹھ کر لکھی۔خود علامہ شمس الحق کی تصنیفات علوم اسلامی کا گراں قدر سرمایہ ہیں جن سے آج طلاب حدیث کی ایک بڑی تعداد مستفید ہو رہی ہے۔

شکرانواں میں مولانا رفیع الدین کی علم پروری نے اس کوردہ دیہات کو علوم وفنون کا مخزن بنا دیا تھا۔یہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم کی کتابوں کا ایسا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا کہ جس کی مثال پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتی تھی۔اس دیہات سے ''سنن ابی داؤد''، اور ''ذم التاویل''، ''تائید مذہب السلف'' جیسی کتابیں طبع ہوئیں۔یہ سب مولانا ہی کی سعی کا فیض تھا۔

بازید پور میں مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری نے اپنے ذاتی خرچ سے ایک مدرسہ قائم کیا۔بہار میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ کرام کی جانب سے قائم کیا جانے والا یہ پہلا مدرسہ تھا۔

گیلانی میں میاں صاحب کے ایک تلمیذ رشید اوران کی فکر کے علمبردار مولانا عبداللہ پنجابی نے ہزارہ کی سکونت ترک کر کے یہاں مستقل اقامت اختیار کی۔مولانا اوران کے فرزند وتلامذہ نے کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔

چھپرہ میں مولانا عبدالغفار نشر مہدانوی اور شاہ عین الحق پھلواروی کی تبلیغ مساعی ناقابلِ فراموش ہیں۔آخر الذکر نے ''خانقاہ مجیبیہ'' پھلواری کی سجادگی ترک کرکے حکیم آباد گھگھٹہ (چھپرہ) میں مستقل سکونت اختیار کی۔

شمالی بہار میں ترہٹ کمشنری کے اضلاع میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں جس کا فیض سب سے زیادہ پھیلا، وہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی ذات گرامی ہے۔انہوں نے تحریک اہلحدیث کو تنظیمی بنیادوں پر مستحکم کیا۔بہار میں انہوں نے متعدد مدارس بنائے۔عشر وزکوۃ کا مستقل نظام قائم کیا اور لوگوں کو دینی نظام کے ساتھ منسلک کیا۔تحریکِ اہلحدیث کے نشر وابلاغ میں علامہ رحیم آبادی کی خدمات کا دائرہ صرف بہار تک محدود نہیں۔تحریکِ اہل حدیث کی جدید تنظیمی اصولوں کے مطابق قیام واستحکام مولانا ہی کا رہین منت ہے اور وہی اس کے خشتِ اول ہیں۔

اراکین دبستانِ نذیریہ (بہار) کی یہ چند نمایاں ترین شخصیات ہیں وگرنہ میاں صاحب کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جن کے اعمالِ حسنہ کے جلوے ارض بہار کے چپے چپے میں روشن ونمایاں ہیں۔اللہ رب العزت ان کی حسنات قبول فرمائے۔آمین۔

بہار میں سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذۂ کرام

بہار میں حضرت سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے تلامذۂ کرام کی ایک بڑی تعداد گزری ہے۔ بعض اضلاع میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں کئی ایک تلامذہ گزرے اور ان مقامات کو تحریکِ اہلِ حدیث میں ایک امتیازی مقام حاصل ہوا، اس لئے ان ذیلی مقامات کو بھی نمایاں کی ہے، جیسے: ڈیانواں، نگرنہسہ، مہدانواں، پھلواری، داناپور، جھمکا اور رحیم آباد۔ فہرست حسب ذیل ہے:

عظیم آباد (پٹنہ) ونالندہ

ڈیانواں:

(۱) محدثِ شہیر علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، م ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء (۲) مولانا نوراحمد محدث ڈیانوی، م ۱۳۱۸ھ (۳) مولانا عبدالجبار ڈیانوی، م ۱۳۱۹ھ (۴) مولانا محمد اشرف ڈیانوی، م ۱۳۲۶ھ (۵) مولانا حکیم نصیر الحق ڈیانوی، م ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء (۶) مولانا محمد زبیر ڈیانوی، م ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء (۷) مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی، م ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء (۸) مولانا حکیم عبدالقیوم ڈیانوی، م ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء (۹) مولانا حکیم محمد ادریس ڈیانوی، م ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء (۱۰) مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی۔

نگرنہسہ:

(۱۱) علامہ حکیم علیم الدین حسین نگرنہسوی، م ۱۳۰۶ھ (۱۲) علامہ حکیم عبدالباری نگرنہسوی، م ۱۳۱۸ھ (۱۳) مولانا نذیر الدین حسین نگرنہسوی (۱۴) مولانا حکیم عبدالعزیز نگرنہسوی۔

مہدانواں:

(۱۵) مولانا عبدالغفار نشر مہدانوی، م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء (۱۶) مولانا فضل حسین مظفر پوری، م ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء (۱۷) مولانا ابو محمد عبدالرؤف مہدانوی، م ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء (۱۸) مولانا محمد ابراہیم اعظم بیاپوری، م ۱۹۲۲ء (۱۹) مولانا حکیم محمد شریف فخر مہدانوی، م ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء۔

پھلواری:

(۲۰) مولانا شاہ علی نعمت پھلواروی، م ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء (۲۱) مولانا شاہ عین الحق پھلواروی، م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء (۲۲) مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی، م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء (۲۳) مولانا نظیر حسن پھلواروی۔

داناپور:

(۲۴) مولانا عبدالغفور نیر داناپوری، م ۱۳۰۱ھ

(۲۵) مولانا عبدالصمد اوگانوی داناپوری، م ۱۳۱۸ھ

(۲۶) مولانا ابوالحسنات عبدالغفور فارغ داناپوری، م ۱۳۳۳ھ

(۲۷) مولانا شاہ محمد توحید داناپوری

(۲۸) مولانا نورالحسن داناپوری

عظیم آباد (پٹنہ) ونالندہ کے دیگر تلامذۂ کرام:

(۲۹) مولانا لطف العلی راج گیری بہاری، م ۱۲۹۶ھ (۳۰) شاہ ممتاز الحق بہاری، م ۱۳۱۱ھ (۳۱) مولانا عبدالغنی لعل پوری، م ۱۳۱۳ھ (۳۲) مولانا حکیم وحیدالحق استھانوی، م ۱۳۱۵ھ (۳۳) مولانا حافظ عبداللہ بازید پوری، ۱۳۱۸ھ (۳۴) مولانا بشارت کریم دیسنوی، م ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء (۳۵) مولانا عبدالبر عظیم آبادی، م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء (۳۶) مولانا محمد ابراہیم شکرانوی، م ۱۹۱۰ء (۳۷) مولانا عبدالحکیم بہ پوری منیری، م ۱۳۲۹ھ (۳۸) مولانا سید عبدالکبیر بہاری، م ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء (۳۹) مولانا عبداللہ پنجابی گیلانی، م ۱۳۳۳ھ (۴۰) مولانا سید محمد حاذق بہاری، م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء (۴۱) مولانا الٰہی بخش بڑاکری بہاری، م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء (۴۲) مولانا تلطف حسین عظیم آبادی، م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء (۴۳) شمس العلماء مولانا عبدالوہاب سربہدوی بہاری، م ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۷ء (۴۴) مولانا حکیم الٰہی بخش عظیم آبادی، م ۱۳۳۷ھ (۴۵) مولانا رفیع الدین شکرانوی، م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء (۴۶) مولانا اوسط حسین مخدوم پوری، م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۱۹ء (۴۷) مولانا مولا بخش بڑاکری بہاری، م ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء (۴۸) مولانا سعادت حسین بہاری، م ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء (۴۹) مولانا حکیم محمد احسن عظیم آبادی (۵۰) مولانا شہود الحق عظیم آبادی (۵۱) مولانا محمد احسن استھانوی (۵۲) مولانا فیاض الدین عظیم آبادی (۵۳) مولانا محمد قیس عظیم آبادی (۵۴) مولانا اوگانوی (۵۵) مولانا ابوتراب گیلانی (۵۶) مولانا حافظ ضیاء الدین شکرانوی (۵۷) مولانا عاشق محی الدین بہاری (۵۸) مولانا محمد اسماعیل بہاری (۵۹) مولانا امیر حسن بہاری (۶۰) مولانا نظیر حسن بہاری (۶۱) مولانا فضل حق بہاری (۶۲) مولانا سخاوت حسین پنواڑ (۶۳) مولانا محمد شیر گیلانی (۶۴) مولانا عبدالکریم باڑھ (۶۵) مولانا ابراہیم بن لطف العلی بہاری (۶۶) مولانا عبدالحی عظیم آبادی (۶۷) مولانا نورالحق عظیم آبادی (۶۸) مولانا نجم الدین بہاری (۶۹) مولانا محمد بہاری (۷۰) مولانا ادریس عظیم آبادی (۷۱) مولانا اسحاق عظیم آبادی (۷۲) مولانا امیر علی عظیم آبادی (۷۳) مولانا مجو عظیم آبادی (۷۴) مولانا عبداللہ عظیم آبادی (۷۵) مولانا محمد اصغر بہاری (۷۶) مولانا محمد اسحاق بہاری (۷۷) مولانا ابوالحسن بہاری شاگرد قبلِ غدر (۷۸) مولانا محمد حیات بہاری (۷۹) مولانا سید محمد عبدالودود (۸۰) مولانا محمد صادق بہاری (۸۱) مولانا بہاری (۸۲) مولانا محمد نور بن حکیم عبدالرزاق بہاری۔

آرہ:

(۸۳) مولانا حافظ ابومحمد ابراہیم آروی، م ۱۳۱۹ھ (۸۴) مولانا محمد اسماعیل آروی، م قبل ۱۹۰۸ء (۸۵) مولانا محمد ادریس آروی، م ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء (۸۶) مولانا زین العابدین آروی، م بعد ۱۹۲۷ء (۸۷) مولانا حکیم ضمیر الحق قیس آروی، م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء (۸۸) مولانا محمد اسحاق آروی، م ۱۳۶۹ھ (۸۹) عبدالحکیم آروی (۹۰) مولانا محمد قاسم آروی (۹۱) مولانا محب العلی آروی (۹۲) مولانا عبدالوہاب آروی (۹۳) مولانا شاہ نعمت اللہ (۹۴) مولانا عبداللطیف آروی۔

گیا:

(۹۵) مولانا محمد اسحاق بڈوسری گیاوی، م ۱۳۱۱ھ (۹۶) قاضی تبارک حسین گیاوی، م ۱۳۳۷ھ (۹۷) مولانا عبدالحفیظ رجھتی گیاوی (۹۸) مولانا محمد ذاکر گیاوی (۹۹) مولانا فضل کریم بڈوسری (۱۰۰) مولانا عبداللہ کاکوی (۱۰۱) شاہ عبدالصمد کاکوی۔

مونگیر وشیخ پورہ:

(۱۰۲) مولانا فضل حق رمضان پوری، م ۱۹۱۹ء (۱۰۳) مولانا سید انور حسین مونگیری، م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء (۱۰۴) مولانا حکیم عبدالغفور رمضان پوری، م ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء (۱۰۵) مولانا حکیم عبدالحی ہاتف پچنوی، م ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء (۱۰۶) مولانا ابوعمران عطاء الحق نبی نگری۔

بھاگل پور:

(۱۰۷) مولانا محمد سہول عثمانی بھاگل پوری، م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء

جھمکا، مغربی چمپارن:

(۱۰۸) مولانا عبدالرشید جھمکاوی، م ۱۹۲۰ء (۱۰۹) مولانا حافظ شریف احمد جھمکاوی، م ۱۳۴۰ھ (۱۱۰) مولانا ابوالخیر جھمکاوی، م ۱۳۵۹ھ (۱۱۱) مولانا ابوسعید جھمکاوی، م ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء (۱۱۲) مولانا علی منظر جھمکاوی

موتیہاری:

(۱۱۳) مولانا عبدالرشید بتیاوی

چھپرہ وسارن:

(۱۱۴) مولانا عبدالخالق چھپروی، م ۱۹۲۱ء (۱۱۵) مولانا حافظ ابومحمد عبداللہ چھپروی، م ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء (۱۱۶) مولانا احسان اللہ شاگرد قبل غدر۔

سیوان:

(۱۱۷) مولانا حکیم محمد احسن سیوان (۱۱۸) مولانا امیر حسن (۱۱۹) مولانا محمد احسن سیوان (۱۲۰) مولانا احسن الدین سیوان (۱۲۱) مولانا حکیم عبدالعزیز سیوان۔

مظفر پور وحاجی پور وویشالی:

(۱۲۲) مولانا حکیم ابویحیٰی محمد زکریا مظفر پوری، م قبل ۱۹۱۰ء (۱۲۳) مولانا عبدالنور دیگمر اوی ثم مظفر پوری، م ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء (۱۲۴) مولانا محمد اموا (۱۲۵) مولانا حکیم حافظ محمد حسن ضریر البصر پنجابی حاجی پوری

دربھنگہ وسمستی پور ومدھوبنی:

رحیم آباد:

(۱۲۶) علامہ عبدالعزیز محدث رحیم آبادی، م ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء (۱۲۷) مولانا محمد یٰسین رحیم آبادی، م ۱۲۹۸ھ (۱۲۸) مولانا عبدالرحیم رحیم آبادی، م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء (۱۲۹) مولانا محمود رحیم آبادی۔

دربھنگہ کے دیگر تلامذۂ کرام:

(۱۳۰) مولانا محمد ابوصالح بندھولی، م ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء (۱۳۱) مولانا نورالحق دربھنگوی، م ۱۹۳۶ء (۱۳۲) مولانا محمود دیگھراوی (۱۳۳) مولانا الطاف حسین فاضل پوری (۱۳۴) مولانا ابوالسعادات عبدالحمید بریولی (۱۳۵) مولانا ابوالبرکات فیض الحسن بریولی۔

پورنیہ:

(۱۳۶) مولانا حفیظ الدین لطیفی پورنیوی، م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء

عظیم آباد (پٹنہ) اور نالندہ:

عظیم آباد (پٹنہ) ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ اس کا قدیم نام پاٹلی پترا تھا۔ ''پاٹلی پترا'' کا نام سنتے ہی ذہن میں عہدِ قدیم کی تہذیب وثقافت کا نقشہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ مغرب میں اگر یونان وروم اپنی قدیم ترین تہذیب رکھتے ہیں تو مشرق میں پاٹلی پترا بھی امتیازی تہذیبی شان کی حامل سرزمین رہی ہے۔

مغل بادشاہ اورنگ زیب کا ولی عہد شہزادہ عظیم الشان بہار کا گورنر رہا تھا، اس نے اس شہر کی تعمیرِ نو کی اور اسے 'عظیم آباد' سے موسوم کیا گیا۔ عظیم الشان کی حادثاتی وفات کی وجہ سے اسے تختِ ہندوستان پر بیٹھنا نصیب نہ ہوا، وگرنہ شاید عظیم آباد کی مرکزیت کی ایک بار پھر تجدید ہوتی۔

تحریکِ اہلِ حدیث کی تاریخ میں بھی عظیم آباد پٹنہ کو خاص امتیازی مقام حاصل ہے۔ سید احمد شہید کے عالی قدر خلفاء، جو بعد میں امرائے تحریک بنے، یہیں سے تعلق رکھتے تھے۔ پٹنہ کے محلہ صادق پور کا مجاہد خانوادہ انگریزی استعمار کا سب سے بڑا مخالف تھا جو ایک صدی تک ہندوستان کی تاریخ میں جرأتِ اظہار اور حق وصداقت کا مرکزی نشان بنا رہا۔

یہ وہ تاریخی عوامل ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں پٹنہ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

حضرت میاں صاحب محدث دہلوی کے عہد میں پٹنہ اور نالندہ مشترکہ ضلع تھا۔ ۱۹۷۶ء میں نالندہ کو پٹنہ سے جدا کر کے مستقل ضلع کا درجہ حاصل ہوا۔ ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق پٹنہ کی آبادی ۵۸ لاکھ سے متجاوز تھی جس میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب سات فیصد سے زائد تھا، جبکہ نالندہ کی آبادی ۲۸ لاکھ سے متجاوز تھی جس میں مسلمانوں کا تناسب آبادی ۷ فیصد کے قریب تھا۔

میاں صاحب کے سب سے زیادہ تلامذہ کی تعداد بھی پٹنہ اور نالندہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ نالندہ کے اطراف میں واقع متعدد مقامات سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ کرام کی بدولت علومِ کتاب وسنت کا عظیم مرکز بن گئے تھے۔ ڈیانواں، شکرانواں، کٹونہ، مہدانواں، نگرنہسہ، بازید پور، داناپور وغیرہا میں آج بھی ماضی کی ان یادگاروں کے نقوش موجود ہیں۔

عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے میاں صاحب کے دو تلامذہ ایسے ہیں جن کا ذکر عظیم آباد کے ذیل میں نہیں کیا گیا۔

(۱) مولانا علی حسن مدھو پوری، جن کا تعلق ''گیلانی'' (نالندہ) سے تھا، مگر انہوں نے یہاں کی سکونت ترک کر کے جھارکھنڈ کے شہر مدھو پور میں کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت کی غرض سے مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کے حالات اسی جلد میں جھارکھنڈ کے ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) مولانا عثمان عظیم آبادی، جنہوں نے نہ صرف عظیم آباد بلکہ ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مکہ مکرمہ میں مستقل اختیار کی، پھر حرم مکہ میں تدریس کے فرائض انجام دینے کی سعادت حاصل کی اور اسی خاکِ مقدس میں ۱۳۷۵ھ میں آسودۂ لحد ہوئے۔ ان کے حالات ''دبستانِ نذیریہ'' کی آخری جلد میں رقم کیے جائیں گے جن میں بیرون ہندوپاک سے تعلق رکھنے والے اراکینِ دبستان نذیریہ کے حالات لکھے جائیں گے۔ ان شاءاللہ۔

ڈیانواں:

ڈیانواں، بہار کی مشہور مردم خیز بستی ہے۔ اپنی متعدد علمی نسبتوں کی وجہ سے ڈیانواں کو خاص امتیازی مقام حاصل ہے۔ مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری لکھتے ہیں:

''ڈیانواں پٹنہ سے کچھ فاصلے پر جنوب ومشرق میں سادات وشیوخ کی قدیم آبادی ہے'' (ماہنامہ 'برہان'' (دہلی، جولائی ۱۹۵۱ء)

مختلف جغرافیائی تبدیلیوں کے باعث اب ڈیانواں ضلع عظیم آباد پٹنہ کے بجائے نالندہ کا حصہ ہے۔ مشہور حنفی عالم مولانا ظہیر احسن شوق نیموی ''ڈیانواں'' کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ڈیانواں: جونیمی سے دکھن مائل بہ مغرب تین کوس کے فاصلے پر ہے، یہاں جناب مولوی گوہر علی مرحوم ایک نامی رئیس گزرے ہیں، جن کی جود وسخاوت کا ڈنکا بجتا ہے۔ اہل الخیرات ۱۲۷۸ھ تاریخ وفات ہے۔ ان کے صاحبزادے جناب مولوی محمد احسن مرحوم بھی اپنے پدر بزرگوار کے ہم قدم تھے۔ ان کے نواسے جناب مولوی شمس الحق صاحب اسی بستی میں رہتے ہیں، جن کی تالیفات سے دینیات میں بعض رسائل چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں ان کی التعلیق المغنی علی الدارقطنی بھی چھپی ہے۔ آج کل ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود نام لکھ رہے ہیں''۔ (یادگارِ وطن۔ ص: ۷)

ڈیانواں کی اصل وجۂ شہرت حضرت محدث کبیر شمس الحق ڈیانوی کی ذاتِ گرامی ہے، جس نے ڈیانواں کو اطرافِ عالم میں حیاتِ جاوید عطا کی۔ مولانا ابومحفوظ الکریم معصومی اپنے مقالے ''علم حدیث بہار میں، ایک اجمالی خاکہ'' میں لکھتے ہیں:

''جب تک علومِ اسلامی کی دنیا آباد رہے گی، ڈیانواں اور اس کے فرزند جلیل علامہ ابوالطیب شمس الحق بن امیر علی بن علی بن حیدر الصدیقی کی یاد تازہ ہوتی رہے گی۔ کچھ زیادہ دن کا قصہ نہیں ہے کہ بہار کا یہ چھوٹا سا خطہ علمِ حدیث کی ضوفشانیوں سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا، یہیں التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، غایۃ المقصود اور عون المعبود جیسی اہم کتابیں لکھی گئیں''۔ (ماہنامہ 'برہان' دہلی فروری ۱۹۵۱ء)

مولانا ابوالحسنات ندوی لکھتے ہیں:

''ڈیانواں: یہاں مولانا شمس الحق صاحب محدث، مولوی حافظ نور احمد صاحب اور مولوی محمد زبیر صاحب مشہور ارباب عالم

ودولت تھے۔ اول الذکر وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔ تمام عمر خدمت علمِ حدیث میں بسر کر گئے۔ تحصیل حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر مدنی، یمنی اور نجدی عرب طلباء آتے تھے۔ مرحوم نے فنِ حدیث میں سنن ابی دوٗد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب وعجم کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی۔ التعلیق المغنی علی الدارقطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے۔ آخرالذکر افسوس ہے کہ جلد اس دنیا سے رخصت ہوگئے، معقولات اور اقلیدس میں یہ خاص طور پر مہارت رکھتے تھے‘‘۔ (ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں۔ص:۴۷)

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک بزرگ ملا محمد چاند نے ڈیانواں کو بسایا۔ وہ نسباً صدیقی تھے۔ سلسلۂ نسب حسبِ ذیل ہے:

’’ملا شیخ محمد چاند بن شیخ پھول بن شیخ مالک بن شیخ ظہور بن شیخ غنی بن شیخ عبداللہ بہادر بن شیخ محمد حاجی بن شیخ عبدالملک بن شیخ مخدوم الملک بن شیخ عبدالسلام بن شیخ محمد بخاری بن شیخ عبدالقیوم بخاری بن شیخ اسداللہ بدایونی بن شیخ عبدالعلیم مدنی بن شیخ عبدالمز ید بخاری بن شیخ ابی عبداللہ مدنی بن حیدر شجاع مدنی بن عبدالقادر مدنی بن عبدالعالم مشہدی بن علی عبداللہ مدنی بن عبدالرحمن الفقیہ بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ‘‘۔ (یادگارِ گوہری۔ص:۶۰)

اللہ نے ان کی نسل میں بڑی برکت دی۔ ان کی نسل ڈیانواں، نگرنہسہ، محی الدین پور، نیمی اور موجی پور وغیرہا قصبات میں آباد ہوئی اور بڑے بڑے مشاہیر ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ ڈیانواں میں شیخ محمد چاند کے اولاد واحفاد میں مولانا گوہر علی پیدا ہوئے جن کی ذات فضل وکمال کا مخزن تھی۔

مولانا گوہر علی صدیقی ڈیانوی:

محدث عظیم آبادی کے نانا بزرگوار مولانا گوہر علی سخاوت وفیاضی میں مشہور نام تھے۔ لوگوں نے انہیں ’’تاج الاسخیاء‘‘ کا لقب دیا تھا، حتی کہ شیخ الکل سید نذیر حسین ممدوح ان کے خانوادہ مرجع افادہ کو ’’مجمع افتادگان‘‘ کہا کرتے تھے۔ (الحیاۃ بعد المماۃ (ص:۱۷۲، مکاتیب نذیریہ۔ص:۲۵)

مولانا گوہر علی ۱۲۱۳ھ میں ڈیانواں میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب حسبِ ذیل ہے:

’’مولانا گوہر علی بن شیخ مہر علی بن شیخ کرم علی بن شیخ برہان الدین بن شیخ ہدایت علی بن شیخ عبدالغفور بن شیخ غلام مظفر بن شیخ ملا عبدالصمد بن ملا شیخ محمد چاند۔تا۔حضرت ابی بکر صدیقؓ‘‘۔ (یادگار گوہری۔ص:۶۰)

تحصیل علم کے لئے بیتھو (ضلع گیا) اور بعض دیگر مقامات کا سفر کیا۔ فارسی میں مکمل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد عظیم آباد پٹنہ میں مولانا مظہر علی عظیم آبادی، مولانا ابوالحسن منطقی سندھی ثم عظیم آبادی، مولانا جان علی عظیم آبادی اور مولانا ابراہیم حسین عظیم آبادی سے کتبِ درسیہ کی تکمیل کی۔ مولانا گوہر علی نے غربت سے امارت کا سفر کیا تھا، فارغ البال ہونے کے بعد بھی ان کی طبیعت میں غرور اور کسی قسم کی نخوت پیدا نہیں ہوئی، یہی وجہ تھی کہ وہ غریبوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے تھے۔ ان کا دردِ دولت سخاوت وفیاضی کے لئے پورے بہار میں مشہور تھا۔

نہایت عالی کردار اور حلم وکرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم اور علما کے از حد قدرداں تھے، یہی وجہ تھی کہ علما کی ایک بڑی تعداد

نے ان کے پاس مستقل بودو باش اختیار کرلی تھی، ان علماء کے پاس طلابِ علم کی ایک مخصوص تعداد ہمیشہ کسبِ علم کرتی رہی، عام طور پر باہر سے آئے طلبا کی تعداد سو تک جا پہنچتی تھی۔ یہ طلبا نہ صرف ان علماء سے اخذ علم کرتے بلکہ مولانا گوہر علی کے فیض علم سے بھی مستفید ہوتے۔ اس طرح گویا ڈیانواں میں ایک مدرسہ قائم ہوگیا تھا جس کے تمام تر اخراجات کے کفیل مولانا گوہر علی تھے۔ ان کو نایاب کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا، یہی وجہ تھی کہ ان کے کتب خانے میں قلمی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ ''دیوانِ باقر'' کے مرتب مولوی سید حسین، مولانا گوہر علی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قصبہ ڈیانواں ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، بہت بڑے زمیندار تھے اور نہایت سخی اور فیاض بزرگ تھے''۔ (دیوان باقر۔ص:۳۲۸)

اپنی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے مولانا گوہر علی کو عوام و خواص دونوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی وفات پر بہار سے تعلق رکھنے والے اس عہد کے ہر بڑے تاریخ گو شاعر نے ان کا قطعۂ تاریخِ وفات لکھا، جس میں ان کے علم و فضل اور سخاوت و فیاضی کی بے حد تعریف کی۔ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۸ھ کو مولانا گوہر علی نے وفات پائی اور ڈیانواں میں مدفون ہوئے۔

مثلاً: مولانا سعید حسرت عظیم آبادی نے ''قسطاس البلاغۃ'' میں، مولانا باقر آروی نے ''دیوان باقر'' میں، مولانا یحییٰ نے ''کنزالتواریخ'' میں اور مولانا احمد کبیر حیرت پھلواروی نے ''تاریخ الکملاء'' میں تاریخی قطعات لکھے۔

(مولانا گوہر علی ڈیانوی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: یادگار گوہری (ص:۶۰ تا ۸۹)، دیوان باقر (ص:۲۹۵،۳۲۸) محدث ڈیانوی (ص:۷،۸)، حیاۃ المحدث شمس الحق واعمالہ (ص:۵،۶) مولانا شمس عظیم آبادی، حیات وخدمات (ص:۴۹،۵۰)، شرفا کی نگری (۲/۲۱۵)، ارضِ بہار اور مسلمان (ص:۲۶۳)، ''الانتقاد'' شمارہ خاص ''امام شمس الحق عظیم آبادی'' (ص:۱۶ تا ۱۷، ۲۴ تا ۲۵)۔

ڈیانواں کی علمی بہار

ڈیانواں، بہار کے ان چند مقامات میں سے ایک ہے جہاں کبار علمائے ذی اکرام بھی پیدا ہوئے اور ماہر فن اطبائے کرام بھی۔ یہاں بلند پایہ شعرا بھی گزرے اور معتبر سیاسی زعما بھی۔ بہار کی کوئی بڑی اور مستند تاریخ فرزندانِ ڈیانواں کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

تدریس اور تصنیف کے اعتبار سے ڈیانواں میں علم پروری کے چار مختلف ادوار ہیں۔ پہلے دوسرے عہد کو عہدِ اساس کہا جاسکتا ہے، جس کا تعلق مولانا گوہر علی اور ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد احسن سے ہے۔ اس عہد میں ڈیانواں کو مدینۃ العلم بنانے کی سعی کی گئی۔ وہاں نامور اساتذہ بلائے گئے اور طلاب علوم کے وظائف مقرر کئے گئے۔ مولانا گوہر علی کے عہد میں مولانا ابوالحسن منطقی عظیم آبادی، شیخ عبدالحکیم شیخ پوری، مولانا مسیح اللہ، مولانا راحت حسنین بھتوی وغیرہم جیسے اساتذہ علم ڈیانواں میں فروکش تھے۔ مولانا محمد احسن کے عہد میں پرانے مدرسین بدستور برقرار رہے، لیکن نئے واردین میں مولانا لطف العلی راج گیری بہاری اور مولانا محمد احسن استھانوی جیسے اکابر علم شامل ہیں۔

ڈیانواں کا دورِ ثالث اس کا عہد عروج ہے۔ جب علامہ شمس الحق خود مسند علم پر متمکن ہوتے ہیں۔ اس عہد میں ڈیانواں کی علمی بہاروں کی شہرت صرف صوبہ بہار تک محدود نہیں رہتی، بلک ارض ہند سے سامعہ نواز ہوتے ہوئے بلادِ عرب و مغرب تک جا پہنچتی

ہے۔ علامہ عظیم آبادی کے عہد میں علماء واساتذۂ علم کا ایک مجمع ڈیانواں میں جمع ہوجاتا ہے جن میں کچھ مسند درس وتدریس سنبھالتے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف میں جہد وسعی کرتے ہیں، ان مشاہیر علما میں استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوری، علامہ عبدالرحمن مبارک پوری، مولانا ابوالفیاض نور محمد مئوی اعظم گڑھی وغیرہم شامل ہیں۔

ڈیانواں کا عہدِ عروج (دورِ ثالث) علامہ شمس الحق کے غروب کے ساتھ ہی غروب ہوجاتا ہے، عہدِ رابع ان کے فرزند مولانا حکیم محمد ادریس سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں انہوں نے ڈیانواں میں جامع ازہر کی بنیاد رکھی مگر اسے کامیابی سے چلا نہ سکے۔ ہر چیز پر زوال آتا گیا، نہ تدریس کا کوئی سلسلہ منظم بنیادوں پر قائم رہ سکا، نہ تصنیف وتالیف ہی کی کوئی قابلِ قدر سعی ہوسکی اور نہ آبائی دولت وثروت ہی کی حفاظت ہوسکی۔

ڈیانواں میں سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ

سید نذیر حسین دہلوی سے مولانا تلطف حسین عظیم آبادی نے دریافت کیا تھا کہ صاحبزادگان ڈیانواں سے کوئی کتب ستہ کی تحصیل کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے۔ سید صاحب جواب میں لکھتے ہیں:

''صاحبزادگانِ ڈیانواں میں سے جو صاحبزادہ تحصیلِ صحاح ستہ کی غرض سے تشریف لائیں گے، ان کی خدمت گزاری میں حاضر ہوں۔ سعی میری جانب سے ہوگی اور تمام کرانا اللہ کی طرف سے

حلقہ پیر مغانم زازل درگوش است
ماہماں ایم کہ بودیم وہماں خواہد بود
''میں پیر طریقت کا حلقہ بگوش ہوں
میں وہی ہوں جو ہوں اور وہی رہوں گا''

(مکاتیب نذیریہ۔ ص: ۳۳)

اس جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سید نذیر حسین دہلوی کی نگاہوں میں اربابِ ڈیانواں کا کیا مقام تھا۔ ڈیانواں سے تعلق رکھنے والے جن اکابرِ علم نے شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے اخذِ علم کی سعادت حاصل کی، ان کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) امام ابوالطیب شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی (۲) مولانا نور احمد محدث ڈیانوی (۳) مولانا ابوعبدالرحمن شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی (۴) مولانا حکیم نصیر الحق ڈیانوی (۵) مولانا ابوعبداللہ محمد زبیر عتیق ڈیانوی (۶) مولانا عبدالجبار ڈیانوی (۷) مولانا حکیم عبدالقیوم ڈیانوی (۸) مولانا حکیم ابوعبداللہ محمد ادریس ڈیانوی (۹) مولانا حافظ محمد ایوب ڈیانوی (۱۰) مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی۔

افسوس مولانا محمد ابراہیم ڈیانوی سے متعلق ہمیں کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ موجودہ معمر افرادِ خاندان سے بھی دریافت کیا، مگر وہ بھی کچھ بتانے سے قاصر ہی رہے۔ بقیہ علمائے ڈیانواں ایک ہی خاندانی سلسلے سے منسلک تھے۔ یہ سب مولانا گوہر علی ڈیانوی کی

اولاد واحفاداور خویش واقارب میں سے تھے۔ مولانا گوہر علی کی اولاد واحفاد میں ایک صاحبزادے، تین احفاد، دو نواسے، دو پرنواسے، ایک پوتی داماد اور ایک نواسی داماد، یعنی کل ۱۰/افراد میاں نذیر حسین دہلوی سے رشتۂ تلمذ رکھتے تھے۔ ایک ہی خاندان کے اس قدر افراد کی سید نذیر حسین دہلوی سے انسلاک کی ایسی کوئی دوسری مثال دبستانِ نذیریہ میں نہیں ملتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندانی شجرے کو یہاں درج کیا جائے، تاکہ ان علما کے باہمی خاندانی تعلق کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

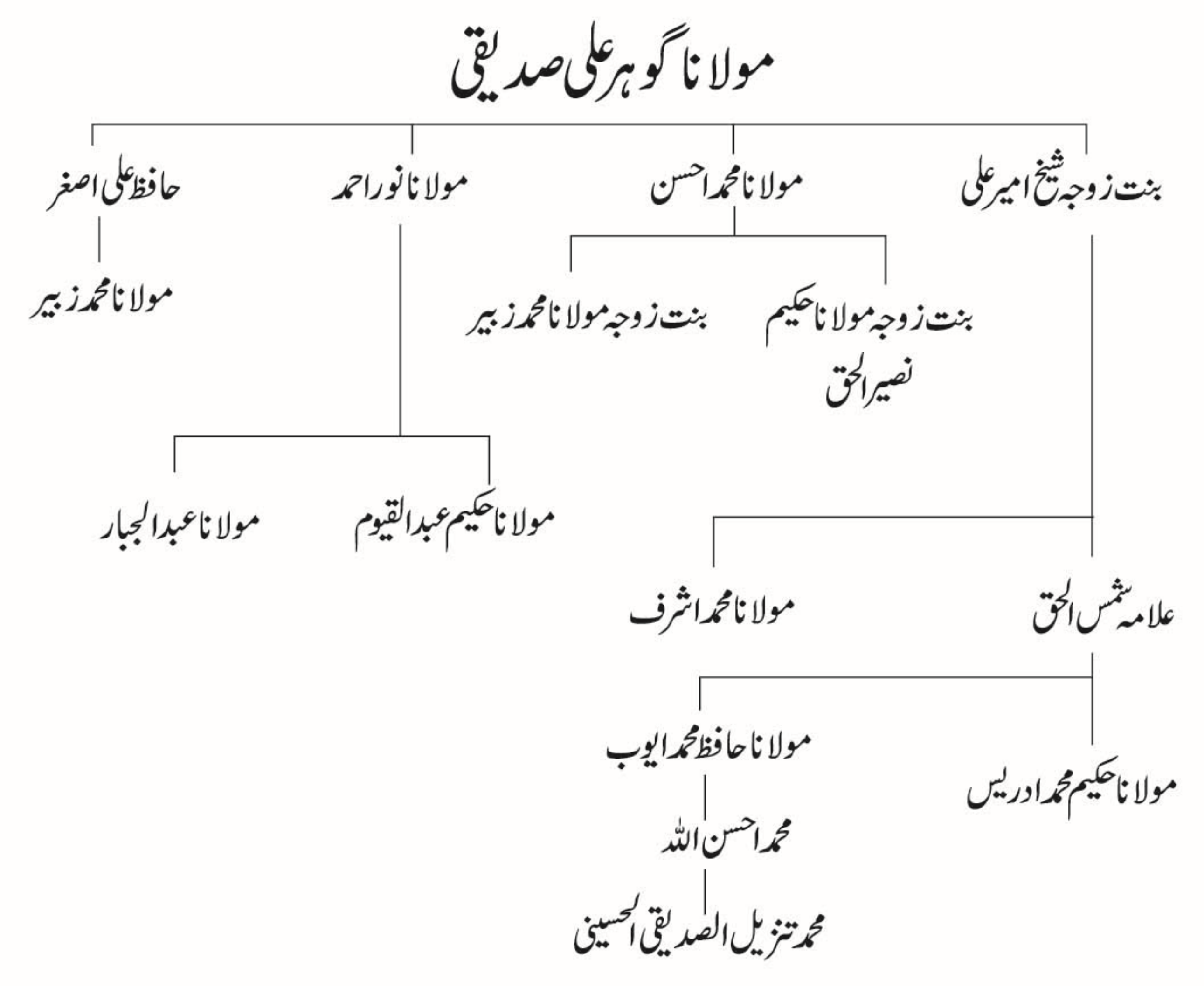

(ماخوذ از: دبستان نذیریہ تنزیل صدیقی جلد اول ص ۲۷-۵۶)

❑❑❑

صادق پور: سورماؤں کا وطن سرفروشوں کی سرزمین

انظار احمد صادق

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں ہی نے متحدہ ہندوستان کی آزادی کے لئے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ دیگر اقوام نے قربانیاں نہیں دیں، بلکہ ان کی قربانیاں بھی نہایت شاندار اور شاہکار رہیں، مگر یہ ضرور کہیں گے کہ مسلمانوں کی قربانیاں دیگر اقوام کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں بھی خاندان صادقان صادق پور کا نام نامی اسم گرامی آزادی کی تاریخ میں سنہرا باب بن کر چمکتا اور دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وہ خاندان ہے جس کے سپوتوں اور سورماؤں نے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ ہم ہندوستان کو غلامی کے چنگل سے آزاد کر کے دم لیں گے، ہم اس ہندوستان کے سر پر گلابوں سے زیادہ مہکتا ہوا وہ سہرا باندھیں گے جس کی خوشبو ہندوستان کے چپہ چپہ میں پھیلے گی، ہم اپنے وطن عزیز سے نکبت و بے روزگاری کی بیخ کنی کریں گے، ہم اپنے اس دیش کی قسمت کو دوبالا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دلوں اور سینوں میں آشاؤں کا دیپک روشن کریں گے، ہم اپنے بھارت واسیوں کے نینوں میں ذہنی وفکری آزادی کے سپنے سجانے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیش کے لئے غلامی کے نشانات کہن کو یکسر مٹا کر دم لیں گے۔

جب ہم تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ ان سورماؤں نے اپنی جان کی ایسی بازی لگائی اور جدوجہد مسلسل کا عمل اس طور پر جاری وساری رکھا کہ بگڑے ہوئے مسائل کو سلجھا کر رکھ دیا، اپنی جوانمردی اور جولانی ہمت سے طوفان کے رخ کو موڑ دیا، غرور دشمن اور ان کے ناپاک عزائم کو نیست ونابود کر دیا، اپنے عزم وعمل کے ذریعے تیرگی پر ایسی کٹار چلائی کہ روشنی کا دریا ابل پڑا۔ اور بے جگری سے خون بہایا اور فرنگیوں سے پنجہ آزمائی کی ان فرنگیوں کو سرزمین ہند سے بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور کر دیا، تب جا کر ہندوستان کے ہر گھر کے ہر آنگن میں آزادی کا پرچم لہرایا۔

اتنا کچھ کرنے کے لئے صادق پوری سورماؤں اور سرفروشوں کو مصائب وآلام کے کن کن مراحل سے دوچار ہونا پڑا اور کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جب آپ اسے پڑھیں گے تو آپ کی آنکھیں چھلک پڑیں گی اور یہ سورما ظالم وجابر سامراجیت کے سامنے استقامت کے پہاڑ نظر آئیں گے۔ جگر تھام کر ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۲/شعبان ۱۲۸۰ھ کو مولانا عبدالرحیم اسیر کالا پانی، جناب مولوی احمد اللہ اور جناب میاں عبدالغفار صاحبان رحمہم اللہ اپنے اپنے مکانوں میں اپنی اپنی مشغولیت میں مصروف تھے کہ یکایک الیگزینڈر صاحب کلکٹر ومجسٹریٹ پٹنہ مع پارسن صاحب پولیس سپرنٹنڈنٹ انبالہ مع دو تین افسران اور ایک جماعت کانسٹبیلان پولیس تشریف لائے اور ان لوگوں کے مکانوں کا احاطہ کر لیا، سخت پوچھ تاچھ کے بعد ان کو گرفتار کر کے پٹنہ کے حوالات میں لے جا کر بند کر دیا، ساتھ ہی گھر میں جتنے قلمی مسودات اور خطوط کے ریکارڈ موجود تھے ان کو بھی ضبط کر لیا گیا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ پٹنہ کے حوالات اور جیل میں یہ سب حضرات کسمپرسی کی زندگی گزارتے رہے، اس کے بعد مارچ ۱۸۶۴ء کے

آخر میں ان تینوں کو بذریعہ ٹرین انبالہ کے جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں پہلے ہی سے مولانا جعفر تھانیسری صاحب مقید تھے، انبالہ جیل کے جن حوالات میں ان مجاہدوں کو رکھا گیا، وہ حوالات کیسے تھے؟ ان کے اندر کس قسم کی اذیت رساں اشیاء جمع کی گئی تھیں، جب آپ پڑھیں گے تو کلیجہ منہ کو آئے گا۔ بہتر ہوگا کہ اس کی تفصیل ان حوالاتیوں میں سے ایک حوالاتی جناب مولانا عبدالرحیم اسیر کالا پانی رحمہ اللہ کی زبانی سنیں، موصوف اپنی مشہور تصنیف ''الدر المنثور فی تراجم اهل صادق فور معروف به تذکره صادقه''صفحہ ۶۶ پر رقم طراز ہیں:

جن کوٹھریوں میں ہمیں بند کیا جاتا تھا، وہ کوٹھری پانچ فٹ لمبی اور چار فٹ چوڑی ہوگی اور چھت اس کی نہایت بلند، اوپر چھت کے ایک چھوٹا سا روشن دان تھا کہ آدمی اس میں سانس لے سکے، نہایت تنگ و تاریک اس کوٹھری میں تخمیناً اڑھائی مہینے ہم لوگ رہے، جملہ گیارہ آدمی تھے، شب و روز میں ایک بار اس کا دروازہ کھلتا اور ایک جمعدار اور تین سپاہی اور ان کے ساتھ ایک باورچی کہ جس کے ہاتھ میں روٹیاں اور دال ہوتیں اور ایک سقہ کہ جس کے مشک میں پانی ہوتا اور ایک بھنگی ہاتھ میں گملا لئے ہوئے آتا اور ہر ایک کوٹھری کو کھولتا، باروچی دو روٹیاں اور کچھ دال دے دیتا اور سقہ ایک کوزہ پانی دیتا اور بھنگی گملا صاف کر دیتا اور پھر یہ لوگ چلے جاتے اور دروازہ بند ہو جاتا''

یہ خوراک جو چوروں کی طرح ان مجاہدوں کو دی جاتی تھی، اس کی کیفیت ایک دوسرے حوالاتی جناب مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تواریخ عجیب'' میں لکھا ہے کہ ''دو روٹیوں میں ایک حصہ آٹا اور تین حصے بالو اور مٹی شامل ہوا کرتے تھے۔ ساگ میں موٹے ڈنٹھلوں کے سوا پتی کے نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی''۔

ذرا غور کریں، ان مجاہدان باصفا کے ساتھ یہ کتنا دل خراش سلوک اور برتاؤں تھا، اور کس قدر حد درجہ غیر انسانی اور بدترین بربریت کی تصویر کشی ہے لیکن ان سب کے باوجود بھی یہ مجاہدین آزادی ہر حال میں صابر و شاکر رہے اور حق کے لئے پروانہ وار اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔

ایک دوسرا واقعہ مولانا عنایت علی غازی صادق پوری رحمہ اللہ کا ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بھی کچھ کم نہیں، اخیر زندگی میں ان کو مشکلات کے کس کٹھن دور سے گزرنا پڑا ہے، اسیر کالا پانی کی زبانی سنیں۔ اپنی تصنیف کردہ کتاب ''تذکرہ صادقہ'' کے صفحہ ۱۹۳ پر رقمطراز ہیں:

''۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راہ پر خطر تھے، شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا، املاک تہلکہ میں تھے، جانوں کے امن نہ تھے، پھر کس کو ہوش تھے اور کیوں کر ممکن تھا کہ سرحد پار فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جاتا، مسلسل فاقہ کشی نے حال تباہ کر دی، درختوں کی کونپلوں اور پتوں پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر نہ پڑی، اجابتیں خون آلود ہونے لگیں۔ آپ کے پاس کچھ نقود نہ تھے، آپ مہاجرین و انصار پر خرچ کر چکے تھے، اور وہ تھا ہی کیا اونٹ کے منہ میں زیرہ، اب ادھر ساتھیوں کی بدگمانی اور طعنے شروع ہو گئے، زندگی تلخ تھی، یہ وہ وقت تھا کہ اگلی امم مضطر ہو کر ''متی نصر اللہ'' پکار اٹھی تھی، مگر اس صبر و استقامت کے کوہ نے نہایت حلم و رضا مندی کے ساتھ ''اللهم بالرفیق الاعلیٰ'' سے زبان تر کرتے ہوئے بعارضہ بخار وضیق بالنفس ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء کے آخر میں سجن المومن سے جنت نعیم کو رحلت کی''۔

ان صادقان صادق پور کی استقامت وصبر وتحمل کو دیکھ کر شارب عظیم آبادی ادب کی زبان میں یوں لب کشا ہوتے ہیں۔

ارضِ صادق پور ہی تحریک کا محور بنا
یہ مجاہد کوہ واستقلال کا پیکر بنا

حیرت واستعجاب کے سمندر میں غرق کر دینے والا اور ذہن ودل کی چول کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والا انسانی تاریخ کا ایک اور ایسا انوکھا واقعہ پیش کرنے جا رہا ہوں جہاں موت کو بھی شکست وریخت کا زبردست سامنا کرنا پڑا ہے۔جس شخص کا واقعہ پیش کرنے جا رہا ہوں وہ شخص نہیں، بلکہ شخصیت تھی اور وہ شخصیت اپنے آپ میں انفرادی حیثیت رکھتی تھی، خلاصہ یوں کہ وہ اپنے آپ میں تنہا ایک انجمن تھے اور یہ شخصیت مولانا یحییٰ علی صادق پوری ہیں جن کی گرفتاری ۸ فروری ۱۸۶۴ء کو عمل میں آئی اور ان پر انبالہ سازش کیس چلایا گیا، پہلے تو ان کو قید بامشقت کی سزا دی گئی پھر کچھ دنوں بعد ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا۔جس میں مولانا موصوف کو اور مولانا جعفر تھانیسری اور مولوی محمد شفیع رحمہم اللہ کو پھانسی کی سزا ملی، بقیہ دیگر حضرات جو ان لوگوں کے ہمراہ تھے ان کو سزائے عمر قید بعبورِ دریائے شور کا حکم سنایا گیا اور کچھ لوگوں کو جلاوطن کر دینے کا حکم نافذ کیا گیا۔اب پورے ملک میں رعب ودہشت کی فضا پیدا کر دی گئی۔ بہر حال اس حکم کو سن کر مولانا یحییٰ علی، مولوی جعفر تھانیسری اور مولوی محمد شفیع رحمہم اللہ کے دلوں پر کیا ردعمل ہوا اس کی تفصیل صاحب ''تواریخ عجیب'' جناب مولانا جعفر تھانیسری کی زبانی سنئے۔لکھتے ہیں کہ:

''مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سن کر ایسا خوش ہوا تھا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا، اس حکم کو سننے سے میری وہ کیفیت ہوگئی، گو یا جنت الفردوس اور حورین آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئی تھیں اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا، اس دن پولیس والے اور تماش بین مرد وعورت بکثرت حاضر تھے، قریب تمام کے تمام احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا، حکم سنا کر اس کا چپ ہونا تھا کہ صدہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگے کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیے، تم کس واسطے اتنا بشاش ہے؟ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے، اور تم اس کو کیا جانو؟''

مجاہدان صادق پور کے اس جواب کو حاکمان سفید فام سنتے ہی تلملا اٹھے اور کہنے لگے کہ پھانسی کی سزا ان قیدیوں کے لئے دلی مسرت اور روحانی انبساط کا ذریعہ بن گئی، نہیں! ایسا نہیں ہوگا۔تب ان انگریزوں نے پھر دوبارہ آپسی مشورہ کر کے اپنے اس ناپاک درندہ صفت فیصلہ کو رد کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہماری جس تجویز سے ان قیدیوں کے بیچ مسرت وخوشی کا دریا موجزن ہوا اس تجویز کو عملی جامہ ہرگز ہرگز نہیں پہنائیں گے، چنانچہ ڈپٹی کمشنر انبالہ نے ۲۴ اگست ۱۸۶۴ء کو پھانسی کی سزا بدل کر سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور کا حکم سنایا، سچ ہے کہ۔

ہماری چاہ کی ہر بات سے اس کو عداوت ہے
وہ مرنے بھی نہ دے ہم کو اگر مرنا جو ہم چاہیں

اس ضمن میں جناب تھانیسری صاحب ''تواریخ عجیب'' ص ۳۰۰ پر لکھتے ہیں کہ:

''اس حکم کے بعد ہم کو پھانسی گھروں سے نکال کر دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور قید خانہ کے دستور کے موافق (قینچی) سے ہماری داڑھی، مونچھ اور سر کے بال تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر! تو اللہ کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔''

پر رونق چہرہ، روشن جبیں، شیریں گفتار، شگفتہ مزاج، سلیم الطبع، دانا و بینا، جوہر شناس و رمز آشنا جیسی صفات والا یہ مرد مجاہد (مولوی یحییٰ علی) اپنی ناتوانی و نقاہت اور حد درجہ جسمانی کمزوری کے باوجود حالات سے مسلسل مقابلہ کرتے ہوئے ۲۰ فروری ۱۸۶۸ء کو اپنے رب حقیقی سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور Ross Sland کو اس عظیم مجاہد کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آج بھی سمندر کی موجیں اس جزیرے کے ساحل پر سر پٹکتی ہیں اور وطن عزیز کے اس عظیم مرد مجاہد کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔

مجھ کو دیار غیر نے مارا وطن سے دور
رکھ لی میرے خدا نے میری بے کسی کی لاج

(غالب)

ان صادقان صادق پور کے مجاہدین کی قربانیوں کی حقیقت وسچائی کا اعتراف ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے صادق پور کے ایک عظیم سپوت گل سر سبد مولانا عبدالخبیر صادق پوری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں کیا ہے:

''حضرت! اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لئے خدمات ایک پلڑے میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف علماء صادق پور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پوری علماء کا پلڑا بھاری ہوگا''۔ (تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں: ص: ۵۱۹، مصنف مولانا قاضی محمد اسلم سیف)

مزید معلومات اور جانکاری کے لئے ''تذکرہ صادقہ'' اور ''تواریخ عجیب'' کا مطالعہ گوش دل سے کریں پھر اس کے بعد خود اندازہ لگ جائے گا کہ ان دونوں کتابوں کا ایک ایک حرف انسانی خون میں کس طرح ڈوبا ہوا ہے، یہ شہیدان وطن کی ایسی ولولہ انگریز کتابیں ہیں جن کو پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، نیز یہ دونوں کتابیں تحریک آزادی کے تعلق سے لکھی جانے والی قریب قریب ساری کتابوں کی مرجع ہیں۔

رب کریم ان مجاہدین آزادی کی تربت پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین

(ماہنامہ نوائے اسلام۔ اگست ۲۰۰۶)

❑❑❑

جمعیت علماء ہند کی تاسیس میں
علمائے اہل حدیث کا بنیادی کردار

مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ

''خلجی صاحب اب دنیا میں نہ رہے۔ یہ مضمون ان کی جماعتی اور ملی وقومی ہمدردی کا ایک حسین آئینہ ہے جو انہوں نے جمعیۃ العلماء کے دو دھڑوں میں تقسیم کے وقت تحریر کیا تھا، مولانا ارشد مدنی اور مولانا محمود مدنی کے ان دونوں گروپوں کو علماء مخلصین نے یکجا کرنے کی کاوشیں بھی کیں مگر سب بے سود رہیں۔ اللہ غریق رحمت فرمائے خلجی صاحب کو کہ وہ اس طرح کا ملی درد محسوس کیا کرتے تھے۔'' (عبدالحکیم)

عصر حاضر میں برصغیر کے عظیم مؤرخ، مفکر و دانشور اور ممتاز عالم دین علامہ محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''آزادی کبھی ایک ہی دروازے اور ایک ذریعے سے نہیں آتی بلکہ مختلف دروازوں سے صحن چمن میں داخل ہوتی ہے اور اپنی بہار دکھاتی ہے برصغیر ہندو پاک کی آزادی کا بھی یہی حال ہے یہ بھی بہت سی تحریکوں اور مختلف عناصر کی مسلسل جدو جہد کا نتیجہ ہے''

جمعیت علماء ہند کے حالیہ بحران، داخلی کشمکش اور انتشار میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ جمعیت علماء جسے تاریخ ساز، آزادی وطن کے ہیرو اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا مظہر قرار دیا جارہا ہے وہ کسی ایک مدرسۂ خیال، چند ایک مخصوص شخصیات یا محض ایک گھرانے کی کدو کاوش نہیں بلکہ اسے تاریخ ساز اور مسلمانوں کی متفقہ آواز بنانے میں مختلف افکار و نظریات کے علماء وزعماء کی قربانیاں شامل ہیں جس میں علماء اہل حدیث کا بنیادی کردار و عمل ہی نہیں بلکہ اس کی تحریک و تجویز میں ان کی ہی پہل رہی ہے۔ جسے نظر انداز یا کسی مخصوص طبقہ فکر میں محصور کرنا عدل وانصاف کے خلاف اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد وزیر ہند ''منٹو مارلے'' ہندوستان آئے وہ ہندوستانیوں کے لئے ایک اسکیم جسے سیاسی زبان میں ''منٹو مارلے اسکیم'' کہا جاتا ہے لے کر آئے تھے۔ اس ضمن میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی تحریک سے علماء کرام کا ایک اجتماع لکھنؤ میں منعقد ہوا جس میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ مسلمانان ہند کے مذہبی معاملات سے متعلق کچھ تجاویز پر غور کے لئے علماء کا ایک وفد وزیر ہند سے ملاقات کرے۔

لکھنؤ کے اس اجتماع میں جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین، مناظر وقت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (جو نہ صرف سرخیل اہل حدیث تھے بلکہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں ان کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا) نے تجویز پیش کی کہ ملکی سیاسیات کے مذہبی پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے علماء کی باقاعدہ ایک تنظیم قائم کرنی چاہیے علامہ امرتسری کی اس تجویز پر دو دن تک

بحث ہوتی رہی لیکن یہ اجتماع بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد دلّی میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا جس میں ملک کے بہت سے علماء شریک تھے علامہ امرتسری نے اس جلسے میں پھر تنظیم علماء سے متعلق اپنی وہی تجویز پیش کی جسے موصوف لکھنؤ کے اجلاس میں پیش کر چکے تھے، جس کی پذیرائی ہوئی اور متعدد علماء نے ان کی تائید فرمائی۔ مولانا نے فرمایا:

''ہندوستان میں مختلف گروہوں، قوموں کی تنظیمیں اور انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور قائم ہوتی رہتی ہیں جو اپنی اپنی جگہ ملک وقوم کی خدمت کر رہی ہیں۔ لیکن علماء کی کوئی ایک ملک گیر تنظیم نہیں ہے جو متفقہ طور پر ملک اور قوم کی خدمت کر سکے۔ بہتر ہوگا کہ علماء کی ایک ایسی تنظیم قائم کی جائے جو پیش آمدہ مذہبی اور سیاسی معاملات میں اسلام کی روشنی میں عوام کی رہنمائی کے فرائض انجام دے۔ اس سے علماء کا وقار بھی بلند ہوگا اور آپ کے مذہبی اور مسلکی جھگڑوں کا سلسلہ بھی ماند پڑ جائے گا۔ نیز اس طرح علماء کی وساطت سے اسلام کی آواز زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر شکل اختیار کر لے گی۔ چنانچہ غور وفکر کے بعد ''جمعیت علماء ہند'' کے نام سے ایک جماعت معرض وجود میں لانے کا فیصلہ کیا گیا''۔

یہ نومبر ۱۹۱۹ء کے اواخر کا واقعہ ہے۔ دسمبر ۱۹۱۹ء کے آخری دنوں میں امرتسر میں مجلس خلافت اور مسلم لیگ کے اجلاس تھے جس میں خلافت اور ترکی مسئلہ پر بحث ہونے والی تھی جن کا تعلق خاص دینی، علمی اور فقہی نوعیت کا تھا جس کے پیش نظر اس پر گفتگو اور مباحثہ کے لئے ملک بھر سے علماء کرام کی بڑی تعداد کی شرکت متوقع تھی چنانچہ اس مناسبت سے اعیان واکابر اہل حدیث حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمہما اللہ نے دہلی کی اس مجلس علماء کو دسمبر میں امرتسر تشریف لانے کی دعوت دی اور تحریک پیش کی کہ اس موقع پر جمعیت علماء ہند کے قیام اور توثیق کے سلسلہ میں ضروری اور اہم بنیادی مسائل طے کر لیے جائیں۔

دہلی کے اس اجتماع علماء میں جس میں جمعیت علماء ہند کا ڈھانچہ تیار ہوا تھا بہت سے علماء کرام شریک تھے، جن میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، مولانا سید محمد فاخرالہ آبادی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا محمد اکرام خاں، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا آزاد سبحانی قابل ذکر ہیں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا شبیر احمد عثمانی اس اجتماع میں شریک نہیں تھے۔ مولانا ابوالکلام آزد، مولانا محمود الحسن اور مولانا حسین احمد مدنی ان دنوں نظر بند تھے، اور مولانا شبیر احمد عثمانی کسی اور وجہ سے شامل اجلاس نہیں ہو سکے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے جمعیت علماء کی تاسیس کے لئے تحریک شروع کی، اجتماعات، جلسوں، کانفرنسوں اور اپنے ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں لکھتے رہے۔ وہ اس واسطے سے مختلف فقہی مسالک کے حامل اہل علم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلکی تعصب ختم ہو اور سب لوگ صلح وصفائی سے زندگی بسر کریں۔ نیز اس وقت ہندوستان میں سیاسی وعلمی نوعیت کے بعض بڑے بڑے مسائل زیر بحث تھے، ان کے بارے میں مولانا ممدوح کے نزدیک علماء ہند کا متفقہ طور سے غور کرنا

ضروری تھا۔ان کی سعی وکوشش سے اس مقصد کے لئے جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اجلاس دہلی کے فیصلے کے مطابق ۲۸/دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں علماء ہند کا اجتماع شروع ہوا،جس میں باون علماء کرام شریک ہوئے۔ان میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ،مولانا محمد یحییٰ غزنوی،مولانا عبدالغفار غزنوی،مولانا ابوتراب عبدالحق امرتسری،مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری،مولانا احمد علی لاہوری،مولانا محمد موسی غزنوی،مولانا محمد عیسی غزنوی، حکیم نورالدین لائل پوری،مولانا سلطان محمود،مولانا عبدالقادر قصوری،مولانا محمد علی ایم۔اے کینٹب قصوری اور کئی دوسرے علماء عظام شامل تھے۔

اجلاس کی مجلس استقبالیہ میں علامہ ثناءاللہ امرتسری نے خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں قیام جمعیت اوراجلاس دہلی کی مختصر کیفیت بیان کی۔مختلف حضرات کی تقریروں اور بحث وتمحیص کے بعد اس بات کی توثیق کی گئی کہ اجلاس دہلی کے فیصلے کے مطابق علماء ہند کی اس جماعت کا نام ''جمعیت علماء ہند'' ہی رکھا جائے۔جس کی صدارت کے لئے علامہ امرتسری نے حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید دہلوی کا نام ناظم عمومی کے لئے پیش کیا جس کی تائید مولانا سلامت اللہ جیراج پوری اور مولانا محمد اکرام ڈھاکہ نے کی۔اس اجلاس میں تیئیس ارکان پر مشتمل ایک مجلس عاملہ تشکیل کی گئی جس میں ملک کے تمام صوبوں کو الگ الگ نمائندگی دی گئی تھی۔

اس اجلاس میں حکیم محمد اجمل خاں نے بھی شرکت فرمائی جو مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کے لئے امرتسر تشریف لائے تھے۔ حکیم صاحب نے مجمع علماء میں تقریر کرتے ہوئے علماء کے جذبہ اتحاد کی تحسین کی اور جمعیت علماء ہند کے قیام وتاسیس پر ان کو ہدیہ تبریک پیش کیا۔حکیم صاحب کی موجودگی میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ نے جمعیت کے اغراض ومقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔حکیم صاحب نے تحریک کی کہ جمعیت کے اساسی اصول وضوابط کا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی جائے۔ چنانچہ بالاتفاق مولانا ثناءاللہ امرتسری،مولانا محمد اکرام خاں،مولانا مفتی محمد کفایت اللہ اور مولانا خیرالزماں صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے جمعیت کے اصول وضوابط کا مسودہ تیار کرکے دوسرے روز ہی یکم جنوری ۱۹۲۰ء کے اجلاس میں پیش کیا جو منظور کرلیا گیا۔اسی اجلاس میں حکومت برطانیہ سے شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور مولانا ابوالکلام آزاد کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا جو ان دنوں نظر بند تھے۔

دہلی میں علماء کے جس اجتماع میں جمعیت کا تصور پیش کیا گیا تھا اس کو روبعمل لانے کے علامہ امرتسری نے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید دہلوی کو امرتسر تشریف لانے کی دعوت دی تاکہ وہاں مستقل طور سے جمعیت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس سلسلہ میں خود مولانا کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''اسی امید پر میں ان دونوں صاحبوں مفتی محمد کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کو جمعیت علماء کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے امرتسر آنے کی دعوت دے آیا تاکہ امرتسر میں اعیان اسلام سے جمعیت علماء میں شرکت کی تحریک کی جائے۔اسلامیہ ہائی اسکول کی ایک کوٹھری میں ان دونوں صاحبوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ان کے ساتھ تیسرا میں (داعی) تھا۔یہ کوٹھری کیا تھی گویا غار ثور کا نمونہ تھی۔ہاں ان دونوں مقاموں میں امتیاز یہ تھا کہ وہاں دو پاک ہستیاں تشریف فرما تھیں اور یہاں تین گنہگار مغفرت کے امیدوار بیٹھے

تھے۔جمعیت کی اس شوری کے اجلاس میں پہلا ریزولیوشن مولانا محمود الحسن نور اللہ مرقدہ کی رہائی کے متعلق پاس ہوا''۔
اس سے آگے فرماتے ہیں:''ان اصحاب ثلاثہ میں سب سے پہلے یہ تجویز پاس ہوئی کہ حضرت ممدوح کی رہائی کے لئے وائسرائے کوتار دیا جائے،تار کے خرچ کا اندازہ تین روپئے کیا گیا۔یہاں پہنچ کر میں بڑی مسرت کے ساتھ یہ بات ظاہر کرتا ہوں کیونکہ میں اس امر کو اپنے لیے باعث عزت اور موجب فخر جانتا ہوں کہ تار کا سارا خرچ میں نے ادا کیا''۔
جمعیت علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس آئندہ سال ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔اس اثناء میں شیخ الہند رہا ہو چکے تھے اور انہوں نے ہی اس کی صدارت فرمائی تھی۔اس اجلاس میں ملک کے طول وعرض سے پانچ سو سے زائد علماء کرام شریک ہوئے،جن میں مولانا ابوالکلام آزاد،مولانا ثناء اللہ امرتسری،مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا محمد فاخر الہ آبادی،مولانا عبداللہ الکافی،مولانا حبیب الرحمن،مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی،مولانا عبدالحلیم صدیقی،مولانا عبدالباری فرنگی محلی،مولانا آزاد سبحانی،مولانا عبدالماجد بدایونی،مولانا محمد جونا گڑھی،مولانا سید محمد داؤد غزنوی،مولانا عبداللہ الباقی،حکیم حافظ محمد اجمل خاں،مولانا مفتی کفایت اللہ،مولانا احمد سعید دہلوی،مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری،مولانا محمد اکرام خاں،مولانا عبدالقادر قصوری اور مولانا محمد علی ایم اے کینٹب قصوری شامل تھے۔
امرتسر کے اجلاس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری،مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا آزاد سبحانی کی تحریک وتائید سے انگریزی حکومت کے خلاف نہایت زوردار قراردادیں منظور کی گئیں،جن میں انگریز سے کلی طور پر ترک موالات اور عدم تعاون کی مشہور ومعروف اور معرکہ آرا قراردادیں شامل ہیں۔
تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ اس کاروان علماء کے بنیادی محرک علماء اہل حدیث بالخصوص شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے،جو اس کے دائرہ کی مزید وسعت کے قائل تھے،جمعیت علماء ہند حقیقت میں علماء اہلحدیث اور علماء احناف کے مشترکہ عمل،جدوجہد اور کوششوں سے ہی تاریخ ساز بنی۔
تحریک وتجویز سے لے کر تاسیس وقیام اور اس کے تناور درخت ہونے تک ہر موڑ پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد،شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری،مولانا عبداللہ الکافی،سید محمد فاخر الہٰ آبادی،مولانا محمد جونا گڑھی،مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی،مولانا سید محمد داؤد غزنوی،مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی،مولانا محمد حنیف ندوی،مولانا عبدالغفار غزنوی،مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی،مولانا ابوتراب عبدالحق امرتسری،مولانا عبدالوہاب آروی،مولانا عبدالقادر قصوری،مولانا محمد علی ایم۔اے کینٹب جیسے نابغۂ روزگار علماء اہل حدیث اس کارواں کے سپہ سالاروں میں شامل رہے۔تقسیم وطن کے بعد ستر کے دہے میں استاد الاساتذہ علامہ عبدالوہاب آروی کی صدارت تک حضرت مولانا عبدالوہاب آروی،مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی،مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی،مولانا محمد داؤد راز، حاجی محمد صالح آف کوٹھی حاجی علی جان دہلی،خواجہ محمد سلیم اور محمد عثمان فارقلیط جیسے اجلہ علماء اہل حدیث اس کے سرخیل تھے۔حضرت مولانا عبدالوہاب آروی بیک وقت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) اور جمعیت علماء ہند کے صدر رہے۔برسہابرس مولانا فارقلیط اور جناب محمد سلیمان صابر جمعیت کے آرگن وترجمان ''الجمعیۃ'' کو اپنے رشحات قلم سے بیدار کرتے

رہے، مگر افسوس تاریخ نگاری کی بجائے تاریخ سازی کے دور کوتاہ بین میں پہلے اس ملی عظمت کے مشترکہ پلیٹ فارم کو ایک مخصوص مکتب فکر سے منسوب کیا گیا، پھر ایک خاندان میں مقید بنانے کی کوشش رہی اور اب ایک گھرانے میں سمٹا جا رہا ہے۔

حقائق، شواہد اور دلائل کو بدلا تو جا سکتا ہے، مٹایا نہیں جا سکتا "تلك الأيام نداولها" ایک غیر منسوخ قرآنی حقیقت ہے، تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، ہمیں کوئی گلہ نہیں لیکن افسوس ہے یہ تاریخ ساز جماعت جب سے اپنے تاسیسی اصول وضوابط اور مؤسسین کے طرز فکر سے ہٹی تو بحرانوں کا شکار ہوئی اور اب یہ تاریخ سوز بنتی جا رہی ہے۔ فهل من مدکر؟

جمعیت کے موجودہ بحران کے اسباب وعوامل کچھ بھی ہوں وہ پوری ملت کے لئے تکلیف دہ اور امتحان وآزمائش سے کم نہیں، بہی خواہوں کو اس کے اصل محرکات کا پتہ چلانے اور اسلاف کے ایک عظیم ورثہ کے دائمی تحفظ کی فکر کرنی چاہیے۔

مولانا محمود مدنی کا تعلق نئی نسل سے ہے اور فہم وفکر میں بھی وسعت رکھتے ہیں، اعتدال ورواداری اور یکجہتی کے ساتھ کام کرنے کا جذبہ بھی ان میں موجود ہے، ان کے ساتھ میرے چند سوابق کے پیش نظر مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ستر ونوے کے دھے کے درمیان جمعیت کے یگانہ ویک زاویہ سوچ سے اٹھ کر ان کے اندر چلنے کی صلاحیت ہے ایک نوجوان قائد کی حیثیت سے اور حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی وفقہ اللہ جو دار العلوم دیوبند جیسی عالمی درسگاہ کے مربی وشیخ الحدیث ہیں کہ موجودگی میں جمعیت علماء کا انتشار ہر اس شخص کے لئے باعث گریہ وزاری ہے جس کا خواہ براہ راست جمعیت سے تعلق ہے یا وہ مؤسسین کے قافلہ کے فرد ہیں۔

جمعیت کے دائمی اتحاد کے لئے اسے فکری، گروہی، خاندانی اور گھریلو حد بندیوں کے انحصار سے نکال کر ان ستونوں پر کھڑا کرنے کی ضرورت ہے جس پر حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا سعید احمد دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی جیسے عظماء نے قائم کیا تھا اور جس ڈگر پر مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور حضرت مولانا محمد میاں صاحب چلاتے رہے۔

کیا افراد امت اور امت کے مخلص حضرات تین دہوں میں تین سے زائد بار انتشار وتقسیم کے عوامل اور آئندہ کے لئے اس کے سدباب کی فکر کریں گے؟ (محدث بنارس جون ۲۰۰۸ء)

❑❑❑

ہندوستان کے تین بڑے مدارس

احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، رحمانیہ دہلی، مرکزی دارالعلوم بنارس

میرے احساسات وتاثرات کے آئینہ میں

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ

ہندوستان کے اندر مختلف النوع اور مختلف المقاصد علماء کا جال بچھا ہوا ہے اور ان کے مختلف مسلک کے تحت ملک میں بے شمار مدارس ومکاتب اور کچھ جامعات ومعاہد بھی موجود ہیں، ہندوستان میں ہمارے گردوپیش جو چھوٹے چھوٹے مدارس ومکاتب ہیں ان کا ذکر چھوڑ دیا جائے تو مئو کے تین عربی مدارس فیض عام، دارالحدیث، مدرسہ عالیہ اور دہلی کے مدارس، ریاض العلوم، مدرسہ میانصاحب مرحوم، مدرسہ المعہد الاسلامی جوگابائی نئی دہلی اور ممبئی میں ضیاء العلوم محلہ مومن پورہ اور تحفیظ القرآن کاندیولی اور مالیگاؤں کے جامعہ محمدیہ منصورہ قابل ذکر ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں لیکن تین مدارس ان میں بڑے نامی گرامی اور معروف ومشہور ہیں جو جامعہ ودارالعلوم کہے جانے کے مستحق ہیں اور انہیں بجا طور پر جامعہ یا مرکزی دارالعلوم کا لقب دیا جاسکتا ہے۔ ہم ذیل میں ان تین مدارس کا نام پیش کررہے ہیں جن کی ایک شاندار تاریخ اور شاندار ماضی ہے۔

ابھی حال ہی میں مرکزی دارالعلوم بنارس ۲۷، ۲۸/اکتوبر ۱۹۹۱ء کے جلسہ میں گیا تھا وہاں مختلف مکتبات والے کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے۔ ایک کتاب حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ کی ''حیات وخدمات'' ہے میں نے بھی خرید لیا اس کے مطالعہ سے بہت مستفیض ومتاثر ہوا، اس میں مولانا عبدالعزیز صاحب کے اوصافِ جمیلہ، ان کے ورع وتقویٰ، کمال درجہ پرہیزگاری اور کمال علم وفضل کے دلچسپ ودلنواز ودلگداز واقعات بھی مرقوم تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ جتنے مشہور عربی مدارس ہیں ان کے لئے کوئی نہ کوئی صاحب فضل، اہل علم بزرگ محرک ہوئے ہیں میں نے اس کتاب میں پڑھا کہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری نے اپنا فیض واثر مئو وبنارس پر ڈالا۔ مئو وبنارس کی حنفی بستیاں ان کے فیض صحبت سے اتنا زیادہ متاثر ہوئیں کہ انہوں نے کتاب وسنت کے پیروکار رہنے کی دعوت کو شرح صدر سے قبول کرلی اور کھلے طور پر حنفیت سے اہل حدیث جماعت میں شامل ہونے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھا۔

اسی طرح مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ کا علم وفضل پورے ہندوستان کی علمی دنیا میں مشہور تھا، آپ نے بہت سی مسجدوں کو جماعت اہل حدیث کے حوالہ کیا۔ بہت سے مقدمات میں دلچسپی سے حصہ لیا۔ بہت سے مناظرات میں کامیاب وسرفراز رہے۔ علامہ شبلی مرحوم کی مایۂ ناز کتاب ''سیرۃ النعمان'' کے ابطال وتردید میں ایک بہترین ومدلل کتاب ''حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان''

نامی تصنیف فرمائی، جس کے بیان کی خوبیوں اور قوتِ دلائل کو علامہ شبلی نے بھی تسلیم کیا۔ بنگال کے مناظرہ مرشد آباد مشہور زمانہ ہے، اسی طرح مولانا رحیم آبادیؒ کا ذکر خیر، شہرہ و چرچا بہار، بنگال سے نکلتا ہوا دہلی کی راجدھانی تک پہنچا اور دہلی کے خواص بلکہ اخص الخواص نے آپ کی وہ پذیرائی کی جو حدِ قیاس سے باہر ہے، ان کا اثر بھی دہلی کے شیخ عطاء الرحمن پر پڑا اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے طفیل مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا آغاز ہوا۔ اور انہیں کے مشوروں کی برکت سے دارالحدیث رحمانیہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ پس دراصل یہ سارے مدارس انہیں صاحب تقویٰ، ائمہ ہدیٰ کی یادگار اور مرہون منت ہیں۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

مدرسہ احمدیہ آرہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ تک

غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں درسگاہ ولی اللہی ہی ایک ایسی درسگاہ تھی جہاں سے پوری دنیا میں علم حدیث کی روشنی پھیل رہی تھی، اگر اس وقت اس کے بعد کوئی درسگاہ تھی تو سوائے فقہ اور علم کلام کے کسی دوسرے فن پر کوئی توجہ نہ تھی۔ جب غدر کے بعد مکمل طور پر ہندوستان پر انگریزوں کا غلبہ و تسلط ہو گیا اور دین خطرہ میں محسوس ہونے لگا تو میاں سید نذیر حسین صاحب کے تلامذہ نے مختلف مقامات پر ایسی درسگاہیں جاری کرنے کی سوچی جہاں سے اس کی روشنی کو عام کیا جا سکے چنانچہ ۱۲۹۸ھ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مہاجر مکی نے آرہ شہر میں ایک مدرسہ بنام ''مدرسہ احمدیہ'' کی بناڈالی۔ دیگر جید علماء کے علاوہ استاذ الاساتذہ جناب حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کو صدرالمدرسین کی حیثیت سے مقرر فرمایا۔ قوم و جماعت دین کے لئے مائل اور قرآن وحدیث کے علم کی پیاسی تھی، پورے ہندوستان سے اس درسگاہ میں علم کی پیاس بجھانے کے لئے شائقین کا تانتا بندھ گیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں اس کے مقابلہ کا کوئی دوسرا مدرسہ موجود بھی نہ تھا۔

چند سال کے بعد حضرت مولانا ابراہیم صاحب آرویؒ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ایک ایسے آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو مدرسہ کو بحسن وخوبی چلا سکے چونکہ سرداری کے سلسلہ میں آپ کی نظر مولانا رحیم آبادی ہی پر مرکوز ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ مدرسہ کی باگ ڈور مولانا رحیم آبادی کے حوالہ کر کے آپ عازم مکہ مکرمہ ہو گئے۔

مولانا مرحوم نے جب بار اہتمام اٹھایا تو سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسی شان کے ساتھ مدرسہ کو چلاتے رہے، آخر عمر میں جب ضعف غالب ہو گیا اور مدرسہ میں زیادہ وقت دینا دشوار ہو گیا نیز مولانا آروی صاحب کے ورثاء کی طرف سے بھی کچھ گڑبڑ شروع ہونے لگی تو مولانا نے سوچا کہ اب اس عمر میں آرہ میں اس مدرسہ کو رکھ کر انتظام کرنا مشکل ہے۔ دوسرے اخراجات کا اکثر حصہ علاقہ ترہت سے وصول ہوتا تھا جس میں آپ کی پیرانہ سالی کی وجہ سے کمی واقع ہونے لگی تو خیال پیدا ہوا کہ اس مدرسہ کو یہاں سے منتقل کر کے دربھنگہ ہی لے جایا جائے جہاں انتظام کرنا آسان ہوگا۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت دربھنگہ شہر کے بلوا گنج محلہ میں تھوڑی سی زمین حاصل کی اور ایک جھونپڑی کھڑی کر دی جس میں وقتاً فوقتاً قیام فرماتے اور پھر ایک مدرس جناب حافظ عبداللہ صاحب بھواروی کو

رکھ کر بچوں کی تعلیم کا نظم ونسق فرمایا اب وہی جھونپڑی علاقہ تربت کا مرکز تھی جہاں سے مولانا کے مشن کی کامیابی کی تدبیریں ہوتی تھیں اور اسی ہیڈکوارٹر سے پروگرام طے ہوکر عمل درآمد ہوا کرتا تھا۔ یہی جھونپڑی مدرس کی بحالی اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا مرکز اور دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کے سنگِ بنیاد کا باعث بنی (حیات وخدمات۔ص: ۶۲، ۶۳)

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ بہار

محلہ بلواگنج میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ مدرسہ کے لئے زمین حاصل کر چکے تھے۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا موصوف اپنی کبرسنی اور علالت کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ میں زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے اس لئے خیال تھا کہ مدرسہ کو وہاں سے منتقل کر کے دربھنگہ لے آؤں، چنانچہ اس مکان میں جو اپنی زمین میں تیار کیا تھا اہل چک زہرہ کی معاونت سے منشی اصغر حسین صاحب پیغمبر پوری اور پھر حافظ عبداللہ صاحب بھواروی کو رکھ کر بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا اور اس کے چند مہینوں کے بعد ہی آپ کا وصال ہوگیا۔

بابو عبداللہ صاحب مرحوم آپ کی جگہ جماعت کے امیر مقرر ہوئے اس لئے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانا اپنا فرض سمجھ کر اس مکتب کو مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کا بدل بنانا اپنی ذمہ داری بنائی۔ چونکہ خود تو مستقل طور پر دربھنگہ میں سکونت نہیں اختیار کر سکتے تھے اور اس وقت شہر میں جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب علیہ الرحمہ موجود تھے جو اپنے کاموں میں پیش پیش تھے مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کی علالت کے زمانہ میں روزانہ حاضری دیتے تھے بابو عبداللہ مرحوم نے اپنے نائب کی حیثیت سے سید فرید صاحب کا انتخاب فرمایا۔

۱۳۳۶ھ سے ۱۳۴۷ھ تک تقریباً ۱۱/سال بابو عبداللہ مرحوم کے بعد جناب ڈاکٹر سید فرید صاحب مرحوم اندرونی وبیرونی معاملات کو خود ہی دیکھتے رہے اور انتظام کرتے رہے، باضابطہ کمیٹی بھی بنی جس میں شہر وبیرونِ شہر کے ہمدردان جماعت بحیثیت اراکین مجلس شریک رہے اور بہت جلد وہ وقت آیا کہ مکتب کی جھونپڑی محل میں تبدیل ہوگئی اور مکتب احمدیہ پھر مدرسہ احمدیہ سلفیہ دارالعلوم بن گیا جس سے ہزاروں علماء اور تشنگانِ علوم سیراب ہوکر نکلے اور ملک وبیرون ملک میں بانی وناظمین اور اساتذہ کا نام روشن کررہے ہیں، فی الحال جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بعد جماعت نے یہ ذمہ داری سید عبدالحفیظ صاحب سلفی کے سر ڈال دی جو اپنی پیش روؤں سے بھی زیادہ انہماک وترقی کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کی اس دینی خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت بنادے اور موجودہ منتظمین کو مدرسہ کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ آمین۔ (حیات وخدمات: ص۔۹۱)

مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ کی علمی خدمات اور اچھے مدرسین کا بہت زمانے سے شہرہ ہے، جس زمانہ میں میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں مدرس تھا ڈاکٹر سید فرید صاحب نے بحیثیت مہتمم مجھے خط لکھا تھا کہ آپ بحیثیت مدرس میرے یہاں آنا منظور کریں۔ میرے یہاں سے آپ کو ۵۰ روپئے ماہانہ مشاہرہ ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی بھانجہ، بھتیجہ یا رشتہ کا کوئی لڑکا آپ کے ساتھ نہ ہو۔ کیونکہ رشتہ داروں کے لڑکوں کے ساتھ ہونے سے مدرسہ کے نظام میں بڑا خلل ہوتا ہے۔

چونکہ اس وقت ہم مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر سے وابستہ ہو چکے تھے اس لئے والد محترم مرحوم نے جانے کی اجازت نہیں دی

لیکن اس واقعہ سے ڈاکٹر سید فرید صاحب کی فہم وتدبر اور دوراندیشی اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے، تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ کسی رشتہ دار کا ہونا واقعی مدرسہ کے نظام میں خلل کا باعث ہوتا ہے۔

مولانا سید احمد فرید صاحب سے ایک دوبار جلسوں میں ملاقات ہوئی لیکن جب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ کا زمانہ آیا تو اس وقت میری تقریروں کے شباب کا زمانہ تھا، انہوں نے بارہا مجھے اپنے مذاکرۂ علمیہ کے جلسوں میں مدعو کیا اور وہاں میرا بار بار جانا ہوا اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب برابر کہتے رہے کہ آپ کا ہمارے جلسے میں آجانا ہی کافی ہے، یہ ہمارے جلسے کی کامیابی کی دلیل ہے، چاہے آپ کی تقریر ہو یا نہ ہو۔ ہمیشہ بہت فرحت کے ساتھ پرتپاک استقبال کرتے رہے اور بڑے ہی عزت واحترام کے ساتھ رخصت کرتے رہے، ہمارے ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات رہے جو اس وقت سے اب تک قائم ہیں اور ڈاکٹر صاحب موصوف جب تک سفر کے قابل رہے سعودیہ، کویت، قطر وغیرہ کا دورہ مدرسہ کے لئے خود کرتے تھے۔ مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی خاص یادگار یہ ہے کہ اس کو مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ نے قائم کیا تھا اور اس بزرگ وجید عالم نے اس کی آبیاری کی تھی ان کے بعد کے جانشین حضرات نے بڑی کافی جدوجہد اور محنت کیا اور تعلیمی وتعمیری خدمات میں احمدیہ سلفیہ کو ایک جامعہ کی شکل میں تبدیل کردیا۔ اس سے بہت اچھے سلفی علماء وفضلاء پیدا ہوئے، انہیں سلفی علماء میں سے گل سرسبد قابل فخر مولانا سید لقمان صاحب سلفی ہیں جو اپنے مشہور ادارہ احمدیہ سلفیہ کو ہمیشہ ترقی یافتہ اور ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔

آج کل مولانا خوبیٔ قسمت سے ریاض میں محترم ومکرم شیخ عبدالعزیز بن باز رحفظہ اللہ کے دفتر کے ترجمان ہیں، ان کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کو بڑا وقار حاصل ہے اور ہمیشہ وہ اپنے مادر علمی کو اپنے سینۂ بے کینہ میں یاد رکھتے ہیں۔

اگرچہ مولانا لقمان سلفی نے اپنے خصوصی تعلقات واثرات کی بنا پر اپنے گاؤں ''چندنبارہ'' میں ایک بڑا پرشکوہ وعالیشان مدرسہ ایک مستحکم نظام کے ساتھ کھول دیا ہے اور اس میں سلفی حضرات اور کچھ مندوبین ومبعوثین بھی تعلیم وتدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن اس کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کا وقار ومقام کچھ فروتر نہ ہوگا ان شاءاللہ۔ ہمارے محترم شیخ لقمان صاحب سلفی اس حقیقی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھیں گے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ (السابقون السابقون اولئك المقربون) سابق لوگ سابق ہوں گے وہی لوگ دراصل خدا کے مقرب ہوں گے۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔ الفضل للمتقدم یعنی جنہوں نے پہل وپیش رفت کی ہے، فضیلت کے وہی مستحق ہیں، یہ میری پرخلوص دعا ہے کہ احمدیہ سلفیہ اپنی تعمیری وتعلیمی، دعوتی وتبلیغی، تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں میں ترقی کرے اور اس کا پریس بھی روزافزوں ترقی پذیر رہے، بالخصوص مدرسہ نسواں اور طبیہ کالج اور نرسری اسکول کو اللہ تعالیٰ عروج وترقی عطا فرمائے اور میرے محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب کے ابناء کرام وجانشین حضرات کو ان خاکوں میں مزید رنگ بھرنے اور جملہ مشروعات ومدارس کو بام عروج پر پہنچانے کی بہترین توفیق عطا فرمائے۔

مدرسہ رحمانیہ دہلی سے متعلق چند تعارفی کلمات

''دارالحدیث رحمانیہ دہلی یوں تو سارے علمی دنیا میں معروف ومشہور ہے لیکن اس کی حقیقی وجہ آغاز اور واقعی سبب سے ہماری آج کی علمی دنیا بھی ناواقف اور بے خبر ہے، حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کی حیات وخدمات پر جو کتاب لکھی گئی ہے اور جسے میں مرکزی دارالعلوم بنارس کی کانفرنس سے خرید کر لایا ہوں اب اس کو پڑھ چکا ہوں یہ کتاب کیا ہے؟ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے

حالات ومجاہدات پر اوران کی تبلیغی کوششوں کا ایک گنجینۂ معلومات ہے، اس کو پڑھ کر امام المناظرین حسن البیان کا عظیم مولف اور مناظر اسلام کا تقویٰ وتدین، کمال درجہ کی ورع و پرہیزگاری کا بخوبی علم ہوا، مولانا کا دربھنگہ کے نواح سے بھی تعلق تھا اور بہار میں رحیم آباد کے قرب وجوار میں آپ کے عقیدتمند لوگ سینکڑوں نہیں ہزاروں تھے، آپ کا نام نامی اسم گرامی دہلی کے مقتدر وموقر حضرات تک پہنچ چکا تھا۔ دہلی کے مشہور حکیم اجمل خاں صاحب مولانا کے علم وفضل کے معترف ومعتقد تھے اور شیخ عبدالرحمان وعطاء الرحمان صاحبان جو صدر بازار دہلی میں اپنا مشہور تجارتی فرم رکھتے تھے۔ یہ سب حضرات بھی مولانا کے نہایت عقیدتمندوں میں سے تھے اور آپ ہی ان کے مقتدیٰ وپیشوا تھے یہ حضرات مولانا کی جوتیاں اٹھانے کو اپنا شرف اور اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا ہی کے ایک مبارک مشورہ پر شیخ عبدالرحمن وعطاء الرحمن صاحبان نے مدرسہ ''دارالحدیث رحمانیہ'' کھولا یہ دونوں حضرات رئیس التجار تھے، لاکھوں نہیں بلکہ اربوں روپئے کے مالک تھے جیسا کہ آگے آنے والے واقعات سے ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوجائے گا۔

ہم آج بڑے فخر وابتہاج کے ساتھ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ محدث شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی رحمۃ کاملہ کی یادگار ہے اورانہیں کی ایک دین ہے، اب حیات وخدمات سے مکمل حالات پڑھئے۔

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام وبنا کی سرگزشت

ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم دہلی تشریف لے گئے شیخ عبدالرحمن وعطاء الرحمان صاحبان کے ہاں قیام تھا۔ اتفاق سے ان کی بہن کو کچھ ایسی تکلیف تھی کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ جناتی حرکت ہے۔ مولانا کے سامنے تذکرہ ہوا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی صاحب نے ایک تعویذ دے دیا بہن بھلی چنگی ہوگئی، لیکن اس کے بعد ہی شیخ صاحبان کا بھانجہ لاپتہ ہوگیا، ایک سیٹھ کا بھانجہ تھا اس کی تلاش پر کافی اخراجات ہوئے لیکن پتہ نہ چل سکا، کچھ دنوں کے بعد پارسی پور بنگال کے اسٹیشن پر کسی نے پہچانا، شیخ صاحب کو خبر دی گئی آدمی آیا اوراس لڑکے کو دہلی لے گیا۔

اس بچہ کے مل جانے کی خوشی میں یہ لوگ اپنی دولت سے شکر ادا کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم نے مشورہ دیا کہ سب سے اچھا شکرانہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ کھول دیں چنانچہ مشورہ ان لوگوں کو پسند آیا اور عبدالرحمن صاحب کے نام کی مناسبت سے مدرسہ رحمانیہ کھول دیا، جس کی افادیت سے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا واقف ہے افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے تقسیم ملک اورفساد میں یہ چشمہ صافی ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الحاج عبدالرحمن صاحب مولانا عبدالعزیز صاحب مرحوم کے ایسے گرویدہ تھے کہ ہر حکم کو فوراً بجالانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ زمینداری حاصل کی جائے اور زمیندارانہ ٹھاٹھ باٹ سے زندگی بسر کی جائے، بڑے بھائی کے سامنے اس خیال کا جب اظہار کیا تو وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے ان کا خیال تھا کہ ہم لوگ شہر کے باسی تجارت کے ماہر ہیں زمینداری کا انتظام ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہے کہ زمینداری خریدنی ہے۔

آخر عبدالرحمن صاحب نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا، مقصد یہ تھا کہ مولانا خرد یعنی عطاء الرحمن کو سمجھا دیں گے کہ وہ اس خیال سے باز آجائیں گے لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے مشورہ دیا کہ جب وہ اس کے لئے بضد ہیں تو آپ ان کی یہ خواہش پوری کردیں، تجربہ خود ان کو راستہ معین کرنے میں مدد دے گا چنانچہ اس کے بعد اس پر یوں عمل کیا کہ نوے لاکھ میں ایک بہت بڑی زمینداری خرید کر ان کے حوالہ کردیا، یہ دوسری بات ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے بعد ہی شیخ صاحب کو اس پیشہ کے حالات سے جب سابقہ پڑا تو وہ دل برداشتہ ہوگئے اور توبہ کرنے لگے، آخرش زمینداری کو لاکھوں روپئے خسارہ پر فروخت کرکے چھٹکارا حاصل کیا اور اپنی سابقہ کاروبار میں مشغول ہوگئے یہ لوگ مولانا کے اتنے دلدادہ تھے کہ برابر دہلی سے رحیم آباد خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور تحفہ تحائف کا انبار اپنے ساتھ لاتے رہتے ایسی عقیدت تھی کہ زمانہ علالت میں تو گویا ڈاک بٹھا دی تھی کہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے حالات ہر دم ملتے رہیں اور مرض کے لحاظ سے ہر سامان بھیجتے رہتے تھے۔

دہلی کے مشہور حکیم اجمل صاحب بھی آپ کے بے حد عقیدتمند تھے ذیل کے واقعہ سے تفصیل معلوم ہوجائے گی۔

رحیم آباد کے پڑوس میں موضع بگھونی میں ایک مختار صاحب جن کا نام محب الحق تھا۔ مولانا کے بڑے معتقد اور فدائی تھے، ان کے برادر زادہ عبدالرحیم صاحب عرف ڈمروی بابو بخت علیل تھے، کبھی کبھی منہ سے خون آجاتا تھا، بہت علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا آخر مولانا نے اپنا ایک رقعہ دے کر حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کی خدمت میں دہلی روانہ کردیا، وہاں کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اور لیڈران قوم کو بھی جلدی رسائی نہ ہوتی تھی اور کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا یہ نوجوان دہلی پہنچ گیا اور وہاں کا منظر دیکھ کر سوائے ناکامی کے کچھ نظر نہ آیا لیکن ضرورت نے مجبور کیا اور ناامیدی کی حالت میں وہ خط جو مولانا نے دیا تھا دربان کے حوالہ کردیا، دربان نے خط حکیم صاحب کو پہونچا دیا۔ حکیم صاحب نے خط پڑھا اور فوراً اس نوجوان کو طلب فرما کر معائنہ کیا اور فرمایا کہ تم میرے پاس ہی قیام کرو لیکن چونکہ مولانا مرحوم نے تاکید کردی تھی کہ حکیم صاحب تم کو اپنے یہاں روکنے کی کوشش کریں گے مگر تم وہاں قیام نہ کرنا اس لئے انہوں نے معذرت کردی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ اگر دوسری جگہ قیام کرتے ہو تو تمہارے لئے کھلی اجازت ہے کہ جب چاہو آؤ اور سامنے چہل قدمی کرو میں خود تم کو بلالوں گا چنانچہ یہ کچھ دنوں تک وہاں رہے اور حکیم صاحب سے اسی طرح ملتے رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم صاحب کے دل میں مولانا رحیم آبادیؒ کی کتنی عزت تھی اور کیسے تعلقات تھے۔

دہلی میں الحاج عبدالرحمن وعطاء الرحمن صاحبان تو آپ کے اتنے گرویدہ تھے کہ آپ کی جوتی سیدھی کرنے کو باعث فخر سمجھتے تھے اور اتنے بڑے صاحب ثروت ہونے کے باوجود آپ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ (حیات وخدمات: ۹۳)

ان تفصیلی حالات کو پڑھ کر ہمیں حسب ذیل معلومات حاصل ہوئیں اول یہ کہ مدرسہ ''دارالحدیث رحمانیہ'' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کے نیک مشوروں سے قائم کیا گیا۔ پہلے شیخ عطاء الرحمن صاحب وعبدالرحمن صاحب اپنے گمشدہ بھانجے کے مل جانے پر فرحت وشکرانے کے طور پر کھلانے پلانے پر ہزاروں روپیہ صرف کرنا چاہتے تھے اور کوئی ٹھوس وکارآمد کام اس سے انجام نہ پاتا لیکن مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے حقیقی مشورہ کو ان دونوں بھائیوں نے قبول کرلیا اور اس رقم کو کارآمد ونفع بخش یادگار یعنی مدرسہ کا بنانا منظور

کرلیا اور پھر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا آغاز کیا، وہ حضرات آپ کی باتوں کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے، تحریر بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالحدیث رحمانیہ بنوانے والے کتنی اونچی حیثیت کے مالک تھے اور دہلی کے مالداروں میں ان کا رتبہ کتنا بلند و بالا تھا۔ شیخ عبدالرحمن صاحب مرحوم نے اپنے چھوٹے بھائی عطاء الرحمن کو زمینداری خریدنے کے خبط میں ان کو حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے مشورہ مل جانے کے بعد کتنی خطیر دولت زمینداری خریدنے کے لئے دے دی یعنی نوے لاکھ روپئے کا گرانقدر سرمایہ ان کے حوالہ کردیا۔ یہ زمانہ ۱۲۲۰ھ کا تھا آج کے زمانہ کے اعتبار سے یہ اربوں روپئے کی ملکیت ہوتی ہے، جب کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ دوآنہ سیر گوشت ملتا تھا اور دس روپیہ ماہانہ پر ہوٹلوں میں کھانا ملتا تھا، اس حساب سے جوڑ یئے تو یہ زمینداری کئی ارب روپئے کی ثابت ہوتی ہے۔

یہ زمینداری کا مسئلہ بڑے ہی شفقت آمیز مسائل اپنے ساتھ رکھتا ہے، طرح طرح کے پیچیدہ مقدمات و پریشانیاں اس کے ساتھ لوازمات میں سے ہیں، ہمارے والد ماجد حاجی نعمت اللہ صاحب مرحوم نے سات سو روپئے میں نیپال کے موضع سونپور میں ایک زمینداری خریدی تھی لیکن اسامیوں کے حالات و معاملات کی وجہ سے ہمیشہ تولہوا، بٹول اور کاٹھمنڈو میں انہیں رہنا پڑتا تھا اور مقدمات کے مسائل پر ہمیشہ ان کا فکر و دماغ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا رہتا تھا، پہلے خوش آئند معلوم ہوتی تھی مگر بعد میں اس زمینداری میں کوئی بھلا نہیں نکلا۔

اکبر الہٰ آبادی زمیندار تھے انہوں نے مجبور ہو کر لکھا تھا۔

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے جو انساں تو زمیندار نہ ہو

اور ایک قطعہ میں اکبر الہٰ آبادی نے زمینداری کی مشکلات سے پر کیا خوب لکھا ہے۔

محتاج در وکیل ومختار ہیں آپ
سارے عملہ کے نازبردار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
معلوم ہوا مجھے کہ زمیندار ہیں آپ

بہت اچھا ہوا کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے اس مشکل و پریشان کن کام کو تلخ تجربہ کے بعد چھوڑ دیا اور کچھ خسارہ اٹھا کر زمینداری کو ترک کر کے تجارت جیسے بابرکت کام میں پھر لگ گئے۔ یہ وہ پیشہ ہے جس کو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور سچے دیانت دار تاجر کی بڑی فضیلت بتلائی ہے، اسی تجارت کی برکت سے نوے لاکھ روپیہ حاصل ہوا تھا، یہ تجارت ہی کی برکت تھی۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا حسن انتظام اب تک لوگوں کو یاد ہے ہر مہینہ تمام طلبہ کی نفیس و پرتکلف دعوت ناظم رحمانیہ اپنے دولت کدہ پر کیا کرتے تھے، ہر ہفتہ علماء و مدرسین کی دعوت بہت ہی لذیذ و نفیس کھانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی، سال میں دو مرتبہ اوکھلا یا قطب لاٹ کی طرف سیر کرائی جاتی تھی۔ متعدد بسوں اور لاریوں پر طلبہ اور کھانے کے جملہ تمام پکے ہوئے ہنڈے پہنچتے تھے اور وہاں سیر و تفریح کے بعد گرم گرم اور تازہ و نفیس کھانے کھانے کو ملتے تھے اس کے علاوہ اوڑھنے بچھانے کے لئے گدا اور چادر ولحاف ملتا تھا

جاڑے کے موسم میں لڑکوں پر طلبہ کے لئے اونی سوئٹر اور اونی کوٹ اور تمام قسم کے کمبل اور نئے نئے لحاف وگدے آتے تھے۔

لڑکوں کے سیر وتفریح اور کھیل کے بعد بادام کا شربت برف آلود پیش کیا جاتا تھا، میں طبعاً کھیل کود کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتا تھا لیکن ایک دوبار شرکت کا اتفاق ہوا اور میں نے بھی کبڈی مدرسہ کے کھلے صحن میں کھیلا ہے اور میں نے بھی ایک دوبار شربت پیا ہے، بالعموم میرا کام پڑھنے پڑھانے کا تھا اور شب وروز اسی مشغلہ میں مشغول رہتا تھا۔ ضلع اٹاوہ وغیرہ کے پڑھنے والے رحمانی علماء مجھ سے پہلے وفات پاگئے جو میری محنت وشغف کو دیکھ کر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم دیوانہ ہوجاؤ گے اور پاگل ہوکر مروگے، میں ہمیشہ سبق کو حاصل کر کے آتا اس کے بعد میرے کمرے میں کھانا آجاتا تھا کیونکہ میں نے فیس طعام دے کر ہی بنارس اور دہلی میں کھانا کھایا ہے، لیکن کھانا کمرے میں آکر رکھا رہتا تھا اور میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کا سمجھے ہوئے مضمون کو لکھا کرتا تھا یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہوجاتی، ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آتے تو اپنا کھانا کھاتے، اس وقت ناشتہ دان کا کھانا ٹھنڈا ہوجاتا اور گوشت کے سالن پر ڈالڈا یا گھی وغیرہ جو ہوتا وہ جم جاتا اور اس کو کائی کی طرح نکال کر میں باہر پھینکتا، صرف جمعہ کے دن گرم اور تازہ کھانا نصیب ہوتا تھا کیونکہ اس دن کوئی سبق نوٹ کرنا نہیں ہوتا تھا، عموماً رات کے بارہ بجے کے بعد سوتا تھا، میں نے دلی میں پڑھنے کے زمانے میں کسی محلے یا بازار کو نہیں دیکھا، شاعر کا یہ شعر میرے اس حال پر منطبق تھا۔

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

ہمارے مدرسہ رحمانیہ میں طلبہ کو نقدی انعام دینے کا بھی دستور تھا۔ امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا اور نقد روپیہ، گھڑی اور جبہ ودستار کا انعام دیا جاتا، ہم بھی اپنے زمانے میں ہر جماعت میں اول آتے رہے اور انعامات سے نوازے گئے۔ اس دن یہاں شیخ عطاء الرحمن دلی کے تمام مدارس عربیہ کے علماء کو حتیٰ کہ جامعہ ملیہ عربیہ دہلی کے بڑے بڑے عربی ٹیچروں خواجہ اسلم صاحب، جیراجپوری، خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی، محترم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، شیخ الجامعہ جو بعد کو ہندوستان کے صدر جمہوریہ کے منصب پر فائز ہوئے وہ بھی تشریف لاتے تھے، میاں صاحب اس دن بڑی شاندار اور پر تکلف دعوت کرتے تھے، تمام مدارس عربیہ کے مہمانوں کو اور طلبہ واساتذہ کو بہترین وپر تکلف کھانا کھلاتے تھے۔ میاں صاحب نے تعلیم کا انتظام بڑا چوکس کر رکھا تھا، پابندی وضع قطع کا بڑا لحاظ تھا، نمازوں کی پابندی کے لئے حاضری لگی ہوئی تھی، تعلیم وتربیت کے لئے بہترین مواقع نصیب تھے، اس درسگاہ کے علمی وقار کو بڑھانے کے لئے میرے استاذ مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڑھی تشریف فرما تھے جو صحیح بخاری کا بہترین اور مدلل درس دیا کرتے تھے لیکن تقسیم ہند کا معاملہ ایسا پیش آیا کہ سارا علمی سرمایہ اور کتب خانہ اور بڑے بڑے دارالحدیث سب دوسروں کے ہاتھ لگ گئے۔

مقام حسرت وافسوس

یہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی چونکہ شیخ عبدالرحمن وشیخ عطاء الرحمن صاحب کا ذاتی تھا وہ اپنی آمدنی سے چلاتے تھے، اس ہوش ربا عالم میں شیخ عبدالوہاب صاحب کو خیال ہی نہ رہا کہ اسکول آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سپرد کردیں۔ اور حادثہ تقسیم سے پہلے انتقال فرماگئے۔ شیخ عطاء الرحمن صاحب کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالوہاب صاحب مرحوم مدرسہ رحمانیہ کے ناظم بنے، میرے استاذ محترم علامہ نذیر احمد

صاحب رحمانی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس تھے اسی اثناء میں تقسیم کا حادثہ پیش آ گیا اور مدرسہ رحمانیہ کے لٹ جانے کا اور علامہ نذیر احمد رحمانی کے پکڑے جانے کا حادثہ پیش آ گیا، اس وقت حاجی عبدالوہاب صاحب نے مدرسہ رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کر دیا۔

افسوس!! اب یہ مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جنہوں نے اس کو ناچ گھر بنا دیا اور وہاں ناچنے گانے کی تعلیم دی جاتی ہے افسوس کے ساتھ یہ شعر عرض کرنے پر مجبور ہوں۔

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را
سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا!

اس سے معلوم ہوا کہ جو مدرسہ ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں ان کی جماعتی حیثیت نہیں رہ جاتی، ان کے ضائع ہو جانے کا ہمیشہ غم رہے گا اور ہمیشہ اس کا ماتم کیا جائے گا۔

ہم اس علمی زوال پر اور اس دارالحدیث کے فنا پذیر ہونے پر اسی طرح رنجیدہ ہیں جس طرح شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بغداد کے زوال پر غم سے لبریز جذبات کو اشعار میں پیش کیا ہے، وہ زوال بغداد پر لکھتے ہیں اور ہم زوال رحمانیہ پر ماتم سرا ہیں اور شیخ سعدی ہی کے الفاظ میں ترجمانی کرتا ہوں۔

آسماں راحق بود گرخوں ببارد بر زمیں
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین

یہ آسمانی انقلاب اور حادثہ تقسیم اپنے زبردست پیمانے پر دہلی اور اطراف میں رہا، پورے پنجاب اور اسکے ماحول پر چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کے ہوش وحواس کے طوطے اڑ گئے اس ہوشربا عالم میں کس کو قصوروار ٹھہرایا جائے ہمارے غم کی تسلی کے لئے بھی کافی ہے کہ ہم اس سانحہ عظمیٰ پر ''ان للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۝) (سورہ بقرہ ۱۵۵۔۱۵۷) اللہ تعالی نے صبر کرنے والوں کو بشارت دی ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو زبان حال وقال سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اور ہماری تمام چیزیں خدا کی امانت ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی طرف سے سلامتی ورحمت نازل ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔

اللہ کے لطف وکرم کا ظہور

جب دارالحدیث رحمانیہ دہلی پردۂ عدم میں چلا گیا اور جماعت کے لوگ شیرازہ کے منتشر ہونے کے سبب اپنی اتحادی قوت سے محروم ہو گئے تو لوگوں نے طرح طرح کے طعنے جماعت کو دیئے اور ہمارے طلبہ بھی دیو بند وغیرہ سے نکالے گئے، جس کا تفصیلی بیان مرکزی دارالعلوم بنارس کے حالات میں آئے گا۔

ہمارے زمانے میں جامعہ سلفیہ بنارس کا سنگ بنیا درکھا گیا جو اللہ تعالیٰ کے حسب وعدہ انعام ورحمت کے طور پر دارالحدیث رحمانیہ کانعم البدل مرکزی دارالعلوم بنارس کی شکل میں عطا کیا گیا۔

ہم اس فضل واکرام پر خدائے پاک کے بے پایاں شکرادا کرتے ہیں کہ ہمیں ایک قیمتی موتی ملا ہوا تھا وہ کھوگیا، لیکن اب درشہوار مل گیا۔ہمیں پہلے ایک نفیس پھول ملا تھاجس کی رعنائی وزیبائی سے ہم سب مسرور وسرشار تھےلیکن اب ہمیں مرکزی دارالعلوم کی شکل میں ایک گلستاں مل گیا جوگلفشاں بھی ہے اورگل بداماں بھی۔اب ہم فخر کے ساتھ یہ شعر برمحل عرض کررہے ہیں۔

آفتاب تازہ پیدا بطنِ گیتی سے ہوا
آسماں ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک؟

مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام وبناء کی تاریخ

اس سلسلہ میں ہمیں بنارس مدنپورہ کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرنا پڑے گا کہ وہاں کے لوگوں نے دارالعلوم کوکن حالات میں قائم کیا تھااوراس سے قبل ان کے مذہبی حالات کیا تھے؟ وہ کس مسلک کے عامل تھے ان کے پاس مسجد مدنپورہ کس شکل میں موجود تھی اورکن حالات واثرات کی بناپر وہ اپنے قدیم مسلک کوچھوڑ کر دین حنیف مسلک اہل حدیث کی طرف مائل ہوئے اوراس صحیح مسلک پر عمل کرنے کے بعد پھران کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی ؟

اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے کون سا سلفی طرز کا مدرسہ کھولا پھروہ بتدریج کہاں کہاں قائم ہوا۔اورنشیب وفراز سے گزرتا ہوا جامعہ رحمانیہ کی شکل میں کب ظہور ہوا۔اورمرکزی دارالعلوم کن کن عوامل وجذبات کے تحت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مفید مشورے اورتائید سے منصۂ شہود پرآیا؟ کن افاضل روزگار اوراکابرامت نے مرکزی دارالعلوم کے لئے جدوجہد کیا؟ اس پوری تفصیل کوسمجھنے کے لئے مولانا عبداللہ سعود سلمہ اللہ کا وہ گراں قدر مقالہ پڑھیئے جسے انہوں نے اخبار ترجمان ماہ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اپنے والد صاحب مرحوم مولانا عبدالوحید سلفی کے حالات کے تحت سپردقلم فرمایا ہے، یہ مضمون بھی تمام حالات وواقعات کاانکشاف کرتا ہے اورمرحوم ناظم محترم اوران کے رفقائے کرام کی خدمات کوبھی خوب واضح کرتا ہے ہم اس کا اقتباس پیش کررہے ہیں۔

مدرسہ مصباح الہدیٰ سے جامعہ رحمانیہ تک پھر جامعہ رحمانیہ سے مرکزی دارالعلوم تک

محلہ مدنپورہ بنارس میں نصف صدی قبل حنفی حضرات کی آبادی تھی، اس میں جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس جو''تاجابیوپاری'' کے خاندان کا قائم کردہ پرانا ادارہ ہے، مختلف مدارج طے کرتا ہوا موجودہ منزل تک پہنچا ہے، جس وقت مدنپورہ کا موجودہ خاندان حنفی سے اہل حدیث ہوااوراپنے بچوں کی تعلیم کتاب وسنت کے مطابق دلانے کی فکر ہوئی، ہماراخاندان تاج محمد وارث محمد کے نام سے (تاجاوارث) کے لقب سے مشہورتھاان میں تاج محمد وغیرہ بنارس کے اولین اہل حدیث ہیں انہیں بزرگوں کی محنت کا ثمرہ ہے جو بنارس میں اتنی بڑی تعداد میں کتاب وسنت کے متبع اورمسلک اہل حدیث کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں کچھ عرصہ سے بنارس میں

جماعت اہل حدیث کا تبلیغی سلسلہ جاری تھا اور بہت سے لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہورہے تھے ان میں حاجی تاج محمد وحافظ عبدالرحیم ولعل محمد وغیرہ پیش پیش تھے، چنانچہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری کی آمد پر لوگوں کے اعتماد میں پختگی آگئی اور لوگوں نے اپنے اس فیصلہ کو کھلم کھلا بنارس والوں کو سنانا چاہا اس وقت حاجی تاج محمد صاحب حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے حاجی تاج محمد کی واپسی تک اس اعلان کو ملتوی رکھنا چاہا مگر جب خدا کسی کو راہ راست دکھانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا، طے یہ ہوا کہ نیک کام میں کسی کا انتظار کرنا ٹھیک نہیں، اس وقت خوش خیال جماعت میں سب سے بزرگ ہستی حاجی تاج محمد کی تھی لیکن ان کی غیر موجودگی میں ہی مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری کی قیادت میں طیب شاہ کی مسجد میں پہلی بار آمین بالجہر اور رفع الیدین کا عمل شروع کیا گیا اور اس کے بعد پھر جماعت اہل حدیث کی بنیاد بنارس میں مضبوط ہوگئی، اسی جدوجہد میں مولانا محمد منیر خاں مرحوم نے بنارس میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جو خاکسار عبدالرؤف رحمانی کے بھی مرشد اور شفیق وکریم النفس استاد تھے، اس وقت مدرسہ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان سے جو مسجد طیب شاہ کے بغل میں واقع ہے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مدرسہ مصباح الہدیٰ میں میں نے یعنی عبدالرؤف رحمانی نے مولانا محمد منیر خاں رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنا شروع کیا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب بہاری سے بھی درس لیتا رہا، مولانا فصیح الدین غازیپوری سے بھی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ہم لوگوں کی تعلیم کا انتظام مصباح الہدیٰ میں تھا اور قیام وطعام کا انتظام باگڑ بلّی کی مسجد کے بغل میں ایک باغ کے کمرے میں تھا۔ اس وقت ہم اور مولوی مجیب اللہ صاحب مرحوم اور مولوی عبدالحیٔ اور ڈاکٹر یونسؒ اور ڈاکٹر فضل الرحمن وغیرہ اپنے خرچ سے باورچی کے ذریعہ کھانا پکوا کر کھاتے تھے۔ ہمارے انجمن کی خطابت بھی اسی باغ کے دائرے میں ایک جگہ پر ہوا کرتی تھی، یہی مدرسہ مصباح الہدیٰ جو بعد میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے معروف ہوا، جب مدرسہ نئی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا اور ۱۳۳۹ھ میں حافظ صاحب کے انتقال کے بعد اس کا نام بدل کر انہیں کے نام پر ''جامعہ رحمانیہ'' رکھا گیا اس وقت مدرسہ کی دیکھ بھال مولانا حافظ صاحب مرحوم کے فرزندان وغیرہ کرتے تھے اور اپنے ذاتی خرچہ سے مدرسہ چلارہے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں پہلے اس کے ناظم مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم تھے اس کے بعد یہ انتظام مولانا عبدالوحید صاحب کے سپرد کردیا گیا۔ انہوں نے اپنے حسن انتظام سے اپنے خاندانی خواتین سے بھی چندہ لیا اور زیورات کی زکوۃ اصول کئے اور شوال سے پہلے مدرسہ کی مرمت اور سفیدی کرائی، اساتذہ کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا، اسی دور میں مولانا نذیر احمد رحمانی جامعہ رحمانیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے جامعہ رحمانیہ میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی اور حسنِ انتظام اور تعلیم میں ممتاز ہوا مگر ایک مرکزی درس گاہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور اس کے منصوبے تیار کئے جارہے تھے مگر ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ضلع بستی کے مشہور قصبہ نوگڑھ بازار میں منعقد ہوا۔ اسی موقعہ پر مرکزی دارالعلوم کا منصوبہ تیار کیا گیا اور اہل بنارس نے اس کی ذمہ داری قبول کرلی اور مرکزی دارالعلوم کا قیام بنارس شہر میں منظور کیا گیا، محلہ ریوڑی تالاب میں جامعہ کی عالیشان عمارتیں قائم ہوگئیں، جماعت اہل حدیث ہند کا ایک مرکزی ادارہ اس دور میں ۱۹۶۳ء میں عالم وجود میں آگیا، مولانا نذیر احمد رحمانیؒ نے جس محنت وجانفشانی کے ساتھ اس کی حفاظت وپاسبانی کی ہے اور اس کے انتظام وانصرام میں جو کام انجام دیا ہے وہ انہیں کا حصہ تھا اور اہل بنارس اصحاب مدنپورہ نے مولانا کی علالت کے زمانہ میں اور علالت

سے قبل بھی جو خدمات اور قدر شناسی کی ہے وہ ہر صاحب بصیرت پر روشن ہے۔

مولانا عبدالوحید صاحب کو لوگوں نے دیکھا تھا کہ انہوں نے کس طرح دلچسپی لے کر جامعہ رحمانیہ کو ترقی پر پہنچایا تھا اس سے آپ کی انتظامی دلچسپی و علمی صلاحیت کا صحیح اندازہ ہوا اور آپ کو مرکزی دار العلوم جامعہ سلفیہ کی نظامت عظمیٰ کے اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہا

اسی دوران جامعہ سلفیہ میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت استاذ محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی فرما رہے تھے اور مولانا عبدالمتین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب حریری بھی اسٹیج پر موجود تھے، جامعہ سلفیہ کے اس اجلاس میں تقریریں ہو رہی تھیں میری بھی ایک تقریر رکھی گئی میں نے اپنی تقریر میں واضح کیا تھا کہ خدا کی کائنات میں دو طرح کے قوانین ہیں ایک تکوینی قانون اور دوسرا تشریعی قانون۔ تکوینی قانون غیر متبدل ہے قانون قدرت کے تحت خدا نے جس کے ذمہ جو کام لگا دیا ہے اس کے مطابق اس کو کرنا اور انجام دینا ہے اور اس کو ویسے ہی ہونا ہے مثلاً تکوینی قانون یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے طلوع ہو اور مغرب میں ڈوبے چنانچہ شروع زمانہ ہی سے سورج پورب سے نکلتا ہے اور پچھم میں غروب ہوتا ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہے، اسی طرح ایک قانون کے تحت آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے، ایک قانون کے تحت آم کے بیج سے آم پیدا ہوتا ہے اور بادام کے بیج سے بادام پیدا ہوتا ہے اور گیہوں سے گیہوں اور جو سے جو پیدا ہوتا ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو اور آگ جلانے کے بجائے ڈبونے کا کام کرے یا پانی ڈبونے کے بجائے جلانے کا کام کرے اسی طرح آم کے بیج سے آم کے بجائے بادام یا انگور پیدا ہوا گر ایسا ہو تو یہ قانون تکوینی کے خلاف ہوگا۔

اسی طرح ریاضیات کے قانون اور فارمولے میں بھی کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی ہمیشہ دو دو مل کر چار ہوتے ہیں اور چار چار مل کر آٹھ ہوتے ہیں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ دو دو مل کر پانچ ہو جائیں اور چار چار مل کر نو یا دس ہو جائیں۔

ٹھیک اسی طرح شریعت کے احکام بھی یقینی اور غیر متبدل ہوتے ہیں نیکی ہمیشہ نیکی رہے گی، بدی ہمیشہ بدی رہے گی جھوٹ ہمیشہ جھوٹ رہے گا اور سچ ہمیشہ سچ ہی رہے گا اور اسے اچھا سمجھا جائے گا، یتیموں پر جبر و ظلم کرنا برا فعل ہے ہمیشہ اسے برا سمجھا جائے گا۔

الغرض جس طرح قانون تکوینی کے نظام غیر متبدل ہیں اسی طرح اچھائیاں اور نیک اعمال و اخلاق بھی ہمیشہ اچھے ہی رہیں گے وہ بھی تکوینی قانون کی طرح غیر متبدل ہیں۔

اور قانون تشریعی میں ہمیشہ جھوٹ کو برا سمجھا جائے گا اور سچ بولنے کو ہمیشہ اچھا قرار دیا جائے گا، اسی طرح یتیم کے ساتھ احسان و ہمدردی کو ہمیشہ اچھا سمجھا جائے گا اور ان کے اوپر ظلم و جور کو ہمیشہ برا سمجھا جائے گا۔ وقس علیٰ ھذا۔

اسی طرح کے بیان و امثلہ کو میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رکھا اور مولانا عبدالمتین صاحب نے بہت غور سے سنا اور تقریر کے بعد مجھے اپنے بغل میں بٹھایا اور بہت شاباشی دی، مولانا کا چہرہ مبارک فرط مسرت سے چمک رہا تھا کیونکہ میں انہیں کے مدرسہ میں تعلیم پا کر اور پھر جامعہ رحمانیہ میں درس لے کر فارغ ہوا تھا اور جب میں مونگیر کے جلسہ سے واپس ہو کر گھر پہنچا تو استاذ محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کا ایک کارڈ مجھے ملا جس میں موصوف نے میری اس تقریر کی بہت تعریف و تحسین کی تھی۔

مولانا مرحوم نے لکھا تھا کہ اکابر و اعیانِ بنارس نے آپ کی اس تقریر کو بہت زیادہ پسند کیا اور آپ کو ہر طرح سے آفریں کہا ہے۔

بہر حال مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی مرحوم نے بحیثیت صدر مدرس اس مرکزی دار العلوم کا علمی و تعلیمی معیار بلند سے بلند تر کیا اور ناظم اعلیٰ عبد الوحید صاحب نے اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق عالی شان تعمیرات کو بنوایا اور مرکزی دار العلوم کو علمی و ادبی و تاریخی اور نوع بنوع ہمہ جہتی ترقی سے بام و عروج تک پہنچایا۔

استاذ محترم علامہ نذیر احمد صاحب رحمانی کا مبارک دور تو جلدی ہی جاتا رہا، آپ کی زندگی وفا نہ کر سکی جس پر ہم جتنا بھی ملال کریں کم ہوگا لیکن خوش قسمتی سے مولانا عبد الوحید صاحب رحمانی جیسے متین و سنجیدہ، دور اندیش تجربہ کار متحمل مزاج شیخ الجامعہ مولانا کے عہد نظامت میں آ گئے پھر فاضل جلیل عالم کبیر حضرت مولانا حافظ مقتدیٰ حسن صاحب ازہری جیسے جامع العلوم صاحب نظر و فکر، متبحر، یگانۂ روزگار آزمودہ کار عالم کی ہستی وکیل الجامعہ کے منصب جلیل پر فائز ہوئی جس نے اپنی انتھک محنت اور کد و کاوش سے جامعہ کو چار چاند لگایا اور ہر میدان میں ترقی بخشی۔ ان اکابر علماء عظام اور ان کی قیادت میں ہمراہ چلنے والے دوسرے اساتذہ کرام کے مرکزی دار العلوم میں جمع ہو جانے سے اس گلشن علمی و ادبی میں بڑی رعنائی و ترقی ہے۔

آج جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم میں دو سو کتابوں کی تصنیف و تالیف ہوئی اور تراجم کے کام بتدریج کئے گئے اور ایک علمی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پریس و چھاپہ خانے قائم ہوئے اور صحافت میں اردو ماہنامہ ''محدث'' اور عربی ماہنامہ ''صوت الجامعہ'' جاری ہوا اور کئی علمی و یادگار کانفرنسیں ہوئیں اور اچھے موضوعات پر کئی ایک سیمینار منعقد ہوئے اور ناظم اعلیٰ کے سفری مجاہدات میں مولانا ازہری صاحب کی معیت و رفاقت سے تعلیمی و تعمیری مشروعات میں اچھی خاصی مساعدت حاصل ہوئی جس سے تعمیرات کے بلند و بالا ایوان اور رفیع الشان و خوبصورت دار الحدیث پھر عظیم الشان و عظیم المرتبت قیمتی کتب خانہ اور قابلِ قدر و قابل دید دار الضیافہ اور بلند و عالیشان حسین و جمیل و پرشکوہ مسجد اپنے نور افزا میناروں کے ساتھ جامعہ کے موزوں ترین مقامات پر قائم و مستحکم ہیں جو عرصہ دراز تک ناظم اعلیٰ مولانا عبد الوحید صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلاتی رہیں گی۔ سچ فرمایا کسی فارسی شاعر نے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

مرکزی دار العلوم کے قیام کے دو محرک اسباب

مرکزی دار العلوم کے منصوبہ بنانے کی دو وجہ پیدا ہوئی ایک وجہ یہ تھی کہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اخبارات میں یہ بیان دیا تھا کہ اب جماعت اہل حدیث کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور جماعت اہل حدیث اپنا دم توڑ چکی ہے۔ اس بیان پر ہندوستان کے موجودہ اہل حدیث افراد میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ان کے بیان کا نوٹس لیا۔ اخبارات میں ان کے جوابات دیئے گئے اور جماعت میں ایک حرکت و بیداری ہوئی۔

اسی واقعہ کے ساتھ دوسرا سانحہ یہ ہوا کہ دار الحدیث رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالے ہونے کے بعد عربی خواں طلبہ کے لئے کوئی ایسا مرکزی مدرسہ باقی نہ رہا جہاں وہ اپنی تشنگی علم بجھا سکیں چار و ناچار ''دار العلوم دیوبند'' کا بھی قصد کیا اور وہاں داخل ہو گئے اور کچھ ہی

زمانے کے بعد جب ان کا اہل حدیث ہونا ظاہر ہوا تو اربابِ اہتمام نے ان سب اہل حدیث طلبہ کو جو تقریباً ۶۰ تھے دارالعلوم سے نکال دیا، یہ ہمارے اہل حدیث طلبہ نے اپنی جماعت سے بزبان حال یہ کہنا شروع کیا کہ ''ہمارا اہل حدیث ہونا ہی وہ جرم تھا جس کی وجہ سے ہم نکال دیئے گئے ان کی یہ صدا دور دور تک پہنچی اور چار دانگ عالم میں شکوہ سنج رہی گویا وہ بزبانِ شاعر یہ کہہ رہے تھے۔

بجرمِ عشق توام می کشد غوغائے ایست
تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائست

اس سلسلہ میں مولانا مختار احمد صاحب ندوی امیر جمعیۃ اہل حدیث ہند بڑی وضاحت سے مجلہ ''البلاغ'' نومبر ۱۹۹۱ء میں لکھتے ہیں۔

''ہندوستان کی آزادی سے پہلے دہلی میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے ایک عظیم الشان درس گاہ قائم تھی جو برصغیر ہند میں سلفی طرز تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہ جامعہ دہلی کے ایک مخیر بزرگ الحاج وعطاء الرحمن صاحبان کا قائم کردہ تھا ان کے بعد ان کے صاحب زادے حاجی عبدالوہاب صاحب اس کے سرپرست رہے، یہ مدرسہ شخصی اور ذاتی تھا لیکن اپنی تعلیمی انفرادیت اور اداراتی نظام اور معیاری درس گاہ ہونے کی وجہ سے افغانستان سے آسام تک کے طلبہ یہاں داخل ہوا کرتے تھے، اس مدرسے نے بڑے جید علماء پیدا کئے اور ''رحمانی'' علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کردی جو اپنے اپنے علاقوں میں دینی اور تعلیمی قیادت اور امارت کے منصب پر فائز ہوئے لیکن افسوس ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ملک کو تقسیم کا بار اٹھانا پڑا جس کا بڑا نقصان ملک کے سلفی طبقہ کو برداشت کرنا پڑا، اس جماعت کی ساری قوت ملک کی تقسیم نے منتشر کرڈالی اور ان کی ہر چیز کئی حصوں میں بٹ گئی، علماء، تجار، عوام، مدارس، کتب خانے، رسائل وجرائد اسی طوفان میں مدرسہ رحمانیہ دہلی بھی بہہ گیا اس مدرسہ کا نام ونشان مٹ گیا، اس کا قیمتی کتب خانہ جو جماعت اہل حدیث ہند کا ایک قیمتی سرمایہ تھا اس کے ہاتھ سے چلا گیا، نذیریہ لائبریری بھی اس تقسیم کا شکار ہوئی، مدرسہ کے مالک اور سرپرست دہلی کو خیرباد کہہ کر پاکستان چلے گئے، اب اس میں جامعہ ملیہ نے ایک پرائمری اسکول کھول دیا ہے جہاں رقاصی اور موسیقی گانا بھی سکھایا جاتا ہے۔

اس اندوہناک واقعہ کو لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے۔ کسی زمانہ میں یہ خاکسار راقم الحروف اس مدرسہ کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا افسوس کہ علم وادب، تفسیر وحدیث کی وہ انجمن ختم ہوگئی۔

ایسی حالت میں تعلیم وتربیت، تنظیم جماعت اور اداروں کے قیام کا کس کو ہوش تھا بہرحال سلفی طلبہ مقامی مدارس میں اپنی تعلیمی پیاس بجھانے لگے لیکن دھیرے دھیرے یہ احساس بڑھتا گیا اور ہر طرف سے مطالبہ شروع ہوگیا کہ مدرسہ رحمانیہ دہلی کا بدل ضرور قائم کیا جائے، اسی درمیان دارالعلوم دیوبند میں ایسا ناگوار حادثہ پیش آیا جس سے ہندوستان کے سلفی حلقوں میں سخت بے چینی ہوئی اور ان کی دینی حمیت وغیرت بیدار ہوگئی پھر ایک عظیم مرکزی سلفی درسگاہ کے قیام کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

ان حالات سے متاثر ہوکر انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کے معزز ارکان نے محلہ ریوڑی تالاب بنارس میں ایک وسیع زمین مرکزی دارالعلوم کے قیام کے لئے وقف کی اور اس کا نقشہ تعمیری بجٹ وتخمینہ مقرر کرکے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے عمائدین کے سامنے رکھا اور اخبارات کے ذریعہ بھی اسے مشتہر کیا گیا۔

میں اس وقت پندرہ روزہ اخبار اہل حدیث دہلی کا معاون مدیر تھا، میں نے مرکزی دارالعلوم کی حمایت میں بہت سے تائیدی

ادارئیے لکھے، ۱۹۶۱ء میں نوگڑھ ضلع بستی میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس ہوا جس کے اسٹیج پر مرکزی دارالعلوم کا مجوزہ نقشہ آویزاں کیا گیا، میں نے کانفرنس کے کھلے اجلاس میں اس موضوع پر ایک نہایت پر جوش تقریر کی اور پھر مقررین نے اس کی تائید کی چنانچہ ایک ہی سال بعد بنارس میں ایک عظیم یادگار اجتماع میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ (البلاغ نومبر ۱۹۹۱ء)

ناظم اعلیٰ اور مولانا ازہری صاحب کی رفاقت

اس مضمون کے پڑھنے سے واضح طور پر مرکزی دارالعلوم کے قائم کئے جانے کا سبب معلوم ہوگیا۔محترم ناظم صاحب جب تک زندہ رہے، صحت وعافیت کے ساتھ حسن وخوبی سے مرکزی دارالعلوم کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے ہمہ وقت مستعد وسرگرم عمل رہے، جب اپنے دولت کدہ سے دفتر میں آتے تو حساب وکتاب، آمد وخرچ کے اس شعبے میں جس میں اس کا خاص اہتمام رہتا ہے تشریف لے جاتے اور وہاں حسابات کا معائنہ کرتے، یہ حساب کو ہمیشہ پاک وصاف اور پاکیزہ دیکھنا چاہتے تھے اور آپ کے سچے مشوروں اور ہدایتوں کو دفتر کے لوگ اور ایڈیٹر صاحبان بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اس کے بعد اپنے خاص دفتر میں مولانا مقتدی حسن صاحب ازھری کی ڈاک ملاحظہ فرماتے اور باہم تفاہم اور مشوروں سے متعلقہ حضرات کو خطوط لکھے جاتے، مولانا ٹائپ کر کے محترم ناظم صاحب کے دستخط اور مہر کے بعد ان کو روانہ کرتے، انتظامی معاملات میں جو منشی عبدالمنان وغیرہ کے ذریعہ آپ کے سامنے آتے ان معاملات میں بھی اپنے مفید مشوروں سے انہیں نوازتے، اسی طرح جملہ مدرسین وملازمین سے بہت شگفتہ برتاؤ رکھتے، اسی طرح اس چمنستان علم وفضل کی ہمیشہ آبیاری اور اس کے سرسبز شاداب رکھنے کا انتظام کرتے۔

مولانا مرحوم پر ان کے دورِنظامت میں خوشی کے بہت سے مواقع بھی آتے، بہت مسرت افزا چیزوں پر آپ خوش ہوتے اور خدا کا سجدۂ شکر بجالاتے اللہ کے فضل وکرم پر ہمیشہ ممنون ومشکور رہے لیکن بعض ایسے مواقع وحوادث بھی آئے کہ اس صدمے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی اور دن کا چین وسکون رخصت ہوجاتا، ان میں سے ایک سب سے بڑا حادثہ اس بیس لاکھ روپئے کا ہے جسے شاہ فیصل مرحوم نے مرکزی دارالعلوم کو عطا کیا تھا، کارکنان کی غلطی سے جامعہ سلفیہ کی جگہ پر جامعہ اسلامیہ کے لئے چیک کٹ گیا۔ یہ رقم سفارت خانہ سعودیہ عربیہ دہلی میں پہنچی اور اس کی اطلاع جامعہ اسلامیہ بنارس کو دی گئی۔ جامعہ اسلامیہ والوں نے کبھی اس طرح کی درخواست نہ دی تھی اور نہ ان کے لئے یہ رقم سعودیہ سے منظور ہی ہوئی تھی لیکن اس میں مولانا اسعد مدنی وغیرہ حضرات نے جامعہ اسلامیہ والوں کا ساتھ دیا اور یہ رقم ان کے حوالہ ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون کے پڑھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا آخر کار محترم ناظم مرحوم نے اس کے لئے دوبارہ کوشش شروع کردی اور مکہ ومدینہ پہنچ کر جن جن مشائخ سے رجوع فرمایا اور جن جن لوگوں نے دلداری کی اور امید بندھائی ان تمام لوگوں سے حقیقت حال عرض کر کے معاملہ میں پیش رفت چاہی، لوگوں نے ہر طرح سے پیش رفت میں تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں پھر بیس لاکھ کا عطیہ حاصل ہوگیا۔ فللہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔

لیکن اس پورے غمناک روداد پر ایک دو رفیقوں کی امداد کا اور حقیقی تعاون کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا کہ وہ حضرات شوری سے کتنا گریزاں تھے اور ہر آسان وممکن شکل پیدا کرنے میں کتنا دور رہتے تھے، مولانا ازھری صاحب وہ رفیقِ خاص تھے جو دل دردمند رکھتے اور اس واقعہ کے پورے خدوخال سے واقف تھے وہ بھی اس طرح کے صدمات میں مبتلا تھے اور ان لمبی چوڑی باتیں کرنے

والوں سے حد درجہ مایوس ہو چکے تھے کسی شاعر نے ایک شعر کہا ہے جو ہمیشہ کے لئے ایک حقیقت ہے ؂

مشورے دے کے ہٹ گئے صاحب
آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں

لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ہر چیز پر غالب ہے۔اس کا فیصلہ ہوا اور بگڑا ہوا کام خیر وخوبی سے گزر گیا۔

مولانا کی علالت اور رحلت

آخر ایک وقت آیا مولانا عبدالوحید صاحب ناظم اعلیٰ علیل ہو گئے اور اسپتال میں داخل ہوئے لیکن بحکم قضائے الٰہی آپ کی سانس اکھڑنے لگی اور حالت بدل گئی۔اور ۲۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو بروز شنبہ قبل مغرب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔

یہ تاریخی حالات سنہ وتاریخ کے ساتھ مولانا عبداللہ سعود نے ترجمان دہلی اکتوبر ۱۹۹۱ میں شائع کرایا ہے جو مولانا مرحوم کے فرزند اکبر ہیں اور خود بھی مرکزی دارالعلوم کے فارغ ہیں اور اس کی ترقی وتعمیری اقدامات میں پیش رفت کے خواہاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو مولانا مرحوم کا سچا جانشین بنائے۔اور جامعہ کی خدمت کی بھرپور توفیق بخشے۔

مرکزی دارالعلوم کا تابناک مستقبل

اب تک مرکزی دارالعلوم گوناگوں تعمیری وتعلیمی، تصنیفی اور دعوتی وتبلیغی خدمات میں ممتاز اور تمام اہل حدیث مدارس میں منفرد ہے۔اللہ تعالیٰ ناظم اعلیٰ کے بعد بھی ان کے جانشین اور کارکنان کو اس کے علمی اور تعلیمی وتعمیری خدمات کو مزید ترقی کے ساتھ جاری رکھنے کا عزم وحوصلہ بخشے۔

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ بنارس مدنپورہ کے ارباب انتظام نے ناظم اعلیٰ کی جگہ پر ان کے منصب کو سنبھالنے کے لئے مولانا شاہد جنید صاحب /حفظہ اللہ کو پورے اتفاق کے ساتھ منتخب کیا اور ماشاء اللہ مولانا شاہد جنید سلمہٗ اس منصب کے تقاضہ کے مطابق ہمہ وقت اپنے دونوں سربراہ علماء شیخ الجامعہ اور وکیل الجامعہ کے مشورہ کے مطابق عمل پیرا ہیں اور دیگر مراحل کی تکمیل میں ہمارے سب محترم علماء ان کی نگرانی میں ہمہ وقت سرگرم عمل ہیں۔اللہ تعالیٰ جامعہ رحمانیہ کے تمام اکابر واصاغر کو مداومت کے ساتھ حسن عمل کی توفیق دے مرکزی دارالعلوم کے تمام رفقاء اور علماء کرام اور اساطین عظام صدق دل سے مرکزی دارالعلوم کے ساتھ لپٹ کر خدمات انجام دیں اور زبان حال سے وہ وہی کہیں جو کسی شاعر نے بنارس کے لئے لکھا ہے ؂

از بنارس نہ روم معبد عام است ایں جا
ہر برھمن پسرے لچھمن درام است ایں جا

(ماخوذ از نوائے اسلام دہلی /اگست تا اکتوبر ۱۹۹۲ء)

❑❑❑

مئوناتھ بھنجن

(مئو کی قدامت، یہاں اسلام کی آمد، دینی وعلمی سرگرمی، ماضی وحال اور مسلک اہل حدیث کی اشاعت)

شیخ محفوظ الرحمن فیضی مئو

مذکورہ بالاعنوان سے مولانا ابویحیٰی امام خان نوشہروی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی کتاب مستطاب ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں تحریر فرماتے ہیں:
مئو، ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کا ایک قصبہ ہے، اور اپنے علمی برکات کی وجہ سے ممتاز اقران مولانا سخاوت علی جونپوری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی خاندانی روایاتِ علم وعمل کے ساتھ خلافت امیر المومنین السید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سراپا سے بھی مفتخر تھے، انہی کا فیضان یہاں (مئوناتھ بھنجن میں) بتوسل مولانا فیض اللہ مئوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳ ربیع الاول/ ۱۳۱۶ھ) پہنچا۔ مولانا فیض اللہ صاحب سے ملا حسام الدین مئوی (متوفی ۱۳۱۰ھ) نے پڑھا، اب یہ نعمت عام ہونے لگی کہ ادھر جناب مولوی ابوالمکارم محمد علی مرحوم بن مولانا فیض اللہ صاحب، دولت علم سے مالا مال ہوئے، ایک طرف ملا حسام الدین کے صاحبزادۂ گرامی مولانا محمد احمد صاحب (معروف بڑے مولوی صاحب) فارغ التحصیل ہوگئے، جن سے مئو علم کا مامن بن گیا، (یہ اکابر مئو میں علمائے جماعت اہل حدیث کے طبقۂ اولیٰ کے اولین اساطین میں سے ہیں۔) نواحی کے لاتعداد حضرات مئو ہی سے تکمیل کر کے نکلے، اور ساکنین مئو تو علوم دینیہ سے اس قدر مستفیض ہوئے کہ تحصیل علم آج بھی یہاں شرافت انسانی کا تلازمہ سمجھی جاتی ہے۔

> ۱۹۸۸ء میں ضلع اعظم گڑھ کے چند قصبات کو اس سے الگ کر کے ''مئو'' کے نام سے ایک نیا ضلع تشکیل دیا گیا، جو قصبہ مئوناتھ بھنجن، قصبہ کوپا گنج، قصبہ گھوسی، قصبہ محمد آباد گہنہ اور قصبہ چریا کوٹ وغیرہ پر مشتمل تھے۔ اور ضلع کا صدر مقام مئوناتھ بھنجن ہے۔ یہ اعظم گڑھ کے مشرق میں کوئی چالیس کلومیٹر پر واقع ہے۔
>
> یوپی، خصوصاً مغربی یوپی میں متعدد مقامات ہیں جن کے ساتھ ''مئو'' کا لاحقہ یا سابقہ لگا ہوا ہے، کہا جاتا ہے کہ ''مئو'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی فوجی چھاؤنی کے ہیں، چونکہ یہ مقامات مسلم دور حکومت میں فوجی چھاؤنیاں تھیں اس لئے ان کے نام کے ساتھ ''مئو'' لگا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔
>
> یہی وجہ ہے کہ اس قصبہ میں علماء اہل حدیث کی اس قدر کثرت ہے کہ اس کے لئے اس کتاب ''تراجم علمائے حدیث ہند'' میں (علمائے مئو کے نام سے'' ایک علیحدہ موضوع (عنوان) قائم کرنا پڑا''۔ ص ۴۷۳)

مئوناتھ بھنجن، شمالی ہند کا ایک قدیم معروف ومشہور اور مردم خیز اور صنعتی شہر ہے جو اپنی پارچہ بافی کی صنعت کے علاوہ علم وفضل اور مدارس ومساجد اور اہل علم کی کثرت میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، یہ مسلم آبادی کی اکثریت والا قصبہ وشہر ہے، جہاں اس وقت مسلمانوں کی آبادی کم وبیش ایک لاکھ اسی ہزار ہے جو پوری آبادی کا تقریباً پچپن فیصد ہے۔ مسلم آبادی اہل حدیث اور احناف پر مشتمل

ہے۔ یہاں مساجد کی تعداد ایک سو پچاس سے زیادہ ہے۔ اور چھوٹے بڑے مکاتب کے علاوہ ایسے بڑے مدارس عربیہ کی تعداد جہاں ابتداء سے فضیلت تک کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام ہے آٹھ ہے، جن میں زیر تعلیم مقامی وبیرونی طلبہ کی مجموعی تعداد بلا مبالغہ دس بارہ ہزار سے زیادہ ہی ہے۔ عصری تعلیم کے لئے مسلمانوں کے اپنے متعدد اسکول وکالج ہیں، اسی طرح مسلم بچیوں کی دینی وعصری تعلیم کے لئے متعدد مدارس ومکاتب اور اسکول قائم ہیں۔

قصبہ وشہر مئو میں جماعت اہلحدیث کی ستر (۷۰) مسجدیں ہیں، جن میں سے تقریباً نصف میں جمعہ بھی ہوتا ہے، اور پانچ عربی درسگاہ ہیں جن میں سے چار میں ابتداء سے فضیلت وتکمیل تک کی تعلیم کا معقول انتظام واہتمام ہے یعنی جامعہ عالیہ عربیہ، (قائم شدہ ۱۸۶۸ء) جامعہ اسلامیہ فیض عام (قائم شدہ ۱۹۰۲ء) جامعہ اثریہ دارالحدیث (قائم شدہ ۱۹۵۴ء) اور جامعہ محمدیہ (قائم شدہ ۱۹۱۸ء) اور مدرسہ دارالتعلیم جس میں جماعت خامسہ تک کی تعلیم ہوتی ہے، اسی طرح مسلم بچیوں کی دینی تعلیم کے لئے متعدد اہل حدیث مدرسۃ البنات ہیں جن میں فضیلت تک تعلیم کا انتظام ہے یعنی کلیۃ فاطمۃ الزہرا الاسلامیہ، کلیہ امہات المومنین/مدرسہ فیض نسواں، کلیۃ البنات الاسلامیہ/مدرسہ عالیہ نسواں، اور کلیہ خدیجۃ الکبریٰ۔

اسی طرح مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کے لئے بھی اہل حدیث کے اپنے تعلیمی ادارے ہیں۔ مسلم انٹر کالج، اثریہ انٹر کالج، عالیہ اسکول، عالیہ گرلس اسکول، فیض عام گرلس اسکول اور محمدیہ گرلس اسکول۔

مئو کی ابتدائی حالت اور اسلام کی آمد: مئو ایک قدیم بستی ہے، متعدد مورخین کے بیان سے ثابت ہے کہ مئو میں اسلام کی روشنی آج سے ہزار برس پہلے پانچویں صدی ہجری کے ربع اول میں پہنچ چکی تھی اور یہاں اسلام کی تبلیغ واشاعت ہو رہی تھی، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مئو اس سے بھی بہرحال قدیم آبادی ہے جو اس سے پہلے سے کئی ہزار برس سے بھی پہلے موجود اور آباد تھی۔

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم سلاطین میں والی افغانستان سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے ہندوستان کا رخ کرنے اور اس کی ابتدائی مہم جوئی اور فتوحات کے وقت اس کے ساتھ ہندوستان آنے والے سپہ سالاروں میں ایک اس کے برادر نسبتی سالار ساہو بھی تھے، اور سالار مسعود غازی ان ہی سالار ساہو کے صاحبزادے اور سلطان غزنوی کے خواہر زادے ہیں، وہ سلطان محمود غزنوی کی ۱۶/۴۱۵ھ میں فتح سومناتھ کی مہم میں کم عمری کے باوجود شریک تھے، سلطان غزنوی کے اس آخری فاتحانہ مہم سے غزنی سے واپس جانے کے بعد سالار مسعود اپنے والد کے ساتھ جو اجمیر میں سلطان کے حکم سے قیام پذیر تھے، اجمیر ودہلی کے اطراف میں کامیاب تبلیغی وجہادی مہم سرانجام دیتے رہے، بعد ازاں آپ نے شمالی ہند یعنی مشرقی یوپی کا رخ کیا، مختلف مقامات میں تبلیغ وجہاد کرتے ہوئے آخر میں بہرائچ پہونچے اور وہیں طرح اقامت ڈال دی، اور ۴۲۴ھ/۱۰۳۳ء میں بہرائچ ہی میں وفات ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، وہاں آپ کی قبر آج بھی موجود ہے۔ (تاریخ المنوال واہلہ ص ۱۵۱و۹۷ ج ۲، آب کوثر بنارس ص ۶۰)

سالار مسعود کی پوری کوشش بذات خود مختلف علاقوں میں پہونچنے کی ہوتی تھی، لیکن جہاں نہیں پہونچ پاتے وہاں کسی کو اپنا نائب بنا کر قافلہ کی شکل میں بھیج دیتے، ان ہی میں سے آپ کے ایک نائب شاہ ملک طاہر تھے جو مئو کی طرف بھیجے گئے، وہ اپنے قافلہ

وجماعت کے ساتھ اس قصبہ مئو میں وارد ہوئے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے، اور اشاعت اسلام کو اپنا نصب العین قرار دے کر شب وروز اسی دھن میں سوئے اور جاگے، حضرت شاہ صاحب کی ملکوتی صفات اور دعوت وتبلیغ اور اسلام کی عالمگیر تعلیم ومساوات نے یہاں کے عام باشندوں کو شاہ صاحب کا انتہائی عقیدت مند بنا دیا۔ بتدریج اسلام کی اشاعت ہوتی رہی اور لوگ تیزی سے حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، تا آنکہ یہ قصبہ مسلم اکثریت کی آبادی والا قصبہ بن گیا۔ اور بادشاہ وقت کی طرف سے شاہ صاحب کو قصبہ کی جاگیرداری کا پروانہ عطا ہوا۔

ملک طاہر نے یہیں مئو میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے، سن وفات معلوم نہ ہو سکا، قصبہ کے مشرقی حصہ میں ملک طاہر بابا کا روضہ ہے، آپ ہی کے نام سے وہ محلہ ''ملک طاہر پورہ'' اور ''روضہ'' کے نام سے موسوم ومعروف ہے۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں قصبہ مئو شہزادی جہاں آرا بنت شاہ جہاں کی جاگیر میں تھا اسی لئے اس کا شاہی نام ''جہاں آباد'' ہے، شہزادی نے اپنے شوق سے چابکدست نوربانوں یعنی کپڑے بننے کے ہنرمند وفنکار کاریگروں کو یہاں لاکر آباد کیا تھا۔ اور ایک جامع مسجد اور اس سے متصل فوجیوں کی سکونت کے لئے قلعہ نما چھوٹے بڑے حجرے بھی بنوائے تھے جس کے آثار آج بھی موجود ہیں، اور یہ مسجد آج بھی شاہی جامع مسجد کٹرہ سے موسوم ومعروف ہے۔ (خطبہ استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقد مئو ناتھ بھنجن ۱۹۲۷ء اور آثار بنارس)

تیرہویں صدی ہجری سے پہلے مئو کی علمی ودینی حالت: تیرہویں صدی ہجری سے پہلے کی صدیوں میں مئو کی کسی علمی حیثیت کا سراغ اور کسی نامور عالم کا نام وپتہ نہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس وقت یہاں علم دین کا کوئی چرچا نہیں تھا اور صحیح اسلامی عقائد اور تعلیمات سے ناواقفیت وجہالت عام تھی اور اس کے نتیجے میں اعتقادی وعلمی گمراہی، بدعات وخرافات قبر پرستی، تعزیہ سازی وتعزیہ پرستی کا جو حال رہا اس پر یہ ملک طاہر بابا کا روضہ اور اس کے اردگرد پختہ قبریں، اور دیوبندی اہل سنت کے محلوں میں تعزیہ سازی کے چوک، اور ان کی قدیم عیدگاہ میں ''امام باڑہ'' خاموش گواہ کی حیثیت سے اب تک قائم ہیں، اگرچہ بعد کے اہل علم خصوصاً سلفی علماء کی گرفتوں اور کوششوں سے ان میں سے اکثر صنم کدوں کی بہاریں داستان پارینہ بن چکی ہیں لیکن ''اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں پہلے درد تھا'' کے مصداق ان سنسان صنم کدوں میں پہلے بڑی چہل پہل رہا کرتی رہی ہوگی۔

سلسلۂ عالی ولی اللہی سے مئو کی وابستگی: تیرہویں صدی ہجری ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک کشمکش کی حامل تھی، لیکن ان کے مذہبی احیاء، معاشرتی اصلاح، اور متعدد علمی ودینی تحریکوں کے آغاز کا زمانہ بھی یہی ہے، دلی کے علمی دینی خانوادہ میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے اولاد واحفاد اور ان کے اخلاف کا درد تھا، شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ، شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۴۶ھ، شاہ رفیع الدین متوفی ۱۲۴۹ھ، شاہ عبدالغنی متوفی ۱۲۲۷ھ، شاہ محمد اسماعیل شہید ۱۲۴۶ھ، شاہ عبدالحئی دہلوی متوفی ۱۲۴۳ھ، شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی متوفی ۱۲۶۲ھ وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے انفاس قدسیہ سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ علمی ودینی تحریک کو برابر نئی غذا اور نئی زندگی ملتی رہی، اس تحریک نے مسلمانوں میں مراسم شرک، غیر شرعی رسم ورواج اور بدعات کو مٹانے میں زبردست کارنامہ انجام دیا۔ ان بزرگوں کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگرد پورے ملک میں پھیل رہے تھے اور تحریک کو آگے بڑھا اور پھیلا رہے تھے، جس سے دیار پورب ریاست جونپور وغیرہ بھی (ضلع اعظم گڑھ بھی ریاست مذکورہ میں شامل تھا) خاص

طور سے متاثر ہوئے، خاص جونپور اور اس کے اطراف میں متعدد بزرگ اس نیک کام میں لگے ہوئے تھے۔انہیں بزرگوں میں ایک نام ور عالم اور بزرگ مولانا سخاوت علی جونپوری (متوفی ۱۲۷۴ھ) ہیں جو سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے، آپ نے متعدد مشاہیر اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد مرکز دہلی کا رخ کیا اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحئ دہلوی سے علوم کتاب وسنت کی تکمیل کی، کچھ دنوں باندہ میں نواب باندہ کے یہاں رہے، آخر جونپور میں طرح اور اقامت ڈالی اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا، عرصہ بعد حجاز تشریف لے گئے اور وہیں حج وزیارت کے بعد ۱۲۷۴ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات سے ریاست جونپور وگردونواح میں بڑا فیض پھیلایا، سیکڑوں علماء آپ کے درس سے کامل ہوکر نکلے اور دور دور ان کے اثرات کو وسیع کیا، بدعات کو مٹایا اور علم دین کو رواج دیا، اور کتاب وسنت کا غلغلہ بلند کیا۔

مولانا جونپوری کے مشاہیر تلامذہ میں ایک نمایاں نام مولانا فیض اللہ مئوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰۶ھ) کا ہے، مئو کی موجودہ دینی وتعلیمی تحریک اور رونق کے محرک اول اور نقطۂ آغاز ہونے کا شرف درحقیقت آپ ہی کو حاصل ہے، آپ ہی نے ۱۸۶۸ء/ ۱۲۸۵ھ میں اس دیار کا سب سے پہلا مدرسہ، مدرسہ عالیہ قائم کیا جس سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے اور ہورہے ہیں۔آپ سے پہلے یہاں کسی تعلیمی تحریک اور خاص سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔

خانوادۂ ولی اللہی کے فیض تعلیم سے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں دو اہم سلسلے چلتے ہیں ایک شاہ اسحاق صاحب کے شاگردوں مولانا عبدالغنی مجددی اور مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہم سے، اس سلسلہ میں توحید اور رد بدعات کے جذبہ کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کا رنگ غالب اور نمایاں ہے۔

دوسرا سلسلہ مولانا شاہ اسحاق صاحب کے دوسرے نامور شاگرد شمس العلماء مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے، موصوف جملہ علوم وفنون میں تبحر کامل کی بنا پر ''شیخ الکل فی الکل'' اور خانوادۂ ولی اللہی کی مسند عالی کے واقعی وارث ہونے کی بنا پر میاں صاحب کے لقب سے ملقب ہوئے، اس دوسرے سلسلہ میں توحید خالص اور رد بدعات کے ساتھ کسی امام اور فقہ خاص کی تقلید کے بجائے خود ائمہ متبوعین اور سلف صالحین کے طریقہ پر کتاب وسنت کی اتباع اور براہ راست قرآن وحدیث سے احکام ومسائل کی تحقیق اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور فروغ پایا اسی سلسلہ کا نام ''اہل حدیث'' مشہور ہوا۔(مستفاد از مقدمہ حیات شبلی)

شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کرجانے کے بعد درحقیقت شیخ الکل فی الکل میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی مسند دہلی کے صدر نشیں ہوئے اور جملہ علوم وفنون خصوصاً تفسیر وحدیث وفقہ کا محدثانہ ومحققانہ طریقہ پر درس دیتے رہے اور علوم کتاب وسنت کی روشنی پھیلاتے رہے، یہ شمع ساٹھ برس سے زیادہ ۱۳۲۰ھ تک ضیاپاش رہی جس کے نور سے بے شمار قندیلیں روشن ہوئیں، میاں صاحب کے شاگردوں کا حلقہ جتنا وسیع ہوا شاید وباید اس زمانہ میں یا اس کے بعد کسی کو نصیب ہوا ہوگا۔پھر اس کمیت کے ساتھ بڑی چیز اس کی کیفیت ہے، ان شاگردوں میں بکثرت بجائے خود ایک سے ایک ممتاز عالم دین محقق ومصنف اور بلند پایہ محدث اور سند الوقت ہوئے جنہوں نے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر علم دین کو رواج بخشا، اتباع کتاب وسنت کے جذبہ کو فروغ دیا اور بے مثال

تدریسی وتصنیفی اور تبلیغی ودعوتی خدمات کے ذریعہ اس تحریک اہل حدیث کو استحکام ودوام بخشا جس کی بدولت بقول مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ ''بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں، فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی، مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا، اور یہ جو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو گیا ہے رفع ہو گیا، اور لوگ از سر نو تحقیق وکاوش کے عادی ہونے لگے، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی، اور قیل وقال کے مکدر گڑھوں کے بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمۂ مصفا کی طرف واپسی ہوئی'' (مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند)

میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہیر تلامذہ میں علامہ حافظ عبید اللہ صاحب مئوی ثم غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء) بہت ممتاز ہیں جو بعد میں بجائے خود رأس العلماء اور استاذ الاساتذہ ہوئے، میاں صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع حافظ صاحب کی مسند درس ''مدرسہ چشمۂ رحمت'' غازیپور اور پھر ''مدرسہ احمدیہ'' آرہ میں قائم رہی لیکن مئوناتھ بھنجن اور دیگر مضافات ضلع اعظم گڑھ بھی ہمیشہ آپ کے دعوتی وتحریکی مشن کی جولاں گاہ رہے، اور آپ کی مساعی سے تحریک اہل حدیث کو یہاں جلا ملتی رہی، نیز مئو کے متعدد اکابر علماء اہل حدیث آپ کے شاگرد بھی ہیں جنہوں نے غازیپور یا آرہ میں آپ سے علوم کی تکمیل کی ہے اور کامل ہوئے ہیں۔

حافظ صاحب ممدوح کا اصلی وطن مئوناتھ بھنجن ہی ہے، آپ بارہ برس کے تھے اور قرآن کریم حفظ کر چکے تھے کہ آپ کے والد ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے زمانہ میں ترک وطن کر کے مع اہل وعیال غازی پور چلے گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

حافظ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ کی شخصیت اور اتباع کتاب وسنت کے فروغ کے لئے آپ کی جدوجہد اور اس کے نیک اثرات محتاج تعارف نہیں ہیں۔ نیز مئو میں حافظ صاحب کے علاوہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی تعداد بیس سے زیادہ ہے۔ جنہوں نے مختلف ادوار میں میاں صاحب سے کسب فیض کیا ہے اور سرزمین مئو ومضافات اور دیگر مقامات تک اس فیض کو عام کیا ہے، جیسے مولانا ابوالمکارم محمد علی، مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی، مولانا محمد نعمان اعظمی، مولانا ابوالنعمان عبدالرحمن آزاد، مولانا عبدالرحمن بن حکیم باب اللہ، مولانا محمد احمد (بڑے مولوی صاحب)، مولانا محمد سلیمان بن داؤد، وغیرہم رحمہم اللہ۔ ان سب مئوی تلامذہ کے ناموں کی فہرست ''سالنامہ تاریخ اہل حدیث'' حصہ اول (۲۰۱۶) میں شجرۂ طوبی کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے، نیز ان کے تذکرے وتراجم کے لئے دیکھیں، ''مئوی تلامذہ شیخ الکل میاں صاحب'' مرتبہ محفوظ الرحمن فیضی۔

میاں صاحب کے مشاہیر فیض یافتگان میں صاحب ''سیرۃ البخاری'' مولانا عبدالسلام مبارکپوری (متوفی ۱۳۴۲ھ) اور صاحب تحفۃ الاحوذی محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (متوفی ۱۳۵۳ھ) کے مئو سے روابط اور اس پر ان کے اثرات اظہر من الشمس ہیں۔ مولانا عبدالسلام نے مئو (مدرسہ عالیہ) میں مسلسل تین سال درس بھی دیا ہے، اسی طرح میاں صاحب کے ایک اور شاگرد مولانا محمد اسحاق کو پاگنجی (متوفی ۱۳۴۱ھ) کے درس وتدریس کا سلسلہ کوپاگنج کے علاوہ برسوں مئو (مدرسہ عالیہ) میں جاری رہا جس سے بہت لوگوں نے استفادہ کیا۔

۱۹۲۷ء میں مئو میں منعقد آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے چودھویں کل ہند اجلاس عام، اور اس کے بعد کے اہل حدیث

جلسوں میں مدعووشریک علماء اہل حدیث میں متعدد میاں صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد تھے جنہوں نے مئو کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز اور اپنے مواعظ وافاضات سے مستفیض فرمایا تھا۔ مولانا قاضی سلیمان سلمان منصور پوری مصنف ''رحمۃ للعالمین'' تو اجلاس عام کے صدر ہی تھے، آپ کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد منیر خاں بنارسی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرہ شریک تھے، رحمہم اللہ اجمعین۔

مئو کی موجودہ دینی و علمی سرگرمی کا آغاز وارتقاء: حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حیات شبلی'' (ص ۴۱-۴۷) میں سلسلہ ولی اللہی کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے، اس سلسلہ کے اثرات کا ذکر خیر کرتے ہوئے سید صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اعظم گڑھ کے ضلع پر خصوصیت کے ساتھ مولانا فیض اللہ مئوی شاگرد مولانا سخاوت علی جونپوری (اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں) مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (متوفی ۱۳۲۳ھ) کا زیادہ اثر ہوا۔''

میں اپنے موضوع کی مناسبت سے اس پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ ''اور مئو پر بطور خاص مولانا فیض اللہ صاحب کا اور زیادہ اثر ہوا'' جیسا کہ سابقاً ذکر کیا گیا، مئو کی موجودہ دینی و تعلیمی سرگرمی اور اصلاحی و سلفی تحریک اور اس تسلسل کا نقطۂ آغاز درحقیقت آپ ہی کی ذات گرامی ہے، آپ سے پہلے مئو میں اگرچہ سلفی دعوت کی تخم ریزی ہو چکی تھی، لیکن کسی خاص تحریکی اور سرگرمی کا ذکر نہیں ملتا۔ اور پھر آپ کے شاگرد خاص ملا حسام الدین مئوی کے زمانہ میں یہ رنگ کھلتا اور نکھرتا گیا۔ اور ملا صاحب کے ذریعہ یہ چشمۂ صافی بڑھ کر دریائے فیض بن گیا، آپ کے اور آپ کے شاگردوں خصوصاً مولانا محمد احمد (بڑے مولوی صاحب) کے بحر علم سے نہ جانے کتنے گوہر آبدار بن کر نکلے، یہ تینوں اپنے دور کے مشاہیر علماء اور بلند پایہ اساتذہ میں تھے، بلکہ مئو کے شیخ الشیوخ اور استاذ الاساتذہ تھے، علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار اور جملہ علوم وفنون منقولات ومعقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ شیخین مولانا فیض اللہ اور ملا حسام الدین کے دور کے اکثر علماء بلاتفریق مکتب وفکر کے اور بعد کے اکثر علمائے اہل حدیث بڑے مولوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ ان علماء اکابر کے کمال علم وفن اور مرجعیت نے مئو کو علم وفن کا مامن اور مرکز بنا دیا، یہ سلسلہ ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ذریعہ برابر جاری اور ترقی پذیر ہے، مختصر یہ کہ قصبہ وشہر مئو عرصہ سے علم وفن کا گہوارہ اور مرجع خلائق ہے، یہاں بڑے بڑے علمائے دین اور اساتذہ علم وفن گذرے ہیں اور اس وقت بھی موجود ہیں۔ اللھم زدفزد۔ آمین ثم آمین۔ مذکورہ اساطین ثلاثہ کے تراجم وتذکرے کے لئے دیکھیں۔ تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحب جامعہ فیض عام۔ (مولفہ راقم الحروف محفوظ الرحمن فیضی) ان اساطین کے تلامذہ ''علمائے مئو'' کی فہرست بہت طویل ہے، مولانا مقتدی عمری اہل حدیث علمائے مئو کے تراجم وتذکرے پر مشتمل کتاب ترتیب دے چکے ہیں جو جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

(مرسلہ بذریعہ ڈاک از شیخ محفوظ الرحمن)

❑❑❑

مئو کے ہمعصر اور ہم نام علماء

مولانا عزیز الحق عمری

مئو میں کچھ ایسے بلند پایہ ہمنام معاصر علماء گزرے ہیں جن میں تمیز کرنا اکثر دشوار ہوجاتا ہے یہ صرف ہمنام اور معاصر ہی نہیں بلکہ سب ایک ہی محلے ڈومن پورا میں پیدا ہوئے اور ایک ہی مسجد اور ایک ہی عیدگاہ میں نماز بھی ادا کرتے تھے اور ان میں سے دو ایک ہی خاندان کے فرد تھے۔

ان سب کا نام ایک لیکن کیفیت مختلف ہے۔

۱۔مولانا حکیم محمد علی ابوالمکارم بن مولانا فیض اللہ صاحبؒ

۲۔مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی بن حسام الدین بن الحاج عبدالوہابؒ

۳۔مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی بن الحاج شہید بن حکیم جمال الدینؒ

۴۔مولانا محمد علی ابوالمحاسن صاحبؒ

ان میں دو اولین سید نذیر حسین محدث دہلوی کے مئو کے اکیس تلامذہ میں شامل ہیں اور ان دونوں کی سن وفات میں ایک سال کا فرق ہے۔

مولانا محمد علی ابوالمکارم صاحب کا سن ولادت ۱۳۰۸ھ اور سن وفات ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء ہے۔

مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی کا سن ولادت ۱۲۸۶ھ اور سن وفات ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء ہے۔

مولانا ابوالقاسم صاحب قدسی اپنے دور کے دو یگانہ روزگار محدث علامہ صاحب محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی اور مولانا عبداللہ صاحب محدث غازی پوری کے ارشد تلامذہ شمار ہوتے ہیں، ان میں مولانا ابوالمعالی محمد علی صاحب فیضی اور مولانا محمد علی ابوالقاسم صاحب قدسی ایک ہی خاندان کے لولوئے آبدار تھے۔اور مؤخر الذکر کی شادی مولانا ابوالمکارم صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور مولانا عبدالعزیز صاحب عمری بن مولانا ابوالقاسم قدسی مولانا محمد علی ابوالمکارم کے نواسے تھے۔

مولانا محمد علی ابوالمکارم صاحب ایک جید عالم اور باکمال طبیعت تھے، آپ کو نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کے یہاں سے تیس روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، ان کی تصانیف کی تعداد پچیس ہے جس کا ذکر امام خان نوشہروی نے تراجم علماء اہل حدیث میں تفصیل سے کیا ہے آپ کو حکمت وطبابت اور تصنیف وتالیف سے فرصت نہیں تھی، روغن احمر آپ ہی کی ایجاد ہے، آپ نے تعلیم وتدریس سے شغف نہیں رکھا لیکن مدرسہ عالیہ کے ناظم رہے اور ان کے بعد مولانا ابوالمعالی محمد علی صاحب فیضی مدرسہ عالیہ کے ناظم ہوئے جس کا ثبوت اس خط سے ملتا ہے جو آپ نے ۶/دسمبر ۱۹۳۲ کو مولانا محمد علی ابوالقاسم قدسی کے نام بازار دھامانوالہ ڈیرہ دون کے پتے پر لکھا ہے۔

وہ اپنے طویل مکتوب میں لکھتے ہیں کہ اور اب خدا کے لئے ایسی باتوں کو لکھنے سے پرہیز کیجئے بیکار دل کو صدمہ ہوتا ہے، لوگوں کی

مخالفت ہی کو دل کے لئے چھوڑ رکھئے یہی بس ہے۔آپ ایسے ہمدرد کا بگڑنا مناسب نہیں ہے،آپ مجھ سے شرط منواتے ہیں اور وہ کوئی ایسی وقیع نہیں معلوم ہوتی، پھر بھی جس بات کا خدشہ ہے ان شاءاللہ وہ نہیں ہوگا،آپ آیئے اور بخوشی آیئے اس میں آپ کے گزرا کی صورت بھی ہے اور مدرسے کی خیرخواہی بھی، میں تو واللہ سمجھتا ہوں کہ بانی مدرسہ آپ کے والدمکرم مرحوم تھے،آپ زیادہ مستحق ہیں کہ مدرسہ آپ کی نگرانی میں رہے،آپ کی طرف سے بوجہ اتم امداد ہوتی رہے، میں نہایت تہہ دل سے آپ کو بلاتا ہوں آپ آیئے اور جلد آیئے اور ضرور آیئے ہرگز کوئی بہانہ پیش نہ کیجئے،اور روانگی سے پہلے مجھے ایک کارڈ سے اطلاع دیجئے تاکہ آپ کے سامنے امتحان ہو، آپ کے یہاں خیریت ہے اور محلہ بھی خیریت سے ہے،آج کل کوئی ارضی وبائیہ نہیں ہے الحمد اللہ علی ذالك۔آپ کا خیر اندیش ابوالمعالی محمد علی عفااللہ عنہ ۶/دسمبر ۲۳ءازمئو جماپورہ ضلع اعظم گڑھ۔

مولانا ابوالمعالی صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد داناپور میں تدریس کا کام کیا اور پھر بنگال کی ایک جمعیت سے منسلک ہوکر چندے کا کام کرتے رہے،آپ کے کئی مطبوعہ وغیر مطبوعہ رسائل ہیں، جیسے الرافة المهداة، اظهار الهفوات، صيد البحر وغیرہ ان کا ایک رسالہ مضامین قرآن کے متعلق جامعہ سلفیہ بنارس سے بنام نظم البيان بلطائف القرآن الملقب بگلشن فيضى، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔جو ان کی ۲۰/ذی قعدہ بروز شنبہ کی تالیف ہے اور اس کے حاشیے میں ایک جگہ انہوں نے وارد حال،قصبہ دھولیان ضلع مرشد آباد لکھا ہے۔اس رسالے پر مولانا محمد علی ابوالمکارم صاحب کی ایک تقریظ بھی ہے۔

مولانا محمد علی ابوالقاسم صاحب قدسی کے برادران مولانا محمد حامد صاحب،مولانا محمد نعمان صاحب،مولانا محمد ابراہیم میں سے مولانا ابوالقاسم صاحب اور مولانا محمد نعمان صاحب نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیئے اور پھر مولانا ابوالقاسم صاحب کو چین چلے گئے لیکن مولانا نعمان صاحب عمرآباد ہی کی خاک میں دفن ہوئے۔

جیسا کہ مولانا ابوالمعالی صاحب کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، ۱۹۳۲ء میں مولانا محمد علی ابوالقاسم صاحب ڈہرہ دون میں رہتے تھے اور شاید اس کے بعد وہ جنوبی ہند پہنچے،لیکن اخیر وقت میں نابینا ہونے کے بعد اپنے وطن عزیز واپس آگئے اور یہیں رحلت فرمائی۔

مولانا موصوف کے زبردست دعوتی کارنامے ہیں، وہی اپنے وقت میں آپ ہی دارالعلوم مئو میں حنفیوں کا جواب دینے کے لئے بخاری شریف لے کر ان کے جلسے میں پہنچے تھے لیکن انہوں نے تالیاں بجا کر اور شور کر کے ان کی بات اَن سنی کردی، ڈہرہ دون میں بھی ان کی تقریر سے علی جان اور محمد جان دو بڑے سیٹھ جلسے کے بعد ہی اہل حدیث ہوئے اور دوسرے کئی ایک بھی اہل حدیث ہوئے اور یہ معاہدہ ہوا کہ جو جیسے چاہے نماز پڑھے کوئی کسی کی مخالفت نہیں کرے گا،لیکن تقسیم ہند کے بعد ڈہرہ دون کے حالات بہت کچھ بدل گئے۔

مولانا محمد علی ابوالمحاسن کے بارے میں سوائے نام اور کنیت کے مجھے کوئی علم نہیں ہوسکا کیونکہ یہاں مئو کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ یہاں کے بڑے بڑے علماء کے حالات تو درکنار ان کے کتب خانوں تک کی حفاظت نہیں کی جاسکی ہے۔مبارک پور سے حدیث کی دو شرحیں نکلیں،اعظم گڑھ نے دنیا کو دارالمصنفین دیا لیکن مئو میں نابغہ روزگار علماء اور زبردست ذخیرہ کتب کے ہوتے ہوئے سب کچھ باہمی کشاکش میں برباد ہوگیا اور اب بھی یہاں کی یہی حاسدانہ ذہنیت برقرار ہے۔اعوذ بالله منها۔

(نوائے اسلام دہلی،اکتوبر ۲۰۰۵ء)

❑❑❑

ابنائے جامعہ عالیہ عربیہ کی حدیثی خدمات

۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ

مولانا شریف اللہ سلفی ۔جامعہ عالیہ عربیہ مئو

تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی زوال کی تکمیل ہوتی ہے لیکن یہیں سے ان کے اندر معاشرتی اصلاح، مذہبی احیاء اور علمی و دینی تحریکوں کے وجود کا دور بھی شروع ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اور ان کی اولا د واحفاد نیز شاگردان ومستفیدین حضرات: شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) شاہ عبدالقادر (م ۱۲۴۶ھ) شاہ رفیع الدین (م ۱۲۴۹ھ) شاہ عبدالغنی (م ۱۲۲۷ھ) شاہ محمد اسماعیل شہید (شہید ۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالحی (م ۱۲۴۳ھ) شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (م ۱۲۶۲ھ) وغیرہ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی اور پورا ہندوستان ان کے علم وفکر سے فیضیاب ہوا۔

مولانا سخاوت علی جونپوری (وفات ۱۲۷۴ھ)

دیار مشرق جونپور واعظم گڑھ وغیرہ میں علوم کتاب وسنت کی روشنی نامور عالم اور مشہور بزرگ مولانا سخاوت علی جونپوری (۱۲۲۶ھ۔ ۱۲۷۴ھ) کی روشن تعلیم سے آئی۔ آپ قصبہ منڈیا ہو ضلع جونپور میں ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا رعایت علی اور دادا مولانا درویش علی سب کے سب معدن علم تھے، آپ نے مولانا قدرت علی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، مولوی احمد اللہ سے علوم عقلی ونقلی کی تکمیل فرمائی، مولانا عبدالحی دہلوی اور مولانا اسماعیل شہید دہلوی سے سند حدیث حاصل کی اور سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد تمام عمر درس وتدریس میں لگے رہے۔ اخیر عمر میں ہجرت کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے اور وہیں ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد مکی پیدا ہوئے۔ مولانا کو کثرت درس کی وجہ سے تصنیف وتالیف کا بہت کم موقع ملتا تھا پھر بھی تقریباً ۸ تصانیف کا پتہ لگتا ہے، جو آپ کے تبحر علمی کا پتہ دینے کے لئے کافی ہیں۔ البتہ شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی ہے اور بڑے بڑے نامور علماء آپ کی تلامذہ میں ہیں۔

مولانا فیض اللہ مئوی (وفات ۱۳۰۶ھ)

مولانا سخاوت علی جونپوری کے مشہور وممتاز تلامذہ میں مولانا فیض اللہ بن یار محمد کا نام سرفہرست ہے آپ ۱۲۳۰ھ موافق ۱۸۱۴ء میں پیدا ہوئے۔

اپنے والد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر مولانا سخاوت علی جونپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہیں سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی اور مئو واپس آکر علوم کتاب وسنت کی ترویج واشاعت میں لگ گئے اور مئو میں توحید کا ڈنکا بجایا۔ آج کل مئو اور اطراف میں

جتنی بھی علمی روشنی دکھائی پڑتی ہے وہ آپ کے جلائے ہوئے چراغ کی لو ہے۔ دوسال بعد آپ ''مدرسہ اسلامیہ'' اعظم گڑھ گئے اور پھر وہاں سے مئو واپس آئے کچھ دنوں مئو رہ کر علی گنج سیوان، داناپور، پٹنہ وغیرہ درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ مجاہدین سے آپ کے گہرے روابط تھے اس لئے ان مقامات کا سفر ناگزیر تھا۔ داناپور میں بروز دوشنبہ بوقت عصر بتاریخ ۱۳/ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں وفات پائی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ حیات شبلی ص ۴۲، ۴۳ میں لکھتے ہیں: ''اعظم گڑھ کے ضلع پر خصوصیت کے ساتھ مولانا فیض اللہ مئوی شاگرد مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا عبداللہ غازی پوری اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری (م ۱۳۲۳ھ) کا زیادہ اثر ہوا''۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا فیض اللہ صاحب سے پہلے مئو میں کسی خاص تحریک، دینی وتعلیمی سرگرمی، اور اصلاحی تنظیم کا ذکر نہیں ملتا ہے، تراجم علماء حدیث ہند میں امام خان نوشہروی لکھتے ہیں:

''مولانا فیض اللہ'' تکمیل کے بعد مئو واپس تشریف لائے جو اس وقت ایک سرے سے شرک کی سرزمین بنی ہوئی تھی، گھر گھر غازی میاں کا جھنڈا اور حسین کا تعزیہ رکھا جاتا۔ آپ نے وعظ کہنا شروع کیا سامعین نہایت خاموشی سے سنتے اور اثر قبول کرتے۔ قصبہ سے شرک کا استیصال ہونے لگا''۔

جامعہ عالیہ عربیہ کا قیام

مولانا فیض اللہ صاحب نے ایک طرف تو وعظ وتذکیر سے توحید کا ڈنکا بجایا اور دوسری جانب ۱۲۸۵ھ موافق ۱۸۶۸ء میں حاجی اور دوسرے بزرگوں کے مشورہ وتعاون سے ''مدرسہ اسلامیہ'' موجودہ ''جامعہ عالیہ عربیہ'' کی بنیاد رکھی جس میں علوم کتاب وسنت کے درس کا باقاعدہ اہتمام ہونے لگا۔

جامعہ عالیہ عربیہ سے پہلے مئو میں کوئی مستقل دینی درس گاہ نہیں تھی۔ یہ جامعہ مولانا فیض اللہ کے زندہ وجاوید کارناموں میں سے ہے جس کا ثواب آپ کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

رسالہ سوط الرحمن کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفی خدمات کا پتہ نہیں چل رہا ہے، البتہ کیمیائے سعادت کی اردو اشاعت میں آپ کا تعاون مسلم ہے لیکن پچاس سال تک مسلسل درس وتدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردان ومستفیدین کی ایسی جماعت ملتی ہے جو کہ علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے اور دینی تصنیفی وتدریسی خدمات کی وجہ سے تاقیامت زندہ رہیں گے اور آپ کو ثواب پہنچاتے رہیں گے۔

مولانا حسام الدین (وفات ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳م)

مولانا حسام الدین، مولانا فیض اللہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ کا اسم گرامی حسام الدین بن جمال الدین عرف جمن ہے۔ قاضی دامونپورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علوم وفنون کا اکثر حصہ مولانا فیض اللہ مئوی سے حاصل کیا اور کچھ مولانا عباس چریاکوٹی (م ۱۳۰۲ھ) سے۔

مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: مولانا حسام الدین کو مولانا فیض اللہ نے سند فراغ قلمی دیا تھا اور غالباً میاں صاحب دہلوی رحمہ اللہ سے تعلیم اور سند حاصل کی تھی یاد آتا ہے کہ مفتی مولانا حبیب الرحمن ناظم مدرسہ فیض عام مئو رحمہ اللہ نے ان دونوں سندوں کی اصل مجھے دکھائی تھی جو انہوں نے بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھا تھا، اور میرے کہنے پر ان کی فوٹو کاپی بھی کرائی تھی۔ (افادات مولانا محمد اعظمی) حصول علم کے بعد آپ نے مولانا فیض اللہ کے حکم سے جامعہ عالیہ عربیہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اسی جامعہ میں عمر گرانمایہ ختم کردی۔

امام خاں نوشہروی آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ''جناب مستطاب مولانا (ملائے) حسام الدین علیہ الرحمۃ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جن کے بعد ان کے تینوں عمل باقی رہے یعنی صدقہ جاریہ، علم ینتفع بہ، ولد صالح یدعو لہ''۔ص ۴۱۵۔

آپ کے علم کا وقار مئو میں اس قدر تھا کہ کوئی بھی فتوی بغیر آپ کے دستخط کے جاری نہ ہوتا۔ آپ کی دو تصانیف کے علاوہ مزید کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ (۱) فرحة الاخيار بتفصيل جواب الاشتهار مع جواب صوت الازهار مسمى باعاذة الابرار من وسواس الازدجار۔ اردو/ ۴۰ صفحات۔ (۲) راحة الاخبار۔ دونوں کتابیں ایک ساتھ چھپی ہیں۔

مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی فرماتے ہیں: آپ کو شعر وشاعری کا ذوق بھی ملا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے استاذ مولانا فیض اللہ صاحب کی شان میں جو نظم کہی ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

اضافت فیض کی اللہ کی جانب ہے نام ان کا
کفایت ہے ہمیں یہ نام در دوں کی دوائی میں

آپ کے بے شمار عبقری تلامذہ آپ کی پروقار علمی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے جب جامعہ عالیہ عربیہ میں باقاعدہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ کی مساعی جمیلہ اور خداداد علمی صلاحیت ولیاقت سے یہ مدرسہ منبع علوم وفنون بن گیا اور یہیں سے مئو میں نشاۃ علمی کا ظہور ہوتا ہے۔ مئو واطراف مئو کے بلاتفریق ہر مسلک کے بے شمار طلبہ نے آپ کے درس سے فراغت حاصل کی، یہ وہ زمانہ تھا کہ مئو اور اس کے اطراف میں اس سرچشمہ رشد کے علاوہ کوئی اور مدرسہ نہ تھا۔ اور اس درس گاہ میں ابتداء تا انتہا جملہ علوم فنون کا درس ہورہا تھا۔ اس علمی وعملی درس گاہ سے ایسی ایسی ہستیاں زیور علم سے آراستہ ہوکر آسمان علم پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکیں کہ قیامت تک تاریخ کے اوراق انہیں فراموش نہیں کرسکتے۔

جامعہ عالیہ منزل بہ منزل

جامعہ عالیہ عربیہ کی تعلیمی ترقی اور اس کے فضلاء ومستفیدین کی جانکاری کے لئے ہم اسے تین دور میں تقسیم کرسکتے ہیں:

مدرسہ کا قیام، دور اول (۱۲۸۵ھ تا ۱۳۳۵ھ)

اس دور میں یہ مدرسہ مختلف حجروں میں گمنام خاموش خدمت کرتا رہا، لیکن تعلیم وتعلم کے اعلیٰ معیار کا حامل رہا۔ بڑے بڑے جید علماء فارغ ومستفید ہوکر نکلے، اس دور میں بلا اختلاف وامتیاز مسلک اہل حدیث وحنفی طلبہ نے تعلیم حاصل کی ہے کیوں کہ اس دور میں اس جیسا

مدرسہ کسی مسلک کا نہیں تھا، اس دور میں مولانا حسام الدین صاحب کے تلامذہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کا احصاء دشوار ہے۔

مدرسہ کی تعمیر، دور دوم (۱۳۳۶ھ تا ۱۳۸۰ھ)

اس دور کا آغاز مدرسہ کی اپنی ذاتی عمارت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۳۳۵ھ میں کچھ ارباب ہمت نے ایک وسیع مکان خرید کر مدرسہ کو وقف کیا۔ طلبہ اور اساتذہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ دور مدرسہ کے لئے حسب حالات نیا اور ترقی یافتہ دور تھا۔ اس دور میں بھی دور اول کی طرح بہت سے مشاہیر علماء وفضلاء فارغ و مستفید ہو کر نکلے۔ لیکن ان کا شمار بہت مشکل ہے، صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ الرحمانی رحمہ اللہ کا اسم گرامی پیش کر کے اس دور کی اہمیت کو اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

مدرسہ کی تعمیر جدید دور سوم (۱۳۸۱ھ تا ۱۴۱۹ھ)

اس دور میں مدرسہ کی جدید تعمیر ہوتی ہے۔ کیونکہ مدرسہ کی قدیم عمارت طلبہ اور اساتذہ کی کثرت سے از حد تنگ ہو گئی تھی نیز مدرسہ نسواں کی ضرورت بھی کافی بڑھ گئی تھی۔ اس وجہ سے قدیم عمارت نسواں کے حصہ میں آئی اور تعمیر جدید سے جامعہ عالیہ کا کام ہو رہا ہے۔ تادم تحریر موجودہ عمارت دور دوم سے کئی گنا وسیع ہونے کے باوجود جامعہ کے مختلف شعبوں کے لئے بہت تنگ ہو چکی ہے۔ موجودہ ذمہ داران حضرات اس کوشش میں ہیں کہ جامعہ کے لئے خرید کردہ وسیع زمین جو عالیہ نگر میں ہے اس پر ایک تعمیری سلسلہ شروع ہو جو تمام ضرورتوں کو پوری کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو کارآمد بنائے اور ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

گزشتہ ادوار کی مانند اس دور میں بھی علماء فضلاء اور مستفیدین کی ایک لمبی قطار دکھائی پڑتی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے اس جگہ میں صرف دور اول کے چند اکابر کا مختصراً تذکرہ کروں گا، کوشش ہوگی ان حضرات کو زیر تذکرہ لاؤں جنہوں نے حدیث کی مختلف انداز سے خدمت کی ہے: (۱) تصنیف سے (۲) درس و تدریس سے (۳) وعظ و تبلیغ سے (۴) نشر و اشاعت سے۔

۱۔ مولانا حکیم خلیل الرحمن بن حافظ عبداللہ بن حاجی عبدالوہاب (وفات ۱۳۱۴ھ)

آپ مولانا ابوالمعالی محمد علی مئوی کے برادر عم زاد تھے۔ تعلیم و تعلم کے لئے دونوں ایک ساتھ رہتے۔ مولانا حسام الدین مولانا فیض اللہ اور شیخ الکل دہلوی سے استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد چنار گڑھ ضلع مرزاپور اور مدھوپور میں مدرس رہے۔ اسی دوران حصول طب کا شوق ہوا اور لکھنؤ گئے۔ وہاں کی آب و ہوا اس نہ آئی بیمار پڑے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ رد تقلید میں آپ کا ایک رسالہ بہت مشہور ہے۔

۲۔ مولانا مئوی (وفات ۱۴/محرم ۱۳۱۵ھ)

محلہ اورنگ آباد مئو میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ غفاریہ اسٹرا گئے اور فنون کی تکمیل کی پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کی تحصیل و تکمیل کی، درس و تدریس کے لئے بنارس تشریف لے گئے اور مسجد گیان واپی میں طویل عرصہ تک مصروف درس و افادہ رہے۔ ساتھ ہی بی بی رضیہ کی مسجد واقع چوک میں خطابت و امامت کے فرائض بھی انجام دیتے

رہے۔اس کے ساتھ آپ کپڑے کی تجارت بھی کرتے تھے۔جس سے آپ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔آپ کی ملی یادگار میں فاطمان کی مشرقی عیدگاہ ہے جو بادشاہ باغ میں واقع ہے اور آج بھی موجود ہے۔اپنی تعمیر کردہ عیدگاہ میں مدفون ہیں۔(تذکرہ علماء اعظم گڑھ ص ۱۵۳)

۳۔مولانا حافظ حکیم عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر عرف بڑے حافظ صاحب (وفات رمضان ۱۳۳۰/ستمبر ۱۹۱۲ء)

آپ مبارک پور میں پیدا ہوئے، مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین اور مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے جملہ علوم وفنون حاصل کیا۔حفظ قرآن وقرأت کی تعلیم قاضی امام الدین جونپوری سے حاصل کی۔آپ ایک کامیاب حکیم تھے درس وتدریس کا سلسلہ طبابت کے ساتھ چلتا رہتا اور قاضی مبارک اور حمداللہ جیسی ادق کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے۔حفظ وتجوید میں یکتائے روزگار تھے اور مرجع خلائق تھے۔قصبہ اور اطراف کے سیکڑوں حفاظ نے آپ کی ذات سے حفظ قرآن کی نعمت پائی اور کوئی بھی حافظ اس وقت تک مستند نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ آپ کو سنا کر سند حاصل نہ کرلے۔امام خان نوشہروی لکھتے ہیں ''مگر آخر مبارک پور میں عمل بالسنۃ کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی''۔

۴۔مولانا محمد سعداللہ واعظ بن حکیم رکن الدین بن یاری (وفات ۲۶/شعبان ۱۳۲۱ھ/۱۷نومبر ۱۹۰۳م)

مئو میں پیدا ہوئے۔اپنے والد محترم، میاں ولی اللہ، ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔تکمیل کے بعد کچھ دن بھوپال رہے۔وہاں ''میر واعظ'' آپ کا لقب پڑا اس لئے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسا پرتاثیر اور رقت آمیز وعظ فرماتے تھے کہ سامعین پر رقت طاری ہوجاتی تھی۔آپ جہیر الصوت تھے آواز میں سوز وگداز اور بیان میں تسلسل اور غضب کا جادو تھا، جو سنتا گرویدہ ہوجاتا۔آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کی حدیث ام زرع کا اردو ترجمہ قلمی صورت میں دیکھا گیا ہے۔(از افادات: شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم)

۵۔مولانا عبداللہ واعظ۔(۱۲۵۸ھ۔۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء)

محلہ کھیری باغ مئو میں پیدا ہوئے۔مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین، مولانا علیم الدین حسین نگرنہسوی (بہاری) سے جملہ معقول ومنقول پڑھا۔عمل بالکتاب والسنۃ کے شیدائی تھے۔کچھ دن نگرنہسہ بہار میں رہے، باقی تمام عمر مئو میں ختم کی۔ایک مرتبہ آمین بالجہر پر جب کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تو وہاں سے الگ ہوگئے اور ایک مسجد بنواڈالی جہاں تبلیغ وتدریس کا اچھا انتظام کیا۔

آپ کی کوئی تصنیف تو نہیں دکھائی پڑتی ہے مگر جتنی اولادہیں سب اہل علم، دیندار ہیں (نوشہروی)

۶۔مولانا سلیم اللہ بن میاں محمد صادق (وفات ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)

محلہ الہ داد پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔مولانا حسام الدین، مولانا فیض اللہ، حافظ غازیپوری اور میاں صاحب دہلوی سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔تکمیل کے بعد ایک عرصہ تک مطبع نول کشور لکھنؤ کے مصحح اعلیٰ رہے اور کافی دنوں تک مدرسہ صدیقیہ مئو میں مدرس رہے۔فرارمن الطاعون کے موضوع پر آپ کا ایک مطبوعہ رسالہ موجود ہے۔شیخین (مولانا فیض اللہ اور مولانا حسام الدین) کے بعد مئو میں احیائے سنت کو اصل فروغ آپ کی ذات سے حاصل ہوا۔

۷۔ابوالفیاض عبدالقادر بن شیخ عبداللہ۔(ولادت ۱۲۷۹ھ/وفات ۱۳۳۱ھ۔۱۹۱۳ء)

ڈومن پورہ پچھم میں پیدا ہوئے، مولانا حسام الدین، مولانا ابوالمکارم محمد علی اور مولانا فیض اللہ صاحب سے تکمیل فنون کے بعد حضرت سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد طاہر سلہٹی، اور ملا عبدالحکیم پنجابی سے صحاح ستہ پڑھیں۔

اس کے بعد وقتی دستور کے مطابق مولانا شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی سے بیعت ہوئے اور سلوک کے مراحل طے کئے۔اس کے بعد درس وتدریس سے تصنیف وتالیف میں لگے۔ چار سال مدرسہ عالیہ مئو میں، تین سال مدرسۃ المسلمین شہر کاٹھ چھاؤنی ناگپور اور تین سال مدرسہ احمدیہ آرہ میں پڑھایا، یہیں قاضی مچھلی شہری سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔آسنسول میں ۱۳۳۱ھ میں انتقال کیا۔

آپ کے ۳ صدقہ جاریہ ہیں: بے شمار تلامذہ، صالح اولاد، تصنیفات۔

۱۔ حل المغلقات فی بحث الطلقات

۲۔ تفريح الجنان بأحكام قيام رمضان

۳۔ عمدة الكلام فی رد عمل درة النظام

۴۔ الروضة الناظرة فی علم المناظرة

۵۔ سوانح عمر بن عبد العزيز

۸۔مولانا ابوالانوار عبدالغفار بن شیخ عبداللہ بن شیخ تراب علی بن شیخ یمانی بن شیخ ہمت علی عراقی (ولادت: ۲ صفر ۱۲۸۳ھ، وفات ۱۳۴۱ھ۔ ''جزاہٗ مغفرة'' مادہ تاریخ ہے۔)

محلہ اورنگ آباد مئو میں پیدا ہوئے۔والد محترم نے ''ظہور المنان'' تاریخی نام رکھا پہلے اپنے والد شیخ عبداللہ، جمال الدین، مولانا فیض اللہ، مولانا حسام الدین مولانا امام الدین خان پنجابی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ نورنگر بلہا میں حکیم عبداللہ مجددی اور اس کے بعد غازی پور میں ملا عارف ولایتی اور اس کے بعد مولانا عبدالاحد الہ آبادی سے تکمیل کی۔اس کے بعد فن طب اور عربی ادب بالخصوص حاصل کیا۔پھر مولانا رشید احمد گنگوہی سے صحاح ستہ پڑھا۔مولانا عبدالآخر کی صحبت میں رہ کر شعروشاعری سے کافی دلچسپی لی اور ایک اچھے شاعر بن کر ابھرے۔

تحصیل وتکمیل کے بعد درس وتدریس میں مشغول ہوئے، شاہی مسجد مئو میں دوسال درس دیا۔ پھر مہراج گنج ضلع بلیا گئے پھر مدرسہ انوار العلوم نوانگر ضلع بلیا گئے اور اٹھارہ سال رہے۔اسی دوران حج کیا اور وہاں مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے اجازت وسند حدیث حاصل کی۔ پھر آپ دوبارہ مہراج گنج گئے مگر دوسال بعد واپس آگئے اور انجمن اسلامیہ گورکھپور میں صدر ہوکر گئے وہاں ۳ سال رہے پھر مظہر العلوم بنارس گئے۔مگر وہاں سے پھر انجمن اسلامیہ گورکھپور آئے اور تاحیات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔کم وبیش ۳۵ برس مروجہ علوم وفنون کا درس دیا اور سیکڑوں تشنگان علوم کو سیراب کیا۔

۱۔	غرائب البيان فی مناقب النعمان	امام ابوحنیفہ کی مناقب میں
۲۔	منسك البراة فی منسك الحج والعمرة	حج وعمرہ کے مناسک واحکام میں

۳۔	مقوی الذری لمن تمسك بأوثق العریٰ	
۴۔	طیب الاقاصی فی مسائل الأضاحی	اضاحی کے مسائل واحکام میں ہے
۵۔	کشف الحقیقة فی مسائل العقیقة	عقیقہ کے مسائل کے بیان میں ہے
۶۔	تحقیق قول الطرفین فی الکلام بین الخطبتین	
۷۔	کشف المکنون فی الخروج من الطاعون	طاعون سے متعلق احادیث وآثار کی جامع اور مدلل کتاب ہے۔
۸۔	راحة المحزون فی شرح الطاعون	یہ رسالہ بھی طاعون سے متعلق ہے۔
۹۔	مذہبی مکالمہ	آریہ دھرم کی تردید میں بڑا جامع رسالہ ہے
۱۰۔	هدایة المهتدی فی حکم اهاب الأضاحی	چرم قربانی کے احکام ومسائل سے اس رسالہ میں بحث کی گئی ہے
۱۱۔	رد عقائد نیچریه	غیر مطبوع
۱۲۔	الستر عن جلستی الوتر	غیر مطبوع
۱۳۔	ترغیب المتلاقین فی المصافحة بالیدین	غیر مطبوع
۱۴۔	کحل العینین لمن لم یتبصر بقول الطرفین	غیر مطبوع
۱۵۔	الجام المتعنتین	غیر مطبوع
۱۶۔	دیوان تحفة ضیائی (مولانا اپنا تخلص ضیاء کرتے تھے)	غیر مطبوع

۹۔حکیم ابوالہدیٰ عبدالسلام بن شیخ خاں محمد بن شیخ امان اللہ بن شیخ حسام الدین مبارکپوری (ولادت بحسب تصریح تذکرہ علماء حال ۱۲۸۱ھ۔وفات:۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء)

آپ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔خاندانی موحد عامل بالحدیث تھے۔حافظ عبدالرحیم، مولانا حسام الدین، مولانا صاحب تحفة الاحوذی، حافظ عبداللہ غازی پوری سے اکتساب فیض کے بعد دہلی گئے۔وہاں مولانا عبدالحق ولایتی سے پڑھا پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے صحاح ستہ پڑھیں اور مولانا شیخ حسین عرب سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔قاضی محمد مچھلی شہری سے اجازت حدیث و مسلسل بالاولیہ حاصل کی اور طب وحکمت کی تعلیم حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنؤ اور دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد تاحیات درس وتدریس میں لگے رہے ۱۵ سال صادق پور پٹنہ میں، ۳۰ سال مئو جامعہ عالیہ عربیہ میں، چار سال سراج العلوم بونڈیہار گونڈہ میں، آخر میں دارالحدیث رحمانیہ آئے۔اور دہلی میں ہی گھنٹہ گھر کے سامنے ایک بدلگام گھوڑے کے نیچے دب کر شہید ہو گئے۔

آپ بے مثال عالم اور بے نظیر مدرس تھے، اچھے ادیب، مصنف، مورخ اور نقاد تھے، تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا بہت ہی صاف ستھرا اور نرالا انداز رکھتے تھے۔مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔''آہ! مولانا عبدالسلام مرحوم! مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم اور علوم کے مدرس تھے، مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر ہی پہلے۔(تراجم علماء حدیث ہند/۴۰۰)

اخبار اہل حدیث امرتسر میں جب سلسلہ تراجم علماء اہل حدیث شروع ہوا (یعنی ۳۰ اگست 1918ء لغایت ۱۷/ اگست ۱۹۲۲ء) اس میں تقریباً ۸۲/ علماء کے سوانح شائع ہوئے جن میں ثلث کے قریب آپ کے مساعی کا نتیجہ ہیں۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اثبات الاجازہ لتکرار صلوۃ الجنازہ، اردو ۲۸۔ اس میں تکرار صلوۃ جنازہ کا ثبوت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے دیا گیا ہے اور مخالفین کے اعتراض کا جواب بھی ہے۔ ۲۔ اسلامی تمدن، اردو۔ (۳) تصوف، اردو قلمی۔ (۴) سیرۃ البخاری اردو زبان میں اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ہے۔ اس کا عربی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ (۵) تاریخ منوال اردو۔

۱۰۔ مولانا عبدالغنی بن ملا حسام الدین۔ (ولادت: تقریباً ۱۲۹۲ھ وفات ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء)

آپ نے علمی ماحول میں آنکھ کھولی۔ والد محترم مولانا حسام الدین صاحب سے ان کی زندگی میں تعلیم حاصل کیا۔ ان کے ارتحال پر بڑے بھائی احد صاحب اور مولوی سلطان احمد سے پڑھا اور حافظ صاحب غازی پوری وعبدالمنان بقا غازی پوری سے کتب علوم حدیث وتفسیر پڑھی اور تکمیل کیا۔ بعد تکمیل مدرسہ فیض عام مئو میں ۱۰/ ۱۲ سال پڑھایا اور جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب رہے۔ منکسر المزاج اور کم سخن تھے۔ تلامذہ کے علاوہ کوئی تصنیف نہیں مل رہی ہے۔

۱۱۔ مولانا شاہ عبدالمجید بن شاہ مولوی کریم بخش بن مولوی محمد قاسم بن مولوی شاہ کمال مئوی۔ (ولادت تقریبا ۱۲۷۴ھ وفات ۱۳۵۱ھ)

آپ ایک علمی وروحانی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم جامعہ عالیہ عربیہ مئو ہی میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں مولانا عبدالعلیم رسول پوری، مولانا محمد فاروق چریا کوٹی اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی پھر مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے علم حدیث پڑھ کر سند لیا۔ اس کے بعد فن طبابت کی جانب متوجہ ہوئے اور ایک کامیاب طبیب بن کر نکلے۔

تکمیل کے بعد جامعہ مظہر العلوم بنارس میں اٹھائیس سال تک صدر مدرس رہے۔ وہاں سے الگ ہونے کے بعد دارالعلوم مئو کے ناظم ہوئے، ایک اچھے منتظم بھی تھے۔ آپ کے دور نظامت کو زریں دور کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حاذق طبیب بھی تھے، ان کے باوصف حکومت انگلشیہ کی جانب سے اعزازی مجسٹریٹ بھی تھے، روزآنہ متعدد مقدمات کا بہت بہترین فیصلہ کرتے تھے کہ دونوں فریق برضا واپس جاتے۔ اخیر عمر تک شاہی مسجد کٹرہ کے امام رہے۔

۱۲۔ مولانا حکیم ابوالمکارم محمد علی بن مولانا فیض اللہ مئوی (وفات: ۷/ رجب ۱۳۵۲ھ/ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

محلہ ڈومن پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ مولانا ملا حسام الدین سے کسب فیض کے بعد حافظ عبداللہ غازی پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں سے سند واجازت لینے کے بعد سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل کی۔ اس کے بعد سید عبدالحفیظ دہلوی سے طب وحکمت کی تکمیل کی، اس طرح آپ ایک حاذق طبیب کے ساتھ ماہر علوم کتاب وسنت تھے۔

تکمیل کے بعد آپ وطن واپس آگئے۔ صاحب ثروت تھے، اس لئے قلم کی آبیاری کے ساتھ آپ نے مال وزر سے بھی

مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ اہل حدیث کی مساجد کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ حیاۃ ابوالمکارم (غیر مطبوع) کے مولف مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی لکھتے ہیں: آپ کی زندہ جاوید یادگار میں تین چیزیں ہیں:

(۱) تصانیف: جنہیں آپ نے مناظرانہ طرز پر علماء احناف یا علماء اہل حدیث کے مقابل میں بعد تحقیق مسائل تالیف فرمایا۔ (۲) فتاوی: جن کے ذریعہ آپ نے خلق خدا کو راستہ دکھایا۔ (۳) مئوناتھ بھنجن کی جماعت اہل حدیث یعنی وہ توحید خالص اور سنت نبوی ﷺ کا پودا جسے آپ کے والد مولانا فیض اللہؒ (۱۳۰۶ھ) نے لگایا تھا اپنے خون جگر سے سینچا۔ جس شجرہ طیبہ کی روح پرور بہار میں ہم سانس لے رہے ہیں اور حسب بیان مولانا احمد صاحبؒ ناظم مدرسہ فیض عام مئو ''اگر مولانا ابوالمکارم نہ ہوتے تو مئو سے جماعت اہل حدیث کا جنازہ نکل گیا ہوتا۔'' (حیاۃ ابوالمکارم (غیر مطبوع)

آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

(۱) اقامة الدلائل علی سماع علقمة عن أبيه وائل، اردو صفحات ۶۔ (۲) فراسة المومنين فی رد هداية المنكرين۔ اردو صفحات ۶۰۔ (۳) الكواكب الدری فی رد الصلوة المشهوره بالقضاء العمری۔ اردو صفحات ۳۲۔ (۴) اظهار ابوذر الذی صدر عن مؤلف كشف الستر۔ اردو صفحات ۲۴۔ (۵) القول الماثور فی اثبات احاديث الصدور۔ اردو صفحات ۱۰۔ (۶) حدائق الازهار فی جواب الاشتهار۔ اردو۔ (۷) المشرب المختار بجواب لامع الانوار۔ اردو۔ (۸) المذهب المختار فی الرد علی جامع الآثار۔ اردو صفحات ۴۰۔ (۹) هداية الوریٰ الی اقامة الجمعة فی القری۔ اردو صفحات ۲۰۔ (۱۰) الجواب الاصوب عن مسئلة الخطبة بغير لسان العرب۔ اردو صفحات ۹۔ (۱۱) بياض بتائيد الجواب الأصوب، اردو قلمی بوسیدہ۔ (۱۲) بشارة الوری الی اقامة الجمعة فی القری، اردو قلمی ناقص صفحات ۴۷۔ (۱۳) التحقيق الحسن فی اثبات القميص فی الكفن، اردو صفحات ۱۲۔ (۱۴) القول المحلی بكل زين فی تائيد مسئلة رفع اليدين، اردو صفحات ۵۰۔ (۱۵) مطلع القمرين فی تائيد مسئلة رفع اليدين، اردو صفحات ۲۶۔ (۱۶) الرد المحبر علی المولوی عبدالبر۔ عربی صفحات ۶ قلمی (۱۷) تدقيق الاصفياء فی جواب تحقيق الاذكياء۔ اردو صفحات ۲۲۔ (۱۸) عمدة الحقيق فی اثبات الضحايا الی آخر ايام التشريق۔ اردو صفحات ۱۶۔ (۱۹) الابحاث السنية عن المقالة المرضية۔ اردو صفحات ۳۲۔ (۲۰) المباحث العلية المتعلقة بالابحاث السنية، اردو صفحات ۶۔ (۲۱) الخير الكثير فی انكاح الصغيرة والصغير، اردو صفحات ۱۶۔ (۲۲) طلاق ثلاثة فی مجلس واحد، اردو صفحات ۵۵۔ (۲۳) كشف الخطاء عن مسئلة البناء، اردو صفحات ۱۶۔ (۲۴) سفينة ابوالمكارم، اردو ناقص قلمی۔ (۲۵) الرد المجتبیٰ علی من احل فی الهند مسئلة الربوٰ، اردو قلمی، ناقص۔ (۲۶) القول الماثور فی اثبات احاديث الصدور، اردو صفحات ۱۰۔ (۲۷) لوامع الانوار فی تائيد دقائق الاسرار، اردو صفحات ۳۸۔ (۲۸) الجواب الاحسن عن الكلام المستحسن، اردو ۱۸۔ (۲۹) افادات الحنفاء فی الكذابين والضعفاء، اردو۔ (۳۰) كشف الغطاء، اردو۔ (۳۱) مجن المحمديه لردفئوس الحنفية، اردو ۱۲۔ (۳۲) عمدة القانون فی الرد علی

خیر الماعون، اردو/۱۶۔(۳۳)التحقیق المختار، اردو۔ (۳۴)بیاض بتائید التحقیق المختار (ناقص الطرفین) اردو/ ۱۴۔(۳۵)الجواب السدید عما اورد فی اوشحۃ الجید۔(ناقص) اردو/ ۵۶۔(۳۶)الاجوبۃ الفاخرۃ الفاضلۃ فی رد الرسائل العشرۃ الکاملۃ، اردو/ ۸۸۔شیخ فضل الرحمن گنج مرادآبادی کے ایک مرید نے دس چھوٹے چھوٹے رسالے (۱) شہر آفاق (۲) میخانۂ تصوف (۳) گنجینۂ فقر (۴) فیض رحمانی (۵) نشۂ عرفاں (۶) نسخۂ حکمت (۷) حسن معاملہ (۸) نور احمدی (۹) اسرار محبت (۱۰) نظر مرشد، لکھ کر استعانت لغیر اللہ، علم باطن، استعانت بالرسل، فاتحہ خوانی وغیرہ کو جائز قرار دیا تھا، یہ کتاب انہیں دس کتابوں کے جواب میں ہے۔(۳۷)الرسالۃ العادلۃ فی رد المقالۃ الکاملۃ، (ناقص) اردو صفحات ۳۲ قلمی (۳۸)أیسر المرام فی رد فوز الکرام، اردو قلمی (۳۹)شاہ امانت اللہ فصیحی غازیپوری کے خط غیر مطبوع پر بحث اردو صفحات ۸۔ (۴۰)الجواب السدید عن مقالات اہل التقلید اردو صفحات ۲۰۔(۴۱) تقریرات محققانہ بجواب سوالات دہ گانہ اردو صفحات ۸۔(۴۲)الجواب الاسنی عن مسئلۃ المصافحۃ بالید الیمنی اردو صفحات ۱۶۔(۴۳) الروض الازہر فی منافع الدھن الاحمر، اردو صحافت ۱۶۔(۴۴)زینۃ الجیش بخلافۃ القریش، اردو صفحات ۸۔(۴۵)نظم اللآلی فی احیاء اللیالی، اردو صفحات ۸۔(۴۶)البحث القوی عن سیرۃ النبی ﷺ۔اردو صفحات ۸۔ (۴۷)سیرۃ النعمان کا جواب اردو قلمی (۴۸) گوہر منظوم۔

۱۳۔ابوالعلیٰ بن عبدالرحیم بن شیخ حاجی بہادر رحمہ اللہ (ولادت: ۱۲۸۳ھ وفات: ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء)

آپ محلہ پورہ صوفی مبارکپور میں پیدا ہوئے۔قرآن شریف اورابتدائی عربی اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ ملا حسام الدین، مولانا فیض اللہ اور مولانا سلامت اللہ جیراج پوری سے استفادہ کے بعد چشمہ رحمت غازی پور گئے وہاں پانچ سال رہ کر حافظ عبداللہ غازی پوری اور مولانا محمد فاروق چریاکوٹی سے جملہ مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کی، شیخ حسین عرب یمنی اور شیخ محمد مچھلی شہری سے سند ''مسلسل بالاولیہ'' حاصل کیا۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حاصل کیا۔ اس طرح ۱۳۱۳ھ میں فراغت حاصل کی اور اسی سال مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور کی بنیاد رکھی۔

فراغت کے بعد تعلیمی وتدریسی مشغلہ شروع کیا۔ ابتداء آپ نے دارالتعلیم مبارکپور سے کی۔ پھر بلرام پور (گونڈہ) جواب خود ضلع ہے، گئے وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور کچھ دن رہے۔ پھر وہاں سے اللہ نگر ضلع بلرام پور میں ایک مدرسہ بنام فیض العلوم قائم کیا اور کچھ دن وہاں رہے۔ پھر کنڈؤ بونڈیہار میں سراج العلوم نام کا ایک ادارہ قائم کیا جہاں آپ کافی دنوں تک رہے۔ پھر وہاں سے مدرسہ احمدیہ آرہ گئے۔ پھر وہاں سے مدرسہ دارالقرآن والسنۃ کلکتہ گئے۔ وہاں چند سال رہے۔ مولانا کے تدریسی سفر کی یہ آخری منزل ہے اس کے بعد آپ کسی مدرسہ میں نہیں گئے، بلکہ تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔

آخری زمانہ میں موتیابند کی شکایت ہوئی۔ اور دونوں آنکھوں سے معذور ہوگئے۔ ۱۳۵۳ھ میں دہلی میں ایک آنکھ کا آپریشن کرایا جو کامیاب رہا۔ وطن واپسی کے بعد اختلاج قلب کی شکایت ہوئی اور بالآخر ۱۶/شوال ۱۳۵۳ھ کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

آپ کی یادگار آپ کی تصنیف کردہ کتابیں، فتاوی، قائم کردہ عربی مدارس اور وہ تلامذہ ہیں جو علوم وفنون میں یکتائے روزگار بنے

اوراپنے فیوض وبرکات سے تا قیامت روئے زمین کومنور کرتے رہیں گے۔ان شاءاللہ۔

آپ کی تصانیف یہ ہیں:

(۱)مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی۔عربی صفحات ۳۴۴۔(۲)تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، ۴ جلدیں۔عربی مجموعی صفحات ۱۶۲۶۔(۳)نورالابصار فی ثبوت اقامۃ الجمعۃ فی القریٰ، اردوصفحات ۸۰۔(۴)تنویر الابصار فی تائید نور الابصار، اردو۔(۵)کتاب الجنائز،اردوصفحات ۱۱۲۔(۶)القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید،اردوصفحات ۴۰۔(۷)تحقیق الکلام فی وجوب القرآۃ خلف الامام ،۲جلدیں اردوصفحات ۳۳۸۔(۸)رسالۃ عشر، اردو ۔(۹)رسالہ درحکم دعا بعد صلوۃ مکتوبۃ، اردو۔(۱۰) اعلام اھل الزمن من تبصرۃ آثار السنن، اردوصفحات ۱۳۔(۱۱)ابکار المنن فی تنقید آثار السنن،اردوصفحات ۸۔(۱۲)ضیاء الابصار فی ردتبرۃ الانظار،اردوصفحات ۸۔(۱۳)خیرالماعون فی منع الفرار من الطاعون ۲جلدیں۔ اردوصفحات ۸۶۔ (۱۴)الدر المکنون فی تائید خیرالماعون،اردوصفحات ۴۰۔ (۱۵)المقالۃ الحسنیٰ فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنیٰ، اردوصفحات ۳۲۔(۱۶) ارشاد الھائم الی اخصاء البھائم، اردو۔(۱۷)الوشاح الابریزی فی حکم دواء الانکلیزی،اردو۔(۱۸)شفاء العلل فی شرح کتاب العلل،عربی۔(۱۹) الکلمۃ الحسنیٰ فی تائید المقالۃ الحسنیٰ۔

ان کے علاوہ سنن ابی داوٗد کی شرح عون المعبود۔(شارح مولانا شمس الحق ڈیانوی) کی آخری دوجلدوں کی تکمیل میں آپ ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک چارسال شریک رہے۔آپ کے ساتھ قاضی یوسف حسین خان پوری ہزاروی اورمولوی محمد شاہ جہاں پوری بھی تھے۔مگر مولانا شمس الحق کوسب سے زیادہ اعتماد آپ پرتھا۔ان دونوں اصحاب سے اگرسہو ہوجاتا تواس کی اصلاح آپ سے کراتے۔مولانا شمس الحق عظیم آبادی نے فتاوی نذیریہ کے منتشر اوراق آپ کے حوالہ کردیے تھے،آپ نے بڑی دقت نظر سے اس کی ترتیب دی تھی۔(جوشیخ الکل میاں صاحب دہلوی کے نام سے ۲ جلدوں میں شائع ہوا ہے)اسی طرح آپ اپنے عالی مرتبت استاد مولانا عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ کے فتاوی ترتیب دے رہے تھے۔مگروقت موعود آپہنچا اور یہ کام ادھورا چھوڑ کرداعی اجل کولبیک کہا۔

۱۴۔ابوالفیاض نورمحمد بن محمد بن اسماعیل کوٹھا۔(ولادت تقریباً ۱۲۷۳ھ وفات:۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)

آپ محلہ قاسم پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔فارسی کی تعلیم میاں ولی اللہ اور میاں رمضان مئوی سے حاصل کی اوردرسیات مولانا ملاحسام الدین صاحب سے پڑھیں۔اس کے بعد غازی پور گئے۔وہاں حافظ غازی پوری اورمولانا عبدالعلیم رسول پوری وغیرہ سے فنون کی تکمیل کی اس کے بعد دہلی مولانا سیدنذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث پڑھی یہ ۱۲۹۶ھ کا دور ہے،اسی سال قاضی محمد شہری سے مسلسل بالاولیہ کی سندلی۔تکمیل کے بعد موضع کونٹر(موجودہ گیان پور)ضلع مرزاپور میں ۱۵ سال پڑھایا اس کے بعد حافظ غازی پوری کے مشورہ سے ڈیانواں، بہار گئے۔وہاں صاحب عون المعبود کے صاحبزادے کوایک سال تک پڑھایا۔ان کے علاوہ مدرسہ فیض عام مئو میں بھی ایک سال رہے۔اوربے شمار حضرات نے آپ سے استفادہ کیا۔

آپ نے ''فریاد مظلوم'' نام کی ایک مثنوی لکھی ہے جس میں مئو کے تاریخی ہنگامہ گئو لچھنی کا دلخراش تذکرہ کیا ہے۔ یہ واقعہ ۲۵ جون ۱۸۹۳ء/ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کو عین بقرعید کے دن پیش آیا تھا۔ اس میں مولانا نے اس ہنگامہ کا پورا نقشہ اور تاریخ بیان کر دی ہے۔

۱۵۔ حسان الہند مولانا ابو النعمان آزاد بن عبد الرزاق مئوی۔ (ولادت: ۱۲۹۵ھ۔ وفات: ۱۳۵۷ھ)

محلہ ڈومن پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ ملا حسام الدین سے کسب فیض کیا۔ ان کے ارتحال کے بعد حافظ غازی پوری، مولانا بقا غازی پوری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد حسن (مدرسہ جامع العلوم کانپور) سے استفادہ کیا اور پھر حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند و اجازت حدیث سے مشرف ہو کر واپس آئے۔ تکمیل کے بعد ۱۳۱۴ھ میں دربھنگہ میں درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد علامہ شمس الحق ڈیانوی کے ایماء سے آسن سول بنگال گئے پھر یہاں سے دار الہدیٰ کلکتہ گئے۔ اسی درمیان مئو میں پلیگ پھیلا اور آپ واپس آ گئے۔ اس میں آپ کے بھائی اور دو بیٹے شہید ہوئے تھے۔

آپ ایک لائق مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر و مصنف بھی تھے۔ بعض کتابیں لکھیں مگر نا تمام رہ گئیں: (۱) تفسیر القرآن نا تمام اردو (ابتدائی چار پارے تقریباً) (۲) ترجمہ طبقات ابن سعد، نا تمام اردو (حصہ سیرۃ النبی فقط) (۳) بحر الفرائض فارسی (۴) شرح قصیدہ بانت سعاد اردو مطبوع (۵) التحریر، اردو/۸ (یہ کتاب ضاد اور ظ کی بحث میں ہے)

ان کے باوصف شعر و شاعری میں درک حاصل تھا۔ بالخصوص استخراج مادہ ہائے تاریخ میں کمال حاصل تھا۔ ''تراجم علماء اہل حدیث ہند'' آپ نے مادہ نکالا تھا۔

۱۶۔ مولانا احمد بن ملا حسام الدین جمال الدین (عرف جمن) (ولادت: تقریباً ۱۲۹۰ھ۔ وفات ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء۔)

محلہ ڈومن پورہ مئو میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا حسام الدین سے استفادہ کے بعد مدرسہ جامع العلوم کانپور گئے وہاں تین سال رہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد اسحاق بردوانی، ملا مولانا محمد حسن سے استفادہ کیا۔ طالب علمی ہی کے دوران کافیہ اور شرح تہذیب وغیرہ پڑھاتے بھی تھے۔ پھر یہاں سے مدرسہ احمدیہ آرہ گئے اور حافظ عبد اللہ غازی پوری سے استفادہ کیا۔ پھر مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے سند فراغت لیا۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند گئے اور ۱۳۱۹ھ میں مکمل فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد حافظ غازی پوری کے ایماء سے مدرسہ محمدیہ کلیانی مظفر پور بہار میں تدریس شروع کی۔ دو سال بعد اہل مئو کے اصرار پر محلہ قاسم پورہ میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ اور پوری زندگی یہیں ختم کر دی، صرف بیچ میں دو سال کے لئے دار الحدیث رحمانیہ دہلی گئے تھے۔ بے شمار تلامذہ دکھائی پڑتے ہیں بالخصوص شیخ عبید اللہ رحمانی، مولانا عبد اللہ شائق بانی جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا محمد احمد مرحوم ناظم مدرسہ فیض عام مئو وغیرہ۔

آپ اپنے والد محترم کی طرح تمام مروجہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ بالخصوص حدیث اور فقہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

۱۷۔ مولانا ابو الحسن محمد صابر بن حافظ محمد اسماعیل بن شیخ بدھو مئوی۔ (ولادت تقریباً ۱۸۶۶ھ۔ وفات: ۱۹۴۹ھ)

مئو میں پیدا ہوئے، دار العلوم مئو اور مدرسہ عالیہ سے استفادہ کے بعد کانپور گئے اور وہیں تکمیل کی۔ تدریس کا سلسلہ دار العلوم سے

شروع کیا اور ایک عرصہ تک دار العلوم میں رہے پھر یہاں سے مدرسہ مظہر العلوم بنارس گئے۔ مولانا حبیب الرحمن مئوی، مولانا عبد اللطیف نعمانی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ تعلیم وتدریس آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی پسند نہیں کرتے تھے۔

درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی گہری دلچسپی تھی:

۱۔نظام الفوائد، فارسی قواعد، دوجلد۔ فارسی قواعد کو بہت سہل انداز میں سمجھایا ہے۔

۲۔شرح مقامات، مقامات حریری کی عبارتوں کی تشریح وتوضیح میں ہے۔

۱۸۔حکیم سلیمان بن داؤد بن بوا، (ولادت: ۱۲۹۴ھ)

محلہ مرزا ہادی پورہ مئو میں پیدا ہوئے، جامعہ عربیہ سے کسبِ فیض کیا، مولانا ابو النعمان آزاد کے ساتھیوں میں سے ہیں، اساتذہ میں ملا حسام الدین مئوی، حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولانا بقا غازی پوری، مولانا احمد حسن مدرس مدرسہ جامع العلوم کانپور اور حضرت میاں صاحب علیہم الرحمۃ ہیں۔ تکمیل کے بعد دار التکمیل مظفر پور بہار میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار گئے اور پھر واپس آکر عالیہ عربیہ میں اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔

۱۹۔ابو المعالی محمد علی بن میاں حسام الدین، (مشہور عالم ملا حسام الدین کے ہم نام) (ولادت: ۱۲۸۵ھ۔ وفات: ۱۳۵۳ھ۔ ۱۹۳۴ء۔)

مئو میں پیدا ہوئے اپنے والد سے استفادہ کیا، مولانا فیض اللہ مئوی اور دیگر اساتذہ سے مدرسہ عالیہ میں پڑھا۔ پھر میاں صاحب کے یہاں جاکر تکمیل کی۔ داناپور سے تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ کچھ دنوں تک بنگال کی ایک جمعیت کے لئے چندہ کی فراہمی کا کام کیا، اور بڑی امانت ودیانت سے کیا، تصنیف وتالیف کا جو بھی موقع ملا، اسے غنیمت سمجھا اور کئی کتابیں یادگار چھوڑیں:

(۱)نظم اللآلی بلطائف القرآن، اردو صفحات ۲۳۴ (۲) رسالہ مسواك، اردو صفحات ۵۶ (۳)الرافة المهداة فی تنقید مافی سبیل النجاة، ۴۸ صفحات اردو۔ (۴)اظهار الهفوات التی صدرت عن مؤلف ازالة الشبهات، اردو صفحات ۹۶ (۵) القول المحكم، اردو (۶)مصابیح ترجمہ رسالہ تراویح، اردو صفحات ۲۵ قلمی (۷)الاقوال المحققة فی رد جواز النكاح غیر المطلقة، اردو صفحات ۲۰ /قلمی (۸)صید البحر الملقب به "طیبات فیضی" اردو صفحات ۸۸ (۹)جامع المسائل، اردو صفحات ۲۱۸ قلمی (۱۰)ابراز الغمة من ترجمة كتاب السنة، اردو صفحات ۴۸ قلمی، (۱۱)البیان فی تحقیق الجلالة ودعوة الختان، اردو صفحات ۳۰ قلمی۔ (۱۲) تحریم الربو، اردو صفحات ۱۳۱۔ (۱۳)زلة فضل الرحمن فی تائید مذهب النعمان، اردو صفحات ۴۸ (۱۴) الانتباه فی تردید من جوز السجدة لغیر الله، اردو صفحات ۱۲ (۱۵)سفرنامہ حج فیضی الملقب به تواریخ حسنی، اردو صفحات ۸۸ (۱۶) تحفة حبیب ترجمة نالۂ حبیب، اردو صفحات ۲۶ (۱۷)تفریح المومنین فی مناقب الامام زین العابدین، اردو صفحات ۶۴ (۱۸)روداد جلسه اسلامیه سال چهارم مدرسه شمس الهدی دلال پور دمكا، اردو صفحات ۱۲۸، (۱۹)شرح طبقات ابن سعد ناقص۔

۲۰۔مولانا عبد بن شیخ محمد اکبر بن شیخ محمد علی بن شیخ مومن علی بن شیخ فقیر اللہ، (ولادت: رمضان ۱۳۲۲ھ وفات: ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ/ ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء)

حسین آباد مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد اور چچا سے دار التعلیم مبارکپور میں حاصل کی۔مولانا محدث مبارکپوری سے فیض یاب ہوئے پھر مدرسہ عالیہ مئوآئے، یہاں مولانا عبد السلام مبارکپوری اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔پھر دہلی مدرسہ حضرت میاں صاحب، پھاٹک حبش خاں گئے،اس درمیان مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے یہاں گئے مگر دوتین ماہ رہ کر واپس آگئے اور تکمیل دہلی میں کیا۔

تدریسی سلسلہ مدرسہ اسلامیہ برڈو یہار سے کیا۔پھر دار التعلیم مبارکپور، مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ اور مدرسہ محمدیہ دیوریا میں مدتوں تعلیم وتعلم سے تشنگان علوم کتاب وسنت کو سیراب کرتے رہے۔

مولانا محدث مبارکپوری جب موتیابند کی وجہ سے مکفوف البصر ہو گئے تو تحفۃ الاحوذی کی آخری دونوں جلدوں کی تبییض وغیرہ کے لئے آپ بھی تھے۔اسی طرح مقدمہ تحفۃ الاحوذی کے بیاض کو بھی آپ نے نہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق وکاوش سے مرتب کیا۔ اس کی وجہ سے آپ میں مزید علمی پختگی آگئی تھی۔آپ ایک کامیاب مصنف،مولف، اچھے مضمون نگار اور انشاء پرداز تھے۔آپ کی تصانیف یہ ہیں۔

(۱)شرح سنن ابن ماجه (ناقص)،(۲)ذم غناء ورقص وسرود (اردو قلمی)،(۳) تذکرة الاخوان بمنع شرب الدخان (اردو قلمی)،(۴)فقه حنفی پرایك نظر (اردو قلمی)،(۵)تائید حدیث بجواب تنقید حدیث (اردو مخطوطہ) (۶) شرف حدیث (اردو مخطوطہ)، (۷)شان حدیث (اردو مخطوطہ)، (۸)حق پرستی بجواب شخصیت پرستی (اردو قلمی)، (۹)الفتوحات الربانية (اردو قلمی)، (۱۰)احوال الصحابة (اردو قلمی)، (۱۱)التبیان لما یجب معرفته علی اهل الایمان (عربی)، (۱۲)خطبات السنة (۱۳)رساله مختصر بابت رفع یدین (۱۴)ترجمه رساله عبودیت (از امام ابن تیمیہ)، (۱۵)ترجمہ رساله ابن تیمیه (اس کا کوئی نام نہیں)، (۱۶) چهل حدیث (مع ترجمہ)،(۱۷)ترجمه حصن حصین (ناقص) (۱۸)رساله مختصر بابت تحقیق مسنّه۔

۲۱۔مولانا حکیم محمد بشیر بن عبد المجید بن حافظ بن عبد الوہاب (ولادت: ۱۹/ اکتوبر ۱۹۰۴ء/وفات: ۳۰ مئی ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ)

مبارکپور میں ولادت ہوئی۔ابتدائی تعلیم دار التعلیم مبارکپور میں حاصل کی، پھر دار الحدیث رحمانیہ دہلی گئے، وہیں سے فراغت ہوئی، فراغت کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ آئے۔طب، سرجری کے علاوہ سائنس کی تعلیم بھی حاصل کی۔پھر واپس آکر مبارکپور میں ہی مطب کیا جو کامیاب رہا، کچھ دنوں مدرسہ عالیہ مئو میں پڑھایا۔پھر دہلی سید نذیر حسین محدث دہلوی کے مدرسہ میں پڑھایا۔اس کے بعد دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں پڑھایا، اس کے بعد وطن آئے اور مطب کرتے رہے۔اخیر میں سیونی گئے، کئی سال تک پڑھاتے

رہے۔واپس مبارکپور آئے وہیں انتقال ہوا۔(خودنوشت سوانح حیات نیز ملاحظہ ہو: تراجم علماء حدیث ہند/ ۴۱۰)

یہ جامعہ عالیہ عربیہ کے ثمرات اور فیوض وبرکات کے چند نمونے ہیں، اس جامعہ کے مئوی فضلاء اور فیض یافتگان کو یہ شرف حاصل رہا کہ مشرقی یوپی بالخصوص مئو میں ان کے جہود مخلصہ سے احیائے سنت اور عمل بالحدیث کا چراغ روشن ہوا اور قبر پرستی، تعزیہ پرستی اور بدعات وخرافات پر کاری ضرب لگی۔

مراجع ومصادر

۱۔ روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو — طبع ۱۹۹۹ء

۲۔ روئیداد مدرسہ عالیہ عربیہ مئو — طبع ۱۳۸۰ھ

۳۔ تذکرۃ علماء حدیث ہند — ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی

۴۔ تذکرۃ علماء اعظم گڑھ — مولوی حبیب الرحمن اعظمی

۵۔ تذکرۃ علماء مبارکپور — قاضی اطہر مبارکپوری

۶۔ حیات شبلی — سید سلیمان ندوی

۷۔ جماعتِ اہل حدیث کی تصنیفی خدمات — مولانا محمد مستقیم سلفی

۸۔ تذکرۃ مولانا محمد احمد ناظم صاحب — مولانا محفوظ الرحمن فیضی

۹۔ نزہۃ الخواطر — مولانا سید عبدالحی لکھنوی

۱۰۔ افادات — مولانا محمد اعظمی

۱۱۔ افادات — مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی

۱۲۔ افادات — مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مدنی

۱۳۔ افادات — مولانا مفتی عبدالعزیز اعظمی

ماخوذ از (مطالعہ علوم الحدیث ۴۹۰ تا ۵۱۰)

❑❑❑

فیضی علمائے مئو کی خدمات حدیث

مولانا اقبال احمد محمدی فیضی

جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو کا اجمالی تعارف

جامعہ فیض عام یوپی کے مشہور علمی وصنعتی اور مسلم اکثریتی شہر مئو ناتھ بھنجن میں واقع ہندوستان کی ایک مشہور ومعروف قدیم دینی درس گاہ ہے، جس کا قیام آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مئو کے چند ارباب صدق وصفا کے بدست عمل میں آیا، جس کا نام مدرسہ اسلامیہ رکھا گیا اور اس کا افتتاح حضرت علامہ عبداللہ مئوی غازی پوری علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں ہوا اور اوّل اوّل مدرس شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے فیض یافتہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) مقرر ہوئے جن کی شان میں یہ کہنا زیادہ موزوں ہے۔''آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند''

اس لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام ہمارے بزرگوں کی مقدس اور بیش قیمت یادگار اوران کی کاوش وجانفشانی کا ایک بار آور شجر ہے اوران کے خلوص نیت کی بناء پر روز افزوں ترقی پذیر ہے۔ چنانچہ جامعہ فیض عام جو ابتداء جامع مسجد فیض عام کے حجروں سے عبارت تھا، آج اپنے مختلف شعبوں واداروں (جامعہ فیض عام، مدرسہ فیض عام نسواں، کلیۃ امہات المومنین) کو سمیٹے ہوئے پنچانوے کمروں پر مشتمل کئی ایک بلڈنگ کی شکل میں ہندوستان کے مشہور ومعروف مرکزی اداروں کی صف اول میں کھڑا ہے۔ مزید برآں عصری علوم وفنون کی تعلیم کے لئے ایک مسلم انٹر کالج اورلڑکیوں کے لئے فیض عام گرلس اسکول بھی اسی کے زیر انتظام ہے۔

جامعہ اپنے بلند معیار تعلیم اورحسن انتظام کے لئے مشہور ومعروف رہا ہے۔ اب تک اس قدیم مرکزی درسگاہ سے ہزاروں کی تعداد میں علماء وفضلاء اور حفاظ وقراء فیضیاب ہوکر ملک وبیرون ملک مختلف میدانوں میں نمایاں دینی وعلمی اور سماجی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ جماعت کا کوئی قابل ذکر مدرسہ ایسا نہیں ہے جہاں فیض عام کے فیض یافتہ اور فیضی علماء مدرسین نہ ہوں۔ اتنی بڑی تعداد میں علوم دینیہ کے اساتذہ ومدرسین اور دعاۃ پیدا کرنا جامعہ فیض عام کا امتیازی وصف ہے۔ اب تک اس سرچشمہ سے اتنی بڑی تعداد میں لوگ سیراب اور فیضیاب ہوئے کہ اب ان سب کا احصاء اور شمار کرنا ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔

ان میں بڑی تعداد نے مسند درس وتدریس کو زینت دے رکھی ہے اور یہ عموماً اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس کے فارغین میں کتنے ایسے ہیں جن کے زور بیان اور خطابت کا سکہ ہر طرف جما ہوا ہے، کتنے ایسے ہیں جو صاحب قلم اور اچھے انشاء پرداز ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو بحر شعر وسخن کے شناور ہیں، کتنے صاحب منبر ومحراب اور کتنے صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔

اس قدیم دینی، مرکزی درس گاہ اور عظیم الشان ادارے سے کثیر تعداد میں حفاظ، علماء، خطباء اور اساتذہ فیضیاب ہوکر ملک کے

گوشے گوشے میں دینی اور دنیاوی خدمات میں مصروف ہیں، خصوصاً ہمارے شہر مئوناتھ بھنجن میں غالباً کوئی خاندان اور کوئی محلہ اس کے فیض سے محروم نہیں ہے۔ شہر کے اکثر علمائے اہل حدیث جن کی تعداد بلاشبہ سینکڑوں سے متجاوز ہے، اسی فیض عام کے فیض یافتہ ہیں۔ لیکن بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند منتخب اہل علم کے نام نامی اور اسماء گرامی یہ ہیں:۔

● علامہ شیخ محمد احمد صاحب سابق ناظم اعلیٰ جامعہ فیض عام مئو ● حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضی بانی جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● علامہ حکیم محمد سلیمان صاحب رحمانی فیضیؔ ● مولانا ابوالوفاء محمد عظیم اللہ صاحب فیضیؔ بانی مدرسہ دارالحدیث سرسی (کرناٹک) ● مولانا محمد عمر فیضی نورانی موجد نورانی تیل ● مولانا قاری عبدالحنان صاحب فیضی ● مولانا محمد جمیل احمد صاحب فیضیؔ ● مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی سابق ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ● مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب فیض فیضی سابق صدر مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● مولانا عبدالحکیم صاحب فیضی مدرس جامعہ عالیہ عربیہ مئو وامیر جمعیت اہل حدیث مئو ● مولانا محمد الاعظمی صاحب فیضیؔ سابق صدر مدرس جامعہ عالیہ عربیہ مئو ● مولانا مختار احمد ندوی فیضی سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محمد مصطفیٰ اسد فیضیؔ ● عالمی شہرت یافتہ شاعر مولانا فیض الحسن فضا ابن فیضیؔ ● مولانا مشتاق احمد شوق فیضیؔ مدرس جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری فیضیؔ ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس ● مولانا محمد صالح فیضیؔ ناظم اعلیٰ جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ● مولانا مظہر احسن ازہری فیضی ناظم اعلیٰ جامعہ عالیہ عربیہ مئو ● ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازہری فیضی پروفیسر مسلم کالج لندن ● مولانا صفی الرحمن فیضی مبارکپوری امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی صدر مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ونائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اتر پردیش ● مولانا حافظ نثار احمد صاحب فیضی استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ● مولانا فصل الرحمن صاحب۔

کتب خانہ جامعہ فیض عام مئو:

کتب خانہ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں اسلامی علوم وفنون پر مشتمل ۱۶۰۰۰ کتابیں موجود ہیں۔

نظمائے جامعہ فیض عام مئو:

۱۔ مولانا محمد احمد صاحب ناظمؒ	۲۔ مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضیؔ
۳۔ مولانا شفیع احمد صاحب فیضیؔ رئیس مئو	۴۔ الحاج نثار احمد صاحب (کوٹھا) رئیس مئو

حضرت علامہ محمد عبداللہ صاحب شائق فیضیؒ

نام:	محمد عبداللہ محمد اسماعیل بن حاجی عبدالقادرؒ
تاریخ پیدائش:	۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۵/ جولائی ۱۸۹۲ء بروز شنبہ
تاریخ وفات:	۲۸/ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز جمعہ
اسانید وتخرج:	جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۳۱ھ

سند اجازہ روایت حدیث از: ● استاذ الاساتذہ علامہ حافظ عبداللہ صاحب محدث مئوی غازی پوریؒ ● شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب مئوی (بڑے مولوی صاحب) ● حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب بقاء غازی پوریؒ ● حضرت مولانا عبدالنور صاحب محدث مظفر پوریؒ ● حضرت مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلوارویؒ۔

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس پچپن سال ● بخاری و مسلم کا درس پینتیس سال ● مؤسس جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو ۱۹۵۴ء۔

مولانا شائقؒ اساطین علمائے مئو میں سے تھے۔ آپ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور تفسیر حدیث میں محدثانہ و محققانہ بصیرت رکھتے تھے۔ قوت حافظہ، ذکاوت و فطانت اور فراست بلا کی پائی تھی۔ اردو، فارسی اور عربی ادب میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ قادر الکلام اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ اردو اور عربی دونوں زبان میں شعر کہتے تھے۔ شائق تخلص تھا۔ تدریسی مشغولیات کی وجہ سے تصنیف و تالیف کا موقع نہ مل سکا۔ آپ کے اندر بہت اچھی تصنیفی صلاحیت موجود تھی۔ اس عدیم الفرصتی کے باوجود دو تین کتابیں لکھیں۔

تالیف: ا۔ ''الآثار المتبوعة لرد الاعلام المرفوعة'' (اردو) صفحات ۱۵۴، مطبوع: ثنائی پریس ۱۹۳۵ء

اس کتاب میں احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاق کا ایک طلاق رجعی ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی حنفی کے رسالہ ''الاعلام المرفوعة'' کے جواب میں ہے۔ جس میں مولانا اعظمی نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

۲۔ كتاب الصلاة: غیر مطبوع

۳۔ خطبۂ استقبالیہ: جسے آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ۱۹۲۷ء بمقام مئو ناتھ بھنجن پڑھا تھا۔

۴۔ نبی کی نماز: (اردو) مطبوع اس رسالہ میں نماز کے فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے سنت صحیحہ کے مطابق نماز پڑھنے کی ترکیب بتائی گئی ہے۔

مراجع: (۱) ماخوذ از خود نوشت سوانح ا (۲) تراجم علماء اہل حدیث ہند۔

حضرت مولانا ابو الوفا محمد عظیم اللہ فیضی مئویؒ

نام: محمد عظیم اللہ بن حافظ احمد بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ

تاریخ پیدائش: ماہ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ، بروز دوشنبہ تاریخ وفات: ۶/ اکتوبر ۱۹۹۳ء

اسانید و تخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام، مئو، ۱۹۳۸ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بڑے مولوی صاحب)

● حضرت علامہ عبداللہ شائق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص کام:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۳۱ سال ● آخری مرحلہ میں تقریباً بیس سال مسلسل صحیحین کی تدریس ● یکم فروری ۱۹۴۳ء کو مدرسہ دارالحدیث سرسی کا قیام آپ کے ہاتھوں ہوا۔

تالیفات:

کشف الظلام عن روایۃ الاعلام (اردو) ''صفحات ۲۰۰''

یہ کتاب بھی مولانا حبیب الرحمن اعظمی حنفی کے رسالہ ''الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ'' کے رد میں ہے۔ اس کتاب میں مولانا اعظمی کے دعوں کے بطلان پر دلائل فراہم کر کے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق رجعی ثابت کیا گیا ہے۔

مولانا کی دیگر تالیفات:

- العروۃ الوثقیٰ: شرک اور قدیم وجدید بدعات کی تردید میں/قلمی
- نہج الصحابہ: صحابہ کرام کے تمسک بالسنۃ اور طریقہ استدلال میں/قلمی، صفحات ۱۲۰
- برہان عظیم: بوقت دعا کندھے تک ہاتھ اٹھانے کی ہیئت شرعی میں/مطبوع، صفحات ۳۴

(ماخوذ از خودنوشت سوانح)

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضیؔ مئویؒ

نام: حبیب الرحمن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدینؒ

تاریخ پیدائش ۱۹۲۰ء تاریخ وفات: ۳۰/نومبر ۱۹۹۶ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۹۳۸ء

سند اجازۃ روایت حدیث از: شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص کام:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۵۳ سال مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں

● بخاری ومسلم کا درس ۲۹ سال تک مسلسل ● بخاری ومسلم پڑھنے والے شاگروں کی تعداد سات سو

● جامعہ فیض عام کی نظامت ۱۴ سال و منیجر مسلم انٹر کالج مئو ● کلیہ امہات المومنین کا قیام ۱۹۹۱ء میں

تالیفات:

۱۔ حدیث افک: بجواب مولانا شبیر احمد ازہر میرٹھی

مولانا میرٹھی نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بنام ''مفتاح القرآن'' لکھی جس میں سورۂ نور کی تفسیر کے ضمن میں حدیث افک کو بھی انہوں نے موضوع سخن بنایا اور اسے ایک اختراعی داستان قرار دیا، نیز تاریخی واقعات، قرآنی آیات اور احادیث کی تعبیر وتشریح سے

ایسا ہیولیٰ قائم کیا کہ حقائق کا صحیح علم نہ رکھنے والوں کے لئے حدیث افک اساطیر الاولین کا مصداق بن جاتی ہے۔موصوف کے اعتراضات کا جواب اوران کے دلائل کا معقول تجزیہ کر کے بڑے اچھے انداز میں اس کا رد کیا ہے، جو ماہنامہ ''التوعیۃ'' نئی دہلی میں قسط وار فروری ۱۹۹۳ء تا جولائی ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

۲۔رکعات تراویح کا جواب (اردو) قلمی

یہ کتاب مولانا حبیب الرحمن اعظمی حنفی کی کتاب ''رکعات تراویح'' کے جواب میں ہے۔اس میں بیس رکعات تراویح کے تمام دلائل کو باطل قرار دیتے ہوئے آٹھ رکعات تراویح کو سنت ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔نماز کی پہلی ودوسری کتاب (اردو)، ۴۔فتاوے

مولانا موصوف نظامت کے ساتھ ساتھ شعبہ افتاء کی بھی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔آپ کے فتاوے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔آپ جس موضوع پر لکھتے اس کا حق ادا کر دیتے۔یہ فتاوے اس وقت زیر ترتیب ہیں۔

حضرت مولانا مفتی فیض الرحمن صاحب فیض فیضی مئوی

نام: فیض الرحمن بن احسان اللہ بن مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدینؒ

تاریخ پیدائش: ۱۵/شعبان ۱۳۲۷ھ وفات: ۱۹۹۶ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو، ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء

سند اجازۃ روایت حدیث از: ● شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب) ● مولانا عبداللہ شائق مئوی ● مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ ● شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

علمی تجربات اور خاص خاص کام

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس انتالیس (۳۹) سال ● بخاری شریف کا درس بیس سال

تالیفات:

ا۔ چالیس حدیثیں (اردو) صفحات ۲۳/مطبوع: رحمانی پریس الہ آباد ۱۹۷۵ء، خرید وفروخت سے متعلق چالیس احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب۔

۲۔قرۃ العین باحادیث رفع الیدین (اردو) صفحات ۸۵، مطبوع سٹی پریس دہلی ۱۹۸۷ء،

یہ کتاب علمائے احناف کے اس فتویٰ کا جواب ہے جس میں ان لوگوں نے احادیث رفع الیدین کا منسوخ ہونا ثابت کیا ہے۔

دیگر تالیفات:

● الجواب السداد (اردو صفحات، مطبوع کوہ نور پریس، دہلی۔

تفسیر ثنائی پر مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی کے اعتراضات کا مدلل جواب۔

● قربانی: (اردو) صفحات ۸۸ مطبوع: تاج آفسٹ پریس الہ آباد۔

اس کتاب میں ذی الحجہ اور قربانی کے منتخب مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔

● حیات وممات: حصہ اول (اردو) صفحات ۸۰ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۴۰۶ھ۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی اور موت کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

● آئینہ تحقیق: (اردو) صفحات ۴۰ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۴۰۳ھ۔

جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بھینس قربانی کا جانور نہیں ہے، اس کو گائے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے بھینس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

● انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا: (اردو) حالت روزہ میں انجکشن کے جواز سے متعلق۔

● فتاوے: مولانا ایک زمانے تک جامعہ اثریہ دارالحدیث کے شعبہ افتاء میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے اور مختلف موضوعات پر کتاب وسنت کی روشنی میں فتاوے لکھتے رہے۔ جواب زیر طبع ہے۔ (ماخوذ از خود نوشت سوانح)

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب فیضیؔ مئوی رحمہ اللہ

نام: عبدالحکیم بن مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ۔ تاریخ پیدائش: ۱۹۱۹ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۵۹ تاریخ وفات: ۲۰۰۳ء

سند اجازۃ روایت حدیث از: ● شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) رحمۃ اللہ علیہ ● علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی تجربات اور خاص خاص کام:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۴۴ سال سے جاری ہے۔

اس مدت میں آپ نے حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کا درس دیا ہے۔

تالیف:

۱۔ نقوش صحابہ: (اردو) صفحات: ۳۶ مطبوع افضل نعیمی پریس مئو ۱۹۹۱ء

اس رسالہ میں کچھ ایسے پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیحت آموز اور سبق آموز واقعات قلمبند کیے گئے ہیں، جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا بے حد شوق اور جذبہ رکھتے تھے اور آپ کے فرمودات کی تعمیل علت اور سبب معلوم کیے بغیر بجالاتے تھے۔

حضرت مولانا شیخ محمد الاعظمی فیضیؔ مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: محمد بن مولانا عبدالعلی بن شیخ عبداللہ

تاریخ پیدائش: ۲۴/ اکتوبر ۱۹۳۳ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● شیخ الکل مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ● علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۴۱ سال ● ۲۳ سال تک مسلسل صحیحین کا درس دیا

● ۱۴ سال تک جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے نائب ناظم رہے۔

تالیفات:

۱۔ آداب زواج: (اردو) صفحات ۱۵۰ مطبوع ۱۹۸۴ء یہ کتاب تحفۃ العروس اور آداب زفاف کے طرز پر لکھی گئی ہے جس میں مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی کے صحیح رہنما اصول بیان کئے ہیں۔

۲۔ کائنات کا آغاز وانجام: اسلامی نقطۂ نظر سے، صفحات ۱۶۳/مطبوع سلفیہ پریس بنارس ۹۷ء اس کتاب میں کائنات کے آغاز وانجام سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں بڑی مدلل بحث کی گئی ہے اور خاص طور پر علامات قیامت سے متعلق احادیث صحیحہ کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے۔

دیگر تالیف:

● نماز ماثور: (اردو) صفحات ۶۴ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس مئو ۱۹۹۶ء اس رسالہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نماز کا صحیح ترین اور مستند بیان قلم بند کیا گیا ہے۔ ● مستند دعائیں: (اردو صفحات ۳۲ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس مئو ۱۹۹۷ء اس مختصر رسالہ میں ان دعاؤں کا انتخاب ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور دن رات کی دعا واذکار میں اعلیٰ وآسان تر ہیں۔ ● دین کیا ہے: (اردو) صفحات ۱۶۔ مطبوع اسرار کریمی پریس الہ آباد ۱۹۶۳ء یہ رسالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے رسالہ ''الدین وشروط الصلاۃ'' کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ ● شریعت اور عادت کی قابل توجہ باتیں (اردو) صفحات ۸۔ ناشر جامعہ عربیہ مئو۔ ● نقوش شیخ رحمانی: (اردو) صفحات ۲۷ مطبوع سرفراز پریس مئو ۱۹۹۴ء۔

مولانا موصوف کے نام حضرت علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کا مجموعہ۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب فیضیؔ ندوی مئوی

نام: مختار احمد بن حاجی محمد ضمیر

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۵۰ء

سند اجازہ روایت حدیث از:

● شیخ الکل علامہ محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب)

● علامہ عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام/خدمات:

● مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی امارت ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۸ء ● مدیر: الدار السّلفیہ ممبئی ● صدر: ادارہ اصلاح المساجد ممبئی ● صدر: محمدیہ ایجوکیشنل سوسائٹی ممبئی ● صدر: محمدیہ ویلفیئر سوسائٹی ممبئی ● جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کا قیام ● عالیہ جنرل ہاسپٹل کا قیام ● کلیۃ فاطمۃ الزہراء الاسلامیہ مئو کا قیام ● نائب صدر: مسلم پرسنل لا بورڈ ● ملک بھر میں بے شمار مساجد کی تعمیر ● رکنیت: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کورٹ کی رکنیت ● نگران اعلیٰ ماہنامہ مجلہ البلاغ ممبئی ● محمدیہ طبیہ کالج منصورہ مالیگاؤں کا قیام۔

تالیفات:

۱۔ شعب الایمان للبیھقی: جلد ۷ تا ۱۷، تحقیق اور تخریج (عربی)

مولانا موصوف کی علمی و تصنیفی خدمات میں سب سے اہم حدیث کی مشہور و معروف کتاب ''شعب الایمان للبیھقی کی تحقیق و تخریج ہے، ندوی صاحب نے اس کتاب کو شائع کر کے خدمات حدیث میں ایک نمایاں کام انجام دیا ہے۔ جس کے لئے مولانا کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے۔

۲۔ نصیحة المسلمین باحادیث خاتم المرسلین: (اردو) صفحات: ۲۱۶ مطبوع: الدار السّلفیہ ممبئی ۸۰ء

یہ کتاب مجموعہ نصیحت المسلمین باحادیث خاتم المرسلین تالیف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ جس میں مکارم اخلاق وفضائل اعمال صالحہ کے متعلق رسول ﷺ کی سات سو چودہ صحیح احادیث کا پاکیزہ انتخاب ہے۔ یہ کتاب شیخ موصوف کی ان لاجواب اور عمدہ ترین کتابوں میں شامل ہے جس سے ملت اسلامیہ کو بڑا فیض پہنچا، شیخ نے اس کتاب کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ مکارم اخلاق وفضائل اعمال صالحہ سے متعلق صحاح ستہ کی اکثر متداول و معروف حدیثیں اس مجموعہ میں آ گئی ہیں اور مسلمانوں کی زندگی کے وہ تمام گوشے سما گئے ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

۳۔ اوضح المسالك الی احكام المناسك: (اردو) صفحات ۲۶۴

یہ کتاب شیخ عبدالعزیز محمد السلمان کی کتاب ''اوضح المسالک فی احکام المناسک'' کا بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس میں انتہائی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ حج کے تمام ارکان ومسائل اور آداب کو سمیٹ کر عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

۴۔ اسلام اور مسائل جاہلیت: (اردو) صفحات ۱۸۴۔

یہ کتاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی کتاب ''مسائل الجاهلية التى خالف فيها رسول الله ﷺ اهل الجاهلية'' کا اردو ترجمہ ہے۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے ان جاہلی مسائل کو قرآن کے صفحات سے نقل کر کے نہایت مناسب ترتیب کے ساتھ جمع فرمادیا تھا، جسے علامہ شیخ محمود شقری آلوسی نے اپنی جامع تشریح کے ذریعہ ایک مفصل کتاب کی شکل دے دی۔ یہ کتاب تصحیح عقائد میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

۵۔ ذکر الٰہی: (اردو) صفحات ۲۳۷۔

یہ کتاب علامہ ابن القیمؒ کی کتاب ''الوابل الصیب من کلم الطیب'' کا آسان اردو ترجمہ ہے اس میں تزکیہ نفس اور تصوف کے سلسلے میں محدثین اور سلف صالحین کے حقیقی نقطۂ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف کی تصنیفی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ہر ایک کا بیان کرنا یہاں ممکن نہیں ہے۔ چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:
● رسائل الشیخ عبداللہ بن زید المحمود (اردو صفحات مجموعی: ۲۷۹ ● التوحید (اردو) صفحات ۱۲۲ ● النبی الامی: (اردو) صفحات ۲۲۴۔ ● محمد بن عبدالوہابؒ (اردو) ص ۱۹۲۔ ● محاسن اسلام: (اردو ترجمہ) صفحات: ۸۸ ● اسلام کے صحیح عقائد اور اس کے نواقض: (اردو ترجمہ) صفحات: ۶۴ ● قربانی کے فضائل ومسائل: تالیف: اردو صفحات ۳۰۔ ● مشروع اور ممنوع وسیلہ کی حقیقت: (اردو ترجمہ) صفحات: ۳۳۶۔ ● خطبات محمدی، کامل پانچ حصے: تصحیح وتقدیم۔ اردو ● الدار السّلفیہ ممبئی۔ اسلامی علوم وفنون کی نشر واشاعت میں اس ادارے نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اس ادارے سے سیکڑوں کتابیں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں تفسیر احسن البیان، شعب الایمان للبیھقی ۱۷ جلدیں، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵ جلدیں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مختار احمد صاحب اختر فیضیؔ مئوی

نام: مختار احمد بن حافظ عبدالعزیز بن عبدالرشید

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۴ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۳۶۳ھ

سند اجازہ روایت حدیث از:

- شیخ الکل حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (بڑے مولوی صاحب)
- علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانؔی مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خاص خاص کام

- عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۳۹ سال۔ ● فن خطاطی میں مہارت۔

تالیفات:

۱۔ مقدمہ مشکوۃ المصابیح: (اردو) صفحات ۳۲، مطبوع افضل نعیمی پریس مئو۔

دیگر تالیفات:

۲۔ تعلیم الفرائض: (اردو) صفحات ۸۸، افضل نعیمی پریس مئو، اس رسالہ میں علم فرائض کے عام مسائل ذکر کرنے کے بعد ترکہ تقسیم کرنے کے طریقے مع مثال درج کیے گئے ہیں۔ ۳۔ المتن الکافی فی شرح البیضاوی: حصہ اول: اردو صفحات ۱۴۴ مطبوع سرفراز آفسٹ پریس مئو۔ تفسیر بیضاوی کا ترجمہ وتشریح بامحاورہ اردو زبان میں حصہ اول میں صرف سورہ فاتحہ کا بیان ہے۔ ۴۔ المتن الکافی شرح التفسیر البیضاوی: حصہ دوم (اردو صفحات ۲۲۴)

صرف سورہ بقرہ کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔

۵۔تعلیم العقائد: (اردو) غیر مطبوع ۶۔شرح عقائد نسفی کی تشریح

۷۔تعلیم المسائل: (اردو) غیر مطبوع

اس رسالہ میں قطبی اور شرح تہذیب کے مشکل مسائل آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری فیضیؔ مئوی رحمہ اللہ

نام: مقتدی حسن بن حاجی محمد یٰسین بن محمد سعید

تاریخ پیدائش: ۸/اگست ۱۹۳۹ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۶۰ء ڈاکٹریٹ: مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سند اجازۃ روایت حدیث از:

● مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ ● مولانا حبیب الرحمن صاحب فیضیؔ مفتی جامعہ فیض عام مئو۔ ● مولانا محمد عبداللہ صاحب شائق رحمۃ اللہ علیہ۔

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم کی تعلیم وتدریس ۳۲ سال، دوسال جامعہ فیض عام اور ۳۰ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں۔ ● وکیل الجامعہ السّلفیہ بنارس ● ایڈیٹر عربی ماہنامہ ''صوت الامۃ'' بنارس ● رکن مجلس عاملہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ● رکنیت مسلم پرسنل لاء بورڈ ● رکنیت کورٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ● رکنیت رابطہ ادب اسلامی ہند۔

تالیفات:

۱۔ تخریج احادیث بھجۃ المجالس لابن عبدالبر قرطبی: الجزء الثانی (عربی)

مع فہرست صفحات ۷۰۰ غیر مطبوع

ستاون ابواب پر مشتمل یہ کتاب علم المحاضرہ جس میں رزق، اخلاق، آداب مجلس، جوانی، بڑھاپا، موت اور زندگی، دعا اور مختلف ابواب کے تحت زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ علامہ قرطبی ہر باب کے تعلق سے پہلے آیت کا پھر حدیث اور اس کے بعد اقوال اور اشعار کا ذکر فرماتے ہیں احادیث کی تحقیق میں ڈاکٹر صاحب نے کافی عرق ریزی کی ہے۔ اس کے پہلے حصے کی تحقیق ڈاکٹر ظہور الحق ٹانڈوی نے کی ہے۔ لیکن پوری کتاب کی فہرست ڈاکٹر ازہری صاحب نے مرتب کی ہے۔

دیگر تصنیفات:

● فتح المنان بتسهيل الاتقان: (عربی) صفحات ۲۵۳: مطبع سلفیہ پریس بنارس۔

یہ کتاب علامہ سیوطی کی کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' کی تلخیص ہے اس میں مناہل العرفان وغیرہ سے بعض مفید مباحث

کا اضافہ اور ضمیمہ میں کتب تفسیر کا تعارف ہے۔

● مسئلة حيات النبى ﷺ (عربی) صفحات ۵۸ جامعہ سلفیہ بنارس۔

یہ کتاب مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ کے رسالہ کا عربی ترجمہ ہے اس میں بعد الموت انبیاء کی حیات کی نوعیت پر مدلل روشنی ڈالی گئی ہے۔

● النظام الالٰهى للرقى والانحطاط: (عربی) صفحات ۱۶۲۔ دار الصحوة للنشر والتوزيع القاهرة ۱۴۰۹ھ۔

یہ کتاب مولانا تقی امینی کی کتاب "عروج وزوال کا الٰہی نظام" کا عربی ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تالیفات وتحقیقات کی فہرست درج ذیل ہے۔

(الف) تالیفات وتصنیفات

● تأريخ الادب العربى (أجزاء) اردو۔ ● نظرة الى مواقف المسلمين من احداث الخليج۔ (عربی) ● موقف الاسلام من المرأة (اردو) ● منصور الفقيه: حياته وشعره۔ (عربی) ● مشكلة المسجد البابرى فى ضوء التاريخ والكتب المعاصرة۔ (عربی) ● حقيقة الادب ووظيفته (عربی) ● الثقافة الاسلامية والمسلمون۔ ● مسئولية الشباب المسلم فى العصر الحاظر۔

(ب) تحقیق، تعلیق اور تہذیب:

● تحقيق الجزء الثانى من كتاب بهجة المجالس للحافظ ابن عبدالبر القرطبى رحمه الله مع الفهارس الكاملة للكتاب بجزئيه- ● تعليق وتقديم لكتاب حصول المامول للنواب صديق حسن خان رحمه الله- ● فتح المنان بتسهيل الاتقان للسيوطى رحمه الله- ● أزمة الخليج فى ميزان الشرع والعقل-

(ج) اردو اور فارسی سے عربی تراجم

● قضايا كتابة التاريخ الاسلامى وحلولها للدكتور محمد يأسين مظهر صديقى۔ ● رحمة للعالمين للعلامة القاضى محمد سليمان المنصور فورى رحمه الله (۱۳ اجزاء) ● قرة العينين فى تفضيل الشيخين للشاه ولى الله الدهلوى رحمه الله۔ ● الاسلام تشكيل جديد للحضارة للشيخ محمد تقى الامينى رحمه الله۔ ● بين الانسان الطبيعى والانسان الصناعى للشيخ محمد تقى الامينى رحمه الله۔ ● عصر الالحاد: خليفة التاريخية وبداية نهايته للشيخ محمد تقى الامينى رحمه الله۔ ● النظام الالهى للرقى والانحطاط للشيخ محمد تقى الامينى رحمه الله۔ ● مسئلة حياة النبى ﷺ فى ضوء الادلة الشرعية۔ ● زيارة القبور وحكمها۔ ● النصرانية الحاضرة فى ضوء التاريخ والبحث العلمى للدكتور مصلح الدين الاعظمى- ● الشيوعية والاسلام فى ميزان العقل۔ ● حركة الانطلاق الفكرى وجهود الشاه ولى الله للشيخ محمد اسماعيل السلفى رحمه الله۔ ● حجية الحديث الشريف للشيخ محمد اسماعيل السلفى رحمه الله۔

(د) عربی سے اردو تراجم

● اقتضاء الصراط المستقيم لشيخ ابن تيمية رحمه الله۔ ● مختصر زاد المعاد لشيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب رحمه الله۔ ● اصلاح المساجد للشيخ محمد جمال الدين القاسمى رحمه الله۔ ● أنا للاستاذ عباس محمود

العقاد۔ ●فی ظلال الرسول ﷺ للدکتور عبدالحلیم عویس۔ ●سقوط ثلاثین دولة للدکتور عبدالحلیم عویس۔

(ھ) عربی زبان میں مقالات

۱۔	بدایة	مجلة صوت الجامعة ببنارس	۱۹۶۹م
۲۔	نظرة الی الاشتراکیة	مجلة صوت الجامعة ببنارس	۱۹۶۰م
۳۔	مکائد الیهود	//	//
۴۔	الادب الفارسی فی عهد أورنگزیب	//	//
۵۔	الاقتصاد فی الاسلام	//	//
۶۔	لماذا لانحکم الکتاب	//	//
۷۔	لن یستقر السلام الا بالاسلام	//	//
۸۔	فی الطریق	//	//
۹۔	شهر محرم والمسلمون	//	۱۹۷۱م
۱۰۔	فی التربیة الخلقیة	//	//
۱۱۔	الواجب المقدس	//	//
۱۲۔	الحضارة الغربیة: بدایتها ونهایتها		۱۹۷۲م
۱۳۔	صراع بین الحق والباطل	//	//
۱۴۔	مکانة الانسان ومسئولیته	//	//
۱۵۔	کیف نودی المسئولیة	//	//

ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازھری فیضی مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ

نام: عبدالعلی بن حاجی عبدالحمید بن مولانا حامد بن شہیدؒ

تاریخ پیدائش: ۸ جون ۱۹۴۳ء

ڈاکٹریٹ: احمد بیلو یونیورسٹی نائجیریا ۱۹۷۲ء۔ موضوع: تفسیر

سند اجازہ روایت حدیث از:

- مولانا محمد احمد صاحب (بڑے مولوی صاحب) ● مولانا شمس الحق صاحب سلفی
- مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی واسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس چھبیس سال سلسلہ تا حال جاری ہے۔

● چیف ایڈیٹر: اسٹریتھ پاتھ (صراط مستقیم کا انگلش ایڈیشن) برمنگھم ۱۸ ماہ۔ ● پروفیسر مسلم کالج لندن۔

تحقیقات وتالیف:

۱۔ تحقیق شعب الایمان للبیہقی: (۱۔۷) جلد کی تحقیق، صفحات مجموعی: ۱۱۶۸۔

ڈاکٹر موصوف کی علمی وتحقیقی خدمات میں اہم کام حدیث کی مشہور ومعروف کتاب ''شعب الایمان للبیہقی'' کی تحقیق وتخریج ہے۔ڈاکٹر صاحب نے محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے ساتھ اولاً پوری کتاب کی تحقیق فرمائی اور اس کے متعدد نسخے جو دستیاب ہوئے ان کے درمیان مقابلہ اور مقارنہ کا محنت طلب مرحلہ، بخوبی طے کیا ہے اور اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا جیسا کہ بعض مشہور ''محققین'' نے کتب احادیث کی تحقیق میں کیا ہے بلکہ ڈاکٹر صاحب نے احادیث کی علمی وفنی تخریج اور تحقیق فرمائی ہے۔اسانید پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔احادیث پر حکم بھی لگایا ہے نیز غریب الحدیث کی بھی حسب ضرورت تشریح وتوضیح فرمائی ہے۔اس طرح یہ کتاب علمی وتحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ماخذ ومرجع کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔

۲۔ تحقیق کتب الامثال لابی الشیخ الاصبھانی (عربی) صفحات ۵۳۲۔

یہ کتاب امام حافظ ابوشیخ اصبہانی کی کتاب ''کتاب الامثال'' کی احادیث کی تخریج ہے۔

۳۔ تحقیق کتاب أمثال الحدیث للرامھرمزی (عربی)

یہ کتاب علامہ رامہرمزی جوکہ بلند پایہ ادیب تھے کہ کتاب ''کتاب امثال الحدیث'' کی تحقیق وتخریج ہے۔

۴۔ تحقیق کتاب الزھد لابن ابی عاصم (عربی)

یہ کتاب علامہ ابن ابی عاصم کی کتاب ''کتاب فیہ شئی من ذکر دنیا وفیہ حفظ اللسان والصحة'' کی تحقیق ہے جس کا نام ٹائٹل پر ''کتاب الزھد'' چھپا ہوا ہے۔

۵۔ تحقیق تفسیر سورۃ الاخلاص (عربی) صفحات ۲۵۸۔

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ الاخلاص کی تصحیح اور تخریج وتعلیق پر مشتمل ہے۔

۶۔ تحقیق تفسیر سورۃ النور (عربی) صفحات ۲۴۴۔

اس کتاب میں علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ النور کی تصحیح وتخریج کی گئی ہے۔

۷۔ تحقیق تفسیر الآیۃ الکریمۃ (عربی) صفحات ۳۵۔

علامہ ابن تیمیہ نے مشہور آیت ''لاالہ الا انت'' الخ کی دلنشیں ومفید تفسیر کی ہے۔ڈاکٹر موصوف نے اس رسالہ کی تصحیح وتحقیق فرمائی ہے۔یہ تمام کتابیں الدار السّلفیہ بمبئی سے چھپی ہیں۔

حضرت علامہ مولانا صفی الرحمن صاحب فیضی مبارکپوریؒ

نام: صفی الرحمن بن عبداللہ بن محمد اکبرؒ تاریخ پیدائش: ۶/ جون ۱۹۴۳ء

اسانید وتخرج: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۶۱ء دکتورہ اعزازی: جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ۱۹۸۱ء

- سند اجازۃ روایت حدیث از علامہ شیخ الحدیث عبیداللہ الرحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ۔
- سند اجازۃ روایت حدیث از مولانا شمس الحق صاحب سلفی رحمہ اللہ۔
- سند اجازہ روایت حدیث از مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ۔

علمی تجربات اور خدمات:

- عربی اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس ۲۴ سال۔
- دس سال ہندوستان کے مختلف عربی جامعات میں اور چودہ سال جامعہ سلفیہ بنارس میں جس میں سات سال صحیح بخاری کی تدریس بھی شامل ہے۔
- ماہنامہ ''محدث'' اردو بنارس کی ایڈیٹرشپ از ابتداء ۱۹۸۲ تا ۱۹۸۸ء۔
- مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے تحت سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تیاری میں اشتراک از ۱۴۰۹ھ تا ۱۴۱۸ھ۔
- امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ • مناظرہ بجرڈیہہ بنارس ۱۹۷۸ء۔ • پہلی بین الاقوامی سیرت نگاری کانفرنس امریکہ میں رابطہ عالم اسلامی کی نمائندگی۔ • رکنیت دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ۔

تالیفات: (عربی)

۱۔ اتحاف الكرام تعليق بلوغ المرام لابن حجر عسقلانی (عربی) صفحات ۴۸۰۔

یہ کتاب متعدد بار طبع ہوچکی ہے اور ملک وبیرون ملک کافی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے اس کتاب کی تعلیق پر فن حدیث کے جوہر دکھاتے ہوئے مندرجہ ذیل امور پر کافی عمدہ بحث کی ہے۔

• الفاظ حدیث کی تعبیر وتشریح • حدیث کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویل یا تحریف کی گئی ہے اس کی نشاندہی کیے بغیر ایسی تشریح کی ہے کہ تاویل وتحریف کی تردید ہوجائے۔ • اسانید پر بقدر ضرورت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ • عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دی گئی ہے۔ • اور متعدد جگہ ایسی تشریح کی گئی ہے کہ جو کسی اور جگہ ملنا مشکل ہے۔

۲۔ الرحيق المختوم: اس کتاب نے عالمی مقابلہ سیرت نویسی میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے پہلا انعام حاصل کیا، میری معلومات کی حد تک حسب ذیل زبانوں میں اس کے ترجمہ ہوچکے ہیں۔ (۱) اردو، (۲) انگریزی، (۳) فارسی، (۴) ہندی، (۵) بنگالی، (۶) بوسنوی، (۷) ترکستانی، (۸) جنوب افریقی، (۹) صومالی، (۱۰) فرانسیسی، (۱۱) گجراتی، (۱۲) ملیالم، (۱۳) البانی۔ (اور دیگر زبانیں)

۳۔''الابتھاج فی شرح مسلم بن الحجاج''(عربی) چار جلد: زیر طبع۔(اس کا نام اب مِنّۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم ہے)
یہ کتاب صحیح مسلم کی شرح ہے جس کے اندر مولانا نے بڑی معلومات اکٹھا کردی ہے۔اس کتاب کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔
● غریب الحدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔● قبائل واماکن کی تشریح جدید معلومات کی روشنی میں کی گئی ہے۔ ● حدیث کے مطالب کی وضاحت کرتے ہوئے اس میں جو تاویلات اور تحریفیں کی گئی ہیں اس کی نشاندہی کئے بغیر ایسی تشریح کی گئی ہے کہ تاویل وتحریف کی تردید ہوجائے۔● رجال حدیث پر بقدر ضرورت اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔● عقائد اور فقہی مسائل میں منہج سلف کو ترجیح دیتے ہوئے اس کی بنیاد بھی فراہم کردی گئی ہے۔

۴۔روضۃ الانوار فی سیرۃ النبی المختار: (عربی) مطبوع۔سعودی عرب کے کئی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔

۵۔بھجۃ النظر فی مصطلح اھل الاثر۔۶۔ ابراز الحق والصواب فی مسئلۃ السفور والحجاب۔ پردہ کے متعلق ڈاکٹر تقی الدین ہلالی کی رائے پر نقد ہے اور مجلہ جامعہ سلفیہ میں قسط وار شائع ہوچکا ہے۔۷۔الحکم الاسلامی وتعدد الاحزاب السیاسیۃ (عربی) مطبوع ۱۹۸۶ء۔۸۔ تطور الشعوب والدیانات فی الھند ومجال الدعوۃ الاسلامیۃ فیھا۔مطبوع ۱۹۷۹ء۔۹۔''الفرق الناجیۃ خصائصھا ومیزاتھا فی ضوء الکتاب والسنۃ ومقارنتھا مع الفرق الاخری''۱۰۔ البشارات بمحمد ﷺ فی کتب الھندوس والبوذیین والفرس۔۱۱۔ مراجعۃ اختصار تفسیر ابن کثیر۔

تالیفات:(بزبان اردو)

۱۔الرحیق المختوم (ترجمہ)، ۲۔تجلیات نبوت (ترجمہ)، ۳۔تذکرہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ (ترجمہ)، ۴۔قادیانیت۔ اپنے آئینے میں، ۵۔فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری، ۶۔انکار حدیث حق یا باطل، ۷۔اسلام اور عدم تشدد (اس کا ہندی اور انگریزی ترجمہ ہوچکا ہے)، ۸۔رزم حق وباطل (اردو مناظرہ)، ۹۔اہل تصوف کی کارستانیاں، ۱۰۔مختصر اظہار الحق (ترجمہ)، ۱۱۔پیغمبر اسلام ہندو کتابوں میں۔

حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضیؔ مئوی حفظہ اللہ تعالیٰ۔

نام: محفوظ الرحمن بن منظور الحسن بن حافظ ثناءاللہ۔ تاریخ پیدائش: ۱۹۴۶ء

اسانید وتخرج: ۱۹۶۶ء جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو۔

سند اجازہ روایت حدیث از:

● مولانا شمس الحق سلفی احمداللہ ● مولانا ابوالوفاء عظیم اللہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ ● مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی رحمۃ اللہ علیہ

علمی تجربات اور خدمات:

● عربی اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس ۱۹۶۷ء سے مادر علمی جامعہ اسلامیہ فیض عام میں جاری ہے، فی الحال شیخ

الحدیث اورصدر مدرس کے عہدے پر فائز ہیں۔(اوراب ریٹائرڈ ہو چکے ہیں) ● رکنیت مجلس شوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔● نائب امیرصوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی اتر پردیش۔

تصنیفات:

۱۔مہدی موعود(اردوصفحات:۳۰۰)

اس موضوع سے متعلق احادیث کا استقصاء کیا گیا ہے اوران کی روشنی میں مہدی موعود کے حالات کوتفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔نیز متعدد محققین کی تصریحات سے ان احادیث کے معناً متواتر ہونے کوثابت کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عقیدۂ مہدی موعوداسلامی عقائد میں سے ہے۔اس بارے میں کچھ مشککین کے شکوک وشبہات کا رد کیا گیا ہے۔اس کتاب کی پانچ فصلیں ہیں آخری فصل میں آج تک مدعیاں مہدیت کا ذکراوران کارد کیا گیا ہے۔

۲۔مبادیٔ اصول حدیث:(اردو)مطبوع،صفحات ۱۶ تاج پریس الہ آباد۔اس رسالہ میں حدیث کی تمام قسموں کامختصر مگر جامع بیان موجود ہے۔

۳۔ثنائیات مؤطا امام مالک۔اس کتاب میں مؤطا امام مالک کی ایک سو سے زائد ثنائیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔اوران احادیث کا ترجمہ اوران کی تخریج وتشریح کی گئی ہے۔

دیگر تالیفات:

۴۔شیخ الاسلام عبدالوہابؒ کے بارے میں دومتضاد نظریے۔ ۵۔تذکرہ مولانا محمد احمد ناظم صاحبؒ، ۶۔دین و مذہب اور کمیونزم، ۷۔نماز نبوی، ۸۔مبادی عروض وقوافی، ۹۔مشروع وممنوع حلالہ حنفی نقطۂ نظر سے، ۱۰۔اصول دین (ترجمہ)، ۱۱۔قبروں پر مساجد کی تعمیر اوراسلام (ترجمہ) ۱۲۔اتباع سنت اورتقلید: ائمہ اربعہ کی نظر میں۔(ترجمہ)

(ماخوذ ازمطالعہ علوم الحدیث ص ۴۷۸۔۴۹۴)

❑❑❑

جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی

تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن باب

از: مولانا ابوالعاص وحیدی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین،

اما بعد!

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، (۱۹۰۲ء-۱۸۰۵ء) کے تلامذہ ومستفیدین کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف صوبہ جات واضلاع میں دعوت کتاب وسنت عام ہوئی اور بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوا، انہیں اضلاع میں بلرام پور، گونڈہ، سدھارتھ نگر اور بستی وغیرہ بھی ہیں، جہاں میاں صاحب کے تلامذہ کی مساعی سے تحریک اہل حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔

بانسی جو ضلع سدھارتھ نگر کا مشہور تاریخی قصبہ ہے، وہاں میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے ایک شاگرد رشید شاہ عین الحق پھلواروی بیسویں صدی کے اوائل میں تشریف لائے، انہوں نے جامع مسجد بانسی کے قریب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ کا آغاز کیا اور علاقہ میں دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ایک مدت کے بعد مولانا عبدالوہاب بانسوی نے کچہری روڈ بانسی میں باقاعدہ ایک مدرسہ کی تعمیر کی، پھر ان کے لڑکے قاری عبدالحق صاحب نے مدرسہ کو وسیع کیا اور اس کا نام ''جامعۃ الحق السّلفیۃ'' رکھا جو اس وقت اسی نام سے چل رہا ہے۔ (ماخوذ از رجسٹر کارروائی عاملہ جامعۃ الحق)

میاں صاحب کے تلامذہ جہاں بھی گئے ان کے دعوتی وتبلیغی اور علمی اثرات اس علاقہ کے دور ونزدیک مواضعات پر بھی پڑے، میرا خیال ہے کہ میاں صاحب کے تلمیذ رشید شاہ عین الحق پھلواروی جب بانسی میں تھے تو ان کے دعوتی وتبلیغی اثرات اجتماعی وانفرادی طور پر مختلف مضافاتی مواضعات پر لازمی طور پر پڑے انہیں مواضعات میں کولھوئی اور اکبر پور جمنی وغیرہ بھی ہیں۔ چنانچہ اکبر پور جمنی کے حالات اس طرح بدلے کہ وہاں کے تمام لوگ متبع کتاب وسنت ہو گئے، اور عملی میدان میں انہیں دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو گئی۔

اکبر پور جمنی کی اصلاح میں مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ اور دوسرے بعض علمائے اہل حدیث کا بھی بڑا دخل ہے، بہر حال اسی پس منظر میں الحاج امان اللہ صاحب، اور گاؤں کے ذمہ داران کے مشترک تعاون سے آزادئ وطن سے پہلے ۱۹۴۲ء میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی اور تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، یہ ادارہ مختلف مراحل اور متعدد نظماء کے ادوار سے گذرا ہے، بحمد اللہ اس وقت جامعہ سلفیہ بنارس سے اس کا الحاق ہے، اور ادھر کئی برسوں سے اس کے زیر اہتمام شعبۂ نسواں بھی چل رہا ہے، جس کے تعلیمی نگراں مولانا عبدالخبیر مدنی ہیں۔

اکبر پور جمنی کی تاریخ اہل حدیث کی یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ جب جماعت کو ایک مرکزی دار العلوم قائم کرنے کی فکر ہوئی، اس سلسلہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی مجلس عاملہ کے کئی اجلاس متعدد مقامات پر منعقد ہوئے، ایک اجلاس اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بمقام مالیگاؤں ہوا، اس موقع پر جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی کے ذمہ داران نے رجسٹرڈ مکتوب کے ذریعہ مرکزی دار العلوم کے لئے سب سے پہلے اراضیات کی پیش کش کی اور اکبر پور جمنی میں جماعت کی مرکزی درسگاہ قائم کرنے کی درخواست کی، اس کا تذکرہ اس وقت کے صدر مرکزی جمعیت علامہ عبدالوہاب آروی نے جریدۂ ترجمان دہلی ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی ضلع سدھارتھ نگر کی تاریخ اہل حدیث کا ایک روشن باب ہے، بنابریں راقم الحروف کا اس سے بڑا تعلق رہا ہے، چنانچہ جب ماسٹر یعقوب صاحب اس کے ناظم تھے تو اس وقت بحیثیت ناظم تعلیمات راقم کی اس سے وابستگی تھی، اس موقع پر میں نے جامعہ اسلامیہ کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی تھی، اس طرح اس کے سالانہ پروگراموں اور بڑے جلسوں میں شریک ہوتا رہا ہوں، اور اب بھی اکبر پور جمنی اور جامعہ اسلامیہ سے میرا گہرا تعلق اور چولی دامن کا رشتہ ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی کے جواں سال ناظم ذاکر حسین خاں عمری اور اس کے ارکان اس تعلیمی ادارہ کو مختلف جہات سے ترقی دینا چاہتے ہیں، شعبہائے بنین وبنات کی تعلیمی ترقی کے ساتھ مختلف میڈیکل وٹیکنیکل شعبے قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس ادارہ کو ایک روشن مستقبل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالی موجودہ انتظامیہ کو اخلاص، ایمانداری، دینی مزاج اور سلف منہج کے ساتھ تمام عزائم اور منصوبوں میں کامیاب بنائے۔ آمین

والله هو الموفق وهو المعين

ابو العاص وحیدی

۱۷/ ۳/ ۲۰۱۷ء

(ماخوذ از سالانہ مجلہ ''تلاش منزل'' شائع شدہ از جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی، اپریل ۲۰۱۷ء)

❑❑❑

جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی کی مختصر تاریخ

عبدالحکیم بن عبدالمعبود المدنی

جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) یوپی ہندوستان کی آزادی سے قبل وجود میں آنے والے ان سلفی اداروں میں سے ہے جو آزادی میں ہونے والی سورش سے محفوظ رہ کر اب تک جاری وساری ہے۔ یہ گاؤں بستی شہر سے شمال جانب چالیس کلومیٹر جا کر بانسی شہر سے جنوب جانب تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر کھلی وخوشگوار فضا میں واقع ہے۔ ذیل میں بالاختصار اس کی تاریخ درج ہے۔

سن تاسیس: ۲۲/مئی ۱۹۴۲ء بروز جمعہ۔

بانیان ومؤسسین: (۱) الحاج اُمان اللہؒ (۲) مولانا جیش محمد خاں مظاہریؒ

پس منظر اور دیگر تفاصیل: یہ مدرسہ پہلے گاؤں کی مسجد میں جو کھپریل کی تھی شروع کیا گیا تھا۔ ● اس کی بنیاد مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ کے والد محترم نے رکھی تھی اور خود مولانا بنفس نفیس یہاں بکثرت تشریف لایا کرتے تھے۔

● بعد میں طلباء وطالبات کی کثرت کو دیکھتے ہوئے گاؤں کے ذمہ داران کے مشترکہ تعاون سے الحاج امان اللہ اور مولانا جیش محمد خان کی سرکردگی میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

● مولانا جیش محمد خان صاحب نے مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت کے بعد کچھ دنوں تک کلکتہ مسجد اہل حدیث میں امامت وخطابت کی ذمہ داری انجام دی اور وہاں سے لوٹنے کے بعد گاؤں کے ہم عمر رفقاء اور ساتھیوں کو لے کر حاجی امان اللہ کی نگرانی وتائید میں تحریک چلائی اور اس طرح یہ مدرسہ وجود میں آیا۔

● تعلیم کی ابتداء گاؤں کے بچوں سے ہوئی۔ پھر آس پاس اور دور دراز کے بچے بھی آتے گئے۔ کھانے کا نظام ''جاگیر'' کے طرز پر ہوتا تھا۔

● مولانا عبداللہ سعیدیؒ سب سے پہلے اس کے استاذ مقرر ہوئے۔

● ۱۹۵۷ء میں یہاں ایک بڑا سہ روزہ اجلاس ہوا جس میں مشاہیر علماء کرام نے شرکت کی۔ اس اجلاس کی برکت یہ تھی کہ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹوں کا بھٹہ لگایا گیا اور یہاں مسجد کی بنیاد ڈالی گئی۔

مدرسہ کے نظماء: (۱) مولانا جیش محمد خان صاحب (۲) مولانا نو مسلم کھیڑیا (۳) مولانا عبداللہ سعیدی (۴) ڈاکٹر محمد یاسین (۵) ماسٹر محمد یعقوب (۶) ماسٹر مختار احمد (۷) الحاج عبدالغنی صاحب (۸) الحاج عبدالرؤف صاحب (۹) مولانا ذاکر حسین خان عمری (فی الحال آپ ہی ناظم ہیں)۔

نگرانی وسرپرستی: (۱) مولانا محمد عمر صاحب سلفی گونڈویؒ شیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم بونڈیہار نے برسوں ادارہ کی سرپرستی

فرمائی ہے۔(۲) مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب کئی سالوں تک ناظم تعلیمات رہے ہیں۔اور آج بھی آپ کی نگرانی وہدایات جاری وساری ہیں۔

گاؤں کے بعض متعاونین اہل علم: (۱) مولوی ولی محمد صاحب، (۲) مولانا عبداللہ سعیدی (۳) مولانا عبدالحق اثری (۴)مولانا سلفی (۵)ماسٹر محمد ایوب (۶)مولوی ابوالقاسم صاحب وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

مرکزی دارالعلوم کے قیام کے لئے اراضیات کی پیش کش: جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی سدھارتھ نگر (بستی) کے ذمہ داران نے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں جماعت اہل حدیث کی نگرانی میں مرکزی دارالعلوم کے قیام وتاسیس کے لئے ایک وسیع عمارت اور ۸ بیگھے آراضی کی مخلصانہ پیش کش کی اور اسے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) کے نام وقف کرنے کا تحریر نامہ بھی دیا اور منظوری کے بعد چار بیگھے مزید دینے کا وعدہ کیا۔مرکزی دارالعلوم اور جماعت کی عظیم درسگاہ کے لئے اس مخلصانہ پیش کش میں تقدم واولیت کا شرف پورے آزاد ہندوستان میں اہالیان اکبر پور جمنی ضلع بستی حال سدھارتھ نگر کو حاصل ہے۔اس دوران جماعت اہل حدیث اور انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کی طرف سے بھی پیش کش ہوئی اور دیہات کے مقابلے میں ایک تاریخی وصنعتی شہر کو کانفرنس کے ذمہ داران نے مناسب خیال کرتے ہوئے اسے مرکزی دارالعلوم کے لئے موزوں سمجھا اور آج بحمداللہ یہ مرکز جامعہ سلفیہ کی شکل میں پوری آن بان شان سے جاری ہے۔اللہ اسے ہرا بھرا رکھے۔آمین

موجودہ نظامت: فی الوقت اس کے ناظم جواں سال عالم دین مولانا ذاکر حسین خاں عمری ہیں اور بحمداللہ جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے کوشاں ہیں۔اس کے لئے انہوں نے ابتدائی طور پر جامعہ کے قیام وتاسیس کے پچھتر سال مکمل ہونے پر ۱۳/اپریل ۲۰۱۷ء کو ایک پچھتر سالہ تقریب کا اہتمام وانعقاد کیا تھا جس میں عمائدین جماعت اور کثیر تعداد میں اہل علم اور شہر کے خواص اور عوام کی شرکت تھی۔اور اسی موقع پر جامعہ کی طرف سے طلباء وطالبات کا ایک علمی وفکری سالانہ ترجمان بنام ''تلاش منزل'' بھی شائع کیا تھا جس پر شمارہ نمبر ۱/۲۰۱۷ء/۱۴۳۸ھ درج ہے۔اس میں جامعہ کی تاریخ اور تعمیر کے تعلق سے بھی معلومات شامل اشاعت ہیں۔اللہ محنتوں کو قبول فرمائے اور اسے بام عروج تک پہنچائے۔آمین

تعلیم: فی الوقت جامعہ میں پرائمری مکتب کے ساتھ عربی ثانویہ ثانیہ یعنی جماعت رابعہ تک تعلیم کا نظم ہے۔اور بحمداللہ اس کا الحاق بھی جامعہ سلفیہ بنارس سے کر دیا گیا ہے۔عالمیت وفضیلت کی تعلیم طلباء بنارس جا کر حاصل کرتے ہیں۔اس طرح یہ ادارہ اپنے مرکز کی ایک اہم ترین تاریخی وتعلیمی شاخوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(ماخوذ ومستفاد: ''سالانہ مجلہ تلاش منزل'' شمارہ ۱/۲۰۱۷ء جامعہ اسلامیہ اکبر پور جمنی وجریدہ ترجمان دہلی ۱۵/اکتوبر ۱۹۵۸ء)

❑❑❑

جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ، ممبئی
منزل بہ منزل

محمد سلیم عبدالرحمن انصاری
صدر ٹرسٹ بورڈ، جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ، ممبئی

(اس مقالہ کی ترتیب وتدوین میں معروف مصنف مولانا خالد حنیف صدیقی حفظہ اللہ کی نمایاں کاوشیں ہیں جو علامہ داؤد راز کے تعلق سے منعقدہ سیمنار کے موقع پر اس کام کو ہم معاونین کی موجودگی میں انجام دے رہے تھے اور اسے صدر ٹرسٹ بورڈ کے نام ان کی نیابت میں تحریر فرما رہے تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ عبدالحکیم المدنی)

ہندوستان اور عرب کے تعلقات: سرزمین ہند کسی بھی دور میں حاملین وعاملین کتاب وسنت سے خالی نہیں رہی۔ ہر دور میں کتاب وسنت پر عمل کرنے والے اور اس کی طرف دعوت دینے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کی توسیع واشاعت کرنے والے اور اس کی دعوت کو شائع اور عام کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

عہد رسالت سے قبل بھی عرب اور ہندوستان کے درمیان باہم تجارتی تعلق رہا ہے۔ عرب تجار اپنا سامان تجارت ساحلی علاقوں میں لاتے اور انہیں فروخت کر کے عوض میں یہاں سے سامانِ خوردونوش لے کر جاتے تھے۔ آمدورفت کے ذرائع اور وسائل اگرچہ محدود اور بہت حد تک مسدود تھے، پھر بھی کسی نہ کسی صورت یہ تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ کتب تواریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

ہندوستان میں صحابہ کی آمد: اسی طرح عہد رسالت میں صحابہ کا یہاں آنا اور یہاں کے لوگوں کا وہاں جانا، یقینی اور حتمی طور پر ثابت ہے، البتہ وہ کون سے صحابی ہیں جن کو سرزمین ہند میں پہلے قدم رکھنے کا شرف حاصل ہے، ان کے اسم گرامی کا پتہ نہیں چلتا۔ بہر حال جو بھی صحابی تشریف لائے وہی کتاب وسنت کی دعوت کو بھی ساتھ لائے اور ملک ہندوستان میں دعوت وتبلیغ کر کے دین اسلام سے لوگوں کو پہلی بار آشنا کیا۔

بعد کے ادوار میں ۲۵ صحابہ کا ہندوستان میں وارد ہونے کا واضح ثبوت موجود ہے۔ ان میں ۱۲ (بارہ) صحابہ دور فاروقی میں، ۵ (پانچ) دور عثمانی میں، ۳ (تین) دور خلافت علی میں، ۴ (چار) امیر معاویہ اور ایک یزید بن معاویہ کے دور میں تشریف لائے۔ ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی معلوم کرنے کے لئے دیکھیں مولانا اسحاق بھٹی کتاب ''ہندوستان میں اسلام کی آمد''۔

تابعین کی آمد: اس طرح ۴۲ تابعین کا بھی ہندوستان میں آنے کا ذکر موجود ہے۔ ان میں ایک جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں جو ۳۰ھ میں خراسان، قیقان اور کابل بغرض جہاد ربیع بن زیاد کی سرکردگی میں آئے۔ محمد بن قاسم فاتح سندھ، سترہ سال کا یہ شجاع اور بہادر جوان، حجاج بن یوسف کے بھتیجے اور داماد بھی ہیں، انہوں نے ۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے دور امارت میں سندھ کو فتح کیا۔

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت: تبع تابعین کے ہندوستان میں اتنی کثیر تعداد میں آنے کا ذکر ہے کہ ان کا شمار ہی ناممکن ہے، یہ لوگ بغرض جہاد آئے۔ کچھ نے یہیں قیام کیا اور کتاب وسنت کی دعوت وتبلیغ سے جڑ گئے۔ فوجی کمانڈروں نے واپس جاتے وقت کچھ لوگوں کو دعوت وتبلیغ کے لئے چھوڑ دیا۔ انہیں مجاہدین نے بعد میں داعی اور مناد بن کر کتاب وسنت کی خوب خوب اشاعت کی۔ لوگوں نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور وہ بھی عامل کتاب وسنت اور اس کے داعی ومناد بن گئے۔

گجرات، پٹن، سندھ، کیرالہ، مالابار، بھج، کچھ وغیرہ کے ساحلی علاقے، اسی طرح کوچین، احمد آباد، برہان پور وغیرہ علاقوں میں دین اسلام کی اشاعت ان کے ذریعہ اور ان مسلم تجار کے ذریعہ ہوئی، جو بغرض تجارت آمد ورفت رکھتے تھے، یہ حضرات تجارت کے ساتھ دعوت تبلیغ بھی کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان تجار عرب نے ساحلی علاقوں میں اپنی نوآبادیاں بسالیں، عارضی طور پر آباد ہو گئے۔ ان کی دعوت وتبلیغ، نیز ان کے اخلاق وکردار اور اسوۂ حسنہ سے متاثر ہو کر لوگ داخل اسلام ہونے لگے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے بارے میں تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ جب ہندوستان سے واپس جانے لگے تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے کہ آپ واپس نہ جائیں، آپ تو امن کے پیامبر ہیں۔

ممبئی میں اسلام کی آمد: شہر ممبئی جو آج کل عروس البلاد کے نام سے معروف ہے، اس کا وجود ڈیڑھ ہزار سال سے بھی پہلے سے ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عثمان بن ابوالعاص ثقفی، حکم بن ابوالعاص ثقفی اور مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی اخوان میں سے اول الذکر تین بار جہاد کی غرض سے ہندوستان آئے، ثانی الذکر نے تھانہ (ممبئی) بھڑوچ تک اسلامی پرچم لہرایا۔ آپ مجاہد ہونے کے ساتھ ایک اچھے محدث بھی تھے۔ یہ اسلامی فوجی کمانڈر جن علاقوں کو اپنی تحویل میں لیتے، واپسی میں ان کے رشد وہدایت اور ان کے فکر وفہم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے مبلغ چھوڑ جاتے تھے۔ آج تھانہ، بھڑوچ، اور ان کے مضافات کے علاقے ممبئی وغیرہ کے لوگوں نے انہیں کی دعوت وتبلیغ کی بدولت کتاب وسنت سے آشنا ہو کر دین اسلام کو قبول کیا۔

مشہور شافعی عالم دین شیخ مخدوم ماہمی (۸۳۵ھ) صاحب ''تبصیر الرحمن وتیسیر الرحمن'' اور شیخ مخدوم اسماعیل فقیہی (۹۴۹ھ) شیخ زین الدین (۹۳۸ھ) صاحب ''فتح المعین'' ان ساحلی علاقوں کے مشہور عالم دین ہیں۔ شیخ مخدوم ماہمی نے ممبئی میں ماہم کے علاقہ میں قیام کیا اس لئے مہائمی کہلائے۔ افسوس صد افسوس! آج ان کی قبر ماہم میں شرک وبدعت کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ ممبئی اور ساحلی علاقوں میں دین اسلام کی وسعت انہیں بزرگان باصفا کی دعوت وتبلیغ کی بدولت ہوئی۔ ممبئی کی قدیم مسلم آبادی اسی وجہ سے شافعی مسلک ہیں۔ (تفصیلی معلومات کے لئے بدایہ اور فتوح البلدان کو دیکھیں)

ممبئی میں تحریک شہیدین اور ان کی دعوت: ۱۸۲۰ء کے آس پاس سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا قافلہ رائے بریلی سے حج کے ارادہ سے ممبئی پہنچا۔ دوران سفر مختلف مقامات پر قیام کر کے دعوت وتبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ شاہ صاحب کے وعظ وارشاد خالص کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل ہوتے تھے۔ جس مجلس میں وعظ کہتے پورا مجمع تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو جاتا، آپ کا قیام کافی عرصہ ممبئی میں رہا۔ اس دوران پورے ممبئی شہر میں دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے مبتدعین نے اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق ڈھال لیا اور شرک وبدعات سے توبۃ النصوح کر لی۔

بنگالی مسجد اہل حدیث کی تعمیر: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شروعات کے بعد بچے کھچے مجاہدین نے از سرنو منظم ہوکر دعوت وتبلیغ کتاب وسنت کا خفیہ پروگرام بنایا اورانگریزوں کی نظروں سے بچتے بچاتے گروہ کی شکل میں پورے ملک میں پھیل گئے۔ان مجاہدین کا ایک گروہ خفیہ طور پر کلکتہ سے چل کر ساحل مالابار کے راستے ہوتا ہوا ممبئی پہنچا۔اس گروہ کے سالار عبداللہ عرف جھاؤ میاں تھے۔آپ کا وطن الہ آباد تھا،مگر اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مجال بنگال کو بنایا تھا۔آپ نے ممبئی پہنچ کر اپنے دعوتی وتبلیغی سلسلہ کو شروع کیا اور مدنپورہ علاقہ میں ایک مسجد تعمیر کرکے اس کو مرکز تبلیغ بنایا۔یہ مسجد آج بھی ''بنگالی مسجد'' کے نام سے موسوم مشہور ہے۔قافلہ میں شریک اکثر افراد بنگالی تھے انہوں نے مسجد کے قرب وجوار میں بودوباش کے لئے رہائشی جھونپڑے بنالئے۔خوردونوش کے لئے ذریعہ معاش سے جڑ گئے،اور مرکز توحید سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔الحمداللہ! آج بھی یہ مرکز توحید ممبئی میں منارۂ رشد وہدایت اور مرکز کتاب وسنت بنا ہوا ہے۔

مسجد اہل حدیث مومن پورہ: ممبئی میں جھاؤ میاں کے دعوتی قافلہ کے بودوباش اختیار کرلینے کی وجہ سے کلکتہ کے بنگالیوں کا بھی ممبئی میں آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ان لوگوں نے ممبئی آکر اس وقت کے حالات کے تقاضے کے مطابق سر چھپانے کے لئے جھگی اور جھونپڑی بنا کر رہنا شروع کیا۔کچھ لوگوں نے ڈونگری محلہ میں (موجودہ مغل مسجد کے پاس) آکر بودوباش اختیار کرلی۔ شہیدین کی دعوت وتبلیغ اور جھاؤ میاں کی تعلیم وتربیت سے یہ لوگ پہلے سے ہی عاملین بالکتاب والسنہ تھے ہی، یہاں آکر بھی اسی کے مطابق ذکروفکر اور عبادات وریاضت میں مشغول ہوئے،لیکن:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

وہاں کے عاملین کفر وشرک، بدعات وسیئات اور اوھام واحلام نے ان بیچاروں کا جینا حرام کردیا۔آخرکار ان لوگوں نے آئے دن کے مذہبی کشمکش اور کشاکش، فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر اس جگہ کو خیرباد کہہ کر بھائیکلہ کے علاقہ میں بودوباش اختیار کرلی۔یہ واقعہ ۱۸۶۰ء کا ہے۔

یہ علاقہ اس دور میں ویران اور بیابان تھا۔ان بے چارے غریب الوطن اور غریب الدیار بنگالیوں نے اس بے آب وگیاہ اور ویرانے میں آکر ڈیرا جمایا اور جھگیاں ڈال کر رہنے لگے۔ان میں ایک تابندہ، درخشندہ اور روز روشن کی طرح روشن شخصیت بنام ''روشن'' تھی۔جوکہ بڑے نیک اور تقوی شعار تھے۔عامل بالکتاب والسنہ تھے۔اھالیان جماعت ان کا ادب واحترام کرتے تھے۔ وہی ان کے امیر پیرومرشد اور سردار تھے۔انہیں بزرگوار نے عبادت کے لئے جھونپڑے کی شکل میں گھاس پھونس اور بانس بلی کی ایک مسجد تعمیر کی، جوآگے چل کر ''لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم'' کی مصداق قرار پائی۔

آں موصوف جب تک ممبئی میں رہے اس مسجد کے متولی کی حیثیت سے اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے رہے، یہاں کچھ عرصہ تک قیام پذیر رہنے کے بعد جب اپنے وطن بنگال واپس جانے لگے تو اس کی تولیت اپنے ایک مساعد ومعاون چودھری کلو بدھو کو سونپ دی۔کافی عرصہ تک مسجد جھونپڑے کی شکل کی تھی، زمین پر گھاس، پھونس اور بھوسہ وغیرہ بچھا رہتا تھا، برسات میں جب وہ بھیگ جاتا تو

نماز کی ادائیگی میں بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ اس لئے لوگوں نے اپنی حسب حیثیت، دامے، درمے، قدمے، سخنے آپسی تعاون سے مسجد کو قدرے بہتر شکل دے دی اور تولیت میں چودھری بدھو کے ساتھ میکو سیٹھ کو بھی شامل کر دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سیٹھ مدو صاحب نے اپنا ایک مکان، جو مسجد سے متصل تھا، مسجد کے نام وقف کر دیا۔ وہ مکان بھی چھپر کا تھا اور اس کی بھی حالت خستہ تھی۔ اس مکان کی اصلاح و مرمت کے لئے افراد جماعت نے ایک میٹنگ کی، آپس میں باہمی طور پر چندہ کر کے اس کی مرمت کرائی اور اس کو مسجد کی ملکیت میں شامل کر دیا۔ مسجد کے آمد و خرچ کے حساب و کتاب کی ذمہ داری اسماعیل بدھو اور منشی نجو کو سونپ کر انہیں خزانچی بنا دیا۔ نیز (۱) عبداللہ عرف میکو (۲) اسماعیل عرف بدھو (۳) سیٹھ مظہر عرف بھکن (۴) منشی عرف نجو اور (۵) عبداللہ عرف کلو (ان پانچ افراد جماعت) کو مشترکہ طور پر مسجد کی تولیت سونپ دی۔

رفتہ رفتہ جب افراد جماعت کی مالی حالت بہتر ہوگئی تو انہوں نے باہمی تعاون سے مسجد کو ایک منزلہ بنا دیا اور اس کی مملوکہ جائداد میں اضافہ کر دیا۔ چنانچہ موجودہ صورت میں مسجد کی ملکیت میں تین مکان اور کئی قطعات اراضی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد ایک عام میٹنگ کر کے پنچنامہ کی سند کے ساتھ مسجد کی جملہ املاک کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے منشی عباداللہ بن کریم اللہ، عبدالغفور بن عبدالقادر اور شیخ رمضان شہاب صاحبان کو متولی بنا کر، مسجد اور اس کی کل جائیداد کی نگرانی کا اختیار دے دیا گیا۔ ان تمام امور کے تعلق سے ۱۹۱۳ء میں ایک دستاویز تحریر کی گئی جو ایک سو سال کا عرصہ گذر جانے کے بعد بھی مسجد کے دفتر میں بحفاظت محفوظ ہے۔ مذکورہ تحریر کے نیچے امیر جماعت کے طور پر یوں تحریر ہے:

”از سردار: عبدالرزاق بن بدلی سردار
بائیکلہ اہل حدیث جماعت، رپن روڈ“

ممبئی ہائی کورٹ کا فیصلہ: ۱۹۲۱ء میں مسجد کی تولیت کو لے کر جناب احمد عبدالستار فیت والا، ابراہیم فیت والا نے مسجد کی اسکیم داخل کی، جسے عالیجناب جسٹس مڈگاوکر صاحب نے مورخہ ۲۳/ جون ۱۹۲۷ء کو منظور دی اور اس کورٹ کے پینل نے یہ فیصلہ سنایا کہ مسجد اہل حدیث مومن پورہ کے ٹرسٹی صرف بائیکلہ اہل حدیث جماعت مومن پورہ کے ممبر ہوں گے۔ اور ٹرسٹیان کے نام یہ ہیں: (۱) عبدالشکور شہاب جی (۲) خدا بخش (۳) عبدالرزاق منشی عباداللہ (۴) محمود انصاری شکر اللہ (۵) عبدالخالق مبارک (۶) محمد اسحاق عبداللہ (۷) حاجی یار محمد نصیر۔

مسجد کی تعمیر نو: یہ مسجد شہر کی ایک قدیم تاریخی مسجد ہے، اور توحید و سنت کی اشاعت کا اہم مرکز ہے۔ یہ مسجد جب نمازیوں کی کثرت تعداد سے تنگ دامانی کا شکار ہوگئی، تو حضرت مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ اور جماعت کے دیگر مخیر حضرات شیخ محمد علی بجاش، حاجی بچو علی، حاجی عیسیٰ سیٹھ، حاجی اسحاق سیٹھ، یعقوب عدن والا، اس وقت کے صدر ٹرسٹ بورڈ محمد یعقوب عبدالحفیظ، عبدالعزیز محمد ابراہیم، عبدالحمید حاجی باب اللہ، تعمیری کمیٹی کے خزانچی عبدالمجید حاجی بشیر اور محلے کے پیر و جوان، مرد اور عورت کے بھرپور تعاون سے ۱۵/ فروری ۱۹۷۰ء کو اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ۲۱/ نومبر ۱۹۷۱ء کو نئے رنگ و روپ اور تشکیل و وجیہہ صورت میں بن کر تیار ہوئی، جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

مسجد کے زیر انتظام قائم شعبۂ جات:

(۱) مدرسہ سلفیہ: شہر کا بہت قدیم مدرسہ ہے، اس کا پرانا نام ”مدرسہ ضیاء العلوم“ تھا جو اب مدرسہ سلفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں علاقہ کے طلباء وطالبات کو قرآن مجید ناظرہ اور دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، اس وقت مدرسہ میں تین سو کے قریب طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔اس وقت نو(۹) اساتذہ تعلیمی خدمات پر مامور ہیں۔سرکاری اسکولوں کے تعلیمی اوقات کی رعایت کرتے ہوئے مدرسہ میں تین شفٹ میں تعلیم دی جاتی ہے۔

(۲) شعبۂ حفظ: اس شعبہ میں تقریباً ۲۰ طلبا داخل ہیں جو حفظ وتجوید کی تعلیم حاصل کررہے ہیں، حافظ محمد شاہد صاحب اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

(۳) تعلیم بالغان: اس شعبہ میں بعد نماز عشاء درس کے بعد بڑے بزرگوں اور نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ ہوتا ہے۔لوگ دینی مسائل کو سمجھتے ہیں علماء ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

(۴) سلفیہ کلینک: یہ ایک چیریٹی کلینک ہے، جو مسجد کے زیر انتظام چلتا ہے۔عرصہ تیس سال سے قائم ہے۔اس میں غریب، نادار اور بے سہارا مریضوں کا معمولی فیس لے کر علاج کیا جاتا ہے۔ ہر مرض کے تعلق سے اس کے ماہر ڈاکٹرس کی خدمات حاصل ہیں۔اس کلینک سے روزانہ کم وبیش ایک سو مریض فائدہ اٹھاتے ہیں، مریضوں کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر ایک منزل اوپر تعمیر کرکے مزید ڈاکٹرس کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ کلینک مسجد کے قریب لب سڑک ہونے کی وجہ سے قرب وجوار کے علاوہ دور دور سے بھی لوگ آتے ہیں۔

(۵) بیت المال: یہ مسجد کے زیر انتظام چلائے جانے والے اہم شعبوں میں سے ایک ہے۔اس کی اہمیت اور افادیت سے ہر کوئی واقف ہے۔اس بیت المال سے ایک سو سے زائد غریب ونادار گھرانوں میں ماہانہ وظائف تقسیم کئے جاتے ہیں۔اس طرح ماہ رمضان المبارک میں پانچ سو نادار خاندان کو فطرہ کی رقم پہنچائی جاتی ہے۔دیگر ضرورت مندوں کی اس سے ضرورت پوری کی جاتی ہے۔

(۶) ریلیف فنڈ: یہ بھی مسجد کا ایک اہم شعبہ ہے۔ناگہانی آفت ومصیبت سے متاثر لوگوں کے لئے ہنگامی طور پر ریلیف فنڈ اکٹھا کرکے ان کی مدد کی جاتی ہے۔نیز مسافروں کے خوردونوش اور ان کی اہم ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے۔

(۷) سحری اور افطاری: مسجد کے زیر نگرانی رمضان المبارک میں ڈیڑھ دو سو روزہ داروں کے لئے روزانہ افطار کا نظم کیا جاتا ہے۔آخری عشرہ میں سحری کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

(۸) شعبۂ دعوت وتبلیغ: اس شعبہ کے تحت مختلف علاقوں میں ہفتہ واری، پندرہ روزہ اور ماہانہ اجتماع اور خطابات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔باہر سے تشریف لائے علماء سے وقت طے کرکے مناسب علاقوں میں ان کے خطابات رکھے جاتے ہیں، مختلف مساجد میں انہیں خطبۂ جمعہ کا موقع دیا جاتا ہے۔نیز خواتین کے لئے ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے جس میں علاقہ کی خواتین پابندی سے شرکت کرتی ہیں۔ان کے درمیان کتاب وسنت کی روشنی میں خواتین کے تعلق سے مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔یہ سلسلہ پابندی سے جاری ہے۔

(۹) اسلامی کوئیز: اس شعبہ کے تحت سال میں ایک مرتبہ اس کا نظم کیا جاتا ہے، سیرتِ نبوی، تاریخ اسلام، سیرتِ صحابہ اور دیگر اسلامی احکام ومسائل پر سوال وجواب تیار کرکے تقسیم کئے جاتے ہیں، پھر انعامی مقابلہ کا انعقاد کیا جاتا ہے اور تشجیعی انعامات دیئے جاتے

ہیں۔اس سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلباء کے اندر دینی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے اور احکام ومسائل کی جانکاری ہوتی ہے۔

(۱۰) اسلامی لائبریری: مسجد میں ایک لائبریری ہے، اس میں تاریخ وسیر، قرآن مجید کی مختلف تفاسیر نیز احادیث کی شرحیں ہیں، نیز اسلامیات پر مشتمل کتب ہیں۔ضرورت کے مطابق مصلیان ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۱۱) تبلیغی پوسٹر وکتابچے: اس میں اسلامی مہینوں میں ہونے والے شرک وبدعات نیز موسمی عرسوں اور میلوں کے خلاف کتاب وسنت کی روشنی میں کتابچے، پمفلٹ، فولڈر اور اشتہارات چھپوا کر تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۱۲) شعبۂ تعمیر واصلاح: اس شعبہ کے تحت بوقت ضرورت مسجد کی اصلاح ومرمت کا کام ہوتا رہتا ہے۔۱۹۷۱ء میں تعمیر جدید کے بعد اس کی ٹائلیں جابجا اکھڑ گئیں، فرش ٹوٹ گئی، کھڑکیاں بوسیدہ ہوگئیں، ان سب کی نئے سرے سے مرمت کی گئی۔لاؤڈ اسپیکر، ایمپلی فائر، تاروں کی وائرنگ وغیرہ کی حسب ضرورت مرمت یا تبدیلی کا کام جاری رہتا ہے۔مسجد کے نام وقف املاک کمروں کی بھی مرمت کا کام موقع بموقعہ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۳) حج سروس: یہ شعبہ کافی عرصہ سے قائم ہے۔اس کا مقصد عازمین حجاج کرام کو سہولیات بہم پہنچانا ہے اسی لئے یہاں سے حج کے لئے درخواست فارم مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔فارموں کو صحیح طریقے سے پر کیا جاتا ہے۔حج سے متعلق جملہ اصول وضابطوں اور سرکاری شرطوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔حج کی ادئیگی کا سنت کے مطابق طریقہ کیا ہے؟ اس تعلق سے تدریبی پروگرام کئے جاتے ہیں، جن میں علماء کرام کتاب وسنت کے مطابق حج کرنے کے طریقے کی تعلیم دیتے ہیں۔اس کمیٹی کی طرف سے ایام حج یا مبارک مہینوں میں کتابچے، پمفلٹ اور پوسٹرس تقسیم کئے جاتے ہیں۔الحمد للہ! یہ شعبہ ایک عرصہ سے اپنے مجال میں سرگرم عمل ہے۔

(۱۴) دارالافتاء: اس شعبہ کی نگرانی مسجد کے امام صاحب کے ذمہ ہے جو انتہائی ذمہ داری سے آئے ہوئے استفتاء کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینے کے پابند ہیں۔

(۱۵) مستقبل کے عزائم: مسجد اہل حدیث مومن پورہ اور اس کے موقوفہ جائداد کے تعلق سے مستقبل میں ٹرسٹیان کے کچھ عزائم ہیں۔

(۱) سلفیہ کلینک کو وسعت دے کر سلفیہ جنرل ہاسپٹل بنانا، نیز اس میں زچہ بچہ خانہ (میٹرنیٹی) کھولنا۔

(۲) ملاڈ کی وقف منزل کی ڈیولپمنٹ کے لئے کوشش کرنا۔

(۳) مسجد میں سولار سسٹم لگانے کا ارادہ۔

(ماخوذ از: علامہ داؤد راز رحمہ اللہ حیات وخدمات صفحہ ۱۴۔۲۰)

❑❑❑

جمعیت اہل حدیث بھیونڈی مہاراشٹر

نام جمعیت: جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ بھیونڈی

سن تاسیس: ۸/ اکتوبر ۱۹۷۲ء

مؤسس: مولانا عبدالصمد شرف الدین رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۶ء)

پس منظر: بھیونڈی ایک تاریخی شہر ہے جو قدیم زمانے سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے خاص طور پر اپنی پارچہ بافی یعنی کپڑوں کی صنعت کے لئے مشہور ومعروف ہے۔ یہاں صحابہ کرام کے قافلے بھی تھانہ ساحل سے ہوکر آیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اسلام کی آمد کی تاریخ یہاں بے حد قدیم اور اہم ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ صحیح اسلام کی صورت بدلنے کی وجہ سے شرک وبت پرستی اور پیری مریدی اور قبر پرستی کا غلبہ ہوتا چلا گیا تا آنکہ رب العالمین نے شیخ عبدالصمد کے والد شرف الدین نزول کو یہ توفیق دی کہ توحید وسنت کی دعوت عام کریں اور اس طرح ۱۸۸۵ء میں خاص طور پر یہاں آپ کی دعوت کے اثرات اور منہج سلف پر گامزن قافلہ توحید کا وجود کچھ مستحکم ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ اور پھر ایسی باد بہاری چلی کہ بعد میں تو آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالصمد شرف الدین نزول واہل خاندان، شیخ خلیل، شیخ عبدالحکیم، اور بعد کے سنہرے ادوار میں مولانا مختار احمد ندویؒ اور شیخ عطاء اللہ امینیؒ کے ذریعہ اس قافلے کو مکمل مضبوطی حاصل ہوئی اور دعوت کا کام منضبط ہوتا چلا گیا۔ اور آج بحمد اللہ اسی قافلہ سلف کے جہد مسلسل اور نیک اسوہ پر عبدالحمید بھائی اور مولانا مطیع الحق سلفی ودیگر ذمہ داران جماعت کی سرکردگی اور علماء ودعاۃ کی محنتوں سے یہ شہر گلزار توحید وسنت بن چکا ہے اور پوری آب وتاب سے سلفیت کے فروغ اور مسلک حق کے دفاع میں اپنی بساط بھر جادۂ پیمائی جاری کئے ہوئے ہے۔ اللھم زد فزد۔ خاکسار راقم کو بھی ۲۰۰۱ء سے لے کر آج تک اس قافلہ کی ہمہ گیر دعوتی کاز اور اس کی نشر واشاعت اور استحکام میں حصہ داری کا شرف حاصل ہے۔ رب العالمین محنتوں کو قبول فرمائے۔

بھیونڈی میں دعوت اہل حدیث کے مختلف ادوار: تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو بھیونڈی میں دعوت اہل حدیث اور منہج سلف کی تخم ریزی اور اس کے استحکام کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دور اول: ۱۸۸۵ء سے ۱۹۱۰ء (کل پچیس سال)، یہ دور شیخ شرف الدین نزول الکلبتی کا عہد ہے جس میں انہوں نے خود بریلویت سے توبہ کی اور بھیونڈی میں دعوت توحید کے علمبردار رہے اور مختلف خاندانوں میں توحید کی دعوت نشر کی اور اپنے مشن میں کامیاب رہے۔ خطیب، ہانی اور مدعو خاندانوں نے اسے قبول کیا اور اس طرح توحید وسنت کا ایک مضبوط قافلہ یہاں وجود میں آگیا۔ ۱۹۲۰ء میں شیخ شرف الدین بھیونڈی سے بھنڈی بازار چلے گئے اور یہاں کتابوں کی تجارت شروع کردی۔

(۲) دور ثانی: ۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۷ء آزادئ وطن تک، اس دور میں دعوت توحید اور مسلک سلف کے فروغ کے لئے ملک کے

مختلف علاقوں بالخصوص یوپی وبہار سے علماء کی آمد شروع ہوئی اوراس طرح تبلیغ کا سلسلہ جاری وساری رہا،لوگ مسلک سلف کی طرف راغب ہوتے رہے۔اس عہد میں مولانا فرزند احمد بہاری مولانا اشرف ودیگر کی جہود ومساعی کا ذکر جمیل ملتا ہے۔

(۳) دور ثالث: ۱۹۴۷ء تا قیام جمعیت ۱۹۷۲ء،اس دور میں مشہور محقق اور عالم شیخ عبدالصمد شرف الدین کی کاوشیں اور محنتیں لائق تذکرہ ہیں۔آپ آزادی وطن کے بعد ممبئی سے واپس اپنے وطن بھیونڈی آ گئے اور یہاں دعوت توحید سے وابستہ ہو گئے۔ایک پریس قائم کیا اور الدار القیمہ نام کی مسجد بھی بنائی جو کہ مسلک اہل حدیث اور جماعتی تگ وتاز کی آماجگاہ تھی۔آپ کے ساتھ اس مشن کو مضبوط کرنے میں جماعت کے معروف عالم دین مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ ودیگر اکابرین اہل علم کا بھی ذکر ملتا ہے جو کہیں نہ کہیں دعوت وتبلیغ اور اجلاس وکانفرنسوں کے واسطے سے بھیونڈی وارد ہوا کرتے تھے۔خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگریؒ نے بھی اس فترے میں اپنی آمد اور تقریروں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) دور رابع: ۱۹۷۲ء تا ۲۰۰۳ء،اس عہد کو بھیونڈی جماعت اہل حدیث کا دورِ استحکام کہا جا سکتا ہے کیونکہ اسی میں جمعیت کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا اور منظم طریقے سے دعوت حقہ کے فروغ کے لئے پروگرام بنایا گیا،مساجد کا جال پھیلا اور مکمل طریقے سے جماعت کو استحکام ملا۔واقعہ یوں ہے کہ وقت کی ضرورت اور جماعت کی بے چینیوں اور دعوتی کام کے انتشار کو دیکھتے ہوئے مولانا عبدالصمد شرف الدینؒ نے یہ محسوس کیا کہ ایک مجلس منعقد کی جائے اور منظم طریقے سے دعوت کے لئے پلیٹ فارم تیار کیا جائے چنانچہ شہر کے رؤسا واعیان کی مشاورتی میٹنگ ہوئی اور ۸/اکتوبر ۱۹۷۲ء کو جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کی تشکیل عمل میں آئی جس میں پہلے پہلے یہ عہدیداران منتخب کئے گئے۔

ا۔صدر: مولانا عبدالصمد شرف الدین صاحب، ۲۔نائب صدر: ڈاکٹر محبوب حسنؒ، ۳۔ناظم: عبدالوہاب ہانیؒ، ۴۔نائب ناظم: جاوید فریدؒ، ۵۔خازن: محمد قاسم سمرو۔

چنانچہ باضابطہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمہ اللہ کی سرپرستی میں آفس کا قیام ہوا۔آفس سکریٹری مولانا عطاء اللہ امینی منتخب کئے گئے اور مولانا مختار احمد ندویؒ کے ہاتھوں اس کا افتتاح ہوا۔اوراس طرح ایک منظم قافلہ رواں دواں ہو گیا۔بعد میں ۱۹۸۲ء میں مولانا عطاء اللہ امینیؒ کو صدر منتخب کیا گیا۔اور آپ ۲۰۰۳ء تک عہدہ صدارت پر فائز رہے۔آپ کے عہد میں بھیونڈی جماعت خوب پھلی پھولی، پروان چڑھی،دروس وخطابات کے پروگرام ہوتے رہے۔باہر سے آنے والے علماء ودعاۃ کی پذیرائی ہوئی اوراس طرح بہت ہی کامیابی کے ساتھ یہ کارواں امینی صاحبؒ کی قیادت میں فروغ سلفیت کے لئے کوشاں رہا۔مسجدیں آباد ہوئی، ذہن ہموار ہوئے اور ہلچل سی مچ گئی اور مختلف دعوتی وتعلیمی کام جمعیت کی نگرانی میں انجام پذیر ہوتے گئے۔قیام جمعیت کے ایک سال بعد ماہ دسمبر ۱۹۷۳ء میں ایک شبی دینی واصلاحی اجلاس بھی منعقد ہوا۔جس میں جماعت کے نامور علماء شارح بخاری علامہ داؤد راز دہلوی، مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی جیسے اساطین علم کے خطابات ہوئے۔۱۹۷۸-۷۹ء کے درمیان جمعیت کی سرکردگی میں اقصیٰ اسکول کے لئے زمین کی خریداری ہوئی۔اوراحباب جماعت کے تعاون سے اس پر تعمیری کام شروع ہوا جو آج بھی بحمد اللہ جاری

وساری ہے، ہزاروں بچیاں یہاں علمی تشنگی بجھا رہی ہیں۔ اس طرح النور اسکول بھی اسی کی شاخ اور احباب جماعت کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ایمبولینس سروس شروع کی گئی اور یہ چلتی رہی، ۸ سال بعد اسے کچھ ناگزیر وجوہات کی وجہ سے بند کرنا پڑا۔ اس عہد میں سب سے بڑا کام جمعیت دفتر کے لئے بلڈنگ میں چند کمروں کی خریداری ہے، ۱۹۹۳ء میں غوری پاڑہ میں ایک بلڈنگ کے چند کمرے جمعیت کی آفس کے لئے خریدے گئے جو آج دارالمطالعہ، آفس، لائبریری مہمان خانہ کے ساتھ موجود ہے اور بھیونڈی جمعیت کے تمام تعلیمی ودعوتی کاموں کا ایک حسین مرکز اور پاور ہاؤس ہے۔ اس عہد میں مولانا عبدالصمدؒ کے بعد ڈاکٹر محبوبؒ، ڈاکٹر محمد خطیبؒ اور مولانا عطاء اللہ امینی ودیگر احباب واخوان کی کاوشوں سے جمعیت کا دعوتی مشن آگے بڑھتا رہا۔ اللہ غریق رحمت فرمائے مولانا عطاء اللہ امینیؒ کو جنہوں نے مولانا عبدالصمد شرف الدین کی رفاقت اوران کے علم وتجربات سے فائدہ اٹھا کر جمعیت کو اعلیٰ مقام عطا کرنے اور بلندیوں تک پہنچانے میں کافی اہم رول ادا کیا۔ آج بھی بہت سارے جماعتی کام انہیں کے خطوط پر انجام پارے ہیں۔

(۵) دور خامس: ۲۰۰۳ء تا ۲۰۲۰ء اور تا حال جاری ہے۔ اس دور کو بھیونڈی جمعیت کا سنہری دور کہا جا سکتا ہے۔ مولانا عطاء اللہ امینیؒ صاحب کی طویل خدمات کے بعد جب ۲۰۰۳ء میں بھیونڈی جمعیت کا دوبارہ انتخاب عمل میں آیا تو ایک نئی باڈی بنی جس میں جماعت کے فعال رکن جناب عبدالحمید بھائی کو امیر وصدر اور مولانا مطیع الحق سلفی صاحب کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ یہ باڈی بالخصوص اس کے امیر وناظم جماعت کے لئے نیک فال ثابت ہوئے۔ اپنی شبانہ روز محنتوں اور پوری جماعت کے ساتھ تال میل اور ملکی وصوبائی سطح پر اپنے روابط اور اثر ورسوخ سے انہوں نے بھیونڈی جمعیت کو چار چاند لگا دیا۔ آج پورے ملک میں جمعیت اہل حدیث بھیونڈی کے کاز کو بنظر تحسین دیکھا جاتا ہے۔ جامعۃ التوحید سے لے کر مختلف مساجد کی نگرانی وتعمیر، منظم بیت المال کے کارہائے نمایاں، ریلیف فنڈ کی تقسیم، شعبہ دعوت وتبلیغ کے تحت مختلف مساجد میں دروس، خطابات خطبات جمعہ، ماہانہ وسالانہ اجتماعات، رمضان المبارک کی مناسبت سے صدقات فطر کی وصولی اور غرباء ومستحقین میں راشن کی تقسیم اور اس طرح کے بے شمار تعلیمی، دعوتی ورفاہی اور سماجی کام ہیں، جو جمعیت کی نگرانی میں جاری وساری ہیں۔ یہ فترہ جماعت کے اتحاد واتفاق اور باہمی ربط وضبط نیز جماعتی کاموں کی وسعت، تعلیمی ادارہ جامعہ التوحید کے قیام، سرپرستی اور ذمہ داری نیز ملک وبیرون ملک کے اساطین اہل علم سے جمعیت کو جوڑنے اوران کی علمی صلاحیتوں اور دعوتی تجربات سے فائدہ اٹھا کر مشن کو مضبوط کرنے، متعدد مساجد کے قیام اور اس کے عظیم سلسلہ کی بقا اور استحکام اور ہمہ جہتی دعوتی اجتماعات ومجالس جیسے عظیم کاموں کے لئے ایک عہد زریں مانا جا سکتا ہے۔ آج بھیونڈی جمعیت صرف ایک شہری جمعیت نہیں بلکہ ملک میں قائم کئی صوبائی جمعیتوں کے ہم پلہ بلکہ اس سے بلند وبالا ہے۔ اللہ ان نیک جہود وکاوشوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اخلاص وللّٰہیت عطا فرمائے اور جمعیت کو مزید استحکام عطا فرمائے۔

مراجع: (۱) تعارف نامہ جمعیت بھیونڈی (۲) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث انڈیا بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، (۳) تاریخ اہل حدیث بھیونڈی عبدالودود صدیقی، (۴) مضمون مرسلہ شیخ ریاض احمد سلفی، (۵) ذاتی معلومات واستفسارات۔

❑❑❑

باب سوم

یادرفتگاں

مولانا ولایت علی صادق پوریؒ

مختصر سوانح حیات

(وفات نومبر: ۱۸۵۲ء)

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

مولانا ولایت علی بن فتح علی (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء) میں ہندوستان کے مشہور قصبہ صادق پور کے ایک زبیری خاندان میں پیدا ہوئے۔

''صادق پور شہر عظیم آباد پٹنہ (بہار، ہند) کا ایک محلہ ہے۔ یہاں کا ایک ہاشمی (زبیری) خاندان عرصہ دراز سے علم وفضل میں ممتاز رہا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب علم جہاد بلند کیا تو اس خاندان کے ایک ممتاز فرد مولانا ولایت علی متوفی (۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء) لبیک کہنے والوں کی صف اول میں تھے۔ پھر ان کی تبلیغ سے پورا خاندان اس دعوت کا علم بردار ہو گیا اور اس سلسلے میں ان لوگوں نے وہ کچھ کر دکھایا جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔''

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما!

۱۲۸۶ھ (۱۸۷۱ء) تک حکومت (انگریزی) کے داروگیر کے باوجود مسلسل چالیس سال تک صادق پور والوں نے جہاد کا علم سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ پھانسی، جلاوطنی، حبس دوام، ضبطی اور ہر قسم کی ممکن اذیتیں دی گئیں۔ لیکن یہ اللہ کے بندے راہِ حق سے نہ ہٹے''۔ (مولانا سندھی کے افکار پر ایک نظر، ص:۵،۶)

تحصیل علم: ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے علماء سے حاصل کی۔ پھر لکھنؤ گئے۔ جہاں ہر ہر علم کے فاضل اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کا مرحلہ طے کیا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ سے حدیث پڑھی۔ ان ہی ایام میں مولانا شہیدؒ کی تحریک اصلاح وجہاد میں شامل ہو گئے اور حضرت سید احمد شہیدؒ سے جہاں پر بیعت کر لی۔

شوقِ جہاد: تکمیل علوم کے بعد وطن میں آ کر تدریس، تبلیغ اور اصلاح میں مشغول ہو گئے۔ جب اساتذہ اور امام نے یاغستان کی طرف جہاد کے لئے کوچ کیا تو ان کے ساتھ ہو لیے اور کافی مدت وہاں رہے۔ چونکہ حضرت، سید صاحبؒ کے خاص معتمد علیہ تھے۔ اس لیے ایک دفعہ کابل کی سفارت پر ان کو ہی بھیجا گیا۔ پھر سید صاحب کی رائے ہوئی کہ آپ بہ غرض تنظیم وتبلیغ حیدر آباد دکن کے علاقے میں جائیں۔ اگرچہ آپ کے لیے میدانِ جہاد سے جدائی مشکل تھی۔ لیکن امیر کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے دکن کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی مدت مفوضہ فرائض جانفشانی سے سرانجام دیئے۔ دعوتی نقطہ نظر سے یہ دورہ نہایت کامیاب رہا۔ حیدر آباد دکن کے دوران قیام ہی بالاکوٹ کے میدان میں استاذ وامام دونوں کے شہید ہو جانے کی خبر ملی، تو واپس صادق پور آ گئے۔ تحریک کو ہاتھ میں لینا پڑا۔ امیر

جماعت مجاہدین ہو کر ساری قوت مجتمع کی اور سرحد پار ستھانہ یاغستان روانہ ہو گئے اور انگریزوں اور سکھوں سے جہاد شروع کر دیا۔

سفر حج اور سند حدیث: غالباً ۱۲۴۸ھ میں حج پر چلے گئے۔ حج کے بعد ممالک عربیہ کی سیاحت کے لئے نکل گئے۔ اسی سفر میں مشہور مفتی احناف شیخ عبداللہ سراجؒ مکہ معظّمہ اور یمن کے نامور محدث قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) سے علم حدیث کی اسناد و اجازت حاصل کی۔ آخر الذکر نے فقہ الحدیث میں تالیف کردہ اپنا ایک مختصر متن ''الدرر البھیہ'' بھی عنایت فرمایا۔

مراجعت وطن اور جہادی سرگرمیاں: سفر سے واپس آ کر اپنے بھائی مولانا عنایت علیؒ متوفی (۱۲۷۴ھ) کو سرحد پار جہادی مہم پر بھیجا اور کچھ دنوں بعد خود بھی ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) میں ایک لشکر لے کر پہنچ گئے اور کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ جنگ گلاب سنگھ راجہ کشمیر سے لڑی جا رہی تھی۔ جس کی پشت پر انگریز تھے۔ آپ کی سرکردگی میں گلاب سنگھ کو شکست فاش ہوئی اور میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ لیکن راجہ کو انگریزوں نے پناہ دی اور صاف طور پر سامنے آ گئے۔ مولانا کو گرفتار کر لیا اور لاہور لے آئے۔ اس کے بعد دو سال کے لئے آپ کو صادق پور میں نظر بند کر دیا۔ نظر بندی کی مدت میں بھی تدریس اور وعظ و تذکیر میں انہماک برابر رہا۔ مگر مدت نظر بندی ختم ہوتے ہی ہجرت کر کے سرحد پار پہنچ گئے۔ جہاں تلقین ذکر اور فنونِ حربیہ کی تعلیم کے علاوہ انگریز سے لڑائی لڑنے کی تیاریاں بھی برابر کرتے رہے۔

مسلک: عمل بالحدیث سے والہانہ شغف تھا۔ حدیث صحیح، صریح غیر منسوخ کے مقابلے میں کسی مذہب کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بنابریں آمین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ مسائل پر عامل ہو جانا قدرتی تھا۔ ایک بار فرقہ مقلدین (احناف) نے ایک جید عالم مولانا محمد فصیح صاحب غازی پوریؒ (۱۲۸۵ھ) کو اہل حدیث سے متذکرہ مسائل اور تقلید پر مناظرہ کے لئے بلایا۔ اہل حدیث کی طرف سے آپ نے کامیاب مناظرہ کیا جس میں خاص خاص لوگ ہی موجود تھے۔ مولانا نے اثنائے گفتگو جو الگ کمرے میں ہو رہی تھی فرمایا: ''یہ متفقہ اصول ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر خلاف امام ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا بفحوائے قول امامؒ اترکوا قولی بخبر الرسول (میرا قول، حدیث رسول ﷺ کے مقابلہ میں ترک کردو) یہ رفع الیدین اور آمین بالجہر سنت ہیں جن کا سنت ہونا بعض حنفیہ کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ بعد اطمینان مولانا محمد فصیحؒ یہ اعلان کرتے ہوئے کہ ''یہ لوگ (اہل حدیث) حق پر ہیں'' مولانا کے مخلص مریدوں میں شامل ہو گئے۔ (سوانح احمد، ص: ۲۱۸)

مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ (۱۹۰۵ء) لکھتے ہیں: ''ہندوستان میں عمل بالحدیث کا چرچا اسی (مولانا ولایت علیؒ) کے گھر سے شروع ہوا۔ یہ لوگ کل مسائل حنفیہ پر جب تک کہ مخالف کسی حدیث صریح غیر منسوخ کے نہ ہوں عمل کرتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بذریعہ سلوک راہِ نبوت یا ولایت کے توحید اور اتباع سنت میں پختہ ہو کر اللہ کی محبت کو حاصل کرنا چاہیے۔'' (سوانح احمد، ص: ۲۲۵)

مولانا محمد عبدالحی مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ لکھتے ہیں:

كان حريصاً على اتباع السنه السنية فى كتب الحديث والسير، عاملاً بها، جامعا بين العلم والعمل والعبادة، عالى الهمة، بعيد النظر، رابط الجاش، زاهدا فى الدنيا، مقبلا الى الله بقلبه وقالبه، قوى التاثير

كثير الابتهال والدعاء۔ (نزهة الخواطر: ۷/ ۵۲۵)

شعروسخن: اردو اور فارسی میں نہایت عمدہ شعرفی البدیہ کہتے تھے۔ لیکن شاعری بھی توحید وسنت کی تائید اور شرک وبدعت کی تردید میں فرمائی۔ ایک روز اثنائے وعظ میں ردشرک پر ایک نہایت عمدہ نظم فی البدیہ کہہ ڈالی۔ سن کر لوگ تعجب سے کہنے لگے، یہ نظم کسی قدیم فارسی شاعر جامی وغیرہ کی معلوم ہوتی ہے۔ بہ طور نمونہ اس نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فرمود رسول آشکار	من نیز برادرم شمارا
ہرگز نہ عبادتم نمائی	نہ غوث وقطب انبیاء را
من مشکل خود نمی کشائم	بر غیر مرا کجاست یارا
طاقت نہ بود سوائے ایزد	درویش وفقیر و اولیاء را
کار پاکاں دعا ست لیکن	تبدیل نمی کنند قضارا
جز حق نبود کہ دست گیرد	مسکین و غریب و بے نوارا
مخصوص بحق بود عبادت	پابند بس است یک مدارا
غیر عزم در شاہ بندہ پرور	پیش کہ بریم التجارا
ہم درد تو وادہ خدایا	ہم از تو طلب کنم دوا را
تو مشکل دشمناں کشائی	تا چند گزاری آشنا را
جز ذات خدا بہ پیش دیگر	ہرگز نہ برید ماجرا را
تو بندۂ بندگان چرائی	بگذاشتی در خدا را
حاجت طلبی بغیر مولا	عیب است غلام با وفارا
ہر کس کہ شریک باخدا کرد	در دوزخ ونار ساخت جارا
از شرک گریز صد منازل	دوزخ دائم مکن گوارا
فرمود خدا کہ مردہ و کر	نشنید گے زکس ندارا
فریاد کنید آن خدارا	کاں مے شنود ز تو دعا را
تابوت ونشاں وقبر نیزہ	ایں جملہ بمثل سنگ خارا
در قبر بود سوال اعمال	پرسند نہ حال کربلا را
عالم پہ نماز وروزہ مغرور	شرک و کفرش گرفت پارا

مشرک شدہ زاہد و مشائخ	گیرند برائے زر ریا را
صد حیف کہ عالماں ایں دہر	کردند شعار خود دغا را
قرآن وحدیث را بپو شند	تبدیل کنند مدعا را
اے مومن پاک اے مسلماں	گر خواستی رہ رضا را
قرآن و حدیث راہنہ	بگذار کلام ما سوا را

(سوانح احمدی)

پرتاثیر مواعظ: وعظ بے حد پرتاثیر ہوتا تھا۔نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: مولوی ولایت علیؒ نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ کہا، مجھ سے کہہ گئے''بلوغ المرام ضرور پڑھنا'' میں اس وقت بارہ تیرہ برس کا ہوں گا۔اس کا مدت دراز کے بعد نتیجہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح (مسک الختام) لکھی۔جواثر سریع میں نے وعظ مولوی ولایت علی مرحوم میں پایا کسی کے وعظ میں دیکھا نہ سنا۔ان کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل سرد ہوجاتا تھا اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا تھا۔یہ مصرع میں نے انہیں سے یاد کرلیا ؎

ہم طرزِ جنوں اور ہی ایجاد کریں گے (ابقاء المنن، ص: ۱۲)

''بلوغ المرام'' نویں صدی ہجری کے ایک محدث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) کی تالیف اور تقریباً دو ہزار احادیث پر مشتمل حدیث کی مختصر اور تحقیقی کتاب ہے۔جس سے ''مولانا ولایت علیؒ کو خاص شغف تھا۔اپنی مجالس درسِ قرآنِ مجید کے لفظی ترجمے کے ساتھ ''بلوغ المرام'' کا ترجمہ چھوٹوں بڑوں سب کو پڑھواتے تاکہ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی سے آگاہ ہوجائیں''۔

(سرگزشت مجاہدین، ص:۲۲۹، بحوالہ صادقہ، ص:۱۶)

مولانا بشیر محمد صاحب تاجر کتب کراچی کے ذاتی کتاب خانے میں بلوغ المرام مترجم اردو ٹائپ کا چھپا ہوا ایک بہت قدیم نسخہ ہے۔جو مولانا مرحوم کی ہی مساعی کا مرہون منت ہے اور اس مبارک کتاب کا سب سے پہلا اردو ترجمہ غالباً وہی ہے۔

حضرت نواب صدیق حسنؒ کی طرح حضرت میاں صاحب دہلویؒ کو بھی اپنے وطن سورج گڑھ میں حضرتؒ کا وعظ سننے کا اتفاق ہوا۔جس سے وہ بے حد متاثر تھے۔(سرگزشت، ص:۲۳۰)

اشاعتی اور تالیفی ذوق: دعوت توحید وسنت کا والہانہ عشق حضرتؒ نے اپنے استاد مولانا شہیدؒ سے ورثے میں پایا تھا۔اس جذبے کے تحت ہی مولانا شاہ محمد اسحاقؒ (۱۲۶۴ھ) سے شاہ عبدالقادرؒ (۱۲۳۰ھ) کا ترجمہ فوائد موضح القرآن اور مولانا شہیدؒ کے رسائل حاصل کرکے طبع وشائع کرائے اور تنظیم جماعت نیز جہاد کی فوجی مہمات میں انہماک کے ساتھ خود بھی کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔ ان میں سے شائع شدہ رسالوں کے نام یہ ہیں:

۱۔اربعین فی المہدیین (عربی)، ۲۔رسالہ ردشرک (فارسی)، ۳۔رسالہ عمل بالحدیث (فارسی)۔یہی جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ۴۔رسالہ دعوت (اردو)، ۵۔رسالہ تیسیر الصلوٰۃ (اردو)، ۶۔رسالہ شجرہ باثمرہ (اردو)، ۷۔رسالہ تبیان الشرک (اردو)۔

یہ سب رسالے مجموعہ رسائل تسعہ میں طبع ہو چکے ہیں۔ جس کو آپ کے بھتیجے مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوریؒ ۱۳۴۱ھ (۱۸۳۳ء) نے مطبع فاروقی دہلی میں طبع کرایا تھا۔

احیائے سنت: آپ کی ذات سے جو احیائے سنت ہوا، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ عہد حاضر کے ''روشن خیال'' حضرات کو یہ چیزیں معمولی اور حقیر معلوم ہوں گی لیکن جب آج سے سو برس (سے زائد) پہلے کے حالات کا تصور کریں گے تو ان کی اہمیت معلوم ہوگی۔ اور جذبہ اتباع سنت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص:۵۱)

راہِ جہاد میں وفات: آخری سالوں میں صادق پور سے ہجرت کر کے سرحد پار یعنی ستھانہ چلے گئے۔ وہاں تین چار برس مجاہد فوجوں کی عسکری تنظیم و تربیت میں مصروف رہے تا کہ پوری تیاری سے انگریزی حکومت سے دو دو ہاتھ کریں۔ لیکن ابھی کوئی قدم اٹھانے نہ پائے تھے کہ ۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ (نومبر ۱۸۵۲ھ) کو ۶۴ سال کی عمر میں ـــــ سید صاحب کی شہادت سے ۲۲ سال بعد ـــــ رہگرائے عالم جاودانی ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شدہ جائے سیرش بہ فردوس پاک (۱۲۶۹ھ) اور طاب غاز مہاجر سے تاریخ نکلی (۱۲۶۹ھ) رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

بندہ ضعیف فانی

محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ

مدیر المکتبۃ السّلفیہ، لاہور

تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں ● سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیسریؒ ص:۲۰۷۔۲۶۶ (طبع فاروقی) ● نزہۃ الخواطر، ص:۵۲۴۔۵۲۵، ج:۷ ● ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک:۴۸۔۵۶، طبع اول ● مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار پر ایک نظر از مولانا مسعود عالم ندویؒ، ص:۲۸۔۶۷ وغیرہ صفحات ● سرگزشت مجاہدین:۲۲۵۔۲۸۱ از مولانا مہر اور رسالہ امام شوکانی از حنیف بھوجیانی، ص:۴۷۔

(ماخوذ از مسلک حدیث اردو ترجمہ رسالہ عمل بالحدیث۔ شائع کردہ دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور جون ۲۰۱۳م)

❑❑❑

جماعت اہل حدیث کا ایک گمنام قائد
مولانا عبداللہ عرف جھاؤ میاں

وفات ۱۸۸۲ء

حکیم ضیاء الدین ضیاء، مئو آئمہ، الہ آباد

نوٹ: یہ مضمون اخبار اہل حدیث امرتسر میں چھپا تھا جس میں مضمون نگار کا نام کچھ یوں درج ہے ''ازن،م،آئی'' ماہر علوم حاضرہ فاضل جامعہ قاسمیہ مرادآباد، جب کہ التبیان میں کچھ یوں لکھا ہے۔(زیر نظر مضمون حکیم ضیاء الدین ضیاء رحمہ اللہ نے ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو تحریر کیا تھا، اس مضمون کو حکیم ضیاء کے صاحبزادۂ گرامی حکیم رشاد الاسلام حفظہ اللہ شافی دواخانہ الہ آباد نے اپنی پرانی فائلوں سے نکال کر ''مجلہ التبیان نئی دہلی'' کو برائے اشاعت ارسال فرمایا تھا۔۔۔مجلہ التبیان کے حوالے سے شکریہ کے ساتھ اسے سالنامہ میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔) (عبدالحکیم المدنی)

ابتدائے آفرینش سے اب تک اسی طریقہ پر عمل ہو رہا ہے کہ ہر مذہب وملت کا پیرو اپنے ہیرو و قائد کے علم وفضل، اخلاق واطوار، تدبر وتفکر اور فطانت وذہانت غرضیکہ اس کی زندگی کے ہر شعبہ سے عوام الناس کو روشناس کرائے تاکہ اس کے مذہب کی برتری اور افضلیت کا جائزہ ہر قوم بآسانی لے سکے اور اس میں اس مصلح کے حالات زندگی زیادہ سے زیادہ مدد پہنچا سکیں، بریں بنا آج میں اپنے ایک پیشوا کے کیرکٹر کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کا غیر معمولی شرف حاصل کر رہا ہوں۔

آپ کا نام ووطن: آپ کا نام عبداللہ اور عرفیت جھاؤ میاں تھی اور یہ عرفیت اس قدر مشہور ہوئی کہ اکثر لوگ اسی نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ایک تاریخی شان رکھنے والے قصبہ مئو آئمہ کے رہنے والے تھے، یہ قصبہ شہر الہ آباد کے شمالی جانب بائیس میل کی دوری پر واقع ہے جو کبھی قاضی طیب کا مئو کے نام سے بھی موسوم تھا۔

اُس وقت یہ قصبہ نہایت مزین اور بارونق تھا جس کی خبر اس کی بعض منہدم شدہ عمارتیں اور سن رسیدہ بزرگ دیتے ہیں لیکن اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضلع کے تمام قصبات میں یہ قصبہ امتیازی شان کا حامل ہے، اس قصبہ میں تعلیم جدید (انگریزی) کے افراد بکثرت موجود ہیں۔عربی خواں حضرات سے بھی خالی نہیں، اس کے لوگ حکومت برطانیہ کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں اور مالیگاؤں، دھولیا اور ممبئی میں اس کے تجار تجارت کرتے ہیں، یہاں ایک خاص قسم کا کپڑا تیار ہوتا ہے جسے کھنڈ کہتے ہیں اور وہ مذکورہ شہروں میں فروخت ہوتا ہے، یہاں کی آب وہوا بہت خوشگوار رہے ہے۔

آپ کے والد ماجد کے حالات: آپ کے والد ماجد کپتان تھے اور وقت کے بڑے زمینداروں میں شمار کئے جاتے تھے،

آپ نہایت ہی فیاض اور سخی طبیعت کے انسان تھے، نہایت ہی خوش اخلاق اور وسیع الظرف تھے جس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قصبہ کا ہر خورد وکلاں آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

وجہ تعلیم: بتایا جاتا ہے کہ آپ کی عمر تقریباً اٹھارہ سال ہو چکی تھی کہ ایک مولوی صاحب سے جو آپ کے محلہ میں رہتے تھے کسی مسئلہ پر بحث ہوئی تو مولوی صاحب نے تعریضاً فرمایا: ابھی جا کر پڑھو پھر مجھ سے گفتگو کرنا۔ ان تعریضی الفاظ نے موصوف کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ فوراً آ کر اپنے والد سے تعلیم کی اجازت لی چونکہ اس زمانہ میں ریل کی سواری نہ تھی اس لئے آپ کے والد نے ایک گھوڑا اور ایک ملازم دیا چنانچہ اہل خانہ سے رخصت ہو کر دہلی تشریف لاتے ہیں، اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کا چراغ گل نہ ہوا تھا۔ شاہ اسحاق کی جانب سے فیضان علم جاری تھا، آپ انہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں اور مسلسل آٹھ سال نہایت ہی انہماک سے اس یکتائے زمانہ کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے ہیں، یہی زمانہ شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بھی تحصیل علم کا تھا، چنانچہ دونوں بزرگوں سے تکمیل علوم دینی کرتے ہیں اور اپنی راسخ الاعتقادی، قوت عمل اور ٹھوس تعلیم کی وجہ سے تمام شاگردوں میں امتیازی رتبہ حاصل کرتے ہیں۔

مراجعت وطن: جب آپ کی تعلیم ختم ہوگئی تو استاد سے اجازت لے کر مکان واپس آئے، آپ فرماتے تھے کہ میں نے شہر دہلی مکان سے جانے اور آنے کے وقت دیکھا، بالائے حیرت ہے کہ بے خودی شوق میں سوائے معروف کتب رہنے کے سیر تک کرنا پسند نہیں کیا۔ مکان واپس آ کر مع اہل وعیال کی زمینداری سے اس بنا پر علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ اس میں روپیہ نہ معلوم کن کن صورتوں میں آتا ہے۔

ذریعہ معاش: اس زمانہ میں پریس نہیں تھا اور اس قصبہ میں اس وقت فارسی تعلیم کا رواج حد سے زیادہ تھا، بڑے بڑے فضلائے فارسی موجود تھے، فارسی کی تعلیم چونکہ بہت رائج تھی، اس لئے آپ نے اقتضائے وقت کے مطابق گلستاں وبوستاں کو لکھ کر فروخت کرنا اپنا ذریعہ معاش بنایا، میرے والد حکیم عبدالواحد صاحب جن کی عمر اس وقت اسی (۸۰) سال سے متجاوز ہے، فرماتے ہیں کہ آپ کو فن کتابت میں اس قدر ملکہ تھا کہ ایک رات میں پوری گلستاں لکھ لیتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کو انتہائی مبالغہ پر محمول کریں گے مگر میرے خیال میں کسی زود نوشت اور مشاق کاتب سے ایسا ہونا کسی حیرت واستعجاب کو جگہ نہیں دیتا، آپ نہایت غریبانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے، آپ کی معاشرت تمام تکلفات سے معری تھی حتی کہ غذا کی یہ کیفیت تھی کہ ہمارے اطراف میں ایک گھاس (بتھری) جو اکثر بارش کے ایام میں اگتی ہے اکھاڑ کر لاتے اور نمک وغیرہ ملا کر بھون کر کھایا کرتے اور بچوں کو صبر وقناعت کی تعلیم دیتے۔

تقویٰ کی حالت: اگرچہ حدیث اذا دعاك اخوك فاجب کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ کسی کی دعوت پر لبیک کہا جائے مگر تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب تک آپ یہ نہ دریافت فرمالیں کہ اس شخص کا ذریعہ معاش اور دعوت کیوں دی گئی ہرگز نہ قبول فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک بندہ نے آپ کو مدعو کیا، آپ نے جا کر دریافت کیا کہ اس شخص کا کام کیا ہے؟ چنانچہ معلوم ہونے پر فوراً واپس آئے اور فرمایا: چونکہ یہ شخص مکروہ چیز کے پینے کا آلہ بناتا ہے اس لئے ایسا کیا، نیز کسی زمیندار کی عورت نے دعوت دینے کی خواہش ظاہر کی آپ نے فوراً رد کر دیا اس لئے کہ اس میں نہ معلوم کن صورتوں سے روپیہ آتا ہے چنانچہ یہ صالحہ عورت جس کو مولانا کی دعوت دینے کا بہت شوق تھا روئی منگا کر کاتتی ہے اور پھر اسی کی مزدوری سے دعوت کا انتظام کرتی ہے، آپ بلا پس وپیش تناول فرمالیتے ہیں۔

تبلیغ عقیدہ ومنہج اہل حدیث: جس طرح آپ تمام معاملات میں دین محمدی کی اتباع اور پیروی اور صحیح اصول کی پابندی کا خیال رکھتے تھے، اسی طرح عقائد میں سلف صالحین اور صحابۂ کرام کے عقیدہ میں مشابہت اور مماثلت رکھتے، آپ نے تبلیغی سلسلہ میں ہمیشہ مذہب اہل حدیث کی اشاعت کی، چنانچہ قصبہ مئوآئمہ میں سب سے پہلے آپ کی ذات نے ہمارے خاندان کو اس مذہب حقہ سے روشناس کرایا۔ ہمارے والد بزرگوار سے گھرانہ تعلقات تھے، کچھ دنوں مئوآئمہ میں قیام فرمانے کے بعد پورب کا رخ کرتے ہیں اور اعظم گڑھ مئو، مبارکپور، املو، بھاگلپور، بنگال، دیناج پور، راج شاہی وغیرہ میں نور ہدایت پھیلاتے ہیں، تعلیمی سلسلہ میں انہیں مئوناتھ بھنجن میں کافی عرصہ تک رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے اکثر بزرگوں سے موصوف کے کارنامے اوران کے اوصاف سنے، ان لوگوں نے کہا کہ ادھر جتنے اہل حدیث ہیں انہیں کی تبلیغ کا فیض ہے، مئوناتھ بھنجن کے محلہ باغیچہ جو میری اقامت گاہ تھا، کے ایک صاحب حبیب اللہ نامی جو مولانا موصوف سے ملاقات کا شرف حاصل کرچکے ہیں بہت ہی تعریف کرتے ہیں اور آپ کی تبلیغی خدمات کے معترف ہیں، اگر وہ زندہ ہوں تو لوگ ان سے مزید حالات دریافت کرسکتے ہیں، دیناج پور، راجشاہی میں آپ کے کافی معتقد ہیں، سنا گیا ہے کہ وہ جھاؤ پارٹی سے مشہور ہیں اوران کا ہر فرد سروں پر بال (پٹھا) کے رہنا لازمی سمجھتا ہے۔ محترم والد صاحب سے معلوم ہوا ہے کہ دیناج پور میں آپ نے شادی کرلی تھی جس سے اولاد نہیں پیدا ہوئی۔

میں یہ کہنے میں دریغ نہ کروں گا کہ جماعت اہل حدیث میں آپ کا نام ان مقتدر ہستیوں کی صف میں لکھے جانے کے قابل ہے جنہوں نے نہ صرف چند افراد کی اصلاح کی ہے بلکہ خاندانوں اور قبیلوں، قریوں اور قصبات کی اصلاح میں اپنے آپ کو مٹادیا ہے اور بہت سی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کی ہیں مگر افسوس کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت سے لوگ بہت کم آشنا ہیں اور اگر جانتے بھی ہیں تو اصلی وطن سے ناواقف ہیں۔

تالیف وتصنیف: جس شخص کے دل میں قوم کی اصلاح کی تڑپ ہو اور سر میں اس کے اخلاق واعتقاد، مذہبی درستگی کا سودا سمایا ہو وہ یقیناً ایسے ذرائع اختیار کرے گا جن سے مکمل مقصد حاصل ہو۔

اس کے لئے آپ قلم اٹھاتے ہیں اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ لوگوں کو راہ راست پر لاتے ہیں اور ہر قسم کی گمراہیوں سے بچاتے ہیں، تالیف وتصنیف کے ذریعہ آپ نے جو دین کی خدمت انجام دی وہ قابل صد تحسین وستائش ہے، اگرچہ آپ کی متعدد لائق تصنیفیں ہیں مگر سوائے اعتصام السنہ کے دوسری کتابیں نایاب ہوچکی ہیں، ممکن ہے کہ بعض کتابیں کتب خانہ نذیریہ میں موجود ہوں۔

اولاد ومکان: مئوآئمہ میں آپ کی اولاد نرینہ کوئی نہیں، ہاں ایک نواسہ موجود ہے، رہائش کا مکان اور وہ مدرسہ جس میں تعلیم دیتے تھے ابھی تک موجود ہے جسے دیکھ کر ہماری آنکھیں آرزومند ہوتی ہیں کہ کاش ہم بھی اس مسکن ہدایت اور منبع علم سے فیضیاب ہوتے۔

(ضیاء الدین ضیاء انصاری آئمی، ۱۵ نومبر ۷۳، بروز دوشنبہ)

(ماہنامہ التبیان دہلی، اپریل: ۲۰۱۶)

❑❑❑

مولانا عبداللہ عرف جھاؤمیاں الہ آبادی

مولانا محمد مستقیم سلفی بنارس

آپ کا نام عبداللہ ہے اور جھاؤ میاں کے ساتھ مشہور ہوئے، آپ کے عقیدت منداصحاب اسی نام کو زبان سے ادا کر کے شیر وشکر کا لطف حاصل کرتے تھے، موصوف قصبہ مئو آئمہ کے رہنے والے تھے، یہ قصبہ شہرالہ آباد کے شمال جانب لگ بھگ بائیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد کپتان تھے اور وقت کے بڑے بڑے زمینداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، آپ بہت فیاض وسخی تھے۔

تعلیم: جب مولانا جھاؤ میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تب آپ نے اپنے والد محترم سے علم دین حاصل کرنے کا شوق ظاہر کیا، ان کے والد صاحب نے بخوشی آپ کو اجازت دے دی چونکہ اس زمانہ میں ٹرین وبس کی سواری نہ تھی اس لئے آپ کے والد نے ایک گھوڑا اور ایک ملازم دے کر گھر سے رخصت کر دیا، آپ دہلی تشریف لائے، اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کا چراغ گل نہ ہوا تھا، حضرت شاہ اسحاق کی ذات سے فیضان علم جاری تھا، آپ نے انہیں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور مسلسل آٹھ سال تک نہایت انہماک سے تعلیم حاصل کی، جب آپ نے تعلیم مکمل کر لیا تب استاد محترم سے اجازت لے کر اپنے وطن مئو آئمہ واپس آئے، آپ فرماتے تھے کہ میں نے دہلی جاتے اور آتے وقت صرف دیکھا اور اپنے تمام اوقات کو علم دین حاصل کرنے میں صرف کر دیا، اس آٹھ سال کی مدت میں تقویٰ اور خوف خدا اس قدر دل میں جاگزیں ہو گیا کہ اپنے والد محترم کی تمام جائداد اور مکان سے اس لئے علیحدہ ہو گئے کہ کپتانی وزمینداری میں روپیہ نہ معلوم کن صورتوں میں آتا تھا۔

ذریعہ معاش: اس زمانہ میں پریس نہیں تھا، آپ اچھے خوش نویس تھے، کتابت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا، آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا صحاح ستہ مولانا حکیم ضیاء الدین مئو آئمہ کے کتب خانہ میں اب تک موجود ہے۔

تبلیغ: جس طرح آپ تمام معاملات میں دین محمدی کی اتباع اور صحیح اصول کی پابندی کرتے تھے اسی طرح عقائد میں سلف صالحین اور صحابہ کرام کے عقیدے کا خیال رکھتے تھے، آپ نے اپنے تبلیغ کی ابتداء اپنے قصبہ مئو آئمہ سے شروع کی پھر اعظم گڑھ، املو، مبارکپور، بھاگل پور، اور دربھنگہ بہار، بنگال دیناج پور، راج شاہی وغیرہ میں تبلیغ کی، بنگال میں آپ کے معتقدین کی تعداد بکثرت ہے، بعض مقامات کا یہ حال ہے کہ پچاسوں میل چلے جایئے سوائے اہل حدیث کے کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے نہیں ملتے ہیں، یہ سب مولانا کی مساعی اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ اسے قبول فرمائے، آمین۔

اولاد: قصبہ مئو آئمہ کے بعض بزرگوں سے یہ معلوم ہوا کہ مولانا نے غالباً دیناج پور میں شادی کر لی تھی جس سے اولادیں پیدا ہوئیں لیکن معلوم کرنے کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔

آپ کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات بہت تلاش وجستجو کے باوجود معلوم نہ کر سکا البتہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۵/ نومبر

1918ء کے ذریعہ اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ آپ کی وفات موضع بیل گاڑی ڈاکخانہ ڈھاپاڑہ ضلع مرشد آباد میں ہوئی اور وہیں پر آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

تصانیف: آپ نے مختلف موضوع پر چند کتابیں لکھی ہیں۔(علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات ۱/ ۳۷۹)

متوفی: ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں وفات ہوئی جیسا کہ نوشہروی نے لکھا ہے۔(تراجم علمائے اہل حدیث ہند ۱/ ۳۱۳)

تصانیف جھاؤ میاں الٰہ آبادی: آپ درس وتدریس میں زیادہ مشغولیت نہ رہ کر تصنیف وتالیف پر توجہ کرتے تھے، چنانچہ آپ نے دعوت دین اور ایضاح حق کے لئے کئی کتابیں ترتیب دیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

۱۔ العروۃ الوثقی لمنبع سنۃ سیر الوریٰ (قلمی)، ۲۔ عمدۃ الصلاۃ وفائز النجاۃ (قلمی)، ۳۔ ترجمۃ شرح الصدور (قلمی)، ۴۔ترجمہ المبدور السافرۃ (قلمی)، ۵۔ الاعجاز المتین فی معجزات سید المرسلین بہ کتاب الکلام المبین فارسی مولف مفتی عنایت احمد کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ ۶۔ احوال قبر (اردو) قلمی، ۷۔ آیات الرحمۃ لأھل السنۃ والبدعۃ (اردو، قلمی)، ۸۔ صمصام الحدیث المسلول فی قطع لغادید البدعۃ والرأی والمذاھب والتقلید المخذول (اردو)۔ ۹۔ ایصال طرق المصلین الی طریق رسول رب العالمین (اردو)، ۱۰۔ میقات الصلاۃ ینتفع بھا اھل الفضل والنجاۃ۔ ۱۱۔النبراس المنیر الصلاۃ الدیاجیر۔ ۱۲۔ معین الابرار علی الصلاۃ فی اللیل والنھار، ۱۳۔ الریاض الانصر فی الفقہ الاکبر، ۱۴۔اللباب فی صلاۃ الاحباب، ۱۵۔فارق الاخبار عن الاشرار، ۱۶۔اعتصام السنۃ فی قامع البدعۃ، ۱۷۔قرۃ التابعین وحرۃ المحدثین، ۱۸۔السیف المسلول فی ذم التقلید المخذول، ۱۹۔سیف الحدید فی قطع المذاھب والتقلید، ۲۰۔العروۃ المتین فی اتباع سنۃ سید المرسلین، ۲۱۔ الیم الزغرب فی لغات الحدیث المنتخب۔(ترتیب عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی)

نزہۃ الخواطر، ۷/ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲/علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات مولانا محمد مستقیم سلفی

۲/ ۴۰/ ۱۱۳/ ۱۱۹/ ۱۲۳/ ۱۲۴/ ۱۳۸/ ۱۹۳/ ۴۷/ ۴۲/ ۴۲/ ۴۲۱ وغیرہ

❑❑❑

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ

وفات مارچ/ ۱۹۱۸ء

از مفتی محمد عبدہ الفلاح

ولادت ونشاۃ: ۱۸۵۴ء کو ایک بڑے زمیندار گھرانے میں پیدا ہونے والے والد گرامی کا نام شیخ احمد اللہ اور والدہ کا نام بی بی بھی مخدومن ہے۔عمر کے ۱۳ ویں سال میں ۱۲۷۰ھ میں قرآن پاک حفظ کیا، اس کے بعد عربی، فارسی کی کتابیں پڑھنا شروع کریں جو اس دور میں رائج تھیں مختلف اساتذہ کرام سے ابتدائی کتابیں تحصیل کیں، ان اساتذہ میں مولوی عظمت اللہ، مولوی محمود عالم رامپوری (۱۳۰۲ھ) اور مولوی محمد یحییٰ عظیم آبادی کے اسماء گرامی خاص طور پر مذکور ہیں۔(۱)

اعلیٰ تعلیم کے لئے رحلت: پھر ۱۲۹۰ ہجری کو بیس سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے حضرت شیخ الکل محدث اعظم سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس سے پہلے ان کے بڑے بھائی شیخ عبدالرحیم بھی اسی درس گاہ سے فیضیاب ہو چکے تھے۔ دہلی میں دوسال قیام کے دوران حضرت میاں صاحب سے صحاح ستہ، موطا امام مالک، سنن دارمی، جامع صغیر، ہدایہ، جلالین اوراصول حدیث کی کتابیں پڑھیں۔(۲) اوردوسال کی قلیل مدت میں تکمیل کے بعد ۱۲۹۲ھ کو حضرت میاں صاحب سے سند لے کر وطن واپس ہوئے۔(۳)۔

درس وتدریس اوردعوت وتبلیغ: وطن پہنچ کر درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ میں مشغول ہو گئے اوراپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ میں درس دینا شروع کر دیا مسلسل آٹھ سال تک برابر تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ دعوت وتبلیغ کے کاموں میں بھی تندہی سے حصہ لیتے رہے، بعض مسائل میں اپنے والد شیخ احمد اللہ سے اختلاف کی بناء پر تقریباً ۱۳۰۰ھ کے زمانہ میں رحیم آباد کو الوداع کیا اور مع اہل وعیال مظفر پور چلے آئے اور ایک محلہ (چھوٹی کلیانی) کی مسجد میں ٹھہر گئے اس کو اپنا مسکن اور درسگاہ بنالیا اور اس میں تدریس کا کام شروع کر دیا اور دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے اور یہ درس گاہ آگے چل کر مظفر پور میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہوئی اور نصف صدی تک اس درس گاہ میں بہت سے جید علماء کرام درس دیتے رہے، جن میں مولانا ابوطاہر بہاری، مولانا مولابخش ہراکری، مولانا محمد اسحاق آروی، حافظ محمد حنیف آروی، حافظ عبداللہ رحیم آبادی اور حافظ عبدالستار مولانا نگری کے اسماء گرامی مشہور ہیں۔

مولانا کی علمی کوششوں نے بڑے بڑے لوگوں کو ایک شیرازہ میں جمع کر دیا، مدرسہ احمدیہ آرہ کا اولین دور تھا، اس دور میں ہی مولانا عبدالغفار نشتر محدث مہدانوی، حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا شمشاد الحق ڈیانوی ایک سلسلہ میں مربوط تھے، یہ تمام حضرات میاں سید نذیر حسین دہلوی صاحب کے حلقہ درس کے حاشیہ نشین تھے۔

حضرت میاں صاحب کے فیض صحبت کا یہ اثر کہ آپ کے تلامذہ بیرون ہند میں مشہور ہوئے اور تمام حضرات نے ملک میں بڑی

بڑی خدمتیں سرانجام دیں۔انہیں میں ایک حضرت رحیم آبادی بھی تھے۔مولانا محمد سعید (مسجد علی جان دہلی) لکھتے ہیں: (۴) آپ مبلغ اسلام تھے، آپ کے کلام میں خاص اثر تھا جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کا وعظ سن کر مشرف با سلام ہوتے، بلکہ ایسے واقعات بھی پیش آتے کہ مخالفین نے آپ کا وعظ سن کر اعتراف کیا کہ آپ اس امت کے امام غزالی ہیں اور ایسے اجلاس میں آپ کا خطاب توجہ سے سنا گیا جب کہ مخالفین کسی اہل حدیث عالم کا خطاب سننے کے لئے تیار نہ تھے۔

جماعتی تنظیم: مولانا رحیم آبادی دعوت وتبلیغ مسلک اہل حدیث کے ساتھ ساتھ جماعتی تنظیم کے لئے بھی متحرک رہے اور جب کبھی مجالس میں علماء کے ساتھ جمع ہوتے تو جماعت تو منظم کرنے کے لئے مشاورت اور تجاویز پیش کرتے اور بحث وتمحیص کرتے۔اس وقت تک ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کے عنوان سے اہل حدیث کی تنظیم قائم نہیں ہوئی تھی۔

اتفاق کی بات ہے کہ مدرسہ احمدیہ آرہ میں ایک اجتماع ہوا اور وہاں یہ مسئلہ چھیڑ دیا گیا اور طے پایا کہ جماعت کے لئے ایک سردار (امیر) کا انتخاب ہونا چاہیے۔ چنانچہ مولانا ابو محمد ابراہیم صاحب آروی باتفاق رائے امیر منتخب کر لیے گئے، اور تنظیم جماعت کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔ان کا انتخاب تو ہو گیا مگر تمام تنظیمی امور کو مولانا رحیم آبادی سرانجام دیتے رہے حتیٰ کہ جب آروی صاحب ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو مدرسہ احمدیہ آرہ اور جماعت کی امارت کا بوجھ رحیم آبادی پر ڈال گئے۔اس صوبائی (بہاری) تنظیم کے ساتھ مولانا رحیم آبادی آل انڈیا تنظیم کے لئے کوشاں رہے۔اخبار اہل حدیث کے ذریعہ اس تحریک کو شروع کیا اور علماء اہل حدیث نے بھی اپنی آراء اخبار کے ذریعہ نشر کیں۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کے اخبار اہل حدیث میں اس کانفرنس کے لئے اتفاق رائے کا اعلان کر دیا گیا اور مولانا ابوالقاسم بنارسی نے تحریر فرمایا کہ مجھے بھی اس کانفرنس سے اتفاق ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ جلسہ مذاکرہ علمیہ قریب آ رہا ہے لہٰذا اس اہل حدیث کانفرنس کا انعقاد بھی اسی جلسہ میں ہو جائے (۵) چنانچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق مدرسہ احمدیہ آرہ کے مذاکرہ علمیہ کا اجلاس ۲۲۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۶ء ہونا قرار پایا جس میں آل انڈیا کے چوٹی کے علماء شامل ہوئے حتیٰ کہ حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی بھی صعوبت سفر اٹھا کر وہاں پہنچے اور باتفاق آراء کانفرنس کی تجویز منظور ہو گئی۔اور حافظ عبداللہ صاحب کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے اور ان تین افراد پر تنظیم جماعت کی ذمہ داری ڈالی گئی: مولانا رحیم آبادی، مولانا ثناءاللہ امرتسری، اور محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔

اصحاب ثلاثہ کی مساعی: چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ان اصحاب ثلاثہ نے جماعتی تنظیم کے لئے ملک بھر کے دورے کیے اور عوام کو اس تنظیم کے اغراض ومقاصد سے متعارف کروایا، بلکہ جماعت کو بنگال سے پشاور تک ایک مرکز پر جمع کر دیا اور ہر سال اس کے سالانہ اجلاس کرواتے رہے ہم ان سالانہ کانفرنسوں کی تفصیل ''تحریک کے چند اوراق'' میں بیان کر چکے ہیں۔

تحریک مجاہدین میں مولانا کی سرگرمیاں: تحریک جہاد کے بانی امیر قافلہ سید احمد شہیدؒ اور ان کے وزیر شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ان دونوں بزرگوں کی شہادت کے بعد صادق پور علماء نے اس تحریک کو زندہ رکھا اور صادق پور پٹنہ میں مرکزی امیر مولانا عبدالرحیم صادق پوری قرار پائے۔مولانا رحیم آبادی بھی اس تحریک میں شامل تھے، جب مولانا عبدالرحیم گرفتار ہوئے تو ان کے بعد

مولانا مبارک علی وتبارک علی بالترتیب قائم مقام امیر مقرر ہوئے۔ پھر ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کے بعد ۱۸۷۲ء میں تحریک کی تمام تر ذمہ داری مولانا رحیم آبادی پر ڈالی گئی اور آپ نے زندگی بھر اس ذمہ داری کا پورا حق ادا کیا اس کی تفصیل ہم ''تحریک مجاہدین'' میں بیان کر آئے ہیں۔

مدرسہ احمدیہ، دربھنگہ: حضرت میاں صاحب دہلوی کے تلامذہ نے ہندوستان کے مختلف صوبہ جات میں دینی درس گاہیں قائم کر لی تھیں جو تحریک اہل حدیث کے لئے مراکز کی حیثیت اختیار کر گئی تھیں چنانچہ ۱۸۹۸ء کو مولانا ابومحمد ابراہیم آروی نے مدرسہ احمدیہ آرہ کی بنیاد رکھی۔(۶) ان کے ہجرت کرنے جانے کے بعد اس کا اہتمام بھی مولانا رحیم آبادی کے سپرد ہوا۔ یہ مدرسہ کئی سال بڑی تندہی سے چلتا رہا اور پورے ہندوستان سے شائقین علم اس مدرسہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔

بالآخر حالات کی مجبوری کے تحت مولانا نے یہ مدرسہ دربھنگہ منتقل کر دیا۔ جواب دارالعلوم دربھنگہ کے نام سے چل رہا ہے۔ مولانا کے بعد ابوعبداللہ رحیم آبادی مدرسہ کے نگراں مقرر ہوئے اور ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۷ھ کو ڈاکٹر سید محمد فرید دارالعلوم کے ہو رہے۔

تبلیغی مساعی: یوں تو ہمارے اکابر تبلیغ ووعظ اور مسلک اہل حدیث کی نشر واشاعت کے لئے آل انڈیا کے دورے کرتے رہے مگر انہوں نے اپنے خاص علاقوں میں نہایت محنت سے کام کیا اور عمل بالسنۃ کے لئے ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ جب ہم مولانا رحیم آبادی کی تبلیغی مساعی کو ان کے خاص علاقہ کے تناظر سے دیکھتے ہیں تو ان کی محنت شاقہ اور حسن انتظام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مولانا کا خاص علاقہ مشرقی بہار تھا جو کہ مظفر پور، دربھنگہ، چمپارن، اور ترہت پر مشتمل تھا۔ مولانا نے اس علاقہ کے دیہات کے دورے کر کے ہر گاؤں میں ایک سردار مقرر کیا اور چند گاؤں کے لئے ایک ذیلی مرکز بنایا جو اپنے ماتحت مواضعات کو کنٹرول کرتا اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے خود مولانا سال میں ایک یا دو مرتبہ دورہ کرتے تاکہ کتاب وسنت پر عمل کے جذبہ کو بیدار رکھا جا سکے اور شرک وبدعات کو مٹانے کے لئے تازہ دم مساعی عمل میں لائی جا سکیں۔

مجالس وعظ: اس غرض سے سالانہ جلسے رکھے جاتے تاکہ اجتماعی طور پر وعظ ونصیحت کی جا سکے۔ اور گزشتہ سال کے کام کا جائزہ لے کر آئندہ سال کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔ اور مولانا ابراہیم آروی اس غرض کے لئے مدرسہ احمدیہ میں ''مذاکرہ علمیہ'' کے نام سے سالانہ جلسہ کیا کرتے تھے۔ مولانا آروی کی ہجرت کے بعد یہ ذمہ داری مولانا رحیم آبادی پر تھی کہ مدرسہ احمدیہ کے انتظام وانصرام کے ساتھ سالانہ مذاکرہ علمیہ کا بھی اہتمام کیا جائے چنانچہ مولانا اس ذمہ داری سے باحسن طریق عہدہ برآ ہوتے رہے مولانا اس جلسے کو مدرسہ احمدیہ تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ صوبہ کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ اجلاس منعقد ہوتے رہے جن کی افادیت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ مذاکرہ علمیہ کے سترہویں جلسہ کے موقع پر ۱۹۰۶ء کو ''آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس'' کا وجود عمل میں آیا اور اس سے ایک سال پہلے یعنی ۱۹۰۵ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی تفسیر کی وجہ سے جو نزاع پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے تصفیہ کے لئے مولانا رحیم آبادی نے مثبت کوششیں کیں جن کے پیش نظر جلسہ مذاکرہ علمیہ کے موقع پر اس کے لیے حکم مقرر ہوتے تھے۔

تصانیف: مولانا رحیم آبادی راسخ فی العلم تھے اوران کی زندگی کا اکثر حصہ تبلیغی مہمات میں گزرا لیکن ساتھ ہی آپ نے تصنیف وتالیف کے میدان میں جو باقیات چھوڑی ہیں وہ اگرچہ آپ کی تبلیغی مہمات کا حصہ ہیں لیکن آپ کے علم وتحقیق پر شاہد عدل ہیں۔

سواء الطریق ترجمہ مشکوۃ المصابیح: علامہ بغوی (۷) نے ''المصابیح'' کے نام سے حدیث کا مجموعہ ترتیب دیا، جس کے متعلق صاحب مشکوۃ (۸) لکھتے ہیں: أجمع كتاب صنف في بابه، واضبط لنوارد الاحاديث وأوابدها ۔یعنی یہ کتاب احادیث کا بہترین انتخاب ہے صاحب مشکوۃ نے اسی المصابیح کو از سرنو مرتب کیا اوراحادیث کے مخارج کا اضافہ کرکے کتاب میں جو اصولی نقص تھا اس کو دور کردیا۔اس طرح مشکوۃ المصابیح احادیث کا بہترین مجموعہ بن گئی اور ہمارے دینی مدارس میں اس کو مقررات کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ بہت سے علماء نے شروح اور حواشی لکھ کر اس کتاب کی خدمت کی ہے۔ملا علی القاری کی ''مرقاۃ'' اور شیخ عبدالحق کی ''لمعات'' اس کی اہم شروح شمارہ ہوتی ہیں۔لیکن ان میں ایک مکتب فکر کی ترجمانی کی گئی ہے تاہم حلّ مطالب کی حد تک انہوں نے حق شرح ادا کردیا ہے۔اہل حدیث کے علماء میں سے تاحال کسی نے توجہ نہ دی تھی بالآخر قیام پاکستان کے بعد مولانا عبیداللہ المبارکپوری سابق شیخ الحدیث مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے کمر ہمت باندھی اور ''مرعاۃ المفاتیح'' کے نام سے مشکوۃ کی جامع ترین شرح لکھی جو ہر لحاظ سے مفید ترین اور کامل شرح ہے تاہم اردو میں اس کا کوئی ایسا ترجمہ شائع نہ ہوسکا جو سلفی انداز تحقیق کے مطابق تشریحات پر مشتمل ہوتا۔مولانا ابراہیم آروی نے ''طریق النجاۃ'' کے نام سے اس کا ترجمہ کیا تاہم اسے مختصر ترجمہ کہنا انسب ہے گو یہ ترجمہ زبان واسلوب کے لحاظ سے معیاری ترجمہ ہے اور یہ ترجمہ اس وقت شائع ہوا جب کہ حدیث کے اردو تراجم (صحاح ستہ) شائع نہیں ہوئے تھے سو عوام میں بڑا مقبول ہوا۔

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے ترجمہ مشکوۃ میں ایک دوسرا انتخاب بھی کیا، یعنی مشکوۃ میں سے ہر باب کی فصل اول (جو صحیحین کی احادیث پر مشتمل ہے) کا سلیس ترجمہ کیا اوراس کا نام ''سواء طریق'' رکھا۔(۹) ہمارے پاکستانی علماء میں سے حافظ عبداللہ صاحب روپڑی غفراللہ اور حافظ محمد اعظم گوندلوی رفع اللہ درجتہ نے تدریس کے لئے مشکوۃ المصابیح کو خاص کیا اوراس کی شرح لکھنے کا بھی عزم کیا تاہم یہ کام کتاب الایمان سے آگے نہ بڑھ سکا اور کالعدم ہی ہوکر رہ گیا۔اور یہ دونوں بزرگ سید نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) کے ممتاز اور متحرک تلامذہ میں سے ہیں۔اور حضرت میاں صاحب کے مشن کو چلانے میں مستعد نظر آتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا سلفی رحمہ اللہ نے بھی تشریحی نوٹس کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ شروع کیا تاہم مکمل نہ ہوسکا اور وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اس لئے یہ کام بھی تشنۂ تکمیل ہے۔اللہ تعالیٰ کسی مرد مجاہد کو یہ توفیق دے کہ وہ اس کام کو مختصر جامع حواشی کے ساتھ مکمل کرجائے تاکہ عوام اس سے مستفید ہوسکیں یا مولانا آروی کے ترجمہ کو نظر ثانی کے ساتھ مکمل کرکے شائع کیا جائے تو یہ کتاب مسلک حق کے مقاصد پورے کرنے میں بے حد مفید ہوسکتی ہے۔

حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان: یہ آپ کا دوسرا شاہکار ہے۔علامہ شبلی مرحوم نے امام ابوحنیفہ کی سیرت کیا لکھی کہ زور قلم میں بہت سی لغزشوں کا شکار ہوگئے اور بقول شخصے حدیث وتفسیر اور تاریخ وسیر مسخ کرگئے۔مولانا رحیم آبادی پہلی شخصیت ہیں

جس نے مولانا شبلی کی کتاب باقاعدہ تحقیق کی اور کتاب کی غلطیوں کی نشان دہی کی۔حتیٰ کہ شبلی مرحوم بھی لغزشوں کی اصلاح پر مجبور ہو گئے۔سیرۃ النعمان میں مولانا شبلی نے دعویٰ کیا کہ امام ذہلی نے امام بخاری کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور امام مالک اور شافعیؒ فقہاء میں سے تھے،محدث نہیں تھے اور امام حنبل کے مجتہد اور فقیہہ ہونے میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کی وجہ ان کی شرائط کا کڑی ہونا ہے اور امام صاحب نے مجلس تدوین فقہ قائم کی اور پھر اس مجلس کے ارکان کے اوصاف ذکر کئے ہیں وغیرہ۔حالانکہ یہ تمام باتیں تاریخی حقائق کے برعکس تھیں۔اس لیے مولانا رحیم آبادی نے صاحب سیرۃ النعمان پر گرفت کی اور یہ چونکہ صحیح تھی اس لیے شبلی صاحب دوسرے ایڈیشن میں اصلاح وترمیم پر مجبور ہو گئے۔

ھدایۃ المعتدی فی القراءۃ للمقتدی: یہ رسالہ ’’تحقیق قراۃ المقتدی‘‘ کا جواب ہے جو مطبع خادم الاسلام کی طرف سے شائع ہوا۔مولانا رحیم آبادی نے ہدایہ المعتدی میں اس کا رد کیا اور مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۰ھ کو شائع فرمائی۔

روداد مناظرہ مرشد آباد: ۱۳۰۵ھ میں ضلع مرشد آباد بنگال میں اہل حدیث اور احناف کے درمیان مجلس مناظرہ قائم ہوئی جو ایک ہفتہ تک جاری رہی۔اس کی روداد مولانا نے خود مرتب کی جو کتابی صورت میں شائع کی اور اس پر بطور شہادۃ مولانا ابراہیم آروی اور استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کے تقریظات بھی مرقوم ہیں اس کے مطالعہ سے مولانا کی انشاء پردازی کی بلندی مترشح ہوتی ہے۔

الرق المنشور: الرق المنشو رفی رد فتح الشکور سلیم انصاری دہلی سے شائع ہوئی اس پر مصنف کا نام مولانا محمود عالم درج ہے لیکن بعض نے اس کو مولانا کی تصنیف لکھا ہے اور مولانا محمود عالم صاحب مظفر پوری،مولانا رحیم آبادی کے تلمیذ رشید ہیں چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ میں مرقوم ہے، فتح الشکور مصنفہ میاں چراغ علی عرف حافظ عبدالشکور ساکن ٹانڈہ ہے اور مولانا عبدالعزیز کے نام سے اس کا دیباچہ لکھ رہے ہیں۔اس کتاب میں تقلید اور اس قسم کے دوسرے مسائل ہیں اور مولانا رحیم آبادی نے اس کا رد لکھا ہے۔(۱۰)

رمی الجمرۃ: یہ کتاب ’’جمرہ نامی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لیے اس کا نام رمی الجمرہ رکھا گیا ہے علاوہ ازیں مولانا کے کچھ مسودات بھی ہیں جن میں سے بعض نامکمل ہیں اور جو مکمل ہیں وہ بھی ابھی تک شائع نہیں ہو سکے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ: مولانا رحیم آبادی دارالعلوم کے لئے زمین تو اپنی زندگی میں ہی خرید چکے تھے اور اس میں پرائمری تعلیم کی حد تک انتظام بھی کر دیا تھا پھر بابو عبداللہ رحیم آبادی کی جگہ امیر مقرر ہوئے تو انہوں نے دارالعلوم کی تکمیل کے لئے کوششیں جاری رکھیں۔بالآخر یہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے نام سے قائم ہو گیا اور بابو عبداللہ کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب اس کے منصرم رہے اور ان کے بعد ڈاکٹر سید عبدالحفیظ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

وفات: مولانا ذیابطیس کے مریض چلے آرہے تھے، کافی عرصہ بیمار رہ کر ۴ جمادی الآخری ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

مولانا مرحوم کی وفات پر بہت سے لوگوں نے نظم ونثر کے ذریعہ اپنے قلبی اور جماعتی لگاؤ کا اظہار کیا ہم یہاں پر مولانا ثناءاللہ

صاحب اور مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔شیخ الاسلام مولانا ثناءاللہ مرحوم ۲۶ مارچ ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں لکھتے ہیں۔آہ! مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ من شاء بعدك فليمت، فعليك كنتُ احاذرُ ۔

آہ میں اس غم کو کن لفظوں میں لکھوں قلم لکھ رہا ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں اور دل مضطرب! مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہی کلمہ کہے جس کی شریعت نے اجازت دی یعنی انا لله وانا اليه راجعون۔

آہ! ہماری جماعت کو باپ کی طرح کون ڈانٹے گا، مربی کی طرح ہماری کون خبر لے گا، ہماری کانفرنسوں کی صدارت کون کرے گا، مولانا آپ تو آرام میں جا پہنچے مگر ہماری بھی کوئی خبر ہے لیجئے میں اب وہی مصرعہ لکھتا ہوں جو آپ کی طرف سے حظ وفرحت پہنچنے پر لکھا کرتا تھا:؎ گیرم کہ غم نیست غم ماہم نیست۔

آہ! عبدالعزیز آج تو کہاں چلا گیا کہ ہم کو جواب نہیں دیتا۔انا اللہ مختصراً نیچے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے ۴ دسمبر ۱۹۲۵ء کو اخبار اہل حدیث میں ایک پیغام قوم کے نام شائع کیا، اس سے قبل ۲۵ فروری ۱۹۲۵ء کو مئو ناتھ بھنجن میں اہل حدیث کانفرنس کا اجلاس ہو چکا تھا جس کا خطبہ استقبالیہ مولوی احمد نے دیا آہ! اس شیر میدان تقریر محبان بلاغت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کی جلالت ورعب والی پیشانی کا جمال کیسے کراؤں میں خداوند قدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے سارا ہندوستان چھان مارا مجھے اس قابلیت کی ایک وجامعیت کی ایک ہستی بھی نظر نہیں آئی چہ جائیکہ چہار یار مولانا ڈیانوی، مولانا پھلواروی، حافظ غازی پوری اور مولانا رحیم آبادی کا نصاب پورا کردوں۔ میں محض اعتقاد سے نہیں کہتا بلکہ اپنی ناقص فراست ومردم شناسی کی بناء پر کہتا ہوں کہ ان چاروں وجودوں نے اپنے پیچھے اپنا بدل نہیں چھوڑا۔ مدعی دعویٰ کرتے پھرے لیکن شیر قالین اور ہے اور شیر نیستاں اور ہے۔جب سے آخر ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو حضرت رحیم آبادی نے انتقال کیا تو میں نے خطبہ جمعہ میں پکار کر کہہ دیا تھا کہ جماعت کی طشتری کا سرپوش اٹھ گیا۔الخ۔

اخبار اہل حدیث میں مولانا امرتسری مرحوم کے بیان کی روشنی میں ہم کہتے ہیں: مولانا امرتسری نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو''اہل حدیث کانفرنس'' کے اجلاس منعقدہ آرہ (۱۱) حاضرین کرام! ابھی کل کا واقعہ ہے کہ اس شہر آرہ میں ''مذاکرہ علمیہ'' کے نام سے ایک جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا اس میں جو علماء شریک ہوتے تھے آج ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں ان میں چند کے نام یہ ہیں۔حضرت استاد العلماء حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری شاہوار میدان فصاحت حضرت رحیم آبادی، مولانا شمس الحق ڈیانوی صاحب عون المعبود۔مولانا عبدالرحمن صاحب شارح ترمذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحبِ سیرۃ البخاری، جماعت اہل حدیث کے ابراہیم دھم مولانا شاہ عین الحق پھلواروی کے استاذ مولانا علی نعمت مرحوم، ہندوستان کے استادان سیاست، ممبران خاندان صادقپور مولانا عبدالجبار صاحب عمرپوری۔حکیم نظام الدین صاحب، مولوی مسلم خان صاحب، مولوی حکیم ادریس صاحب، مولانا عبدالغفور صاحب رحمه الله عليهم اجمعين اللهم اغفر لهم وارفع درجاتهم وابدل لهم دار خير من دارهم واهلا خير من اهلهم۔ان حضرات کی جدائی پر مولانا حالی کی رباعی یاد آگئی آپ فرماتے ہیں:؎

غالب ہے نہ شیفتہ نہ نیر باقی
وحشت ہے نہ سالک نہ ابور باقی

حالی اب انہی کو بزم یاراں سمجھو
یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

اخبار اہل حدیث کی تحریک پر جلسہ آرہ مذاکرہ علمیہ ۱۹۰۶ء میں ''اہل حدیث کانفرنس'' کی بنیاد رکھی گئی، جس کے صدر مولانا عبداللہ غازی پوری اور ناظم مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ قرار پائے، اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں جب محمد پور کواری میں مذاکرہ علمیہ کا جلسہ منعقد ہوا تو اس میں قرار پایا کہ اہل حدیث کانفرنس کی گاڑی پھر سے چلانے کے لئے ایک دفعہ ملک کا دورہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس وفد کے تین ارکان منتخب ہوئے۔ مولانا رحیم آبادی کی معیت میں مولانا امرتسری اور میر سیالکوٹی مرحوم، سب سے پہلے حافظ محمد امین دہلوی نے جو ان دنوں راج شاہی میں تجارت کرتے تھے، راج شاہی میں پہنچنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وفد وہاں پہنچا اور ایک جلسہ بھی منعقد ہوا اس کے بعد یہ وفد کلکتہ چلا آیا۔ اور پھر بنارس، بنارس سے پنجاب کا رخ کیا بعد میں یہ وفد لدھیانہ پہنچا۔ ان دنوں مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ زندہ تھے۔ ان کے ہاں قیام رہا پھر لدھیانہ سے امرتسر، پھر لاہور پھر براستہ امرتسر دہلی پہنچا۔ دہلی میں اس وقت مولوی محمد حسین کوئلہ والے زندہ تھے۔ انہوں نے وفد کی مہمانی اور قیام کا انتظام کیا، ان کے بھائی حافظ محمد حسن بھی وفد کی مہمان نوازی میں شریک رہے۔

جلسہ آرہ میں یہ طے ہو گیا تھا کہ کانفرنس کا صدر دفتر دہلی میں رہے گا۔ چنانچہ اس کے لئے احباب دہلی کو جمع کیا گیا جس میں مولانا عبدالوہاب دہلوی، حافظ حمید اللہ صاحب پیچک والے، مولوی حکیم عبدالوہاب، حافظ عبدالوہاب صاحب، مولوی ابوالحسن صاحب، میاں سید نذیر حسین صاحب دہلوی، حاجی عبدالغفار صاحب علی جان والے، مولوی احمد حسن مرحوم اور مولانا ضمیر مرزا وغیرہ اعیان اہل حدیث کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے۔ کانفرنس کے صدر مولوی احمد حسن صاحب قرار پائے اور ناظم مولانا امرتسری ہی رہے۔ دفتری انتظام اور شعبہ مالیات کے سیکریٹری حافظ حمید اللہ صاحب مقرر ہوئے۔

اس کے بعد کانفرنس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۲ء کو دہلی میں منعقد ہوا جو بہت پر رونق رہا اور طے پایا کہ کانفرنس کا آئندہ سالانہ جلسہ امرتسر میں ہوگا اور پھر امرتسر کے بعد پشاور میں کانفرنس کا جلسہ ہوا۔ پشاور والے جلسہ کے صدر ارباب عبدالرؤف خان تھے اس کے بعد کانفرنس کے سالانہ جلسے گوجرانوالہ، ملتان، علی گڑھ، بنارس، آگرہ، مئوناتھ بھنجن (اعظم گڑھ) کلکتہ، اور مدراس جیسے مقامات پر ہوتے رہے۔

۱۹۳۹ء کو کانفرنس کا ۲۱واں جلسہ فتح گڑھ چوڑیاں ضلع گرداسپور (مشرقی پنجاب) میں ہوا جس کے صدر مولانا عبدالقادر صاحب قصوری مرحوم تھے۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء کو کانفرنس کا ۲۲واں سالانہ اجلاس اپنے مولد یعنی شہر آرہ میں ہوا۔ اس لئے آئندہ سال مدراس کے جلسہ میں مولوی محمد حسن کے صاحبزادے نے نظم پڑھی اس میں ایک مصرع یہ تھا۔ ؎ چہ خوش بودے اگر عبدالعزیز ایں جلسہ مے دیدے۔ مدراس کا یہ اجلاس ۳ مئی ۱۹۱۸ء کو ہوا (اجلاس کی رپورٹ ۲۴ مئی ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئی) اس میں ایک نظم پڑھی گئی، جس کا ایک بند یہ تھا۔ ؎ کیا خوب ہوتا وہ بھی گر آج زندہ ہوتے۔ عبدالعزیز نامی ''حسن البیان'' والے، اس اجلاس کی صدارت حافظ عبداللہ غازی پوری کے سپرد تھی۔ ان کی طرف سے نیابت میں مولوی ابوالبرکات محمد عبداللہ صاحب حیدر آبادی نے خطبہ

صدارت پڑھا۔ ۱۵/اپریل ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں مولانا مرحوم کے انتقال پر مولانا امرتسری نے ایک بیان شائع کیا۔ ؎

ہر بلاتے کنو آسمان ابد خانہ بیکساں تلاش کند

جس میں مولانا امرتسری نے مولانا رحیم آبادی کی موت پر تاسف کا اظہار کیا اور پہلے مرحومین کے نام سے جن میں مولانا ڈیانوی، مولانا غزنوی، حافظ وزیر آبادی، مولانا تلطف حسین، عبدالسلام دہلوی، مولانا آروی، مولانا سہسوانی، مولانا عمر پوری مع فرزند، مولانا ابقا غازیفوری، مولانا محمد جامری کے نام شامل تھے، مولانا نے فرمایا: مولانا رحیم آبادی کے صدمہ نے ان سب کی یاد تازہ کردی ہے اور فرمایا ہمارے مفسرین نے ۔ رحسین فرداطعمۂ اجل ہورہے ہیں مصنفین ہمارے دیکھتے ہوئے ہمیں الوداعی سلام کہہ رہے ہیں اور ہم میں سے کسی وقت وہ احساس سے خالی ہاتھوں پر ہاتھ دھرے تائید آسمانی کے منتظر ہیں، اس کے بعد ۳ مئی ۱۹۱۸ء کو مدراس میں اہل حدیث کانفرنس ہوئی جس کی رپورٹ ۲۴ مئی ۱۹۱۸ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئی۔

مناظرات: مناظرہ بذات خود دعوت وتبلیغ کا جزء لاینفک ہے۔ ہر زمانہ میں دعوت حق کے لئے مخالفین سے مجادلات ومناظرات بھی ہوتے رہے۔ خود قرآن میں فرق اربعہ باطلہ سے مجادلات مذکور ہیں اور ان کی افادیت بھی مسلم ہے۔ مولانا سلفی مرحوم اپنے ایک مقالہ میں علمائے اہل حدیث کی مناظرانہ سرگرمیوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

بعض بزرگوں نے مناظرات کی راہ اختیار کی، وقتی خطرات کے لئے یہ ایک مفید علاج تھا۔ اور وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جس طرح بدعی خیالات کی اشاعت شروع کی تھی اگر اس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا تو آج پانی سر سے گزر گیا ہوتا۔ اگر صورتحال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ اختیار کر لیتی، مولانا رحیم آبادی بھی ایسے دور میں زندگی گزار رہے تھے، جس کو مناظرات کا دور کہا جاتا ہے، مولانا شیخ الاسلام امرتسری، مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی اور دیگر اکابر اہل حدیث نے دعوت وارشاد اور تبلیغ کی غرض سے مخالفین سے مناظرات میں اپنی زندگی کا بہترین حصہ اور صلاحیتیں صرف کر ڈالیں اور اسلام کے دفاع کے لئے عیسائیت، مرزائیت، چکڑالویت، اور آریہ سماج سے مناظرات کیے اور ان کے اسلام پر اعتراضات کے دنداں شکن جوابات دینے اور تحریک اہل حدیث کے دائرہ کو آل انڈیا میں وسیع کرنے کے لئے مقلدین سے بھی مناظرے کئے اور تقلید وجمود کو توڑنے کے لئے متعدد مناظروں سے کامیابی کے جوہر دکھائے، اس طرح توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ مولانا رحیم آبادی کو بھی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں مناظرات کے میدان میں کودنا پڑا، اس ضمن میں اہل حدیث اور احناف کے درمیان بہت سی مجالس مناظرۃ منعقد ہوتی رہیں۔ مگر اس میں مرشد آباد (بنگال) کے مناظرہ میں کامیابی کی وجہ سے اس علاقہ میں تحریک اہل حدیث کے دائرہ کو وسعت پزیری کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس مناظرہ میں فریقین کے اکابر علماء شریک ہوئے۔ اہل حدیث جماعت کی طرف سے مولانا رحیم آبادی کو مناظر مقرر کیا گیا اور اہل حدیثوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تفصیل کے لئے ''مناظرہ مرشد آباد'' مطبوعہ کراچی دیکھا جاسکتا ہے اور مولانا کی تالیفات کے ضمن میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

خطابت: مولانا رحیم آبادی فن خطابت کے ماہر تھے اور تقریر میں مجمع پر چھا جاتے کہ حاضرین رحیم آبادی کے علاوہ کسی کی تقریر سننا گوارہ نہ کرتے: (۱۲) حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ''اخبار اہل حدیث'' میں لکھتے ہیں: گرحق یہ ہے کہ مولانا رحیم آبادی کی تقریر کچھ ایسی دلپذیر ہوتی ہے کہ بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ:

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ کا جادو تیری زبان میں ہے

حوالہ جات:

۱۔اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۹۲۰ء،نزہۃ الخواطر ۸/ ۲۲۷
۲۔اخبار اہل حدیث امرتسر۔
۳۔حیات ثنائی سوہدروی،ص ۲۳۳۔
۴۔اخبار اہل حدیث امرتسر، ۴جون ۱۹۲۷ء۔
۵۔اخبار اہل حدیث امرتسر، ۱۴دسمبر ۱۹۰۶ء۔
۶۔تفصیل کے لئے دیکھئے: تذکرہ مولانا ابراہیم آروی،محدث نمبر۔ ۹۴۔
۷۔ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۵ء۔
۸۔الشیخ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری والتبریزی۔
۹۔اس کا پہلا ایڈیشن مطبع فاروقی میں طبع ہوا اور دوسرا اور تیسرا ایڈیشن دارالعلوم احمد سلفیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔
۱۰۔فضل الرحمن مولانا عبد العزیز رحیم آبادی۔
۱۱۔اخبار اہل حدیث دہلی، ۱۵نومبر ۱۹۵۱ء کو یہ تقریر دوبارہ شائع ہوئی۔
۱۲۔اہل حدیث امرتسر مجریہ۔ ۱۴اپریل۔

(ماخوذ از ماہنامہ محدث/شمارہ نمبر ۲۰۲/جلد ۲۶ـ جنوری ۱۹۹۵ء لاہور)

❑❑❑

علامہ عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ

حیات وخدمات (۱۸۵۴ء/۱۹۱۸ء)

عزیر احمد شمس۔مکہ مکرمہ

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (۱۸۵۴ء۔۱۹۱۸ء) برصغیر کے ایک زبردست عالم مجاہد، مناظر، داعی اور مصلح تھے۔ انہوں نے صوبۂ بہار کے اندر خصوصاً اور دیگر علاقوں میں عموماً جو مذہبی اور اصلاحی خدمات انجام دی ہیں ان کے اثرات آج بھی محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں ان کے خلاف جہادی تحریک میں بھی حصہ لیا، بلکہ آخری دور میں اندرونِ ہند خفیہ طور پر اس کی قیادت بھی کی۔ افسوس کہ اس کی بہت کم تفصیلات دستیاب ہیں جو ادھر بعض مورخین مثلاً غلام رسول مہر (م ۱۹۷۱) وغیرہ نے مہیا کی ہیں۔

تعلیمی میدان میں ان کی خدمات کی زندہ وجاوید یادگار دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (قائم شدہ ۱۳۳۶ھ) ہے جو اگرچہ پورے طور پر مرحوم مدرسہ احمدیہ آرہ (قائم شدہ ۱۲۹۷ھ) کی جگہ نہ لے سکا، مگر پھر بھی اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت اور ان کے تحفظ وبقاء کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ مولانا رحیم آبادی کی زندگی کا بڑا حصہ مدرسہ احمدیہ آرہ کے انتظام وانصرام میں گزرا، وہ مولانا ابراہیم آروی (۱۸۴۸ء۔۱۹۰۲ء) کے دستِ راست تھے، تمام اصلاحی پروگراموں میں ان کے معاون ومددگار رہے۔ مدرسہ کو ان دونوں نے مل کر اتنی ترقی دی کہ اس کا شمار برصغیر کے ممتاز جامعات میں ہونے لگا تھا، بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق نظامِ تعلیم کی اصلاح، نصاب میں ترمیم، اس میں جدید علوم وفنون کا اضافہ، طلبہ کے لئے ہوسٹل کی تعمیر ہر مکتب کے علماء وفضلاء کا سالانہ اجتماع اور ''مذاکرہ علمیہ'' کے نام سے علمی سیمینار کا انعقاد، اسلاف کی قدیم ونایاب کتابوں کی طباعت اور ہر طبقہ کے لئے مختلف موضوعات پر تصانیف وتراجم کی اشاعت اور ان جیسے بہت سارے کام ہیں جو عربی مدارس کی فضا میں پہلی بار مدرسہ احمدیہ نے شروع کئے۔ پھر دوسرے اداروں (خصوصاً ندوۃ العلماء، قائم شدہ ۱۳۱۱ھ) اور اس کے بعد ''دارالعلوم'' (قائم شدہ ۱۳۱۶ھ) نے اس کی تقلید کی۔ افسوس کہ آج اکثر مورخین دانستہ طور پر اس حقیقت کا انکار کررہے ہیں۔ جب کہ بہت پہلے سید سلیمان ندوی مرحوم (۱۹۵۳ء) نے اپنی متعدد تحریروں میں صاف طور پر اس کا اعتراف کیا تھا۔

مدرسہ احمدیہ مولانا ابراہیم آرویؒ کی وفات کے بعد زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، مولانا رحیم آبادی اس سے بے دخل کردیئے گئے، نااہلوں کے ہاتھ میں اس کا انتظام وانصرام آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دنوں میں اس عظیم الشان ادارے نے ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیا، اور ملت ایک زبردست اسلامی تربیت گاہ اور اہم علمی مرکز سے محروم ہوگئی۔

مدرسہ احمدیہ آرہ کے علاوہ خود ''ندوۃ العلماء'' کے سالانہ جلسوں اور مختلف پروگراموں میں مولانا رحیم آبادی جس شوق اور دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے تھے اس کا اندازہ ان کی رودادوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان جیسے مخلصین نے صرف رضائے الٰہی کی خاطر دین کی خدمت کی، یہی وجہ ہے کہ اپنے زمانے میں اٹھنے والی ہر اصلاحی تحریک کی بڑھ چڑھ کر تائید کی۔ اور کبھی بھی کسی مخصوص مسلک،

جماعت، تنظیم، ادارے یا علاقے کے تعصب میں مبتلا نہ تھے، ملی مسائل سے کنارہ کش نہ ہوئے۔ بلکہ تواضع کی انتہا یہ کہ ایک بڑے ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود ان ہی جیسے مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اٹھنے والی ایک دوسری تحریک کی آواز پر فوراً لبیک کہا اور کسی طرح کے حسد کے جذبے میں مبتلا ہونے کے بجائے خوشی محسوس کی، کیونکہ ان کے سامنے دین وملت کی خدمت تھی، کریڈٹ لینے کا چکر نہیں، وہ دنیا میں شہرت اور ناموری کے طالب نہ تھے، بلکہ آخرت میں اجروثواب کے متمنی تھے۔ افسوس کہ آج اکثر جماعتوں، تنظیموں اور اداروں میں یہ وصف مفقود ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں تعاون وتناصر کے بجائے بغض وعداوت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

مولانا نے اپنی زندگی کے ایک حصے میں مناظرے بھی کئے، ان میں مناظرہ مرشدآباد (۱۳۰۵ھ) خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جو ان کے اور مولانا عبدالحق حقانی حنفی کے مابین تقلید کے مسئلے پر ہوا تھا۔ کچھ اختلافی موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں۔ ان کی تالیفات میں ''حسن البیان'' کافی مشہور ہوئی جس میں انہوں نے مولانا شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ھ) کی کتاب ''سیرۃ النعمان'' کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یہ ایسی مدلل اور محققانہ ہے کہ آج تک کئی بار چھپنے کے باوجود علمائے احناف سے اس کا جواب نہ بن سکا، ہاں اس کی روشنی میں ''سیرۃ النعمان'' کے بعد کے ایڈیشنوں میں کافی ترمیم واصلاح البتہ کردی گئی۔ ''حسن البیان'' کی تالیف مولانا نے اس زمانے میں شدید ضرورت کے تحت کی تھی، تاکہ محدثین خصوصاً (امام بخاریؒ) سے متعلق مولانا شبلی کے بیجا اتہامات کی تردید، امام ابوحنیفہؒ سے متعلق ان کے موقف کی تحقیق اور اہل حدیث واہل رائے دونوں مکتب فکر کے اصول اور طریقۂ استنباط کی وضاحت ہوجائے۔ اس صدی میں یہ غالباً اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی، اس کے بعد مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۹۲۴ء) کی ''سیرۃ البخاری'' سے لے کر علامہ معلمی (م ۱۹۶۶) کی ''التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل'' (دوجلدیں) اور مولانا رئیس احمد ندوی کی ''اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات'' (چار جلدیں) تک بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اور اب حقائق اتنے واضح ہوچکے ہیں کہ ان سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

مولانا نے روداد ومناظرات کے علاوہ عوام کو دین سے روشناس کرانے کے لئے بھی بعض کتابیں لکھیں جن میں ''سواء الطریق'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں انہوں نے مشکوٰۃ المصابیح میں سے ہر باب کی فصل اول (جو بخاری اور مسلم کی حدیثوں پر مشتمل ہے) کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔ مولانا رحیم آبادی سے قبل یہی کام مولانا ابراہیم آروی نے ''طریق النجاۃ'' میں کیا تھا، انہوں نے ترجمہ میں اختصار کو ملحوظ رکھا تھا، جب کہ مولانا رحیم آبادی نے بلاکم وکاست ہر حدیث کا مکمل ترجمہ کیا تھا مگر زبان واسلوب کے لحاظ سے ''طریق النجاۃ''، سواء الطریق'' سے بدرجہا بہتر ہے، سوال یہ ہے کہ آخر مولانا رحیم آبادیؒ نے اپنی کتاب کی ترتیب واشاعت از سرنو کیوں کی؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ چونکہ مدرسہ احمدیہ کی تمام مطبوعات کے حقوق طبع اس کے مطبع خلیلی کے نام سے محفوظ تھے، اس لئے مولانا رحیم آبادی وہاں سے علاحدگی کے بعد ان کی طباعت واشاعت کے مجاز نہ تھے۔ حدیث کے اس مجموعے کو عوام میں چونکہ بڑی مقبولیت حاصل تھی، مگر قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر اس کی دوبارہ اشاعت نہیں ہوسکتی تھی اس لئے مولانا نے افادہ عام کی خاطر از سرنو ترجمہ کی ضرورت محسوس کی۔ ''طریق النجاۃ'' کو تقریباً سب بھول گئے، ضرورت ہے کہ اب دونوں کتابیں ان کے پہلے ایڈیشن کی بنیاد

پر سلیقے سے ایڈٹ کر کے از سرنو چھاپی جائیں، کیوں کہ متداول ایڈیشنوں میں زبان وبیان کے اندر کافی ترمیم کردی گئی ہے، اور جابجا حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے جو امانتِ علمی کے منافی اور تحقیق کے اعتبار سے ناروا ہے، میں ان دونوں کی طباعت واشاعت کی طرف اس لئے دعوت دلانا چاہتا ہوں کہ میری نظر میں اردو میں صحیح احادیث کا ان سے اچھا انتخاب موجود نہیں۔

تصنیف وتالیف، مناظرہ ومباحثہ اور تعلیمی وسیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے زندگی بھر دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا ایک خوش بیان واعظ اور خطیب تھے ان کی تقریریں بڑی موثر اور دلنشیں ہوا کرتی تھی۔ صوبۂ بہار کے علاوہ متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جلسوں کے اندر بلائے جاتے۔ اور بڑے شوق سے ان کا بیان سنا جاتا۔ وفات کے بعد کئی جلسوں میں ان کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کی گئی، ان کا ذکر چھڑ جاتا تو لوگوں کی آنکھیں نم ہوجاتیں بلکہ بہت سے تو زار وقطار رونے لگتے۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء) نے ایسے ہی ایک موقعہ کا چشم دید واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک صاحب نے کسی جلسے میں ایک شعر پڑھا ۔

کیا خوب ہوتی محفل گر آج زندہ ہوتے
عبدالعزیز نامی ’’حسن البیان‘‘ والے

تو پورے مجمع میں کہرام مچ گیا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، آنکھیں اشکبار ہوگئیں بڑی مشکل سے سسکیوں اور آہوں پر قابو ہوا، پھر مجلس بے کیف سی رہی۔

مولانا اپنی تقریروں میں عام طور سے معاشرے کی اصلاح، غلط رسم ورواج اور بدعات وخرافات کی تردید، توحید وسنت کی اہمیت اور اتفاق واتحاد کی ضرورت پر زور دیا کرتے تھے، ہزاروں افراد ان سے مستفیض ہوکر بدعات وخرافات سے تائب ہوئے۔

مولانا کا شمار کبار علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے، وہ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۸۰۵ء۔۱۹۰۲ء) کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، انہیں اس بات کا شدید احساس تھا کہ علمائے اہل حدیث کی انفرادی کوششیں دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں زیادہ بارآور نہیں ہورہی ہیں، خصوصاً میاں صاحب کی وفات کے بعد تو دہلی کی وہ حالت نہ رہی جو پہلے تھی۔ علماء منتشر ہوگئے، کوئی مرکز نہ رہا، جہاں جمع ہوکر تبادلہ خیال کرتے اور دعوت وتبلیغی کاموں کے لئے تفصیلی پروگرام مرتب کرتے، ضرورت تھی کہ برصغیر کے پیمانے پر ان علماء کی ایک تنظیم بنائی جاتی اور ان کی شیرازہ بندی کر کے ہر ایک کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا۔ تاکہ دعوت کے کام میں مزید پیش رفت ہوتی۔ ان ہی امور کے پیش نظر ۱۹۰۶ء میں ’’اہل حدیث کانفرنس‘‘ کا قیام عمل میں آیا، مولانا رحیم آبادی اس کے بانیوں میں سے تھے، اور تاحیات اس کے اہم رکن رہے۔ کانفرنس کے سکریٹری مولانا ثناءاللہ امرتسری ہمیشہ تمام امور میں ان سے مشورے لیتے اور ان پر بیحد اعتماد کرتے تھے۔ آزادی (۱۹۴۷ء) تک کانفرنس کافی سرگرم رہی، مگر اس کے بعد سے آج تک اسے جن ناگفتہ بہ اور نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ضرورت ہے کہ آج بھی علماء اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں لوجہ اللہ دین کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، اور مادیت کے اس دور میں زہد وتقویٰ اور استغناء وتوکل کا نمونہ بن کر دکھائیں۔ یہی ہمارے اسلاف کا شیوہ رہا ہے۔

(نوائے اسلام دہلی)

❑❑❑

مولانا عبدالرحمن لکھنوی ثم دلالپوری اور جھارکھنڈ

وفات ۱۹۱۸ء

مولانا اشفاق سجاد سلفی

دامنِ کوہ (جھارکھنڈ) میں تحریک شہیدین اور اس تحریک کے متوسلین کے اثرات آج بھی جا بجا محسوس کئے جاتے ہیں۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ تحریکِ شہیدین اور تحریکِ مجاہدین کو مالی اور افرادی تعاون اس علاقے سے ملنے کی بناء پر اس کے کارندے ہمیشہ اس علاقہ میں اقامت پذیر ہوتے اور اپنے اعمال وکارنامے اور ڈیوٹی وذمہ داریاں انجام دیتے تھے۔اسی نوع کی ذمہ داریاں ادا کرنے والوں میں سے ایک مولانا ملیح آبادی لکھنوی ثم دلالپوری (والدِ محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان دلالپوری) تھے۔

آپ جوش ملیح آبادی کے وطن ''ملیح آباد''، لکھنو، اترپردیش کے رہنے والے تھے۔ابتدائی تعلیم وتربیت اور نشوونما کی تفصیل نہیں مل سکی، البتہ جب آپ نے تحریک شہیدین سے انسلاک وتعلق اختیار کیا، تو ریاستِ رام پور میں تعلیمی، اصلاحی، دعوتی اور تحریکی تربیت وٹریننگ حاصل کی۔اس دوران ٹریننگ پانے والے ان کے ساتھیوں میں مولانا ولایت علی عظیم آبادی بھی تھے۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی تحریکِ شہیدین کے امیر ۱۸۴۰ء میں مقرر ہوئے، تو انہوں نے صرف افراد سازی پر دھیان مرکوز نہ کیا، بلکہ ان کے مشن وکار میں دعوت وتبلیغ، اصلاح سماج ومعاشرہ، بدعات وخرافات کا ازالہ اور تعلیم وتربیت کا فروغ بھی شامل تھا، جس کا واقعی بہت بڑا فائدہ ہوا۔انہوں نے اپنے اسی مقصد کی تحصیل کے لئے اپنے ہم درس مولانا ملیح آبادی، لکھنوی، ثم دلالپوری کو جھارکھنڈ کے شمال مشرق اور مغربی ومشرقی بنگال کے علاقوں میں فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ادا کرنے اور تحریکِ شہیدین کے اغراض ومقاصد کی تحقیق کے لئے ۱۸۴۰ء میں روانہ کیا۔بقول مولانا شمس الحق سلفی: ''بنگال کی اس سرزمین یعنی مالدہ، راج شاہی، راج محل، صاحب گنج، سنتھال پرگنہ وغیرہ میں دعوت وتبلیغ، اصلاح وتعمیر، اور مجاہدین کی جماعت تیار کرنے اور فراہمی اموال کے لئے اپنا قریبی رفیقِ سفر، نیک طینت، پاک طبیعت، فدائی اسلام، مجاہد متقی جواں سال ساتھی مولانا ملیح آبادی لکھنویؒ کو بھیجا''۔(مولانا عبدالحنان دلالپوری: شخصیت اور کارنامے: ۱۲)

مولانا مسعود عالم ندوی نے ہنٹر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''ایک شخص عبدالرحمان نامی (خلیفہ مولانا ولایت علی) مالدہ، تبلیغ کرتے ہوئے آئے، پھر وہ وہاں رہ پڑے۔شادی کرلی اور ایک اسکول میں معلم ہوگئے۔ان کی تبلیغ کامیاب ہوئی۔آدمی اور رقم سرحد کو بھیجتے رہے۔سالہا سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔۱۸۵۳ء میں ان پر شبہ ہوا، گرفتار ہوئے، پھر چھوڑ دیئے گئے''۔(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک: ۱۳۱)

مولانا ملیح آبادی جب اس علاقے میں پہنچے تو اپنا مستقر علاقہ راج محل کے معروف گاؤں ''اسلام پور'' کو بنایا۔پھر واپس نہیں گئے، یہیں پر مستقل سکونت اختیار کرلی، اور علامہ احمد اللہ خاں عظیم آبادی کی صاحب زادی ''محبوبہ خاتون'' سے شادی کی، جن کے بطن

سے دولڑکے، مولانا عبدالمنان دلالپوری اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحنان دلالپوری، اور تین لڑکیاں، مجید النساء، حمید النساء اور رشید النساء پیدا ہوئیں۔

اس علاقے میں کفر وشرک عام تھا، لوگ طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا تھے، اور رسم وتقالید کو دین ودھرم سمجھ کر انجام دیئے جاتے تھے۔ مولانا ملیح آبادی نے جب یہ ساری چیزیں دیکھیں، تو دعوت وتبلیغ، اور اصلاح وتعمیر کا کام نہایت ہی خیر وخوبی، تندہی اور اخلاص ولگن سے شروع کیا۔ ان کی دعوتی جولان گاہ جامتاڑا سے راج شاہی تک، اور ندیا سے سنتھال پرگنہ کی آخری چھور تک تھی۔ ان علاقوں کے دورے اکثر وہ پیدل کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان کی دعوت وتحریک کا اثر ہونے لگا۔ اس سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر اپنا کام مزید تیز کر دیا۔ آپ کی تبلیغ وتنظیم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس گاؤں میں جاتے وہاں کے لوگوں کو اولاً دین وشریعت کی باتیں بتلاتے، مان لینے کے بعد ان پر قائم رہنے کا عہد لیتے اور پھر ایک مقامی جمعیت قائم کر دیتے، اور ایک امیر مقرر کر دیتے، جس کو اس علاقے میں ''سردار'' کہا جاتا تھا۔ لوگ ہر معاملہ میں اس امیر کے تابع ہوتے اور مال وتعاون ان کے اشراف میں اکٹھا کرتے تھے۔ سارا مال دلالپور کے مرکز میں جمع ہوتا تھا، اور پھر اسے عظیم آباد (پٹنہ) بھیج دیا جاتا تھا۔

غلام رسول مہر نے اپنی کتاب ''سرگزشت مجاہدین'' میں ایک ذیلی سرخی ''مرکز مالدہ'' قائم کی ہے، اور اس کے تحت لکھا ہے کہ ''مرکز مالدہ کی بنیاد ہنٹر کے بیان کے مطابق ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ پڑی تھی۔ اس بیان کا مفاد یہ ہے کہ مولانا ولایت علی کے ایک خلیفہ عبدالرحمن لکھنوی ضلع مالدہ میں تشریف لائے۔ انہیں حالات سازگار معلوم ہوئے، تو اسی ضلع کے ایک گاؤں میں مدت تک ٹھہرے رہے۔ ایک مقامی خاتون (مراد صاحب زادی مولانا احمد اللہ عظیم آبادی) سے شادی کر لی، اور مدرس کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ گاؤں میں چھوٹے چھوٹے زمیندار رہتے تھے، ان کے بچے مولوی کے پاس تعلیم پانے لگے۔ بہ الفاظ ہنٹر مولوی صاحب بڑے پرجوش اور پرتاثیر انداز میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے اور ان سے باقاعدہ اعانتی رقمیں وصول کرتے۔ سال بہ سال جمع شدہ رقمیں اور فراہم شدہ آدمی اس غرض سے عظیم آباد بھیج دیتے کہ انہیں سرحد میں پہنچانے کا انتظام کر دیا جائے'' (سرگزشت مجاہدین: ۴۱۲)

مولانا ملیح آبادی کے کئی باصفا کارکن تھے، جن کو انہوں نے مختلف مقامات پر مختلف کاموں کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا غلام رسول مہر اور سید محمد میاں، وغیرہم کی کتابوں میں جن ناموں کا ذکر ملتا ہے، ان میں رفیق منڈل، مولانا امیر الدین، اور ابراہیم منڈل وغیرہم لائق ذکر ہیں۔ ان سب کے کارناموں اور خدمات کی تفصیل مذکورہ کتابوں میں موجود ہے۔ ابراہیم منڈل کے متعلق غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ ''یہ بزرگ بڑے غیور دیندار تھے۔ بزرگانِ عظیم آباد سے ان کا تعلق تھا۔ راج محل کے پورے علاقے میں ان کے تقوے، دینداری، اور جوش حمیت اسلام کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یقین ہے کہ یہ جماعت مجاہدین کا کام بڑی سرگرمی سے کرتے ہوں گے، لیکن نہ اس کی تفصیلات معلوم ہیں، نہ مقدمے کی روداد ہمارے سامنے آئی۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو اکتوبر ۱۸۷۰ء میں حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور اور ضبطی املاک کی سزا ہوئی تھی، البتہ انہیں انڈمان نہ بھیجا گیا۔ کچھ نہیں بتایا جا سکتا کہ اس کی وجہ کیا ہوئی۔ مولانا مسعود عالم کے بیان کے مطابق رسالہ اشاعۃ السنۃ میں مرقوم ہے کہ ابراہیم منڈل کو

لارڈلٹن کے حکم سے ۱۸۷۸ء میں رہا کر دیا گیا تھا۔ان کا انتقال موجودہ صدی کے اوائل میں ہوا‘‘ (سرگزشت مجاہدین:۴۱۵)

مولانا ملیح آبادی کا ایک عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معتقد و مداح ابراہیم منڈل کے ساتھ مل کر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں ’’جامعہ شمس الہدیٰ السّلفیۃ‘‘ کی بنیاد ’’دلالپور‘‘ صاحب گنج ،جھارکھنڈ میں اپنے خسر مولانا احمد اللہ خاں عظیم آبادی کے ہاتھوں سے رکھی ۔اس ادارہ کو آپ نے کیسے سجایا،سنوارا اور برگ و بار کے لائق بنایا،اس کے متعلق مولانا شمس الحق سلفی لکھتے ہیں کہ ’’مولانا لکھنوی نے مدرسہ کے قرب وجوار کے جنگلات کی صفائی کی ،اور طلبہ کے دارالاقامہ اور درسگاہ کی تعمیر کروائی،اور اپنے لئے الگ سے ایک رہائش گاہ بنوائی۔ پانی کے انتظام کے لئے دو تالاب اور ایک کنواں کھودوایا۔ایک تالاب مدرسہ کی ملکیت میں ہے، اور دوسرا ان کے اولاد واحفاد کی ملکیت میں۔ مدرسہ کے طلبہ واساتذہ اور مسافرین ومجاہدین کے خورد ونوش کا انتظام ۱۸۷۸ء سے ۱۹۴۰ء تک مولانا لکھنوی کے گھر ہی سے ہوتا تھا۔مطبخ مولانا کا گھر ہی تھا،اور باروچی کا کام گھر کی بہو بیٹیاں کیا کرتی تھیں۔مولانا خود جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور جلاون تیار کیا کرتے تھے۔مدرسہ کے اخراجات کے لئے مٹھی چاول جمع کر کے مدرسہ پہنچادیتے، اس کا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔اس وقت جامعہ کا ایک بڑا ذریعہ آمدنی یہی مٹھی چاول ہے‘‘۔(مولانا عبدالحنان دلالپوری: شخصیت اور کارنامے:۲۰۔۲۱)

مولانا ملیح آبادی ثم دلالپوری پوری زندگی تحریکِ مجاہدین سے جڑے رہے اور اس علاقے سے تعاون جمع کر کے بھیجتے رہے، اور ساتھ ہی اپنے ادارہ ’’شمس الہدیٰ‘‘ کو بھی ترقی دیتے رہے، یہاں تک کہ یہ داعی الی اللہ ومجاہد فی سبیل اللہ ۱۹۱۸ء میں تقریباً ایک سوسال کی عمر پا کر وفات کر گئے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور دامن کوہ میں انجام دیئے گئے ان کے اعمال وکارناموں کو قبول کرے، آمین!!!۔

(مجلہ طوبیٰ چندن باڑہ بہار۔دسمبر وجنوری ۲۰۱۸ء و ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

مولانا محمد عبدالسلام مبارکپوریؒ: حیات وخدمات

وفات فروری ۱۹۲۴ء

مولانا عبدالرحمن مبارکپوری

مولدومنشاء وسلسلہ نسب: ضلع اعظم گڑھ کا مشہور علمی وصنعتی قصبہ مبارکپور آپ کا مولد ومنشاء ہے۔اسی قصبہ میں آپ ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے، عبدالسلام بن خان محمد بن امان اللہ بن حسام الدین، آپ کے والد جناب خان محمد خاندانی موحد وعامل بالحدیث تھے۔

تحصیل علم وممتاز اساتذہ: اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی ابتدائی درسی کتب کافیہ وشافیہ تک جناب مولانا عبدالرحیم مبارکپوریؒ ودیگر علماء سے پڑھیں، شرح وقایہ مولانا حسام الدین مئویؒ اور بقیہ کتب درسیہ مولانا عبدالحق ولایتی، محدث کبیر ابوالعلیٰ محمد مبارکپوریؒ مولف تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، استاذ الاساتذہ علامہ کبیر حافظ عبداللہ غازی پوری اور شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں اور شیخ حسین عرب یمانی سے اجازت عامہ حاصل کی، اجازت حدیث مسلسل بالاولیۃ وبلوغ المرام حضرت قاضی محمد مچھلی شہری سے حاصل کی اور علم طب جناب حکیم عبدالولی بن حکیم عبدالعلی لکھنوی اور دیگر علمائے طب سے حاصل کیا، رحمهم الله رحمة واسعة۔

درس وتدریس: تکمیل علوم کے بعد مولانا مبارکپوریؒ نے تادم زیست مختلف مشہور علمی ودینی درسگاہوں میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، مثلاً مدرسہ احمدیہ آرہ ومدرسہ صادقپور پٹنہ میں (۱۵ سال) مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھنجن میں (۳سال) مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ میں (۴سال) اور آخر میں دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی میں درس وتدریس کے لئے تشریف لے گئے۔

جامعہ سراج العلوم میں: جناب مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ تقریباً ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء میں کنڈؤ بونڈیہار تشریف لائے اور ۱۹۲۲ء تک جامعہ سراج العلوم میں منصب تعلیم وتربیت پر فائز رہے، مولانا موصوف کے آتے ہی جامعہ کا وہ تعلیمی انحطاط جو اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا دور ہو گیا اور دور دراز اضلاع وصوبہ جات کے طلبہ اس شمع علم وفن کے اردگرد پروانہ وار اکٹھا ہونے لگے، چنانچہ اس دور میں بہار وبنگال اور دوسرے مقامات کے طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرنے لگے، تعلیمی معیار میں اضافہ ہوا، اور تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی بڑی بڑی کتابوں کی تعلیم ہونے لگی۔

اس دور کے ممتاز اور قابل ذکر مستفیدین میں مجاہد جماعت مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کرتھی ڈیہہ، بستی، حکیم مولانا محمد یسین صاحب

رحمہ اللہ بونڈیہار، گونڈہ، مولانا عبدالغفور صاحب چھپرا، بہار، مولانا حکیم حسان صاحب سنجے پوری، مولانا محمد اقبال صاحب رحمہ اللہ ریواں بستی، مولانا عبدالحمید صاحب ؒ کنڈؤ، فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ، مولانا رحم اللہ صاحب ومولانا تفضّل حسین صاحب ومولانا محمد منیر صاحب بونڈیہار، اور مولانا حبیب اللہ صاحب ومولانا عبدالرحیم صاحب طیب پور وغیرہ ہیں۔

وفات کا عبرت آموز واقعہ: مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے دارالحدیث رحمانیہ (مرحوم) دہلی تشریف لے گئے اور وہیں بتاریخ ۱۸ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۲۴/فروری ۱۹۲۴ء آپ کی وفات ہوئی، جس کا واقعہ بڑا ہی عبرت آموز ہے، جس کی دردناک تفصیل یہ ہے کہ مولانا مرحوم مطالعہ کتب کے بہت شوقین تھے، جب بھی کوئی نئی علمی کتاب بازار میں آتی اسے حاصل کرنے کی کوشش فرماتے، اسی سلسلہ میں ایک روز جامع مسجد کے علاقہ میں تشریف لے گئے، کتاب خرید کر سڑک عبور کررہے تھے کہ ایک گھوڑا گاڑی کے نیچے آگئے اور انتقال فرماگئے، کتاب آپ کے ہاتھ میں تھی جس کے سبز رنگ کا ٹائیٹل مرحوم کے خون سے سرخ ہوگیا، یہ کتاب آج بھی مرحوم کے کتب خانہ میں سرخ وسبز ٹائیٹل کے ساتھ محفوظ ہے اور دیکھنے والوں کو اپنی خونچکاں داستان سنارہی ہے۔

مرحوم کے انتقال پرملال پر شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنے اخبار اہلحدیث میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں اور آپ کی تعلیم وتدریسی اور علمی وتحقیق صلاحیت کا اعتراف کیا ہے۔

> ''آہ مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم! مولانا موصوف صحیح معنوں میں ایک عالم، علوم کے مدرس تھے، مدرسین کی تلاش میں جب نظر پڑتی تو آپ پر پڑتی، خدا کی شان آپ کا بڑا لڑکا مولوی عبدالعزیز بنگال میں خوب کام کررہا تھا کچھ مدت پہلے فوت ہوگیا، اب آپ کی باری آئی، آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مدرس تھے، بازار کو نکلے تھے کیا معلوم تھا قضا لے جارہی ہے، پیچھے سے گھوڑا گاڑی بے تحاشہ بھاگی آرہی تھی، کوچ مین بھی نہ تھا، بس گاڑی کی صورت میں عزرائیل تھا، گاڑی کے نیچے دب کر علم دین کا آفتاب ۲۴/فروری ۱۹۲۴ء کو غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ کے صاحبزادہ مولوی عبیداللہ ذی علم ہیں خدا ان کو باپ کا نعم البدل بنائے، جمعہ ۲۹/فروری کو امرتسر میں جنازہ غائبانہ پڑھا گیا''۔
>
> (ملخص از اخبار اہل حدیث ۷/مارچ ۱۹۲۴ء)

جماعتی وعلمی خدمات: مرحوم جماعتی وعلمی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے اور پوری دلچسپی لیتے تھے، اخبار اہل حدیث امرتسر میں تراجم علمائے اہل حدیث ہند کا جو سلسلہ شروع ہوا یعنی از ۳۰ اگست ۱۹۱۸ء تا ۱۷ اگست ۱۹۲۲ء اس میں تقریباً ۸۲ علماء کے سوانح شائع ہوئے جن میں سے ایک تہائی کے قریب مولانا مرحوم کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں۔

آپ کی تصانیف میں ''سیرۃ البخاری'' دوحصوں میں اور کتاب التمدن (اسلامی تمدن) تین حصوں میں ہے جس کے دوحصے شائع ہوچکے ہیں، تیسرا حصہ طبع نہ ہوسکا، تصوف کے عنوان پر بھی ایک غیر مطبوع رسالہ ہے۔ ''سیرۃ البخاری'' بڑی ہی بے نظیر علمی وتحقیقی

کتاب ہے جس کی سلاست بیان، طرز استدلال، استقصائے واقعات، تفصیل مطالب اور تحقیق مسائل وغیرہ کا اعتراف جناب مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے لوگوں نے کیا ہے۔ اس کتاب کے حصہ اول میں امام بخاریؒ کی پیدائش، طفولیت، تحصیل علوم، علمی اسفار، درس وتدریس اور افتاء کے واقعات، اخلاق وعادات، زہد وعبادت اور وفات وغیرہ کے مکمل سوانح حیات مذکور ہیں، حصہ دوم میں امام بخاریؒ کے علمی کارناموں، اسلامی خدمات، حدیث وفقہ، اجتہاد وتدبر، فن تاریخ وعلل اور جامع صحیح بخاری وغیرہ پر مفصل بحث کی گئی ہے اور خاتمہ میں امام بخاریؒ کے تلامذہ کا مفصل تذکرہ اور امام بخاریؒ اور مسلک محدثین پر علامہ شبلی نعمانیؒ نے جو جارحانہ حملے کئے ہیں ان پر بھرپور علمی تنقید وتبصرہ ہے۔

اولاد واحفاد: مولانا مرحوم صاحب اولاد تھے جن کے اسمائے گرامی علی الترتیب یہ ہیں: (۱) مولانا حافظ عبدالعزیز مرحوم (۲) محدث کبیر عبیداللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ مولف مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (۳) ڈاکٹر محمد عزیز مرحوم (۴) مولانا عبیدالرحمن طالب رحمانی مظاہری مرحوم۔

اللہ کا شکر ہے کہ مولانا مرحوم کا علمی شجر سرسبز وشاداب ہے، چنانچہ پدر بزرگوار فضیلۃ الشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری متعنا اللہ بطول حیاتہ دینی علوم وفنون خصوصاً فن حدیث میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اور آپ کے تین لڑکے ہیں جن کے اسماء بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) جناب فضل الباری صاحب، (۲) راقم سطور عبدالرحمن مبارکپوری (۳) حافظ عبدالعزیز متعلم دراسات علیا جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ۔

(یادگار مجلہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار۔ ۳۱/۱ اکتوبر ویکم نومبر ۱۹۸۶ء)

(سیرۃ البخاری ۱۸۔۲۰)

❑❑❑

حضرت مولانا ابوالطیب عبدالصمد مبارک پوری کارگاہ علم وحیات میں

وفات جنوری ۱۹۴۸ء

ڈاکٹر محمد اسلم مبارکپوری بنارس

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کا ایک مشہور ومعروف قصبہ ہے۔اس قصبہ میں اوراس کے نواح میں فیض قدرت نے جن نادرۂ روزگار ہستیوں اورنابغۂ علم وفن کووجود بخشا ہے،ان میں مولانا عبدالصمد صاحب حسین آبادی، مبارکپوری کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔حسین آباد، مبارکپور سے متصل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے،اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو''حسین آبادی'' کہا جاتا ہے۔ محلہ''حسین آباد'' قصبہ مبارک پور کے ملحقات میں سے ہے جوایک میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے۔ یہاں کے تمام باشندے مسلمان اورنوے فیصد سے زائد مسلک عمل بالکتاب والسنۃ (اہل حدیث) سے وابستہ ہیں۔اس گاؤں کی زیادہ تر آبادی مولانا رحمہ اللہ کے جداعلی شیخ فقیراللہ کی اولاد سے ہے۔وہ نہایت شریف النفس اورنجیب الطبع تھے۔ان کی نجابت وشرافت کودیکھ کر گوجر پار کے ایک ٹھاکر اودے بھان سنگھ نے اپنی زمین میں آباد کیا اورایک تحریر لکھ کردی جس میں مسلمانوں کے لئے بہت ساری مراعات تھیں۔ابتداءاسی کے نام پرگاؤں کا نام''اودے بھان پور'' رکھا گیا تھا۔آج بھی سرکاری کاغذات میں اسی قدیم نام سے جانا جاتا ہے۔نواب اودھ کے دورمیں شیعہ گردی کے چکر میں محمد حسین مہترنامی شخص کی طرف نسبت کرتے ہوئے اب اسے''حسین آباد'' کہا جاتا ہے۔یہی مولانا کا مولدومسکن ہے۔

نام،کنیت اورنسب: نام: عبدالصمد،کنیت: ابوالطیب۔سلسلہ نسب اس طرح ہے: عبدالصمد بن شیخ محمد اکبر بن شیخ محمد علی بن شیخ محمد مومن بن شیخ فقیراللہ،حسین آبادی، مبارکپوری۔

ولادت،نشوونمااورابتدائی تعلیم: آپ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۰۴ء میں''حسین آباد'' میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی نشوونما گھرہی پروالدین،اوردادا کے زیرنگرانی ہوئی۔آپ نے ایام طفولیت میں قرآن مجید کے چندابتدائی پارے اپنے جدامجد شیخ محمد علی صاحب سے پڑھا۔ابھی دوتین پارے ہی پڑھے ہوں گے کہ ہندومسلم فساد کا حادثہ واقع ہوگیا اورآپ کے دادا پس دیوارزنداں کردیئے گئےجس کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس کے بعد مزید چند پارے گھرگاؤں کے بزرگوں سے پڑھا۔ختم قرآن کی سعادت مولانا احمد علی برادرخردمولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ سے حاصل ہوئی۔ نیز فارسی اوراردو کی ابتدائی کتابیں انہی سے پڑھی۔ بعدازاں بغرض تعلیم مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں داخل ہوئے اورمولانا محمد اصغرصاحب مبارکپوری رحمہ اللہ سے فارسی کی انتہائی کتابیں اورعربی میں شرح جامی،شرح تہذیب

اورفصول اکبری وغیرہ پڑھی۔ اورحضرت العلام ابوالعلی محمد عبدالرحمن مبارکپوری۔رحمہ اللہ۔صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی سے بلوغ المرام(نصف اول)اورقدرے نصف ثانی،قطبی،سراجی،اوائل مشکوۃ المصابیح،جلالین(پارہ اول)اورشرح وقایہ(جلداول) پڑھی۔

علم کی جستجو اوراسفار: اس کے بعد آپ نے مدرسہ عالیہ عربیہ مئوناتھ میں داخلہ لیا اور حضرت مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارکپوری سے جلالین،مشکوۃ،شرح وقایہ(جلد ثانی) شرح نخبۃ الفکراورمیر قطبی پڑھی۔جب آپ گھریلو تعلیم،قرب وجوار اوراطراف واکناف کے علماء سے فیض یاب ہوچکے تو ازدیاد علم کے شوق نے آپ کو وطن مالوف چھوڑنے پر مجبور کیا اوراس وقت کی بڑی درسگاہوں اورمتبحر علماء کی طرف شدرحال کیا۔آپ شعبان ۱۳۳۸ھ موافق ۱۹۲۰ء کے نئے تعلیمی سال میں مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی میں داخل ہوئے اور مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی سے مختصر المعانی،ملاحسن،میرزاہد،ملاجلال،ترمذی،نسائی،اوردیوان متنبی وغیرہ پڑھی۔اگلے سال ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء جب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے سیالکوٹ میں ایک عربی مدرسہ قائم کیا تو شوق علم آپ کو اورآپ کے دیگر رفقاء کو کشاں کشاں سیالکوٹ لے گیا اوروہاں کا نظام ابتداء میں اس قدر مختل تھا کہ دوتین ماہ بعد آپ اورآپ کے تمام رفقاء دہلی واپس آگئے اوردوبارہ مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۴جولائی ۱۹۲۱ء کو دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا افتتاح عمل میں آیا اور پڑھائی شروع ہوگئی،لیکن وہ جس اوج کمال پر پہنچنے والا تھا،اس کا کسی کو اندازہ نہ تھا،بلکہ پہلے سال مدرسین کے نظام کا مسئلہ کافی الجھا رہا،لیکن دوسرے سال جب مشہور ماہر درسیات،اورفن حدیث کے متبحر عالم حضرت مولانا محمد احمد ولد حسام الدین مئوی اعظمی،صدرمدرس اورشیخ الحدیث کی حیثیت سے دارالحدیث رحمانیہ کے مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تو اس ادارہ کی خوبی کے خدوخال نمایاں ہونے لگے۔دیگر تشنگان علوم کی طرح حضرت مولانا عبدالصمد صاحب بھی اسی سال ۱۳۴۰ھ۔۱۹۲۲ء میں ساتویں جماعت میں داخل ہوئے،لیکن جب اگلا تعلیمی سال ۱۳۴۱ھ۔۱۹۲۳ء شروع ہوا تو درمیان سال بیمار پڑگئے۔ادھر مولانا محمد احمد صاحب بھی مستعفی ہوکر دوبارہ جامعہ فیض عام مئوناتھ بھنجن کی صدرمدرسی پر واپس آگئے۔ان حالات کے سبب مولانا نے درسیات کی تکمیل مدرسہ رحمانیہ دہلی کے بجائے مدرسہ فیض عام مئو میں کی۔اس وقت آپ کی عمر ۲۰سال تھی۔

درسیات کی تکمیل کے بعد مولانا محمد احمد صاحب نے آپ کو خصوصی سنداجازت مرحمت فرمائی اورآپ کی لیاقت وصلاحیت کے پیش نظر جامعہ فیض عام مئو کی طرف سے فن حدیث کی شہرۂ آفاق کتاب سنن ابی داؤد کی عظیم الشان شرح''عون المعبود'' کی چاروں جلدیں انعام میں دی گئیں۔

مشہوراساتذہ کرام: مولانا ابوالطیب عبدالصمد صاحب کی تعلیم وتربیت،اساتذہ وشیوخ کی جوتفصیلات سامنے آئی ہیں،ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے گھر،خاندان،گردوپیش اورماہرین حذاق اساتذہ سے مستفید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اورانتہائی محنت وجاں فشانی کے ساتھ تعمیر شخصیت اورعلمی ترقی میں ہمہ وقت منہمک رہے جس کے نتیجہ میں وہ ایک کامیاب مدرس،مایہ ناز مصنف کی حیثیت سے نمایاں رہے۔

آپ کے مشہوراساتذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا ابوالعلی محمد عبدالرحمن صاحب محدث مبارک پوریؒ صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ۔۲۔حضرت

مولانا ابوالہدیٰ عبدالسلام صاحب مبارک پوری صاحب سیرۃ البخاری رحمہ اللہ ۳۔حضرت مولانا محمد احمد بن ملا حسام الدین مئوی اعظمی رحمہ اللہ۔ ۴۔حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ ۵۔حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ ۶۔حضرت مولانا احمد علی برادر مولانا عبدالسلام صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ ۷۔حضرت مولانا محمد اصغر مبارکپوری رحمہ اللہ وغیرہم۔

میدان عمل اور تدریسی خدمات:

درسیات سے فارغ ہوکر آپ نے پوری زندگی تعلیم وتدریس، وعظ وخطابت، تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری میں گذار دی۔ مختلف اوقات میں آپ کے اساتذہ، اعزہ ورفقاء اور متعارفین کی طرف سے آپ کو جو خطوط لکھے گئے یا آپ نے دوسروں کو جو خطوط لکھے ان کا جس قدر مجموعہ ہمیں دستیاب ہوسکا ہے، آپ کی کتابوں اور مضامین کے مسودات جو محفوظ ہیں، یا آپ کے ہم عصر اعزہ کی یادداشتوں سے جو کچھ حاصل ہوسکا ہے، ان سب کی مدد سے آپ کی زندگی کا تقریباً پورا خاکہ تیار ہوجاتا ہے۔ خطوط اور بعض مسودات کی مدد سے مدارس عربیہ میں آپ کی تعلیمی خدمات، مدت تعلیم اور سنین تعلیم کا علم ہوتا ہے لیکن فراغت کے بعد دو برسوں کی تدریسی خدمات کا علم کسی خط یا مسودہ سے حاصل نہیں ہو پاتا۔ البتہ مختلف ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے مدرسہ عربیہ دارالتعلیم، صوفی پورہ (مبارکپور) میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ اس لئے اغلب یہ ہے کہ آپ نے فراغت کے بعد ابتدائی دو برسوں میں یہیں تدریسی خدمات انجام دی ہوں کیوں کہ ان دو برسوں کے بعد اخیر عمر تک کی تدریسی خدمات کی مدت اس طرح مسلسل اور ترتیب وار جڑی ہوئی ملتی ہیں کہ ان کے درمیان مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں درس دینے کی مدت کی گنجائش نہیں نکلتی ہے۔

جملہ مدارس جن میں آپ نے تعلیم وتدریس کی خدمات انجام دی ہیں ان کی تعداد دس ہوتی ہے جن کے نام سنین کی ترتیب کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

۱۔ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم، صوفی پورہ، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی (شوال ۱۳۴۱ھ مطابق مئی ۱۹۲۳ء سے شعبان ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء۔ مدت تدریس: ایک سال) ۲۔مدرسہ احمدیہ سلفیہ، لہریا سرائے، دربھنگہ، بہار (شوال یا کسی قدر بعد ۱۳۴۲ھ سے شعبان یا ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ تک، مدت تدریس: تین سال یا کچھ زائد) ۳۔مدرسہ محمدیہ، دیوریا، یوپی (محرم ۱۳۴۶ھ سے شعبان ۱۳۴۷ھ تک، مدت تدریس: تقریباً دو برس) ۴۔مدرسہ اسلامیہ پڑا، ڈاک خانہ بھیم نگر، ضلع بھاگلپور، بہار (شوال ۱۳۴۷ھ سے شعبان ۱۳۴۸ھ تک، مدت تدریس: ایک سال) ۵۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ موضع دواری، پوسٹ ہٹہ، ضلع راجشاہی، بنگال (موجودہ بنگلہ دیش) (ازشوال ۱۳۴۸ھ۔تا شعبان ۱۳۴۹ھ، مدرت تدریس: ایک سال) ۶۔مدرسہ دارالہدیٰ کشن گنج، دہلی (شوال ۱۳۴۹ھ سے شعبان ۱۳۵۰ھ تک مدرت تدریس: ایک سال)۔

دارالہدیٰ کشن گنج (دہلی) سے علاحدگی کے بعد تین سال تک (یعنی شعبان ۱۳۵۰ھ سے ۱۴ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۰ جنوری/ ۱۹۳۵ء تک) آپ نے محدث العصر حضرت محمد عبدالرحمن مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی۔رحمۃ اللہ علیہ۔کی خدمت عالیہ میں رہ کر سنن ترمذی کی شہرہ آفاق شرح ''تحفۃ الاحوذی'' کی تالیف وتسوید میں تعاون کیا۔ شرح ترمذی کی تکمیل، کتاب العلل کی تسوید، مقدمہ تحفۃ

الاحوذی کے مسودات کے بیشتر حصوں کی تکمیل اور سوانحی خاکہ کی تحریر کے بعد ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو آپ کرلا (ممبئی) کے لئے روانہ ہوئے اور دوسرے ہی دن مولانا محدث مبارکپوری انتقال کر گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

۷۔ مسجد اہل حدیث کرلا، ممبئی (شوال ۱۳۵۳ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک، مدت کار: تین برس) ۸۔ مدرسہ عربیہ احمدیہ، موضع اونرھی، ڈاکخانہ: ہاٹا ضلع دیوریا، یوپی (ازشوال ۱۳۵۶ھ تا شعبان ۱۳۵۸ھ، تقریباً: دو سال) ۹۔ مدرسہ عالیہ عربیہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی (ازشوال ۱۳۵۸ھ شعبان ۱۳۶۴ھ، مدت تدریس: ۶ برس) ۱۰۔ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی (شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۵ء سے جمادی الآخرہ ۱۳۶۶ھ مطابق اپریل ۱۹۴۷ء، مدت تدریس: ایک سال ۹ ماہ)

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ، دہلی کی تدریس کے دوران مولانا موصوف رحمہ اللہ اپریل میں بیمار ہوئے۔ رخصت لے کر گھر آئے اور پھر جانبر نہ ہوسکے اور ستمبر کے ہنگامہ میں گلشن علم دارالحدیث رحمانیہ بھی اجڑ گیا۔

مدرسہ محمدیہ دیوریا کا قیام: مدرسہ محمدیہ دیوریا کے قیام میں مولانا رحمہ اللہ کا دور ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا مختصر تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا سید نذیر حسین صاحب کے معاصرین میں سے مولانا محمد انصاری صاحب مچھلی شہری (وفات ۱۳۰۶ھ) جو زبردست اہل حدیث عالم ہیں، آپ کے اندر دعوت وتبلیغ کا بہت جذبہ تھا۔ چنانچہ دعوت وتبلیغ کا کام بہت جوش وخروش کے ساتھ انجام دیتے تھے، اور حکمت وطب کے ماہر تھے۔ چنانچہ طبابت ہی کے سلسلہ میں دیوریا میں وارد ہوئے اور یہاں کی حالت دیکھ کر بہت پرزور طریقہ پر تبلیغ کا کام شروع کیا تھا کہ کئی گاؤں کو اپنی تبلیغ کے ذریعہ اہل حدیث بنا دیا۔ پھر انہوں نے سوچا کہ یہاں پر ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں ابتدا سے لے کر اونچی تعلیم دی جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ۱۹۰۰ء میں ''مدرسہ محمدیہ'' کی بنیاد ڈالی اور اسی سے متصل کچھ دکانوں کی بھی بنیاد ڈالی گئی جس کی آمدنی اس پر خرچ کی جاتی تھی۔ اس وقت درس نظامیہ کی تعلیم اور بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا بندوبست تھا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا عبدالصمد صاحب مبارکپوری ہی ہیں۔ انہوں نے تقریباً دو برس تک دینی خدمات انجام دیں لیکن قلیل مدت کے اندر مولانا موصوف نے درس وتدریس کا کام اتنے بلند پیمانہ پر انجام دیا اور ایک ایسا نمونہ پیش کیا کہ آپ کے یہاں سے چلے آنے کے بعد بھی خط وکتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا اور بڑے بڑے اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور انہیں کی طرف رجوع کرتے، لیکن آپ کے آنے کے بعد سے یہ مدرسہ دن بدن تنزلی کی طرف گامزن رہا تھی کہ آج ایک مکتب کی شکل میں باقی ہے۔

تلامذہ: مولانا رحمہ اللہ نے اپنی عمر عزیز کا نصف حصہ تدریسی خدمات، تالیفات وتصنیفات میں گذارا، مبارک پور، دہلی، دیوریا، بہار، راجشاہی بنگال اور مئوناتھ بھنجن وغیرہ کے مدارس میں آپ سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بے شمار ہے، ان سب کا احاطہ تو مشکل ہے۔ ان میں سے چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری، ۲۔ مولانا عبیدالرحمن صاحب قمر مبارکپوری، ۳۔ مولانا ظہیر الدین صاحب رحمانی مبارک پوری، ۴۔ مولانا عبدالرشید صاحب حسین آبادی، ۵۔ مولانا نجیب اللہ صاحب حسین آبادی، ۶۔ مولانا قاضی عبدالحفیظ اطہر

مبارکپوری، ۷۔مولانا عبدالحکیم صاحب مجاز اعظمی، ۸۔مولانا مختار احمد صاحب ندوی، سابق امیر جمعیت اہل حدیث ہند، ۹۔مولانا حکیم عبدالباقی صاحب، مئوناتھ بھنجن، ۱۰۔مولانا حکیم ابوالحسن عبیداللہ صاحب کاشمیری، ۱۱۔مولانا ابوعبداللہ عبدالقیوم خان صاحب، ۱۲۔مولانا عزیزاحمد ندوی (بیت اللہ صاحب) بستوی، ۱۳۔مولانا عابد حسن صاحب رحمانی۔رحمہم اللہ تعالی، ۱۴۔مولانا محمد اعظمی صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، ۱۵۔مولانا محمد ابراہیم رحمانی، سکھوئیا۔حفظہما اللہ تعالیٰ۔

دعوت وتبلیغ: مولانا فن خطابت کے شہسواروں میں سے نہیں تھے، اور نہ ہی تیز طرار تقریر کرنا جانتے تھے، کیوں کہ آپ کی زبان میں تھوڑی سی لکنت تھی، پھر بھی آپ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں دعوت وتبلیغ کا کام برابر کرتے رہتے تھے۔جب گاؤں میں ہوتے اصلاح کرتے، اور پورے گاؤں میں تقویٰ، پرہیز گاری، اخوت بھائی چارگی کا ماحول بنائے رکھتے۔رمضان المبارک کے مہینہ میں جب لوگ شب قدر جاگتے تو اس میں آپ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے۔دعوت وتبلیغ میں (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط) (النمل/ ۱۲۵) آپ کا نصب العین تھا۔سجع، قافیہ بندی اور تصنع سے دور رہتے۔اگرچہ آپ بے مثال مقرر نہ تھے، جیسا کہ ذکر ہوا۔پھر بھی لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کو بٹھانے کا ملکہ تھا۔اس کا سب سے بڑا سبب آپ کا تقویٰ ہوتا تھا۔از دل خیزد بر دل ریزد۔

جب آپ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن میں مدرس تھے تو اورنگ آباد کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔اور کرلا (ممبئ) کی جامع مسجد میں بھی آپ خطیب رہ چکے ہیں۔آپ جو خطبہ دیتے اس کا نوٹ تیار کرتے تھے۔یہاں تک کہ وہ ایک کتابی شکل میں تیار ہو گیا تھا اور اس کا نام خطبات السنۃ رکھا۔

تصنیف وتالیف: مولانا رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری میں گذار دی۔آپ کی تحریر ٹھوس، مدلل اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔رد اور دفاع حدیث میں اپنے اسی اسلوب پر گامزن رہتے تھے تاہم کبھی کبھی بشری تقاضے کے مطابق تلخی آ ہی گئی ہے۔پھر بھی مخالف کی عزت وناموس اور قدرومنزلت کا بھرپور لحاظ کرتے، اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے۔

آپ کے مقالے اخبار''اہل حدیث''امرتسر، اور ماہنامہ''محدث'' دہلی میں شائع ہوتے تھے۔آپ کے اکثر مضامین چند چھوڑ کر، حدیث نبوی کی تائید اور منکرین حدیث کے رد میں شائع ہوتے تھے، جس سے آپ کے اندر حدیث نبوی پر عمل، اور احیائے سنت نبویہ کا جوجذبہ تھا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اخبار''اہل حدیث'' میں آپ کے بعض مقالے ۳۵، ۴۰ یا اس سے زائد قسطوں میں شائع ہوئے۔مولانا کی ساری کتابیں اردو زبان میں ہیں سوائے دو کتابوں کے (ان کے سامنے عربی لکھ دیا گیا ہے۔) مختلف علوم وفنون پر آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔شرح سنن ابن ماجہ، ۲۔تائید حدیث بجواب تنقید حدیث، ۳۔شرف حدیث، ۴۔شان حدیث (اردو، عربی)، ۵۔حق پرستی بجواب شخصیت پرستی، ۶۔ذم غنا ورقص وسرود، ۷۔خطبات السنۃ، ۸۔احوال الصحابۃ، ۹۔رسالہ مختصر بابت رفع الیدین، ۱۰۔اردو ترجمہ کتاب العبودیۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ۱۱۔ترجمہ رسالہ ابن تیمیہ، اس کا کوئی نام نہیں ہے، ۱۲۔ترجمہ حصن حصین، ۱۳۔رسالہ مختصر بابت تحقیق مسنہ، ۱۴۔فقہ حنفی پر ایک نظر، ۱۵۔چہل احادیث مع ترجمہ، ۱۶۔تذکرۃ الاخوان بمنع شرب الدخان، ۱۷۔

الفتوحات الربانیه، ۱۸۔التبیان بما یجب معرفته علی اهل الایمان (عربی)

ذاتی حالات، اخلاق وکردار اور معمولات: مولانا رحمہ اللہ متوسط قد کے تھے، بدن گداز، شکل وصورت میں بہت زیادہ گورے تھے۔ پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی پھیلی ہوئی اور پورے رخسار پر محیط تھی۔ آپ نے موئے ریش کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ طاقت کے اعتبار سے کمزور تھے۔ نہایت نرم اخلاق، مہمان نواز، متقی وپرہیزگار تھے۔ صرف اپنے کام سے کام رکھتے۔ بلاضرورت گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ گویا اس بارے میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''ولیسع بیتك'' کی عملی تصویر تھے۔ اپنا زیادہ تر وقت درس وتدریس، مطالعہ وتصنیف، اور قرآن وحدیث میں تفکر، تدبر اور امعان نظر میں گزارتے۔ صبح صبح کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ آپ تہجد گزار تھے۔ فرماتے کہ جب میں تہجد پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری بغل میں کوئی کھڑا ہے۔ آپ تہجد پڑھنے مسجد میں اتنے سویرے جاتے کہ لوگ بعض مرتبہ اس تاک میں لگے رہتے کہ ہم دیکھیں کہ مولانا کتنے سویرے مسجد میں آتے ہیں؟ مگر جب وہ لوگ مسجد میں جاتے تو مولانا مسجد میں موجود رہتے۔

محترم الحاج صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ ذکر کرتے تھے کہ مولانا صاحب تہجد کے لئے کب جاتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے ساتھی عبدالمجید (صاحب) نے سوچا کہ آج تہجد کے لئے مسجد جانے میں مولانا پر سبقت لے جائیں۔ اس خیال سے بہت سویرے آئے اور مسجد تشریف لے گئے، اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ مولانا صاحب تشریف فرما ہیں۔ عبادت میں مشغول ہیں اور کہا کہ ''معلوم نہیں کب سوتے ہیں''۔

آپ اپنے والدین کے بہت خدمت گزار تھے۔ اگر آپ مسجد میں وضو کرتے یا موجود ہوتے، اور اتنے میں آپ کے والد صاحب آجاتے تو مسجد کے سامنے والے کنویں سے فوراً پانی نکال کر دیتے۔

آپ جب راستہ چلتے تو کسی طرف التفات نہ کرتے۔ مبارک پور آتے جاتے راستہ کے غیر مسلم آپس میں کہتے کہ یہ کیسا شخص ہے بالکل سیدھے دیکھتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے چلا جاتا ہے، کسی طرف دیکھتا نہیں ہے، آپ ولی صفت تھے۔ آپ چھڑی ساتھ میں رکھتے، اور دلی والی گول ٹوپی لگاتے تھے، اور پاجامہ کرتا پہنتے تھے۔ آپ کا پاجامہ بیچ پنڈلی تک ہوتا تھا۔ آپ کو ہمیشہ اپنی کم علمی کا احساس رہتا تھا۔ اگر کبھی کوئی مسئلہ پوچھنے جاتا تو کہتے کہ مولانا نذیر احمد صاحب (املوی) سے پوچھ لو یا شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے پوچھ لو۔

قضائے حاجت کے لئے کوئی ایک ڈیڑھ میل جاتے۔ بلا امتیاز چھوٹے بڑے سب کو سلام کرتے اور کوئی آپ سے سلام کرنے میں سبقت نہیں لے جاتا۔ جب آپ مدرسہ رحمانیہ دہلی میں مسند تدریس پر تھے تو نماز فجر کی امامت خاص طور پر آپ ہی کرتے تھے۔

علمی مقام ومرتبہ: مولانا نہایت ذی استعداد عالم ومدرس تھے، نیکی وپرہیزگاری کا پیکر، شرافت کا نمونہ اور حلم وصبر کا مجسم تھے۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا پرتو معلوم ہوتی تھی۔ کثرت مطالعہ کی وجہ سے بینائی کمزور ہوگئی تھی۔ مگر اخیر عمر تک مطالعہ وتصنیف میں لگے رہے۔ وہ کامیاب مصنف ومؤلف، اچھے مضمون نگار، انشا پرداز اور نقاد تھے۔ مختلف جرائد ومجلّات میں ان کے علمی اور تحقیقی مضامین ومقالات شائع ہوتے تھے۔ جن کو جمع کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب بن سکتی ہے۔ مبارک پور کے کامیاب مصنفین میں

شمار کیے جاتے ہیں۔تصنیف وتالیف کا نہایت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ان کے ذوق تصنیف، اورحدیث ورجال میں دقت نظر، فقہی بصیرت اورفقہ الحدیث کی معرفت کی شہادت کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی'' کی تصنیف وتکمیل میں تعاون دیا، اورمحدث مبارک پوری کے انتقال کے بعد مقدمہ تحفۃ الاحوذی کی منتشر یادوں اورنامکمل مباحث کے ابواب وفصول کو مولانا نےمکمل کیا۔اوراس اہم کتاب کونہایت سلیقہ مندی اور علمی تحقیق وکاوش سے یوں مرتب فرمایا کہ وہ ہرایک اعتبار سےمکمل ہوگئی۔

آپ کی علمی صلاحیت کا اعتراف شیر پنجاب، فاتح قادیان مولانا ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کے گاؤں (حسین آباد) میں عیدگاہ کی تعمیر کا مسئلہ سامنے آیا۔اہل قریہ نے عیدگاہ کی تعمیر کے لئے قبرستان میں ایک جگہ جوتانے بانے کے لئےمخصوص تھی ،منتخب کیا۔اس بارے میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ سےفتوی پوچھا توانہوں نےلکھا کہ''میری رائے میں ایسی جگہ عیدگاہ تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے'' خط کے اخیر میں ایک نوٹ لکھا:''مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہاں مولانا عبدالصمد صاحب موجود ہیں، اورمجھ سے کیوں فتویٰ پوچھا گیا؟ لہٰذا جب تک وہ میری بات کی تصدیق نہ کریں، اس پرعمل نہ کیا جائے''۔لوگوں نے مولانا سے پوچھا توآپ نے جواب دیا:''اگر پورے گاؤں والے اس بات پرمتفق ہوجائیں کہ عیدگاہ کی تعمیر وہیں ہوگی تب بھی میں وہاں عیدگاہ کی تعمیر کی مخالفت کروں گا''۔چنانچہ عیدگاہ دوسری جگہ تعمیر کی گئی۔

مولانا کا نظریہ تعلیم یہ رہا کہ جہاں کہیں آپ نےتعلیمی کام انجام دیا، پوری محنت وتوجہ سے انجام دیا۔آپ اس سلسلہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔الفاظ کی تخریج میں اصل مرجع کی جانب رجوع کرتے۔صحیح بخاری کی گراں قدر شرح 'فتح الباری'' آپ کے پاس تھی، اسے زیرمطالعہ رکھتے۔

مولانا کی توجہ کا اندازہ ان کے شاگردوں اوران کی زیرمطالعہ کتابوں سے چلتا ہے۔ان کی مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں حواشی کا اضافہ ہےتوکہیں غلطیوں کی تصحیح ہے، اورکہیں معلومات کا اضافہ ہے،جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا کتنی دقیق اورعمیق نظری سے مطالعہ کرتے تھےاوریہی نہیں اس سلسلہ میں اپنے اجلہ اساتذہ کرام سے مفید مشورے بھی کیا کرتے تھے۔اورآپ کے اساتذہ آپ کواپنے مفید مشوروں سےنوازتے بھی تھے۔

مولانا عبدالرشید صاحب حسین آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں:

> ''جب ہم لوگ اونرھی (دیوریا) میں زیرتعلیم تھےتومولانا کا یہ معمول تھا کہ نمازعشاء کے بعد جب سونے کے لئے چارپائی پرجاتے توتمام طلبہ کو بلاکرآموختہ سنتے۔وہاں طلبہ کی تعداد زیادہ نہ تھی۔صرف مولانا ہی تنہا مدرس تھے۔اس وقت نظام تدریس آج کے نظام سے جداگانہ گھنٹوں میں منقسم نہ تھا۔تمام طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔زجروتوبیخ نہیں کرتے تھے۔اسی زمانہ میں مولانا نے''شان حدیث'' تالیف کیا تھا جس کا کچھ مسودہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، ایک طرف عربی، دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ تھا، عربی تحریرمکمل ہوچکی تھی، مگرترجمہ کچھ باقی تھا۔اسی اثناء میں رمضان المبارک کی تعطیل ہوگئی۔بچپن کا زمانہ، گھر چلے

آئے، پھر معلوم نہیں کہ باقی کس کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور کتاب کس کے ہاتھ لگی‘‘۔

مولانا میں دورِ تعلیم ہی سے عالمانہ جوہر نمایاں تھے۔ آپ کی ذہانت و فطانت، شرافت و نجابت، بزرگی، تقویٰ، خدا ترسی، کردار وعمل کی خوبیوں اور احکام شریعت کی پابندیوں سے آپ کے اساتذہ متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے اساتذہ و اکابر علماء آپ کے تعلیمی نشیب و فراز سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کو آپ کے تعلیمی مراحل میں اپنے مفید مشوروں اور تجربات سے نوازتے تھے۔ آپ کی بھی سعادت مندی تھی کہ آپ اپنے مستقبل کے متعلق اپنے مشفق اساتذہ سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ پہلے پہل آپ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی روانہ ہوئے تو وہاں کے مدارس کی تعلیمی حالت کا جائزہ لے کر آپ جلیل القدر استاذ حضرت العلام مولانا محمد عبدالرحمن صاحب محدث مبارک پوری کو تفصیل سے مطلع کیا اور اس کی روشنی میں مشورہ طلب کیا۔

اسی طرح جب آپ دلی سے سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر دلی واپس آئے تو مولانا عبدالسلام صاحب محدث مبارک پوری (صاحب سیرۃ البخاری) کے پاس خط لکھا، اور حالات سے مطلع کیا۔

دم واپسیں: (كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ) (فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ) کے اٹل ربانی فیصلہ کے پیش نظر قدرت کی طرف سے سفر آخرت کی تیاری شروع ہوگئی۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں مولانا رحمہ اللہ بیمار ہوئے۔ اس وقت آپ قرطبۂ ہند مدرسہ رحمانیہ دارالحدیث، دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔ رخصت لے کر گھر آئے۔ آپ کو دق وسل کی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔ منہ سے خون آتا تھا۔ بینائی انتہائی کمزور ہوگئی تھی۔ اس وقت بھی شوق مطالعہ کا حال یہ تھا کہ آپ جب تک کچھ پڑھ نہ لیتے اطمینان نہ ہوتا۔ ضعف بصارت کی وجہ سے آنکھ سے بالکل قریب کر کے پڑھتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۴/ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء یوم دوشنبہ دس بجے رات میں ہوئی (انا للہ وانا الیہ راجعون) دوسرے دن حسین آباد کی قبرستان میں دفن کئے گئے۔ آپ کے جنازہ میں مبارک پور کے علاوہ مئو سے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے حتیٰ کہ دفن کے بعد بھی لوگ آتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

آپ کی وفات اور کم عمری میں انتقال پر قاضی اطہر مبارک پوری نے تذکرہ علمائے مبارک پور میں ان الفاظ میں تاثر پیش کیا ہے: افسوس کہ مولانا کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کی صف میں ہوتے اور ان کے علمی و دینی کارناموں کا بڑا فائدہ پہنچتا۔ یہی تاثر مولانا حبیب الرحمن صاحب نے بھی تذکرہ علمائے اعظم گڑھ میں تحریر کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’نہایت ذی صلاحیت عالم تھے۔ ان کی زندگی سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ ان کا علمی تبحر اور حدیث میں ان کی ژرف نگاہی مسلم تھی۔ ان کا عظیم الشان علمی کارنامہ ’’مقدمہ تحفۃ الاحوذی‘‘ کی تکمیل ہے ’’انکار حدیث اور منکرین حدیث کے تراجم اور ان کے مراکز‘‘ بحوالہ علوم الحدیث۔

(ماخوذ از: شان حدیث/ مولانا عبدالصمد۔ ص: ۱۷۔ ۳۲)

❑❑❑

استاذ محترم علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ۔ چند یادیں

وفات ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء

مولانا عبدالحمید رحمانی

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء۔ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء کی طلبہ ہی نہیں علماء اور اصحاب جبہ ودستار کے قلب ودماغ پر اتنی ہیبت تھی کہ سب لوگ ان کا سامنا کرنے سے ڈرتے تھے۔ میں مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ بنارس سے اپنی بڑی صاحبزادی سے جن کی شادی پیری ڈیہہ میں ہوئی تھی جہاں ریلوے اسٹیشن بھی تھا، ملاقات کے لئے آئے تھے اور مدرسہ فیض عام کے کمرہ میں جو پورب جانے والی سڑک پر بنا ہوا تھا، مقیم تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ فیض عام کا منہ چڑھا طالب علم تھا۔ ناظم صاحب نے مجھے علامہ رحمہ اللہ کی خدمت میں اس لئے بھیجا کہ ناظم صاحب کی طرف سے یہ گزارش کردوں کہ وہ جمعہ کا خطبہ جامع مسجد فیض عام میں دے دیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ کی یہ گزارش ان کی خدمت میں رکھی تو علامہ رحمہ اللہ نے نہایت شفقت کے ساتھ اپنے عالمانہ اسلوب میں معذرت کردی اور فرمایا کہ میں ایک دن کے لئے اقرباء سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں، یہ دن بھی خطبہ اور اس کی تیاری وغیرہ میں گزارنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ چنانچہ واپس میں مولانا محمد احمد صاحب ناظم مدرسہ کے پاس پہنچا اور علامہ رحمہ اللہ کا جواب مولانا کے سامنے رکھ دیا، وہ یہ جواب سننے کے لئے تیار نہیں تھے، انہیں پوری توقع تھی کہ علامہ رحمہ اللہ ان کی درخواست قبول فرمالیں گے اور جمعہ کا خطبہ دیدیں گے تاکہ مئو کی اس سے بڑی مسجد کے حاضرین ان کے عالمانہ خطبہ سے مستفید ہوسکیں، جواب سنتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے ساتھ لے کر علامہ رحمہ اللہ کی قیام گاہ پر آئے اور شدید اصرار کیا کہ علامہ خطبہ کے لئے تیار ہوجائیں لیکن علامہ اپنی معذرت پر مصر رہے اور فرمایا کہ ہفتہ میں ایک دن ملتا ہے اس میں بھی آرام نہ کرسکوں اور خطبہ کی تیاری میں لگ جاؤں تو یہ میرے لئے تھکا دینے والا عمل ہوگا۔ اس پر مولانا محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ جیسے امام تدریس وتربیت کو تدریس یا خطابت کے سلسلہ میں مطالعہ کی کیا ضرورت ہے، اس پر علامہ رحمہ اللہ نے فرمایا ''کسی معمولی کتاب کا درس ہو یا غیر معمولی کتاب کا، میں مطالعہ کے بغیر کچھ پڑھاتا اور نہ مطالعہ کے بغیر خطبہ ہی دیتا ہوں''۔

بہرحال ناظم صاحب اور ان کے درمیان جو گہرے تعلقات تھے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ رحمہ اللہ نے خود ان کے یہاں آنے کی لاج رکھی اور اس دن خطبہ دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ یہ تھی علامہ رحمہ اللہ کے سامنے میری پہلی نیازمندانہ حاضری۔ دوبارہ میں نے اس وقت آپ کی خدمت میں حاضری دی جب مجھے پتہ چلا کہ آپ اپنی صاحبزادی کے گھر آئے ہیں اور ان کے گھر پر موجود

ہیں تو میں گیا اور جامعہ رحمانیہ میں داخلہ کے لئے درخواست دینے کی اجازت چاہی، علامہ رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ جہاں پڑھ رہے ہو پڑھو اور اپنی تعلیم مکمل کرو، لیکن جب میں نے اصرار کیا کہ میں آپ کے یہاں آپ اور دوسرے اساتذہ کے دروس سے فیضیاب ہونا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تم درخواست بھیج دو، امتحان داخلہ ہوگا اگر داخلہ کے لائق ہوئے تو داخلہ ہوگا ورنہ واپس آنا پڑے گا۔ ان کی یہ اجازت میرے لئے بڑے شرف اور عزت کی بات تھی۔ چنانچہ میں نے درخواست بھیجی جس کا جواب ان کے نائب استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کے قلم سے ایک کارڈ پر دوسطری جواب آیا، جواب کی عبارت یہ تھی: ''مکرم بندہ! وعلیکم السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شوال کے شروع میں آجاؤ داخلہ ہوجائے گا''۔

چنانچہ اجازت نامہ کا یہی کارڈ لے کر میں شوال میں جامعہ رحمانیہ میں حاضر ہوا۔ استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کا لکھا ہوا یہی کارڈ میں نے علامہ رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا، خط پر نظر پڑتے ہی استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کو اپنے پاس بلوایا اور نہایت کھرے انداز میں ان کی ڈانٹ پلائی کہ آپ نے یہ کیسے لکھ دیا کہ داخلہ ہوجائے گا، امتحان داخلہ کے بغیر کیسے پتہ چلے گا کہ یہ طالب علم یہاں پڑھنے کے لائق ہے یا نہیں؟ مولانا نے بڑے باادب انداز میں جواب دیا کہ اس طالب علم کی جو درخواست آئی تھی اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس طالب علم کا داخلہ ہوجائے گا۔ اس لئے میں نے اس طرح کا جواب لکھ دیا۔ اس کے بعد علامہ رحمہ اللہ نے میرا امتحان داخلہ لیا، جب امتحان داخلہ کے وقت اس کا علم ہوا کہ میں مدرسہ فیض عام سے چھٹی جماعت پڑھ کر آیا ہوں جو جامعہ رحمانیہ میں حدیث و مصطلح، فقہ وادب اور فلسفہ میں جامعہ رحمانیہ کی پانچویں جماعت کے برابر ہے اس لئے میں امتحان میں اگر پاس بھی ہوجاؤں تو جامعہ رحمانیہ کی چھٹی جماعت میں داخلہ کے لائق ہوجاؤں گا، ساتویں میں داخلہ کی کوئی صورت نہیں بنے گی کیوں کہ ساتویں میں داخلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ میں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور سبع معلقات کے دروس سے محروم رہ جاؤں گا، اس طرح میری تعلیم نامکمل رہے گی، لیکن علامہ رحمہ اللہ سے میں نے بڑی عاجزی سے یہ درخواست کی کہ میں بہت غریب گھرانے کا ہوں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں تین سالوں کا خرچ بلکہ کرایہ وغیرہ تک میں مہیا نہیں کر پاؤں گا، میرے گھر کا ذریعہ معاش صرف میرے بڑے بھائی کی ملازمت ہے جو ممبئی میں ایک حلوائی کی دوکان پر کر رہے ہیں اور ان کی تنخواہ کل پچیس تیس روپے مہینہ ہے، جس سے میرے والدین، ہم تین بھائیوں اور چار بہنوں کا خرچ چلتا ہے، ہمارے پاس کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر مولانا کو رحم آ گیا اور میرا امتحان داخلہ لیا اور دو جگہ سے عبارت پڑھوائی اور جامع ترمذی اور کسی اور کتاب کی عبارت پڑھوائی، ترجمہ کروایا اور تین سوالات کئے۔ پہلا سوال یہ کیا کہ حدیث صحیح ہوتے ہوئے احناف فجر کی صلاۃ ایک رکعت طلوع شمس کے پہلے مل جائے اور ایک طلوع شمس کے بعد، تو اس کو ادا کیوں نہیں مانتے ہیں، قضا کیوں کہتے ہیں اور عصر کی صلاۃ میں ایک رکعت سورج ڈوبنے کے پہلے مل جائے اور بقیہ تین رکعتیں سورج ڈوبتے ڈوبتے مل جائیں تو عصر کی صلاۃ ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی؟ اس کا صحیح جواب میں نے عرض کر دیا اور اس کی توجیہ بھی کر دی۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ متنفل کے پیچھے فرض صلاۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اس کے صحیح جواب کی اللہ نے مجھے توفیق دی، امتحان کافی دیر تک چلا، امتحان کے وقت علامہ کے

ساتھ استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور خواہش کے مطابق مجھے ساتویں میں داخلہ مل گیا اور علامہ رحمہ اللہ نے نظام الاوقات میں میرے ساتھ اس بات کی رعایت کی کہ میری چھٹی جماعت کی سنن ابی داؤد اور نزہۃ النظر کے پیریڈ میں میری گھنٹیاں خالی رکھیں تاکہ ان دونوں کتابوں میں میں شرکت کرسکوں۔

بحمداللہ علامہ رحمہ اللہ اور استاذ محترم مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ کی یہ پہلی شفقت تھی جو مجھے حاصل ہوئی، لیکن علامہ رحمہ اللہ نے بار بار تاکید کی کہ تمہیں بڑی محنت کرنی پڑے گی، دن رات پڑھوگے تب کامیاب ہوسکوگے اور میرے اوپر یہ عنایت بھی کی کہ حاضر ہوکر جو مسئلہ نہ سمجھ میں آئے اسے سمجھ لیا کرو، یہ تیسری ملاقات تھی۔ پھر تعلیم شروع ہوئی، دارالاقامہ ۱۶۷۵ پانڈے حویلی، مدنپورہ بنارس میں جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ اور طلبہ سب کا دارالاقامہ تھا، نیچے طلبہ رہتے تھے اور اوپر اساتذۂ گرامی قدر، روزانہ صبح جامعہ رحمانیہ کی عمارت میں جو کلاس روم تھا، سب سے پہلے استاذ محترم آجاتے تھے اور طلبہ کی طرف سے بھی ایک منٹ کی تاخیر نہیں ہوتی تھی، ایک ہی منزلہ بلڈنگ تھی جس میں سب کلاس روم تھے، مدرسہ میں گھستے ہی بائیں ہاتھ پر استاذ محترم جو شیخ الحدیث بھی تھے اور صدرالمدرسین بھی، کا کمرہ پڑتا تھا۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم کے درس اور ہمارے کلاس میں ہم کل چار ساتھی تھے، ٹکریا بستی کے مولانا امراللہ صاحب، بونڈیہار کے مولوی حقیق اللہ صاحب اور پریوانارائن پور کے خالد شفاء اللہ بن مولوی ابوالخیر فاروقی صاحب، استاذ محترم کے علاوہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا محمد بشیر صاحب رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی بہرائچی اور مولانا محمد ادریس صاحب رحمانی املوی اس وقت جامعہ رحمانیہ کے شعبۂ عربی کے اساتذہ تھے، کچھ دن قبل کچھ اندرونی غلط فہمیوں اور ایسے اسباب کے باعث جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں، مولانا عبدالعزیز صاحب عمری مئوی اور مولانا فضل الرحمن صاحب عمری مئوی ادارہ سے الگ ہوگئے تھے اور ان کی جگہ پر مولانا محمد بشیر رحمانی اور مولانا محمد یوسف صاحب لائے گئے تھے۔ میں نے استاذ محترم سے ساتویں وآٹھویں جماعت کی تعلیم حاصل کی۔ طلبہ کی انجمن میں ان کی صدارت میں تقریریں بھی کیں۔ انجمن کا ایک اجلاس مجھے یاد آتا ہے جس میں استاذ محترم کی صدارت میں میں نے عید میلادالنبی کی تردید میں تقریر کی تھی، تقریر میں میلادیوں کی تردید کا مواد زیادہ تھا اور ان کے دلائل کا تذکرہ بہت کم تھا اور تردید میں بھی جذباتیت زیادہ تھی دلائل کم تھے، استاذ محترم نے تبصرہ کرتے ہوئے میری تقریر کی حوصلہ افزائی بھی کی اور اس کے منفی پہلو پر تنقید بھی کی۔ اسی دور میں جون پور کے ایک جلسہ میں لے گئے جس میں میں نے ''وَاعْتَصِمُوْ بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعاً وَلاتَفَرَّقُوْا'' کے موضوع پر تقریر کی، اور اس وقت میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی کتابوں کا مطالعہ بہت کر رہا تھا، تقریر میں ''وَاعْتَصِمُوْ بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعاً وَلاتَفَرَّقُوْا'' کے موضوع پر مولانا آزاد کا ایک مضمون پڑھ کر اسی کی روشنی میں تیاری کی تھی، ان کے معیاری اور مشکل اسلوب کی نقالی مجھ جیسے طالب علم کے لئے آسان نہیں تھی اس لئے مولانا نے بعد میں خود اس کی تسہیل کی۔

پہلے ہی سال میری شادی طے ہوگئی اور میں شادی کے لئے چھٹی لے کر گھر گیا، گھر والوں نے غلط فہمی میں تاریخ آگے بڑھادی، نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کی تقریب نے مجھے بہت لیٹ کرادیا اور میں ایک مہینہ سے زیادہ لیٹ واپس آیا، اسی میں میں نے بقرعید کی چھٹی

بھی ملالی، جب بقرعید کی چھٹی گزار کر آیا تو کافی اسباق چھوٹ چکے تھے، ششماہی امتحان کی تیاری میں نہ کرسکا اور مجھے نمبرات صرف پاس کرنے بھر کے ملے، ہمارے کچھ ساتھیوں نے اور ایک استاذ نے طنز کیا کہ کوئی دوسرا طالب علم ہوتا تو مولانا نکال دیتے لیکن پتہ نہیں کیوں ان کو کوئی سزا نہیں دی۔ جب سالانہ امتحان ہوا تو بحمد اللہ میں پورے مدرسہ میں فرسٹ پوزیشن وفرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوا، استاذ محترم نے مارکشیٹ میں لکھا کہ یہ پورے شعبۂ عربی بلکہ پورے مدرسہ میں فرسٹ پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔ بحمد اللہ دونوں سالوں کے امتحان میں پوری جامعہ رحمانیہ میں میری پوزیشن وڈویژن فرسٹ رہی اور استاذ محترم نے دونوں سالوں کی مارکشیٹ میں اپنے قلم سے لکھا: ''پورے ادارہ میں پہلے انعام کے مستحق ہیں۔'' درجہ ہشتم میں جب فضیلت کا فائنل امتحان دیا تو میری پوزیشن وڈویژن دونوں فرسٹ رہی، تو مولانا عبدالمتین رحمہ اللہ (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۴ء) جو جامعہ کے مہتمم تھے، مدنپورہ جامع مسجد طیب شاہ میں صلاۃ ظہر کی جماعت کے بعد جب مسجد سے باہر نکلے تو نکلتے ہوئے انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کچھ مسائل پر مجھ سے علمی گفتگو فرمائی، اس گفتگو میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کا حکم اور صلاۃ المفترض خلف المتنفّل کا مسئلہ بھی تھا، میرے جواب سے وہ متاثر ہوئے اور فرمایا کہ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی سے جاکر میری طرف سے کہہ دو کہ تمہیں جامعہ رحمانیہ ہی میں بطور انعام مدرس رکھ لیں، اس سے پہلے جب میں ہشتم میں پڑھ رہا تھا تو مولانا عبدالمتن صاحب کے بڑے بھائی مولانا عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۱ء) نے ایک دن مسجد میں مجھ سے متوجہ ہوکر فرمایا کہ بیٹے! میں نے مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی اور دوسرے اساتذہ سے تمہاری تعریف سنی ہے تم محنت سے پڑھو، جماعت کو تمہاری ضرورت ہے، لیکن اسی سال ان کی وفات ہوگئی، دوسرے سال جب میں فارغ ہوا تو مولانا عبدالمتین رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ محترم کو ان کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا، جوں ہی میں نے استاذ محترم کو ان کا پیغام پہنچایا تو ان کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر بات کیا ہوگی، چنانچہ میں شوال میں مدرس رکھ لیا گیا اور مزید صلاحیت پیدا کرنے کے لئے صحیح بخاری کے درس میں مجھے دوبارہ بیٹھنے کا اعزاز بخشا گیا۔ ایک دن میں تھوڑا سا لیٹ ہوگیا تو استاذ محترم غصہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ میں تمہیں کو پڑھانے کے لئے مطالعہ کرکے آتا ہوں اور تم غائب، میں استاذ محترم کے سامنے پہلی مرتبہ اتنا نادم ہوا کہ میرے آنسو نکل آئے۔ بہر حال میں استاذ محترم کے دروس اور علمی افادات سے مستفید بھی ہوتا رہا اور جو کتابیں مجھے دی گئی تھیں انہیں پڑھاتا بھی رہا۔

آخری سال میں فراغت سے پہلے کی ایک بات چھوٹ گئی وہ یہ کہ قاری احمد سعید رحمہ اللہ (۱۸۹۱ء۔ ۱۹۶۴ء) نے مجھ سے ایک روز دریافت کیا کہ تم فراغت کے بعد ملازمت کہاں کروگے؟ میں نے کہا کہ ابھی کچھ پتہ نہیں ہے، فارغ ہوجاؤں گا تب کہیں ملازمت تلاش کروں گا، چونکہ وہ انجمن میں میری ایک آدھ تقریریں سن چکے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ تم دہلی چلے جاؤ اور پھاٹک حبش خاں میں مسجد محتسب کے مہتمم حاجی صدیق کراچی والے سے ملو اور میرا سلام کہو، انہیں خطیب کی ضرورت ہے، مسجد محتسب میں اس وقت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی امام وخطیب تھے۔ قاری صاحب کی یہ ہمدردی مجھے بہت پسند آئی اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں دہلی جاؤں گا، چنانچہ استاذ محترم سے میں نے دو دن کی چھٹی لی، جب چھٹی لینے گیا تو استاذ محترم نے فرمایا کہ میں بھی آل انڈیا اہل حدیث

کانفرنس میں شرکت کے لئے دہلی چل رہا ہوں اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی (رحمہ اللہ) بھی چل رہے ہیں، تم چلنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ چلے چلو لیکن تم وہاں کے ماحول میں کام نہیں کر پاؤ گے، استاذ محترم کی شخصیت ہمارے لئے مشفق باپ کی تھی، مگر ملازمت کے لالچ میں میں دہلی چلا گیا، وہاں میری تقریر کا نمونہ سنا گیا اور سوا ایک سو پچیس روپئے کی نوکری کی پیشکش کی گئی لیکن گفتگو ہی کے دوران حاجی صدیق کراچی والے نے مولانا عبد الصمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''مولوی عبد الصمد وضو کے لئے پانی لے آؤ'' یہ سننا تھا کہ مجھے استاذ محترم کا وہ جملہ یاد آ گیا کہ ''تم دہلی کے ماحول میں کام نہیں کر پاؤ گے'' ۔ کیونکہ وہ بطور شفیق باپ کے دو سال کے اثنا میں میرے مزاج سے واقف ہو چکے تھے، اور میں نے استاذ محترم سے جا کر اس پانی کے واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ابھی کچھ جواب نہ دو ورنہ یہ لوگ کرایہ بھی نہیں دیں گے، بنارس چل کر قاری احمد سعید صاحب سے معذرت کر لینا۔ چنانچہ میں واپس آ گیا اور مجھے فراغت کے بعد اللہ کے فضل و کرم اور استاذ محترم کی نصیحت کے نتیجہ میں جامعہ رحمانیہ میں تدریس کا اعزاز ملا۔ چونکہ میں پہلے سال مدرس بھی تھا اور طالب علم بھی اس لئے میری تنخواہ قیام وطعام کے ساتھ صرف پچیس روپئے رکھی گئی، دوسرے سال پچاس روپئے ہوئی، تیسرے سال ستر روپئے ہوئی اور چوتھے سال نوے روپئے، چوتھے سال کے خاتمہ پر میرا داخلہ مدینہ منورہ میں ہو گیا اور میں مدینہ چلا گیا اور چار سال میں مدینہ میں مقیم رہا۔ کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ استاذ محترم کی سیرت و سوانح پر کچھ لکھوں، بنارس جاتے ہوئے میں کئی چیزیں اپنے ساتھ لے بھی گیا تھا جن میں خصوصی طور پر استاذ محترم کی تصنیف 'اہل حدیث اور سیاست' کے لئے مواد جمع کرنے کے اثنا میں میں نے رضا شاہ کشمیری، مولانا انور کشمیری کے داماد مولوی احمد رضا بجنوری کی حدیث و سنت کی کتاب 'انوار الباری شرح صحیح البخاری' کی پہلی دو جلدوں پر بہت سے نوٹ لکھے تھے، خصوصی طور پر محدثین کے خلاف ان کی جارحیت اور میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بارے میں ان کا مخفی کینہ میرے سامنے تھا۔ ایک اور اہم موضوع جس پر میں نے تقریباً پوری کتاب تیار کر لی تھی، لیکن میں وہاں مرکزی دار العلوم بنارس کی خدمت اور کتابوں اور مالیات کی فراہمی کے سلسلہ میں اسفار میں اتنا مشغول ہوا کہ میرے امتحانی نتائج پر اس کا اثر پڑنے لگا اور کلیہ کے آخری امتحان میں میں اس وقت مدینہ پہنچا جب امتحانات شروع ہو رہے تھے اور امتحان کی تیاری میں بالکل نہیں کر سکا، میرے بعض دوستوں نے میری غیر حاضری اور امتحان سے غفلت دیکھ کر کہا کہ تم اس سال امتحان ہی نہ دو اور ایک سال تم اور لگاؤ، امتحان تو میں نے دے دیا لیکن ممتاز نہ آ سکا 'جید جدا' رہ گیا۔

انہیں مشغولیات میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے وفود کے استقبال اور انہیں بڑی شخصیات یہاں تک کہ شاہ فیصل رحمہ اللہ وغیرہ سے ملاقات کرانے اور ہندوستان و پاکستان کی نمایاں شخصیات اور ڈاکٹر محمد تقی الدین ہلالی کی خدمت اور ان کے ساتھ مسجد اقصیٰ کا سفر اور ریاض میں محمد بن ابراہیم، شیخ محمد بن عبد اللہ، شیخ عبد الرزاق، جدہ میں شیخ محمد نصیف وغیرہ سے ملاقاتوں میں اس قدر ڈوبا کہ جو کاغذات لایا تھا نہ انہیں پڑھ سکا، نہ ان پر توجہ دے سکا اور نہ کچھ لکھ سکا، اور اس پورے مواد کا حشر یہ ہوا کہ جب مجھے مرکزی دار العلوم سے دور رکھنے کے لئے وہاں کے بعض ذمہ داران اور ان کے ممبئی اور علی گڑھ میں مقیم معاونین نے مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے حوالہ کر دیا اور میں ایڈ ہاک کمیٹی کی نظامت کے ایک سال بعد، جس میں میں جامعہ سلفیہ میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا تھا

اور وہاں کے عربی مجلہ صوت الجامعہ کو ایڈٹ کررہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جمعیت اہل حدیث کے ترجمان کو بھی ایڈٹ کررہا تھا، دہلی جانے پر مجبور ہونا پڑا اور دہلی میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے دفتر نہ ہونے کی وجہ سے اردو بازار میں جماعت کی جائداد ریاض العلوم میں عاملہ وشوری اور پوری جماعت کے مشورہ سے دفتر کے لئے چند کمرے تعمیر کرا کے اس میں دفتر قائم کیا اور ریاض العلوم کے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ جن کی وصیت کی بنیاد پر وہ کمرے تیار کئے گئے تھے، وصیت نامہ میں صاف لکھا ہے اور وصیت نامہ چھپا ہوا موجود ہے، کہ یہ مکمل طور پر جماعت کی ملکیت اور جائداد ہے، ان کے بڑے صاحبزادے جو جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل تھے اور مدینہ میں ملازم تھے، آئے اور انہوں نے تالا توڑ کر علاقہ کے احناف اور میر مشتاق جیسے شیعہ سے سازش کرکے میری عدم موجودگی میں اور میرے نائب مولانا عبدالسلام رحمانی کے سامنے دفتر پر قبضہ کرلیا اور میری ساری کتابوں، قیمتی کاغذات وتحریروں کو ادھر ادھر کردیا، اسی میں میرا یہ سارا علمی مواد ضائع ہوگیا۔

بہر حال وہاں میں اس سلسلہ میں کچھ نہ کرسکا، میں سیبویہ تو تھا نہیں کہ دوبارہ کتاب اپنی یادداشت سے لکھ سکوں، میرا حوصلہ ہی پست ہوگیا، اور آج استاذ محترم کی وفات کے ۴۶ سال بعد ان یادداشتوں کو قید تحریر میں لانے کی کوشش کررہا ہوں، اس بیچ میں استاذ محترم کے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے شاگردوں میں سے کسی نے کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی، مولانا ادریس آزاد رحمانی سابق مدرس رحمانیہ جن کے نام سے استاذ محترم نے اپنی مکمل کتاب 'تنقید صحیح' اور کئی کتابیں شائع کیں، انہوں نے 'اہل حدیث اور سیاست' شائع کرتے ہوئے اس پر چند صفحات کا نہایت سطحی قسم کا ایک مضمون لکھ دیا اور اسی میں ردوبدل کرکے ایک مولوی صاحب نے ماہنامہ 'السراج' کے چند شماروں میں شائع کردیا اور کوئی چیز ان کی بابت نہ جامعہ رحمانیہ سے آسکی اور نہ اس جامعہ سلفیہ سے آسکی، جس کے قائم کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا، اور چند سطریں میں نے بھی ماہنامہ ''التوعیۃ'' میں مختلف مواقع پر لکھیں اور بس، اور اب جب کوشش کررہا ہوں تو حافظہ بھی کمزور ہوچکا ہے، صحت بھی گرچکی ہے، ذیابیطس، استھما، پروسٹیٹ، آکسیجن کی کمی، پیشاب کی رکاوٹ اور تین تین بار پیشاب کی نلی کا آپریشن کرانا پڑا ہے اور آنکھ کا بھی آپریشن ہوچکا ہے اور عمر بھی ستر سے متجاوز ہوچکی ہے، سیاہ کاریاں اتنی سرزد ہوچکی ہیں کہ ڈر لگتا ہے کہیں دنیا وآخرت میں اللہ کے غضب کا شکار نہ ہوجاؤں، اس بڑھاپے میں بھی چند عزائم باقی ہیں، جن میں ایک عزم ہے استاذ محترم کی سوانح حیات پر کسی مناسب تحریر کا اور چودھویں صدی ہجری کے مجدد میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی پر اور جماعت اہل حدیث پر اور اپنی کچھ یادداشتوں پر کچھ لکھنے کا، دعا ہے کہ رب العالمین جس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے، جو غفور الرحیم ہے، جو ستار وغفار ہے، جس نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت دی ہے، وہ میرے اوپر رحم کرے اور میرے عزم کو پختگی دے، میرے دل ودماغ، زبان وقلم اور یادداشت وعلم کو تازگی اور طاقت بخشے تاکہ کچھ کرسکوں۔

(ماخوذ از مجموعہ مقالات عبدالحمید رحمانی ۲۶۱/۳ تا ۲۶۷)

❑❑❑

حضرت مولانا نذیر احمد املویؒ۔ایک تعارف

وفات ۳۰ مئی ۱۹۶۵ء

مولانا اسعد اعظمی/مولانا محمد رحمانی

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی شخصیت سے اگر جماعت اہل حدیث کا کوئی جانکار شخص واقف نہیں ہے تو وہ درحقیقت جماعت کے کارناموں اور جماعت کی سچی تاریخ کے شعور سے نابلد مانا جائے گا۔ والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ کے خاص استاذ جامع المعقول والمنقول، امام العلماء علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ برصغیر کی ان اہم شخصیات میں سے ایک ہیں جنہوں نے صرف جماعت ہی کے لئے قربانیاں پیش نہیں کیں بلکہ ملک وملت کے لئے بھی اپنے آپ کو قربان کردیا۔ جنگ آزادی ہند اور اس کے آخری عہد نیز آزادی کے بعد مسلمانوں پر آنے والی مشکلات کے نازک دور میں علامہ رحمہ اللہ نے جو اذیتیں برداشت کیں، قید وبند کی زندگی کاٹنے پر مجبور ہوئے یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں بھٹکتے رہے لیکن اس کے باوجود شرک وبدعات کے خلاف پورے تن من دھن کے ساتھ اپنی پوری صلاحیتیں امت کے نام وقف کرتے نہیں تھکے، یقیناً وہ جماعت اہل حدیث ہی نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اور وطن عزیز کی تاریخ کا ایک سنہری حصہ ہیں۔ انہوں نے اپنا آخری دور اور بالخصوص آزادی ہند کے بعد سے اپنی وفات تک کا مرحلہ جس تکلیف اور پریشانی میں گزارا اسے قلم بیان کرنے سے قاصر ہے، معمولی تنخواہ، کینسر جیسی موذی بیماری کا بڑا خرچ، مہنگائی کی مار اور آل واولاد کی تعلیم وتربیت کا بوجھ ان کے لئے ایک بڑا چیلنج تھا، انہیں بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش کرکے پاکستان منتقل ہونے کی دعوت بھی دی گئی لیکن ان کا تواضع اور تقویٰ تھا کہ کم پر اکتفاء گوارا کرلیا لیکن جماعت اور عقیدہ کی جس خدمت پر وہ مامور تھے اسے چھوڑنا یا اس پر کسی انداز کی آنچ آنا انہوں نے برداشت نہیں کیا۔

والد رحمہ اللہ کے طالب علمی کے دور میں علامہ نذیر احمد رحمہ اللہ نے ان پر جو شفقتیں اور احسانات کئے انہیں کا نتیجہ تھا کہ والد گرامی رحمہ اللہ بھرپور پختگی اور علمی گہرائی کے ساتھ برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے سامنے ایک مضبوط علمی شخصیت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے، انتظام وانصرام میں بھی علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ اپنی مثال آپ تھے اور اسی انتظامی پختگی کی گہری چھاپ والد رحمہ اللہ کی شخصیت پر بھی واضح نظر آتی ہے، انہوں نے جو بھی ادارے قائم کئے ان کا نظام اور دستور اس کی واضح مثال ہے۔

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کی حیات اور ان کی زندگی کے گوشوں اور بالخصوص ان کے منہج تدریس اور تصنیف وتالیف پر آج بھی مزید کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نئی نسل اپنے اسلاف کی پختگی اور علمی گہرائی کے راز سے واقف ہوسکے اور بھرپور دینی اور منہجی خدمت کے جذبہ کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی خدمت انجام دے سکے۔

میری ناقص سمجھ کے مطابق ان دونوں عظیم شخصیات کی ایک بنیادی خوبی ان لوگوں کا اخلاص اور انتھک کوشش کا جذبہ بھی تھی اور یہ لوگ برادری، علاقائی، خاندانی، اور کسی بھی انداز کی تفریق اور تعصب بلکہ محض اس کے تصور سے بھی کوسوں دور تھے اور ان رکاوٹوں کی بنیاد پر کوئی بھی کاوش انجام پانے سے رکتی نہیں تھی، ان کے سامنے آگے بڑھنے کا بھرپور حوصلہ ہوتا تھا اور قوت فیصلہ کا ملکہ اور صحیح فیصلہ کے بعد کام کو انجام تک پہونچانے کی تڑپ ان لوگوں کی اہم خوبی تھی، اسی وجہ سے اللہ رب العالمین کی توفیق خاص سے جو کارنامے ان لوگوں نے انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ سے متعلق والد گرامی رحمہ اللہ کی ایک تحریر کا کچھ حصہ بھی یہاں شامل اشاعت کیا جارہا ہے تاکہ قارئین ان کی ہمہ جہت شخصیت سے واقف ہوسکیں۔

''یوں تو استاذ محترم کی پوری زندگی خودداری، غیرت، بے نیازی، استغناء، زہد، صبر وقناعت اور ایثار وقربانی کا نمونہ تھی۔ تقسیم ملک کے حادثہ میں انہیں جیل کی مشقتیں برداشت کرنا پڑیں اور بعد کی زندگی میں ایک طویل مدت تک وہ محکمہ کسٹوڈین کی چیرہ دستیوں کا شکار رہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک ان کی پوری جائداد اپنے آبائی گاؤں املومبارکپور میں ایک آبائی کھپریل کے مکان کے علاوہ کوئی چیز نہیں رہی۔ تقسیم ملک کے بعد ایک وقفہ تک 'دارالعلوم احمدیہ سلفیہ' دربھنگہ میں اور اس کے بعد 'جامعہ رحمانیہ' بنارس میں انہوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ مستقبل کے ہندوستان میں تحریک ومنہج اہل حدیث کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط ٹیم کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا اور ہندوستان میں تاریخ نگاری کے بجائے 'تاریخ سازی' کرنے والوں اور برصغیر ہند وپاک کی علمی، دعوتی، ثقافتی اور سیاسی اور جنگ آزادی کی تاریخ سے ملک میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت اور خدمت رکھنے والی جماعت اہلحدیث کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دینے والے ظالم مورخین کی چالاکیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے 'اہل حدیث اور سیاست' اور متصلب وجامد اور جارحانہ حنفیت کے علاج کے لئے 'انوار مصابیح' اور حلوہ ومانڈہ کی شریعت کے حامل شرکیات وبدعات کے رسیا داعیانِ حب رسول کے لئے 'ردعقائد بدعیہ' اور نئی پود کی تعلیم وتربیت کے لئے 'چمن اسلام' جیسی تصنیفات انہوں نے پیش کیں۔ حب مال، حب جاہ اور حب شہرت ان کے قریب پھٹکنے نہ پائی، زندگی کے آخری سال میں وہ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے۔ بنارس کے مشہور ومعروف ایلوپیتھ ڈاکٹر نعمانی سے لے کر حکیم محمد یوسف اور حکیم محمد یٰسین تک کے یہاں

تشخیص چلتی رہی کسی کی سمجھ میں مرض آیا نہ علاج، آخر بنارس ہندو یونیورسٹی کے سر سندر ہوسپٹل میں ڈاکٹر کے این اڈپا اور ڈاکٹر ویدیہ جیسے کامیاب سرجنوں کے زیر نگرانی آپریشن ہوا، لیکن وقت گزر چکا تھا، مہلک بیماری اپنا کام کر چکی تھی، ڈاکٹروں نے آپریشن کئے بغیر زخم سی دیا۔ آپ کی بے چینی، تکلیف، دکھ اور گھٹن دیکھی نہیں جاتی تھی۔ حالات نازک سے نازک تر ہوتے چلے جا رہے تھے، بھوک بالکل ختم ہو چکی تھی، بڑی مشکل سے موسمی کے جوس کے چند گھونٹ حلق سے اتارتے تھے، پرول کا شوربہ دینے کی خاص تاکید تھی، لیکن پرول کی مہنگائی اس وقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کسی کسی دن ۳۲ روپئے کلو تک حساب چڑھ جاتا تھا، ادھر استاذ محترم کی تنخواہ تقسیم ملک کے بعد بڑھتے بڑھتے آخری سال میں ایک سوبیس روپئے ماہوار تک آسکی تھی، اسی میں اہل خانہ کے مصارف بھی، اسی میں اہل خانہ کی ضروریات زندگی کی تکمیل بھی کرنا پڑتی تھی'' (مجموعہ مقالات۔ مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد ۲ ص ۳۵۱)

اللہ رب العالمین جزائے خیر عطا فرمائے جماعت کے مضبوط عالم دین اور عالمی شہرت یافتہ علمی شخصیت کے مالک مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ ورعاہ کو کہ انہوں نے علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جیسی اہم شخصیت پر ادارہ ''التبیان'' کو اپنا مضمون ارسال کیا۔ مولانا اسعد اعظمی حفظہ اللہ کے والد گرامی مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ وتولاہ جو علم حدیث اور دوسرے شرعی علوم میں ایک مستقل شناخت رکھتے ہیں اور ان کے شاگردوں کا سلسلہ دنیا کے بہت سے خطوں میں پھیلا ہوا ہے، ان کا اور خود مولانا اسعد صاحب کا علمی دنیا میں ایک مقام ہے، جامعہ سلفیہ بنارس میں وہ ایک طویل عرصہ سے تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ اہم علمی خانوادہ محتاج تعارف نہیں، اللہ رب العالمین مولانا کو ''ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر'' اور اس کے متعلقہ اداروں سے مستقل علمی رابطہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (محمد رحمانی)

• • • • • • •

نام ونسب: نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور بن شیخ جعفر علی۔

ولادت: آپ کی ولادت بتاریخ ۱۰/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۶/ فروری ۱۹۰۶ء موضع املو میں ہوئی جو مشرق اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں واقع مشہور قصبہ مبارک پور کا ایک حصہ ہے۔ اعظم گڑھ شہر سے اس کی مسافت تقریباً ۸ میل اور مبارک پور سے ایک میل ہے۔ مبارکپور اعظم گڑھ سے مشرق میں اور املو مبارکپور سے مشرق میں واقع ہے۔

تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارک پور میں ہوئی، بعد ازاں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (ضلع اعظم گڑھ) میں داخل ہوئے۔ اس کے کچھ دنوں بعد مدرسہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن میں داخلہ لیا اور وہاں کے صدر المدرسین مولانا احمد بن ملا حسام الدین کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے۔ جب شوال ۱۳۳۹ھ مطابق جولائی ۱۹۲۱ء میں دہلی میں مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ کا

قیام عمل میں آیا تو اسی سال ماہ ذی الحجہ میں مولانا نے وہاں داخلہ لیا اور از ابتدا تا انتہا اپنی دینی تعلیم کا بیشتر حصہ اسی مدرسہ میں مکمل کرنے کے بعد شعبان ۱۳۴۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا اپنی ذہانت اور محنت کے باعث تمام امتحانوں میں اول پوزیشن حاصل کرتے رہے اور مدرسہ کی جانب سے مقررہ انعامات کے مستحق رہے۔آخری سال میں پورے مدرسہ میں اولیت واولویت کی وجہ سے انعام میں صحیح بخاری اور مبلغ چالیس روپے نقد انعام سے سرفراز کیے گئے۔

اساتذہ کرام: مولانا کو جن اساتذہ کرام سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا ان میں سے بیشتر اپنے وقت کے نامور اور علم وعمل دونوں اعتبار سے نمونہ تھے،آپ کے کئی اساتذہ شیخ الکل فی الکل علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔چند مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔مولانا احمد بن ملا حسام الدین مئوی،تلمیذ رشید علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۲۔مولانا احمد اللہ امیر اللہ شیخ الحدیث پرتاب گڑھی،تلمیذ رشید علامہ سید نذیر حسین محدث دہلوی۔

۳۔علامہ حافظ احمد اعظم بن فضل الدین گوندلوی۔

۴۔جامع المعقول والمنقول مولانا غلام یحییٰ پنجابی کانپوری۔

۵۔ادیب شہیر مولانا حافظ نگرنہسوی۔

۶۔مولانا عبدالوہاب آروی۔

۷۔مولانا عبدالغفور جیراجپوری۔

۸۔مولانا عبدالسلام قندھاری افغانی (بدایوں)

درس وتدریس: دارالحدیث رحمانیہ سے فراغت کے ساتھ ہی مدرسہ کے مہتمم شیخ عطاء الرحمن نے آپ کو مدرسہ میں مدرس مقرر کرلیا اور اگلے تعلیمی سال سے آپ نے مسند تدریس سنبھال لی۔پھر مہتمم صاحب کے ہی مشورے سے آپ معقولات وریاضیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے مولانا فضل حق خیرآبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے جو اس وقت مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل اور خیرآبادی سلسلہ کے نامور عالم تھے۔مگر وہاں ریاضی کی تعلیم نہ ہونے کے باعث آپ مدرسہ شمس العلوم بدایوں چلے گئے اور مولانا عبدالسلام صاحب قندھاری سے معقولات وریاضی کی بہت سی درسی وغیر درسی کتابیں پڑھیں اور ایک سال کے بعد سند فراغت لے کر رحمانیہ واپس آگئے اور ۱۹۴۷ء میں مدرسہ کے بند ہونے تک اس سے جڑے رہے۔اس طرح گویا ۱۹۲۱ء میں مدرسہ کے قیام سے لے کر ۱۹۴۷ء میں اس کے خاتمہ تک مدرسہ کی ۲۷ سالہ عمر بھر اس سے وابستہ رہے اور بیچ میں صرف ایک سال بدایوں میں تعلیم کے حصول کی وجہ سے انقطاع رہا وہ بھی مدرسہ ہی کی تحریک وتشجیع بلکہ کفالت پر۔

اس ادارہ میں آپ محض ایک مدرس ہی نہ تھے بلکہ مرور ایام کے ساتھ وہاں کا پورا انتظام وانصرام آپ کے ہاتھوں میں تھا،وہاں کی لائبریری کی نگرانی،وہاں سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ محدث کی ادارت اور دیگر بہت ساری ذمہ داریاں آپ کے سر تھیں۔ آپ اور آپ کے رفیق کار شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مدرسہ کی روح تھے۔اس کی ساری تفصیلات ہماری کتاب ''تاریخ وتعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی''میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۱۹۴۷ء میں دارالحدیث رحمانیہ کا چراغ گل ہو جانے کے بعد آپ وطن واپس آ گئے اور تقریباً ایک سال بعد دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے منتظم ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب کی خواہش اور طلب پر اواخر ۱۹۴۸ء میں اس ادارہ سے وابستہ ہو گئے اور دسمبر ۱۹۴۹ء تک یہاں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر جنوری ۱۹۵۰ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس سے منسلک ہو گئے اور تادم واپسیں اس کی خدمت کرتے رہے۔

تلامذہ: مولانا املوی نے تقریباً ۳۶ سال درس وتدریس میں گزارے اور ایک بڑی تعداد کو زیور علم سے آراستہ کیا جن میں بڑے بڑے مصنف، محقق، مدرس، مقرر اور دین وعلم کے خادم ہوئے۔ ان میں سے بہتوں نے سفر آخرت اختیار کیا اور ایک تعداد اب بھی دین کی خدمت سے مربوط آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنی ہوئی ہے۔ (فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ)۔ چند معروف تلامذہ کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ
۲۔ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ
۳۔ مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ
۴۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمانیؒ
۵۔ مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی رحمانیؒ
۶۔ مولانا محمد عاقل رحمانیؒ
۷۔ مولانا حکیم عبیداللہ رحمانیؒ
۸۔ مولانا محمد مسلم رحمانیؒ
۹۔ مولانا احمداللہ رحمانیؒ
۱۰۔ مولانا عبدالحمید رحمانیؒ
۱۱۔ مولانا محمد اعظمی
۱۲۔ ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس
۱۳۔ شیخ نذیر احمد عبدالقدوس
۱۴۔ مولانا عبدالسلام مدنیؒ
۱۵۔ مولانا محمد مستقیم سلفی، وغیرہم (احفظ اللہ الاحیاء منہم)

تصنیف وتالیف: مولانا نے جن اداروں میں کام کیا وہاں درس وتدریس کے علاوہ بہت سارے انتظامی امور بھی آپ کے سپرد ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی مصروفیت دوچند رہا کرتی تھی، پھر بھی آپ نے وقت نکال کر اعلائے کلمۃ اللہ اور احقاق حق کا فریضہ انجام دینے کے لئے قلم کا بھی استعمال کیا، آپ کی بیشتر تصنیفات حق کے دفاع اور الزامات کے رد میں ہیں اور بہت ہی مدلل، مبرہن اور شرعی دلائل کے ساتھ عقلی ومنطقی براہین سے بھی آراستہ۔

ذیل میں آپ کی تصنیفات کا مختصر تعارف پیش ہے۔

۱۔ **اہل حدیث اور سیاست:** تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب اس الزام کی تردید میں ہے کہ اہل حدیثوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد جہاد اور سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ مولانا املوی نے اس الزام کی تردید میں دلائل کے انبار لگا دیے اور ثابت کیا کہ جہاد آزادی اور سیاست میں اہل حدیثوں نے بھرپور حصہ لیا، اس کا اعتراف اغیار نے بھی کیا ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس سے کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲ء میں، دوسرا ۱۹۸۶ء اور تیسرا ۲۰۰۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ **ردعقائد بدعیہ:** تین سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں اہل بدعت کے چند مشہور عقائد کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں مسئلہ علم غیب، بشریت رسول، سایۂ رسول اور مسئلہ حاضر وناظر شامل ہیں۔ کتاب کا دو تہائی حصہ علم غیب سے متعلق ہے۔ دراصل مؤلف علامہ نے مبتدعانہ عقائد کی تردید اور صحیح عقائد کے تعارف کا ایک مفصل خاکہ تیار کیا تھا، لیکن مذکورہ بالا موضوعات پر خامہ فرسائی کے بعد آگے نہ بڑھ سکا۔ بہر حال اپنے موضوع پر یہ لاجواب کتاب ہے جو زبان وبیان کی خوبصورتی کے ساتھ نقلی وعقلی دلائل سے آراستہ ہے۔

کتاب کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، چوتھا ایڈیشن ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے۔ اب اس کا پانچواں ایڈیشن راقم کی نظر ثانی وتخریج کے ساتھ قارئین کے ہاتھوں میں جانے کے لئے تیار ہے۔

۳۔ **انوار المصابیح بجواب رکعات تراویح:** مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مئوی کی کتاب ''رکعات تراویح'' کا جواب ہے جس میں آٹھ رکعات تراویح کے اثبات اور بیس رکعات کی تردید میں دلائل وشواہد جمع کر دیے گئے ہیں اور مولانا اعظمی کے استدلالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پہلی بار یہ کتاب ۱۳۷۸ھ میں حمیدیہ پریس دربھنگہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کے صفحات کی تعداد (۳۲۸) ہے۔ یہ کتاب جامعہ سلفیہ بنارس سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا جدید ایڈیشن مولانا احسن جمیل صاحب مدنی کی تحقیق وتخریج کے ساتھ عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔

۴۔ **انتقاد صحیح بجواب ذیل رکعات تراویح:** مولانا املوی کی مذکورہ بالا کتاب ''انوار المصابیح'' کے جواب میں مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے ''ذیل رکعات تراویح'' لکھی اور اسے مولوی عبدالباری قاسمی کے نام سے شائع فرمایا۔ مولانا املوی نے اس کے جواب میں ''انتقاد صحیح'' تحریر فرمائی اور اسے اپنے شاگرد مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی کے نام سے شائع کیا۔ یہ کتاب (۱۷۸) صفحات پر مشتمل ہے اور سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے، سن اشاعت درج نہیں ہے۔

۵۔ **چمن اسلام:** مکاتب اور پرائمری درجات کے بچوں کے لئے نصابی کتاب کا یہ سلسلہ ہے جو چار حصوں پر مشتمل ہے جس میں عقائد وایمانیات کے علاوہ احکام ومسائل اور اخلاق وسیرت کے مضامین ہیں۔ جگہ جگہ نظمیں بھی ہیں۔ اس کتاب سے بچوں کو صحیح دینی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ساتھ ہی اردو زبان سیکھنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ یہ کتاب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے برابر شائع ہوتی رہی ہے۔ ابتدائی ایڈیشنوں میں اس کے صفحات کی مجموعی تعداد (۳۶۶) تھی۔ مصنف نے کتاب پر کہیں اپنا نام نہیں آنے دیا۔ نصف صدی سے زائد عرصے سے یہ کتاب مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔

صحافت: تدریسی اور تصنیفی خدمات کے ساتھ ہی مختلف رسائل وجرائد میں مولانا کے مضامین ومقالات بھی شائع ہوتے رہتے تھے۔ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ ماہنامہ محدث کی ادارت بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔ اس کے علاوہ

اخبار اہل حدیث امرتسر، اخبار محمدی دہلی، جریدہ ترجمان دہلی، ہفت روزہ الاعتصام لاہور، پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ، زندگی رام پور، اخبار مدینہ بجنور، مصباح ششہنیاں، انصاف الہ آباد، اہل حدیث دہلی، وغیرہ میں آپ کے بہت سارے مضامین شائع ہوئے۔ان رسائل میں آپ کے بہت سے مضامین ایسے بھی شائع ہوئے ہیں جن پر آپ کا نام درج نہیں ہے۔

مولانا کی تحریر کی امتیازی خصوصیات کیا تھیں اور کن کن خوبیوں کی حامل ہوتی تھیں اسے سمجھنے کے لئے آپ کے مشہور شاگرد مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی رحمہ اللہ کی درج ذیل تحریر پڑھیے:

''مولانا کی تحریر حشو وزوائد سے پاک ہوا کرتی تھی۔جب کسی کی بات کی گرفت کرتے تو اس کے فرار کے تمام راستے مسدود ہو جایا کرتے۔تردید میں دلائل کے انبار لگا دیتے تھے اور تمام دلیلیں مستند اور معتبر ہوا کرتی تھیں۔حوالوں میں بڑی احتیاط برتتے۔کسی کی کوئی بات کسی دوسرے شخص کی تحریر سے ثبوت میں پیش کرنی ہوتی تو جب تک اصل مرجع سے اس کا مقابلہ نہ کر لیتے مطمئن نہ ہوتے۔ایک مرتبہ ایک بڑے مصنف کے بارے میں فرمایا کہ ان کے حوالوں پر مجھے اعتماد نہیں ہے۔بار بار کے تجربوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔تم بھی اصل سے مقابلہ کیے بغیر ان کے حوالوں پر اعتماد نہ کرو۔مجھ سے بار بار فرمایا کہ جب کسی کے رد میں مجھے کوئی جوابی مضمون لکھنا ہوتا ہے تو جب تک تمام دلائل نہ لکھ لوں مجھے چین نہیں آتا۔مختصر الفاظ میں ایسا ٹھوس، معقول اور دنداں شکن جواب دیتے کہ آپ کی قادر الکلامی پر حیرت ہوتی''۔(مقدمہ اہل حدیث اور سیاست، ص: ۴۳۔۴۴)

دیگر خدمات: مولانا املوی ایک مخلص اور غیرت مند عالم باعمل تھے۔علم اور دین کی خدمت کا کوئی گوشہ آپ کی توجہ سے الگ نہ رہا۔آپ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔آپ جماعت کے ان چنندہ علماء میں سے تھے جنہیں ہر موقع پر سرپرستی اور رہنمائی کے لئے یاد کیا جاتا تھا اور آپ حتی الوسع لبیک کہتے تھے۔

ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کے بعد جماعت کے اکثر بڑے علماء ہندوستان سے کٹ گئے اور جماعت یتیم ہوگئی۔جب یہاں کے مسلمان کچھ سنبھلے اور ذاتی مسائل سے نمٹنے کے بعد قومی اور جماعتی تشخص کی فکر میں لگے تو اہل حدیث علماء نے بھی اپنی جمعیت وجماعت کے احیاء کی کوشش شروع کی۔مولانا عبدالوہاب آروی، مولانا شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوری اور مولانا عبدالجلیل رحمانی وغیرھم کے ساتھ مولانا املوی نے بھی اس کوشش میں بھرپور حصہ لیا، اس کی تفصیل طویل ہے۔

اسی طرح جب مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کی کوششیں شروع ہوئیں تو ان کوششوں میں مولانا کی بھرپور حصہ داری تھی۔اپنی تقریروں اور خطبوں میں آپ نے اسے موضوع بنایا۔جامعہ رحمانیہ بنارس میں قیام اور خدمت کے پیش نظر آپ مرجع قرار پائے۔اس کی میٹنگوں میں برابر شریک ہوتے رہے۔اس سے متعلق شائع ہونے والے تمام اشتہارات واعلانات آپ کی نگاہوں سے گزرتے۔مرکزی دارالعلوم کا نصاب تشکیل دینے کے لئے اکابر علماء کی جب کمیٹی تشکیل دی گئی تو مولانا اس کے نہ صرف رکن رکین بلکہ کنوینر منتخب کیے گئے۔آپ سخت علالت کے باوجود اس کی تمام نشستوں میں شرکت فرماتے۔آپ ہی کی سرکردگی میں جامعہ کا پہلا نصاب تعلیم ترتیب دیا گیا۔

جمعیت وجماعت سے اوپر اٹھ کر قومی اور ملکی پیمانے پر عام مسلمانوں کی پیش آنے والے مسائل ومعاملات کے حل میں بھی مولانا

نے حصہ لیا۔مشہور سماجی کارکن قاضی عدیل عباسی نے مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے ''دینی تعلیمی کونسل'' کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی تھی جو آج بھی مصروف عمل ہے۔شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی اس کے نائب صدر تھے،مولانا املوی بھی اس تنظیم کے فعال رکن تھے اوراس کی میٹنگوں میں برابر شریک رہتے تھے۔

علالت ووفات: جنوری ۱۹۵۰ء سے مولانا جامعہ رحمانیہ بنارس سے منسلک تھے اور گوناگوں خدمات انجام دے رہے تھے۔ رمضان ۱۳۸۴ھ۔۱۹۶۵ء کی تعطیل میں جب آپ گھر پر تھے آپ کے پہلو میں درد ہونا شروع ہوا، جو کچھ دوا یا مالش سے ختم یا کم ہوجاتا۔چھٹی کے بعد جب بنارس واپس آئے تواس درد میں اضافہ ہوتا گیا۔علاج کا سلسلہ جاری تھا۔افاقہ نہ ہونے کے سبب آپ کو بنارس ہندو یونیورسٹی کے سرسندرلال اسپتال میں داخل کیا گیا۔بڑے ڈاکٹروں کی تشخیص کے بعد کینسر کا انکشاف ہوا۔آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔لیکن جب ڈاکٹروں نے آپریشن کے لئے مقام ماؤف کھول کر مرض کا جائزہ لیا تو آپریشن کیے بغیر اسے بند کردیا کیوں کہ مرض لاعلاج ہو چکا تھا۔آپریشن کا زخم بھرنے کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں آپ کی قیام گاہ پر واپس لایا گیا۔کچھ دنوں بعد آپ کی خواہش پر آپ کے وطن املو منتقل کیا گیا جہاں بروز یک شنبہ بتاریخ ۲۸/محرم ۱۳۸۵ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۹۶۵ء بوقت تین بجے دن آپ نے اس عالم فانی کو خیر باد کہا۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔اسی دن ۱۱/بجے شب تدفین عمل میں آئی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اولاد: مولانا نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی ہوئی جو طلاق پر منتج ہوئی۔پھر تیسری شادی ہوئی۔پہلی بیوی سے ایک بچی پیدا ہوئی جو سات آٹھ سال کی عمر میں انتقال کرگئی۔دوسری بیوی سے بھی ایک بچی تولد ہوئی، یہ بھی کم عمری میں داغ مفارقت دے گئی۔تیسری بیوی سے تین لڑکے اور دولڑکیاں وجود میں آئے۔لڑکوں کے نام آفتاب احمد، ہلال احمد، نہال احمد، اورلڑکیوں کے نام عابدہ خاتون اور رضیہ خاتون ہیں۔

نوٹ: مولانا املوی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات سے متعلق مفصل جانکاری کے لئے درج ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

۱۔تراجم علمائے حدیث ہند، ازمولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی

۲۔مقدمہ کتاب اہل حدیث اور سیاست ازمولانا نذیر احمد املوی

۳۔جهود مخلصة في خدمة السنة المطهرة، ازڈاکٹر فریوائی

۴۔تذکرہ علمائے اعظم گڑھ ازمولانا حبیب الرحمن اعظمی قاسمی

۵۔تعارف وتاریخ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی ازاسعد اعظمی

۶۔مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی، جلد دوم۔

(شائع شدہ ماہنامہ التبیان جنوری ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے پانچ تلامذہ کے فیض یافتہ شاگرد

ماہرِ علمِ میراث مولانا عبدالرحمن بجواوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۸۷۳ء۔ وفات ۱۹۷۲ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

ہندو نیپال کا سرحدی علاقہ جسے مشرقی یوپی کے نام سے جانا جاتا ہے برسوں سے علماء اہل حدیث کی دعوت واصلاح کا مرکز رہا ہے۔ خاص طور پر اس علاقے کا وہ خطہ جو کبھی گونڈہ بستی کے نام سے اور حال میں سدھارتھ نگر و بلرامپور کے اضلاع کے نام سے جانا جاتا ہے یہاں تو آزادی سے پہلے اور اس کے بعد ہمیشہ اکابرین علمائے اہل حدیث کی آمدورفت رہی اور ساتھ ہی ساتھ ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں ہیں، جنہیں نہ صرف یہ کہ اس خطے میں توحید وسنت کی دعوت پہنچانے میں کامیابی ملی بلکہ یہ پوری دنیا میں اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں کی وجہ سے مشہور ومعروف ہوئے۔ مولانا اللہ بخش بسکوہری، مولانا عبدالغفور بسکوہری، محدث عبدالحق بانسوی، مولانا عباداللہ یوسف پوریؒ، مولانا عبدالرحمن ڈوکمی، محدث کبیر مولانا عبدلرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ وغیرھم کثیر کے نام سرفہرست ہیں، انہیں نابغۂ روزگار میں ایک مشہور ومعروف نام مولانا عبدالرحمن بجواوی کا بھی ہے جنہیں بیک وقت میاں صاحب کے پانچ سے زائد تلامذہ بالخصوص محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے۔ اور فن میراث اور علم الفرائض میں امامت ومہارت بھی، آپ کے معاصرین اساتذہ اور دیگر اہل علم نے آپ کو اس فن کا امام تسلیم کیا ہے۔ بڑھنی جھنڈا نگر کے سرحدی علاقے سے بالکل متصل صرف دس کلو میٹر کی دوری پر ہندو نیپال کے بارڈر پر پچھّم اور اتر طرف ایک بستی واقع ہے جس کا نام ''بجوا'' ہے اور اسے تعارفا ''بجوابیروا'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہی آپ کا مولد ومسکن رہا ہے اور پورا خطہ آپ کی دعوتی واصلاحی کاوشوں کا مرکز ومحور، آزادی سے پہلے جماعت کے کبار علماء واساطین اہل علم اس علاقے میں آپ اور دیگر علماء واعیان جماعت کی وجہ سے کشاں کشاں آنے پر فخر محسوس کرتے تھے، اور جب بھی یہ علماء اس خطے میں قدم رنجہ ہوتے تو علم میراث کے اس منفرد عالم اور امام کو شرف زیارت وملاقات ضرور بخشا کرتے۔ مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی، مولانا ابوالقاسم بنارسی، مولانا یوسف شمس فیض آبادی، محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری صاحب رحمہم اللہ جیسی عظیم المرتبت ہستیوں نے اس علاقے بالخصوص آپ کے گاؤں کو اپنی قدوم میمنت سے شرف یاب کیا ہے۔ اور یہ ہم سب کے لئے فخر واعزاز کی بات ہے۔ میرے والد ماجد جو آزادی سے کچھ پہلے اور بعد کے علماء کے سلسلے میں بڑی معلومات رکھتے تھے اور اہل علم کے بڑے قدرداں تھے جب بھی اس علاقہ کے علماء کا تذکرہ کرتے تو مولانا عبدالرحمن بجواوی کا ذکر خیر ضرور کرتے مگر مجھے اتنا علم وگمان نہیں تھا کہ ہمارے پڑوس میں بلکہ اپنے ایک خاندانی گاؤں میں اس قدر بلند رتبے پر فائز ایک صاحب علم وفضل ایسا بھی موجود تھا جس کے باب علم پر بڑے بڑے سر دھننے کو مجبور ہوجایا کرتے تھے۔ سچ

فرمایا مفکرملت مولانا عبدالجلیلؒ نے کہ ’’ آپ فرائض کے ماہر، بے زبان ولی تھے‘‘ خدایا وہ گھڑی کتنی پرسعادت اور پرکیف وبہار رہا کرتی ہوگی جب عباقر علمائے اہل حدیث کا یہ قافلہ بشمول مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اور دیگر اجلہ اور اساطین علم وفن کا ہمارے اس علاقے میں اور قرب وجوار کی بستیوں میں قدم رنجہ ہوتا رہا ہوگا، آج جو کچھ بھی ہے دراصل انہیں کی محنتوں اور قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ یہ خطہ نورتوحید وسنت سے معمور ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین۔

اس قافلۂ حق وصداقت کی ایک عظیم کڑی ہمارے موصوف وممدوح حضرت العلام امام الفرائض مولانا بجواوی رحمہ اللہ کی بھی ہے۔جوعلم وفضل اورتقویٰ وورع سے معمورایک باکمال زندگی گزارکرسوبرس کی عمرطویل میں رب العالمین سے جاملے اور ۱۹۷۲ء میں یہ آفتاب درخشندہ افق مشرقی ہند سے غروب ہوچلا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ذیل میں آپ کی حیات وخدمات کے تعلق سے چندسطور حوالۂ قرطاس ہیں۔امید کہ ہمارے لئے اورآئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ہوں گے۔

نام ونسب: مولانا ابوالخطاب بجواوی بن مولانا عبداللہ۔

ولادت: آپ کی ولادت ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ھ کوآپ کے آبائی گاؤں بجوابیروا تحصیل تلشی پورضلع گونڈہ یوپی (حال واقع ضلع بلرام پور) میں ہوئی۔بجوا گاؤں ایک اہل حدیث گاؤں ہے جوہندونیپال کے سرحد پر ضلع گونڈہ وبلرام پور کے’’بھانبھر‘‘علاقے میں بڑھنی جھنڈانگر سے کم وبیش ۱۰ کلومیٹر مغرب میں واقع ہے۔اوراسی کی طرف نسبت کرکے آپ کو’’بجواوی‘‘ لکھا جاتا ہے۔حالانکہ آپ جماعت کے قدیم تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم، کنڈؤبونڈیہار سے فارغ تھے اور سراجی تھے مگر گاؤں کی نسبت زیادہ مشہور ومعروف ہوگئی۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد’’ بنگری‘‘ گاؤں کے رہنے والے تھے اور کسی وجہ سے وہاں سے ہجرت کرکے ہندونیپال کے سرحد پر’’بجوا‘‘ گاؤں آبسے۔گھرانہ علمی اوردین پسند تھا اور آپ ایک جید عالم مانے جاتے تھے۔اس علاقے میں مولانا اظہر بہاری، مولانا یوسف شمس فیض آبادی اور دیگر اجلہ علماء کی پہلے سے ہی آمدورفت رہی ہے۔ان علماء کی دعوتی واصلاحی کاوشیں اپنا رنگ لائیں اور پورا علاقہ متبع کتاب وسنت بن گیا۔آپ کے والد مولانا عبداللہ ایک جید عالم دین اور توحید وسنت کے دلدادہ تھے۔اور پوری تندہی سے اس دعوت حقہ کے فروغ میں لگے رہتے تھے۔اسی عظیم خطہ توحید اور علمی گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھے اور رفتہ رفتہ تعلیم کی اعلیٰ منزلوں کو طے کرکے ایک جید عالم بالخصوص علم فرائض اور میراث کے امام کے طور پر آپ کو شہرت حاصل ہوئی۔جس کی وجہ سے اس علاقے میں بالخصوص آپ کے گاؤں میں جماعت کے اکابر علماء کی برابر آمدورفت رہی ہے جن میں محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری، مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا اللہ بخش بسکوہری، علامہ محمد سعید محدث بنارسی، علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی اور مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی وغیرھم شامل ہیں۔(یادگار مجلہ ص ۵۵، اضلاع بستی وگونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ ص ۹۸)

تعلیمی مراحل: ۱۔ابتدائی وعربی تعلیم اپنے گھر پر والد ماجد مولانا عبداللہ سے حاصل کی۔

۲۔عربی کی اعلیٰ تعلیم علاقے میں جماعت کے تاریخی ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں حاصل کی اوریہیں سے ۱۹۱۶ء مطابق ۱۳۳۷ھ میں فارغ ہوئے۔جامعہ سے شائع شدہ یادگار مجلہ مرتبہ مولانا ابوالعاص وحیدی ۱۹۸۶ء ص ۱۰۷ میں جامعہ کے ممتاز مستفیدین وفضلاء کی فہرست میں آپ کا نام پانچویں نمبر پر مولانا محمد عرفان سلفی ابوالعرفانؒ کے بعد اور مولانا ممتاز علیؒ کرتھی ڈیہہ

اور مولانا ہاتف سعیدی سے پہلے ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جامعہ سراج العلوم کے اوائل مستفیدین و فارغین میں سے ہیں اور غالباً اس وقت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کے چلے جانے کے بعد مولانا شاہ محمد مبارکپوری (مدت تدریس جامعہ ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۴ء) اوران کے بعد مولانا محمد سلیمان مئوی (مدت تدریس ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء) وغیرھم تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ وغیرھم کا دور تدریس اس کے بعد ہے۔

۳۔شارح ترمذی محدث کبیر مولانا مبارکپوریؒ نے آپ کو اجازہ علمیہ عطا کی اور اس طرح آپ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا۔

۴۔مولانا مبارکپوریؒ کے علاوہ دیگر تلامذہ میاں صاحب سے آپ نے استفادہ کیا ہے جن کی تعداد چار ہے۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔آپ کے والد ماجد مولانا عبداللہ، ۲۔مولانا اللہ بخش بسکوہری (تلمیذ میاں سید نذیر حسین صاحب) ۳۔علامہ عبداللہ غازی پوری (تلمیذ میاں صاحب)، ۴۔مولانا عبدالجبار غزنوی (تلمیذ میاں صاحب)، ۵۔مولانا عبدالوہاب ملتانی (تلمیذ میاں صاحب)، ۶۔محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوری (تلمیذ میاں صاحب)، ۷۔مولانا عبدالرحمن ڈوکمی (تلمیذ میاں صاحب) (علماء اہل حدیث بستی وگونڈہ، ص۶۷، اضلاع بستی وگونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ ص:۱۰۲۔۱۰۴، ۱۱۲۔۰۷۔۶۳۔مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/ ۴۴، یادگار مجلہ ص ۸۶)۔

مشاہیر تلامذہ: آپ کے تلامذہ وشاگردوں کا حلقہ بے حد وسیع اور بڑا ہے۔مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری (دارالحدیث رحمانیہ میں تعلیم سے پہلے آپ نے جھنڈانگر میں مولانا بجواوی سے تعلیم حاصل کی جس کا ذکر مولانا جھنڈانگری نے اپنے انٹرویو میں خود کیا ہے۔(ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر ص ۴۰۵) اور اسی طرح سرگزشت جامعہ ۱/ ۱۵۸ پر مولانا نے آپ کو استاذ محترم لکھا ہے۔اور اسی طرح مولانا عبدالشکور دور صدیقی نے اپنی سوانح میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ آپ مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کے اساتذہ میں سے تھے۔(کاروانِ سلف ۲/ ۲۶۵)، ۲۔مولانا حبیب اللہ طیب پوری، ۳۔مولانا زین اللہ طیب پوری، ۴۔مولانا عبدالجلیل رحمانی، ۵۔مولانا اولاد حسین اونرھوا، ۶۔مولانا محمد منیر احمد بونڈیہار، ۷۔مولانا عبدالحنان فیضی (انتری بازار)، ۸۔مولانا عبدالوہاب ریاضی بن میاں محمد زکریا جھنڈانگر، ۹۔مولانا حکیم محمد اسحاق رحمانی (والد بزرگوار ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری) ۱۰۔مولانا عبدالقیوم رحمانی (کاروان سلف، ۱/ ۹۰)

نوٹ: آپ کے تلامذہ میں مرتب تراجم علمائے اہل حدیث مولانا خالد حنیف صدیقی نے مولانا عبدالسلام بستوی کا نام ذکر کیا ہے مگر یہ قرین قیاس نہیں ہے۔مولانا عبدالسلام بستوی کے اساتذہ میں مولانا بہاری کا ذکر ہے غالباً اسی سے اشتباہ ہو گیا ہے۔

تدریسی خدمات: ● ۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۸ء دو سال تک جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر نیپال میں مدرس رہے۔(جیسا کہ خالد حنیف صدیقی صاحب نے لکھا ہے مگر یہ درست نہیں ہے) نوٹ: جامعہ سراج العلوم میں آپ کی تدریسی خدمات کے سلسلے میں یہ سن مجھے کہیں دریافت نہ ہوا البتہ مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب نے سرگزشت جامعہ میں آپ کی تدریس کا زمانہ ۱۹۳۰ء یا اس سے قبل کا لکھا ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔(سرگزشت جامعہ ۱/ ۱۳)

● مدرسہ چشمۂ رحمت، مئوائمہ، الہ آباد میں بھی کچھ سالوں تک آپ نے تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ۳۔مدرسہ شمس العلوم سمرا، سدھارتھ نگر (قدیم ضلع بستی) کچھ سال، ۴۔مدرسہ اسلامیہ، کیونجھر، اڑیسہ۔ ۵۔مدرسہ رحمانیہ، بجوا آبائی گاؤں، ۶۔ ۱۹۶۳ء سے

۱۹۶۷ء چار سال تک دوبارہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں درس وتدریس سے منسلک ہو گئے، ۷۔۱۹۶۷ء کے بعد آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور گھر پر ہی رہنے لگے تا آنکہ وفات ہوگئی۔

دعوتی خدمات: بڑھنی، جھنڈانگر کا سرحدی علاقہ جو آج توحید وسنت پر قائم ہے اس میں دیگر علماء اجلہ کے ساتھ مولانا عبدالرحمن بجواوی علیہ الرحمۃ کی مساعی جمیلہ کا بھی بڑا اہم رول ہے۔ آپ انفرادی طور پر اور جماعت کے علماء کے ساتھ مل کر اہل علاقہ کی بھرپور رہنمائی فرماتے تھے اور توحید وسنت پر قائم رہنے اور شرکیات وبدعات سے دور رہنے کی ہمیشہ دعوت دیتے تھے۔ اس پورے خطہ ''بھانبر'' اور سرحدی علاقے میں جو کچھ بھی توحید وسنت کی باد بہاری ہے اس میں آپ کا کردار بڑا نمایاں ہے اور تاریخ دعوت اہل حدیث کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ پورے علاقے میں جو بھی چھوٹے بڑے دینی واصلاحی اجتماعات وجلسے ہوتے آپ اس میں برابر مدعو رہتے اور بڑی عمدہ نصیحت اور پیارا وعظ فرماتے تھے۔ اللہ تعالی نے بڑی تاثیر رکھی تھی۔ ایک بڑی تعداد نے برسوں آپ سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اور علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے اضلاع بستی وگونڈہ میں بڑی موثر دعوتی وتبلیغی واصلاحی جدوجہد فرمائی۔

علم فرائض میں مہارت وامامت: آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر علوم وفنون کے ساتھ علم فرائض ومیراث میں یدطولیٰ عطا فرمایا تھا۔ مسائل میراث کے جزئیات اور باریک احکامات سے بڑی واقفیت تھی۔ چنانچہ آپ کے اساتذہ، معاصر علماء اور دیگر اہل علم اس باب میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے، استاد محترم مولانا عبدالحمید رحمانیؒ آپ کے سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ ''آپ محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ (صاحب تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی) کے جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے یوں تو آپ علوم قرآن وسنت، عقائد وفقہ اور تمام علوم عربیہ، معقولات ومنقولات میں یدطولیٰ رکھتے تھے، لیکن جس عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کا مالک بنا دیا تھا وہ علم فرائض ہے، علم فرائض جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے علوم اسلامیہ کا نصف قرار دیا ہے، اس سے آپ کو اس قدر شغف تھا کہ نہ صرف آپ بلکہ آپ کے گھر کا ہر باشعور فرد فرائض اور تقسیم میراث کی معمولی سے معمولی جزئیات تک سے واقف تھا۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا شرف الدین دہلویؒ اور دوسرے اکابرین واعیان فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور آپ صرف علم وفن کے امام نہ تھے بلکہ آپ کی عملی زندگی بھی اس کی شاہد عدل تھی، پورے ہندوستان میں اور خاص طور سے بستی میں لڑکیوں کے ساتھ تقسیم وراثت کے معاملے میں جو بے انصافی ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں، اس ماحول میں آپ نے اپنی زندگی ہی میں لڑکیوں کا حصہ متعین کر دیا تھا اور خطرہ کے پیش نظر کہ مبادا کسی کو اپنے حق سے محروم نہ کر دیا جائے شریعت اسلامیہ کی منصفانہ تقسیم کی پختہ وصیت آپ نے اپنی زندگی ہی میں کر دی تھی۔ علم فرائض پر آپ کی متعدد تصنیفات بھی ہیں جن میں سے رحمۃ الفرائض کو کافی شہرت حاصل ہوئی، علم الفرائض جس میں بلا مبالغہ آپ امامت کے درجہ پر فائز تھے اس کی نشر واشاعت کے لئے آپ خود ہی لوگوں کے پاس جا جا کر اس کی تعلیم دیتے اور اس کے سیکھنے نیز عملی طور پر اس کے تقاضوں کو بروئے کار لانے پر انہیں آمادہ کرتے اور اس علم میں آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں پہنچ جاتی ہے۔ (پندرہ روزہ ترجمان دہلی، یکم مارچ ۱۹۷۲ء، بحوالہ مجموعہ مقالات مولانا عبدالحمید رحمانی ۲/ ۴۴۔۴۵)

مولانا داؤد راز صاحب کی طلب پر آپ نے فتاویٰ ثنائیہ کتاب الفرائض کے لئے افتتاحیہ بھی لکھا تھا جو (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ ص: ۴۷۷ پر مطبوع ہے) نیز اس میں میں آپ کے کئی فتاوے بھی شامل اشاعت ہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ معاصرین

اہل علم اور اساتذہ وشاگرد اس فن میں آپ کو مرجع تصور کرتے تھے۔

تصنیفات ومقالات: آپ نے فرائض کے علاوہ دیگر مسائل پر بھی تحقیقی مقالات لکھے، استاذ گرامی مولانا عبدالحمید رحمانیؒ لکھتے ہیں: ''کہ اگرچہ آپ کے مقالے بہت کم شائع ہوئے لیکن آپ کا قلمی ذخیرہ جو کچھ بھی موجود ہے وہ علم وتحقیق کے اعتبار سے شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔(حوالہ مذکور) اس ذخیرہ تحقیق میں چند کتابیں بڑی شاہکار مانی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) رحمۃ الفرائض، اردو، صفحات ۴۰، مطبوعہ انتظامی پریس کانپور ۱۳۷۵ھ۔

یہ آپ کی مایہ ناز تصنیف ہے اس میں مسائل میراث کو اردو زبان میں بڑی خوبصورتی سے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اس کی ابتداء میں محدث مبارکپوریؒ کا عطا کردہ سند اجازہ بھی مطبوع ہے اور ایک دعائیہ قطعہ ہے جو فصیح وبلیغ عربی میں ہے۔

(۲) محور الفرائض منظوم ترجمہ رحمۃ الفرائض: آپ کی تصنیف کردہ کتاب رحمۃ الفرائض بڑی مقبول خاص وعام ہوئی اور اہل علم نے اس کی افادیت واہمیت کو محسوس کیا چنانچہ آپ کی فرمائش پر مشہور مناظر اور شاعر مولانا عبدالشکور دور صدیقیؒ (متوفی ۱۹۹۸ء) نے اسے منظوم کردیا اور اسے محور الفرائض کے نام سے ۱۹۶۷ء میں شائع کیا گیا۔ مولانا دور صدیقیؒ اس بابت رقمطراز ہیں کہ ''حضرت مولانا بجواوی جو علم فرائض میں سند مانے جاتے تھے اور جو مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کے اساتذہ کرام میں سے ایک تھے عموماً کرہرا تشریف لاتے تھے، ان سے میرے اچھے مراسم تھے اور مجھ پر موصوف کی بزرگانہ شفقتیں تھیں، مولانا ذکراللہ صاحب کے خسر تھے اس طرح مولانا عبدالغفور صاحب بسکوہری ملا فاضل کے سمدھی تھے، (مگر یہ رشتہ جلد ہی ٹوٹ گیا تھا) مجھ سے متمنی ہوئے کہ علم فرائض میں ایک قلمی رسالہ ہے اس کو منظوم کردو، میری آرزو اور دلی خواہش کے ساتھ مجھ سے اس کے منظوم کرنے پر مصر ہوئے تو میں اس زمانہ مصروفیت میں صبح وشام ایک کرکے حضرت فریدالدین عطار کی مثنوی کے بحر پر اس کو منظوم کیا اور اس کا نام میں نے تاریخی طور پر ''محور الفرائض'' رکھا تھا اور مولانا موصوف نے اپنی نظر ثانی کے بعد ۱۹۶۷ء میں اپنے سرمایہ خاص سے اسے شائع فرمایا تھا۔ اور جس کے چند نسخے اب بھی گھر کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں، فالحمد للہ علی ذالك (کاروان سلف، عبدالرؤف ندوی ۲/ ۲۶۵)۔

(۳)۔**حسن المقالہ فی بیان الکلالۃ**، اردو: صفحات ۶۰، مطبوعہ کوہ نور پریس، دہلی ۱۳۳۶ھ، اس کا اصل نام ہے۔ اوضح البیان لتحقیق ما وقع ''فهم شركاء في الثلث'' في القرآن وفي اثبات ان هذه الآية مختصة ببني الاخياف دون بني العلات والاعيان'' جیسا کہ مطبوعہ نسخہ کے ٹائٹل پر درج ہے جس کی کاپی مجھے برادر فاضل راشد حسن مبارکپوری سے حاصل ہوئی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مولانا مستقیم سلفی حفظہ اللہ لکھتے ہیں ''یہ کتاب اس سوال کے جواب میں ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی، اس کے ورثہ میں خاوند، ماں، دو مادری بہنیں، دو پدری بہنیں، دو پدری بھائی اور دو حقیقی بھائی ہیں ان میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا'' (تصنیفی خدمات ۲۹۷)

(۴)۔**افتتاحیہ کتاب الفرائض:** فتاوی ثنائیہ جلد دوم (از ۴۷۷۔۴۹۲) ۱۵ رصفحات بتاریخ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ میں مطبوع ہے۔ یہ افتتاحیہ مولانا عبدالغفور بسکوہری اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری کی تحریک نیز مرتب فتاوی ثنائیہ مولانا داؤد راز دہلوی کی طلب پر آپ نے تحریر فرمایا ہے جو ۱۵ صفحات میں سراجی کا مکمل خلاصہ ہے جس کا تذکرہ آپ نے مضمون ہذا کے آخر میں صفحہ ۴۹۲۔۴۹۱ پر کیا ہے۔

علمی مقام: مولانا عبدالرحمن بجواوی رحمہ اللہ کا علمی مقام اہل علم کے مابین بے حد بلند تھا آپ یوں تو تمام فنون میں ید طولیٰ رکھتے مگر فن میراث اور علم فرائض میں آپ کو امام اور مرجع تصور کیا جاتا تھا، استاذی مولانا عبدالحمید رحمانیؒ نے آپ کو امام الفرائض لکھنے کے ساتھ تحریر فرمایا کہ: ''یوں تو آپ علوم قرآن وسنت، عقائد وفقہ اور تمام علوم عربیہ، معقولات ومنقولات میں ید طولیٰ رکھتے تھے، لیکن جس عظیم الشان علم نے آپ کی شخصیت کو پورے ہندوستان میں نمایاں حیثیت کا مالک بنادیا تھا وہ علم فرائض ہے، علم فرائض جسے نبی اکرم ﷺ نے پورے علوم اسلامیہ کا نصف قرار دیا ہے اس سے آپ کو اس قدر شغف تھا کہ نہ صرف آپ بلکہ آپ کے گھر کا ہر باشعور فرد فرائض اور تقسیم میراث کی معمولی سے معمولی جزئیات تک سے واقف تھا۔ شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا شرف الدین دہلویؒ اور دوسرے اکابرین واعیان فرائض میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور آپ صرف علم وفن کے امام نہ تھے بلکہ آپ کی عملی زندگی بھی اس کی شاہد عدل تھی''۔ (مجموعہ مقالات ۲/ ۴۴)

مفکر جماعت مولانا عبدالجلیل رحمانیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح میں آپ کا تذکرہ یوں کیا ہے۔ ''بعد رمضان سراج العلوم پہنچا قطبی، شرح جامی تا منصورات، متنبّی، شرح تہذیب مولانا موصوف سے (یعنی مولانا عبدالغفور بسکوہری سے) اور مناظرہ رشیدیہ، مشکوۃ شریف، شرح نخبۃ، ترجمہ کلام پاک اور شرح وقایہ، وسراجی مولانا عبدالرحمن صاحب بجواوی سے پڑھا جو فرائض کے ماہر اور بے زبان ولی ہیں''۔ (مولانا عبدالجلیل رحمانی، حیات وخدمات از مولانا محمد مستقیم سلفی، محدث بنارس اپریل ۲۰۱۶ء)

مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ نے لکھا ہے کہ ''علاوہ ازیں مولانا بجواوی تعلیمی کام میں ان سے بہتر ہیں، علم الفرائض میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں جب کہ فرائض کا علم بقول سرکار دوعالم ﷺ نصف علم ہے اور اسی طرح حدیث ومسائل کے شرح ومعلومات میں جو لگاؤ اور تجربہ مولانا کو ہے کسی نومشق کو کہاں حاصل ہے۔ (سرگزشت جامعہ ۱/ ۷۲)

اسی طرح محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ اپنی جلالت علمی، تقویٰ، وورع کے باوجود امامت کے لئے اپنے اس شاگرد کو آگے بڑھادیتے۔ (مجموعہ مقالات ۲/ ۴۵)

مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ نے جب علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ کے ۴۴ سالہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب پر جمع کرکے فتاویٰ ثنائیہ کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے مراجعہ اور تصحیح کے لئے دیگر افاضل علماء کے ساتھ مولانا بجواویؒ کو بھی شریک کیا، خاص طور پر میراث سے متعلق کتاب الفرائض کے لئے آپ سے ۱۵/صفحات پر مشتمل ایک افتتاحیہ تحریر کروایا اور آپ کے دیگر فتاوے بابت میراث بھی اس میں شامل کئے جسے کتاب الفرائض جلد دوم میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ کتاب الفرائض کو آپ نے از اول تا آخر پڑھا تھا اور اس پر تشریحات وتصحیحات بھی قلمبند کی تھیں، اس بابت آپ قلبی تاثر کے عنوان سے خود رقمطراز ہیں کہ: ''فتاوی ثنائیہ، کتاب الفرائض کو میں نے از اول تا آخر گہری نظر سے دیکھ لیا ہے جہاں کہیں ضرورت معلوم ہوئی وہاں تشریحات وتصحیحات حوالہ قلم کردی گئی ہیں اس دیباچہ میں سراجی کو بقدر ضرورت یعنی جو مسائل اکثر پیش آتے ہیں بطور خلاصہ لکھ دیا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۲/ ۴۹۱)

درج ذیل صفحات پر آپ کی تشریحات وفتاویٰ کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۷، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۹، ۵۲۲، ۵۳۶، ۵۶۷، یہ سطور آپ کے علمی مقام اور بلند درجہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔

عمائدین جماعت سے آپ کا گہرا رابطہ اور قدردانی: آپ کے علمی مقام اور بلند رتبہ کی وجہ سے جماعت کے علماء، عمائدین، آپ کے شاگردان حتیٰ کہ آپ کے اساتذہ ومشائخ بھی آپ کی بے حد قدردانی فرماتے تھے، آپ کے استاذ محدث کبیر علامہ مبارکپوری کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ امامت کے لئے آپ کو مقدم فرماتے تھے، اسی طرح مناظر اسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا شرف الدین اور دیگر اعیان جماعت فن میراث میں آپ کو مرجع سمجھتے تھے اور اس علاقے میں اپنی آمد پر آپ سے ملاقات کے لئے ضرور جاتے تھے، ۱۹۲۷ء بڑھنی کانفرنس یا ۱۹۲۸ء بونڈیہار کانفرنس جس میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور دیگر اعیان علمائے جماعت شریک ہوا کرتے تھے، ان تمام کانفرنسوں میں مولانا کی شرکت بھی یقینی ہے اور ایسے مواقع پر یہ علماء اجلاء آپ کے گاؤں بنفس نفیس ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے، مولانا ابوالعاص وحیدی لکھتے ہیں کہ ''ضلع گونڈہ میں بڑھنی وجھنڈانگر سے چار میل کے فاصلہ پر ایک موضع بجوا ہے جہاں مولانا سعید بنارسی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر احمد سہسوانی رحمہم اللہ تشریف لا چکے ہیں اور مولانا ثناء اللہ امرتسری ومولانا ابوالقاسم سیف بنارسی تو بارہا اس علاقے میں اصلاح وتبلیغ کے لئے تشریف لایا کرتے تھے''۔ (یادگار مجلہ ص/ ۵۵)

بونڈیہار کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۸ء میں مخصوص علماء اکٹھا تھے جن میں مولانا عبدالرحمن بجواوی مولانا جھنڈانگری اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری وغیرھم شامل تھے بعض چشم دید کا بیان ہے کہ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانیؒ مولانا بجواوی کے کھانے سے مچھلی کے کانٹے نکال کر مچھلی ان کے برتن میں رکھتے جاتے، اسی طرح گوشت سے ہڈی الگ کر کے بوٹیاں رکھتے جاتے تھے اور مولانا بجواوی خاموشی سے کھا رہے تھے۔ (بحوالہ مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ، مجلہ الفلاح، خصوصی نمبر جون تا ستمبر ۱۹۹۴ء) یہ واقعہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ علماء واعیان سے وابستگی اور ان کے مابین آپ کی کتنی قدرومنزلت تھی وہ عیاں بیاں ہے۔ (تراجم علمائے اہل حدیث ہند ۱/ ۲۰۸)

اخلاق وعادات: آپ انتہائی نرم مزاج اور نیک صفت انسان تھے۔ مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے آپ کو ولی صفت قرار دیا ہے، آپ کی انکساری وتواضع کا یہ عالم تھا کہ دوران تدریس طلباء یا کسی اور کے شرپسندانہ رویہ سے ذرا بھی جزبز نہ ہوتے اور نہ ہی کسی کو کبھی سخت سست قرار دیتے۔ انتہائی منکسر المزاج اور ملنسار واخلاق پسند آدمی تھے، دین کی خدمت کا جذبہ پیہم کوٹ کوٹ کر دل میں بھرا ہوا تھا، تین مرتبہ حج وزیارت بیت اللہ سے سرفراز ہوئے، آپ کی دین پسندی اور جذبہ قربانی کا یہ عالم ملاحظہ فرمائیں کہ ایک بار مئو آئمہ الہ آباد مدرسہ چشمہ رحمت میں دوران تدریس ایک سال کا پورا وظیفہ سال کے آخر میں یکمشت لینے کے لئے صبر کر رکھا اور جب سال ختم ہوا تو پورا وظیفہ وصول کیا اور اس رقم سے اپنے گاؤں بجوا میں ایک مدرسہ کی مدرسہ رحمانیہ کے نام سے بنیاد ڈالی اور پوری رقم اس کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا، یہ مدرسہ آج بھی گاؤں میں اسی نام سے موجود ہے۔ اواخر عمر میں آپ نے اپنے وطن میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ضعیفی کے باوجود نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی ہمیشہ زبان پر تسبیحات وتکبیرات جاری رہیں، استاذی مولانا عبدالحمید رحمانیؒ رقمطراز ہیں کہ ''آپ کی زندگی کی ایک بڑی خصوصیت آپ کی سادگی، اخلاص، تواضع اور انکساری وفروتنی تھی، سادگی کا یہ حال کہ کبھی دو جوڑے سے زیادہ کپڑا نہیں رکھا اور کرتے میں کبھی بٹن تک لگانے کا تکلف گوارہ نہ فرمایا اور تواضع وانکساری کا یہ حال کہ تلامذہ اور عوام تک کے سامنے کسی طرح کا امتیاز کا تصور تک نہ ہوتا تھا، تقویٰ وورع اور اکل حلال میں اپنی نظیر آپ تھے، محدث اعظم مولانا عبدالرحمن مبارکپوری اپنی جلالت علمی، تقویٰ وورع کے باوجود امامت کے لئے اپنے

اس شاگرد کو آگے بڑھا دیتے، آپ صحیح معنیٰ میں سلف کی یادگار اور ایثار و اخلاص میں صحابہ کا نمونہ تھے۔ (مجموعہ مقالات ۲/ ۴۵)

بیماری اور وفات: اواخر عمر میں تدریسی و دیگر مشاغل سے ضعیفی کی وجہ سے علاحدہ ہو کر گھر پر رہنے لگے، قویٰ مضمحل ہو چکے تھے، بڑھاپا طاری تھا، آخر دور کے تین چار سال تو بے حد کمزوری اور ضعیفی اور نقاہت میں گزری، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بے ہوش ہو جاتے مگر اس پریشانی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی ہاتھ کی انگلیاں تسبیحات و تہلیلات میں چلتی رہتیں، بالآخر علم و فضل کا یہ نیر تاباں ۵/ فروری ۱۹۷۳ء کو سو سال کی عمر میں ہم سے رخصت ہوا اور یہ خطہ آپ کے علم و عمل سے محروم ہو چلا، اور ان علماء کبار کی آمد و رفت رک گئی جو کبھی آپ کی وجہ سے اس علاقے میں قدم رنجہ فرماتے تھے۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور فرائض کے اس عالی مرتبت امام کو اس کی قربانیوں کا حسین بدلہ جنت الفردوس میں عطا فرمائے۔ آمین۔

اولاد و احفاد: مولانا بجواویؒ کو اللہ تعالیٰ نے دو لڑکوں اور تین بیٹیوں سے نوازا تھا، (۱) بڑے لڑکے عبد المنان تھے جو غالباً عربی چہارم تک پڑھے ہوئے تھے اور عبد المنان کے صاحبزادے مولانا ابراہیم ریاضی ہیں جو مولانا عبد الجلیل سامرودی سے فیض یافتہ ہیں۔ (۲) دوسرے لڑکے عبید اللہ تھے جن سے قاسم اور عبد اللہ دو لڑکے ہیں۔ قاسم بھی عالم ہیں اور فی الوقت نوکری پیشہ ہیں، اور عبد اللہ عالم دین ہیں جو مولانا عبد اللہ سلفی کہلاتے ہیں۔ خدیجۃ الکبریٰ جھنڈا نگر، نیپال میں برسوں تدریس کا فریضہ بھی انجام دے چکے ہیں۔

لڑکیوں میں پہلی بیٹی خیر النساء ہیں جو پیڑی بانسی کے علاقے میں بیاہی ہوئی تھیں، انہیں کے بطن سے مولانا اسماعیل سلفی ہیں جو معہد دہلی کے ابتدائی ادوار میں مولانا عبد الحمید رحمانی صاحب کے اس ادارہ سے منسلک تھے۔

دوسری لڑکی زینت ہیں جو پیڑی بانسی ہی میں بیاہی ہوئی ہیں اور ان کے بطن سے مولانا عبید اللہ فلاحی اور مولانا محمد یعقوب ندوی ہیں آخر الذکر فی الوقت ندوۃ العلماء لکھنؤ کے برسوں سے استاد ہیں۔

تیسری لڑکی ہاجرہ تھیں پہلے مولانا ذاکر ندوی بسکوہری کی زوجیت میں تھیں رشتہ ٹوٹ جانے کے سبب ان کی دوسری شادی مولانا امر اللہ عارف سراجی کونڈرا گرانٹ کے بھائی محمد فاروق سے ہوئی اور ان کے بچے وہیں شاد آباد ہیں۔

مراجع و مصادر: ۱۔ مجموعۂ مقالات مولانا عبد الحمید رحمانی، جلد دوم ص ۴۴۔۴۶) ۲۔ تراجم علمائے اہل حدیث خالد حنیف صدیقی جلد اول ص ۲۰۵۔ ۳۔ سرگزشت جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر، نیپال ۴۔ ماہنامہ السراج، خطیب الاسلام نمبر مئی۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء۔ ۵۔ کاروانِ سلف از عبد الرؤف ندوی۔ ۶۔ علمائے بستی و گونڈہ در بدر الزماں نیپالی۔ ۷۔ اصلاح بستی و گونڈہ میں میاں صاحب کے تلامذہ عبد المنان سلفی۔

(مضمون شائع شدہ ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی اگست ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث (مولانا) عبدالسلام بستویؒ مترجم مشکوۃ شریف

وفات ۷/ فروری ۱۹۷۴ء

(خودنوشت)

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

عبدالسلام بن شیخ یادعلی بن شیخ خدابخش بن شیخ ظہوراحمدؒ اجدادکرام فیض آباد کے باشندے تھے۔غدر ۱۸۵۷ھ میں فیض آباد کو خیر باد کہہ کرضلع بستی کے موضع بشن پورعلاقہ سوہانس تحصیل نوگڑھ میں سکونت پذیر ہوئے۔صاحب الترجمہ کی ولادت غالباً ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں بشن پور میں ہوئی۔بغدادی قاعدہ پڑھنے کے بعدریاست نیپال کے موضع مہھرڑ گیا۔اورحضرت مولاناشمس الحق صاحب سے قرآن مجید ختم کر کے گھرآیا اور والدین کے ساتھ کلکتہ مٹیابرج گیا۔یہاں پہنچنے کے پندرہ دن کے بعد والدمرحوم کا سایہ اٹھ گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) سوائے والدہ محترمہ کے اورکوئی تربیت کرنے والانہیں تھا۔اس وقت (۱۰) برس کی عمر ہوگی۔بسر اوقات کے لئے میل کی ملازمت کرلی۔دن بھرکام کرتااوررات کومحلہ والوں سے اردو پڑھتارہتا۔

ڈیڑھ سال تک یہی کیفیت رہی اور دینیات کی اس طرح تعلیم حاصل کرنے کے بعدبستی وطن مالوف کی طرف مراجعت کی۔ مدرسہ مفتاح العلوم بھٹ پرا میں داخل ہوکرحضرت میاں صاحب نیپالی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ایک سال کے بعدموضع پڑریا ریاست نیپال حضرت مولانا عبدالمجید مرحوم کی خدمت میں رہ کرگلستاں، بوستاں اورعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ایک سال کے بعد دہلی آیا اور مدرسہ حمیدیہ صدر بازارمنڈی پان میں داخل ہوا۔مدرسہ رحمانیہ دہلی کے تاسیس کا یہ پہلا سال تھا۔اس کے سالانہ اجلاس میں شریک رہا دہلی ۶ ماہ قیام کے بعدسہارنپورمظاہرالعلوم میں آیا۔اورحضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مؤلف بذل المجہود شرح ابی داؤد کی خدمت میں رہنے لگا۔حضرت مولانا مرحوم لفظ''حضرت'' سے یاد کیے جاتے تھے۔حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی، حضرت بہت محبت وشفقت سے پیش آتے۔گاہے بگاہے صرف کے صیغے بھی دریافت فرماتے۔ایک سال تک آپ نے اپنے ہی پاس رکھا اورحضرت مولانا مسعود احمد صاحب کے پاس اسباق مقرر فرمادیے۔رفقاء درس میں مولانا رحمت اللہ صاحب خیرادی اورمولانا عبدالرحیم صاحب حسن پوری وغیرہ بھی تھے۔مولانا مسعود احمد صاحب نے ازسرنوعربی کی ابتدائی کتابیں میزان منشعب، نحومیر، صرف میر، پنج گنج، شرح ماتہ عامل وغیرہ اورمولانا عبدالمجید صاحب سے گلستان، بوستاں، اخلاق محسنی، احسن القواعد وغیرہ پڑھیں۔دوسرے سال حضرت نے باقاعدہ مدرسہ مظاہرالعلوم میں داخلہ کرادیا۔اورمدرسہ کے نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کرنی شروع کردی، مولانا محمد صدیق صاحب سے کافیہ شرح تہذیب وغیرہ اوربعض اساتذہ سے جن کا نام گرامی اس وقت یادنہیں آرہاہے

قدوری، شرح وقایہ، نورالایضاح، اصول الشاشی وغیرہ، قطبی میر قطبی اور ملاحسن۔ اور مولانا اخلاق احمد صاحب سے نورالانوار، اور مولانا عبدالشکور صاحب ولایتی سے ہدایہ اولین مختصر المعانی، ملاحسن اور مولانا ظہورالحسن صاحب سے شرح جامی، مولانا زکریا صاحب قدوسی سے کنز الدقائق وغیرہ پڑھیں۔ غرض پانچ سال تک مسلسل مظاہر العلوم میں رہ کر مذکورہ بالا کتابیں پڑھیں۔ نحو، صرف، فقہ، اصول فقہ، منطق کی اکثر کتابوں کے پڑھنے کے بعد حدیث پڑھنے کا جب وقت آیا تو غور وفکر کے بعد مدرسہ رحمانیہ دہلی آنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ رمضان ہی میں دہلی آ گیا اور رمضانی تعطیل کی وجہ سے عارضی طور پر مدرسہ زبیدیہ نواب گنج میں رہا۔ رمضان کے بعد داخلہ کا امتحان شروع ہوا۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اعظم گڑھیؒ اور دیگر اساتذہ کرام نے امتحان لے کر داخل مدرسہ کیا اور آٹھویں جماعت تک یہاں کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بخاری، مسلم اور حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اعظم گڑھی سے نسائی، شرح چغمنی، شمس بازغہ وتصریح ہدیہ سعیدیہ، مولانا صاحب بہاری سے جلالین، حماسہ، مقامات، متنبی، سبعہ معلقہ، مولانا سکندر علی ہزاروی سے حمداللہ، صدرا، اقلیدس، شرح عقائد، امور عامہ میبذی، بیضاوی پڑھی۔ رحمانیہ سے فارغ ہو کر ندوہ لکھنو گیا۔ یہاں طبیعت نہیں لگی۔ تکمیل الطب کالج میں طب پڑھنے کے لئے داخل ہوا۔ اور نفیسی، سدیدی، کامل الصناعہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور مدرسہ فرقانیہ میں فلسفہ کی کتاب شرح اشارات پڑھی۔ اسی اثناء میں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے دیوبند حاضر ہوا۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے داخلہ کا امتحان امور عامہ، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کا امتحان لے کر دورہ حدیث میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے بخاری اور ترمذی، حضرت مولانا غلام رسول خانؒ صاحب سے مسلم اور حضرت مولانا اصغر حسین میاں صاحبؒ سے ابوداؤد اور حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب سے طحاوی، ابن ماجہ، اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سے مؤطا امام مالک اور مولانا محمد ابراہیم صاحب سے نسائی اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے شمائل ترمذی پڑھی۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

دیوبند سے فارغ ہو کر دہلی آیا اور حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے مدرسہ پھاٹک حبش خان میں مقیم ہوا۔ حضرت مولانا سید عبدالحفیظ صاحب سے شرح اسباب اور قانون شیخ پڑھا۔ مولوی فاضل پنجاب کا امتحان دیا۔ اور اجازت حدیث کی سند حضرت مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانیہ اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب دہلوی شیخ الحدیث مدرسہ سعیدیہ اور حضرت مولانا عبیداللہ صاحب شیخ الحدیث مدرسہ زبیدیہ اور حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری مؤلف تحفۃ الاحوذی شرح ترمذیؒ نے دی، ان سب اساتذہ کرامؒ کا سلسلہ روایت حدیث شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جن کو قدرے تفصیل سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

حضرت العلام مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم، حضرت الشیخ العلام عبدالرحمن صاحب مبارکپوری، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب پنجابی، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب دہلویؒ سید العلام الفہام المحدث المفسر والفقیہ الکامل شیخ العرب والعجم مولانا سید نا محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ المعروف بہ حضرت میاں صاحب المتوفی ۱۳۲۰ھ سے روایت کرتے ہیں۔ اور حضرت العلام مولانا شرف الدین صاحب دہلویؒ، مولانا عبدالحق صاحب ملتانی اور مولانا عبدالوہاب الضریر دہلوی اور مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی بھوپالی سے روایت کرتے ہیں پھر یہ تینوں حضرات شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

تو مجھ خاکسار عبدالسلام بستوی کو ان پانچوں اساتذہ کرام نے صحاح وغیرہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور ان سب حضرات کو اجازت دی۔ السید العلام المحدث والمفسر والفقیہ الکامل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے اور ان کو اجازت دی حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ نے، ان کو اجازت دی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے، ان کو اجازت دی ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے، ان کو اجازت دی شیخ ابوطاہر مدنی نے، ان کو اجازت دی ان کے والد شیخ ابراہیم کردیؒ نے جو کتاب الامم لایقاظ الہمم کے مصنف ہیں اور شیخ احمد قشاشی نے، ان کو اجازت دی شیخ احمد بن عبدالقدوس الشناوی نے اور شیخ الشمس محمد بن احمد بن حمزہ الرملی نے اور ان کو اجازت دی شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری نے، ان کو اجازت دی شیخ الاسلام احمد بن علی بن الحجر العسقلانی نے، ان کو اجازت دی شیخ ابی اسحاق ابراہیم بن احمد بن عبدالواحد التنوخی نے، ان کو اجازت دی ابوالعباس احمد بن ابی طالب الصالحی الحجار نے، ان کو اجازت دی شیخ سراج الدین ابی عبداللہ الحسین بن المبارک زبیدی نے اور شیخ عبدالاول نے اور ان کو اجازت دی شیخ ابوالحسن عبدالرحمن بن محمد الداؤدی نے، ان کو اجازت دی ابومحمد عبداللہ بن احمد بن حمودیہ الحوری الرخسی نے، اور ان کو اجازت دی ابوعبداللہ بن یوسف الفربری نے اور ان کو اجازت دی سید المحدثین امام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے۔

باقی سندیں المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف اور مقدمہ غایۃ المقصود، عجالہ نافعہ اور الارشاد الی مہمات الاسناد، کتاب الامم لایقاظ الہمم اور اتحاف الاکابر میں ملاحظہ فرمائیں اور ہم نے کشف الملہم میں سلسلے کی سند تحریر کردی ہے، ان سندوں کو ''ان الاسانید انساب الکتب'' کے طور پر ذکر کردیا ہے تاکہ خاکسار راقم الحروف کو بھی اپنے اسلاف کے سلک مروارید میں منسلک ہونے کا شرف حاصل رہے۔

گرچہ ازنیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدشتہ ام
فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس است
اولٰئك اٰباءی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یاجریر المجامع

۱۳۴۹ھ شوال کے مہینہ میں مدرسہ دارالحدیث والقرآن المشہور بمدرسہ حاجی علی جان چاندنی چوک دہلی میں بسعی مشکور حضرت مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانیہ اور حضرت مولانا ظہیر مرزا صاحب نواب لوہارو۔ حضرت الحاج مولانا عبدالغفار صاحب آف حاجی علی جان درس حدیث کے لئے بیٹھا۔ بحمد اللہ ۱۶ سال تک برابر درس حدیث دیتا رہا۔

نکاح: ۱۳۵۰ھ میں شیخ قربان علی صاحب ساکن بھٹ پرا۔ ڈاک خانہ لوٹن ضلع بستی کی دختر نیک اختر ام سلمہ شاہ بانو سے شادی ہوئی۔ اور ۱۳۵۴ھ میں حاجی محمد یعقوب علی صاحب ساکن پڑریا ریاست نیپال کی صاحب زادی ام محمودہ بتول سے نکاح ہوا۔ بحمد اللہ یہ دونوں رفقیہ بقید حیات موجود ہیں اور دونوں سے حسب ذیل اولادیں ہیں۔

اولاد: پہلی خاتون سے عبدالرشید، عبدالحلیم ثانی، عبدالعزیز، عبدالمنان، آمنہ بقید حیات موجود ہیں اور عبدالحلیم اول ایک ماہ اور عبدالعظیم دو سال زندہ رہ کر داغ مفارقت دے کر خدا کو پیارے ہوگئے۔ اور دوسری خاتون سے عبدالحئی، عبدالحنان، محمودہ، مسعودہ موجود ہیں۔ اور عبدالصمد ۲۵ روزہ اور حمیدہ دو سال زندہ رہ کر ذخیرہ آخرت ہوگئے۔

تقسیم ملک کی ناگہانی آفت: ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ حاجی علی جان میں درس حدیث کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر ۱۳۶۶ھ میں قیامت خیز حادثہ سے وطن مالوف جانا پڑا، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہوا۔ تقریباً سو سال کے بعد غلامی کے پنجرے سے نکلے تو اس کی خوشی میں اپنے بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ آزادی کی شراب پی کر ایسے مست ہوئے کہ آپے سے باہر ہوگئے۔ آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ جو چیزیں غیروں کے لئے تیار کی گئی تھیں، وہ اپنے ہی بھائیوں پر استعمال کی گئیں۔ ادھر کی دنیا اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہوگئی۔ ''انقلاب زندہ باد'' کا نعرہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ دہلی چونکہ ملک کا دارالحکومت ہے۔ اس وجہ سے یہ وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ یہاں بھی ہلاکو، چنگیز خان کی سیاہ تاریخ کے اوراق کھولے جائیں گے۔ اس لئے سب اپنی جگہ مطمئن اور خوش تھے، جشن آزادی کے موقع پر دونوں بھائی برابر شریک رہے۔ تمام شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ چاندنی چوک اور کمپنی باغ تو بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔ ہمارا کتب خانہ اسی چاندنی چوک متصل گھنٹہ گھر کوچہ خانچند کی مسجد حاجی علی جان مرحوم کے شمالی کمرے میں تھا۔ اس سترہ (۱۷) سالہ زندگی میں درس تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری رکھا۔ اور مختلف مضامین پر بحمداللہ وفضلہ بہت سی مفید اور کارآمد کتابیں لکھیں جن میں سے بہت سی چھپ کر مقبول عام وخاص ہوگئیں اور کچھ کتابیں اب تک بھی نہیں چھپ سکیں، ان غیر مطبوعہ ہی سے بعض خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کے ضائع ہونے کا بڑا سخت صدمہ ہے۔ (۱) ابن ماجہ شریف کی عربی مطول شرح (۲) الصمصام الباری علی عنق جارح البخاری (۳) خیر المتاعد فی مسائل الرضاعۃ (۴) اللعب بالشطرنج (۵) حقوق الزوجین (۶) متفرق مضامین۔ یہ سب کتابیں اسی کتب خانہ میں تھیں، ان کے علاوہ اپنی اور دیگر مصنفین کی مطبوعات ہزاروں کی تعداد میں تھیں۔ جن کی لاگت تقریباً اسی (۸۰) ہزار روپئے کی تھی، یہ بیش بہا ذخیرہ شوال/۱۳۶۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز حادثہ میں برباد کردیا گیا۔ اس ناقابل تلافی نقصان سے دل ودماغ یک لخت ماؤف ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مراجعت وطن بستی: سہ ماہی حصار کے بعد مراجعت وطن کے وقت راستہ میں بہت سا سامان ضائع ہوگیا۔ اس میں بھی بڑی بڑی بیش بہا اور قیمتی چیزیں تھیں۔ الغرض بہت سی تکلیفیں اٹھانے کے بعد اپنے وطن بستی پہنچا۔ چونکہ ۲۷ سال دہلی میں قیام کرنے کی وجہ سے وطن کے جدی مکان پر اغیار کا قبضہ تھا، اس لیے جا کر عزیزوں میں ٹھہرا۔ لیکن ان لوگوں کے غیر شریفانہ سلوک نے زخم پر نمک پاشی کا کام کیا۔ سچ ہے۔

بوقت تنگ دستی آشنا بے گانہ می گردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

اَلْمَرْءُ فِيْ ذَمَنِ القبال کالشجرۃ والناس من حولھا مادامت التمر حتیٰ اِذا رَاحَ عنْھا حَمْلُھا انصرفوا وخلفوا تقاسی الحرّ والغُبر۔ یہ زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو بچوں حمیدہ اور عبدالعظیم کے انتقال پر ملال سے ہی رہی سہی عقل بھی جاتی رہی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جگر شق ہوتا ہے فولاد کا
بڑا غم ہوتا ہے اولاد کا

بے کاری و بیماری اور بعض اقارب کا لعقارب کی نیش زنی نے پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ کیفیت یہ رہی کہ میں کہیں اور بچے، بحالت کسمپرسی کچھ ضلع بستی میں اور کچھ علاقہ نیپال میں تھے، کیونکہ اپنا مکان نہیں اور کرایہ کا مکان ملتا نہ تھا۔ اس بیماری کی حالت میں مکان تلاش کرنے نکلا۔ علاقہ نیپال وضلع بستی کے دورے میں طبیعت کو ایک طرف متوجہ کرنے کے لئے اسلامی تعلیم کا ضائع شدہ حصہ دوبارہ قلم بند کرنا شروع کیا۔ کسی جگہ مستقل قیام نہ ہونے کی وجہ سے دو ایک صفحہ کسی جگہ اور دو چار ورق کہیں لکھ لیا کرتا تھا۔ مہینوں یہی حالت رہی کہ صبح کہیں اور شام کہیں۔

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

مکان کی جستجو میں اسٹیٹ الیدہ پور کے موضع ششھنیاں پہنچا۔ وہاں جناب محترم مولانا عبدالجلیل صاحب ناظم دارالعلوم سے گراپڑا مکان خریدا۔ اس کو دوبارہ تیار کر کے بچوں کو بسایا۔ اسی دوران میں حضرت امین القوم حاجی محمد صالح آف حاجی علی جان صاحب مرحوم دہلوی مدظلہ کے بغرض طلبی بہت سے خطوط موصول ہو چکے تھے۔ میں مذکورہ بالا مجبوریوں کی وجہ سے حاضر خدمت ہونے سے قاصر تھا۔ اس طرح ایک گونہ سکون ہونے کے بعد اگست ۱۹۴۸ء میں دہلی آیا۔ اور ایک ماہ کی بیکاری کے بعد مخلص و مونس صادق جناب مولانا سید تقریظ احمد صاحب ادام اللہ فیوضہ کی سعی مشکور سے مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والان میں درس حدیث کا شرف حاصل ہوا۔ فللہ الحمد۔

خدا کے فضل و کرم سے ۱۳۴۹ھ سے اب تک ۱۳۷۸ھ اس درس و تدریس اور تالیف اور فتویٰ نویسی کے اشرف المشاغل میں مصروف ہوں۔ باقی عمر بھی اللہ تعالیٰ اسی شغل میں رکھ کر ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

تصانیف: درس و تدریس کے بعد جو وقت مل جاتا ہے اس میں فتویٰ نویسی تالیف و تصنیف کا کام کرتا رہتا ہوں۔ مختلف مضامین پر مختلف اسلامی کتابیں لکھی ہیں۔ بحمداللہ وہ سب مفید اور مقبول عام ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض مطبوعہ کتابیں یہ ہیں اسلامی صورت، اسلامی پردہ، اسلامی عقائد، اسلامی وظائف، مصباح المومنین ترجمہ بلاغ المبین، کشف الملہم، خواتین جنت، اسلامی توحید، حلال کمائی، اخلاق نامہ، کلمہ طیبہ کی فضیلت، ایمان مفصل، کتاب الجمعہ، اسلامی تعلیم آٹھ حصے، رسالہ اصول حدیث، فضائل حدیث، فضائل قرآن، زبان کی حفاظت، انوار المصابیح ترجمہ مشکوۃ المصابیح، ماہنامہ الاسلام جو ماہ بماہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ مذمت حسد وغیرہ۔

حج: برسوں سے آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت سے مشرف ہو جاؤں۔ بحمداللہ اول دفعہ ۱۳۶۸ھ میں یہ تمنائے صادق پوری ہوئی۔ جس کا مختصر تذکرہ یہ ہے کہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۶۸ھ کو دہلی ریاض العلوم سے اس مقدس سفر کے لئے روانہ ہو کر بمبئی ۴ ذوالقعدہ کو آیا۔ ۲۳

ذوالقعدہ ۱۳۶۸ھ کو محمدی جہاز سے سوار ہوکر ۴ ذوالحجہ کو جدہ پہنچا اور ۶ ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت نصیب ہوئی فللہ الحمد۔ ۸ رکومنی، ۹ رکوعرفات، دسویں کی شب مزدلفہ، دسویں کو منی گیا۔ یہاں کے مناسک ادا کیے۔ اسی طرح ہر رکن کو ادا کیا اور ۸ نومبر ۱۹۴۹ء کو طواف الوداع کر کے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ بحمد اللہ ۱۸ محرم الحرم ۱۳۶۹ھ ۲۰ رنومبر ۱۹۴۹ء کو دربار رسالت سے رخصت ہوکر ۳۰ محرم ۲۳ نومبر کو جدہ آیا۔ ۱۹ صفر ۱۳۶۹ھ کو اکبری جہاز سے روانہ ہوکر ۲ ربیع الاول کو بمبئی اترا۔ ۶ ربیع الاول ۶۹ھ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۹ء سہ شنبہ کو صبح کی خیر وعافیت کے ساتھ دہلی واپس آگیا۔ اس مبارک سفر کے واپسی کے بعد درس وتالیف کے شغل میں مصروف ہو گیا۔

دوسرا سفر حج: لیکن دل ہی دل میں آرزو رہی کہ خدایا وہ کون سا دن آئے گا کہ تیرے بیت عتیق کی زیارت سے پھر مشرف ہو جاؤں، آخر خدا نے اس تمنا صادق کو قبولیت کے زیور سے مزین فرمایا۔ فللہ الحمد۔ یعنی ۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۳ جون ۱۹۵۸ء کو اس مبارک سفر کے لئے نکلا۔ بمبئی پہنچ کر ایک ہفتہ قیام کے بعد ۱۳ جون کو محمدی جہاز سے روانہ ہوا۔ اسی جہاز میں عبدالمنان کی ولادت ہوئی جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ جہاز ۲۱ جون کو جدہ پہنچا۔ اور ۲۲ جون ۵۸ء یکشنبہ کو مکہ مکرمہ حاضر ہوا۔ اور مناسک حج ادا کیے۔ ۲۳ جولائی ۱۹۵۸ء کو مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور آٹھ روز دربار رسالت کی حاضری دی۔ یکم اگست ۱۹۵۸ء کو جدہ آیا۔ ۲۱ اگست ۵۸ء کو محمدی جہاز سے روانہ ہوکر ۲۸ راگست کو ممبئی پہنچا۔ اور ۲ رستمبر ۱۹۵۸ء منگل کے دن صبح ۱۰ بجے دہلی پہنچا، ۱۳ جون ۱۹۵۸ء منگل کے دن ۳ بجے بعد نماز ظہر دہلی سے اس مقدس سفر کے لئے چلا تھا۔ اور ۲ ستمبر ۱۹۵۸ء منگل کے دن ۱۰ بجے صبح دہلی واپس آیا۔ گویا اس تین مہینے کا سفر ۵ گھنٹے کے فرق میں ختم ہو گیا۔

حیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

بعض اسلاف کرام نے اپنے اپنے صحیح حالات ومناقب کو تحدیث نعمت کے بناء پر اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے، جیسے حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی اور شیخ عبدالوہاب شوانیؒ، علامہ سیوطیؒ نے ''تحدث بالنعمۃ'' کے طور پر لکھا ہے انما ذکرت مناقبی اقتداء بالسلف الصالح وتحدثا بنعمة الله تعالىٰ لا افتخارا على الاقران ولا طلبا للدنيا واى قدر للدنيا حتى اطلب تحصيلها بما فيه ذهاب الدين وقد ظهر شى ومضى اطيب عمرى وعيشى ودنى رحيلى انتهى وهكذا انا اقول: اللهم اغفرلى ولوالدى ولمشائخى وللمؤمنين والمؤمنات والصلوة والسلام على جميع الانبياء والمرسلين وعلى سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلى الله عليه وعلىٰ اٰله واصحابه واتباعه الى يوم الدين۔

نوٹ: علم حدیث کا یہ نیر تاباں اپنی جولانیاں بکھیر کر یکم محرم الحرام ۱۳۹۴ھ مطابق ۷ فروری ۱۹۷۴ء کو بروز شنبہ صبح صادق کے قریب اللہ کو پیارا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللهم اغفرله وارحمه۔ (عبدالحکیم المدنی)

(ماخوذ از: انوار المصابیح شرح مشکوۃ المصابیح رمکتبہ قدوسیہ لاہور صفحہ نمبر ۲۵ تا ۳۰)

❑❑❑

آہ! شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ

وفات ۷ فروری ۱۹۷۴ء

مولانا عبدالحمید رحمانیؒ

اس دنیا میں جو بھی پیدا ہوا ہے اسے ایک دن فنا ہونا ہے۔کوئی یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا۔دنیا دارالعمل ہے اور اللہ کا فیصلہ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔(الرحمن:۲۶) اٹل ہے، لیکن کچھ شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی وفات کا اثر خاندان اور ماحول سے متجاوز ہو کر پوری سوسائٹی پر پڑتا ہے اور ان کی موت سے ملک وملت کے تمام طبقات پر غم واندوہ کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، ان کی خدمات، کارناموں اور عملی واصلاحی مساعی کا دائرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ سب ان کی وفات سے سوگوار اور دلگیر ہوتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی جنہیں رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم پر لرزہ طاری ہوتا ہے، کا شمار تقسیم ملک کے بعد ان افراد میں ہوتا تھا جن کے قلمی ولسانی جہاد، تبلیغی مساعی، ورع وتقویٰ اور سادہ زندگی نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

مختصر سوانح حیات: تقسیم ملک کے بعد عوامی لٹریچر کی تیاری اور نشر واشاعت کے اعتبار سے ملت میں ان کا منفرد مقام تھا۔مولانا رحمہ اللہ کا اصل وطن فیض آباد یوپی ہے۔آپ کے اجداد نے ۱۸۵۷ء کے حادثہ فاجعہ میں فیض آباد کو خیر باد کہہ کر ضلع بستی میں سکونت اختیار کر لی۔ والد کا نام شیخ یاد علی بن شیخ خدابخش بن شیخ ظہور احمد تھا۔ولادت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ اور مٹیا برج کلکتہ میں قیام کے اثنا میں حاصل کی اور تعلیم کی تکمیل آپ نے مختلف مراحل میں مدرسہ حمیدیہ صدر بازار، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ زبیدیہ دہلی، دارالحدیث رحمانیہ دہلی، دارالعلوم دیوبند، مدرسہ میاں صاحب رحمہ اللہ پھاٹک حبش خاں میں فرمائی۔آپ کے اساتذہ حدیث میں مولانا احمد اللہ صاحب محدث پرتاپ گڑھی شیخ الحدیث دارالحدیث رحمانیہ خصوصی مقام رکھتے ہیں۔مولانا خلیل احمد صاحب مؤلف بذل المجہود، مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مولانا اصغر حسین صاحب، مولانا محمد شفیع، مولانا محمد ابراہیم، مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ بھی آپ کے اساتذہ حدیث میں سے ہیں۔دیگر علوم وفنون کے اساتذہ میں مولانا سید عبدالحفیظ صاحب برادرزادہ میاں صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبدالغفور صاحب اعظمی، مولانا عبدالرحمن صاحب بہاری، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا مسعود احمد صاحب، مولانا رحمت اللہ خیراوی، مولانا عبدالرحیم حسن پوری، مولانا عبدالمجید، مولانا محمد صدیق، مولانا اخلاق احمد، مولانا عبدالشکور ولایتی، مولانا ظہور الحسن، مولانا زکریا قدوسی رحمہم اللہ وغیرہم ہیں۔

اجازہ: اساتذۂ حدیث کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے ساتھ ہی آپ نے محدث اعظم علامہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبیدالرحمن صاحب پنجابی، مولانا شرف الدین صاحب دہلوی، مولانا عبیداللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ سے روایت وتدریس حدیث کا اجازہ بھی حاصل کیا۔

طب: آپ نے طب کی تکمیل تکمیل الطب کالج لکھنؤ اور مدرسہ میاں صاحب پھاٹک حبش خاں میں مولانا سید عبدالحفیظ صاحب سے کی۔یہیں مقیم رہ کر آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔

تدریس: آپ نے مدرسہ حاجی علی جان کوچہ خانچند چاندنی چوک میں ۱۳۴۹ھ میں درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا جو تقسیم ملک کے حادثۂ فاجعہ تک ممتد رہا۔ تقسیم ہی کے حادثہ میں آپ کا عظیم الشان کتاب خانہ جو مدرسہ حاجی علی جان میں تھا، برباد ہوگیا اور آپ خود بھی مشکلات میں پڑ گئے، تین مہینے تک دہلی میں محصور رہے، جب فضا پرسکون ہوئی تو تشریف لائے اور جماعت کے مشہور مخلص و متقی اور صاحب ورع وتقویٰ عالم مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی رحمہ اللہ کی کوششوں سے جماعت اہل حدیث کی قدیم مرکزی مسجد و مدرسہ ریاض العلوم مچھلی والان اردو بازار میں آپ کا تقرر بحیثیت شیخ الحدیث ہوا۔

یہ مسجد و مدرسہ ایک قدیم اور شاندار تاریخ کا حامل رہا ہے۔ایک غیور اہل حدیث صاحب ثروت حاجی فضل الٰہی رحمہ اللہ نے اسے بنا کر جماعت اہل حدیث کے عقائد و مسلک کی نشر واشاعت کے لئے اسے وقف کیا۔بانی مسجد و مدرسہ کی وفات کے بعد اس کا نظم وضبط ان کے صاحب زادے خان بہادر ایس ایم عبداللہ رحمہ چلاتے رہے اور ۱۹۵۱ء میں جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے دونوں صاحب زادگان محمد یونس و محمد یوسف صاحبان اس کی تولیت ونگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے، تا آں کہ یہ دونوں حضرات دہلی چھوڑ گئے۔اس کے بعد جناب حاجی محمد صالح، جناب حاجی محمد اسحاق خضاب والے اور حاجی فضل مبین صاحبان پر مشتمل ایک مجلس منتظمہ نے اس کی تولیت اور نگرانی کی ذمہ داری سنبھالی۔حاجی محمد صالح صاحب رحمہ اللہ کی بیماری اور وفات کے بعد آپ کے خلف الرشید خواجہ محمد سلیم صاحب سابق نائب صدر مرکزی جمعیۃ نے ان کی جگہ لی۔اس طرح یہ کنجی مولانا رحمہ اللہ کی وفات سے تقریباً دو سال پہلے تک نظم ونگرانی کے فرائض انجام دیتی رہی۔مولانا کی کمزوری اور مسلسل بیماری کے باعث جب مسجد و مدرسہ میں تعطل کی کیفیت پیدا ہوگئی تو مئی ۱۹۷۱ء میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کی درخواست پر اس کی کمیٹی اور انتظام میں چند اور ذمہ داران مرکزی جمعیۃ کا بھی اضافہ کیا گیا جن میں جناب حافظ محمد یحییٰ صاحب نائب صدر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند، حافظ نور الٰہی صاحب خازن اور شیخ ابراہیم چھمہ رکن شوریٰ کی شخصیتیں بھی ہیں۔

اس عظیم درس گاہ کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس میں استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ بانی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نے مدتوں تدریس وافتاء کا فرض انجام دیا۔قاری احمد سعید رحمہ اللہ وغیرہ اس دور میں اس کے طلباء میں سے تھے۔تقسیم ملک کے بعد بغدادِ علم سہسوان کے فخر المتاخرین مولانا سید تقریظ احمد صاحب سہسوانی رحمہ اللہ کی عظیم شخصیت تھی جس نے اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ پر خان بہادر رحمہ اللہ کو آمادہ کیا۔

یہ عظیم درس گاہ ہر دور میں جماعت اہل حدیث کا مرکز رہی۔آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے اجتماعات مجالس عاملہ کے جلسے وغیرہ یہاں ہوتے رہے، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب رحمہ اللہ خود بھی ایک مدت تک آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی مجلس عاملہ کے معزز رکن رہے اور اخیر میں اس کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب فرمائے گئے۔مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کا صدر دفتر اور اس کے مختلف شعبوں کے دفاتر اس مدرسہ میں ہیں۔مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند نے اسی عظیم مرکز میں رابطۃ العالم الاسلامی اور سعودی عرب کے دوسرے مختلف وفود کا استقبال کیا اور اس میں ضروری تعمیرات بھی کیں۔مسجد و مدرسہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر جماعت اہلحدیث کے مخیر بزرگ ڈاکٹر عبدالوحید صاحب کوٹہ راجستھان نے اس کی بالائی منزل میں پانچ کمرے تعمیر کر کے تحریک اہل حدیث کے مقاصد کی نشر واشاعت کے لئے وقف کر دیے۔

مولانا رحمہ اللہ نے ایک مدت مدید تک اس مرکز میں درس حدیث کے ذریعہ جماعت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہمیں اس مرکز کو اچھی طرح مضبوط کرنے کی توفیق سے نوازے، آمین۔آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے جو ملک کے مختلف حصوں میں تدریس وخطابت وغیرہ کے فرائض انجام دے رہی ہے۔

تصنیف وتالیف: آپ کو سادہ انداز میں لکھنے کا ذوق شروع ہی سے تھا، چنانچہ فراغت کے ساتھ ہی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا جو زندگی کی آخری شب تک جاری رہا۔ آپ کی تصنیفات درجنوں تک پہنچتی ہیں، ان میں سنن ابن ماجہ کی عربی شرح بھی ہے جو تقسیم ہند کے حادثہ میں ضائع ہوگئی۔ اسلامی تعلیم کے دس حصے، اسلامی صورت، اسلامی پردہ، اسلامی عقائد، اسلامی وظائف، مصباح المومنین، کشف الملہم، خواتین جنت، اسلامی توحید، حلال کمائی، اخلاق نامہ، انوار المصابیح ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، اسلامی فتاویٰ وغیرہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آپ کو سب سے زیادہ فکر تفسیر ثنائی مع اضافہ فوائد اسلامی اور اسلامی فتاویٰ کی اشاعت کی تھی، مگر افسوس کہ آپ اپنی ان دونوں آرزوؤں کو اپنی زندگی میں مکمل طور پر پورا نہ کرسکے۔ اللہ آپ کے پسماندگان اور ہم سب کو ان کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ ماہنامہ ''الاسلام'' بھی آپ کی عظیم حسنات میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد عوامی لٹریچر کی کثرت کے اعتبار سے آپ کی تصنیفات کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

بیماری اور وفات: آپ سالہا سال سے بلڈ پریشر کے مریض چلے آرہے تھے، قویٰ انتہائی کمزور ہوچکے تھے، پھر بھی تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ اور اسفار کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی طبیعت تسلسل کے ساتھ گرتی رہی، اسے محسوس کرکے آپکے خصوصی معالج ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب نے آپ کو ہمدرد نرسنگ ہوم میں داخل کرلیا، وہاں عیادت کے لئے میں برابر جاتا رہا۔ اسپتال میں آپ کی طبیعت کافی غنیمت تھی، اسپتال سے گھر واپس تشریف لائے، یہاں بھی حالت اچھی رہی۔ ۵ر فروری کو خادم سے مختلف مسائل پر تفصیلی گفتگو ہوئی، مغرب کی صلاۃ کے بعد تنہائی میں بلایا اور دیگر حاضرین کو وہاں سے رخصت کرنے کے بعد مسجد ومدرسہ کے نظم وانتظام اور مدرسہ کی ترقی وتوسیع کی بابت انتہائی مشفقانہ انداز میں ہدایات دیں۔ ایک ملیشیائی طالب علم کو میں نے داخل کرلیا تھا، اس رات گھر او کھلا چلا گیا، صبح کو اپنی اہلیہ کو اسپتال لے جانے کی تیاری کررہا تھا کہ مرکزی دفتر کے ایک خادم نے آکر یہ روح فرسا خبر سنائی کہ انہونی ہوگئی اور مولانا اپنے مولا سے جاملے۔ بھاگم بھاگ دفتر پہنچا تو بیسیوں سوگواروں کا سامنا ہوا، معلوم ہوا کہ علوم حدیث کا یہ خادم عین حالت صلاۃ میں اللہ کو پیارا ہوگیا اور حسن خاتمہ کی اس عظیم دولت سے مالا مال ہوا جس کی دعا ہمیشہ ایک مسلمان کرتا رہتا ہے۔ فوراً ہر جگہ خبر کی گئی۔ جمعیۃ کی طرف سے اخبارات اور ریڈیو میں خبر شائع کرائی گئی اور ظہر کی صلاۃ کے بعد مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے جامع مسجد کے امام وخطیب سید عبداللہ بخاری کی اجازت سے صلاۃ جنازہ پڑھائی اور دوسری بار قبرستان شیدی پورہ کے پاس صلاۃ ہوئی اور تقریباً ساڑھے تین بجے یہ عظیم شخصیت اپنے اساتذہ واسلاف کے پہلو میں سپرد خاک کردی گئی، سدا رہے نام اللہ کا۔ آپ نے اپنے پیچھے دو بیوائیں، چھ صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں چھوڑی ہیں، اللہ ان کی خبر گیری فرمائے اور انہیں صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق دے، آمین۔

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند اور جماعت اہل حدیث دہلی نے اپنے فرائض محسوس کیے اور اللہ کا فضل ہے کہ مسجد ومدرسہ کے انتظام ونگرانی اور تولیت کے لئے پرانے ارکان منتظمہ کے ساتھ جناب عبدالحی صاحب خلف الرشید مولانا رحمہ اللہ اور دوسرے اعیان مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند وجماعت اہل حدیث دہلی پر مشتمل ایک متولی کمیٹی بنادی گئی جس سے بجا طور پر توقع ہے کہ وہ حسن انتظام ونگرانی میں انتہائی دانش مندی اور حرکت وعمل کا ثبوت دے گی۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند جماعت کے اس قدیم مرکز کو آگے بڑھانے میں ان شاء اللہ پوری قوت صرف کردے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، آمین۔

(ماخوذ از: ● مجموعہ مقالات/عبدالحمید رحمانی ۲/۸۰ تا ۸۴۔ ● شائع شدہ ترجمان دہلی: ۱۵ فروری ۱۹۷۴ء۔

❏❏❏

مولانا عبدالاحد صاحب پورینویؒ

گھوارۂ مادر سے قبر کی منزل تک

وفات اکتوبر ۱۹۷۸ء

ازقلم: مولانا اسداللہ فیضی، سابق استاذ دارالہدیٰ یوسف پور، سدھارتھ نگر

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و بعد!

محترم قارئین کرام! اس عالم رنگ و بو میں بے شمار عظیم انسان پیدا ہوئے لیکن روئے زمین پر اُن کی عظمت کا کوئی نشان باقی نہیں رہا، ماہ وسال کی گرد نے تاریخ کے صفحات سے ان کا نام مٹادیا۔ ہاں کچھ پاکیزہ نفوس ایسے پیدا ہوئے جن کی شمع زندگی بجھ جانے کے بعد ان کا نقش قدم انسانیت کے لئے مشعل راہ بنا رہا۔ یہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کی زندگی کا مقصد اللہ کے دین کی سرفرازی اور خدمت خلق رہا ہے، جنہوں نے زندگی کے ہر لمحہ اور ہر آن قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کی، اور اس مقصد عظیم کے حصول کو زندگی کے نازک سے نازک موڑ پر بھی فراموش نہیں کیا۔ تاریخ کے صفحات پر ایسے نفوس کی تعداد بہت کم دکھائی پڑتی ہے۔

انہیں خوش نصیب لوگوں میں مولانا عبدالاحد صاحب پورنیوی مرحوم کی ذات گرامی ہے، جن کی پاکیزہ زندگی ہمارے لئے ہزاروں عبرت ونصیحت لئے ہوئے ہے لیکن مرور ایام کی وجہ سے اس پر ایک دبیز چادر پڑ جانے کا خطرہ ہے۔

جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کی انجمن ندوۃ الخطابہ کے مثالی علمی ودعوتی سالانہ میگزین کے لئے میرے بعض مشفق اساتذہ کرام نے (سیر وسوانح کے عنوان کے تحت) مجھے مولانا پورنیوی مرحوم کی زندگی پر روشنی ڈالنے کا حکم دیا، اپنی تمام تر کم مائیگی اور اس میدان میں بے سروسامانی کے باوجود میں نے اس حکم کو بسر وچشم قبول کرلیا، اور مولانا موصوف کی حیاتِ مستعار کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا۔ ہر چند راقم السطور نے ضروری معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے پھر بھی اس میں تقصیر کا کھلے دل سے اعتراف ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

نام ونسب: مولانا موصوف کا اسم گرامی عبدالاحد، والد ماجد کا نام ظہور احمد اور دادا کا نام محبوب احمد تھا۔

مولد ومنشاء: جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور سے شمال مشرق میں تقریباً دوکلومیٹر کی دوری پر لمبنی روڈ پر واقع موضع جیت پور میں آپ پیدا ہوئے۔ کسی بھی معتبر ذریعہ سے آپ کی تاریخ پیدائش کا ماہ وسال معلوم نہیں ہوسکا، صرف کچھ شواہد وقرائن کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔

والدین کا نقل مکانی: جس زمانہ میں مولانا پورینوی مرحوم کی پیدائش ہوئی، ہندوستان پر سامراجی طاقت کا تسلط اور اس علاقہ میں زمیندارانہ نظام قائم تھا، جن کے ظلم وستم سے گھبرا کر بہت سے لوگ راتوں رات اپنے گاؤں ودیار کو خیر باد کہہ کر کسی انجانی جگہ میں سکون کی تلاش میں چلے جاتے تھے، چنانچہ اس کے نتیجہ میں سیکڑوں خاندان کو خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ اسی

طرح کی بے کسی و بے چارگی سے دوچار ہو کر آپ کے والدین بھی نقل مکانی کر کے ریاست نیپال کے ایک گاؤں جے نگرا میں (جو لمبنی گارڈن سے جنوب ومغرب میں تقریباً چار کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے) سکونت اختیار کر لی۔

تعلیم وتربیت: بیسویں صدی کے اوائل میں جب مدارس ومکاتب کی بے حد کمی تھی اور علاقہ مٹکا سے نیپال کی ترائی تک صرف ایک ہی منارۂ نور وہدیٰ دارالہدیٰ یوسف پور روشن تھا، چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم تھا، کسی قدر اس کمی کو پوری کرنے کے لئے کچھ اللہ والے اپنے گھروں پر ہی درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے اور اس کو اپنے لئے توشۂ آخرت سمجھ کر بڑی تندہی سے کام لیتے تھے۔ مولانا موصوف جب اس لائق ہوئے کہ تعلیم کے لئے بٹھایا جائے تو آپ کے والد بزرگوار نے اپنے گاؤں سے تھوڑی دور پر واقع موضع گنوریا میں ایک میاں صاحب (جن کو باؤنے میاں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا) کے سپرد کر دیا۔ انہیں سے موصوف نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا، لیکن ابھی صرف قرآن پاک ناظرہ تک ہی آپ کی تعلیم پہنچ سکی تھی کہ مادر مہرباں کا سایۂ سر سے اٹھ جانے اور والد صاحب کے دوسری شادی کر لینے کی وجہ سے کسمپرسی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ان حوصلہ شکن حادثات اور روح فرسا واقعات سے دوچار ہو کر اکثر ذی ہوش انسانوں کے پایۂ ثبات میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے لیکن موصوف نے بارہ سال کی کم عمری ہی میں بڑے عزم وحوصلہ سے اپنی شاہراہ متعین کر کے تعلیمی زندگی کو برقرار رکھا، اور اپنی تشنگی کو بجھانے کے لئے دارالہدی یوسف پور کی راہ لی، جہاں شفیق استاذ کے سایۂ شفقت میں رہ کر تھوڑی دیر کے لئے ماں کی فرقت کا زخم مندمل کر سکے۔ فارسی جس کا اس زمانہ میں بڑا چرچا تھا یہیں سے آپ نے مکمل کی۔

علمی سفر: تشنگان علم ومعرفت ہر دور میں آفتاب علم وفضل کی تلاش وجستجو میں رہتے اور جہاں کہیں اس کا پتہ لگ جاتا جسمانی آرام وراحت کو خیر باد کہہ کر سفر کی سخت سے سخت تر صعوبت کو برداشت کر کے جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے اور علم ومعرفت سے اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ مولانا موصوف نے بھی دارالہدیٰ یوسف پور سے فارسی کی تعلیم حاصل کر کے انہیں آفتاب علم وفضل کی تلاش میں رخت سفر باندھا اور دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے لیکن یہاں کا ماحول شاید آپ کو راس نہیں آیا اور بہت جلد مظاہر العلوم سہارن پور چلے آئے جہاں ایک مدت تک اپنے رفقاء درس مولانا عبدالرحیم صاحب حسن پوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا رحمت اللہ صاحب خیر آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہمراہ نحو، صرف، بلاغت، منطق وفلسفہ، فقہ، اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ میری معلومات کے مطابق جب حدیث پڑھنے کی باری آئی تو دہلی کی طرف کوچ کرنا مناسب سمجھا کیونکہ ان دنوں دارالحدیث رحمانیہ کی دہلی میں دھوم مچی ہوئی تھی، اور اس میں اساطین علم وفن اکٹھا تھے، چنانچہ اسی میں داخلہ لیا اور اکابر علمائے حدیث سے سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام: مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم کے اساتذہ میں گنوریا، نیپال کے باؤنے میاں صاحب اور مولانا سید عابد علی صاحب ندوی مرحوم تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا محمد صدیق صاحب، مولانا اخلاق احمد صاحب، مولانا عبدالشکور صاحب ولایتی، مولانا ظہور الحسن صاحب، مولانا زکریا صاحب قدوسی رحمہم اللہ کے حلقۂ درس میں شامل رہے۔ دہلی میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب مرحوم کا نام نامی سرفہرست تھا۔

مسند درس وتدریس سے وابستگی: فراغت کے بعد جب موصوف وطن واپس ہوئے تو سب سے پہلے اپنی مادر علمی دارالہدیٰ یوسف پور کے مسند درس وتدریس سے وابستہ ہوئے۔ اس وقت یہ ادارہ حاجی عبدالحئی صاحب کریم پوری کی نظامت میں چل رہا تھا، لیکن ابھی صرف دو سال کا عرصہ گذرا تھا کہ چند ناگزیر مجبوریوں کے پیش نظر اس ذمہ داری سے آپ کو سبکدوش ہو کر معاشی مسئلہ حل کرنے کے لئے کلکتہ کی طرف رخ کرنا پڑا۔ اس سفر میں آپ کو ایک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا، گاڑی میں کہیں آپ کو نیند آ گئی اور کوئی بد باطن آپ کا

سارا سامان لے کر فرار ہو گیا۔ وطن سے دوری اور اس پر اجنبیت مستزاد، بڑی پریشانی کے عالم میں افتاں وخیزاں کلکتہ کے بیٹری محلہ میں پہنچے اور کسی مکتب میں چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کر لی، اور ایک سال تک بحسن وخوبی اس فریضہ کو انجام دیا۔

انہیں دنوں یوپی کے مشہور صنعتی شہر کانپور کے محلہ فتھفل گنج کے تاجر سیٹھ محمد یوسف صاحب اور سکریٹری محمد بشیر صاحب کلکتہ اپنی تجارت کی غرض سے تشریف لے گئے جہاں مولانا مرحوم سے ان کی ملاقات ہوئی اور اپنے محلہ فتھفل گنج کی اونچی مسجد اہلحدیث کے لئے ایک امام وخطیب کی ضرورت کا ذکر کیا۔ موصوف امامت وخطابت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار ہو گئے اور انہیں لوگوں کے ہمراہ کانپور آ گئے۔ تقریباً دس سال تک اونچی مسجد فتھفل گنج کی امامت وخطابت سے منسلک رہے، اور خوب سے خوب تر اس ذمہ داری کو نبھایا۔ کانپور کے احباب آج بھی انہیں بڑے احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اتنی طویل مدت کانپور میں گزار لینے کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ کو کانپوراہے کہتے تھے۔

وطن کی طرف دوبارہ مراجعت: مسافرت میں انسان کو ہر لمحہ اور ہر آن وطن کی یاد ستاتی ہے۔ مولانا پورینوی مرحوم اتنی طویل مدت تک وطن سے دور رہ کر اس کی یاد کو بھلا نہیں سکے، اور احباب کی الفت ومحبت نے مراجعت پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ کانپور کی امامت وخطابت سے سبکدوش ہو کر اپنی نئی جائے سکونت موضع پورینہ چلے آئے۔ یہ مقام جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے ٹھیک سامنے شمال میں نصف کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔

کانپور کی امامت وخطابت سے وابستگی کے زمانہ ہی میں اپنے رفیق مولانا عبدالجلیل صاحب رحمانؔی پورینوی مرحوم کے اصرار پر موصوف نے کاشت وغیرہ کے لئے زمین خرید لی تھی۔ جن دنوں آپ کانپور سے واپس ہوئے جامعہ دارالہدی یوسف پور مولانا عبدالجلیل صاحب پورینوی مرحوم کے اہتمام میں چل رہا تھا۔ مسند درس خالی تھا، دارالہدیٰ کے طلبہ کی قسمت چمکی، مولانا موصوف تدریس کے فرائض پر مامور کر دیئے گئے اور پھر مسلسل تیس سالوں تک جامعہ سے وابستگی قائم رہی۔ نتیجہ کے طور پر اس اہل حدیث نگر (علاقہ مٹکا) سے نیپال کی ترائی تک سیکڑوں نجوم وکواکب اس آفتاب جہاں تاب کی مستعار روشنی سے منور ہو کر دین حق کی خدمت میں لگ گئے، اور آج اس پورے خطہ میں داعیانِ کتاب وسنت کی جو عظیم تعداد دکھائی پڑ رہی ہے اس میں مولانا موصوف کی خاموش تحریکی خدمت کا کافی حد تک دخل ہے۔ بقول شاعر ؎

ارباب چمن ان کو بہت یاد کریں گے
ہرشاخ پہ وہ اپنا نشاں چھوڑ گئے ہیں

ممتاز تلامذہ: مولانا پورینوی مرحوم کے شاگردوں کی فہرست بہت لمبی ہے جن کے ذکر کے لئے نہ وقت ہے اور نہ ہی موقع۔ ’’مشتے نمونہ از خروارے‘‘ یہاں ذکر کرنا ہی مناسب ہے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمانؔی سابق شیخ الجامعہ دارالہدیٰ، مولانا ڈاکٹر جلال الدین صاحب رحمانؔی سابق استاذ جامعہ دارالہدیٰ، پروفیسر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ شیخ وصی اللہ عباس صاحب پپرا بھوج، مولانا رحمت اللہ صاحب اثریؔ استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا مجیب اللہ صاحب سابق شیخ الجامعہ دارالہدیٰ محمد سلیم صاحب پپرا بھوج، مولانا ابوالقاسم صاحب مرحوم مدھوبنی، مولانا محمد ادریس صاحب قاسمی استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا محمد یونس صاحب استاذ جامعہ دارالہدیٰ، مولانا ابوالکلام صاحب بہرا، مولانا محمد سعید صاحب بہرا، مولانا عبدالرؤف صاحب عالم نگری، مولانا ابواللیث صاحب اثری سابق ناظم دارالہدی، مولانا سید عبدالودود صاحب عابدی، مولانا محمد طاہر صاحب اثریؔ نرکھوریا، مولانا عبدالعزیز صاحب اثریؔ شیخ الجامعہ دارالہدیٰ مولانا عبدالرحیم صاحب امینیؔ استاذ جامعہ دارالہدیٰ اور خاکسار راقم الحروف (مولانا اسداللہ صاحب فیضیؔ استاذ جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور) کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

طلبہ کے ساتھ تعلق خاطر: مولانا موصوف طلبہ سے بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے اوران کے کردار کوسنوارنے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے، آپ کے بعض تلامذہ کا اعتراف ہے کہ موصوف کے دست شفقت سے ہی میں دین کی راہ پر لگ سکا اور اس راہ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرسکا۔ طلبہ کے کردار کوسنوارنے میں آپ کے جاہ وجلال کا بھی بڑا دخل تھا، شریر سے شریر طالب علم کو آپ کے رعب وداب کے سامنے ٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

طرز تدریس کی خوبی: موصوف کے درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جو کچھ درس فرماتے طلبہ کے ذہن میں نہ صرف اتر جاتا بلکہ حفظ بھی ہو جاتا تھا، خصوصاً نحو، صرف پڑھانے میں آپ کو کافی ملکہ حاصل تھا۔ آپ کے کافیہ پڑھانے کی اس دور میں بڑی دھوم تھی۔ اس دور کے جامعہ دارالہدیٰ کے طلبہ ملک کے تمام مدارس میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اخلاق وعادات: معاشرتی زندگی میں بھی آپ کے حسن اخلاق، محبت ومروت کا اعتراف لوگوں کو رہا ہے۔ پوری زندگی جنگ وجدال، فتنہ وفساد سے الگ تھلگ رہے، گاؤں جوار کے کسی بھی فرد بشر سے کبھی ترش روئی سے گفتگو نہیں کی، جس کسی سے بھی ملتے مسکراہٹ کے ایک خاص انداز سے ملتے تھے۔

نکاح واولاد: جن دنوں آپ تعلیمی زندگی سے فراغت حاصل کر کے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور کے مسند درس پر جلوہ افروز تھے آپ کے حقیقی چچا جو یتیمی کی زندگی میں آپ کے مربی تھے، اپنی دختر نیک اختر سے شادی کردی۔ آپ کی یہ رفیقہ حیات بہت سیدھی سادی اور نیک سیرت وکردار کی مجسمہ تھیں۔ مولانا موصوف نے اپنے پیچھے دو بچے اور ایک بچی چھوڑی، بڑے لڑکے عبدالعزیز صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مولانا کے انتقال کے چند ہی سال بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا، چھوٹے صاحبزادے ماسٹر عبدالحفیظ صاحب پرائمری اسکول کے اردو ٹیچر ہیں اور اخلاق وکردار میں مولانا محترم کی ٹو کاپی ہیں۔ آپ کی صاحبزادی بدرالنساء راقم السطور کی زوجہ محترمہ ہیں۔

وفات: ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اس نظام قدرت کے تحت مولانا پوربنوی ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۸ء بروز جمعہ اس دارفانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی میں چلے گئے اور اپنے پیچھے بے شمار عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

اسد اللہ فیضی

نوٹ: واضح رہے کہ یہ مضمون مولانا اسد اللہ فیضیؔ علیہ الرحمہ کا خودنوشت ہے جو مولانا کے دارالمطالعہ میں محفوظ بیاض سے بدست عبدالرحیم مونس فیضی دستیاب ہوا۔ یہ مضمون کتاب حیاتِ فیضی کے صفحہ نمبر ۱۹۸ پر موجود ہے جو زیر نظر کتاب میں شامل اشاعت ہے۔

مونس فیضیؔ

۱۲-۱۲-۲۰۱۸ء

❑❑❑

مولانا محمد یحییٰ بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

وفات اکتوبر ۲۰۰۴ء

شیخ محمد یونس مدنی، بنارس

نام ونسب: مولانا محمد یحییٰ بن مولانا عبدالمتین بن حافظ عبدالرحمن بن حافظ عبدالرحیم بن اللہ بخش بن نذر محمد بن پیر محمد عرف فرنگی۔

مولانا بنارس کے مشہور علمی خانوادہ تاجر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ۲۷/جون ۱۹۲۲ء میں محلہ مدن پور میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔

تعلیم وتربیت: آپ کا گھرانہ شرافت ومروت، تہذیب واخلاق اور سخاوت وفیاضی میں بڑا مشہور ہے، آپ کی تربیت آپ کے والد محترم جناب مولانا عبدالمتینؒ (م ۱۹۶۴ء) کی نگرانی میں ہوئی اور تعلیم بنارس کے معروف ومشہور اور مؤقر ادارہ جامعہ رحمانیہ میں ازابتدا تا انتہا بزرگ اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوئی۔

اساتذہ کرام: مولاناؒ کے اساتذہ کرام میں مولانا عبدالغفار حسن رحمانی (جو جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء تک رہے) مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈانگری (م ۱۹۹۹ء) مولانا منیر خاںؒ (م ۱۹۴۵ء) مولانا عبدالمعید صاحبؒ (م ۱۹۸۰ء) وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ سے آپ نے معقولات کی کتابیں پڑھیں، مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری (م ۱۹۹۹ء) سے ادب کی کتابیں پڑھیں اور صحیحین کا درس مولانا محمد منیر خاںؒ (م ۱۹۴۵) سے لیا، مولانا نے انٹر تک انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔

مولانا بڑے ذہین وفطین تھے، زمانہ طالب علمی میں مضمون نگاری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، انجمن جامعہ رحمانیہ سے نکلنے والا ''گلدستہ بنارس'' میں آپ کے کئی مضامین نظر نواز ہوئے۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۴۲ء میں فاضل ادب کے امتحان میں شریک ہوئے تھے پورے یوپی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اس زمانے میں بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے دس روپئے دیئے گئے تھے۔ (ریکارڈ جامعہ رحمانیہ)

مشغلہ: تحصیل علوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کی تجارت سے وابستہ ہوگئے اور کاروبار کرنے لگے لیکن ساتھی ہی ساتھ علم وعمل سے بھی تعلق رہا اور مدارس وجامعہ کی مختلف ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔

جامعہ سلفیہ کے قیام سے پہلے جامعہ رحمانیہ بنارس کا اہتمام وانتظام مولانا عبدالمتینؒ (م ۱۹۶۴ء) کے ذمے تھا تو مولانا عبدالاحد صاحبؒ (م ۱۹۶۱ء) الحاج محمد صدیقؒ، الحاج محمد فاروقؒ، مولانا حافظ محمد ابوالقاسمؒ (م ۱۹۶۵ء) مشیر کار رہا کرتے تھے، مہتمم کے

صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب جامعہ رحمانیہ کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے۔ (بروایت مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی سابق شیخ الجامعہ)

شوق مطالعہ: علوم دینیہ سے شیفتگی اور شوق مطالعہ بہت زیادہ تھا، تفسیر، سیرت، تاریخ اور حدیث کی کتابوں اور ان کی شروح کا مطالعہ آپ کے خصوصی موضوع تھے۔ آپ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کے بڑے مداح تھے، اور ان دونوں حضرات کی کتابیں اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں، خاص طور سے منہاج السنۃ کا اور دوسروں کو بھی مطالعہ کرنے کی ترغیب دیتے تھے، دور حاضر میں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ (م ۱۴۲۰ھ) اور علامہ البانیؒ (م ۱۹۹۹ء) کی تحریر کو دلچسپی اور شوق کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جماعتی میگزین سے بھی شغف تھا۔

علماء کرام سے تعلق: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم سے آپ کو والہانہ محبت تھی، جامعہ کے اساتذۂ کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ویسے بھی آپ علماء کرام سے خاص لگاؤ اور گہرا تعلق رکھتے تھے۔

علماء سے ملنے اور علمی موضوع پر گفتگو کرنے کا بہت شوق تھا، چنانچہ مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوریؒ (م ۲۰۰۶ء) نے رابطہ عالم اسلامی کے سیرت کے مقابلے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا اور آپ کو پہلا مقام حاصل ہوا تو مولاناؒ ان سے ملنے کا بڑا شوق رکھتے تھے، اتفاق سے راقم کا ایک روز ان کے یہاں جانا ہوا تو مجھ سے کہا کہ کسی دن مولانا کو ہمارے یہاں لاؤ، جامعہ آ کر میں نے مولاناؒ سے کہا تو مولانا نے رضامندی کا اظہار کیا، دوسرے دن مولانا کے ساتھ ان کے دولت کدہ پر پہنچا تو مولانا سے کافی دیر تک سیرت کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے، سیرت سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا محمد سلیمان منصور پوریؒ کی اردو میں سیرت پر لکھی ہوئی کتاب رحمۃ للعالمین کا عربی میں ترجمہ ہو گیا ہے اور ممبئی میں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے تو آپ نے فوراً ممبئی سے کتاب منگوائی اور اپنے مطالعہ میں رکھا۔

جامعہ سلفیہ سے نکلنے والا عربی مجلہ ''صوت الامۃ'' اور اردو میگزین ''محدث'' کو برابر پڑھا کرتے تھے اور علماء کی تحریر پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، لیکن مولانا کو کبھی تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اسی طرح جب ڈاکٹر رضاء اللہ صاحبؒ (م ۲۰۰۳ء) جامعہ سلفیہ میں شعبۂ تدریس وتصنیف سے جڑے اور آپ کے عربی مضامین جامعہ کے میگزین ''صوت الامۃ'' میں شائع ہونے لگے تو ان سے بھی مولانا کو ملاقات کا شوق ہوا، میں ایک دن قبیل مغرب ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ مولاناؒ کے مکان پر حاضر ہوا اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے ہم لوگ مسجد چلے آئے۔

طلبہ سے شفقت ومحبت: مولانا جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم، بنارس کے رکن رکین تھے، اساتذہ کرام کے قدرداں تھے اور طلبہ پر بے حد شفیق ومہربان تھے، جب طلبہ کا کوئی مسئلہ جامعہ میں حل نہ ہوتا تو فوراً مولانا کے پاس پہنچ جاتے، مولاناؒ بڑے نرم دل اور طلبہ پر مہربان تھے، طلبہ کے حق میں فیصلہ کی سفارش کر دیتے، اس طرح طلبہ خوش خوش جامعہ واپس چلے آتے، مولانا کبھی کبھار جامعہ رحمانیہ تشریف لاتے، خاص طور سے نحو سے متعلق سوالات کرتے، مشکل مسائل اس قدر دل نشین انداز میں سمجھاتے کہ طلبا اسے کبھی نہ بھولتے۔

منصب: آپ جامعہ سلفیہ کے تاسیسی ممبر اور اہم رکن تھے، ہر چند کہ جامعہ سے آپ کو محبت تھی، آپ کی چاہت تھی کہ جامعہ ترقی

کے منازل طے کرے، اچھے فارغین جامعہ سے نکلیں اوردعوت وتبلیغ، درس وتدریس اورتالیف وتصنیف کا نمایاں کارنامہ انجام دیں لیکن آپ نے کبھی عہدہ اورمنصب کی خواہش نہیں کی، پھربھی ذمہ داران جامعہ نے آپ کو جامعہ کا نائب صدرمنتخب کیا،لیکن جب شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانیؒ (م ۱۹۹۴ء) شارح مشکاۃ المصابیح دارفانی سے کوچ کر گئے تو جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے صدرکا منصب خالی ہوگیا، بزرگان جماعت کی نظر بقیۃ السلف مولانا محمد یحییٰ صاحب بنارسیؒ پر پڑی، جامعہ کی مجلس عاملہ نے آپ کو باتفاق رائے صدرمنتخب کرلیا۔

مولانا کا حدیث سے شغف: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کاتعلیمی معیار پورے ملک میں مشہور ہے، بالخصوص جامعہ میں عربی ادب کے ساتھ ساتھ حدیث اورعقیدہ میں بہت زور دیا جاتا ہے، دوسرے مدارس وجامعات سے طلبہ جامعہ میں حدیث وعقیدہ میں مہارت کے لئے داخلہ لیتے ہیں، مولانا محمد یحییٰ صاحب بنارسیؒ کوتفسیر،عقیدہ اورسیرت کے ساتھ ساتھ حدیث میں بڑی دلچسپی تھی، مولانا جب کبھی کبھار جامعہ تشریف لاتے اورفصول (کلاس) کا جائزہ لیتے اورجس کلاس میں حدیث کا درس ہوتا اس کلاس میں داخل ہوتے اورطلبہ کے ساتھ بیٹھ جاتے، غور سے حدیث کا درس سنتے اوراستاد حدیث سے اس مسئلہ میں بحث ومباحثہ کرتے جس میں بحث کی ضرورت پیش آتی، اس سے نہ صرف یہ کہ مولانا کی حدیث سے محبت کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان کی جامعہ کے تئیں ذمہ داری کا احساس بھی معلوم ہوتا ہے۔

علالت ووفات: مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب محمد سالم صاحب سے ان کی علالت وبیماری کے بارے میں دریافت کیا کہ مولانا کو کون سی بیماری تھی توانہوں نے کہا کہ والدمحترم کوکوئی بیماری نہیں تھی، ہاں بے حدکمزوراورنقاہت محسوس کرتے تھے اورکمزوری کی وجہ سے کام چھوڑکرآرام کرتے تھے، جامعہ اورفرم کے کاغذات پر جودستخط کرنا ہوتا، کاغذات ان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا وہ دستخط کردیا کرتے تھے، ایک دن میں فرم کے کچھ کاغذات دستخط کرانے کے لئے ملازم کوبھیجا تو ملازم گھبرایا ہوا آیا اورکہا دادا کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے، جب ہم لوگ دیکھنے گئے تو والدمحترم کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تجہیز وتکفین: مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا انتقال ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۴ء بوقت ساڑھے چار بجے شام میں ہوا اوردوسرے دن صبح دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا احسن جمیل صاحب مدنی رحفظہ اللہ نے پڑھائی اوراپنے آبائی قبرستان سکرا باغ میں سپرد خاک کردئے گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ووسع مدخلہ۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے پسماندگان میں تین لڑکے اورتین لڑکیاں ہیں۔

لڑکوں کے نام یہ ہیں: ۱۔محمد سالم، ۲۔عتیق احمد، ۳۔محمد سلمان

ماشاءاللہ تینوں صاحبزادے اپنے آبائی پیشہ بنارسی ساڑی کی تجارت میں مصروف ہیں اورصوم وصلوۃ کے پابند ہیں۔

(تراجم علمائے اہل حدیث بنارس۔صفحہ ۴۰۵۔۴۱۰)

❑❑❑

مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ۔علی گنج، بونڈیہار

سابق صدرالمدرسین جامعہ رحمانیہ بنارس

ولادت ۱۹۳۴ء/وفات ۲۰۰۵ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

استاذ گرامی مولانا عزیز احمد ندوی رحمہ اللہ کا شمار جامعہ رحمانیہ بنارس کے کہنہ مشق اساتذہ اور قابل ذکر مدرسین میں ہوتا ہے۔ جماعت کے قدیم ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور اہل حدیثوں کی علمی وتاریخی شان دارالحدیث رحمانیہ دہلی جیسے قابل فخر درسگاہوں میں آپ کو حصول تعلیم کا شرف ملا،قسمت نے وفانہ کی اور رحمانیہ آزادی کی شورش میں اجڑ گیا۔پھر آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بقیہ تعلیم مکمل کی۔ان تینوں علمی وتاریخی اداروں کے جوہر آپ میں نمایاں طور پر محسوس کئے جاتے تھے۔طلبہ پر کنٹرول، عبارت خوانی اور ترجمہ وتشریح میں مہارت اور وقت کی پابندی آپ کا خاصہ تھی۔معہد التعلیم الاسلامی دہلی سے بنارس جانے کے بعد میرا داخلہ رحمانیہ میں ہوا، اس وقت آپ صدر مدرس تھے اور ضعیفی وکبرسنی کے باوجود انتہائی فعال اور متحرک تھے۔جن اساتذہ کرام کے اسلوب تدریس اور تعلیمی صلاحیتوں سے میں متاثر ہوا، ان میں مولانا مرحوم کا نام سرفہرست ہے۔اللہ آپ کی خدمات قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔آمین۔

نام ونسب: مولانا عزیز احمد بن محمد حنیف بن محمد حسن بن چاند بابا خان۔

تاریخ پیدائش: ۱۲/اگست ۱۹۳۴ء۔

خاندانی پس منظر: آپ خاندان بونڈیہار وکنڈؤ کے چشم وچراغ تھے،اور پچھوہتو خاندان کے ایک عظیم فرد تھے۔بونڈیہار کے قریب موضع علی گنج تحصیل اترولہ ضلع بلرام پور کے رہنے والے تھے۔کنڈؤ بونڈیہار اور علی گنج کے لوگ اپنی خاندانی وجاہت اور زمینداری، اہل علم کی عزت وقدردانی میں مشہور ومعروف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہاں جماعت کے اکابرین وعباقرہ علماء بار بار قدم رنجہ ہوتے رہے ہیں۔مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ جیسے اساطین علم کا اس بستی سے بڑا پرانا رشتہ رہا ہے۔محدث کبیر مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ کی اس بستی میں خاندان کنڈو بونڈیہار کی دعوت پر آمد وحاضری نے اسے چار چاند لگادیا اور اس طرح اہل علم اور اہل ثروت کے حسین امتزاج اور روابطے سے ۱۹۰۷ء میں ایک عظیم سلفی ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے نام سے آزادی سے پہلے وجود میں آیا اور ابھی تک بلا انقطاع اس کا فیض جاری ہے۔اللھم بارك وانعم۔

تعلیم وتربیت: (۱) ابتدائی تعلیم از پرائمری تا جماعت ثالثہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں حاصل کی۔

(۲) دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ۱۹۴۵ء کے بالکل اواخر میں داخل ہوئے اور کم وبیش دوسال وہاں مختلف اساطین علم سے کسب

فیض کیا۔ آزادی کی لڑائی کی وجہ سے ۱۹۴۷ء میں رحمانیہ بند ہوگیا آپ وہاں فراغت سے محروم ہوگئے۔ آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں مولانا مختار احمد ندوی، مولانا حکیم عبدالباقی عمری مئوی، مولانا محمد عابد رحمانی بونڈیہار، مولانا عبدالکریم ندوی ششہنیاں تھے۔

(۳) آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں دوبارہ جامعہ سراج العلوم کنڈؤ بونڈیہار میں واپس داخل ہوئے اور پورے ایک سال تک یہاں تعلیم حاصل کی۔

(۴) ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ چلے گئے اور چوتھی جماعت میں داخلہ لیا اور مسلسل چار سالوں تک رہ کر عربی اور دیگر اسلامی فنون میں مہارت حاصل کی اور ممتاز نمبرات سے عالمیت وفضیلت کی سند لے کر کامیاب ہوئے۔ ندوۃ میں آپ کے ساتھیوں میں قابل ذکر مولانا واضح رشید ندوی تھے۔

(۵) ۱۹۵۱ء کے اواخر یا ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں چند نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا رحم اللہ صاحب (متوفی ۱۹۹۶ء) بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۲) مولانا عبدالغفور بسکوہری متوفی ۱۹۷۹ء بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۳) مولانا محمد اقبال رحمانی متوفی ۱۹۸۲ء بونڈیہار میں ابتدائی عربی تعلیم۔ (۴) مولانا نذیر احمد املوی متوفی ۱۹۶۵ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۵) شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی متوفی ۱۹۹۴ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۶) مولانا احمد اللہ بنگالی رحمانیہ دہلی میں۔ (۷) مولانا عبدالحلیم ناظم پیغمبر پوری متوفی ۱۹۳۵ء رحمانیہ دہلی میں۔ (۸) ندوۃ کے اساتذہ کا نام بالضبط معلوم نہ ہوسکا۔

تدریسی خدمات: (۱) فراغت کے بعد ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۶ء تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں بحیثیت مدرس وابستہ رہے کل مدت تدریس ۱۳ سال ہے۔

(۲) ۱۹۶۹ء میں مولانا عبدالقدوس نسیم بنارسی متوفی ۱۹۹۸ء ناظم جامعہ رحمانیہ بنارس کی طلب پر بنارس چلے گئے اور جامعہ رحمانیہ سے منسلک ہوگئے اور ۱۹۹۶ء تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔ یہاں پر کل مدت تدریس ۲۷ سال ہے۔

(۳) جامعہ رحمانیہ میں کافی عرصے تک صدرالمدرسین یعنی پرنسپل بھی رہے۔ ہمارے ایام طالب علمی ۱۹۸۸ء۔ ۱۹۹۰ء میں آپ ہی پرنسپل تھے اور ہمیں شرح شذور الذہب پڑھایا کرتے تھے۔

(۴) ۱۹۹۶ء میں رحمانیہ سے ریٹائر ہوئے اور وطن چلے آئے، ڈومریا گنج کے مشہور نسواں ادارہ کلیۃ الطیبات سے وابستہ ہوگئے یہاں بھی دو سال تک تدریسی فریضہ انجام دیا مگر کبرسنی اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے بالآخر یہاں سے علیحدہ ہوگئے اور گھر پر ہی سکونت اختیار کرلی۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سراج العلوم بونڈیہار اور جامعہ رحمانیہ بنارس جیسے مشہور اداروں میں تعلیم وتدریس سے واضح ہے کہ آپ کے تلامذہ کی ایک قابل ذکر تعداد ہوگی۔ جو آپ کے لئے ان شاء اللہ صدقہ جاریہ ہونگے۔ ذیل میں چند اسماء گرامی درج ہیں۔

(۱) مولانا عبدالحمید رحمانیؒ دہلی (۲) مولانا عبدالوہاب خلجیؒ (دہلی) (۳) مولانا عبدالمعید مدنی (علی گڑھ) (۴) ڈاکٹر اقبال احمد

بسکوہری (مالیگاؤں) (۵) ڈاکٹر فوزان احمد ازھری (جامعہ ملیہ دہلی) (٦) آپ کے فرزند ڈاکٹر ناصر الدین (علیگ) (۷) مولانا رضاء الحسن آروی، (۸) مولانا محمد آصف مدنی کلکتہ، (۹) مولانا عبدالمحسن صدیقی اڑیسہ۔ (۱۰) خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی ممبئی وغیرہم کثیر۔

خصائل وعادات: (۱) آپ انتہائی ذی علم اور ذہین وفطین تھے، اعلیٰ درجے کی تدریسی صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ (۲) نحو وصرف کی تدریس کے ساتھ علم اسماء الرجال پر گہری دسترس تھی۔ (۳) وقت کے بڑے پابند اور طلباء کے لئے بڑے رحم دل اور درد مند تھے۔ (۴) جانفشانی، امانت داری اور جفاکشی وتندہی آپ کی زندگی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے طلباء اساتذہ اور ذمہ داران وانتظامیہ سبھی آپ کے بڑے قدردان تھے۔

اہل وعیال: آپ کی شادی آپ کے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، فی الوقت یہ لوگ بونڈیہار سے ترک وطن کر کے سینگ ناتھ نزد جیتاپور بسکوہر آباد ہوگئے۔ اولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

کل پانچ لڑکے اور تین لڑکیوں سے اللہ نے نوازا تھا۔ لڑکوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱) ڈاکٹر شرف الدین: اپنے علاقے میں ہی پریکٹس کررہے ہیں۔ (۲) فصیح الدین: برسوں سعودی ملازمت کرنے کے بعد وطن ہی میں ہیں۔ (۳) ڈاکٹر ناصر الدین سلفی علیگ: یہ ہمارے ہم سبق ہیں اور سلفیہ سے فراغت کے بعد علی گڑھ سے بی یو ایم ایس کئے ہوئے ہیں اور فی الوقت دلی نگرنگم کے ماتحت دہلی ایسٹ میں میڈیکل آفیسر کے عہدے پر فائز ہیں۔ (۴) امیر الدین: فی الوقت دہلی میں بزنس کررہے ہیں۔ (۵) نسیم اختر: دہلی میں بزنس کررہے ہیں۔ اور تینوں لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے اور سب صاحب اولاد ہیں۔ دو بچیاں بستی میں اور تیسری جیتاپور میں سکونت پذیر ہے۔ رب العالمین سب کو خوشحال رکھے اور والد صاحب کے لئے صدقہ جاریہ بنائے آمین۔

وفات: تدریسی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد بیماری اور ضعف پیری کا سلسلہ دراز رہا، گھر پر ہی آرام فرماتے تھے، کہ اچانک فالج کا حملہ ہوا اور پھر کچھ دنوں کے بعد اس بیماری میں پیغام اجل آپہنچا اور ۲۷/اپریل ۲۰۰۵ء میں اس دارفانی سے رخصت ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور اس طرح ہزاروں تلامذہ کو فیض پہونچانے والا یہ آفتاب علم وہنر بھی غروب ہوچلا۔ تدفین آبائی قبرستان بونڈیہار میں ہوئی۔

مراجع ومصادر:

۱۔ ذاتی معلومات۔

۲۔ ہم سبق ساتھی ڈاکٹر ناصر الدین دہلی سے کئے گئے سوالات کے جواب۔

۳۔ تراجم علمائے اہل حدیث/ خالد حنیف صدیقی ۱/ ۳۲۲۔

۴۔ کاروان سلف/ عبدالرؤف ندوی ۲/ ۳۲۰۔

۵۔ تاریخ وتعارف دارالحدیث رحمانیہ دہلی/ اسعد اعظمی، ۱۹۱۔

٦۔ تاریخ اہل حدیث جنوبی ہند/ عبدالوہاب جامعی، ۵۰۴۔

(شائع شدہ صوت الاسلام ممبئی دسمبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

(مولانا) ذکراللہ خاں ذاکرندوی

وفات فروری ۲۰۰۶ء

خالد حنیف صدیقی

نام ونسب: مولانا ذکراللہ بن مولانا عبدالغفور بن جعفر خاں پٹھان (ایرانی النسل) ہیں۔

تاریخ پیدائش: ۱۹۲۹ء مطابق ۱۳۴۷ھ آپ ضلع سدھارتھ نگر کے مشہور قصبہ بسکوہر میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد گرامی دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے فیض یافتہ جلیل القدر عالم دین تھے۔

تعلیمی مراحل: ابتدائی تعلیم والدگرامی مولانا عبدالغفور سے گھر پر حاصل کی۔ پھر بسکوہر کے ہی مکتب اسلامیہ میں داخل ہوکر پانچ پارہ حفظ قرآن کیا۔لیکن مستقل دردسر کے مریض ہونے کے ناطے ڈاکٹروں نے حفظ سے منع کر دیا۔والدگرامی اس وقت جامعہ سراج العلوم میں بحیثیت استاذ خدمت انجام دے رہے تھے،اس لیے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم حاصل کی۔پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں فضیلت میں داخلہ لیا اور فضیلت کا ۳ سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۵۰ء میں فارغ ہوئے۔

قابل ذکراساتذہ: (۱) ماسٹر تعلق دارخاں آدم پوری۔ بونڈیہار کے اساتذہ ہیں: (۲) مولانا عبدالغفور بسکوہری (والدگرامی، م ۱۹۸۷ء) (۳) مولانا محمد اقبال رحمانی (م ۱۹۸۲ء) (۴) مولانا محمد عباس نذیری، (۵) حکیم مولانا محمد یٰسین (بونڈیہار) ندوۃ العلماء کے اساتذہ میں (۶) مولانا حبیب الرحمن ازہری (۱۹۸۳ء۔ ۱۳۰۷ھ) (۷) سید ابوالحسن علی ندوی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد بسکوہر ہی میں اپنے والدگرامی کے قائم کردہ مدرسہ میں دوسال تک مفت تعلیم دی۔ پھر مدرسہ بحرالعلوم انتری بازار میں چھ ماہ تک تدریسی خدمت انجام دی۔ مدرسہ اتحاد ملت اٹوابازار میں (مولانا زین العابدین ریاضی کے سفرحج کے موقع پر) کچھ عرصہ تک تدریس کے فرائض انجام دیئے۔پھر تدریس سے یکسر قطع تعلق کر کے دعوتی ،تبلیغی اور تالیفی وتصنیفی کاموں میں مصروف ومنہمک ہوگئے۔

دعوتی وتبلیغی خدمات: مقامی،ضلعی،صوبائی اور ملکی سطح کی جماعتی کانفرنسوں وپروگراموں میں ہر جا وہر مقام شرکت کر کے منظوم خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ بوقت ضرورت اجلاس عام میں اچھی تقریر بھی کرتے تھے۔منظوم خطبۂ استقبالیہ اور آپ لازم وملزوم تھے۔

جماعتی خدمات: بستی گونڈہ کی مشترکہ جمعیت اہل حدیث کے مجلس عاملہ کے رکن تھے۔آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ کے تاریخی اجلاس میں موصوف کے والدگرامی نے عربی میں جو قصیدہ پیش کیا تھا۔اس کا ترجمہ منظوم شکل میں آپ نے اسی اجلاس میں

پیش کیا تھا۔تاحیات جماعتی پروگراموں میں استقبالیہ نظم پیش کرتے رہے۔

تصنیفی خدمات: تصنیف وتالیف کا ذوق زمانۂ طالب علمی سے رہا، چنانچہ مختلف رسائل ومجلّات میں مقالے لکھے۔تالیفات کی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱) معلم روزہ (اردو) صفحات:۱۶، مطبوع ۱۹۷۷ء

(۲) معاشی مشکلات کا اسلامی حل (اردو) صفحات:۳۲، مطبوع ۱۳۶۸ھ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دورطالب علمی میں علمائے معاشیات کے لکچرس کوسن کر اس موضوع پر لکھا تھا اور دور طالب علمی ہی میں چھپ کر منظر عام پر آگئی تھی۔اس رسالہ میں امیری وغریبی کو ختم کرنے کے لئے جمہوریت، اشتراکیت، شوشلزم اور کمیونزم کے طریقۂ کار کورد کر کے بدلائل یہ ثابت کیا کہ اس کا حل صرف اسلام میں ہے۔

(۳) جہاد وقت (اردو صفحات:۲۰۔)

(۴) صلاح الدین اعظم (اردو، منظوم) صفحات:۱۰۴ مطبوع ۱۹۷۴ء

(۵) فاروق نامہ (اول تا پنجم مطبوع ۱۹۷۴ء)

(۶) آیات غم منظوم (اردو صفحات:۱۶۔)

اس میں سرپنچ عبدالغفور بجوا، ضلع گونڈہ کی اہلیہ اور بیٹی آمنہ کے انتقال پر ان کے نیک اوصاف کا ذکر جمیل بڑے ہی خوبصورت اور والہانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

(۷) دعوت عمل (اردو) صفحات:۲۰ مطبوع۔

یہ مقالہ فضیلت سے ایک سال قبل لکھا گیا تھا۔اس میں لوگوں کو قرآن وسنت پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۸) پیام ذاکر۔اردو منظوم صفحات ۴۵۔

اس رسالہ میں حمد ونعت، جامعہ سلفیہ بنارس کا ذکر جمیل اور دوسری دینی واصلاحی نظمیں ہیں۔

(۹) نوائے ذکر، اردو صفحات:۳۰۔

اس میں مختلف دینی اجلاس کے موقع پر کہی گئی دینی واصلاحی نظمیں ہیں۔

(۱۰) ذکرالادیب: والد گرامی مولانا عبدالغفور بسکوہری کی سوانح حیات پر مشتمل کتابچہ۔جو مطبوع ہے لیکن کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

وفات: ۴ فروری ۲۰۰۶ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب، جائے پیدائش بسکوہر میں وفات پائی۔دوسرے دن ۵/فروری بروز جمعہ مولانا سید عبدالاول فیضی نے نماز جنازہ پڑھائی۔اور آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

(تراجم علمائے اہل حدیث ۱/۱۰۱۔۱۰۳)

❑❑❑

بزم سے رخصت ہے ذاکر مرحبا کہتا ہوا

(وفات مولانا ذکراللہ ذاکرندوی بسکوہری رحمۃ اللہ علیہ)

ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری مالیگاؤں

اللہ رب العزت کا نظام {كل نفس ذائقة الموت} ''ہر ایک کو موت آنی ہے'' ایک اٹل نظام ہے جس پر عمل درآمد ہر ہر لمحہ جاری ہے، اس کا مشاہدہ ہم ہمیشہ کرتے ہیں، شاعر اسلام مولانا ذکراللہ صاحب بسکوہری اللہ کے اسی فیصلہ پر راضی بہ رضا ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بسکوہر بازار جو ضلع سدھارتھ نگر، یوپی کا مشہور قصبہ ہے گزشتہ صدی میں بڑا مردم خیز مقام رہا ہے، یہاں بڑے بڑے نامور اہل علم پیدا ہوئے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے، یہی وہ قصبہ ہے جس کو مولانا اللہ بخش (ٹھاکر صاحب) تلمیذ رشید میاں صاحب نے اپنا مسکن بنایا اور کتاب وسنت کی روشنی سے پورے علاقے کو منور کر دیا اور یہاں کے مسلمانوں کو ظلمت وضلالت کی تاریکی سے نکالا۔

والد محترم کے استاذ گرامی مولانا خلیل احمد بسکوہری، مولانا عبدالستار صاحب بسکوہری۔ [متوفی ۱۹۴۵م] اور والد محترم کے استاذ مکرم ادیب عصر مولانا عبدالغفور صاحب بسکوہری [متوفی ۱۹۷۹ء] کا مولد ومسکن بھی یہی قصبہ ہے۔

چار فروری ۲۰۰۶ بروز سنیچر موافق ۵ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی شام بسکوہر کے قرب وجوار کے لوگوں کے لئے کسی سانحہ سے کم نہ تھا جب خانوادے بسکوہری کے عظیم فرزند، جماعت کے مایہ ناز سپوت مولانا ذکراللہ صاحب رحلت فرما گئے۔

آپ مولانا عبدالغفور صاحب بن جعفر خان بسکوہری استاذ ادب وحدیث دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے منجھلے فرزند تھے، آپ میرے مشفق ومربی استاذ مولوی عبداللہ صاحب سے چھوٹے اور منشی فضل اللہ صاحب سے بڑے تھے، مولوی عبداللہ صاحب کا انتقال تقریباً ۶ سال قبل ہو چکا ہے، جب کہ چھوٹے بھائی فضل اللہ صاحب کی وفات کو تقریباً ۱۸ یا بیس سال ہو چکے ہیں، آپ کی ہمشیرہ جو مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حریم تھیں، صرف وہی باحیات ہیں۔

مولانا ذاکر صاحب صرف اسی خانوادے کے لئے ہی نہیں بلکہ بسکوہر وقرب وجوار کے لئے روشنی کا مینار تھے جن کے انتقال سے بسکوہر سونا اور پورا علاقہ سوگوار ہے۔ چار سال قبل مولوی محمد ضمیر صاحب اثری کا اچانک ادھیڑ عمر میں انتقال ہو گیا۔ جن سے کافی توقع تھی، اب بسکوہر میں کوئی قابل ذکر شخصیت نہیں۔ کہنے کو تو علماء کی بڑی تعداد ہے لیکن رحمانی علماء اور ان کے تلامذہ کا جو دستہ تھا، ان میں اور آج کے علماء میں خلوص وللّٰہیت، تقویٰ اور پرہیزگاری میں واضح فرق ہے، اسباب ولوازمات نہ ہونے کے باوجود بھی ان لوگوں نے جو خدمت انجام دی وہ قابل قدر ہے۔

حضرت مولانا عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ کی ڈائری میں تحریر شدہ تاریخ کے مطابق ذاکر صاحب کی پیدائش ۱۹۱۶ء کی ہے جو بظاہر محل نظر ہے، ابتدائی تعلیم گھر سے متصل مدرسہ محمدیہ (جہاں فی الحال علمی منزل ہے) حاصل کی، ویسے تربیت وتعلیم میں اصل بنیاد خود حضرت مولانا عبدالغفور صاحب تھے، آپ کی والدہ خداترس خاتون تھیں، تینوں بھائیوں کی تربیت میں ان کا بھی نمایاں کردار رہا ہے۔

مدرسہ محمدیہ کے بعد آپ نے اس علاقہ کی مشہور دینی درسگاہ سراج العلوم بونڈیہار میں داخلہ لیا، تعلیم وتربیت کے اعتبار سے زمانے میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا، پھر وہاں سے ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔

مولانا ذاکر صاحب، صاحب قلم، مشہور شاعر اور ادیب تھے۔ آپ کا گراں قدر شاہکار فاروق نامہ پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جو متنوع ہے۔ اس کے علاوہ صدیق نامہ، معلم نماز، صلاح الدین ایوبی، امیر فیصل، پیارکا دین، ذکرالادیب، سلاطین ہند، نوائے اسلام، کلام ذاکر، پیام ذاکر، جہاد وقت، معلم روزہ، آپ کی منظوم تصانیف ہیں، سیرت رسول پر سراج منیر کے نام سے آپ کی تالیف ہے جو نثر میں ہے، یہ تالیفات آپ کے ملی جذبات وعلمی صلاحیت پر شاہد عدل ہیں۔

چونکہ شاعری میں آپ کو خاصا امتیاز حاصل تھا اس لئے آپ کی زیادہ تر تالیفات اشعار ہی پر مشتمل ہیں، معمولی وقت میں اچھے اچھے قصیدے تیار کرنا آپ کے لئے معمولی بات تھی۔

مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی کے زمانے میں بونڈھیار میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا تھا، جس میں جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سلفی، شیخ الجامعہ عبدالوحید صاحب رحمانی، مولانا آزاد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شریک تھے۔ جلسہ کے دوسرے دن شعراء کی کثرت تعداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظہر کے بعد اچانک استاذ گرامی مولانا آزاد رحمانی کے زیر صدارت مشاعرہ منعقد ہوا، ذاکر صاحب گاؤں میں چلے گئے تھے، آئے تو مشاعرہ جاری تھا، جس کا طرحی مصرع اس طرح تھا۔۔۔ ”وہ ساغر و مینا نہ رہا“ تقریبا تمام شعراء طبع آزمائی کر چکے تھے اور ساغر و مینا نہ رہا کی موافقت پر اپنا کلام پیش کر چکے تھے، ذاکر صاحب نے بھی تھوڑی ہی دیر میں اپنا کلام پیش کیا جو تقریبا برجستہ تھا اور تمام شعراء کے بالکل برعکس تھا، جس کا ایک شعر یہ تھا۔

کون کہتا ہے وہ ساغر و مینا نہ رہا
ساغر و مینا تو رہا ، پینے کا قرینہ نہ رہا

جس پر کافی دیر تک واہ واہ کا شور اٹھتا رہا اور آپ تمام لوگوں پر بازی لے گئے، جب اسرائیل نے مسجد اقصی کو جلایا تھا، اس وقت آپ نے بڑا ولولہ انگیز قصیدہ کہا تھا، جس کا طرحی مصرع تھا:

جل رہا ہے اقصی کا چمن، آگ لگی ہے

شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ منجھے ہوئے خطیب اور واعظ بھی تھے، جلسوں میں تو تقریر کا موقع کم ملتا تھا لیکن اپنا کلام پیش کرتے وقت درمیان میں اپنی باتیں کہہ لیتے تھے، موضع جیتا پور جو بسکوہر سے پچھم تقریبا دو میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں کی مسجد کے خطیب جمعہ اور اس گاؤں کے خطیب عیدین تھے۔

بسکوہر کی مسجد (مولوی گنج) جس کی دیوار آپ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے، آپ نے اس کے پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دیا، مسجد

جدید کی تعمیر اور پھر اس کے آباد کرنے میں آپ اور آپ کے فرزند مولوی ذکاء اللہ ندوی سلمہ نے بڑا حق ادا کیا۔

۶۳۔۱۹۶۲ء جب سے میں بسکوہر جانے لگا، اسی وقت سے میں نے آپ کو اس مسجد میں امامت کرتے ہوئے دیکھا اور جب سے قیام کیا فجر کی نماز کے بعد درس دیتے ہوئے سنا، آپ کی یہ امامت اور مواعظ حسنہ بغیر کسی معاوضہ کے طویل عرصہ تک جاری رہا، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور آپ کے فرزند ذکاء اللہ ندوی کو جو عموما اذان کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں، آپ کا خلف رشید بنائے۔ آمین

بسکوہر جو خالص اہل حدیثوں کی بستی ہے، یہاں تعزیہ سازی کا کاروبار زوروں پر تھا اور بہت بڑی تجارت کی شکل اختیار کر گیا تھا ،بسکوہر کے اہل حدیث دور دور تک تعزیہ سپلائی کرتے تھے،اس کے بند کرانے میں آپ کا بڑا دخل رہا۔

ملت کا درد رکھنے والے اور جماعت سے بے پناہ محبت رکھنے والے اور بے لوث خادم ذاکر صاحب نے اپنے حسن اخلاق سے قرب وجوار کے لوگوں کو متاثر کر رکھا تھا، جماعتی یا انفرادی طور سے کوئی بھی پروگرام ہوتا، ذاکر صاحب کی شرکت یقینی ہوتی تھی، جلسہ کا پروگرام ہو یا محفل نکاح، ذاکر صاحب کے بغیر محفل نا تمام رہتی تھی، نوگڑھ کانفرنس میں علامہ بسکوہری کی عربی نظم استقبالیہ اور سفیر سعودی کی ترحیب میں کہے گئے عربی اشعار کا ترجمہ آپ نے اردو اشعار میں کہا تھا، جو ترجمان کے کانفرنس نمبر ۱۹۶۱ء میں مطبوع ہے۔

آپ کے دعوتی اشعار کبھی کبھی انتہائی پر اثر اور دل کو چھونے والے ہوتے تھے، موضع ''پپری'' اور قرب وجوار کے گاؤں ایک زمانہ میں بدعت کا مرکز تھے، وہاں کے لوگ انتہائی متشدد رضا خانی تھے، ایک مرتبہ اس علاقہ میں ایک جلسہ ہوا تھا جس میں آپ نے جو نظم پیش کی تھی وہ اتنی مقبول ہوئی تھی کہ مہینوں ہینڈ بل کی شکل میں تقسیم ہوتی رہی، جس کا ایک بند یہ ہے۔

ہم قریب آتے گئے، اور دور تم ہوتے گئے
ہم سے کیوں روٹھے ہو اے پپری بھدوکھر بھاؤ پور

اشعار میں ناموں کی سٹنگ میں آپ کو کافی مہارت حاصل تھی مثلا آپ کے یہ اشعار:

بھینس کنڈہ اور بھرولیا سے نرکھریا تلک
اور تا ابھراؤں ہمدردوں کا پھیلا جال ہے
شوق تھا تشریف لاتے حضرت عبدالغفور
رہ گئے مجبور ہم، تھا دور کتنا جودھپور
اللہ اللہ وہ خطیب الہند کا زور بیاں
بحر میں ہو لہر، یا ہو موجزن دریائے نور
کچھ ہوا تسکین جب منظر کا نظارہ ہوا
صدر ہیں اور صدر کا صد بار ہوتا ہے ظہور

اردو زبان کے علاوہ آپ عربی زبان میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں تعلیمی کانفرنس کے موقع پر جب آپ تشریف لائے تھے تب مجھ کو ایک عربی قصیدہ دکھایا تھا، میں نے کہا اردو والا دکھائیے، کہا کہ وہ اب دکھانے کے قابل نہیں رہا، کیوں کہ منصورہ کے شایان شان نہیں، میرا تصور بھی نہیں تھا کہ منصورہ اتنا عظیم ادارہ ہے، پھر آپ نے ایک طویل قصیدہ تیار کیا، جس کے کچھ اشعار یوں ہیں۔

بزم یہ ہرگز نہیں بس نظم اور تقریر کی
بزم ہے یہ تربیت ، تعلیم اور تعبیر کی
بزم یہ دانشکدوں میں روح اک دوڑائے گی
درسگاہوں میں نئی یہ روشنی اک لائے گی
جامعوں میں ابن جوزی اور رازی اب کہاں
ابن تیمیہؒ سا فکر و فن کا غازی اب کہاں
ابن قیمؒ اور کوئی علامہ شوکانیؒ نہیں
ابن رشد و بو علی سینا کا اب ثانی نہیں
بحر فن میں لاؤ تم دریائے جاری کی مثال
اور محدث دے دو مسلم اور بخاری کی مثال
فاضلو! ان نامور علماء کو پھر پیدا کرو
عہد سابق کی طرح فن کا علم اونچا کرو
سعی کامل ہو تو پھر منزل نہیں کچھ دور ہے
اک دلیل راہ مرعاۃ مبارکپور ہے
ہمت افزائی کی خاطر یہ نشاں موجود ہے
عون معبود اور تحفۃ غایۃ المقصود ہے
اے خدا! اس کوشش و اخلاص کی تو لاج رکھ
اس کے داعی کے تو سر پر عزتوں کا تاج رکھ
حاضر مجلس ہے ذاکر، دور بھی ہوتا ہوا
بزم سے رخصت ہے سب کو مرحبا کہتا ہوا

تقریباً ڈیڑھ سال سے کمزوری زیادہ بڑھ گئی تھی، سال گزشتہ ایک پروگرام میں جب میری ملاقات آپ سے ہوئی جو آخری ملاقات ثابت ہوئی، تو اس وقت آپ کافی کمزور تھے۔ ۲۲ جنوری ۲۰۰۶ء کو تین بجے رات میں فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے بے بس ہو گئے البتہ ہوش وحواس درست تھا، ۴ فروری ۲۰۰۶ء بعد نماز مغرب آپ کا انتقال ہو گیا اور ۵ فروری کو بعد نماز ظہر عید گاہ سے متصل قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

(مجلہ صوت الحق مالیگاؤں فروری ۲۰۰۶ء)

❑❑❑

مولانا عبدالعزیز جامی عمری رحمۃ اللہ

وفات ۱۱/نومبر ۲۰۰۷ء

مولانا محمد ثناء اللہ عمری۔ایم اے عثمانیہ

چنئی (مدراس) سنٹرل سے تیز رفتار ٹرینیں ممبئی (بمبئی) کے رخ چلنے لگتی ہیں تو کوئی دس گیارہ گھنٹوں کے بعد ''ادھونی'' نام کے اسٹیشن پر دم بھر کے لیے دم لیتی ہیں، جو آندھرا پردیش کے ضلع کرنول کی ایک تحصیل ہے۔خاصا بڑا تجارتی شہر ہے، بلکہ تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ مسلمان یہاں زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں ہیں۔معیشت کی پوچھیے تو ہر جگہ کی طرح یہاں بھی ان میں امارت کے ساتھ غربت بھی ہے۔ان دونوں حالتوں میں ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ مختلف مسلکوں کے پیرووں میں علم وعمل کے چرچے بھی مدتوں سے چلے آ رہے ہیں۔ ع

یارِ ما ایں دارد وآں نیز ہم

اسی شہرِ ادھونی میں بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ایک صاحب محمد حسین نامی تھے۔معلوم نہیں پیشہ کیا تھا۔البتہ یہ معلوم ہے کہ وہ مسلکاً اہل حدیث تھے۔پکے متبع کتاب وسنت۔

ان حضرت کی کُل چھے اولادیں تھیں۔تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔نصفاً نصف۔ان میں ہمارے مولانا سب سے بڑے تھے۔ پہلوٹھی کی اولاد، اور اس حیثیت سے گھر گھرانے کے نورِ نظر۔اللہ کی شان، اس پہلے نورِ نظر نے آنکھ کھولی تو سالِ نو کی صبح تھی کہ تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۲۵ء ہے۔حسین صاحب کے خواب کی ایک حَسین تعبیر۔سارا خاندان خوشی سے اچھل پڑا ہوگا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ چمڑے کی تجارت میں ''روشن کمپنی'' کا نام ملک کے اندر اور ملک سے باہر بڑا روشن تھا۔اس کی ایک شاخ ادھونی میں بھی تھی۔اس کے زیر اہتمام مسجد اہل حدیث سے ملحق ایک مکتب قائم تھا۔ہونہار عبدالعزیز کی ابتدائی تعلیم یہیں ہوئی۔ناظرۂ قرآن انھوں نے یہیں پورا کیا۔رائج الوقت اردو ریڈریں بھی یہیں پڑھیں۔پڑھائی کے ساتھ لکھائی بھی یہیں سیکھی۔

خدا جانے کس کی تحریک تھی کہ عبدالعزیز صاحب ۱۹۳۴ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد میں، پہلی جماعت میں جا داخل ہوگئے۔ اس وقت ''عمر عزیز'' کا دسواں سال تھا۔اس زمانے میں وہ جامعہ کے سب سے کم سن طالب علم تھے۔

ان دنوں جامعہ میں طلبہ بہت کم ہوا کرتے تھے۔چناں چہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنے ہم سبق ساتھیوں میں صرف پانچ نام گنائے ہیں: مولوی عبدالقادر کوکن، مولوی عبدالوہاب مینم بوری، مولوی پی۔محمد ملیباری، مولوی کنجی محمد ملیباری، اور مولانا عبدالعزیز اعظمی رحمھم اللہ۔مطلب یہ کہ فراغت کے وقت جماعت میں یہ پانچ ہی تھے۔

مولانا کو جامعہ میں ایسا عہد ملا تھا جو اساتذہ کے اعتبار سے بڑا امتیاز تھا۔اس فہرست میں ہمیں مولانا احمد اللہ خان صاحب، مولانا عبدالحکیم صاحب میسوری، مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی، مولانا حافظ عبدالواجد صاحب رحمانی، مولانا عبیدالرحمن صاحب عاقل

رحمانی، مولانا محمد نعمان صاحب اعظمی، مولانا غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی، مولانا محمد اسماعیل صاحب پیارم پیٹی اور مولانا فضل اللہ صاحب ناظمِ جامعہ کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا حبیب خان صاحب عمری کا بھی نام لینا ضروری ہے جو ہمارے مولانا کے انگریزی کے استاذ تھے۔ حسنِ اخلاق اور شوقِ علم کی وجہ سے سبھی اساتذہ ادھونی کے اس طالبِ علم کو بہت چاہتے تھے۔

طالب علمی ہی کے زمانے کی بات ہے کہ جامعہ کے ایک ممتاز استاذ حضرت مولانا غضنفر حسین شاکر نائطی نے اپنے اس شاگرد کے لیے ''جامی'' تخلص پسند فرمایا۔ جامیؔ صاحب نے شاعری انھی بزرگ سے سیکھی۔ اصلاح زیادہ تر حضرت ہی دیا کرتے تھے۔ ویسے کبھی کبھی مولانا حبیب خان صاحب سے بھی اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کا پہلا شعر یہ تھا ؎

محمد مصطفی کا بس ہمیں دیدار ہوجانا
یہاں اک بار ہوجانا ، وہاں ہر بار ہوجانا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامی صاحب کی شاعری ''یوسف وزلیخا'' والے جامی کی شاعری جیسی جام ومینا اور زلف وکاکل کی شاعری نہیں تھی، اور جیسی کچھ تھی اس سے دل چسپی جلد ہی ختم ہوگئی۔ یہ سلسلہ جاری رہا تو بس اس قدر کہ جنھیں وہ اپنا گردانتے ان کی مسرت وشادمانی کے موقعوں پر تہنیتیں لکھ دیا کرتے۔ تخلص سے انھوں نے بس اتنا ہی کام لیا۔ اس پر بھی تخلص نام پر حینِ حیات غالب رہا۔ یعنی سب کی زبان پر ''جامی صاحب'' ع

نام ان کا آسماں ٹھہرالیا تحریر میں

اوپر ذکر آچکا ہے کہ جامی صاحب اپنے وقت میں جامعہ کے سب سے کم سن طالبِ علم تھے۔ اب سنیے کہ انھوں نے بڑی کم عمری میں جامعہ سے فراغت پائی۔ یعنی ۱۹۴۱ء میں، جب کہ کُل سترہ برس کے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھونی کا یہ طالب علم دُھن کا پکا، ذہین اور محنتی تھا۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ میں قدم رکھا اور آٹھ جماعتیں آٹھ برس میں پوری کر کے ۱۹۴۱ء میں فارغ التحصیل ہوگیا۔ کم سنی میں درسِ نظامی کا ہفت خواں طے کر لینے کی مثالیں شاذ ونادر ہی ہیں ع

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

جامعہ سے فراغت کے بعد بھی مولانا جامی نے اپنا علمی سفر برابر جاری رکھا۔ چناں چہ ۱۹۴۳ء میں منشی فاضل (فارسی) اور ۵۶ء میں افضل العلماء (عربی) اور اسی موخر الذکر امتحان میں کامیابی کی بنیاد پر انگلش پارٹ II نکال لیا اور بی۔ اے۔ کی ڈگری لی۔ واضح رہے کہ یہ تینوں کورس جو انھوں نے پاس کر لیے، مدراس یونی ورسٹی کے تھے۔

اس کے علاوہ انھوں نے دو امتحان اور بھی پاس کر لیے۔ ایک پنڈت ٹریننگ کا سرکاری امتحان اور دوسرا آل انڈیا آرمی ایجوکیشنل کورس جو چالیس دن کا تھا۔ ان تعلیمی صلاحیتوں سے عیاں ہے کہ جامی صاحب کی علمی قابلیت جامع قسم کی تھی۔

راقم نے پوچھا نہیں، اور مولانا نے بتایا نہیں، اس لیے قیاس سے کام لے کر کہنا پڑتا ہے کہ وہ شروع سے اخیر تک درجۂ اول کے طالب علم رہے ہوں گے۔ ورنہ ان کی علمی لائن میں تنوع نہ ہوتا۔ کم نمبروں سے کامیاب ہونے والا بھانت بھانت کے امتحان کیوں دینے لگا!

حصولِ علم کے بعد حصولِ معاش کے لیے مولانا نے تدریسی پیشہ اختیار کیا۔ سنہ کی صراحت کے بغیر انھوں نے لکھا ہے کہ وہ

گورنمنٹ مدرسۂ اعظم، مدراس میں آٹھ برس تک عربی زبان کے مدرس رہے۔اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس میں عربی کے پروفیسر ہوئے۔ان دنوں اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں کا ایک ہی شعبہ تھا۔ یہاں عبدالمجید صاحب ایم۔اے سینئر پروفیسر تھے۔شعبے کے پیش رووں میں مولانا نے تین حضرات کے نام لیے ہیں: مولانا فاروقی، مولانا حبیب خاں اور مولانا حیدر علی، اور پرنسپل تھے شبیر احمد جو ترقی پاکر تعلیمات کے ڈائرکٹر ہوے۔

مدرسۂ اعظم کی طرح آرٹس کالج میں بھی وہ آٹھ ہی برس برسرخدمت رہے۔اس کے بعد تبادلے پر وہ آرٹس کالج ،نندم، مدراس گئے اور ۱۹۸۳ء میں وہیں سے وظیفہ لیا۔۔۔اس طرح درس وتدریس کی مدت کُل ملاکر ۲۶ برس کی ہوی۔۔تدریس کے ساتھ مولانا نے چندے تجارت بھی کی۔

ہمارے ملک کے اور شہروں کی طرح شہر مدراس میں بھی سرکاری قاضی کا منصب موجود ہے۔غالبًا ۱۹۸۳ء تھا اور سر قاضی مولانا حبیب اللہ صاحب تھے کہ ہمارے مولانا ان کے نائب ہوے۔مولانا فرماتے ہیں:

’’نائبین کو دفترِ نکاح قاضی صاحب کی طرف سے ملتا ہے۔نکاح سے متعلق فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔سال میں ایک بار میٹنگ ہوتی ہے، ہدایات ملتی ہیں‘‘۔

راقم کو مولانا کا خطبۂ نکاح سننے کا موقع نہیں ملا۔البتہ سننے میں آیا ہے کہ خطبے کے بعد مولانا کا خطاب ہوتا تھا۔ بڑا زوردار اور دل پذیر، مرغوبِ خاص وعام۔بحد یکہ عبدالعزیز صاحب ہر دل عزیز ہو گئے تھے۔

ابھی گزر چکا ہے کہ مولانا صاحب سرقاضی صاحب کے معاون تھے، مگر وقت پڑنے پر حق گوئی کا حق ادا کردیتے۔قاضی صاحب کی نیابت کی ذرا بھی پروانہ کرتے۔چناں چہ ۱۹۹۵ء کی بات ہے کہ قاضی صاحب نے آٹھ رکعت تراویح کے خلاف فتویٰ ٹھوک دیا۔ مولانا نے ان حضرت کا تعاقب کیا۔یہ مضامین مقامی روزنامہ ’’مسلمان‘‘ میں چھپے۔قاضی صاحب نے خاموشی میں عافیت دیکھی ع

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مولانا، ادھونی (آندھرا پردیس) کے باشندے تھے۔آبائی وطن وہی تھا، مگر ۱۹۵۲ء سے شہر مدراس میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔پہلے پہل تو لگاتار بارہ برس تک مسجدِ اہل حدیث آلندور، مدراس کے ہمسایہ رہے۔اس کے بعد تنیام پیٹ میں انجمن حمایت اسلام سے قریب، بلکہ انجمن کے کوارٹرس میں بودوباش اختیار کرلی۔

بڑی بات یہ کہ پروفیسری کی، وظیفہ لیا، سکونت مختلف مقامات پر رہی، مگر انھوں نے علمِ نبوت کا منصب فراموش نہیں کیا۔ دعوت وتبلیغ سے لگے چمٹے رہے۔حینِ حیات خیرِ امت کے ایک فرد کا، علمِ نبوت کے وارث کا فریضہ انجام دیتے رہے۔علم کے ساتھ عمل کا دامن تھامے رہے۔جامعہ دارالسلام کے نمک کا حق ادا کرتے رہے۔۔۔اس سلسلے کی کچھ باتیں ملاحظہ ہوں:

مولانا امام تو کہیں نہیں رہے، البتہ مختلف مسجدوں میں خطیب رہے ہیں۔مسجد یعقوبیہ اہل حدیث مدراس میں بارہ برس اور مسجد مبارک، دھوبی پیٹ مدراس میں چھے ماہ تک جمعہ کے خطبات دیتے رہے۔اس کے بعد انجمن حمایت اسلام مدراس کی مسجد میں ۱۹۷۱ء سے جمعہ کے خطبات کا سلسلہ جو شروع ہوا تو کم ازکم تیس برس تک جاری رہا۔ جمعہ کے خطبات کے علاوہ مولانا نے دھوبی پیٹ عیدگاہ میں عیدین کے خطبے بھی زمانۂ دراز تک دیے تھے۔علاوہ ازیں کہیں سے وعظ وبیان کے لیے بلاوا آتا تو لبیک کہتے۔خطبات سے ہٹ

کر مولانا نے مدتوں قرآن وحدیث کے درس بھی دیے ہیں۔ یہ سلسلہ جامع مسجد اہل حدیث حفیظیہ کے علاوہ حنفی مسجد اکبر میں بھی چلتا رہا۔ یہ دونوں خاص شہر مدراس کی مسجدیں ہیں۔

زبان کے ساتھ ان کا قلم بھی چلتا تھا۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ آٹھ رکعات تراویح پر ان کے مضامین ''مسلمان'' میں چھپے تھے۔ یہاں کہنا اس سلسلے میں یہ ہے کہ باوٹا کے مالک حاجی عبدالعزیز صاحب جب تک بقیدِ حیات تھے تحریک کرتے تھے کہ فلاں مسائل پر رسالے لکھیے اور مولانا لکھ دیا کرتے تھے۔

وہ آبائی اہل حدیث تھے اور حینِ حیات اہل حدیث ہی رہے، مگر تشدد سے دور تھے۔ راہ اعتدال کے پیرو، اپنی مادرِ علمی کی روایت کے پاسباں، اور سبھی مسلکوں کے اساطین کے معتقد اور ان کی دینی خدمات کے قائل وقدرداں تھے۔

مدتوں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ جمعیت اہل حدیث مدراس کے تو ایک عرصے تک سکریٹری رہے۔

مولانا نے کل چار حج کیے تھے۔ پہلا حج ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ یہ سفر بحری جہاز سے ہوا تھا۔ اس میں رفیق سفر فرزند عبدالحیٔ اور داماد شیر خان محمد اسحاق صاحبان تھے اور یادش بخیر مولانا کے ہم مکتب مولانا اللہ بخش صاحب نوری کا بھی ساتھ رہا تھا جو بڑے ظریف آدمی تھے۔ ان کی ظرافت نے سفر کی کلفت محسوس ہونے نہیں دی۔

اب کچھ باتیں نج کی بھی ہو جائیں : ادھونی میں ایک تاجر چرم عبدالواحد صاحب تھے۔ مخیر ایسے کہ ایک زمانے تک جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ کے طلبہ کے لیے اناج بھیجا کرتے تھے۔ بڑے دین دار اور پکے اہل حدیث تھے۔ ادھونی اور اس کے نواح میں اہل حدیث مسلک کی دعوت واشاعت میں بعض اور لوگوں کے ساتھ ان کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔ بہر حال یہاں کہنا یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء تھا کہ مولانا کی شادی انھی حضرت کی صاحب زادی سے ہوئی۔ ماشاء اللہ یہ رشتہ بڑا بابرکت ثابت ہوا، مولانا کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ سبھوں کی شادیاں بھی مولانا نے ہی کردیں، اولاد کی اولاد بھی مولانا نے دیکھی اور آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان کی یہ پشتیں علم وعمل دونوں میں مولانا کی وارث ہیں، نظر بددور۔

یاد پڑتا ہے کہ یہ نام سب سے پہلے جامعہ کی پرانی درسی کتابوں میں لکھا دیکھا تھا، ایک اور نام ''عبدالرشید ادھونی'' کے ساتھ جو مولانا کی صراحت کے مطابق ان کے تایا زاد بھائی تھے۔ جامعہ کے فاضل، اسکول کے اردو مدرس، وطن میں خطیب۔

مولانا کو سب سے پہلی بار دیکھا جمعیت اہل حدیث اضلاع سرکار کے سہ روزہ اجلاس کے موقع پر جو ۸۔۱۰ جنوری ۱۹۸۲ء کو شہر وجیاواڑہ میں منعقد ہوا تھا۔ مولانا نے اجلاس کی آخری نشست میں زوردار تقریر کی۔ اور چوں کہ یہ اجلاس میرے زیرِ انصرام ہوا تھا، اس لیے میرے حق میں بڑے ہمت افزا کلمات کہے اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ ایسے خُردنواز اب کہاں:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

اسی ملاقات کے بعد مولانا سے مراسلت کا بھی سلسلہ چل پڑا، جانے ان کے کتنے گرامی نامے میرے نام آئے تھے۔ رہ گئے صرف سات آٹھ ہیں۔ ان کا خط صاف اور شستہ سا ہے۔ رہا خط کا مضمون تو معلوم ہوتا ہے محبت سے ابلے پڑتے ہیں۔ ذرہ نواز ایسے

کہ مکتوب الیہ شرم سار ہو کر رہ جائے۔ آداب والقاب ایسے کہ مخاطب گویا کوئی برابر والا یا بڑا آدمی ہے۔

مراسلت کی تقریب کی بابت بھی چند کلمات کہہ دینے مناسب ہیں ع

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

۱۹۹۱ء میں مجھے خیال ہوا کہ جامعہ کے سابق ناظم شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانیؒ کی حیات وخدمات پر ایک مجموعۂ مضامین مرتب کر کے چھپوانا چاہیے۔ مضمون نگاروں کی جو فہرست میرے ذہن میں تھی اس میں مولانا جامی کا نام نامی بھی تھا، جو شیخ الحدیث کے چہیتے شاگرد تھے۔ چناں چہ میں نے مولانا سے درخواست کی، جو انھوں نے منظور فرمالی، اور ایک مختصر سا مضمون لکھ کر بھیجا جو ''تذکرۂ واجدی'' میں شامل ہے۔

بزرگوں کے اس عقیدت کیش کو ''تذکرۂ واجدی'' کی ترتیب کے بعد توفیق ملی کہ جامعہ کے سابق نائب ناظم حضرت مولانا عبدالسبحان اعظمیؒ کی حیات وخدمات سے متعلق بھی ایک مجموعہ مرتب کرے۔ چناں چہ میں نے اب کی بھی مولانا جامی کو زحمت دی اور انھوں نے اس بار بھی مضمون لکھ بھیجا جو ''بات ایک مسیحا نَفَس کی'' نام والے تذکرے میں شامل ہے، جو ۱۹۹۹ء میں چھپ کر شائع ہوا۔

مولانا کی عالی ظرفی ملاحظہ ہو کہ ان دونوں موقعوں پر مجھے لکھا کہ ان مضامین میں حذف واضافے کا آپ کو پورا اختیار ہے۔ مضمون چھپے یا کسی وجہ سے چھپ نہ سکے، دونوں حالتوں میں ممنون رہوں گا۔

پریس سے آنے کے بعد ان دو کتابوں کے علاوہ میں نے ''مجھے یاد آنے والے'' نامی سوانحی خاکوں کا مجموعہ بھی ہدیۃً ان کی خدمت میں ارسال کیا۔ ان کی رسید میں انھوں نے دل کھول کر لکھا کہ اب تک میں مختلف رسائل وجرائد میں آپ کے مضامین ہی دیکھتا رہتا تھا۔ اب آپ کی مرتب کردہ کتابیں دیکھنے پڑھنے کو ملی ہیں ع

اللہ کرے زورِ قلم اور ہو زیادہ

۱۹۹۹ء کے اوائل کی بات ہے کہ مدراس یونی ورسٹی کی دعوت پر یہ ناچیز مدراس جا کر مولانا ابوالکلام آزادؒ پر انگریزی میں دو لکچر دے آیا۔ سامعین میں ہمارے مولانا بھی موجود تھے۔ ان لکچروں سے خوش ہو کر مولانا نے مجھے ایک مفصل تہنیتی مکتوب لکھا تھا، جو میرے پیش نظر ہے۔ یہ مولانا کا اونچا ظرف تھا کہ ایک چھوٹے عمری برادر کے اس اعزاز کو اپنے لیے باعث افتخار جانا، جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مولانا کے جو خطوط محفوظ رہ گئے ہیں ان میں ایک بات قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے۔ یعنی انھوں نے لکھا ہے کہ مدراس جاؤں یا عمرآباد آتے جاتے اس شہر سے گزروں تو ان کے دولت خانے پر حاضری دوں۔ ۹۸ء تھا، سمر اسلامک کیمپ سے فراغت کے بعد خیال ہوا وطن واپس ہوتے ہوئے کھڑی سواری مولانا کی خدمت میں حاضری دوں اور دعائیں لیتا جاؤں۔ حسنِ اتفاق کہ مولانا کے ایک پوتے یا نواسے ساتھ تھے جو سمر کورس میں شرکت کے بعد گھر جا رہے تھے۔ میں ساتھ ہو لیا۔ مولانا بڑی شفقت اور محبت سے ملے۔ بڑی پُرلطف باتیں کیں۔ پُرتکلف ظہرانہ ساتھ لے کر کھلایا۔ چوں کہ مجھے دو بجے کی ٹرین سے نکلنا تھا، اس لیے کار میں بٹھا کر اسٹیشن بھیجا۔ وقت بہت تنگ تھا، اس لیے جی بھرا نہیں:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

گھر واپسی کے دوڈھائی ہفتے بعد مولانا کا محبت نامہ موصول ہوا، لکھا تھا:

''کار میں بٹھا کر آپ کو مکان سے روانہ کر دیا۔ بچوں نے آپ کو ریل پر سوار بھی کرایا۔ آپ کا جواب نہ آنے سے ہم سب سخت پریشان ہیں...... ہم سے کسی قسم کی کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ یہ خط دیکھتے ہی آپ ٹیلی گرام سمجھ کر ہم کو خط لکھیں''۔

بات یہ ہوئی کہ مئی کا مہینہ تھا، چلچلاتی دھوپ کے وقت کا سفر، لُو لگ گئی، گھر پہنچتے پہنچتے حال پتلا ہو گیا۔ مولانا کو واپسی کا اطلاعی خط لکھ نہ سکا۔ اس پر مولانا نے دریافتِ حال کے لیے یہ سطریں لکھ بھیجیں۔ ہم میں سے کتنے ایسی باتوں کا خیال کرتے ہیں!

مولانا کے ایک سفر کی بات ذرا پہلے ہی کہہ دینی تھی۔ میرے اس سفر کے ضمن میں اب یاد آئی، درج کیے دیتا ہوں۔ مولانا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید ہاشم صاحب وانم باڑی، جو ابتدا میں دارالسلام کے طالب علم تھے، بعد میں دیوبند سے فراغت پا کر مولانا احمد علی رحمہ اللہ مفسرِ ہند کے پاس چھ ماہ کا کورس کرنے کے لیے آئے۔ راولپنڈی سے واپسی پر میں لاہور میں اتر پڑا اور مولانا ہاشم صاحب جو میرے ہم جماعت تھے ان کی ملاقات کی غرض سے مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے پاس چار پانچ دن رہا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی بھی زیارت کی، جامع مسجد لاہور بھی دیکھی''۔

مولانا نے یہ تصریح نہیں فرمائی ہے کہ وہ راولپنڈی کب اور کیوں تشریف لے گئے تھے۔

مولانا کو فشارِ خون (B.P) اور ذیابیطس کی شکایتیں تھیں جو آج کل عام ہیں۔ میں وقتاً فوقتاً مولانا محمد سلیمان صاحب عمری مدراسی سے مولانا کی خیر و عافیت دریافت کر لیا کرتا تھا۔ اس دوران میں امریکہ گیا۔ وہیں تھا کہ یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ مولانا جامی ۱۱/نومبر ۲۰۰۷ء کو مالک و مولیٰ سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مزید معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ مرحوم کے فرزند ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے پڑھائی اور تدفین آلندور (مدراس) کے قبرستان میں عمل میں آئی، اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه۔۔۔

خدا کی شان کہ پہلے پہل بارہ برس تک مولانا نے جس محلہ میں بود و باش رکھی تھی، وہی آخری آرام گاہ قرار پایا۔ اللہ ان کی تربت ٹھنڈی رکھے۔ آمین۔ عمر عزیز ٹھیک تراسی (۸۳) سال کی تھی۔

اب اخیر میں بیک نظر سراپا بھی دیکھ لیجیے۔ قد موزوں حد تک دراز اور سیدھا، رنگ خوب گورا، سر بڑا، پیشانی کشادہ، آنکھیں بڑی اور چمک دار، دہانہ چھوٹا، گھنی شرعی ڈاڑھی، سر پر بال بھی شرعی، بات کرتے کبھی مسکراتے، کبھی قدرے سنجیدہ ہو جاتے، خاصے جہیر الصوت تھے، سر پر صافہ باندھتے، شیروانی پہنتے، پوشاک عموماً اجلی اور سفید، ہاتھ میں غالباً عصا بھی جو پیری کا اور دہ تھا، رہے نام اللہ کا۔

❑❑❑

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث
مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈویؒ
حیات وخدمات

وفات ۹ مارچ ۲۰۱۰ء

مولانا محمد رحمانی/مولانا یار محمد سلفی

جماعت اہل حدیث کی سب سے قیمتی شناخت یہ رہی ہے کہ اس جماعت میں بڑی عظیم، متواضع اور گہری علمی لیاقت، رکھنے والی ایسی شخصیات ہر دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں، جنہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، ان کے یہاں تاویل باطل اور فاسد توجیہ کا گزر کہیں سے کہیں تک بالکل بھی نظر نہیں آتا، اپنے کسی بزرگ یا کسی بڑی شخصیت کی رعایت یا احترام اور لحاظ میں یہ کبھی بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے اصولوں کو مرجوح یا کمزور کرنے کی جرأت تو دور، سوچ بھی نہیں سکتے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کا پورا سلسلہ ذہبیہ اسی جماعت حقہ سے وابستہ رہا اور اسی جماعت نے تمام ادوار میں بدعات وخرافات اور اہل کلام کے تمام فتنوں کا کھل کر سامنا کیا اور کلام الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ ہتھیار بنا کر تمام فتنوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ یقیناً یہ امتیاز جماعت اہل حدیث کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

صحابۂ کرام تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین وفقہاء اور تمام ادوار میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں اور بالخصوص دفاع اسلام کا بھرپور حق ادا کرنے والوں کا شمار اسی جماعت کے سپہ سالاروں میں ہوتا رہا ہے اور یہ شاندار سلسلہ آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ ان شاءاللہ۔

برصغیر ہندوپاک اور وطن عزیز ہندوستان کی سرزمین پر بھی یہ طویل سلسلہ جاری وساری رہا ہے، تقسیم ملک کی کاری ضرب کے بعد ہندوستان میں تقریباً مسلمانوں کے تمام نشاطات کو نیست ونابود کرنے کی جوسعی کی گئی اس کے بعد بھی علماء حق کی کاوشوں کے نتیجہ میں نئے سرے سے مختلف مقامات پر نمایاں کارنامے وجود میں آئے۔ مدارس ومراکز قائم کئے گئے، مساجد کا جال بچھا دیا گیا، اسلامی نشاطات کے فروغ کے لئے مختلف کاوشیں عمل میں آئیں۔ مدارس نے محنت وکاوش کر کے ایسے علماء پیدا کئے جنہوں نے صرف ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں وطن عزیز کا نام روشن کیا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کا قیام بھی ہے جسے اپنے خون اور پسینہ سے سینچنے کے لئے والد گرامی مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی کھپا دی اور پورے ہندوستان میں مدارس، مکاتب، اسکول اور مساجد کا جال پھیلا دیا، انہوں نے صرف سنٹر ہی نہیں بلکہ ملکی پیمانہ پر وجود میں آنے والے بہت سے

تعلیمی اداروں کے لئے بھرپور کاوشیں کیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ بہت سے اداروں کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے بھرپور سعی کی تو مبالغہ نہ ہوگا، جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم، بنارس، جامعہ دارالسلام، عمرآباد، تملناڈو، جامعہ ہمدرد دہلی بالخصوص اور نہ جانے کتنے چھوٹے بڑے ادارے جنہیں بھرپور تعاون مہیا کرا کر جلا بخشی اور تاعمر جماعتی کاز کے فروغ کے لئے تن من دھن کے ساتھ لگے رہے، اگر کسی سے دوستی کی تو سنت رسول اور منہج صحیح کی ترویج کے لئے اور اگر اختلاف کیا تو بھی منہج حق کے دفاع کے لئے۔

والدگرامی مولانا عبدالحمید رحمانی صاحب رحمہ اللہ کے استاذگرامی استاذ الاساتذہ مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ بھی اس قیمتی سلسلہ کی ایک کڑی تھے، یقیناً والد رحمہ اللہ کی تربیت پر ان کی بھی چھاپ تھی، ان کی شخصیت سے متاثر ہونے کی وجہ سے والد رحمہ اللہ نے ان کو ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے عاملہ وشوری کے لئے رکنیت کی پیش کش کی اور وہ اپنی وفات تک سنٹر کی رکنیت اور کچھ مدت تک نائب صدر کے عہدہ پر فائز بھی رہے۔ مجھے سنٹر میں ان کی آمد اور ان کا پررونق چہرہ اب بھی یاد ہے، تواضع وانکساری، شفقت ومودت کی وہ اعلیٰ مثال تھے، غالباً ایک بار میں نے ان کے ساتھ سنٹر کی علی گڑھ برانچ کی زیارت والد رحمہ اللہ کے حکم پر کی تھی، ساتھ میں علماء کرام کی ایک ٹیم بھی تھی۔ مولانا محمد عمر رحمہ اللہ والد رحمہ اللہ کے استاذ ہونے کے باوجود ان سے متاثر تھے اور ان کی عالمانہ شخصیت کے بھرپور قائل بھی تھے یہی وجہ ہے کہ وہ سنٹر سے منسلک بھی رہے اور اپنے گرانقدر تجربات سے بھی سنٹر کو نوازتے رہے۔

والد رحمہ اللہ اور مولانا محمد عمر رحمہ اللہ دونوں ہی شخصیات کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک خوبی جماعت اہل حدیث اور تمام اہل توحید کے لئے ان بزرگوں کے بےلوث محبت اور جماعتی ومنہجی کاز کی ترویج کے لئے ان کی تڑپ تھی اور اسی تڑپ اور محبت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی ان کو یاد کیا جاتا ہے اور ان کے کارناموں کے نتیجہ میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

مولانا محمد عمر صاحب رحمہ اللہ سے متعلق یہ جامع مضمون ابوالکلام آزاد، اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے شعبۂ دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار مولانا یار محمد سلفی حفظہ اللہ جو خود بھی مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد رہے ہیں، نے تیار کیا ہے۔ اس مضمون میں چند ایسے تلخ حقائق بھی تھے جو جماعت کی جانب سے ان دونوں بزرگوں کو زندگی کے مختلف مراحل میں برداشت کرنے پڑے لیکن جماعت کے موجودہ حالات کے پیش نظر میں نے مضمون پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان حقائق کو حذف کردیا ہے۔ وہ تلخ حقائق کسی نہ کسی شکل میں پہلے اختصار کے ساتھ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

اللہ رب العالمین جماعت اہل حدیث کے تمام افراد کو اپنے علماء کی قدر کرنے اور شخصیات کے مقام کو سمجھ کر ان کا احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (محمد رحمانی مدنی)

● ● ● ● ● ● ● ● ●

نام ونسب: محمد عمر بن عبدالرحیم بن خدا بخش

کنیت: ابوالعرفان

پیدائش ومقام پیدائش: ۱۹۲۰ء میں ضلع گونڈہ میں واقع موضع سسئی جوگا میں ولادت ہوئی۔

مستقل سکونت: موضع اوسانی فیروز، پوسٹ نرہرپور، بلرام پور یوپی۔

حلیہ، وضع قطع اور اوصاف: درمیانی قد، چوڑی پیشانی، گندمی رنگ، رعب دار چہرہ، گھنی دراز داڑھی، لمبا کرتا، ٹخنے سے اوپر شلوار، صدری، عربی رومال پسندیدہ لباس، قناعت وسادگی پسند، صبر وتحمل کا پیکر، عدل وانصاف کا خوگر، زہد وورع اور تدوین وتقویٰ شعار، باہمت وجری، بے باک ونڈر، حق گو وراست باز، باغیرت وخوددار، متواضع وبردبار، گرج دار آواز، شیریں وپرکشش انداز بیان، حق کے لئے نرم، باطل کے لئے گرم، معاملہ فہم اور فراست ودانائی میں اعلیٰ مقام پر فائز جیسے خصائل ان کے اوصاف حمیدہ میں سے تھے۔

خاندانی پس منظر: مولانا رحمہ اللہ کا آبائی وطن ضلع بارہ بنکی میں واقع موضع بھوانی گنج تھا جو شرک وبدعات اور شیعیت کا گڑھ تھا، یہاں مسلم آبادی میں شیعہ افراد کی اکثریت کی وجہ سے تعزیہ داری، ماتم کنی، نوحہ اور مرثیہ خوانی وغیرہ جیسے غیر اسلامی تہذیب وتمدن کا غلبہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اہل تشیع سنی مسلمانوں کو اپنے عقائد اور افکار ونظریات کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتے بلکہ اس تعلق سے تمام عادات واطوار کی پابندی کے لئے انہیں مجبور بھی کرتے تھے اور اس سلسلہ میں انہیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی تھی، کیونکہ مسلمان خود اسلام کی پاکیزہ اور صحیح تعلیمات کے برخلاف بدعات وخرافات، شخصیت وقبر پرستی، تصوف وعجمیت اور الحاد وبے دینی میں مبتلا تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کے والد محترم جناب عبدالرحیم رحمہ اللہ گاؤں گاؤں کپڑے بیچنے کی تجارت کرتے تھے، اسی سلسلہ میں اہلحدیث آبادی پر مشتمل ضلع بارہ بنکی کے معروف جڑوا گاؤں موضع ٹیرا،ٹکرا ان کی آمد ورفت تھی جہاں پہلے ہی سے اہل حدیث افراد کی اچھی تعداد تھی، چونکہ وہ ابتدا ہی سے دین پسند تھے، اس لئے وہاں اپنے قیام کے دوران وقت پر صلوات کی ادائیگی کے لئے مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔ انہوں نے وہاں اپنی عادت وطریقہ کے برعکس لوگوں کو صلوات ادا کرتے دیکھا اور اس بارے میں لوگوں سے استفسار کیا۔ اس طرح سنت کے مطابق طریقۂ صلاۃ سمجھنے کا انہیں موقع ملا۔ ایک تاجر ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے وہ وسیع ذہن وفکر کے حامل تھے، اس لئے صحیح اسلامی طریقہ سامنے آجانے کے بعد اسے اپنانے میں دیر نہ ہوئی بلکہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، پھر کیا تھا جب بھی اس گاؤں میں آتے دین اسلام کی صحیح تعلیمات حاصل کرنے کے لئے وہاں کے علماء، دیگر دیندار افراد سے ربط قائم کرتے، اس طرح انہوں نے اپنے عقیدہ ومسلک کو قرآن وحدیث اور منہج سلف صالحین کے مطابق ڈھال لیا اور شاہراہ کتاب وسنت پر گامزن ہو گئے اور ان میں ایسی تبدیلی آئی کہ آئندہ جہاں بھی اپنی تجارت کے لئے جاتے وہاں کے مسلمانوں کی دینی اصلاح کی مکمل کوشش کرتے۔ ان کو قبر پرستی، بدعات وخرافات اور تقلید شخصی سے روکتے اور انہیں کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات اپنانے پر زور دیتے۔ اس طرح تجارت کے ساتھ دین صحیح کی اشاعت وتبلیغ کو انہوں نے اپنا ایک بنیادی مشن بنالیا اور بحمد اللہ اس راہ میں وہ عظیم کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے رہے۔

مذکورہ گاؤں ہی میں ان کی بالترتیب تین اولاد ''صدیق حسن رحمہ اللہ، سراج النساء، اور خاتون'' کی پیدائش ہوئی۔ موصوف تین بھائی تھے جن میں خود بڑے تھے۔ رمضان صاحب درمیانی اور احمد صاحب رحمہ اللہ سب چھوٹے تھے۔ رمضان صاحب آباء واجداد کے رسم ورواج ہی پر ثابت قدم رہے، البتہ احمد صاحب رحمہ اللہ ان کی دعوت پر اپنے مشرکانہ، مبتدعانہ اور توہم پرستانہ اعمال وافعال سے تائب ہو کر موحد اور مسلک سلف صالحین سے وابستہ ہو گئے تھے اور دعوتی کاموں میں ان کے ہم خیال اور معاون بن گئے تھے۔

کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی خالص اسلامی ذہنیت کا حامل ہونے کی بنا پر عبدالرحیم رحمہ اللہ گاؤں کے غیر اسلامی مشرکانہ،

مبتدعانہ اورشیعیانہ ماحول سے بالکل اکتا چکے تھے، اس لئے وہ خود کو، اپنے اہل خانہ اور آئندہ کی اپنی نسل کو وہاں کے خانقاہی اورشیعیت زدہ ماحول کی مسموم فضاؤں کے زہریلے تباہ کن اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی دوسری مناسب جگہ کے متلاشی تھے۔ اسی الجھن واضطراب اور ذہنی انتشار کے دوران ان کی ملاقات کرنیل گنج سے شمال جانب تقریباً چودہ کلومیٹر فاصلہ پر واقع موضع سسئی جوگا کی ایک باا ثر شخصیت جناب حاجی نامدار صاحب سے ہوئی جن سے ان کے تجارتی روابط تھے۔ چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنے گاؤں کے غیر دینی ماحول، شیعوں کی ظلم وزیادتی اور مذہبی امور میں ان کی بیجا مداخلت کا ان سے تذکرہ کیا اور اسے ایسے مسحور کن انداز میں پیش کیا کہ حاجی صاحب اس سے متاثر ہو کر ان کے درد کا درماں بن گئے اور انہوں نے ان کو مع اہل وعیال اپنے یہاں سکونت اختیار کرنے کے لئے آنے کی دعوت دی، اس طرح وہ اپنے دین وایمان کے تحفظ وبقا کی خاطر اپنی پوری فیملی کے ساتھ سسئی جوگا میں منتقل ہو گئے۔ حاجی صاحب نے وہاں ان کی رہائش وغیرہ کا بندوبست کیا اور ذریعہ معاش کے لئے انہوں نے اپنا کپڑے کا قدیمی کاروباری سلسلہ جاری رکھا اور حسب عادت اپنی تجارت کے ساتھ قرب وجوار میں لوگوں کو کتاب وسنت کی دعوت دیتے رہے۔ اسی گاؤں میں قیام کے دوران ہی مولانا ابوالعرفان محمد عمر گونڈوی کی ولادت ہوئی۔

چند سالوں بعد حاجی صاحب کی وفات کی وجہ سے دعوتی کاز کی انجام دہی کی راہ میں وہاں کے حالات ناموافق وناسازگار ہونے کی بنا پر مولانا کے والد محترم نے مرزا پور کے حاجی خوشی محمد صاحب (ان سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے اور وہ اس وقت راجہ بلرام پور کے یہاں ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے) سے اپنے موجودہ حالات ومشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس گاؤں کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سکونت اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے ان کو بلرام پور کے ترائی علاقہ کوا پور میں بسنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ان کے تعاون سے اپنے بچوں سمیت وہیں منتقل ہو کر آباد ہو گئے، لیکن یہ علاقہ نشیبی ہونے کی وجہ سے ہر سال موسم برسات میں کئی پہاڑی نالوں بالخصوص جھارنالا کے سیلاب کی زد میں آجاتا تھا اور فصلیں تباہ ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی معاشی حالت دن بہ دن خراب ہوتی چلی جارہی تھی۔ جس کا برا اثر ان کی تجارت پر بھی پڑ رہا تھا، اس لئے اقتصادی تنگی کے پیش نظر وہ کسی دوسری مناسب جگہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اسی درمیان گھاری گھاٹ، کھوڑارے کے متوطن جناب شبراتی صاحب (جو راجہ بلرام پور کے اسامی تھے اور ان سے بھی عبدالرحیم رحمہ اللہ کے مراسم تھے) سے انہوں نے اپنے گھریلو مسائل اور پریشانیوں کا ذکر کیا۔ اس نازک موقع پر انہوں نے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر ان کے ساتھ تعاون ودلچسپی سے کام لیا اور انہیں کے مشورہ اور تجویز پر گھاری گھاٹ خطہ میں واقع موضع ڈال ڈیہہ چلے آئے اور یہیں اپنے پورے بچوں کے ساتھ مستقل طور پر بس گئے، جہاں آج بھی مولانا رحمہ اللہ کے بڑے بھائی صدیق حسن کی اولاد مقیم ہے۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں جن میں بڑا بیٹا عبدالرشید کا ۶۵ سال کی عمر میں اور سب سے چھوٹی بیٹی مریم ان کی اٹھارہ سال کی عمر میں مولانا عبدالباری ساکن اکبر پور جمنی سے شادی کردی گئی تھی، ان کی رخصتی کے چند دن بعد ہی سسرال میں وفات ہو گئی، باقی ایک بیٹی سلیم النساء جو مولانا عبدالرحمن صاحب کھیرٹیا کے حبالۂ عقد میں ہیں، ان کی عمر ۸۲ سال ہے اور دو بیٹے مولانا عطاء الرحمن اور عبداللہ صاحبان جو بالترتیب ۷۵ اور ۶۸ سال کے ہو چکے ہیں، اپنے اہل وعیال کے ساتھ باحیات ہیں۔ اسی

گاؤں کے قبرستان میں مولانا رحمہ اللہ کے والدین اور ایک بہن مدفون ہیں، یہی وجہ ہے کہ مولانا گونڈوی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ماں باپ کے جوار میں خود کو دفن کرنے کی وصیت کی تھی جس پر عمل بھی کیا گیا۔

تعلیمی مراحل: مولانا رحمہ اللہ نے ابتدائی اور پرائمری درجات سرکاری پرائمری اسکول، گھاری گھاٹ یوپی میں پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں ابتدائی دینی، اردو، عربی اور فارسی کی تعلیم کے لئے مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار، یوپی میں داخلہ لیا، وہاں ایک سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک جامعہ عالیہ عربیہ، مئوناتھ بھنجن، یوپی میں زیر تعلیم رہے۔ پھر وہاں سے ۱۹۳۷ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ سعیدیہ دہلی میں داخلہ لے لیا اور یہاں تین سال زیر تعلیم رہ کر تفسیر وحدیث اور دیگر فنون کی تکمیل کے بعد سند فراغت اور وقت کی معروف علمی شخصیت جناب مولانا احمد اللہ صاحب دہلوی پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ سے تعلیم وافتاء اور تبلیغ کے سلسلے میں سند اجازہ حاصل کی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد غازی پور، یوپی کے قصبہ بارہ میں مدرس ہوئے اور یہ تقرری روغن احمر کے مالک جناب عبدالاحد صاحب، مئوناتھ بھنجن کی کوششوں سے عمل میں آئی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۴ء تک تقریباً تین سال وہاں تدریس وخطابت کی ذمہ داریاں انجام دینے کے بعد وہاں سے بحیثیت استاذ ریاست پٹیالہ، پنجاب تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک مذکورہ عہدہ پر فائز رہے۔ یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت سکھ اور ہندو مسلم فساد وغدر کے موقع پر نامساعد حالات کی وجہ سے بدرجہ مجبوری وہاں نہیں جاسکے۔ یہ عظیم حادثہ رونما ہونے سے چند روز قبل ہی مولانا اپنے وطن مالوف چلے آئے تھے، اس لئے اس وقت کے حوادث سے محفوظ رہے، البتہ گھر آتے وقت وہ جو رقوم اور سامان وغیرہ مولانا شرف الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ کے پاس مدرسہ سعیدیہ میں رکھ کر آئے تھے وہ سب لوٹ لیا گیا تھا۔

اس وقت فرقہ وارانہ فسادات، قتل وغارت گری، لوٹ وکھسوٹ، ظلم وجبر اور استبداد واستحصال وغیرہ پر مشتمل خوف ودہشت سے ملکی مطلع ناگفتہ بہ تھا، کسی بھی وقت کوئی بھی بڑا واقعہ پیش آسکتا تھا، اس لئے ان ناموافق حالات میں مولانا موصوف ایک سال گھر پر ہی قیام پذیر رہے۔ کچھ مہینوں کے بعد جب ملک کے حالات قدرے پرسکون ہوئے تو ۱۹۴۹ء میں بہار کے نہایت کوردہ علاقہ ضلع دمکا میں واقع مدرسہ شمس الہدی دلال پور چلے گئے اور وہاں ایک سال تک قرآن وحدیث اور عربی زبان وادب وغیرہ کی تدریس سرانجام دیتے رہے، لیکن وہاں کے ماحول سے آپ کی طبیعت مطمئن نہ ہوسکی، اس لئے رواں تعلیمی سال مکمل کرنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں صوبہ بنگال کے کثیر مسلم آبادی والے شمالی خطہ میں واقع مدرسہ دارالحدیث لوہاپور منتقل ہوگئے اور وہاں ۱۹۶۳ء تک تدریس وتبلیغ کے کاموں میں مشغول رہے، پھر وہاں سے ۱۹۶۴ء میں سرحد نیپال پر واقع مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں بحیثیت صدر مدرس آگئے۔ اس وقت اس تعلیمی ادارہ میں جناب مولانا رئیس الاحرار) احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالسلام رحمانی اور مولانا محمد حنیف رحمانی جیسی علمی شخصیات تدریسی امور انجام دے رہی تھیں۔ اس دانش گاہ علمی میں ایک سال گزارنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں مدرسہ سراج لعلوم بونڈیہار کے مہتمم مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک وجدوجہد سے دو اہل حدیث بستیوں ''کنڈؤ اور بونڈیہار'' کے وسط میں دریائے راپتی کے

ساحل پر واقع وقت کی عظیم درسگاہ میں مدرس منتخب ہوئے۔

اس ادارہ کے روح رواں محترم مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کے نام شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاۃ المفاتیح رحمہ اللہ، جن کے اس تعلیمی درس گاہ سے صاحب تحفۃ الاحوذی شیخ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ، جو اس چمنستان علم وادب کے عروج وارتقاء میں اہم رول بلکہ قائدانہ کردار کے حامل تھے، کے دور ہی سے بہت گہرے روابط تھے اور اپنے دور حیات کے آخری دم تک اس کی تعمیر وترقی کی فکر ان کو ہمہ وقت دامن گیر رہتی تھی، کے ارسال کردہ مکتوب گرامی مجریہ ۹/۹/۱۹۶۵ء جس میں اس ادارہ میں مولانا محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ کی نئی تقرری کے دوران وہاں کے طلبہ، اساتذہ اور ذمہ داران واراکین کی طرف سے ان کی علمی صلاحیت، عمدہ کارکردگی، ان کے حسن اخلاق اور متانت وسنجیدگی کے اعتراف واطمینان پر اچھے تاثرات پر مشتمل خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق مولانا رحمہ اللہ کی مدرسہ سراج العلوم میں تقرری مذکورہ سن ۱۹۶۵ء ہی میں ہوئی۔

ابتدائی دو سالوں میں مولانا محترم رحمہ اللہ وہاں ایک اچھے اور کامیاب مدرس کے طور پر کام کرتے رہے، بعد میں ان کے علمی استعداد وکمالات، ان کے تدین ودیانت داری، ادارہ سے حد درجہ اپنائیت ولگاؤ اور اس کے عروج وترقی کی بابت ان کی بے انتہا فکر ودلچسپی کے اعتراف میں صدر مدرس کا منصب انہیں دے دیا گیا اور ادارہ نے جب مزید تعلیمی ترقی کی تو شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیل پر بھی فائز ہوئے اور یہ سلسلہ ادارہ سے منسلک رہنے تک چلتا رہا۔

اسی دوران جب اس ادارہ کے تعلیمی وتربیتی اور انتظامی امور کے روح رواں اور نگراں جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی وفات (۳۱/اگست ۱۹۸۲ء مطابق ۱۳/ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ) کے بعد ادارہ کی دیکھ ریکھ وغیرہ کے تعلق سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا، جسے پر کرنے خصوصاً انتظام وانصرام کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لئے عہدیداران وکارکنان کی نظریں مولانا محمد عمر گونڈوی رحمہ اللہ کی علمی اور متدین شخصیت پر جم گئیں اور مذکورہ بالا مناصب کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہی انتظامی ذمہ داریاں بھی مولانا کے انکار کے باوجود بھی انہیں تفویض کردی گئیں، جن کی وہ اپنی بیماری وصحت، عائلی مسائل ومشاغل اور ضروریات کی پرواہ کئے بغیر بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

زبانیں: مولانا رحمہ اللہ کو اردو، عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا اور پرائمری درجات سرکاری اسکول میں پاس کرنے کی وجہ سے ہندی اور انگریزی بھی لکھ پڑھ لیتے تھے۔ بنگال میں زیادہ دنوں تک تدریس وتربیت کی انجام دہی کے دوران بنگلہ زبان بھی سیکھ لی تھی۔ لکھنے کی طرف توجہ کم ہو پاتی تھی، البتہ یہ زبان اچھی طرح پڑھ لیتے تھے اور بولنے میں تو اتنے ماہر ہو گئے تھے کہ اس زبان میں بھی خطاب کیا کرتے تھے۔

طریقۂ تدریس: جس ادارہ میں بھی گئے وہ صدر مدرس کے ہی عہدہ پر فائز رہے، چونکہ جملہ علوم وفنون میں ماہر تھے اس لئے جس فن کی بھی کوئی کتاب آپ کے زیر درس رہی اس کی پیچیدہ سے پیچیدہ عبارتوں کو نہایت عام فہم اور ایسے سلیس اسلوب وانداز میں حل کرتے کہ مشکل سے مشکل کتاب بھی آسان ہو جاتی اور طالب علم اس سے مطمئن ہو جاتا۔ طلبہ کو ہمیشہ درس میں آنے سے قبل درسی اور اس کی معاون کتابوں کے مطالعہ کی رغبت دلاتے اور اس سلسلہ میں ان کی مکمل رہنمائی فرماتے۔ دوران تدریس طلبہ کو پوری توجہ

اورانہماک کے ساتھ درس سننے اور سمجھنے پر زور دیتے اور غیر تدریسی اوقات میں ان اسباق کو دہرانے کا مشورہ دیتے۔سوئے اتفاق اگر کوئی بات طلبہ کی سمجھ میں نہ آتی اوراس سلسلہ میں ان سے رجوع کیا جاتا تو بہت ہی شفقت ومحبت اورخوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے دوبارہ سمجھانے سے دریغ ہرگز نہ فرماتے۔آپ اپنی اسی معیاری طریقۂ تدریس اورعلمی صلاحیتوں کی بنیاد پر ایک اچھے معلم ومربی کے طور پر معروف ہوئے اوروقت کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں کے ذمہ داران کی للچائی ہوئی نظریں آپ کی طرف مرکوز ہوگئیں۔انہیں خوبیوں اورکارناموں ہی کی بنا پر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار میں ملازمت کے دوران شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ کے ایما پر جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ کی جانب سے جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لئے پیش کش کی گئی اور معاملہ بھی طے ہوگیا،لیکن جس وقت مولانا رحمہ اللہ مدرسہ سراج العلوم چھوڑکر اپنے سامان وغیرہ کے ساتھ وہاں سے بنارس جانے لگے تواس وقت ادارہ کے درودیوار نے مولانا رحمہ اللہ کے محاسن کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے ذمہ داران کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور مولانا محمد اقبال صاحب رحمانی رحمہ اللہ اور گاؤں کے بہت سے لوگوں نے بضد ہوکرانہیں روک لیا۔اس موقع پر مولانا رحمہ اللہ نے اپنے ساتھ لوگوں کی اپنائیت وعقیدت دیکھ کراپنا ارادہ ترک کردیا اوروہیں کے ہوکر رہ گئے۔

اندازتربیت: کسی بھی انسان کا نرم وگرم مزاج سے متصف ہونا ایک فطری امر ہے،جن کا صدوراس کی زندگی میں مختلف مواقع پر ہوتا رہتا ہے،لیکن اس تعلق سے راہ اعتدال پر قائم رہنا ہرایک کے بس کی بات نہیں ہے۔اپنے مزاج سے ہم آہنگ کسی بھی خوبی اوراچھائی پر حد سے زیادہ شفقت وہمدردی اوراپنائیت کا سلوک یا کسی خامی اورکوتاہی پر حد سے متجاوز ہوکراس پر اظہار غیظ وغضب اورناراضگی کا برتاؤ بسا اوقات نہ صرف یہ کہ سامنے والے کے لئے مفید اورموثر ثابت نہیں ہوتا بلکہ خوداس کے لئے خسران ونقصان اورندامت وپشیمانی کا سبب ہوتا ہے۔تربیت واصلاح کے لئے فہم وعلم اورفراست ودانائی کے ساتھ کوئی بھی کام سرانجام دینا ضروری ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں مولانا رحمہ اللہ کا طرزعمل منفرد اورنرالا تھا۔وہ موقع ومحل کی مناسبت سے اپنے جمالی اورجلالی مزاج کا استعمال معتدل اورمیانہ روی کے ساتھ کرتے تھے،جس کے بہت ہی مثبت اورمفید نتائج وثمرات سامنے آتے تھےاوران دونوں ہی صورتوں میں لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت اوران کا ادب واحترام برقرار رہتا تھا،جوکہ تربیت واصلاح کی راہ میں ان کے مثالی کردار کا بین ثبوت ہے۔اس سلسلہ میں جذبات سے مغلوب ہوکر افراط وتفریط اورغلو کا راستہ انہوں نے کبھی نہیں اپنایا اورنہ ہی ایسے مواقع پران سے نامناسب،ناشائستہ اورغیر مہذب افعال واعمال کا صدور ہوا۔وہ اچھے طلبہ کی ہمت افزائی کرتے،ان کی خوبیوں کو پسند فرماتے اورکسی کوتاہی اورغلطی کے موقع پر ایسا متاثر کن لہجہ اختیار کرتے کہ خاطی اپنے فعل پر فوراً نادم ہوجاتا اورآئندہ اس عمل کے قریب نہیں جاتا۔حسب ضرورت طلبہ کے ساتھ تادیبی کارروائی بھی کرتے،لیکن اس وقت بھی ظلم سے بچتے ہوئے عدل وانصاف سے ہی کام لیتے۔

مشہوراساتذہ: آپ نے مختلف اداروں میں تعلیم وتربیت حاصل کی ہے،اس لئے اساتذہ اورمربیان کی تعداد زیادہ ہے،ان میں معروف وممتاز اساتذہ یہ ہیں:

۱۔جناب مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہ اللہ۔ ۲۔جناب مولانا حکیم محمد یٰسین رحمہ اللہ، بونڈیہار، ۳۔جناب مولانا ابوسعید شرف

الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ، ۴- جناب مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ، ۵- جناب مولانا عبداللہ سعیدی جمنوی رحمہ اللہ۔
اپنے ان اساتذہ کرام کو مولانا اکثر یاد کیا کرتے تھے، ان کے لئے خاص کر دعائے مغفرت فرماتے تھے۔

ہم سبق ساتھی: آپ چونکہ کئی اداروں میں زیر تعلیم رہے، اس لئے تعلیمی دور کے ہم سبق ساتھیوں کا شمار ممکن نہیں۔ ان میں مئوناتھ بھنجن کے اپنے تین ساتھیوں (جناب مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب عمری، فضا ابن فیضی اور مولانا حکیم عبدالباقی صاحب) کا تذکرہ اکثر کیا کرتے تھے۔ فضا ابن فیضی کے انتقال کے موقع پر اخبار دیکھ رہے تھے کہ اچانک نظر ان کی وفات کی خبر پر پڑی تو مولانا رحمہ اللہ کے بڑے صاحب زادہ مولانا وڈاکٹر عبیداللہ صاحب اثری وعلیگ جوان کے ساتھ ہی تھے ان کے بقول مولانا کے ہاتھوں سے اخبار چھوٹ کر نیچے گر گیا اور اس وقت ان کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے، آنکھیں اشک آلود تھیں اور چہرہ رنج وغم کے آثار سے متغیر ہو چکا تھا۔ مولانا رحمہ اللہ کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور پوچھا: ابا! کیا ہوا؟ اس پر نہایت غمگین لہجہ میں انہوں نے کہا کہ میرا آخری ساتھی تھا وہ بھی چل بسا۔ اب میں تنہا رہ گیا ہوں اور اب میری ہی باری ہے۔ اس طرح بڑی عقیدت واپنائیت کے ساتھ آپ نے اپنے ساتھی کا ذکر فرمایا اور ان کی وفات حسرت آیات پر کافی رنجور ہوئے۔

ممتاز تلامذہ: مولانا محترم رحمہ اللہ فراغت کے بعد ۶۵ سال تک مختلف درس گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس لئے آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، جن کا احصاء مشکل ہے، البتہ ان میں سے چند معروف وممتاز تلامذہ یہ ہیں:

۱- جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی، دہلی
۲- جناب مولانا فضل الرحمن صاحب مدنی، مالیگاؤں
۳- مولانا عبدالقدوس صاحب، کمہریا
۴- مولانا اقبال احمد صاحب مدنی، چپوٹہوا
۵- جناب مولانا ابوالعاص صاحب وحیدی، اہراڈیہہ
۶- جناب مولانا شمیم احمد صاحب مدنی، قطر
۷- جناب مولانا عبدالسلام صاحب مدنی، ٹکریا
۸- جناب مولانا عزیز الرحمن صاحب، ٹکریا
۹- جناب مولانا شبیر احمد صاحب مدنی، کرہی
۱۰- جناب مولانا شہاب اللہ صاحب مدنی، بشن پور
۱۱- جناب مولانا محمد مستقیم سلفی، بنارس
۱۲- جناب مولانا نیاز احمد صاحب مدنی، طیب پور

وغیرہ ہیں۔ نیز راقم الحروف کو بھی چھ سالوں تک ان کی تعلیم وتربیت سے فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔

تصنیفی اور دعوتی سرگرمیاں: تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں میں حد درجہ مشغولیت کی وجہ سے ذوق وصلاحیت رکھنے کے

باوجود بھی تصنیف وتالیف اور ترجمہ وتحقیق کے کاموں میں حصہ نہ لے سکے، البتہ دعوتی میدان میں نمایاں کردار کے حامل رہے۔

ان کے والد گرامی جناب عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ بڑے متحمس ومتحرک اور پختہ اہل حدیث تھے۔ صحیح اسلامی تعلیمات سے آشنا ہونے کے بعد انہوں نے اپنے دورحیات کے ایام میں اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے بھرپور جدوجہد کی اور ان کی پرخلوص کوششیں بھی بحمداللہ بارآور ثابت ہوئیں۔ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجے میں ان کی آخری جائے سکونت موضع ڈال ڈیہہ اور اس کے مضافات میں واقع مختلف مواضعات: اسمیلہ، اوسانی فیروز، کھوڑارے، چوتھی بنکٹوا، ڈکہیا، لکھن جوت، آدم پور، کھرہنہ نوڈیہوا اور قرب وجوار کے بہت سے لوگ مسلک سلف سے وابستہ ہوئے۔

اسی دینی ماحول میں مولانا رحمہ اللہ کی پرورش ہوئی اور سن شعور کو پہنچتے ہی وہ طالب علمی کے دور ہی میں اپنے والد کے معاون کار بن گئے اور ان کے ساتھ دعوتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد بھی انہوں نے مذکورہ مقامات سے اپنا تعلق برقرار رکھا اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کرتے رہے۔ مختلف مسلم تنظیموں کے علماء، نمائندگان اور عوام وخواص کی طرف سے جب بھی مسلک اہل حدیث کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کئے گئے تو ان تمام ریشہ دوانیوں کا کتاب وسنت سے مدلل اور مسکت جواب دے کر ہر طرح کے فتنوں کا قلع قمع کرتے رہے اور اپنی آخری سانس تک اس علاقہ کو خصوصی توجہ کا مرکز بنائے رکھا، جس کے نتیجے میں مذکورہ بستیوں کے علاوہ بھی کئی دیگر مقامات کے لوگ سلف صالحین کے قرآن وسنت پر مبنی منہج کے مطابق عقائد وعبادات اور سلوک ومعاملات وغیرہ میں دین صحیح کا راستہ اختیار کر کے مروجہ بدعات وخرافات اور غلط اقدار وروایات سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر قائم ہیں۔

مولانا جب بھی خطبہ دیتے یا وعظ ونصیحت کرتے اس وقت اثبات توحید اور رد شرک اس کا لازمی حصہ ہوتا، آپ کا خطاب قرآنی آیات اور صحیح احادیث نبویہ اور صحابۂ کرام کے واقعات سے مزین ہوتا۔ انداز بیاں نہایت شیریں وپرکشش اور عام فہم ہوتا جو سامعین کے ذہن کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

صوبۂ بنگال میں تقریباً ۱۵/ سالہ تدریسی اور دعوتی خدمات انجام دینے کی مدت میں آپ نے بنگلہ زبان پر بھی کافی دسترس حاصل کرلیا تھا، اس زبان میں بھی ایسے فراٹے سے نہایت جامع اور فصیح وبلیغ خطاب فرماتے تھے کہ اس زبان کا ماہر بھی یہ تمیز نہیں کر پاتا کہ آپ غیر بنگالی ہیں۔ وہاں قیام کے دوران بھی آپ نے خطبات جمعہ، دروس ومحاضرات کے انعقاد اور دینی اجتماعات میں شرکت کے ذریعے دعوتی کام کو جاری رکھا، بلکہ اس سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس سے وہاں کے لوگوں نے کافی استفادہ کیا، جس کے مثبت اور حوصلہ افزا اثرات آج بھی اس خطہ میں نمایاں ہیں۔

آپ فن دعوت کے آداب واسالیب اور رموز ونکات سے واقف ایک باکمال داعی اور خطیب تھے۔ موقع ومحل کے اعتبار سے دوران خطاب آپ کی آواز بلند اور آہستہ اور آپ کا لہجہ سخت ونرم ہوجایا کرتا تھا۔ دین صحیح کی اشاعت کے سلسلہ میں اعداء اسلام کے ظلم وستم اور ایذا رسانیوں پر مشتمل جب بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے متبعین کی تکلیفوں، مشقتوں، قربانیوں نیز عذاب قبر، قیامت کی ہولناکی اور دوزخ کی سزاؤں کا ذکر کرتے تو آنکھیں اشکبار ہوجاتیں اور بھرائی ہوئی آواز میں آخرت کی کامیابی کے لئے بڑے پرسوز انداز میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجا کرتے اور اس وقت پوری محفل پر ''ذرفت منها العيون و وجلت منها القلوب'' کا سماں طاری ہوجاتا۔

اضلاع گونڈہ، بلرامپور، بستی، سدھارتھ نگر کے مختلف علاقوں اوران کے اطراف واکناف میں جب بھی کوئی دینی اجتماع اور اجلاس منعقد ہوتا تو اس کی صدارت کے لئے اس کے ذمہ داران آپ ہی سے رجوع کرتے اوراس طرح کے بیشتر اجتماعات میں کرسی صدارت آپ کے لئے مخصوص ہوتی، جواس کی کامیابی کے لئے ضمانت سمجھی جاتی تھی۔

آپ کے صدارتی خطبات نہایت جامع اور وقیع ہوا کرتے تھے، پوری کارروائی کا خلاصہ بڑے اچھے اسلوب میں نہایت مختصر الفاظ میں پیش کردیا کرتے تھے، اس موقع پر اگر کسی طرح کی کوئی بدنظمی پیدا ہوجاتی یا کسی مقرر وخطیب کی طرف سے کوئی علمی کوتاہی سرزد ہوجاتی توان کا ازالہ ایسے عالمانہ انداز میں کرتے تھے کہ عام لوگ اسے سمجھ بھی نہیں پاتے اور مخاطب اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اعتذار واصلاح کی راہ اختیار کرلیتا۔

فتویٰ نویسی: مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل تھی۔آپ کا دائرۂ عمل تعلیم وتربیت اور دعوت وارشاد ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ بونڈیہار میں دوران تدریس افتاء وقضاء کا کام بھی کرتے تھے۔اپنی علالت اورادارہ کے کاموں میں حددرجہ مشغولیت کی وجہ سے ۱۹۹۶ء میں اپنی نگرانی وتربیت میں یہ کام جامعہ سراج العلوم بونڈیہار کے استاذ جناب مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب کے ذمہ لگادیا اور بڑی توجہ سے ان کو استخراج مسائل اورفتویٰ نویسی کی تربیت دی۔وحیدی صاحب جوفتویٰ لکھتے مولانا رحمہ اللہ اس پرنظرثانی کرکے مہر تصدیق ثبت کرتے۔اس طرح کئی سالوں تک یہ کام ہوتارہا۔افسوس کہ مولانا کے لکھے ہوئے فتاویٰ وجواب محفوظ نہیں ہیں۔

انتظامی صلاحیت: مولانا محترم تدریسی، تربیتی، دعوتی اورعلمی میدانوں ہی میں سرگرم عمل نہیں رہے، بلکہ انتظامی صلاحیت کے بھی مالک تھے۔جس ادارہ میں بھی تشریف لے گئے وہاں کے نظم ونسق کو بہتر سے بہتر شکل دینے کی کوشش کرتے رہے۔تقریباً ہرجگہ آپ عمادت (صدارت) کے عہدہ پر فائز رہے۔بونڈیہار میں دوران تدریس ۱۹۸۲ء سے ۲۰۰۴ء تک انتظام وانصرام اورحساب وکتاب کی ساری ذمہ داریاں نہایت امانت ودیانت داری کے ساتھ اچھے ڈھنگ سے انجام دیں، جسے ادارہ کے ذمہ داران واراکین نے کافی سراہا۔

ذمہ داریاں: اپنے ۶۵ سالہ تدریسی ایام میں جس ادارہ سے بھی منسلک ہوئے وہاں صدرمدرس/پرنسپل کی حیثیت سے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔بونڈیہار ملازمت کے ابتدائی دوسالوں میں بحیثیت مدرس کام کرتے رہے۔اس کے بعد ہی صدرمدرس اورشیخ الجامعہ کے عہدوں پر فائز ہوئے، بعد میں مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ مہتمم جامعہ کی وفات کے بعد آپ کو انتظامی اور مالی ذمہ داریاں بھی سونپ دی گئیں، جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف تعلیمی اداروں اوراسلامی تنظیموں کی امارت اورسرپرستی کی ذمہ داریاں بھی آپ کو تفویض کی گئی تھیں، جن کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔جناب مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک پر ملک کے مرکزی اوربین الاقوامی شہر دہلی کے جنوبی خطہ اوکھلا نئی دہلی میں کثیر مسلم آبادی پر مشتمل دوعلاقوں ''بٹلہ ہاؤس اورذاکر نگر'' کے مابین واقع جوگابائی میں ۱۹۸۰ء میں ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے نام سے کل ہندسطح پر ایک اسلامی تنظیم قائم کی، جس کے تحت معہدالتعلیم الاسلامی کی

شکل میں اس کا پہلا تعلیمی وتربیتی ادارہ وجود میں آیا۔ بعد میں وسائل اور مکانیات کی فراہمی ہوتی گئی اوراس کی زیرنگرانی دہلی اور بیرون دہلی بیس سے زائد تعلیمی، تربیتی، دعوتی، تصنیفی، تحقیقی اوررفاہی ادارے قائم ہوئے جوملک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات کے فرائض انجام دینے میں سرگرم عمل ہیں اوراپنی عمدہ کارکردگی کی بنیاد پرملکی اور عالمی پیمانہ پرانہیں بنظرتحسین دیکھا جارہاہے۔

سنٹر کے صدرمحترم عزت مآب جناب مولانا عبدالحمید صاحب رحمانی رحمہ اللہ سے مولانا رحمہ اللہ کے اچھے تعلقات تھے، ان کی ہمہ جہتی خدمات سے وہ کافی متاثر تھے، ان کے نشاطات اورخوبیوں کا تذکرہ بطورتمثیل وہ دوسروں سے بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے مولانا رحمانی رحمہ اللہ نے ۲۸/دسمبر ۱۹۹۷ء کو باضابطہ مجلس عاملہ میں مولانا محمد عمر رحمہ اللہ کو سنٹر کا ممبر نامزد کیا۔ اس وقت سے تاحیات مولانا سنٹر کے معززرکن رہے اوراس کی بقااورترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔

جب بھی ان کے سامنے صدرمحترم اورادارہ کے مفاد کے خلاف کوئی بات آتی، اسے گوارانہ کرتے اور معاند کوایسا سخت اورمسکت جواب دیتے کہ وہ آئندہ اس موضوع پران سے گفتگوکرنے کی ہمت وجرأت نہ کرپاتا۔ وہ ادارہ کے کافی ہمدرداوربہی خواہ تھے اوراس سے لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ اپنی شدید مصروفیات پرسنٹر کے کاز کوترجیح دیتے ہوئے بیماری اورکبرسنی کے باوجودبھی سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرکے اس کی میٹنگوں اوراہم نشستوں میں شرکت کرتے اوراس کی تعمیروترقی کی بابت اپنے قیمتی اورمفید مشوروں سے نوازتے۔

۲۔ امیرضلعی جمعیت اہل حدیث، گونڈہ، یوپی

۳۔امیرضلعی جمعیت اہل حدیث، بلرام پور، یوپی

۴۔ بانی وسرپرست مدرسہ سلفیہ نورالعلوم، کھوڑارے بازار، بلرام پور، یوپی

۵۔ سرپرست مدرسہ دارالہدیٰ، گڑرہیا، بلرام پور، یوپی

۶۔سرپرست مدرسہ دارالہدیٰ محمودنگر، بلرام پور یوپی

۷۔سرپرست مدرسہ اسلامیہ بیرپورکوہل سدھارتھ نگر، یوپی

مولانا رحمہ اللہ جب تک چلنے پھرنے کے لائق رہے، اپنی بیماری اورصحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مختلف عوارض لاحق ہونے کے باوجودبھی ہرجگہ پہنچ کراپنی مفوضہ ذمہ داریوں کوانجام دیتے رہے۔ طویل علالت اور بڑھاپے کی وجہ سے جب اعضاء کمزورہوگئے اورسفرکرنا دشوار ہوگیا تواس مجبوری کی وجہ سے آمدورفت کا سلسلہ منقطع ہوا، لیکن اس کے باوجودبھی تمام اداروں کے ذمہ داران نے مذکورہ عہدوں کوآپ کی طرف منسوب رکھا اورآپ کی زندگی میں ان کا انتساب کسی دوسرے کی طرف کرنا پسند نہیں کیا۔

تنظیمات سے وابستگی اورموقف: مولانا رحمہ اللہ ایک باغیرت اہل حدیث عالم دین تھے۔ جماعتی تنظیموں کے علاوہ کسی دوسری تنظیم سے وابستہ تھے، نہ موجودہ تحریکات کی شہرت وچمک دمک اوران کے متبعین ومتعلقین کی کثرت اورنوع بنوع خدمات پر مشتمل ان کے مظاہروں ہی سے مرعوب ومتاثر ہوئے۔ آپ دین صحیح کی تعلیمات پرمبنی خالص اسلامی نظریہ کے حامل تھے۔ کتاب اللہ اورسنت صحیحہ سے ثابت شدہ احکام ومسائل کے سلسلے میں بڑے متحمس تھے اوران پرچلنا ہی ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ عقائدوعبادات کے باب میں منہج

سلف کے متبع تھے اور اس سلسلہ میں ذرا بھی لچک پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ اسے دینی انحراف سے تعبیر فرماتے۔ اسلامی تعلیمات کی تبلیغ وترویج میں کسی مصلحت بینی اور سمجھوتہ کے قائل نہیں تھے اور نہ ہی دینی مسائل کے استنباط کے تعلق سے احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت ومداخلت کو درست مانتے، بلکہ تمام احکام ومسائل کی تنفیذ وتطبیق اور ان پر عمل کے بارے میں شرع کے نصوص، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے موقف کے پابند تھے اور اس سے متصادم افکار ونظریات کے حامل افراد وشخصیات کو ''الحب للہ والبغض للہ'' کے تحت کبھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس طرح آپ میں حد درجہ دینی اور مسلکی غیرت وحمیت موجود تھی۔

عوامی تعلقات وروابط: اپنے دور ملازمت میں جہاں بھی رہے، تدریس وتنظیم کے ساتھ ہی دروس، خطبات جمعہ، اجتماعات اور دیگر تقاریب میں شرکت کے ذریعہ وہاں کے مختلف علاقوں میں اپنا تبلیغی واصلاحی مشن بھی جاری رکھا۔ اس مقدس فریضہ کی انجام دہی کے دوران آپ کے روابط وتعلقات کا حلقہ کافی وسیع ہوگیا اور وہاں کے لوگ آپ کی صلاحیت وصالحیت کے گرویدہ ہوگئے، جو نہ صرف دینی امور میں آپ سے رجوع کرتے تھے بلکہ اپنے عائلی، خاندانی اور سماجی مسائل ومعاملات اور اختلافات کے تصفیہ اور حل کے لئے بھی آپ سے مشورہ طلب کرتے اور بسا اوقات حالات کی سنگینی کے پیش نظر آپ کو حکم کی حیثیت سے مدعو بھی کرتے تھے۔ مولانا رحمہ اللہ چھوٹے سے لے کر بڑے سے بڑے الجھے ہوئے مسائل ومعاملات اور نزاعات کو اپنی فراست ودانائی اور حسن تدبیر سے بڑی آسانی کے ساتھ سلجھا دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہیں مہارت حاصل تھی کہ جو بھی فیصلہ فرماتے فریقین اسے برضا ورغبت بے تامل تسلیم کر لیتے تھے۔

آپ اپنے علم وعمل سے صرف مسلمانوں میں مقبول خاص وعام نہ تھے بلکہ غیر مسلم بھی آپ کو نہایت ادب واحترام اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کی صداقت وسچائی، حسن اخلاق، حق گوئی، دینداری، میانہ روی اور علمی قابلیت کے سب معترف تھے۔ آپ کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے وہ اپنے بہت سے معاملات میں مولانا رحمہ اللہ سے رائے بھی لیتے تھے، اس طرح کے لوگوں سے جب سابقہ پڑتا آپ نہایت خندہ پیشانی ورواداری سے ملتے اور ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے۔ ہمدردی ومروّت کا سلوک کرتے اور ان کے مسائل میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لے کر حتی المقدور ان کی دلجوئی فرماتے، نیز انہیں بلند اخلاقی قدروں کو اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتے رہتے تھے۔

اس طرح اہل علم، دانشوران اور خواص سمیت عوامی سطح پر آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اسی مقبولیت ہی کی بنا پر آپ کے انتقال پر ملال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیلتے ہی آپ کی آخری دیدار کی سعادت حاصل کرنے اور تکفین وتدفین میں حصہ لینے کے لئے مقامی افراد کے ساتھ ہی ساتھ مضافات اور دور دراز علاقوں سے مسلم وغیر مسلم مرد وخواتین اور بچوں پر مشتمل سوگواروں کا ایک ہجوم امڈ پڑا اور نم نگاہوں سے آپ کو دیکھ کر اس احساس کے ساتھ سپرد خاک کیا کہ ؎

آج کے بعد بھی آپ کی ستائے گی
آپ کی یاد ہمیں بار بار آئے گی

جب کہ وہ زبان حال سے سب کو یہ پیغام دے رہے تھے:

تم بلاؤ گے ہم نہ بولیں گے
آج کے بعد لب نہ کھولیں گے

زندگی کا امتیازی وصف اور عظیم کارنامہ: کسی کے اندر صلاحیت کے ساتھ صالحیت کا ہونا اس کے معتبر اور عالی مرتبت ہونے کی پہچان ہے۔ بحمد اللہ علم وعمل دونوں کے اعتبار سے مولانا رحمہ اللہ کی ذات گرامی ایک جامع اور ممتاز شخصیت تھی، آپ نے نہ صرف علمی اور انتظامی میدانوں میں ہی اپنی بے لوث خدمات اور عمدہ کارکردگی کا مظاہر کیا ہے، بلکہ سلوک ومعاملات میں بھی نمایاں کردار کے حامل رہے ہیں۔ آپ ایک باغیرت وخوددار اور شریف النفس انسان تھے، حق گوئی وراست بازی، تواضع وانکساری اور حلم وبردباری آپ کی شناخت تھی، آپ کے اندر وہ تمام اونچی اخلاقی قدریں موجود تھیں جو کسی بھی انسان کو بلند مقام عطا کرتی ہیں اور ان صفات عالیہ کا اظہار آپ کی زندگی میں مختلف مواقع پر ہوتا رہا ہے۔

آپ کا دائرہ عمل تعلیم وتربیت اور علمی میدانوں تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ سماج میں معاشی پریشانیوں میں مبتلا خستہ حال لوگوں کی خبرگیری بھی کرتے تھے اور ان کی مشکلات ومسائل کو ہر ممکن تدابیر اختیار کر کے حل کرنے کی جدوجہد فرماتے تھے۔

اپنے قیام بنگال کے دوران انہوں نے اس سلسلہ میں کئی لائق تحسین رفاہی کام انجام دیئے ہیں، ان میں بہت سی یتیم ونادار مسلم بچیوں کی شادیوں کے لئے مناسب رشتوں کی تلاش اور مصارف کا انتظام اور متعدد غریب مسلم گھرانوں کے بچوں اور بچیوں کی تعلیمی کفالت وغیرہ کے لئے سرمایہ کی فراہمی ہے۔

آپ کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ آتا گرچہ وقتی طور پر وہ کتنا ہی جذباتی ہی کیوں نہ ہوتا، اس پر فوری ردعمل کا اظہار نہ فرماتے بلکہ اس کے ہر زاویے اور جزئیات پر نہایت متانت وسنجیدگی اور ہوش مندی کے ساتھ غور فرماتے، اس کے بعد ہی اس سلسلہ میں کوئی مناسب رائے قائم کرتے۔

غلط افعال واعمال کے صدور کے مواقع پر اظہار نفرت اور غصہ کا پیدا ہوجانا بشری خاصہ ہے، لیکن نصح ودرگزر کی راہ اختیار کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس بارے میں مولانا رحمہ اللہ کی ذات گرامی جداگانہ اور منفرد تھی۔ کسی شخص کا کوئی بھی سنگین جرم اگر سزا وسرزنش کا متقاضی ہوتا اور اس سلسلہ میں کارروائی ناگزیر ہوتی تو اس وقت آپ کے غیض وغضب پر عفو ودرگزر اور اصلاح وتربیت کا پہلو غالب آجاتا تھا۔

بونڈیہار میں آپ کے تدریسی ایام کے دوران ایک مرتبہ کسی غلطی کے ارتکاب میں ایک طالب علم ماخوذ ہوا اور اس کے ساتھ کارروائی عمل میں آئی۔ وہ اپنا سامان وغیرہ لے کر مدرسہ سے باہر نکل گیا۔ بعد میں اسے اپنی کوتاہی کا زبردست احساس ہوا اور مدرسہ سے متصل شمالی جانب دریائے راپتی کے کنارے بیٹھ کر اپنے غلط کرتوت پر اظہار حسرت وندامت کرتے ہوئے زیادہ دیر تک روتا رہا، جس کا علم ہوتے ہی آپ نے مدرسہ میں بلا کر اسے اپنی نصیحتوں سے نوازا۔ اس طرح آپ کے اس مشفقانہ برتاؤ سے اس کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہونے سے رہ گیا اور بعد میں اس طالب علم نے کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات پر مبنی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسلک سلف کے احیاء اور ترویج کے لئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، جس سے افراد جماعت اہل حدیث کا سر فخر اور خوشیوں سے بلند ہوگیا۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

حق بات کہنے میں ضرب المثل تھے۔ دینی ومنہجی مسائل ہوں یا دنیاوی ومعاشرتی امور، ان کے سلسلے میں کسی سے متاثر ہوئے

بغیر نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ حق پر قائم رہتے اور اپنی اس عظیم خوبی وصفت کی وجہ سے سماج کے ہر طبقہ میں اعتماد و اعتبار اور قدر کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

جہاں آپ کی تعلیم وتربیت سے بہت سے مدرسین، دعاۃ اور علماء ومحققین پیدا ہوئے جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کی صحیح تعلیمات کی نشر واشاعت میں منہمک ہیں وہیں آپ کی دعوتی کوششوں سے بہت سے گم گشتۂ راہ اسلام توحید وسنت کا راستہ اختیار کر کے ہدایت یاب ہوئے، نیز بہت سے غریب ومفلس خاندان آپ کے ہمدردانہ سلوک سے مستفید ہوئے۔

تقریباً چالیس سال تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے منسلک رہے جو آپ کی مستقل مزاجی اور پختہ عزم واستقلال کا واضح ثبوت ہے۔ وفات سے تقریباً پانچ، چھ سال قبل بعض حالات کی بنا پر اپنی زندگی کو اس ادارہ کے لئے وقف کرنے کے باوجود بھی اس سے الگ ہوجانے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اس صورت حال میں اپنی خودداری کے عین مطابق اس سے علاحدہ ہوجانا ہی اپنے لئے مفید سمجھا اور مجبوراً مستعفی ہوگئے۔

آپ ایک اصول پسند آدمی تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی رغبت دلاتے تھے، کیونکہ یہ ایک ایسی عظیم صفت ہے جس سے کسی بھی انسان کے احساس ذمہ داری اور محاسن ومعائب کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں بڑی حساس طبیعت کے مالک تھے، خود اس تعلق سے اپنے اندر کمی آنے دیتے تھے اور نہ ہی دوسروں کی طرف سے اس طرح کی کوتاہیوں کو برداشت کر پاتے تھے۔

پابندی وقت کا یہ عالم تھا کہ بونڈیہار ملازمت کے دنوں میں سائیکل سے گھر آتے جاتے تھے، جو وہاں سے جنوب میں تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اسباق سے فراغت کے بعد روانہ ہوتے اور موسمی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے صبح ہی پہلی گھنٹی میں واپس آجاتے، جب کہ ابتدائی ایام میں راستہ کافی خستہ اور مخدوش تھا اور کئی سالوں تک پیدل ہی سفر کرتے رہے، لیکن اس کے باوجود بھی اپنے معمولات میں کبھی فرق نہ ہونے دیا۔

ایثار وقربانی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ: یوں تو آپ کی زندگی مختلف طرح کے کارہائے نمایاں سے بھرپور تھی، جن کے مختلف گوشوں ''بالخصوص آپ کے منہجی موقف اور استنباطی طریقۂ کار'' پر مزید تفصیلی روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے، لیکن ان میں اخوت وغمگساری اور ایثار وقربانی پر مشتمل حسب ذیل مومنانہ وصف وظرف آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہے جو نایاب نا سہی تو کم یاب ضرور ہے۔

بنگال میں ملازمت کے دوران دونوں بھائیوں کے مابین گھریلو بٹوارہ کا معاملہ پیش آیا۔ اس موقع پر ان کے بڑے بھائی صدیق حسن رحمہ اللہ کافی تردد اور ذہنی الجھنوں میں مبتلا نظر آئے، جنہیں مولانا رحمہ اللہ کی نگاہ دوررس نے بھانپ لیا۔ بھائی سے وجہ سے معلوم کی۔ انہوں نے پوری زمین وجائیداد کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''بھیا آپ ملازمت کر رہے ہیں اور میں بے روزگار ہوں، اسی زمین سے کسی طرح گزر بسر ہو رہا تھا، اگر اس میں سے آپ نے اپنا حصہ لے لیا تو میرے بچے بھوکوں مرجائیں گے، سب کچھ مجھے دے دیجئے، آپ کما کر زمین وغیرہ خرید سکتے ہیں۔'' مولانا رحمہ اللہ نے کہا: بس یہی چاہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ چنانچہ مولانا رحمہ اللہ نے اللہ کے فرمان ''وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (الحشر: ۹) کی عملی تعبیر پیش کرتے ہوئے سب کچھ انہیں دے دیا اور اپنے کپڑے وغیرہ لینے کے لئے گھر میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ خالی ہاتھ اسی وقت اٹھے اور اللہ پر توکل وبھروسہ

کرتے ہوئے وہاں سے شمال میں تقریباً دوکلومیٹر کی دوری پر واقع اپنے سسرال موضع اسمیلہ چلے گئے، جہاں کئی سالوں قبل ہی صدیق حسن رحمہ اللہ کی تحریک پر مولانا رحمہ اللہ کے خسر اپنی پوری فیملی کے ساتھ جمنی سے منتقل ہو کر آباد ہو گئے تھے۔

چونکہ مذکورہ صورت حال کے پیش نظر ان کے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان نہیں رہ گیا تھا اس لئے اپنے بچوں کو وہیں چھوڑ کر بنگال چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپسی ہوئی اور اپنے بچوں کو ہمراہ لے گئے۔ اسی طرح کئی برسوں تک وہاں گزارا۔ بعد میں حالات قدرے بہتر ہوئے اور بنگال میں ملازمت کے دوران ہی اپنے خسر اور ساس وغیرہ کے مشورے سے اسمیلہ کے قریب ہی موضع اوسانی فیروز میں کچھ زمین اور ایک باغ کی خریداری کی اور کچھ وقفہ کے بعد مذکورہ گاؤں ہی میں اپنا ذاتی مکان بھی تعمیر کرایا اور وہیں مستقل طور پر آباد ہو گئے جو تا ہنوز باقی ہے۔

زہد وورع: مولانا رحمہ اللہ کافی متدین اور شرع کے پابند تھے۔ فرائض وواجبات اور دیگر اسلامی احکام ومسائل کا حد درجہ التزام کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کو زندگی ہی میں نمونۂ سلف کا خطاب دے دیا گیا تھا۔

جامعہ سراج العلوم کی جامع مسجد میں آپ ہی امامت کا فریضہ انجام دیتے تھے، خصوصاً صلاۃِ فجر میں قرآنی آیات ایسے سوز و گداز کے انداز ولہجہ میں پڑھتے تھے کہ بڑی بڑی سورتیں بھی مختصر معلوم ہوتی تھیں۔ دوران قرأت معانی ومفاہیم کے اعتبار سے آواز بلند اور پست ہو جایا کرتی تھی، جس سے رقت وخوف کا ایک سماں قائم ہو جاتا تھا اور سخت سے سخت دل انسان بھی اشکبار ہو جایا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ بونڈیہار اور اس کے اطراف واکناف میں زبردست قحط پڑا۔ صلاۃ استسقاء پڑھانے کے لئے مدرسہ کے مہتمم جناب مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ نے انہیں آگے بڑھایا۔ اس موقع پر مولانا رحمہ اللہ نے جیسے ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا، چلچلاتی ہوئی دھوپ وگرمی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور پورا آسمان گھنگھور کٹھاؤں سے ایسا بوجھل ہوا کہ ہر چہار جانب اندھیرا چھا گیا اور ابھی دعاؤں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ بارانِ رحمت کا نزول شروع ہو گیا اور اتنی زبردست موسلا دھار بارش ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ندی، نالے سب بھر گئے اور چند ہی دنوں کے بعد ہر طرف سوکھے ہوئے پودے لہلہا اٹھے اور اس سال بڑی اچھی فصل ہوئی۔

مولانا موصوف کی دعاؤں کی قبولیت اس قدر معروف ہوئی کہ اس کے بعد جب بھی بارش کی کمی محسوس کی جاتی، قحط سالی سے فصلیں سوکھنے لگتیں تو لوگ کہتے کہ مولانا سے دعا کراؤ، قحط دور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کو شرف قبولیت عطا کر کے انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمائے، آمین۔

شادی اور اولاد واحفاد: مولانا رحمہ اللہ کی شادی اکبر پور جمنی، یوپی کی متوطنہ فاطمۃ الزہراء (ان کے والدین غیر مسلم تھے، اسی حالت میں ان کی اور ایک بھائی کی ولادت ہوئی تھی۔ ابھی یہ چھوٹے ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد ان کی ماں نے اسی کفر کی حالت میں اپنے ایک اہم مشرب سے دوسری شادی کر لی اور ان دونوں بچوں کو ہمراہ رکھا، بعد میں دونوں میاں بیوی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ انہیں کے ساتھ ہی یہ بھائی بہن بھی مسلمان ہو گئے۔ ان کے اخیافی والد نے اپنا اسلامی نام دین محمد، بیوی کا نام رقیہ، بچے کا نام عبدالسلام اور بچی کا نام فاطمہ الزہراء رکھا۔ اسلام لانے کے بعد دو بچے اور ایک بچی مزید پیدا ہوئے جن کا نام بالترتیب محمد یوسف، اسماء خاتون اور عبدالسبحان رکھا جن کی کفالت ونگہداشت اور تعلیم وتربیت کے معاملہ میں مولانا رحمہ اللہ نے بڑا کلیدی کردار ادا کیا۔ انہوں نے بنگال میں اپنی ملازمت کے دوران اپنی اہلیہ کے سگے بھائی

عبدالسلام صاحب کا داخلہ مدرسہ شمس الہدیٰ دلال پور میں کرادیا اور وہاں انہوں نے ادنیٰ سے لے کر فضیلت تک کی تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔اسی طرح انہوں نے محمد یوسف اور اسماء کو بھی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کی مکمل کوشش کی لیکن ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔) نامی خاتون سے ہوئی۔ان سے بالترتیب محمد عرفان، عبدالرحمن، عبیداللہ، عارفہ خاتون، حمیرہ خاتون، عبیدالرحمن، نائمہ خاتون، محمد احمد پر مشتمل پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ان میں دو بیٹے محمد عرفان اور عبدالرحمن کی بارہ اور دس سالوں کی عمر میں ایک بیٹی عارفہ خاتون کی بارہ سال کی عمر میں وفات ہوگئی۔باقی تین بیٹے اور دو بیٹیاں باحیات ہیں۔

مولانا کی کنیت ''ابوالعرفان'' ان کے بڑے بیٹے محمد عرفان کی طرف منسوب ہے۔

مذکورہ تین باحیات لڑکوں میں ڈاکٹر عبیداللہ صاحب علیگ کی شادی حکیم عبیداللہ رحمہ اللہ کشمیری متوطن رائے بریلی رحمہ اللہ کے بھائی حکیم عبیدالرحمن صاحب موضع دودھونیا، سدھارتھ نگر یوپی کی لڑکی سے ہوئی ہے اور ان سے صرف ایک بچی پیدا ہوئی جو شادی شدہ ہے۔مولانا عبیدالرحمن صاحب سلفی کی شادی تلسی پور، بلرام پور یوپی میں ابوطالب صاحب کی بچی سے ہوئی ہے جن سے ایک بچہ اور پانچ بچیاں ہیں اور محمد احمد کی شادی اکبر پور جمنی، سدھارتھ نگر، یوپی کے محمد صالح صاحب کی لڑکی سے ہوئی ہے، جن سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

موجودہ دونوں لڑکیوں میں حمیرہ کا عقد نکاح مولانا عبدالرحمن صاحب سلفی ساکن اکبر پور جمنی سے ہوا ہے۔ان سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، جب کہ نائمہ کی شادی کواپور، بلرامپور، یوپی کے مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ سے ہوئی تھی۔افسوس کہ ان کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا۔ان کے یہاں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں بالترتیب لڑکا دوسرے نمبر پر ہے اور اس کی عمر تا وقت تحریر تقریباً آٹھ سال ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی اہلیہ اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور اپنے خزانۂ غیب سے ان یتیموں کی کفالت کے اسباب و وسائل کی فراہمی کرے، آمین۔

اس طرح مولانا رحمہ اللہ کی موجودہ اولاد و احفاد کی کل تعداد ۳۲/افراد پر مشتمل ہے۔

معاشی حالات: والد رحمہ اللہ کے دور میں انتقال مکانی کے سبب معاشی حالت کوئی بہتر نہ تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ طلب عقبیٰ کی فکر میں اس طرف کوئی خاص توجہ بھی نہیں تھی، اس لئے مولانا رحمہ اللہ کے طالب علمی کا دور معاشی تنگی کا رہا۔ادھر فراغت کے بعد تقسیم ملک کا عظیم سانحہ پیش آجانے کی وجہ سے ابتدائی تدریسی ایام میں بھی اقتصادی پوزیشن بدحالی ہی کا شکار رہی۔بنگال قیام کے دوران اس میں کچھ سدھار آنا شروع ہوا تو اسی اثناء میں گھریلو زمین و جائیداد کے بٹوارہ کے وقت آپ کے جذبۂ ایثار و قربانی سے سر چھپانے تک کی جگہ نہ رہی۔ چند سالوں تک یوں ہی گزرا، اس کے بعد حالات بتدریج بہتر ہونے لگے اور آپ نے نہایت احتیاط و کفایت شعاری سے کام لے کر زمین و جائیداد خریدنا شروع کی اور اس سلسلہ میں قدرے اطمینان کے بعد مکان بھی تعمیر کرلیا۔ابھی مالی حالات مستحکم نہ ہوئے تھے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شادی و بیاہ کے مسائل پر مشتمل مصارف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔پھر کیا تھا کسی طرح زندگی کی گاڑی آگے بڑھتی جارہی تھی۔آخر کار وہ وقت منتظر آپہنچا کہ بچے آپ کا سہارا بن سکیں۔آپ کے بڑے لڑکے عبیداللہ صاحب جامعہ اثریہ مئوناتھ بھنجن یوپی سے فراغت کے بعد طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے طب کی تکمیل کے بعد پریکٹس کرنے لگے اور عبیدالرحمن نے جامعہ سلفیہ بنارس

سے فضیلت کرنے کے بعد ممبئی کے ایک تاجر کے یہاں ملازمت اختیار کرلی اور وہاں چند سال گزارنے کے بعد ملازمت ہی کی غرض سے سعودی چلے گئے، جہاں بعد میں انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی محمد احمد کو بھی بلالیا جو ایک طویل عرصہ سے وہاں رہ رہے ہیں۔

تینوں بچوں کے برسرِ روزگار ہوجانے کی وجہ سے مولانا رحمہ اللہ کے بڑھاپے کے دور میں ان کی معاشی حالت کافی بہتر ہوگئی تھی، انہوں نے اپنے وطن اوسانی سے جنوب دوکلومیٹر کی دوری پر واقع ایک اچھے محل وقوع اور مرکزی مقام پر لب سڑک ایک قطعہ اراضی خرید رکھی تھی، اس پر وسیع وعریض ایک خوبصورت دومنزلہ بلڈنگ تعمیر کی، زمین وجائیداد میں اضافہ کیا، مذکورہ بازار ہی میں ایک دوسری عمارت بنوائی۔مزید پلاٹس خریدے اور تلسی پور میں بھی ایک مکان تعمیر کیا۔اس طرح خوشحالی اور ترقی کی راہوں پر رواں دواں رہے۔

پسندیدہ علمی شخصیات: مولانا رحمہ اللہ چونکہ دینی فکر ومزاج کے تھے اس لئے وہ علماء اور علمی شخصیات کے نہایت قدرداں تھے، بالخصوص ان عظیم ہستیوں کے کافی مداح تھے، جن کے افکار ونظریات دین صحیح اور اس کی تعمیر وترجمانی کے سلسلے میں کتاب وسنت کی تعلیمات پر مبنی سلف صالحین کے منہج کے مطابق ہیں۔اس تعلق سے قدیم وجدید علماء میں وہ جن شخصیات سے ان کے ٹھوس دینی مناہج، علمی کمالات اور ہمہ جہتی اسلامی خدمات کی بنیاد پر زیادہ متاثر تھے انہیں درج ذیل دوادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

متقدمین علماء: حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ الاسلام علامہ ابن قیم الجوزیہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شیخ الحدیث عبدالرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ۔

معاصرین علماء: شیخ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ، سعودی عرب، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، شیخ محمد عطاءاللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ، پاکستان، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا عبداللہ سعیدی جمنوی رحمہ اللہ، مولانا محمد اقبال رحمانی رحمہ اللہ، بونڈیہار، مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ دہلی، مولانا عبدالقدوس صاحب رحمہ اللہ ٹکریا، مولانا رئیس الاحرار ندوی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث عظیم اللہ مئوی رحمہ اللہ۔

بونڈیہار سے علاحدگی کے بعد کا دور: جامعہ سراج العلوم بونڈیہار چھوڑ دینے کے بعد تعلیمی وتربیتی اور انتظامی میدانوں میں آپ کی قابل قدر خدمات کے پیش نظر مختلف اسلامی درس گاہوں کے صدور، نظماء اور ذمہ داران کی طرف سے تعلیم وتربیت اور انتظامات کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پیشکش کی گئی، لیکن چونکہ آپ نے اپنی زندگی کو آخری دم تک مذکورہ ادارہ کے لئے وقف کردیا تھا، اس لئے اس سے علاحدگی کے بعد کسی دوسری جگہ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور وطن میں قیام پذیر رہ کر علاقہ کی مختلف مساجد میں دروس وحدیث اور خطبات جمعہ کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اور آپ کا یہ دعوتی سلسلہ آپ کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل تک جاری رہا۔

اسی دوران آپ نے کھوڑارے بازار میں واقع اپنے قائم کردہ اسلامی درسگاہ ''مدرسہ انوارالعلوم'' کی تعمیر وترقی کے لئے بھی بھرپور جدوجہد کی جس کے نتیجے میں مدرسہ کی عمارت تعمیر ہوئی، مزید اس کی دوسری منزل کی پوری دیواریں تیار ہوئیں، مدرسین اور طلبہ وطالبات کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا اور مدرسہ کے ذرائع آمدنی کے لئے حلقہ بھی وسیع ہوا۔

ایوارڈ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۳، ۱۴، ۱۵/ مارچ ۲۰۰۴ء بمقام پاکوڑ، جھارکھنڈ کتاب وسنت کی دعوت اور انسانیت کے موجودہ مسائل کے موضوع پر منعقدہ اس کی اٹھائیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے موقع پر تعلیم وتربیت، دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف، ترجمہ وتحقیق، علمی اور رفاہی میدانوں میں نمایاں کارکردگی کی بنیاد پر ملک کے سترہ نامور علماء کرام کو جمعیت کی جانب سے توصیفی اسناد اور تشجیعی رقوم پر مشتمل ایوارڈ دیا گیا تھا۔ ان فیضیاب اہم شخصیتوں میں مولانا رحمہ اللہ بھی شامل تھے، بلکہ ترتیب میں آپ کا نام چھٹے نمبر پر تھا۔

بیماری اور وفات: مولانا رحمہ اللہ گزشتہ ۳۵/سالوں سے ذیابطیس جیسی خطرناک مہلک بیماری میں مبتلا تھے، ان کی عمر بھی تقریباً ۹۶ سال کی ہوچکی تھی، ضعف اور کبرسنی کی وجہ سے مذکورہ بیماری نے مزید کئی بیماریوں کو جنم دے دیا تھا، جن سے قوت بینائی، قوت سامعہ بلکہ حواس خمسہ کافی متاثر ہوچکے تھے۔ ایک سال قبل فالج کا حملہ بھی ہوا تھا، جس کا علاج بھی جاری تھا، خصوصاً آخرالذکر بیماری لاحق ہوجانے سے کافی نقاہت وکمزوری محسوس کرنے لگے تھے، اس لئے پنج وقتہ صلوات کی ادائیگی کے لئے مسجد جانے سے مجبور تھے، البتہ انہیں متعینہ اوقات پر ہی بڑے اہتمام کے ساتھ گھر میں ادا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن مسجد جانے کے لئے بے قرار رہتے تھے اس لئے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے کسی سواری کے ذریعہ انہیں مسجد لے جایا جاتا تھا۔ بحمد اللہ آخری وقت تک وہ صاحب فراش نہ ہوئے، ٹوائلٹ وغیرہ خود چلے جایا کرتے تھے۔ چونکہ کھوڑارے بازار میں واقع اسی گھر میں ان کے بڑے صاحب زادہ ڈاکٹر عبیداللہ صاحب اثری علیگ کا مطب ہے، جہاں ہمیشہ وہ رہتے ہیں ان کے بقول مولانا رحمہ اللہ چونکہ ان کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے ان کی صحت، علاج ومعالجہ اور ان کے کھانے پینے پر خاص توجہ رکھی جارہی تھی۔ گھر میں رہنے کی وجہ سے جب بھی اکتاہٹ محسوس کرتے اس وقت دواخانہ سے باہر بچھی چوکی پر خود ہی آکر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ کافی افاقہ محسوس کررہے تھے۔ اسی دوران مورخہ ۷/مارچ ۲۰۱۰ء کو اچانک ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ اسی دن علاج کے لئے انہیں بستی لے جایا گیا وہاں سے واپسی کے بعد اطباء کے مشوروں سے انہیں گھر پر رکھا گیا اور علاج چلتا رہا۔ درمیان میں ایک دن گزرنے کے بعد ۹/مارچ ۲۰۱۰ء کی شب میں ۳ بجے ان کی صحت مزید بگڑ گئی اور ۹/مارچ ۲۰۱۰ء بروز منگل ہی کو بوقت ۱۲/بجے دن بمقام کھوڑارے بازار، بلرام پور یوپی، ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

صلاۃ جنازہ پڑھانے سے متعلق مولانا رحمہ اللہ کی کوئی وصیت نہیں تھی، البتہ ان کے صاحب زادگان مولانا عبیدالرحمن صاحب سلفی اور محمد احمد صاحب جوان دنوں سعودی عرب میں ملازمت کررہے ہیں، انہوں نے مولانا کی وفات کی خبر سنتے ہی اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبیداللہ صاحب علیگ کو تاکید کی کہ مولانا عبدالسلام صاحب رحمانی ریکٹر جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ہی صلاۃ جنازہ پڑھائیں، چنانچہ انہیں کے حسب منشا مورخہ ۱۰ مارچ بروز بدھ بوقت ساڑھے دس بجے دن مولانا رحمانی صاحب رحمہ اللہ نے ان کی صلاۃ جنازہ پڑھائی اور آپ کی آخری وصیت کے مطابق موضع ڈال ڈیہہ کے قبرستان میں آپ کے والدین کے جوار میں، آپ کے اہل خانہ، رشتہ داروں، شاگردوں، ساتھیوں اور عقیدت مندوں پر مشتمل تقریباً دوہزار سوگواروں نے بچشم نم آپ کو ہمیشہ کے لئے

سپرد خاک کر کے مولائے حقیقی کے حوالہ کردیا۔ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وابدله داراً خيراً من داره وأهلاً خيراً من اهله وادخله الجنة وأعذه من عذاب القبر وعذاب النار۔

وصیت: مولانا رحمہ اللہ تقریباً چالیس سال تک جامعہ سراج العلوم بونڈیہار سے منسلک رہے اور تعمیر وترقی میں انہوں نے بھر پور حصہ لیا۔اس دوران اگر کہیں جانا ہوتا تو وہاں بھی اس کی فکر انہیں دامن گیر رہتی تھی۔ادارہ سے اپنی حددرجہ اپنائیت اور لگاؤ کی بنیاد پر انہوں نے اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لئے تاحیات وقف کردیا تھا،اس لئے ان کی دلی خواہش تھی کہ مرنے کے بعد بھی اس ادارہ سے قریب ہی رہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں جامعہ کے ذمہ داران سے اپنی برزخی خواب گاہ کے لئے چند گز زمین کا مطالبہ کرتے ہوئے اس ادارہ کے جوار میں اپنی تدفین سے متعلق وصیت کی تھی جسے بنظر تحسین دیکھا گیا اور ان کے انتقال کے موقع پر جب اس تعلق سے اس ادارہ کے وکیل الجامعہ جناب مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا رحمہ اللہ کے صاحب زادہ ڈاکٹر عبیداللہ صاحب علیگ سے بذریعہ فون گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ والد صاحب کی آخری خواہش یہی تھی کہ ان کو ان کے والد کے پہلو میں دفن کیا جائے، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

مولانا کے علمی اور معنوی جانشین: مولانا نے اسلامی خطوط پر اپنے بچوں کی تربیت کی اور ان کے دو بیٹے اسلامی درس گاہ سے فارغ بھی ہوئے ،لیکن انہوں نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا،اس لئے حقیقت تو یہ ہے کہ ان کا کوئی علمی جانشین نہیں ہے البتہ تدین وتقویٰ میں ان کی اولادان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہی ہے۔

آخری خواہش: اپنی زندگی میں تمام بچوں اور بچیوں کی شادیوں سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ادھر معاشی حالت بھی مضبوط ہوگئی تھی اور بچے مزید ترقی کی راہ پر رواں دواں تھے،اس لئے ان کی کوئی دنیاوی خواہش باقی نہیں رہ گئی تھی بلکہ انہیں فکر آخرت ہمیشہ لاحق رہتی تھی۔اپنی زندگی کے آخری ایام میں دنیا سے بالکل بیزار ہو چکے تھے اور ہر ملنے جلنے والے سے یہی خواہش ظاہر کرتے تھے کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے پاس جلد بلالے۔میں موت کے پیغام کا منتظر ہوں،میرا دل اسی سلسلہ میں معلق ہے کہ پتہ نہیں کب وقت اجل آپہنچے۔

خاتمہ بالخیر: آخرکار نظام قدرت ’’كل نفس ذائقة الموت‘‘ کے تحت ان کی یہ خواہش پوری ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کے بقول کلمہ لا اله الا الله کا ورد کرتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔سقى الله ثراه وجعل الجنة مثواه۔

ہے دعائے غم زدہ بندے کی نگرانی رہے
حشر کے جملہ مراحل میں بھی آسانی رہے
حکم سے حاضر ہے بندہ اب ترا تیرے حضور
جنت الفردوس میں تیری نگہبانی رہے

(شائع شدہ ماہنامہ التبیان مئی، جون ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

استاذ گرامی مولانا محمد حنیف فیضی مدنی رحمہ اللہ مغربی چمپارن بہار
سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ولادت ۱۹۵۱ء - وفات ۲۰۱۲ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

جامعہ سلفیہ بنارس میں دوران طالب علمی جن تین اساتذہ کرام کو مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد تقرری ملی، ان میں معروف محقق استاذ گرامی ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، امیر جماعت استاذ محترم شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی اور تیسرے صاحب ترجمہ استاذ مکرم مولانا محمد حنیف فیضی رحمہ اللہ تھے۔ بھرا بدن، درمیانہ قد، میانہ چال، متانت وسنجیدگی سے بھرپور چہرہ اور انتہائی باوقار لب ولہجہ، وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ بڑے صاحب مطالعہ اور وسیع علم اور تدریس کا بھرپور ہنر اور ملکہ چنانچہ ٹھیٹھ اور سخت سمجھی جانے والی درسی کتابیں آپ ہی جیسے اصحاب علم وفن کے حصے میں آیا کرتی تھیں۔ تفسیر بیضاوی، بدایۃ المجتہد، امتاع العقول جیسی مشکل ترین سمجھی جانے والی کتابوں کی تدریس کے ساتھ آپ فرائض اور علم المیراث کے بھی ماہر مانے جاتے تھے اور السراجی بھی آپ کے نام سے جدول الحصص میں آویزاں کردی جاتی تھی۔ جو بھی دیا گیا اور جس فن کو ہاتھ لگایا حق درس ادا کردیا۔ اور جب کسی مضمون اور عنوان پر قلم اٹھایا تو تحقیق وتوفیق کے ساتھ بھرپور انداز میں اسے قاری کے لئے مفید بنایا۔ صاحب دیوان گلشن پر آپ کے قسط وار مضامین کافی پسند کئے گئے۔ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں دس سال اور جامعہ سلفیہ بنارس جیسی مرکزی درسگاہ میں ۲۱ سالوں کا طویل تدریسی سفر طے کرتے ہوئے علم وعمل کا یہ گوہر نایاب مئو کی سرزمین میں غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، مجھے بھی جامعہ سلفیہ میں آپ کی شاگردی کا شرف ملا۔ رب العالمین غریق رحمت فرمائے۔ ذیل کے سطور آپ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہدیہ قارئین ہے۔

نام ونسب: مولانا حنیف فیضی مدنی بن عبدالرشید

تاریخ پیدائش: یکم جنوری ۱۹۵۱ء

وطن: منظہریا گاؤں، نرکٹیا گنج، مغربی چمپارن، بہار، انڈیا

تعلیمی مراحل: ۱۔ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں مولانا نذیر عالم چمپارنی (متوفی ۱۹۹۳ء) سے حاصل کی۔ ۲۔ اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں قائم شدہ مدرسہ منظر العلوم واقع بلیرام پور مغربی چمپارن میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے اور دو سال تک یہاں کے اساتذہ کرام بالخصوص مولانا منظور الحق بلیرامپوری (متوفی ۱۹۶۲ء) سے کسب فیض کیا۔ آپ کے رفقاء درس میں ہمارے

استاذ گرامی مولانا احمد مجتبیٰ مدنی اور دوسرے ساتھی مولانا محمد ادریس تھے۔ ۳۔ ۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں جماعت ادنی میں داخلہ ہوگیا اور پھر یہیں پوری یکسوئی سے ۱۹۶۹ء تک مختلف اساطین علم وفن سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ۴۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ فیض عام مئو سے فراغت حاصل کی۔ ۵۔اس کے بعد ناظم مولانا محمد احمد صاحب مئوی متوفی (۱۹۸۲ء) کے مشورے اور خرچ پر دارالعلوم دیوبند گئے اور وہاں منطق وفلسفہ کی تعلیم حاصل کی اور واپس فیض عام تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ ۶۔فیض عام میں تدریس کے دوران عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ دس سال کی ایک طویل مدت تک جدوجہد کے بعد ۱۹۸۰ء میں منظوری مل گئی۔ وہاں آپ نے لیسانس وکلیۃ کی ڈگری حاصل کی اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔اس سلسلے میں مولانا خود رقمطراز ہیں کہ میں نے ۱۹۷۷ء میں جب مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے کوشش شروع کی تو آپ سے توصیہ کا طالب ہوا لیکن کامیاب نہ ہوسکا، کیونکہ اس وقت توصیہ نہ لکھتے تھے بہر حال میں نے اپنی کوشش جاری رکھی بفضلہٖ تعالیٰ داخلہ ہوگیا اور منظوری کا لیٹر بھی آ گیا لیکن بدقسمتی سے ویزہ اور ٹکٹ نہیں لگا، جس کی وجہ سے اس وقت میں نہیں جاسکا پھر دوسرے سال کوشش جاری رکھی، کامیابی نہیں ہوئی، اسی طرح مسلسل تین سال گزر گئے پھر چوتھے سال وہاں جانا نصیب ہوا۔ (ماہنامہ محدث شیخ الحدیث نمبر جنوری وفروری ۱۹۹۷ء)، ۷۔اس کے بعد المعہد العالی مکہ مکرمہ میں ماجستر میں داخل ہوئے اور اچھے نمبرات سے آپ نے وہاں سے ماجستر کی تکمیل کی۔ ۱۹۸۸ء میں آپ واپس ہندوستان آئے اور جامعہ سلفیہ سے منسلک ہوگئے۔ ۸۔عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے عالم وغیرہ کے امتحانات بھی اچھے نمبرات سے پاس کئے تھے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ کرام میں قابل ذکر نام درج ذیل ہیں۔

۱۔مولانا نذیر احمد چمپارنی (متوفی ۱۹۹۳ء) تلمیذ مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی ومولانا منیر احمد خاں بنارسی، ۲۔مولانا منظور الحق بلیراپوری متوفی ۱۹۷۲ء، ۳۔مولانا محمد احمد ناظم صاحب مئو (متوفی ۱۹۸۲ء)، ۴۔مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (متوفی ۱۹۹۶ء)، ۵۔مولانا شمس الحق سلفی (متوفی ۱۹۸۶ء)، ۶۔مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (متوفی ۲۰۰۶ء)، ۷۔مولانا محمد الاعظمی تادم تحریر باحیات ہیں، ۸۔قاری عبدالسبحان صاحب مئوی۔

سند اجازہ: شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے آپ کے گہرے مراسم تھے اور ہر موقع پر آپ شیخ صاحب سے استفادہ کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ۳۰/ ۷/ ۱۹۸۸ء کو شیخ صاحب سے حدیث میں سند اجازہ حاصل کی، اور اس کے بعد ۷/ ۷/ ۱۹۹۸ء کو مُد (پیمانہ) کی سند سے بھی سرفراز ہوئے۔ (محدث شیخ الحدیث نمبر)۔

مشاہیر تلامذہ: آپ نے جامعہ فیض عام مئو اور جامعہ سلفیہ بنارس جیسی جماعت کی عظیم درسگاہوں میں برسوں تدریسی خدمات انجام دیئے ہیں اس لئے بلاشبہ آپ کے شاگردان وتلامذہ کی ایک لمبی تعداد ہوگئی۔ ذیل میں چند قابل ذکر اسمائے گرامی درج ہیں۔

۱۔مولانا شفاء اللہ فیضی، ۲۔مولانا محمد خالد فیضی، ۳۔مولانا مسعود عالم فیضی، ۴۔مولانا اشفاق سجاد تیمی، ۵۔مولانا ارشد امان اللہ سلفی، ۶۔مولانا ابوالقاسم اثری، ۷۔خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی، ۸۔مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی، ۹۔مولانا عبدالجبار

انعام اللہ سلفی، ۱۰۔عبد السلام شکیل احمد سلفی مدنی، ۱۱۔مولانا زبیر احمد عبد المعبود المدنی وغیرھم کثیر۔

تدریسی ودعوتی خدمات: ۱۔جامعہ فیض عام مئو سے فراغت کے بعد دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء یعنی دس سال تک آپ مادر علمی میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے،اس کے بعد اعلیٰ تعلیم اور بحث وتحقیق میں مہارت کے لئے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔

۲۔مدینہ یونیورسٹی اور المعہد العالی مکہ مکرمہ سے فراغت کے بعد جون ۱۹۸۸ء میں آپ رابطہ عالم اسلامی کے ابتعاث پر جامعہ سلفیہ بنارس تدریس سے منسلک ہو گئے اور مسلسل ۲۱ سالوں تک تشنگان علم وعرفان کو فیض پہنچاتے رہے اور جولائی ۲۰۰۹ء تک آپ وہاں تدریس سے منسلک رہے۔

۳۔جامعہ سلفیہ بنارس میں فرائض،اصول فقہ،تفسیر بیضاوی اور موطا امام مالک اور سنن ابی داؤد جیسی اہم ترین کتابیں زیر درس رہا کرتی تھیں۔

۴۔جامعہ سلفیہ کی عالیشان مسجد اور اس کے علاوہ شہر بنارس کی دیگر مساجد اہل حدیث میں آپ خطبات جمعہ بھی دیا کرتے تھے۔

۵۔کئی سالوں تک جامعہ کے شعبۂ افتاء سے بھی وابستہ رہے اور مختلف مسائل واحکام پر علمی وفقہی انداز میں فتاوے لکھتے رہے۔

۶۔جامعہ سلفیہ میں منتہی طلباء کے مقالات کی نگرانی اور تربیت پر مامور تھے اور یہ کام بڑی محنت اور اصول پسندی سے انجام دیا کرتے تھے۔

۷۔ملکی سطح پر منعقد ہونے والی کانفرنسوں اور سیمناروں میں بھی مدعو کئے جاتے اور قیمتی وتحقیقی مقالات سے سامعین کو مستفید کیا کرتے تھے۔

۸۔جھارکھنڈ کے مختلف علاقے بالخصوص چھوٹا ناگپور اور سنتھال و پرگنہ کے علاقوں میں مختلف موسم میں دعوتی دورے کیا کرتے تھے اور بسا اوقات ان علاقوں میں توحید وسنت کی دعوت پہنچانے کے لئے پیدل بھی سفر کیا کرتے تھے۔

تصنیفی خدمات: آپ ایک بہترین محقق اور کہنہ مشق قلمکار تھے۔جماعت کے مختلف جرائد ومجلّات میں آپ کے علمی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔خاص طور پر ماہنامہ محدث بنارس میں آپ ہمیشہ کچھ نہ کچھ تحریر فرمایا کرتے تھے۔میرے مطالعہ کی حد تک آپ کے بیشتر مضامین محدثین کی سیرت اور جماعت کے اہم علماء کی سوانح وخدمات پر مشتمل ہیں۔ذیل میں اہم مضامین اور تصنیفات درج کئے جارہے ہیں،تاکہ اہل علم اور طلباء کے لئے زاد راہ بن سکیں۔

۱۔مولانا منظور الحق بلیرا مپوری جھکاوی حیات وخدمات

۲۔علامہ البانی کی کتاب مناسک الحج والعمرۃ کا اردو ترجمہ ۴۰ صفحات۔

۳۔بیمہ(انشورنس)اور اس کی شرعی حیثیت(مقالہ شائع شدہ پاکوڑ کانفرنس رعلمی وفقہی مقالات)

۴۔محدث عصر علامہ ابوالحسن عبید اللہ رحمانی مبارکپوری(مقالہ شائع شدہ شیخ الحدیث نمبر محدث بنارس)

۵۔مصنف دیوان گلشن ہدایت پر کئی قسطوں میں مضامین(شائع شدہ محدث بنارس ۲۰۰۲ء وبعد کے شمارے)

اخلاق واوصاف: ا۔مولانا انتہائی سنجیدہ اور صاف ستھری طبیعت کے مالک تھے۔ ۲۔تدریس کی صلاحیتوں سے قدرت نے مالا مال فرمایا تھا، بلا مطالعہ اور بلا تحقیق وتدقیق کے پڑھانے کے عادی نہ تھے۔ ۳۔جو بھی ذمہ داری لیتے بڑی تندھی اور امانت داری سے ادا کرتے اور کسی قسم کی کوتاہی گوارہ نہ فرماتے۔آپ کی وفات پر استاذ محترم مولانا عزیز عمر سلفی حفظہ اللہ نوائے اسلام میں رقمطراز ہیں کہ:''مولانا مرحوم کی شخصیت مکمل علمی تھی مگر وہ نہایت ہی سادہ مزاج اور متواضع تھے،طلبہ کو پڑھانے سے پہلے اسباق کی بھرپور تیاری کرتے۔عبارتوں کو جب تک خود سمجھ نہیں لیتے اس وقت تک مسند درس پر نہیں بیٹھتے، یہاں تک کہ عبارت فہمی کے لئے چھوٹے بڑے اساتذہ ان سے مراجعت فرماتے، ان کے اس مزاج نے انہیں مثالی بنا دیا تھا۔آپ کی وفات حسرت آیات سے جماعت اہل حدیث اپنے ایک جید اور نیک عالم دین سے محروم ہوگئی''

ماہنامہ محدث بنارس کی خبر وفات میں ادارہ رقمطراز ہے کہ جامعہ سلفیہ میں آپ نے تقریباً ۲۱ سال تدریس کی خدمات انجام دی۔ اور اہم وبڑی کتابیں آپ کے زیر تدریس رہیں،طلبہ آپ کے طرز تدریس سے مطمئن اور خوش رہا کرتے تھے۔آپ ہر کتاب کو بہت ہی محنت سے پڑھاتے تھے اور اساتذہ کے درمیان آپ محترم ومحبوب تھے۔آپ کی موجودگی عموماً اساتذہ کی مجلسوں کو خوش گوار اور بسا اوقات قہقہہ زار بنا دیتی، بیماری کی وجہ سے جامعہ سے جانے کے بعد آپ کی عدم موجودگی کا احساس برابر ہوتا رہا۔

بیماری اور وفات: آپ کافی دنوں سے مریض رہا کرتے تھے، ہمارے دوران طالب علمی میں بھی آپ کو نسیان وذھول کا عارضہ لاحق تھا۔۲۰۰۹ء تک جامعہ سلفیہ میں رہے اور بنارس قیام کے آخری ایام میں زیادہ بیمار رہنے لگے، علاج ومعالجہ چلتا رہا، بالآخر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے تدریس سے مستعفی ہوگئے اور اپنے بڑے لڑکے عطاء اللہ کے پاس چلے گئے اور چند سالوں تک یہیں صاحب فراش رہے یہاں تک کہ ۱۷ مئی ۲۰۱۲ء مطابق ۲۵ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ کو وقت موعود آپہونچا اور جمعرات رات تین بجے روح قفص عنصری سے پرواز کرگئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ اور تدفین مئوناتھ بھنجن یوپی میں ہوئی، نماز جنازہ مولانا صغیر احمد فیضی مدرس جامعہ اسلامیہ فیض عام نے پڑھائی اور اس طرح تدریس ودعوت کا یہ درخشندہ ستارہ مطلع ہند سے غروب ہوگیا اللھم اغفرلہ وارحمہ واسکنہ الفردوس الاعلی۔

مراجع: (۱) ماہنامہ محدث بنارس شیخ الحدیث نمبر جنوری وفروری ۱۹۹۷ء، (۲) ماہنامہ نوائے اسلام دہلی جولائی ۲۰۱۲ء، (۳) ماہنامہ محدث بنارس جون ۲۰۱۲ء (خبر وفات مختصراً)، (۴) مضمون مولانا محمد حنیف فیضی مدنی حیات اور نقوش عمل /اشفاق سجاد سلفی بہار (۵) جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات /مولانا محمد مستقیم سلفی ص ۲۳۵۔، (۶) فقہی وعلمی مقالات ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ص ۳۰۔

(شائع شدہ صوت الاسلام ممبئی فروری ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

حضرت مولانا قرۃ العین فائق املوی انصاری

کچھ یادیں کچھ باتیں

وفات فروری ۲۰۱۴ء

فواز عبدالعزیز مبارکپوری
ریسرچ اسکالر، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

مشرقی یوپی کا ضلع اعظم گڑھ اپنی مردم خیزی، شادابی اور ہمہ جہت دینی، علمی اور سماجی خدمات کے لئے نہایت معروف ہے، اسی بابرکت ضلع کی جن چند بستیوں نے ادھر ڈیڑھ دوصدی سے پوری دنیا میں علمی وتمدنی جلوے بکھیر رکھے ہیں، ان میں سرفہرست مبارک پور بھی ہے۔ جس نے حدیث اور علوم حدیث ودیگر علوم اسلامیہ کی بے لوث خدمت کر کے ایک خاص وصف اور امتیاز پیدا کیا ہے۔ اسی مبارک پور سے متصل نہایت قدیم سلفی بستی ''املو'' بھی ہے، اس بستی سے حضرت مولانا عبداللہ جھاؤالہ آبادی، حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، حضرت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، حضرت مولانا حکیم عبدالخبیر صادق پوری، قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی وغیرہم جیسے عمائدین سلفیت کو خصوصی تعلق اور اعتماد رہا ہے، آج بھی یہ بستی اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر رواں دواں ہے۔ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل جب آمدورفت کے وسائل کمیاب اور مشکل تھے، تب بھی املو کو بیشتر علمائے جماعت، عمائدین وقائدین جمعیت کو میزبانی کا شرف حاصل ہے۔ اس چھوٹی بستی کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے تاسیسی اجلاس میں یہاں کے پانچ افراد نے شہر آرہ پہنچ کر اس کے افتتاحی اجلاس میں شریک ہوکر اپنی جماعتی بیداری، ہمدردی اور حمیت کو پیش کیا تھا۔ آج بھی ضلع اعظم گڑھ اور پاس پڑوس میں جو بھی سلفی بزم آراستہ کی جاتی ہے اس میں ''املو'' کا کردار نمایاں رہتا ہے۔ اس بستی سے حضرت مولانا ابومحمد عبدالحق املوی حضرت میاں صاحب دہلوی کے شاگرد اور تلبیس ابلیس کے مترجم، ان کے چھوٹے بھائی قاری حمیدالدین املوی، استاذ العلماء حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۱۹۶۵ء)، مولانا احمد اللہ املوی (شاگرد مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی وفات: ۱۹/فروری ۱۹۶۸ء/ ۱۳۸۸ھ) عبقری دوراں حضرت مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، حضرت مولانا مطیع اللہ رحمانی املوی اور مولانا حافظ اقبال احمد عمری (عربی کے گم نام ادیب اور صاحب دیوان شاعر) مولانا ہلال احمد املوی مدنی، ڈاکٹر شعیب خان (پاکستان کے پہلے وزیر خزانہ اور اسلامک ڈیولپمنٹ بنک کے سابق ڈائریکٹر) جیسی یگانہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں ہیں۔ جو اپنی ذات میں انجمن اور علم وفن کا ایک جہاں آباد کئے ہوئے تھے۔ آج بھی یہ بستی استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نورالعین سلفی املوی، مولانا مظہرالحق مدنی، حافظ عبدالرحمن مدنی املوی وغیرہم کی علمی، دعوتی اور سماجی خدمات سے معمور اور قدم بہ قدم تسلسل کو برقرار رکھے

ہوئے ہے۔انہیں سنہری کڑیوں میں سے ایک سنہری کڑی مشہور عالم دین، باوقار مدرس، بے باک داعی وخطیب اور ادیب وشاعر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قرۃ العین فائق املوی بھی ہیں۔آپ کی خدمات گو بہت طویل نہیں ہیں، لیکن جو بھی ہیں اور جیسی بھی ہیں بے حد وقیع اور گراں قدر ہیں۔

نام ونسب: قرۃ العین بن عبدالواحد بن حافظ عبدالرشید بن عبدالعظیم''فائق''، تخلص تھا، جو آپ کے بڑے تایا مولانا عبداللہ رحمانی املوی کا بھی تخلص تھا۔آپ کے آباء واجداد اجودھیا میں آباد برہمن تھے۔جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو محمد آباد جو املو سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور اب ضلع مئوناتھ بھنجن کا ایک حصہ ہے منتقل ہوئے، وہاں پر بھی جب عرصہ حیات تنگ کیا گیا، تب مجبوراً''املو'' منتقل ہوکر آباد ہوگئے۔ یہاں پر آکر انہیں ہر طرح کا تعاون، استقرار اور پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آئے۔اب یہ خاندان املو اور لوہیا کی حدود سے نکل کر ہندوستان کے مختلف خطوں میں آباد ہے اور اپنی دینی ودنیوی وجاہتوں کیلئے نہایت معروف ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد معمولی پڑھے لکھے، پارچہ باف مگر دین دار، حوصلہ منداور غیور انسان تھے، ۱۹۹۴ء میں ایک طویل علالت کے بعد وفات پائی۔آپ کے دادا حافظ عبدالرشید نہایت شہ زور، نڈر اور بہادر تھے۔سلفیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ جماعتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے، مبارک پور میں کئی نازک موقعوں پر آپ کی ہمت وجرأت اور بروقت موجودگی سے جماعت اہل حدیث کو فروغ واستحکام حاصل ہوا ہے۔آپ کے بڑے تایا حضرت مولانا عبداللہ فائق رحمانی املوی دارالحدیث رحمانیہ دہلی (فراغت: ۱۹۴۲ء۔وفات: ۱۳۶۲ھ۔۱۹۴۳ء) کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، فراغت کے فوراً بعد مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کئے گئے تھے، سال بھی گذرنے نہیں پایا تھا کہ تعطیلات میں گھر تشریف لائے، اسی درمیان ہیضہ کی وباء پھوٹ پڑی اور قضاء کر گئے۔ چھوٹے تایا مولوی عبدالاحد بھی دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے درجہ چہارم یا پنجم میں میں زیر تعلیم تھے کہ دق وسل نے پکڑ لیا اور انتقال کر گئے۔دونوں حضرات بالخصوص مولوی عبدالاحد کی ذہانت، سنجیدگی، جودت طبع اور سعادت مندی کی تعریف بارہا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، میرے نانا ماسٹر محمد حسن املوی اور مولانا قرۃ العین سے سنا۔ان دونوں سے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔دیگر نمایاں بزرگوں میں جن سے آپ بہت متاثر تھے اور برابر نجی محفلوں میں تذکرہ کرتے رہتے تھے، ولی صفت نانا محترم حافظ عبدالخالق املوی، میاں جی محمد یحیٰ اور پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب املوی تھے۔مولانا پیدائشی طور پر دبلے پتلے اور نحیف انسان تھے، مگر عزم وارادے میں آخر تک آہنی اور فولادی رہے، جس بات کو ٹھان لیتے، اسے پورا کر کے ہی دم لیتے تھے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۸ء املو کے ایک معروف، دین دار اور غیرت مند سلفی خاندان میں ہوئی۔کچھ ہی دن گذرے تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا۔پھر آپ نے پھوپھی (والدہ ماجدہ حاجی محمد ایوب وماسٹر محمد حسن املوی) کے آغوش میں تربیت پائی اور ان ہی کے زیر سایہ رہ کر پروان چڑھے۔مولانا اپنے بھائی اور بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ایک بہن وفات پا چکی ہیں، سر دست تین بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم مدرسہ انوار العلوم املو میں درجہ تین تک حاصل کی۔ پھر عربی واسلامی علوم وفنون کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے، اس کے لئے سب سے پہلے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن کا قصد کیا جہاں تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ صحت کی ناہمواری اور خرابی کی وجہ سے مدرسہ فیض عام کو چھوڑ کر مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا۔ یہاں پر دوسال رہے، پھر مزید علمی تشنگی بجھانے کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔ یہاں پر دوسال کی مختصر مدت میں مختلف اساتذہ سے اپنا دامن بھرتے رہے۔ یہیں پر رہ کر آپ نے مولوی، عالم کے امتحانات عربی فارسی مدرسہ بورڈ سے پاس کئے۔ یہاں پر بھی صحت کی خرابی اور گھر کے نامساعد حالات آڑے آئے اور تعلیم کو ترک کرنا پڑا۔ بالآخر پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب املوی کی تشجیع پر، دوبارہ مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لے کر فراغت کی سند حاصل کی۔ رفقائے درس ودیگر احباب میں استاذ گرامی جناب ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازہری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالحمید رحمانی، قاری محمد زبیر مبارکپوری، مولانا عزیز الرب فیضی (بھوارہ، مدھوبنی) مولانا مظہر احسن ازہری وغیرہم ہیں۔ فراغت کے بعد آپ بھی جامعہ ازہر مصر جانے کے لئے پرعزم اور شدید خواہش رکھتے تھے، لیکن گھر کے نامساعد حالات نے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔

مشفق اساتذہ: مدرسہ فیض عام: (۱) حضرت مولانا محمد احمد ناظم مئوی (۲) حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن فیضی (۳) حضرت مولانا عظیم اللہ مئوی (۴) حضرت مولانا شمس الحق سلفی (۵) حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی (۶) حضرت مولانا عبدالمعید بنارسی (۷) عم گرامی حضرت مولانا عبدالرحمن رحمانی مبارک پوری رحفظہ اللہ ومدظلہ۔

مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور: (۱) حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین قاسمی مبارکپوری (۲) مولانا محمد یحییٰ رسول پوری (۳) مولانا زین العابدین معروفی (سابق صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم (۴) مولانا عبدالمنان قاسمی باسوپوری۔

جامعہ رحمانیہ بنارس: (۱) حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (۲) حضرت مولانا حکیم بشیر احمد رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی وغیرہم۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد مولانا مجیب اللہ ندوی کے قائم کردہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ سے استاذ فوقانیہ کی حیثیت سے دوسال وابستہ رہے، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ ۱۹۶۲ء کے بعد جب مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کا قیام عمل میں آیا، اور جامعہ رحمانیہ بنارس کے اساتذہ مرکزی دارالعلوم میں منتقل ہوگئے، تو آپ حضرت شیخ الحدیث مبارک پوری کی ایماء پر جامعہ رحمانیہ بنارس منتقل ہوکر درس وتدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ جہاں آپ ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک سرگرم عمل رہے۔ پھر یہاں پر حالات کچھ اس طرح سے پیش آئے کہ دل برداشتہ استعفاء دے کر گھر چلے آئے، مبارک پور میں اسٹیشنری کی ایک دوکان کھول کر تجارت میں مصروف ہوگئے اور ملازمت کرنے کا خیال دل سے نکال ہی دیا۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کا کام ترجیحی طور پر انجام دیتے رہے، لیکن بلا معاوضہ جو کچھ دوکان سے حاصل ہوتا، اسی پر تاحیات قانع اور صابر وشاکر رہے۔

مبارکپور میں واپس آنے کے بعد جماعتی درد اور کسک نے آپ کو چین اور اطمینان سے نہیں بیٹھنے دیا، بلکہ آپ کی تحریک وکوشش

سے مدرسہ دار التعلیم مبارک پور میں عربی شعبہ کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ بحمد اللہ آپ اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نورالعین سلفی املوی کی مضبوط رفاقت، انتھک محنت اور حکمت عملی سے یہ شعبہ دوڑ پڑا، اور آج بھی رواں دواں اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہے۔ پھر آپ ہی کی کوشش وتحریک سے مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو میں بھی عربی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا، ایک مدت تک آپ مبارک پور سے جہاں آپ نے مکان بنوا کر مستقل رہائش کر لی، بسا اوقات صبح پیدل املو جاتے اور دس بجے تک سبق پڑھا کر دکان پر واپس آجاتے۔ آگے چل کر جب تجارتی مصروفیات بڑھ گئیں، تو آپ نے تدریسی خدمات سے سبکدوشی حاصل کر کے یکسوئی اختیار کر لی۔

تلامذہ اور مستفیدین: مختلف اوقات میں آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد خاصی ہے، جو ملک وبیرون ملک میں کلیدی عہدوں پر فائز ہیں اور اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں: ڈاکٹر جاوید اعظمی بنارسی، شیخ شاہد جنید بنارسی، ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، شیخ عبداللہ سعود بنارسی، ڈاکٹر محمد ابراہیم بنارسی، شیخ عبداللہ طیب بنارسی، ڈاکٹر اختر جمال بنارسی، شیخ کفایت اللہ مدنی، شیخ ابوالقاسم فاروقی، شیخ محمد عزیر شمس، شیخ محمد صالح مدنی بنارسی، مقامی شاگردوں میں والد محترم ڈاکٹر عبدالعزیز عبیداللہ مبارکپوری، ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوریؒ، مولانا عبدالکبیر مبارکپوری، محترمہ میمونہ محمد ادریس، مولانا مظہر الحق مدنی املوی، حافظ عبدالرحمن املوی مدنی، مولانا ابوالکلام مدنی لوہیاوی (مقیم حیدر آباد)، مولانا حفظ الرحمن مدنی (مقیم امارات متحدہ)، حافظ نعیم الرحمن مدنی لوہیاوی وغیرہم ہیں۔ شنیدہ ہے کہ ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ بھی آپ سے استفادہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

آپ کو افہام وتفہیم، مشکل مسائل اور پیچیدہ عبارتوں کی تحلیل وتجزیہ، تفسیر، حدیث، نحو، صرف، ادب اور بلاغت کی کتابیں پڑھانے میں ید طولی اور مہارت حاصل تھی، صرف کتابوں کی مثال پر اکتفاء نہیں کرتے تھے، بلکہ قرآن کریم واحادیث نبویہ سے مثالیں تلاش کر کے پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ ”قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس میں غور وفکر اور تدبر سے بیک وقت کئی مسائل حل ہوجاتے ہیں۔ میں جب جامعہ رحمانیہ بنارس میں شذا العرف پڑھاتا تھا تو روزانہ قرآن کریم تلاوت کرنے کے ساتھ متعلقہ نحوی وصرفی مسائل استنباط کر کے پوری تیاری کے ساتھ کلاس میں جاتا تھا“ استحضار اور برجستگی کا یہ عالم تھا کہ بعض مرکزی اداروں میں ہدایہ اور بخاری پڑھانے والے سینئر اساتذہ بھی حل طلب مشکل مقامات کے لئے پابندی سے رجوع کرتے تھے۔ وہ ہمارے مدارس سے منطق وفلسفہ نکالے جانے سے کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، کہتے تھے کہ: اس سے ذہن ودماغ کے دریچے کھلتے ہیں اور ذہن میں مسائل کی ترتیب میں بہت مدد ملتی ہے وغیرہ وغیرہ جب کہا جاتا کہ اب پڑھانے والے بھی نہ رہے، اور پڑھنے والوں کا رجحان بھی جدید علوم بالخصوص سائنس کی طرف زیادہ ہے، کہتے: تب علوم اسلامیہ کے لئے اس کی اہمیت وضرورت برقرار رہے گی!

ایک مرتبہ کہنے لگے کہ بعض اساتذہ ابتدائی کتابیں پڑھانے میں بھی بڑی لمبی چوڑی تقریر کرتے ہیں، جس سے طالب علم کا ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ گھبرا کر گھر بیٹھ جاتے ہیں اور دینی تعلیم سے متنفر ہوجاتا ہے۔ ہمیشہ استاذ کو بچوں کی ذہنی استعداد اور صلاحیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اب مقامی لوگوں میں دن بہ دن دینی تعلیم کے حصول میں کمی اور عوام کی دوری نظر آتی ہے۔ اگرچہ آپ نے رسمی درس وتدریس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، لیکن گھر اور دوکان کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا، بازار میں ہمہ وقت

موجودگی، چہرہ پرتبسم اور شادابی نے عوام کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، کسی کے دل میں کوئی خلش ہوئی کہ ''کتاب والے مولوی صاحب'' کی دوکان پر جادھمکا! بے شمار لوگ حاضر ہو کر اپنی گتھیاں سلجھاتے، کبھی کوئی حدیث نبوی کا درس لے رہا ہے، کوئی کسی ادبی شہ پارہ کی تشریح سے محظوظ ہو رہا ہے، کوئی کسی معاملے میں مشورہ چاہتا ہے، کبھی کوئی کسی مرکزی ادارے میں داخلہ کی تیاری میں معاونت یا کسی خاص سبجکٹ میں رہنمائی کا طالب ہے، مختصراً شام کو آپ کی دوکان اکثر و بیشتر علمی و ادبی نکتوں کی مختصر مگر پر رونق بزم اور مختلف سیاسی وسماجی مباحثوں کی آماجگاہ اور منبع بن جاتی تھی۔ بڑے بڑے منصوبے بھی وہیں بیٹھ کر تیار کئے جاتے تھے۔ انہیں روبہ عمل لانے کے لئے دستے بھی وہیں سے روانہ کئے جاتے تھے۔

صحافتی خدمات: آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے مضامین لکھنا شروع کر دیا تھا، اسی دور میں جب غالباً فیض عام مئو میں زیر تعلیم تھے کہ ایک مضمون قرآن کریم کے تعلق سے تحریر فرمایا، جو اس زمانہ میں ''معارف''، دارالمصنفین اعظم گڈھ میں شائع ہوا، جو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا، آگے چل کر یہی تحریر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں درس وتدریس سے وابستگی اور تعارف کا ذریعہ بنی۔ اسی طرح جب استاذ گرامی جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جامعہ ازہر مصر سے پڑھ کر واپس ہندوستان تشریف لائے، تو ان کے اشارے اور فرمائش پر متعدد مضامین کا ترجمہ کیا، جو مختلف مجلّات وجرائد میں چھپتے رہے۔

مولانا ایک بہترین قلم کار تھے، مختصر سے وقت میں آپ نے الاسلام، ترجمان اور اہل حدیث دہلی کے ذریعہ اہل علم کی توجہ اپنی تحریروں کی جانب مبذول کرالی تھی، لیکن جلد ہی اس دائرہ سے نکل کر عافیت کی راہ لے لی۔ پھر بھی بسا اوقات تسکین خاطر کے لئے روزنامہ 'آواز ملک' یا کسی اور مجلّے میں کوئی اصلاحی یا دعوتی مضمون دے دیا کرتے تھے۔ لیکن جب بربریت اور درندگی کے شکار ہوئے، تو اس بساط کو بھی لپیٹنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور آسان پیرائے، ان کی تحریر اور انشاء کی خوبیاں ہیں۔

اگر کوئی طالب علم اپنی ناپختہ تحریر کو لے کر اصلاح کی غرض سے حاضر ہوتا، بڑے انبساط اور فرحت سے گل اور بوٹے ٹانک کر اس کی کاوش کی تحسین اور اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ایسے باذوق طالبان علوم نبوت کو اردو زبان وادب میں مہارت اور تحریر میں رعنائی، دلکشی اور پختگی کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریریں پڑھنے کی بڑی تاکید کرتے تھے۔ کوئی بھی سنجیدہ طالب علم ان کی دوکان یا گھر پر چلا جائے، اس کی علمی، مادی اور اخلاقی تعاون میں بخل یا تکاسل کا مظاہرہ نہیں کیا، جو بھی بن پڑا اور جہاں تک ہوسکا، اس کی ترقی کے لئے کوشش کی۔

دعوتی وتبلیغی خدمات اور ضلعی جمعیت اہل حدیث کے حوالے سے خدمات: گاؤں کے باحیات بزرگوں کے مطابق آپ زمانہ طالب علمی ہی سے تحریر وتقریر دونوں میں پیش پیش رہتے تھے، گاؤں اور پاس پڑوس کے دیہاتوں میں جمعہ کا خطبہ دینا، خوشی وغمی کے مختلف مناسبات میں گھروں میں جا کر خواتین کے درمیان تقریریں کرنا وغیرہ وغیرہ۔ انہیں سرگرمیوں کے پیش نظر، جب آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڈھ منعقدہ ۱۹۶۲ء کے بعد جب جماعت کا ازسرنو تنظیمی سلسلہ قائد جماعت حضرت مولانا عبدالوہاب آروی، حضرت شیخ الحدیث مبارکپوری اور حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی کی نگرانی اور اشراف میں شروع ہوا تب حضرات شیخین کی ایماء

اورخواہش پر آپ کونوعمری ہی میں ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڈھ کا ناظم مقرر کیا گیا، جماعتی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے اوراس میں تیزی لانے کے لئے ضلعی جمعیت کی جانب سے ایک مبلغ کی تقرری کومنظوری کروایا، ضلعی جمعیت کا صدر دفتر مئوناتھ بھنجن میں قائم کیا اور مقامی دفتر کو املو میں رکھا گیا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات شیخین نے جن توقعات، امید اور اعتماد کے ساتھ مولانا کو مقامی جماعت کی تنظیمی اور دعوتی ذمہ داریوں کوسونپا تھا، مولانا نے اس کردار کوتاحیات نبھانے اوران کی توقعات پر کھرا اترنے کی کوشش فرمائی۔ یہ سعی محمود کس حدتک اور کہاں تک کامیاب رہی ہے؟ اس کا فیصلہ آنے والا جماعت کا مورخ کرے گا؟ مقامی طور پر تنظیمی اور دعوتی امور میں مولانا قرۃ العین املوی نے معاصر علماء اہل حدیث مبارکپور جو ہندو بیرون ہند میں منتشر اور مختلف شعبوں میں سرگرم ہیں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ کوئی اپنی ذمہ داری کونبھائے یا علاحدہ کنارہ کش رہے، مولانا جمعیت کے پروگراموں میں وہاں موجود ہی نہیں بلکہ پیش پیش رہتے تھے۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث کے پچاس سالہ مختصر سفر پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اب تک ضلعی جمعیت ان ہی دنوں میں متحرک اور فعال رہی ہے، جن دنوں میں مولانا متحرک اور ہشاش بشاش رہے ہیں۔ مولانا اگر بیمار ہیں یا اپنے مقدموں اور ذاتی الجھنوں میں گرفتار ہیں، تب تب جمعیت کی کارکردگی سست بلکہ بسا اوقات معطل بھی رہی ہے۔

آپ جملہ دینی اور دعوتی تقریبات میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ اعظم گڈھ میں منعقد ہونے والے جلسوں میں آپ کی حصہ داری اور شرکت کوضروری ہی نہیں کامیابی کی ضمانت اور زینہ تصور کیا جاتا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں آپ کو صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی کا نائب امیر منتخب کیا گیا، اس کے بعد ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڈھ کو اپنے رفیق کار مولانا عبدالمجید اصلاحی حفظہ اللہ کے ساتھ مل کر ازسرنو منظم کیا، اس کی سرگرمیوں اور دائرہ کار کو وسعت دی، ایک نیا لائحہ عمل اور پروگرام مرتب کیا۔ مختلف مقامات کے دورے کرکے وہاں پر اکائی اور یونٹ قائم کرکے ضلع جمعیت کا انتخاب کروایا۔ اس کے بعد جماعتی بیداری کی ایک لہر پیدا ہو چلی، تادم تحریر ضلع اعظم گڈھ میں ہر ماہ کم ازکم دوتین دعوتی پروگرام ضرور ہوتے ہیں۔ قرب وجوار میں تقریباً پابندی سے خطبہ جمعہ کے لئے دعاۃ جاتے ہیں اور دور دراز مقامات کے لئے مہینہ میں کم ازکم ایک بار اجتماعی طور سے لوگ جاتے ہیں، ملاقاتیں کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مولانا ہی کی تحریک اور مشورے پر مختلف سلفی مجلّات پندرہ روزہ ترجمان، نوائے اسلام وغیرہ کی ڈیڑھ درجن کاپیاں منگوا کر ضلع کے مختلف مقامات پر احباب جماعت میں حسب توفیق تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ضلع کے جغرافیائی طول وعرض کے اعتبار سے یہ تعداد ناکافی اور بہت کم ہے، لیکن پھر بھی غنیمت اور دیگر جمعیات کے لئے نمونہ اور اسوہ ہے۔

۱۹۶۸ء میں ریاستی مشرقی جمعیت اہل حدیث اترپردیش کا صوبائی اجلاس ''املو'' میں منعقد ہوا تھا، جس میں علامہ ربیع ہادی مدخلی، شیخ صالح عراقی سابق اساتذہ جامعہ سلفیہ بنارس وجامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری ودیگر عمائدین جماعت نے شرکت فرمائی تھی۔ اس کے محرک اور روح رواں مولانا قرۃ العین صاحب ہی تھے، آپ ہی کی شب وروز محنتوں سے یہ اجلاس کامیابی سے ہم کنار ہوسکا تھا۔ اس کانفرنس کا شمار صوبائی جمعیت کی نہایت کامیاب اور تاریخ ساز کانفرنسوں

میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی آپ ہی کی کوششوں اور تحریک سے املو اور اطراف وجوانب میں متعدد کامیاب اور تاریخ ساز اجلاس منعقد ہوئے۔ جب تک مولانا کے سرپرست پھوپھی زاد بھائی حاجی محمد ایوب املوی (وفات: ۱۹۸۴ء) باحیات رہے، انہیں دینی جلسوں اور پروگراموں کے انعقاد ودیگر ضروری انتظامات کے سلسلہ میں بڑی آزادی اور بےفکری حاصل رہی۔ حاجی صاحب مرحوم بذات خود اس دیار میں دعوت اہل حدیث کے بڑے جیالوں میں سے تھے، جمعیت جماعت کے لئے ہمہ وقت تیار اور ہردم تازہ پابہ رکاب والی کیفیت سے سرشار تھے۔

ہمارے ہوش میں اسی طرح کا ایک اور دوروزہ اجلاس عام ''املو'' میں ۱۹۹۶ء یا ۱۹۹۷ء میں بڑے دھوم دھام سے منعقد کروایا تھا، جس میں حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز عمری، حضرت مولانا عبدالسمیع جعفری پٹنہ، حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی دہلی، حضرت مولانا عبدالشکور اثری وغیرہم نے شرکت کی تھی۔ ایک عرصہ سے پھر اس طرح کا دوبارہ اجلاس کرانے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے، اس کا اظہار خاکسار سے کئی بار کیا، اب مولانا کی صحت بھی تنہا بیڑا اٹھانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی، یہاں کی اقتصادی زبوں حالی مخلص رجال کار کی قلت، مولانا کے ارادوں میں دیوار بنی رہیں۔ مولانا بڑے سے بڑے مجمع کو کنٹرول کرنے اور رخ پھیرنے میں بڑے چابک دست تھے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، جلسوں میں اناؤنسنگ جیسی مشکل ذمہ داری آپ ہی کے سر ہوتی تھی۔

ان ہی جماعتی سرگرمیوں اور نشاطات کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ان بستیوں میں بھی جماعت کے افراد نظر آرہے ہیں جہاں کبھی اہل حدیث نہیں ہوتے تھے یا جہاں کبھی اہل حدیث ہوا کرتے تھے، وہاں پر بھی لوگ دوبارہ جمعیت سے وابستہ ہوئے۔ اس بیداری میں مملکت توحید سعودی عرب کے شعبہ جالیات سے وابستہ احباب جماعت کی دعوتی کوششوں کا عمل دخل زیادہ ہے۔ مولانا املوی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کے باوجود ہر پروگرام میں بڑی دلچسپی سے شرکت فرماتے تھے۔ وہاں پر موجود اپنے سے چھوٹوں کو اپنے طویل دعوتی تجربات کی روشنی میں راہ نمائی کرتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کرتے۔

ابھی چند ماہ قبل گولواں نصیر پور ضلع اعظم گڈھ میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں کمزوری اور علالت کے باوجود شرکت فرمائی، اس جلسہ میں حضرت مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی، مولانا انصار زبیر محمدی، شیخ مقصود الحسن فیضی وغیرہم نے خطاب فرمایا تھا۔ ازاول تا آخر مقررین کی تقاریر سے محظوظ ہوتے رہے۔ یہ آخری اجلاس تھا جس میں مولانا نے شرکت کی تھی۔ سیاسی طور پر مولانا کانگریس سے مدتوں جڑے رہے، اسی طرح جمعیۃ العلماء سے بھی وابستہ رہے، مدتوں املو میں ان کا آبائی گھر جمعیۃ العلماء کا دفتر بھی رہا، لیکن جب ایک مخصوص جماعت اور فرد واحد کی شناخت بن گئی تو اس سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے لگاؤ اور سرگرمیوں سے دلچسپی: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی سرگرمیوں سے بے حد لگاؤ اور دلچسپی تھی، جب کبھی خاکسار دہلی سے گھر جاتا، پہلی فرصت میں استاذ گرامی شیخ اصغر علی سلفی صاحب رحفظہ اللہ کی خرخیریت اور جماعتی سرگرمیوں کی خبر لیتے۔ کہتے تھے کہ ''مرکزی جمعیت اہل حدیث سے ہمارا رشتہ باپ دادا کا ہے'' ہمارے گاؤں 'املو' سے حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کی خصوصی دعوت پر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے تاسیسی اجلاس ۱۹۰۶ء منعقدہ شہر آرہ میں

پانچ لوگ شریک ہوئے تھے'' (یہ بات مدنظر رہے کہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری نے بارہا ''املو'' کو شرف قدوم سے نوازا تھا) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے بعض پروگراموں میں شرکت کے لئے دہلی بھی تشریف لائے۔ صوبائی جمعیت اہل حدیث لکھنؤ کے پروگراموں اور میٹنگوں میں جب تک صحت نے ساتھ دیا، بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ پاکوڑ اجلاس میں پورے ایک قافلہ کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

اعظم گڈھ کی اہل حدیث بستیوں کے دورے: آپ نے دوبارہ ۷۰ اور ۸۰ کی دہائی میں متحدہ ضلع اعظم گڈھ کے ایک ایک گاؤں کا مکمل سروے کیا تھا۔ کن کن بستیوں میں جماعت کا وجود ہے؟ کہاں کہاں جماعت کا وجود تھا اور اب افراد جماعت ناپید ہیں؟ سرکردہ افراد! سمٹنے کے اسباب اور وجوہات؟ وغیرہ وغیرہ پورا مواد ان کے ذہن ودماغ میں مستحضر رہتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کہتے تھے کہ ''ہمارے ضلع اعظم گڈھ میں اہل حدیث اتنے ہی قدیم اور پرانے ہیں جتنا کہ یہاں اسلام اور مسلمان ہیں۔ سالار سید مسعود غازی کے ہمراہ آنے والے مجاہدین بھی اہل حدیث تھے، بہرائچ کی طرف کوچ کرتے ہوئے مبارک پور سے چند میل دور بلریا گنج سے متصل ''بھگت پور'' نامی بستی میں چند دنوں کے لئے پڑاؤ ڈالا تھا، انہوں نے چند حضرات کو دعوت وتبلیغ کے لئے یہاں چھوڑ دیا تھا، اس وقت سے لے کر تا دم تحریر وہ خاندان اہل حدیث منہج واصول کا پابند ہے اور اس سعادت کو اپنے لئے سرمایہ افتخار بھی تصور کرتا ہے'' اس کے لئے وہ باقاعدہ بعض تاریخی کتابوں کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

مقامی جماعتی تاریخ کے بارے میں بھی وہ مرجع اور سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ خاکسار نے جب کبھی کسی جماعتی معاملہ یا واقعہ میں توثیق کے لئے ان سے رجوع کیا، انہوں نے کسی نہ کسی گوشے کی طرف اشارہ کرکے میری محدود معلومات میں اضافے کا باعث اور حیرت واستعجاب کا موجب بنے، وہیں کبھی کبھی بعض مورخین کی خیانتوں اور مسلکی ترجیحات کی طرف اشارہ کرکے شادکام فرمایا۔ اسی طرح قرب وجوار کے اضلاع جون پور، غازی پور، دیوریا میں اہل حدیث بستیوں اور اشخاص کے بارے میں بھی وافر معتبر معلومات رکھتے تھے۔

آپ کو ضلع اعظم گڈھ میں سلفیوں کی گھٹتی ہوئی تعداد کے سلسلہ میں نہایت قلق اور تشویش رہتی تھی۔ اس کا تذکرہ محفلوں اور مجلسوں میں برابر کرتے رہتے تھے، اس کے تدارک کے لئے موثر تجاویز اور اقدامات بھی کرتے تھے، مدرسہ دار التعلیم مبارک پور اور مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو میں عربی شعبہ کا افتتاح بھی اسی غرض کے تحت کروایا تھا کہ وہ مقامی بچے جو باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کے لئے مقامی طور پر دروازہ کھلا رہے، اسی طرح مبلغین اور جمعہ پڑھانے والوں کی قلت کی شکایت بھی نہیں رہے گی۔

خطبات جمعہ: آپ کو جماعتی ودعوتی سرگرمیوں کو اس وقت ایک نئی جہت، شناخت اور وقار اعتبار ملا، جب آپ کو ۱۹۸۴ء میں جامع مسجد حافظ خدا بخش غلہ منڈی مبارک پور کا امام صلاۃ جمعہ مقرر کیا گیا، آپ کے خطبوں اور تقاریر کی دھوم مچ گئی۔ سننے والوں میں غیر جماعتی سنجیدہ اور باذوق حضرات کی اچھی خاصی تعداد ہمہ تن گوش رہتی تھی۔ اس سے قبل اعظم گڑھ کی مختلف بستیوں میں

جا کر خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے خطبوں کی جدت، اثر آفرینی اور سحر طرازی آج بھی سامعین کے دلوں پر ثبت ہے، اس کا تذکرہ بھی برابر کیا جاتا ہے۔ نہ جانے کتنے شکوک وشبہات اور تذبذب کے شکار حضرات کو راہ راست پر لائے، ان کے ایمان کی دولت عظمیٰ اور آخرت کو سنوارا۔ اس مبارک سلسلہ کو پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی وجہ سے ۲۰۰۴ء میں بند کرنا پڑا۔ جامع مسجد حافظ خدا بخش مبارک پوری میں خطابت کا یہ زریں دور تھا، اسی دور میں مسجد کی جدید تعمیر بھی ہوئی۔ جس سے مزید مصلیوں کی گنجائش پیدا ہوئی اور اس میں دعوتی پروگراموں کے امکانات روشن ہوئے۔

مولانا جمعہ کے خطبوں کے لئے باقاعدہ اور بھرپور تیاری کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر مواد یا احادیث کریمہ کی تحقیق کے لئے ہمارے گھر تشریف لاتے۔ حافظہ بڑا قوی اور مضبوط پایا تھا۔ کبھی کبھی تاکید کے لئے آتے، کہتے کہ ''دوران درس فلاں استاد نے یہ بات فلاں حدیث کے حوالے سے بتائی تھی، ذرا مراجعہ اور تحقیق کرلوں'' بھرپور اطمینان اور تحقیق کے بعد ہی خطبہ دیتے تھے۔ مشاہدہ بھی وسیع اور عمیق تھا، زندگی کے تلخ وشیریں تجربات، حساس دل اور پختہ شعور نے اسے مزید نکھار دیا تھا۔ انداز سادہ مگر دل نشیں اور موثر ہوتا تھا، بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے گریز کرتے تھے، وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے، مسلکی ترجیحات وتنقیحات کو بھی بڑی خوبصورتی اور بردباری سے پیش کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھی تو سامعین کے درمیان آپ کے خطبہ جمعہ پر مباحثوں کے دروازے کھل جاتے تھے، مولانا کیلئے یہ موقع بڑا خوش گوار اور مسرت آمیز ہوتا تھا۔ بڑی متانت اور سنجیدگی سے، اپنے دلائل اور معلومات کی روشنی میں سائل کو مطمئن کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر بلاتفریق مراتب رجوع کرنے اور پوچھنے میں عار یا جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔

ان کے دور خطابت میں سامعین میں دینی مسائل اور معلومات کے تئیں جو بیداری اور دلچسپی ملاحظہ میں آئی، بعد میں آنے والے حاضرین کے یہاں وہ لگن اور حرارت نہیں پائی جاتی۔ وہ آتش فشانی اور شعلہ نوائی کے سخت مخالف تھے، اس طرز اور اسلوب کو سلفی دعوت کے لئے نہایت ضرر رساں تصور کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سامعین بسا اوقات خطبہ کی اگلی قسط کا انتظار بڑی شدت اور بے چینی سے کرتے تھے، فوت ہوجانے پر اپنے ملال اور حسرت وافسوس کا اظہار بھی کرتے ہوئے نظر آئے۔

مولانا مردم ساز اور مردم شناس تھے، اللہ تعالیٰ نے ذہانت وفطانت اور گلفشانی گفتار کے جوہر سے وافر مقدار میں نوازا بھی تھا۔ اشخاص وافراد سے کام لینے کے ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ نوجوان آگے بڑھ کر ذمہ داریوں کو سنبھالیں، یہی نہیں بلکہ مناسب موقع اور محل کے لحاظ سے خدمت کے مواقع بہم پہنچاتے رہتے تھے اور نہایت خاموشی کیساتھ تربیت اور رہنمائی کے مدارج طے کراتے۔ وہ جس محفل میں موجود رہتے، حاضرین پر گھنے بادل کی طرح چھائے رہتے اور اپنی ظرافتوں اور بذلہ سنجیوں سے مجلس کو باندھے رکھتے تھے۔ وہ ایک بہترین مدبر اور منصوبہ ساز تھے، وہ چاہتے تو کوئی مدرسہ یا ادارہ قائم کرکے اپنے متعلقین کا مستقبل سنوار سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے جماعتی مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھا، کبھی بھی مالی منفعت یا کسی طرح کے ذاتی مفاد کو ترجیح نہیں دیا۔

ابتلاء اور آزمائش: مولانا اپنے پچاس پچپن سالہ طویل دعوتی سفر میں متعدد پڑاؤ اور نشیب وفراز سے گذرے، وہ اپنے جرأت مندانہ اقدامات کے لئے نہایت مشہور تھے۔ وہ کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے، انہیں اپنے علم پر اعتماد اور بھروسہ تھا، ان کی تحقیق

اور دانش میں کتاب وسنت کی روشنی میں جو درست نظر آیا اسے اعتبار اور اولیت حاصل تھی۔ وہ سماج سے جڑے ہوئے آدمی تھے، مفاسد اور خرابیوں پر نظر رکھتے تھے، برابر لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلاتے بھی رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ تاحیات معتوب رہے اور اس کی بھاری قیمت چکاتے رہے، انہیں کبھی اس کی پرواہ بھی نہیں رہی۔ ہاں اپنے ہر اقدام میں خیر کے پہلو کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح جس بات کو وہ حق جانتے اور سمجھتے تھے، اسی پر اٹل اور ڈٹے رہتے تھے۔ اس راہ میں آپ کو مختلف پریشانیوں، اذیتوں اور تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

روزنامہ ''آواز ملک'' بنارس ۱۹۹۰ء میں محرم الحرام کے حوالہ سے شائع آپ کے ایک مضمون کو لے کر ایک خاص فرقہ کے لوگوں نے دکان پر جا کر آپ کو اور آپ کے بڑے بیٹے احتشام الرحمن پر جان لیوا حملہ کر دیا اور اس وقت تک زدو کوب کرتے رہے جب تک کہ انہیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ اب یہ زندہ نہیں ہیں۔ لیکن خالق الموت والحیاۃ کا نوشتہ کچھ اور تھا، زندگی اور حیات کا رشتہ ابھی باقی تھا، حزبیت اور شعوبیت کا یہ ننگا ناچ دسمبر کی کڑاکے کی ٹھنڈی اور روز جمعہ کی مبارک ساعتوں میں انجام دیا گیا تھا، مولانا خطبہ جمعہ کی تیاریوں میں منہمک تھے، دیکھتے ہی دیکھتے تعصب وعناد کی بھینٹ چڑھا دئے گئے۔

جماعت اہل حدیث مبارک پور کی تاریخ میں یہ بے حد نازک موڑ اور شاید پہلی بار شدید آزمائش کا موقع تھا، جس نے بھی سنا دم بخود اور اس شرم ناک مذبوحی اور بزدلانہ حرکت پر ششدر اور دنگ رہ گیا۔ سب سے پہلے آپ کو اعظم گڈھ صدر اسپتال میں لے جایا گیا، حالت بے حد نازک اور تشویش ناک تھی، ڈاکٹروں نے وہاں سے میڈیکل کالج بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس ریفر کر دیا۔ مہینوں وہاں زیر علاج رہے۔ ہاتھ کی وہ رگ کٹ گئی تھی جس سے اس کی حرکت اور عمل معطل ہو گئی، بنارس کے ڈاکٹروں نے اس کو الگ کرنے کا فیصلہ سنا دیا تھا، آپ نے اللہ رب العزت سے لو لگائے رکھا اور ہمت نہیں ہاری، اس کے علاج کے لئے ممبئی کا رخ کیا، جہاں جے جے اسپتال میں آپ کا کامیاب آپریشن ہوا، روبہ صحت ہونے اور معمولات پر آنے میں سالوں لگ گئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جو مقدمات اور ان میں پیشی اور حاضریوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا اور تادم تحریر جاری ہے، وہ آپ اور آپ کے متعلقین کیلئے ذہنی کرب، اذیت اور زیر باری کا باعث رہا، ہر ماہ دو سے تین پیشیوں کا اوسط رہا، لیکن آپ نے نہایت خاموشی اور وقار سے جس صبر واستقلال اور پائے ثبات کے ساتھ ان سب کا سامنا کیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا، کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ مبارک پور میں ۲۰۰۰ء میں جب دوبارہ شیعہ دیوبندی فساد ہوا، تو اس میں بھی آپ کو اور بڑے بیٹے احتشام الرحمن کو بلاقصور نامزد کیا گیا۔ مولانا کو گھر سے عین مغرب کی نماز سے قبل گرفتار کیا گیا۔ کئی ماہ کی قید و بند اور مسلسل صعوبتوں کے بعد کسی طرح سے ضمانت پر جیل سے رہائی ملی۔ انہی متواتر پریشانیوں اور پے در پے آزار و الجھنوں نے مولانا کو ضعیف و ناتواں کر دیا تھا۔

شعروشاعری: معاصر علماء اہل حدیث مبارک پور میں آپ کو یہ خاص وصف اور امتیاز حاصل تھا کہ دینی ذخیرے پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ، ادب اور شعروشاعری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حضرت فائق انصاری املوی بسیار گو اور کہنہ مشق شاعر تھے، غزل، حمد، نعت اور نظم ہر صنف میں یکساں دسترس حاصل تھی۔ نہایت سلیس اور مؤثر پیرائے میں نازک اور لطیف استعارات کے ساتھ اپنے

خیالات کو نظم کرتے ہیں۔ اصلاحی اور قومی مضامین کو بھی با محاورہ زبان میں ڈھالا ہے البتہ جب سے جامع مسجد حافظ خدا بخش کی خطابت اور امامت صلاۃ جمعہ سونپی گئی، تب سے غزل کے کوچے سے راہ ورسم منقطع کر لی۔

راقم نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے بزرگ نانا کو کسی مشاعرے میں شرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کے کلام کو پیش کرنے والے متعدد شعراء پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت فائق املوی کا منظوم سرمایہ ضخیم تھا۔ نام ونمود اور شہرت سے گریز تھا، اس لئے جمع کرنے اور شائع کرنے کا خیال اور اہتمام کبھی نہیں کیا، اس معاملے میں بڑے لاپرواہ واقع ہوئے۔ مقامی شعراء میں متعدد حضرات کا شعری سرمایہ آپ ہی کے مرہون منت ہے۔ جو بھی حاضر ہوا، بامراد ہی لوٹا، اسی دریادلی اور سخاوت کے چلتے آپ کی برسوں کی محنت ''واردات دل'' کو کوئی بے رحمی سے اڑا لے گیا اور مولانا اس کی جرأت رندانہ کو نظر انداز کرتے رہے۔ ابھی بھی جو سرمایہ گھر پر موجود ہے کم از کم ایک دیوان تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپ کے تایا مولانا عبداللہ فائق رحمانی کا دیوان بھی ماضی قریب تک موجود تھا، اب اس کا بھی سراغ نہیں ملتا۔

آپ نہ صرف معتبر شاعر تھے، بلکہ علاقہ کے مسلم الثبوت استاذ الشعراء قرار پائے، عربی زبان وقواعد پر عبور اور فارسی ذخیرے سے واقفیت اور علوم دینیہ پر گہری نظر اور دسترس نے ایک خاص امتیاز پیدا کر دیا تھا۔ مبارک پور اور اطراف وجوانب کی متعدد نسلیں آپ کے دامن تربیت سے وابستہ رہ کر فکر ونظر کے زاویوں کی اصلاح اور ان کے فیضان نظر سے اپنے شعری ریاض کو صیقل کیا ہے۔ ان میں سے مہتاب پیامی، مرزا ارشد بیگ منا وغیرہم سرفہرست ہیں۔ مبارک پور کی ادبی اور شعری محفلوں میں برپا ہونے والی لفظی موشگافیوں اور ادبی معرکوں میں اکثر وبیشتر آپ کا قول فیصل ہوتا تھا۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ اجلاس کے لئے جاتے ہوئے راستہ میں قلم بند کی گئی تاثراتی نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

گل ولالہ وہابی ہو گئے ہیں
مئے وساغر حجازی ہو گئے ہیں
نہ چھیڑوں ذکر گذرے مشغلوں کا
نگاہ ودل نمازی ہو گئے ہیں
خدا رکھے میرے گھر کو سلامت
میرے بھائی فسادی ہو گئے ہیں
رموز شرع سے نا آشنا لوگ
غزالی اور رازی ہو گئے ہیں
ہمارے شہر میں قاضی کے فتوے
میاں فائق رکابی ہو گئے ہیں

مزید۔ملاحظہ فرمائیں:

ہر ایک لفظ نے مفہوم کھودیا اپنا؟
فضائے علم وادب ہوگئی معتبر کیسے؟

ایک غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

شعلہ کہیں کہیں پہ ہے منظر غبار کا
چہرہ ہوا ہے وحشی ہمارے دیار کا
آزادی چمن کو زمانہ ہوا مگر
دامن ہے تار تار ابھی تک بہار کا
کشکول ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں شہر شہر
یہ المیہ ہے کل کے ہر اک تاجدار کا
انسان اپنے فعل پہ پچھتائے گا ضرور
اترے گا جب کبھی بھی نشہ اقتدار کا
شامل ہے جب زمانے کی فطرت میں انقلاب
کب تک چلے گا زور کسی زور دار کا
کس طرح سے فساد کی افواہ گرم ہو
یہ مشغلہ ہے آج کل لیل ونہار کا
دیدہ وروں کے شہر میں کچھ بے ضمیر لوگ
پتلا جلا رہے ہیں میرے شاہ کار کا
دینے چلا ہوں ارض وطن کو لہو کا دان
دیکھیں گے لوگ پھر وہی نقشہ بہار کا
فائق یہ دیکھنا ہے قیادت کی بھیڑ میں
کس کو ہے کتنا پاس چمن کے وقار کا

اور یہ بھی پڑھیں

دل بیتاب کی سوغات کچھ اچھی نہیں لگتی
وطن والوں کی میری بات کچھ اچھی نہیں لگتی

تیری تلوار پر تو دشمنوں کا خوں چھلکتا تھا
تیرے اشکوں کی یہ برسات کچھ اچھی نہیں لگتی
تیرے قدموں کے ٹھوکر میں تو رقصاں صبح روشن تھی
سرافگندہ یہ تیری رات کچھ اچھی نہیں لگتی
مذاق سر فروشی جن کی فطرت ہے زمانے کی
انہیں تشریح امکانات کچھ اچھی نہیں لگتی
جو بن جاتی ہے آخرکار وجہ خود گرفتاری
مجھے نادان تیری بات کچھ اچھی نہیں لگتی
جو در پردہ دروغ شب ظلمت کی پیالی ہو
وہی بزم تجلیات کچھ اچھی نہیں لگتی
بدل ڈالے جو لوگ مقصد آیات قرآنی
مجھے وہ سعی تشریحات کچھ اچھی نہیں لگتی
عملہائے محمد کی نہ جس میں حکمرانی ہو
فقیہ شہر کی طرف وہ بات کچھ اچھی نہیں لگتی
نہ قائم رہ سکے جس سے مقام ومنصب سنت
مجھے وہ طرز تاویلات کچھ اچھی نہیں لگتی

مولانا بے حد اصولی اور پابند شریعت انسان تھے۔ معاملات دنیاوی ہوں یا دینی ہر ایک میں شریعت کو مقدم رکھتے تھے۔ لین دین کو بہت صاف اور شفاف رکھتے تھے۔ شاید اسی سبب بیوپاریوں کو بھی مولانا پر بڑا اعتماد، اعتبار اور یقین تھا۔ ابتدائی زندگی مشکلات اور عسرت سے بھری پڑی تھی، لیکن ہمیشہ صابر، شاکر اور قناعت پسند رہے۔ جب خوشحالی نے دستک دی، تب بھی قدم قدم پر اعتدال اور قناعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ معمولات کے بڑے سخت پابند تھے، مولانا رات میں سویرے سوجاتے تھے، آخری پہر میں اٹھ کر تہجد پڑھتے اور دعا ومناجات میں مصروف ہوجاتے۔ فجر کی نماز کے بعد تلاوت وغیرہ سے فراغت کے بعد آٹھ بجے تک لازماً دوکان پہنچ جاتے تھے، جہاں شام تک حصول رزق میں مصروف رہتے۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا، روز تینوں دوکانوں پر جا کر صورت حال کا جائزہ لیتے تھے۔

مولانا اپنے رشتہ دار، محلہ والے اور پڑوسیوں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ گھر پر خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ کوئی بھی ضرورت مند خالی ہاتھ اور بھوکا نہ جائے۔ کچھ ڈھیٹھ اور بے شرم اس کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے تھے، پھر بھی ان کی دل جوئی

اور خاطر مدارات کرتے۔ لوگوں کی خدمت اور رہنمائی ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ دل میں مسلک سلف کے لئے بے حد تڑپ تھی، اس کی ترویج واشاعت کے لئے ہمہ وقت تیار بیٹھے رہتے تھے۔ اس کی خاطر بسا اوقات ہونے والے تجارتی نقصانات کو بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔

با این ہمہ مولانا ایک انسان تھے، غلطیوں اور لغزشوں کے مرتکب تھے۔ مرض الموت میں جو بھی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتا، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کے لئے معافی ضرور مانگتے۔ ادھر دو تین سال سے مختلف عوارض یکے بعد دیگرے کئی بار حملہ آور ہوئے، جس سے وہ روبہ صحت ہوجاتے تھے اور معمولات کے مطابق روز مرہ کی زندگی اور مصروفیات میں اسی رفتار سے مشغول بھی ہوجاتے تھے، لیکن وہ کچھ بجھے بجھے اور خاموش سے رہنے لگے تھے، کہاں محفل نشینی اور کہاں یہ عزلت وخاموشی اور گوشہ نشینی!! جس سے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب یہ شمع بھی خاموش ہونا چاہتی ہے۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا یکم ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ مطابق ۲ فروری ۲۰۱۴ء بروز اتوار، شام پانچ بج کر دس منٹ پر سلفیت کے اس شیدائی اور علم بردار نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔ باوجودیکہ مولانا پر بیماری کا شدید حملہ تھا اور انہیں بھی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اس سے جانبری نہیں ہوگی، جس صبر وضبط اور تحمل وسکون کا مظاہرہ کیا، وہ آپ کی عظیم ایمانی طاقت اور یقین کی علامت تھی، جب کہ بالعموم کینسر کے مریض دردکش دواؤں اور انجکشن کے سہارے رکھے جاتے ہیں۔ مولانا کی حالت اوروں سے بالکل الگ اور یکسر مختلف تھی، اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔

اگلے روز ''شام کو پنجہ'' قبرستان میں ۲ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، مولانا کوئی بھاری بھرکم شخصیت اور عالمی شہرت کے حامل عالم دین نہ تھے، بلکہ سیدھے سادھے متواضع بزرگ تھے، ایک محدود دائرہ میں رہ کر، مختصر سے لائحہ عمل اور مشن کے ساتھ پوری زندگی گذار دی تھی، وہ سماج سے جڑے ہوئے ہر ایک کے کام آنے والے انسان تھے۔ ان کا جنازہ مبارک پور کی تاریخ میں بڑا مشہور جنازہ تھا۔ مبارک پور جو بجائے خود مختلف مذاہب ومسالک اور رنگا رنگ ثقافتوں کا جیتا جاگتا نمونہ اور سرچشمہ بھی ہے، بلا کسی بھید بھاؤ کے ہر ایک طبقہ اور مسلک نے بھرپور پروانہ وار نمائندگی دی، مبارک پور کی تاریخ میں پہلی بار کسی اہل حدیث عالم دین کے جنازہ میں مقامی باشندے بڑی کثرت سے صف بستہ نظر آئے۔ یہ امنڈتا ہوا عوامی سیلاب اور ازدہام ان کی مقبولیت اور محبوبیت کی واضح دلیل ہے۔ دلوں پر یہ حکمرانی اور گرویدگی ہر کسی کے حصہ میں نہیں آتی۔

حضرت مولانا قرۃ العین فائق املوی نے جس میدان اور کوچہ میں ہاتھ ڈالا، بہت ہی جلد اپنی وہبی اور آفاقی صلاحیتوں کے بدولت اپنی ہنروری اور زرخیزی کا لوہا منوایا، اس کا اعتراف واقرار ان کے معاصرین کو بھی ہے۔ لیکن ان کو مبارک پور اور ضلع اعظم گڑھ کی سطح پر سلفی دعوت وتبلیغ کے میدان میں بھاری خلا نظر آیا، ان بڑھتے ہوئے فاصلوں اور بکھراؤ سے ہونے والے عظیم نقصانات، کچھ تو ان کی آنکھوں کے سامنے کے تھے، یا ماضی قریب کے رنجور واقعات وحوادث تھے۔

پھر وہ حالات کی نزاکت اور سخت ضرورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انہی دوریوں کو قربت میں بدلنے کی تگ ودو میں لگ گئے اور انہی تقاضوں کی تکمیل میں تن من سے جٹ گئے، یہ کام مولانا کے تجارتی مصروفیات کے ہم مزاج اور ان کی افتاد طبع کے موافق بھی

تھا، اسی راہ کو مولانا کی طویل رفاقت بھی نصیب ہوئی، اسی میں ان کو اپنی توانائیوں کو لٹانے کا میدان بھی ہاتھ آیا، ان شاء اللہ تعالیٰ مشرقی اتر پردیش کی سلفی تاریخ میں دعوت وعمل کے یہ تابندہ نقوش ہمیشہ یادرکھے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ جملہ خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، درجات کی بلندی، رفع سیئات کا درجہ بنائے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے آمین۔ مولانا فائق انصاری کی وفات سے مبارک پور میں علمی اورادبی روایات واقدار کے ایک زریں عہد اور روشن باب کا خاتمہ ہوگیا۔ یہاں کی شعری محفلیں سونی سونی اورادبی اقدارورروایات حسرت خوردہ اور سوگوار ہیں، اوراس سے بڑھ کر مقامی جماعت اہل حدیث اور سلفی کارواں کے لئے عظیم خسارہ ہے۔

پسماندگان: مولانا کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ لڑکے اور چارلڑکیاں ہیں، جن کے نام بالترتیب یہ ہیں: احتشام الرحمن، مولانا انعام الرحمن، منہاج الرحمن، مولوی وہاج الرحمن، انتخاب الرحمن، بشریٰ، فوزیہ، صوفیہ ادیب اورفریدہ سعادہیں۔ ان میں مولانا انعام الرحمن، اورصوفیہ ادیب پوسٹ گریجویٹ اورسرکاری صیغہ تدریس سے منسلک ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحب زادے انتخاب الرحمن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گریجویشن فائنل کر چکے ہیں، مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے پرعزم اورکوششوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بقیہ حضرات تجارت سے جڑے ہوئے ہیں۔ مولانا انعام الرحمن انصاری سے بجا طور پر امید کی جارہی ہے کہ وہ اپنے والد کی روایتوں کی پاس داری کریں گے۔

مولانا اپنے ۷۶ سالہ اعمال ناموں کو سمیٹ کر اپنے خالق ومالک کے دربار میں حاضر ہو چکے ہیں، جہاں ہر ایک انسان کو جانا طے ہے، ان کے لئے دعائے مغفرت، ذکر خیر اور چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھاتے رہنا ہی بہترین خراج عقیدت اور تسکین کا باعث ہوگا۔ { وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ } (سورۃ الحشر: ۱۰)

(جریدہ ترجمان دہلی ۱-۳۱/۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

❑❑❑

باب چہارم

عالم اسلام کے سلفی اساطین

مایۂ نازسلفی عالم

شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

وفات ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

عالم اسلام کی ایک معتبر علمی شخصیت اور نہایت عبقری استاذ شیخ عبدالقادر شیبہ الحمد تھے جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے پروفیسر اور سعودی عرب کے مختلف اداروں سے وابستہ رہ چکے تھے۔ اصلاً آپ مصر کے رہنے والے تھے وہیں پرورش ہوئی اور تعلیم وتربیت مکمل کی۔ ازھر سے فراغت کے بعد سعودی عرب کے شہر بریدہ میں تدریس سے وابستہ ہوگئے اور دھیرے دھیرے آپ کے علم وعمل اور علمی وتدریسی خدمات کی وجہ سے آپ کو سعودی نیشنلٹی حاصل ہوگئی۔ اور پھر افق عالم پر اس طرح چمکے کہ چمکتے رہ گئے۔ منہج، عقیدہ کی صلابت، دعوتِ سلف اور مسلک محدثین کا فروغ آپ کا طرۂ امتیاز تھا، اور یہی وجہ تھی کہ جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام کے بعد ۲۱/ مارچ ۱۹۶۶ء میں افتتاح تعلیم کے موقع پر آپ کو شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنا نائب بنا کر بنارس بھیجا تھا۔ اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے ہی جامعہ میں تعلیم وتدریس کا آغاز ہوا اور اس طرح یہ ادارہ ان بزرگوں کے حسین خوابوں کا حسین مرکز بن کر آج پورے آب وتاب کے ساتھ ہمارے مابین جلوہ فگن ہے۔ اللہ اس کو سرسبز وشاداب رکھے۔ آمین۔ آپ کی وفات پر ذیل میں آپ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

نام ونسب: عبدالقادر بن شیبۃ الحمد بن یوسف شیبۃ الہلالی المصری۔ آپ کا قبیلہ بنی ہلال کے نام سے شہرت یافتہ ہے۔

تاریخ پیدائش: مصر کے معروف شہر کفر الزیات میں آپ کی پیدائش ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء مطابق ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ کو قبیلہ بنی ہلول میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ۱۹۲۷ء میں ابتدائی تعلیم کے لئے بستی کے مکتب سے آغاز کیا اور پھر جامعہ ازہر سے وابستہ رہ کر ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی اور یہیں سے کلیۃ الشریعۃ کی تکمیل بھی کی اور ۱۳۷۴ھ میں شہادۃ کلیۃ یعنی لیسانس سے سرفراز کئے گئے۔

۲۔ حسن اتفاق جامع ازھر میں اسی سال عالمیت کا کورس (جو اس زمانے میں دکتورہ کے برابر ہوا کرتا تھا) شروع ہوا جس میں مصر کے تین سو طلباء شریک ہوئے مگر صرف تین کو کامیابی ملی۔ اس میں ایک ہمارے ممدوح شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد بھی تھے۔

تدریسی خدمات: ● آپ مصر میں جماعۃ انصار السنۃ کے مشرقی زون کے صدر تھے، اور مصر ہی میں تدریس پر مامور تھے۔ بعض دیہی علاقوں اور دیگر جگہوں میں آپ نے دس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی درمیان سعودی عرب کے شہر ''بریدہ'' میں واقع ''معہد بریدۃ

العلمی‘‘ میں تدریس کے لئے تقرری ہوئی اور آپ مصر سے سعودی عرب منتقل ہوگئے اور مسلسل تین سال (صفر ۱۳۷۶ھ سے لے کر ۱۳۷۸ھ تک) یہاں سے وابستہ رہے، یہاں آپ کے تلامذہ میں مشہور سعودی عالم شیخ صالح الفوزان اور شیخ عبدالرحمن العجلان وغیرہم ہیں۔

● ۱۳۷۹ھ میں آپ کی تقرری ریاض میں کلیۃ الشریعۃ واللغۃ العربیہ میں ہوئی یہاں آپ دو سال تک تفسیر، اصول فقہ، اور حدیث کی کتاب سبل السلام وغیرہ پڑھاتے رہے۔ ۱۳۸۱ھ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پہلے رئیس شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ مفتی عام مقرر ہوئے اور انھوں نے جامعہ میں بطور نائب رئیس شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو مقرر فرمایا۔ شیخ ابن باز جب نائب رئیس مقرر ہوئے تو چونکہ آپ کا تعلق بھی ریاض کے کلیۃ الشریعۃ سے تھا اس لئے آپ نے صدر جامعہ اسلامیہ سے گذارش کی کلیۃ الشریعہ ریاض کے دومایہ ناز مدرسین کو جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لئے مقرر کیا جائے ان میں ایک شیخ محمد الامین الشنقیطی تھے اور دوسرے ہمارے صاحب ترجمہ شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد تھے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے دونوں اصحاب علم جامعہ اسلامیہ میں تدریس کے لئے مقرر ہوگئے۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ سے لے کر ۱۴۰۰ھ تک مسلسل آپ جامعہ اسلامیہ سے وابستہ رہے۔ اخیر میں دراسات علیا میں تدریس کے لئے بھی آپ کو منتخب کیا گیا۔

● ۱۴۰۰ھ میں آپ کو جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کے خصوصی دعوتی شعبہ المعہد العالی للدعوۃ الاسلامیہ میں مندوب بنا کر بھیجا گیا۔ آپ وہیں قیام پذیر ہوئے اور تدریس سے رٹائرمنٹ کے بعد ریاض ہی کو آپ نے مسکن بنالیا۔ ● دوران تدریس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں بھی آپ کے دروس کے حلقے مسلسل کئی سالوں تک منعقد ہوتے رہے اور ہزاروں طلباء نے اس سے بھرپور فیض اٹھایا۔

● رمضان ۱۴۰۶ھ اور ۱۴۰۸ھ میں آپ کو مسجد نبوی میں تہجد کی نماز پڑھانے اور مصلیان حرم کی امامت کا بھی شرف حاصل ہے۔ ● ۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء مطابق ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ بروز دوشنبہ کو (جامعہ سلفیہ) مرکزی دارالعلوم بنارس کے افتتاح کے موقع پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی نیابت میں آپ کے ہاتھوں پر تعلیم کا آغاز ہوا۔

مشاہیر تلامذہ: آپ کے مشاہیر تلامذہ میں (۱) شیخ صالح الفوزان (۲) شخ عبدالرحمن العجلان (۳) شیخ عبداللہ الغانم اور (۴) شیخ صالح اللحید ان جیسے کبار اہل علم شامل ہیں۔

تصنیفی خدمات: آپ کی بے شمار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں۔

۱۔ حقوق المرأة فی الاسلام (۲) الادیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ (۳) امتاع العقول بروضۃ الأصول (۴) اثبات القیاس فی الشریعۃ والرد علی منکریہ (۵) من المذاہب الھدامۃ (۶) تحقیقات عن لیلۃ القدر (۷) القصص الحق فی سیرۃ سید الخلق (۸) قصص الانبیاء (۹) تہذیب التفسیر وتجرید التاویل مما لحق بہ من الأباطیل۔ ۶ مجلد۔ (۱۰) فقہ الاسلام فی شرح بلوغ المرام (۱۱) تحقیق فتح الباری شرح صحیح البخاری (۱۲) تحقیق رسالہ تجرید التوحید المفید للمقریزی۔

اولاد: شیخ محترم کی متعدد بیویوں سے کل چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں اور ان میں ایک ڈاکٹر محمد عبدالقادر شیبۃ الحمد ہیں جو فی الوقت مدینہ منورہ میں محکمہ عدل (کورٹ سے) وابستہ ہیں اور انتظامی امور کے رئیس اور ذمہ دار ہیں۔

وفات: علم وعمل کا یہ روشن ستارہ بالآخر ۲۲/رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء کو ریاض شہر میں اللہ کو پیارا ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ وتغمدہ بواسع رحمۃ۔ نماز جنازہ عصر کی نماز کے بعد جامعۃ الملک خالد ریاض میں ادا کی گئی اور مقبرالشمال میں تدفین عمل میں آئی۔ (موقع الشیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد وویکیپیڈیا ودیگر مواقع)

❑❑❑

جزیرے یادوں کے

(بعض اساطین عرب علماء کی ایک دلچسپ داستان)

بموقع وفات شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد رحمہ اللہ

مولانا حفیظ الرحمن اعظمی عمری

سننے میں آیا اور خبروں میں پڑھا کہ ہمارے ایک ناقابل فراموش استاذ شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد (پیدائش: ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء، مصر) کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ۔۔۔۔۔۔۔

شیخ نے طویل مدت تک جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سے مستفید ہونے والے دس بیس ہزار طلبہ آسانی سے آپ کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔

ہمارے دور میں طلبہ مختلف ذہنوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جامعہ میں داخلہ کا اعلان اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ہوا۔ جامعہ نیا تھا۔ قواعد وضوابط زیر غور تھے۔ نصابِ تعلیم تجربے کے دور سے گزر رہا تھا۔ اساتذہ کچھ مشہور زمانہ تھے اور کچھ گم نام، لیکن مدینۃ الرسول کا نام ہر مسلمان کے کان میں رس گھول رہا تھا۔ کیا طلبہ کیا اساتذہ، سب کے دل کھنچنے لگے اور طاقتِ پرواز نہ ہونے کے باوجود شوق کے پروں سے اڑ کر جانے کے لئے سب پَر تولنے لگے۔ داخلے محدود تھے۔ پھر بھی ساٹھ ملکوں سے ڈھائی سو پروانے حرم نبوی کی شمع کے گرد منڈلانے پہنچ گئے۔ سو کو کلیہ میں داخلہ ملا۔ بقیہ ثانویہ میں لے لیے گئے۔ کوئی باقاعدہ عمارتیں تو نہیں تھیں۔ احاطہ لق ودق تھا۔ شاید وہاں پولیس چوکی تھی۔ ان کے مراتب کے لحاظ سے چھوٹی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ بہت معمولی درو دیوار کی ایک ہی انداز کی، ایک ہی منزلہ عمارتیں، کچھ کلاس روم بنالی گئیں، کچھ دفاتر کے کام آگئیں۔ باقی جو بچ رہیں وہ طلبہ کی رہائش گاہ بن گئیں۔ بڑی عجلت اور رواروی میں یہ کام اور اقدام عمل میں آگیا۔ بادشاہوں کے مزاجوں کے بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ شایان شان عمارتوں کا انتظام کیا جاتا تو پتا نہیں معاملہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

سعود بن عبدالعزیز (وفات: ۲۳ر فروری ۱۹۶۹ء) بادشاہ تھے۔ اہل علم اور خصوصاً شیخ عبدالعزیز بن باز (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۹ء) کے قدردان تھے۔ شیخ کی ہر تجویز کا ان کے پاس ایک مقام تھا۔ زبان سے بات نکلی، ہاں کہہ دی۔ علمی دنیا کی جانی مانی شخصیتوں کی شوریٰ کمیٹی بنالی۔ صلاحیت ولیاقت اور اسناد سے قطعِ نظر صالحیت اور طہارت وتقویٰ سے متصف اہل اللہ کو مناصب تدریس سونپ دیے گئے۔ چشمِ زدن میں زن سے کام شروع ہو گیا۔ کلیہ کے سو طلبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پچاس پچاس کی دو کلاسیں بنادی گئیں۔ عقیدہ شیخ ابن باز کے پاس، تفسیر شیخ امین شنقیطیؒ، حدیث شیخ ناصر الدین البانیؒ، فقہ شیخ عبدالمحسن العباد، تاریخ ابوالعزرمضان، ادب شیخ محمد المجذوب، قواعد شیخ عطیہ محمد سالم، باقی اور بھی کئی ایک مضامین تھے سیرت، اصول فقہ، حاضر العالم الاسلامی وغیرہ وغیرہ، یہ سب

شیخ شیبۃ الحمد کے حوالے ہو گئے، یا خود وہ آگے بڑھ کر آ گئے۔

لوگ سمجھیں نہ سمجھیں مگر شیخ ہر فن مولیٰ ضرور تھے۔حافظہ غضب کا تھا۔زبان و بیان پر حیرت انگیز ملکہ تھا۔ہر موضوع پر اپنی فصیح اللسانی اور قادر الکلامی سے طلبہ کو مرعوب کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔جیسا کہ شروع میں لکھ آیا ہوں کہ پڑھنے والے طلبہ ہی نہیں، اساتذہ بھی تھے، جو اپنا کام مدینہ کے نام پر قربان کر کے چلے آئے تھے، شیخ سے خوب الجھتے، آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ سوالات سے پریشان کرتے، مراجع ومصادر کی فہرست مانگتے۔ایک عراقی ساتھی علی بن خلف بحث پر اتر آئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ ''حاضر العالم الاسلامی کی ابجد سے بھی آپ واقف نہیں ہیں، ہم آپ سے یہ موضوع نہیں پڑھیں گے'' ساتھی دنگ رہ گئے، روکنے ٹوکنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔شیخ کی انا کو زبردست ٹھیس لگی۔غیظ وغضب کے ہیجان میں طالب علم کو نہ صرف کلاس سے باہر کر دیا، بلکہ قسم کھالی کہ یہ میرے درس میں کبھی نہیں شریک رہے گا۔بات اوپر تک گئی۔شیخ بن باز نے رئیس المراقبین کو نمائندہ بنا کر بھیجا کہ غصہ تھوک کر گستاخ طالب علم کو معافی دے دیں۔شیخ شیبۃ الحمد رئیس المراقبین پر برس پڑے تو انہوں نے کہا ''میں نے اپنی بات آپ کے گوش گزار نہیں کی ہے، یہ شیخ بن باز کا حکم ہے، جسے آپ نظر انداز نہیں کر سکتے'' شیخ غضب میں آپے سے باہر تھے۔جواب دیا ''شیخ بن باز تو کیا عبدالکریم قاسم بھی سفارش لائے تو میں اسے معاف کرنے والا نہیں ہوں''

یاد رہے کہ ان دنوں عبدالکریم قاسم ملک عراق کے سرخ وسپید کے مالک اور ڈکٹیٹر حکمران تھے۔شاہی خاندان کے تمام افراد بشمول نوجوان بادشاہ، ان کی ماں اور بھائی بہن سب کو ایک فوجی انقلاب میں غالباً ۱۹۶۰ء میں بھون کر رکھ دیا تھا۔اقتدار کے نشے میں تین سال بھی مکمل نہیں ہوئے کہ عبدالسلام عارف نے ان کے اقتدار ہی کا نہیں، زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ہم نے یہ عبرت ناک منظر ٹی وی میں دیکھا اور ریڈیو پر سنا کی فوجی عدالت نے عبدالکریم قاسم کے مظالم کا تذکرہ کر کے فیصلہ سنا دیا کہ تمہیں سزائے موت دی جاتی ہے اور تین گولیوں سے تمہاری جان کا خاتمہ کیا جائے۔اللہ تمہاری روح پر رحم فرمائے۔نحکم علیك بالاعدام وذلك رميا بالرصاص الثلاث، رحم الله روحك۔

ملک کے اخبارات نے واقعے کی روداد لکھتے ہوئے فرمانِ الٰہی سے استشہاد پیش کیا: ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (الانعام:۱۲۹) ''اور (دیکھو) اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ان کی اس کمائی کی وجہ سے، جو وہ (اپنی بدعملیوں کی وجہ سے) حاصل کرتے رہتے ہیں''۔

ہمارے قاری علی خلف کا انجام جاننا چاہتے ہوں تو عرض ہے کہ ان کی گستاخیوں کی ایک طویل فہرست تھی۔اختتام سال کے آخری دن آ گئے تو اس بے چارے ناخلف کے اخراج کا فیصلہ ہو گیا۔

شیخ عبدالقادر کو کسی بھی موضوع پر بولنے میں کوئی تکلف اور تامل نہیں ہوتا۔اعتماد کے ساتھ بولتے اور بے تکان بولتے۔ یادداشت ماشاء اللہ ایسی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اکابر صحابہ کی سوانح سنانے آتے تو سانس لیے بغیر حسب نسب کو آخری جد امجد تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔طلبہ کی اکثریت آپ کی مداح اور معترف تھی، مگر کچھ پتا نہیں کیوں خار کھائے بیٹھے تھے اور کسی طرح آپ کو زک

دینے اور لاجواب کرنے کی سوچتے رہتے۔ مشکل سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے کہ شیخ کہیں تو اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرلیں۔ واقعی اگر ایسا کوئی پیچیدہ سوال ہوتا تو شیخ باران دیدہ استاذ تھے۔ ذرا بھی نہیں گھبراتے۔ سوال کرنے والے کی جی بھر کر تعریف کرتے۔ سوال کی اہمیت ومعنویت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے کہ میں پہلے آپ لوگوں سے جان لینا چاہتا ہوں کہ آپ کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا کہتا ہے۔ ہرایک سے سوال کرکے جواب کا موقع دیتے، یہاں تک کہ گھنٹہ ختم ہوجاتا۔ رات بھر پتا نہیں کہ کس لائبریری میں جاتے اور نفسِ مسئلہ کو کتنی کتابوں میں کھنگالتے کہ دوسرے دن کسی کا کوئی سوال اور اشکال باقی نہیں رہتا۔ موضوع پر دھواں دھار تقریر ہوجاتی۔

ایک ایک فصل میں پچاس پچاس طلبہ ہوتے۔ شیخ سب کو جانتے اور سمجھتے تھے۔ بولنے والوں سے زیادہ خاموش رہنے والوں پر گہری نظر تھی۔ کلاس میں اپنا رعب داب اور طنطنہ جمائے رکھتے، جیسے کسی کو کوئی حیثیت ہی نہیں دے رہے ہیں، لیکن باہر شہر اور مسجد میں سامنا ہوتا تو خندہ پیشانی اور متبسم چہرے سے پیش آتے۔ خیر وعافیت دریافت کرنے میں پہل فرماتے۔ طلبہ ان کے بارے میں کیا کہتے، کیا سوچتے اور کیسے تبصرے کرتے ہیں، یہ سب جاننے کی انہیں کرید ہوتی۔ کلاس سے مختلف اس ملاقات میں طلبہ بھی کھل کر کہی ان کہی باتیں ان کے گوش گزار کردیتے اور اپنی یادداشت کے خانے میں انہیں محفوظ رکھ کر وقتِ ضرورت تنبیہ کرتے۔

۲۱ مارچ ۱۹۶۶ء کو مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس کا افتتاح علمی شان وشوکت کے ساتھ عمل میں آیا۔ ذمے دار حضرات کی دلی خواہش تھی کہ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ؒ کے مبارک ہاتھوں سے یہ تقریب انجام پائے۔ شیخ محترم کی علمی، عملی، اصلاحی، دعوتی اور رفاہی خدمات کی انجام دہی کے لئے دن رات کے چوبیس گھنٹے بھی ناکافی لگتے تھے۔ ایسے میں بھلا سفر آپ کے لئے ممکن کیسے ہوتا۔ آپ نے اپنے اور جامعہ اسلامیہ کے نمائندے کے طور پر شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد کو روانہ فرمایا۔ موصوف سفیرِ سعودی برائے ہند شیخ محمد الشبیلی کے ساتھ بنارس پہنچے۔ استقبال کرنے والوں کا ہجوم امنڈ پڑا۔ جس شان اور طمطراق کے ساتھ یہ دونوں شیوخ تشریف فرما ہوئے، بنارس کے تمام باشندوں کے لئے یہ منظر یادگار بن گیا۔ شیخ نے مجھے پہچان کر خیر وعافیت دریافت فرمائی، اور میں نے شیخ کے کم سن بچوں یوسف، محمد وغیرہ جو کبھی آپ کے ساتھ مسجد ومدرسہ آجاتے تھے، ان کا حال احوال پوچھا۔ آپ مسرور ہوئے۔ افتتاحی تقریب میں صحیح بخاری کی پہلی حدیث گھن گرج کے ساتھ پڑھ کر جو عالمانہ اور حکیمانہ خطاب تسلسل اور روانی کے ساتھ فرمایا، وہ عوام کے ساتھ خواص اور اہل علم کو بھی بہت متاثر کیا۔

آپ کے درس میں ہم نے پورے چار سال گزارے۔ 'استفادہ کیا' یہ کہنے کی جسارت نہیں کررہا ہوں۔ استفادہ کیے ہوتے تو خود بھی کوئی نقش چھوڑ جانے کے لائق ہوگئے ہوتے۔ چار سال گزارنے کے باوجود شیخ کے احترام اور ہماری مرعوبیت کا حال یہ تھا کہ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں۔ بہر حال! آپ سعودی الاصل اور سعودی النسل نہیں تھے۔ تعلیم کہاں حاصل کی، کیا کیا پڑھا، اور کس کس سے پڑھا، یہ بھی نہیں جان سکے۔ اساتذہ کا علمی رعب ہی کچھ ایسا بھاری بھرکم تھا کہ ان سے قریب ہوتے ہوئے بھی ذاتی سوالات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

تفسیر کے استاذ شیخ محمد امین شنقیطی صاحب اضواء البیان کے درس میں بھی ہم چار سال شریک رہے۔ شیخ منکسر المزاج تھے۔

پھر بھی آپ سے ڈرے ڈرے سہمے سہمے رہتے تھے۔ شیخ کا درس کیا تھا، سمندر کو کوزے میں سمو دیتا تھا۔ تفسیر اور عربی زبان وقواعد کی کوئی بحث آپ کی دسترس سے باہر نہیں تھی۔

ایک واقعہ سن لیجئے: بیرونی دنیا کی ایک علمی شخصیت کلاسوں کے باہر باہر سرسری گزر رہی تھی شیخ کی کلاس سے قریب ہوئے تو قدم رک گئے ؎ کرشمہ دامن دل می کند کہ جا ایں جا ست۔ درس ختم ہوا تو اجازت سے اندر آئے اور کہنے لگے ’’آپ تفسیر کرتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ لگتے ہیں، نحوی مسائل بتاتے ہیں تو سیبویہ معلوم ہوتے ہیں، بلاغت میں جرجانی کا عکس ہے، مسائل کے استنباط میں مذہب اربعہ کے اساطین ائمہ کی یادگار ہیں‘‘ وغیرہ وغیرہ۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ تفسیر کی شہادۃ (سرٹیفکیٹ) آپ نے کہاں سے حاصل کی؟‘‘ شیخ برامان گئے۔ اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

ماعندی شهادة غير شهادة ان لااله الا الله وان محمد رسول الله ۔ میرے پاس صرف ایک ہی شہادت ہے، کلمہ طیبہ کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں‘‘

شیخ شنقیطی کے نزدیک ہم چار سال رہے۔ کبھی آپ کو کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ آپ کی جیب میں کبھی کوئی قلم یا کاغذ ہی نظر آیا۔ سارے خوشہ چین حقیقت تک پہنچنے کی بجائے یہی اندازہ لگاتے تھے کہ علوم وفتویٰ کے یہ سارے سمندر صرف آپ کے دماغ میں موج زن ہیں۔

شیخ شیبۃ الحمد اور شیخ شنقیطی کے ماسوا ہم نے شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد البدر حفظہ اللہ کی مجلسِ درس میں بھی چار سال گزارے۔ شیخ موصوف علم وعمل، طہارت وتقویٰ اور تواضع وانکساری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ سے مل کر سلف صالحین کی سیرت وسوانح کے اوراق روشنی بکھیرنے لگتے ہیں۔ حق گوئی اور بے باکی میں ہمیشہ آپ کی زبان صدق شمشیر بے نیام رہی اور ہے۔ اللہ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ جامعہ اسلامیہ میں کئی علوم وفنون پڑھائے۔ کچھ مدت نائب الرئیس بھی رہے۔ حرم نبوی میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور دیگر کتب حدیث کے درس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پڑھتے آئے ہیں کہ ’’ماترك العمر صديقا قوله الحق‘‘ ’’عمر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی کی وجہ سے ان کا کوئی دوست باقی نہیں رہا‘‘ شیخ عباد بھی اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے کے راہی ہیں۔ اس لئے آپ سے اپنے بھی خفا اور بےگانے بھی ناراض ہیں۔

مارچ ۲۰۱۸ء میں میرے عزیز ابنائے جامعہ دارالسلام عمر آباد نے اپنے ایک روایتی اور تاریخی اجلاس میں مدعو کیا تو اجلاس کی ایک ایک خوبی اور خصوصیت کی یادوں اور عمرہ وزیارت کی سعادت اور شیخ موصوف کی خصوصی ملاقات وشفقت حاصل سفر حرمین رہی۔ میرے طلبہ حیران رہ گئے کہ شیخ نے میری ایک ایک بات یاد رکھی تھی کہ میں کلاس میں کہاں بیٹھتا تھا اور میرے اڑوس پڑوس کے ساتھی کون کون تھے۔ اس تعلق خاطر کو دیکھ کر آپ کے لائق صاحب زادے ڈاکٹر عبدالرزاق البدر حفظہ اللہ، جن کی علمی شہرت مملکت میں مسلم ہے، پر تکلف دعوت سے اعزاز بخشا۔

ایک عجیب بات جو اس سے پہلے عرب میں دیکھی نہیں گئی تھی، خودستائی کا ڈر نہ ہو تو عرض کردوں کہ کھانے سے فراغت کے بعد

دکتور نے مجھ سے پوچھا: جوتے کہاں اتارے ہیں؟ میں گھبرا گیا کہ کسی قابلِ اعتراض جگہ تو میں نے جوتے نہیں اتار دیئے۔نشان دہی کی تو اپنے ہاتھوں میں لیے مجھے پہنانے کے لئے آئے۔ شیخ زادے کا یہ اعزاز مجھے شرم سے پانی پانی کر گیا۔ یہ اصل میں میرا اعزاز نہیں، آپ کے والد محترم نے مجھے ذرا محبت دی تو سوچا ہوگا کہ ایسے کی خدمت والد کے احترام و اطاعت ہی کے حساب میں شمار ہوگی۔ علمائے نجد میں بھی سوچ بچار کے انداز کتنے انوکھے اور نرالے ہیں۔ اللہ دکتور کی قدر و منزلت اور مراتب بلند فرمائے۔

مدینہ منورہ میں سعودی ابنائے قدیم کے اس رنگ برنگے گونا گوں پروگرام سے دل جھوم اٹھا تھا۔قلم کو تاثرات تحریر کرنے کی تحریک ہو رہی تھی، مگر ایک بات میں نے محسوس کی کہ ہر کام امنگ اور ڈھنگ سے بھرپور تھا۔ اسٹیج پر ترتیب سے تین نسلوں کے نمائندوں کی نشست کا اہتمام تھا۔ استاذ الاساتذہ حضرت ابوالبیان حماد صاحب حفظہ اللہ کے داہنے پہلو میں مجھے جگہ دی گئی اور عظیم مصنف دکتور ضیاء الرحمن اعظمی عمری رحفظہ اللہ سے میری داہنی کرسی کو رونق بخشی جارہی تھی۔ جامعہ کی روایت کے مطابق ہر کام بروقت، ہر پروگرام نسق و مرتب، طعام، قیام، نیام، انعام، کھیل، تفریح، کسی میں کوئی بے ترتیبی نہیں۔ سعودیہ کے ہر گوشے سے، بلکہ باہر بحرین وغیرہ سے بھی ابنائے جامعہ کی بڑی تعداد بصد شوق واہتمام ہمہ تن گوش تھی۔ ہر ایک کی عمر، صحت اور مصروفیت کے لحاظ سے تقسیم کار اور آرام و راحت کی پوری گنجائش رکھی گئی تھی۔

ایک بات تکلیف دہ تھی کہ جمعیت کے عہدے داران اور ان کے معاونین نے آرام قربان کیا ہوا تھا۔ دوڑ دھوپ اور خدمت ومحنت ہی سے وہ لطف اندوز اور طاقت وہمت مجتمع کر رہے تھے۔ اب میں ایک سال بعد لکھنے جا رہا ہوں۔ اس وقت لکھتا تو ہر بات تازہ اور خوش بودار تھی۔ تاخیر کا باعث یہ خیال بنا کہ آج کی نئی نسل، اس کی خوبی کہیے یا خامی، تعریف وتحسین سے سرسری گزر جاتی ہے، اور یقین کم کرتی ہے۔ تنقید وتعریض کا مرچ مسالہ زبان کو چٹخارے دیتا ہے۔ اس لئے خیال کیا تھا کہ بدنظمی، بے قاعدگی، بے ترتیبی وغیرہ سے متعلق کچھ مواد جمع کرلوں تو روداد مکمل کرلوں۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اپنی جستجو میں کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ بھی ہمارے ابنائے قدیم ہی کا قصور ہے کہ خامی اور کمی کے بغیر تنقید اور اعتراض کے مواقع سے دامن بچا کر اتنے بڑے مجمع کو اکٹھا کر کے ایک ایسا اجلاس منعقد کرلیا اس کی یادیں دل و دماغ میں ان مٹ بن گئیں۔ جمعیت کے امیر و ناظم پرویز عمری اور اسحاق عمری وغیرہما اپنی تمام تر مصروفیات کو ملتوی کر کے سائے کی طرح شب و روز خدمت گزار رہے، اور محبتیں نچھاور کرتے رہے۔ دعاؤں کے مرکز میں رہ کر بھی یہ احساس ہو رہا تھا کہ ان کے اکرام واحترام کے مقابلے میں میری دعائیں کم زور پڑ رہی ہیں۔ عمری مولفین کی مطبوعات ومخطوطات کے لئے ''عمر لائبریری'' کے وسیع وعریض ہال کے ایک گوشۂ جمال کو مختص کر دینے کی تجویز وتحریک بڑی خوش آئند ہے۔ منافست ومسابقت کا جذبہ پیدا ہوجائے تو ابنائے قدیم کی نگارشات کو عمر لائبریری میں نمایاں اور شایانِ شان مقام ضرور حاصل رہے گا، ان شاءاللہ۔

دماغ پر زور ڈال کر یادوں کو سمیٹنے اور سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں تو اتنا ہی یاد آتا ہے کہ جامعہ اسلامیہ میں ہم نے دسیوں اساتذہ سے پڑھا، مگر مکمل چار سال صرف انہیں تین اساتذہ، شیخ شنقیطی، شیخ شیبۃ الحمد اور شیخ عبدالمحسن عباد حفظہ اللہ کے اطراف ہی یادوں کا طواف جاری ہے۔ میرے ہندستانی ساتھیوں میں جو چار سالوں تک حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے ہم سبق رہے، اور جون ۱۹۶۵ء میں

سند فراغت دور اول میں حاصل کئے، ان میں اب میرے علاوہ صرف دو ساتھی بقیدِ حیات ہیں۔ اللہ ان کی عمر اور جہود و مساعی میں خیر و برکت نصیب فرمائے۔ ایک شیخ عبدالرحمن عبیداللہ مبارکپوری اور دوسرے ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، جن کی آواز مغرب کی وادیوں میں گونجتی رہتی ہے۔

شیخ ناصرالدین البانیؒ سے حدیث، اسانید اور مصطلح کے اسباق پڑھے، وہ صرف تین سال تک، چوتھے سال شیخ مستعفی ہو کر دمشق، شام واپس ہو گئے۔ شیخ جیسا مصروف انسان اور وقت کا قدردان آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ ملاقات کی خواہش کرتے تو دوشنبہ کی عصر کا وقت بتاتے، کیوں کہ اس روز حرم نبوی کی کتب خانہ ''مکتبہ شیخ الاسلام عارف حکمت'' کے لئے چھٹی رہتی تھی۔ شیخ کی باتیں، یادیں بہت ہیں۔ ہر ماہ ایک دو بار آپ کی قیادت و اشراف میں طلبہ کے ساتھ آپ کا رحلہ ہوتا تھا۔ دن رات قریب رہ کر آپ کی ایک ایک نیکی، خوبی، جفاکشی اور طلبہ سے آپ کی محبت و ہمدردی کی زندہ مثالیں دلوں میں نقش ہو جاتی تھیں۔ آپ البانیہ یورپ کے باشندے تھے۔ سرخ گال، سفید بال، نیلی آنکھیں، صحت و ہمت سے بھرپور تنومند جسم، بڑی جیبوں والا گردن سے پنڈلی تک کوٹ، جس میں چھوٹی موٹی کئی ایک کتابوں کا وزن۔ رحلہ میں ریت اور صحرا میں جہاں بھی، جیسی بھی جگہ مل جاتی آرام سے بیٹھ جاتے۔ رات آتی لیٹ جاتے۔ سجدوں میں پیشانی خاک آلود ہو جاتی تو اس کا بھی ایک حسین منظر نکھر کر آجاتا۔ طلبہ کو فرشِ خاک میں اٹھنے بیٹھنے میں کچھ تکلیف ہوتا تو ناصر السنہ حدیثِ رسول ﷺ سنانے لگتے: اياك والتنعم، فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين۔ (احمد، بیہقی، حسن) ''اللہ کے بندو! عیش و عشرت کے مظاہر سے بچو۔ اللہ کے محبوب ناز و نعم کے دلدادہ نہیں ہوتے''۔

شیخ محترم کی دو باتیں ذکر کیے بغیر موصوف کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا۔ آپ کا وجود علمی سرمایہ ہی نہیں عمل و اخلاق کا سراپا تھا۔ بہت ساری پند و نصائح میں ایک بات یہ بھی فرماتے کہ حالات جیسے بھی ہوں، مومن کو شکوہ کی جگہ شکر ہی کا پہلو تلاش کرتے رہنا چاہیے۔ طلبہ نے پوچھا بھی: کیا یہ ہر حالت میں ممکن ہے؟ فرمایا: تجربہ کر کے دیکھو۔ بات آئی گئی۔ ایک رات جامعہ کے لکچر ہال میں طلبہ اساتذہ سب تھے۔ کیمپس کے باہر وادی عقیق کے پل پر زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ گھبرا کے سب دوڑے۔ دیکھا تو شیخ البانی کے صاحب زادے عبدالمصور کی کار حادثے کا شکار ہوگئی تھی۔ کار کا حال ابتر تھا۔ لڑکے کا حال بہتر تھا۔ مصاحبین نے شیخ سے افسوس کا اظہار کیا تو آپ نے اپنی پرانی بات دہرائی کہ ''شکر کا پہلو دیکھو، بچہ ہر طرح محفوظ ہے، اللہ کا بڑا شکر ہے'' ساتھیوں میں ایک نے پوچھ ہی لیا کہ بچہ بھی ختم ہو جاتا تو شکر کا پہلو کہاں؟ سوال سخت بھی تھا اور نا معقول بھی، مگر شیخ کا فوری جواب سنیے۔ فرمایا: ''بچے کو بھی کچھ ہو جاتا تو میں شکر یہ ہی ادا کرتا کہ لکچر ہال میں میرے تین بچے تھے، صرف ایک کے ساتھ حادثہ ہوا اور دو کو اللہ نے بچا لیا'' ۔۔۔۔۔ ایمان و عمل کا یہ نمونہ اور فکر و نظر کا یہ احساس و انداز کتنے اہل علم کی زندگیوں میں جھلکتا اور چھلکتا ہوگا۔

تین سال کی بھرپور اور ناقابل فراموش خدمات کے بعد شیخ دمشق واپس جا رہے تھے۔ ہم لوگ رخصت کرنے گئے۔ وہی مانوس و متبسم چہرہ۔ حزن و ملال اور فکر مآل کا کوئی اثر نہیں۔ پوچھا: واپس پہنچ کر کیا کریں گے؟ فرمایا: وہی جو یہاں آنے سے پہلے کرتا تھا۔ آنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ''گھڑی کی میری ایک چھوٹی دوکان ہے، سویرے پہنچ جاتا ہوں، دو تین گھڑیاں آجاتی ہیں

تو مرمت کر کے پیسے گھر بھیج دیتا ہوں اور دمشق کی مشہور زمانہ مخطوطات کی لائبریری ''مکتبہ ظاہریہ'' کا رخ کرتا ہوں''۔ ہمیں یاد آیا کہ جامعہ آنے سے پہلے آپ کی مؤلفات میں آپ کے نام کے ساتھ ''الساعاتی'' لکھا رہتا تھا۔ یعنی گھڑی ساز۔ (ساز کہاں، صرف مرمت اور درست کرنے والے)

جامعہ اسلامیہ میں جن لوگوں نے شیخ کی زندگی دیکھی، وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ وسیع وعریض مکان کے مکین، چمچماتی کار کے مالک ومسافر، ضرورت مند طلبہ کے مادی اور علمی معاون ومددگار، سب چھوڑ چھاڑ کر بازار دمشق کی ایک گم نام دکان میں گھڑی مرمت کر کے آل اولاد کو روزگار میسر کرنے جا رہے ہیں۔ توکل واستغنا کی شان زبان وبیان سے نہیں، چہرے مہرے سے بھی عیاں تھی۔ جامعہ چھوڑنے کے اندرونی اسباب کچھ بھی رہے ہوں۔ اخباروں نے اشاروں میں لکھا:

انه خالف الامام احمد وشيخ الاسلام ابن تيمية فى ثلاثين مسئلة۔ انہوں نے امام احمد اور شیخ الاسلام سے تیس مسائل میں اختلاف کیا''

حقیقت کا علم اللہ بہتر جانتا تھا۔ علاحدگی کے بعد بھی جامعہ کے ذمے داران سے آپ کے مراسم وروابط تھے اور آمد ورفت کا سلسلہ تھا۔ شیخ البانیؒ کی ایک کتاب ''حجاب المرأة المسلمة'' سے سعودی علماء کو اختلاف تھا، لیکن وقت بدلا تو ان کی رائے بھی بدل گئی، دارالافتاء کی طرف سے افریقہ میں ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرنے کے لئے یہ کتاب ہمارے پاس آئی۔

چوتھے سال ہمیں حدیث پڑھانے کے لئے جو استاذ تشریف لائے وہ مشہور زمانہ حافظ محمد گوندلوی پاکستانی رحمہ اللہ تھے۔ شیخ موصوف کو علمی ومذہبی دنیا کا ہر خوشہ چیں جانتا، مانتا، پہچانتا اور آپ کے علم وفضل کے تذکرے میں رطب اللسان رہتا تھا۔ تقسیم پاکستان سے پہلے آپ جامعہ دارالسلام عمر آباد میں حدیث کے لائق وقابل استاذ رہ چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں حافظ صاحب نے ہمیں حدیث (بلوغ المرام) اور اسانید میں ترمذی کا درس دیا۔ آپ کی سماعت وبصارت متاثر ہو چکی تھی۔ وہاں نظام درس میں بولنے سے زیادہ دیکھنے اور سننے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ صرف بولنے، سمجھانے اور پڑھانے کی بات ہوتی تو دریا کی روانی بھی پانی مانگتی۔ زندگی میں صحیح بخاری کا درس اہل علم کے آگے اتنی بار دیا کہ ''حافظِ حدیث'' کہلانے لگے تھے۔ مسجد نبوی میں مغرب بعد آپ کا درس بخاری ہوتا تو اکثر اساتذہ اور اہل علم کا مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ ایک سال مکمل کر کے آپ پاکستان واپس ہو گئے۔ حافظ احسان الٰہی ظہیر بھی تیسرے سال آپ کے شاگرد رہے اور اسانید میں ابوداؤد کا درس لیا۔ بعد میں شیخ کے داماد بھی ہو گئے اور قدردانی کے ساتھ بہت مستفید ہوئے۔

شیخ موصوف عالمِ باعمل تھے، زہد وتقویٰ میں سلف صالح کی مثال تھے۔ پاکیزہ زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بے مثال تاثیر عنایت فرمائی تھی کہ پریشان حال، پراگندہ بال انسان آپ کی مجلس میں سکون واطمینان کی دولت سے مالا مال ہو کر نہال ہو جاتا تھا۔ معلوم نہیں ایسے مسیحا نفس اور پاکیزہ نفوس سے دنیا خالی کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ سچ فرمایا صادق مصدوق نے کہ اللہ قیامت کے قریب علم کو نہیں، اہل علم کو اٹھا لے گا۔

شیخ ابن بازؒ سے بھی ہم نے ایک سال پڑھا۔ عقیدۂ طحاویہ کا درس آپ کے ذمے تھا۔ قاری حضرات واقف ہیں کہ شیخ کو اللہ نے

نور بصارت کی جگہ نور بصیرت سے سرفراز فرمایا تھا۔ نااہل اور بے ادب طلبہ شیخ کے علم وفضل اور مقام ومرتبے سے ناواقف تھے۔ چنانچہ آپ کے درس میں ادھر ادھر کی کتابیں اور اخبارات ورسائل لا کر مطالعہ کرتے رہتے۔ شیخ عباد، شیخ عطیہ وغیرہ نے بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ طلبہ کو متنبہ کیا۔ بتایا کہ شیخ کا درس اتنا نایاب ہوتا ہے کہ بادشاہ اور شہزادے تک سننے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ لیکن فطرت ہی میں کجی ہو تو ادب وادیب کر ہی کیا سکتے ہیں۔ چاروناچار شیخ کو تدریس سے رک جانا پڑا اور محرومی ہمارا مقدر بن گئی۔ کچھ نادانوں کی حماقت وشرارت نے زندگی بھر کے لئے حسرت وندامت ہماری جھولی میں ڈال دی۔

بعض نابینا حضرات کے حافظے کی کرامات ہم نے دیکھی اور سنی، لیکن شیخ بن بازؒ کی یادداشت نقش فی الحجر سے بھی اوپر کی کوئی کرامت تھی۔ کلاسوں کا آپ دورہ فرماتے۔ لائق اساتذہ کے دروس غور سے سماعت فرماتے۔ کوئی بات خلافِ حقیقت ہوتی تو نظرِ ثانی کی طرف توجہ دلاتے۔ استاذ بغور دیکھنے کے بعد وہی بات دہراتے تو شیخ کا اعتماد ملاحظہ ہو، فرماتے: ''ممکن ہے طباعت میں غلطی ہوگئی ہو، کتاب کا دوسرا ایڈیشن دیکھ لیا جائے''۔ لائبریری سے منگایا جاتا تو شیخ کی یادداشت ہی کی تائید ہوتی۔ کیا لوگ تھے کہ آج ایسوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستیاں ہیں اور کان سننے کو تڑپتے ہیں۔

شیخ ابوالعز رمضان سے دوسال ہم نے تاریخ پڑھی۔ بات مختصر کرتے ہوئے کہ ایک حکایت پر اکتفا کروں گا۔ ہم عجمی ساتھی آپ کے گھر جمع تھے۔ خبریں سننے کے لئے ریڈیو کھولا تھا۔ مصر میں ان دنوں عرب قومیت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ خبر شروع ہوئی تو عرب قومیت کے نعروں کی گرج گونج رہی تھی۔ بار بار کہا جا رہا تھا العزۃ للعرب۔ شیخ رمضان نے ہم سب عجمیوں کے چہروں کو دیکھا اور ہماری تسلی کے لئے کوئی تقریر نہیں کی۔ صرف ایک آیت پڑھی۔

(وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ۚ) (یونس: ۶۵) ''ان کی بات آپ کو دکھی نہ کرے۔ عزت تو تمام کی تمام اللہ کے لئے ہے''
شیخ گھنٹے بھر کی تقریر کرتے تو بھی ہمارے دلوں پر وہ اثر نہ ہوتا، جو اس آیت کے صرف ایک حصے سے حاصل ہوگئی۔

مولانا عبدالغفار حسن رحمانیؒ پالن پوری نے جامعہ میں کئی سال نیک نامی اور کامیابی کے ساتھ تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ہم نے دوسال ان سے مصطلح کا سبق پڑھا۔ خوش اخلاق، ملنسار مزاج تھا۔ ان کی اولاد ہماری دوست تھی۔ اس لئے ہمارے ساتھ بھی آپ کا معاملہ اپنے بچوں ہی کا سا تھا۔ خصوصاً ڈاکٹر صہیب حسن کلاس میں ایک سال پیچھے تھے، لیکن میرے بڑے اچھے اور سچے دوست تھے۔ افریقہ، کینیا میں رہے تو ہماری مراسلت بھی رہی۔ لندن گئے، بڑا کام کیا، نام پایا۔ علماء کونسل کے صدر بن گئے۔ اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کیا۔ مصروف زندگی میں ہماری یادیں شاید بھلا دیں۔ اللہ مسرور اور شاد کام رکھے۔

شیخ محمد گوندلویؒ اور شیخ عبدالغفار حسنؒ کو جامعہ لانے کے لئے شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے ہی پاکستان کا سفر کیا تھا۔

مولانا ناظم ندوی نے بھی ایک سال ہمیں بلاغت پڑھائی۔ زبان عربی پر دسترس تھی۔ مولانا نے سید سلیمان ندویؒ کے ''خطبات مدارس'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ہمارے ساتھی مزمل حسین صاحب ان کے خادمِ خاص تھے۔ شیوخ نے ایک مرتبہ پوچھا کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ برجستہ جواب دیا۔ کانه هو۔ شیوخ بہت محظوظ ہوئے۔

اساتذہ تو اور بھی آتے جاتے رہے۔ سلیمان اشقر، عبدالوہاب البناء، عبدالحق محروس، سلیم شُرّاب، ہر ایک کی کوئی نہ کوئی بات اور یاد دماغ میں محفوظ ہے لیکن گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ بات سے بات نکلتی چلی گئی اب ملاقات کو ختم کردینا ہی بہتر ہے۔

شیخ شیبۃ الحمد کی اللہ بال بال مغفرت فرمائے، جن کی وفات کی خبر سن کر باسی کڑی میں اُبال آیا۔ معلومات چوں کہ کم تھیں، حکایت لذیذ تھی، چنداں ادھر ادھر سے چندہ کر کے جامعہ اسلامیہ کی ایک تاریخ سپرد قلم کر رہا ہوں۔ شیخ کی وفات ۲۷ مئی ۲۰۱۹ء کو ریاض میں ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ تلامذہ آپ کے ان گنت ہیں، جن میں شیخ عبدالرحمن عجلان اور شیخ صالح الفوزان جیسے نامور بھی شامل ہیں۔

جامعہ شروع ہوئی تو عالمِ اسلام کی کئی نامور علمی شخصیات اس کی مجلس استشاری کی رکن رہیں۔ سال میں دو مرتبہ رجب اور ذی الحج میں سب جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی وغیرہم کے ساتھ ہم ملاقاتوں کے مواقع تلاش کر لیتے تھے۔ نج کی گفتگو میں یہ حضرات تبصرے فرماتے تھے۔ ان کا ایک ایک جملہ یا حملہ بھی ٹانک دیتا ہوں، تاکہ ان کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر کی ترجمانی ہو سکے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا: ''اتنے بھاری بجٹ سے یہ لوگ صرف ڈھائی سو طلبہ کو تعلیم دیتے ہیں۔ مجھے یہ رقم دے دی جائے تو علی گڑھ کی طرح ایک مسلم یونیورسٹی قائم کردوں گا''

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا: ''اس یونیورسٹی کو مدینہ میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ طلبہ بہرحال طلبہ ہوتے ہیں۔ ان کی لااُبالی زندگی سے حرم نبوی کا تقدس وتبرک پامال ہوگا''

مولانا سید داؤد غزنویؒ کا تبصرہ تھا: ''دیکھ لینا، مجلسِ استشاری کے یہ مختلف الخیال حضرات جامعہ کے طے شدہ مقصد ومنہج پر کام ہونے نہیں دیں گے''۔

عراق وشام کے نمائندوں کا طنز وطعنہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہتے ہیں: ''جامعہ کے لئے تو قابل اساتذہ مشکل ہیں، کیوں کہ اس کی تین شرطوں پر کم لوگ اتریں گے۔ یعنی مسلمان ہو، سلفی ہو، باریش ہو''

شام کے ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاء نے چوٹ کی کہ ''ترتیب الٹ دی جائے تو صحیح ہوگی، یعنی پہلی شرط باریش، دوسری سلفی، اور تیسری مسلمان''

عجم کے تین مفکرینِ اسلام لائقِ احترام بزرگان دین نے دل کی آواز اور درد کا اظہار فرمایا اور عرب علماء کے تبصرے میں طنز وحسد کے تیر ونشتر ہی نمایاں نظر آئیں گے۔ سچ ہے، زبان پر وہی آتا ہے جو دل ودماغ میں پکتا ہے۔۔۔

(راہ اعتدال عمرآباد، جولائی ۲۰۱۹)

❑❑❑

باب پنجم

مرحومین علمائے اہل حدیث واعیان جماعت

۲۰۱۸/ ۲۰۱۹ء

مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی جے نگرا، بلرام پور، یوپی

وفات ۳/فروری ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

دعوتی حلقوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ جماعت کے معمر اور بزرگ عالم دین مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمانی قاسمی مختصر علالت کے بعد کم وبیش ۹۴/سال کی عمر میں ۳/فروری ۲۰۱۸ء کی شام کو دار فانی سے رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سید محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ نے علم وعمل سے بھرپور طویل زندگی گذاری اس طرح وہ ان خوش نصیب علماء کی فہرست میں شامل ہو گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دعوت وتدریس اور اصلاح وتبلیغ جیسے مبارک اور نیک اعمال کا بڑا موقعہ عطا فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں اچھے اور افضل انسان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے بڑا مختصر اور جامع جواب مرحمت فرمایا کہ ''من طال عمرہ وحسن عملہ'' یعنی وہ شخص لوگوں میں افضل اور بہتر ہے جسے لمبی عمر کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق بھی ملی، مولانا کے بارے میں ہمیں حسن ظن ہے کہ وہ ان شاء اللہ اس حدیث کا مصداق ہوں گے۔

مولانا کا اصلی اور آبائی وطن ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) یوپی، بھارت کا مردم خیز اور مشہور گاؤں ششہنیاں ہے جسے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالکریم ندوی رحمہم اللہ کا مرزبوم ہونے کا شرف حاصل ہے، مولانا کا خانوادہ خود علم وفضل اور دین داری کے لحاظ سے علاقہ میں معروف اور ممتاز تھا، مولانا کے والد مولانا سید اولاد حسین رحمہ اللہ بھی ایک باعمل اور بزرگ عالم تھے، اسی علمی اور دینی خاندان میں مولانا کی ولادت ششہنیاں کے اندر ۱۹۲۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے عم محترم اور علاقہ کے معروف ومستند، مجاہد اور بے باک عالم دین مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ سے حاصل کی، مولانا سید عابد علی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فیض یافتہ تھے، جہاں انہوں نے میاں سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا حفیظ اللہ بندوی اعظمی سے کسب فیض کیا تھا اور فراغت کے بعد اضلاع بستی وگونڈہ کے مواضعات اونرہوا اور امہوا (کونڈراگرانٹ) کے خطوں میں تدریس ودعوت کی موثر خدمت انجام دینے کے بعد میرے گاؤں انتری بازار میں ان کا ورود مسعود ہوا اور پھر موصوف وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے، مولانا سید عابد علی رحمہ اللہ ہی کے ذریعہ مدرسہ بحرالعلوم کا قیام عمل میں آیا اور میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ سمیت متعدد علماء کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور ان کی مخلصانہ کوششوں سے میری بستی انتری بازار اور آس پاس کے مواضعات میں شرک وبدعات کا نہ صرف زور ٹوٹا بلکہ بڑی حد تک ان کا خاتمہ بھی ہو گیا۔

مولانا محمد مصطفیٰ رحمہ اللہ نے فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ دارالہدیٰ یوسف پور میں حاصل کی، اور اس کے بعد دہلی کا رخ کیا اور معروف سلفی مرکز تعلیم ''دارالحدیث رحمانیہ'' میں داخل ہو کر یہاں کے نامور اساتذہ سے پانچ سالوں تک کسب فیض کرتے

رہے، اسی دوران ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی کے ساتھ اس کی تقسیم کا سانحہ پیش آیا اور دہلی اجڑنے کے ساتھ دارالحدیث رحمانیہ بھی ویران ہوگیا، اور اس کے متولیان پاکستان چلے گئے، اس لئے مولانا رحمانیہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے سے محروم رہ گئے، دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، جامع معقولات ومنقولات مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی اور مولانا عبدالغفور جیراج پوری قابل ذکر ہیں۔

۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد جب ملک کے حالات کسی قدر معمول پر آئے تو مولانا نے تعلیم کی تکمیل کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور دو سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی، پھر حدیث کی تعلیم کے لئے مزید دو سال مظاہر العلوم سہارنپور میں گذار دیا۔ ۱۹۵۵ء سے مولانا نے عملی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف مقامات پر تدریسی ودعوتی فرائض انجام دیتے ہوئے ضلع بلرام پور کے گاؤں جے نگرا پہنچے اور ۱۹۵۹ء میں وہیں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی رحمہ اللہ بڑے عابد وزاہد اور سیدھے سادے عالم تھے، ظاہری کروفر سے ہمیشہ دور رہے، حق بات بلا خوف لومۃ لائم کہہ دیا کرتے تھے، اپنے اس پورے خطہ میں گھوم گھوم کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا اور میرے اپنے خیال میں اس خطہ کی اصلاح میں معروف عالم دین مولانا اظہر شاہ بہاری رحمہ اللہ کے بعد ان کی دعوتی کاوشوں کا بڑا رول ہے، کواپور سے شمال کی جانب جنگل کے کنارے اور نیپال سے متصل متعدد مواضعات بالخصوص لکھوری اور بنھونی وغیرہ سے مولانا کا بڑا گہرا تعلق تھا، یہاں کے چودھری خاندان کے لوگ مولانا کی بڑی عزت کرتے تھے، اور اپنی ہر چھوٹی بڑی تقریبات میں مولانا کو دینی سربراہ کی حیثیت سے بلاتے اور ان کی دعائیں لیتے۔ ان کے رخصت ہونے سے علاقہ ایک مخلص داعی سے محروم ہوگیا۔

مولانا کی نماز جنازہ ۴/فروری ۲۰۱۸ء بروز اتوار ان کے گاؤں جے نگرا (کواپور) میں ادا کی گئی، برادر گرامی مولانا شہاب الدین مدنی حفظہ اللہ (ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی) اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ لکھنؤ سے تشریف لائے، میں نے بھی مولانا وصی اللہ مدنی اور اپنے بچوں عزیزان سعود اختر سلفی اور اسعد سلمہما کے ساتھ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اس موقعہ پر مولانا کی خدمات کے تعلق سے قبل نماز جنازہ کچھ عرض کیا، نماز جنازہ بزرگ عالم دین اور مولانا کے سمدھی مولانا محمد احمد عرف ضامن علی بستوی حفظہ اللہ نے پڑھائی، علماء، طلبہ اور عوام وخواص کے ایک بہت بڑے اجتماع نے جنازہ میں شریک ہوکر مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے، آمین۔

مولانا کے جنازہ میں شریک ہوتے ہوئے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہماری اگلی صفیں آہستہ آہستہ خالی ہورہی ہیں اور ان کی جگہ لینے والوں کا دور دور تک اتہ پتہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے اس دعوتی خلا کو بھر دے اور ملت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ (السراج جھنڈانگر، مارچ ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

عم محترم جناب مولانا محمد ادریس شمسی جھارکھنڈیؒ کی رحلت

وفات: ۳/ مارچ ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالستار سلفی

صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع جامتاڑا دیوگھر گریڈیہہ کے دینی ودعوتی حلقوں میں یہ خبر رنج وغم کے ساتھ سنی جائے گی کہ عم محترم جناب مولانا محمد ادریس شمسی ۷۴/ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد ۳/ مارچ بروز ہفتہ ساڑھے چار بجے صبح اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جنازہ اور تدفین چار بجے شام کو عمل میں آئی، جنازہ میں علاقے کے علماء، اہل علم طلبہ، عوام جماعتی وغیر جماعتی رشتہ داراوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی جنازہ کی، نماز مولانا کے صاحبزادے عزیزم مولانا عبدالحسیب عالیاوی سلمہ نے پڑھائی۔

مولانا محمد ادریس کی پیدائش موضع کرواضلع جامتاڑا جھارکھنڈ میں ۲۱/ جنوری ۱۹۶۶ء کو ایک عالم دین کے گھر ہوئی۔ مولانا کا خانوادہ علم وفضل اور دین داری کے لحاظ سے علاقہ میں معروف اور ممتاز تھا، آپ کے والد ماجد جناب مولانا محمد حاتم (وفات ۱۹۷۳ء) ایک عالم دین اور داعی الی اللہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی پھر مدرسہ اسلامیہ مدھوپور ضلع دیوگھر میں وسطانیہ سوم میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے پانچ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد فوقانیہ پاس کیا بعد ازاں ۱۹۶۲ء میں مدرسہ شمس الہدی پٹنہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۶ء میں فاضل حدیث کی ڈگری حاصل کی اور وطن لوٹ آئے۔ فراغت کے بعد جمیاری بازار ضلع بردوان بنگال میں امامت وخطابت سے دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا کچھ ماہ وہاں رہنے کے بعد مدرسہ ندوۃ الاصلاح عبداللہ نگر پھکبندی میں بحیثیت استاذ بحال ہوئے۔ مولانا نے چونکہ بہار بورڈ سے ملحق ادارہ شمس الہدیٰ سے فراغت کی تعلیم حاصل کی تھی اس لئے آپ کو بھی ٹیچر ٹریننگ کا موقع مل گیا۔ ۱۹۷۱ء میں ٹریننگ مکمل کی اور ۱۹۷۲ء میں نالا بلاک ضلع جامتاڑا میں سرکاری ٹیچر کی حیثیت سے بحال ہوگئے۔ ۱۹۸۰ء میں وہاں سے ٹرانسفر ہوکر برآباد ضلع دیوگر چلے آئے اور یہیں سے چند سال قبل ریٹائز بھی ہوئے ریٹائر کے بعد کچھ دنوں تک آپ آسنسول ویسٹ بنگال کی اہل حدیث مسجد منشی بازار میں امام وخطیب رہے۔ آپ ایک اچھے مقرر اور خطیب تھے۔

جہاں بھی رہے دعوت وتبلیغ کا کام نہیں چھوڑا۔ جب والد صاحب پر فالج کا حملہ ہوا تو آپ ۱۹۶۹ء میں عیدگاہ کے امام وخطیب بنائے گئے اور گیارہ سال تک اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ آپ مختلف جگہوں میں رہنے کے باوجود جب گاؤں میں ہوتے تو آپ ہی امام وخطیب ہوتے بعد میں موضع برآباد کے باشندوں نے آپ کو عیدگاہ کا مستقل امام وخطیب مقرر کردیا تھا اور تاحیات عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ گاؤں میں اکثر لوگ منکرین حدیث سے متاثر تھے لیکن مولانا کی ثبات قدمی اور حکمت عملی نے سب کو صحیح منہج سے وابستہ کردیا۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ آمین۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (مولانا عبدالستار سلفی، امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث دہلی) (جریدہ ترجمان ۳۰۔۱۶/ اپریل ۲۰۱۸ء) ❑❑❑

مولانا زین العابدین ریاضیؒ رسولپور، سدھارتھ نگر

وفات ۷ مارچ ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

نام ونسب: مولانا زین العابدین بن حقیق اللہ ریاضی بستوی

ولادت: آپ کی ولادت یکم اگست ۱۹۳۱ء بمقام رسول پور، ڈومریا گنج ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر) یوپی میں ہوئی۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے پاس اور گاؤں کے مکتب میں درجہ چہارم تک ہوئی۔ (۲) درجہ آٹھ تک ڈومریا گنج مڈل اسکول میں تعلیم حاصل کی یہ عصری اسکول ہے۔ (۳) عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم دوسال تک اپنے ہی علاقے کے مشہور ادارہ مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں پائی۔ (۴) اس کے بعد دوسال مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں ضلع بستی میں تعلیم حاصل کرتے رہے جو علاقے کے مشہور مدارس میں سے ایک تھا۔ (۵) اعلیٰ تعلیم کے لئے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع گونڈہ یوپی میں داخلے کے لئے گئے اور یہاں سے وابستہ ہوکر دوسال تک عربی ودینی علوم کی تعلیم حاصل کرکے چوتھی جماعت یعنی ثانویہ کی تکمیل کی۔ (۶) عالمیت کی تعلیم کے لئے جماعت کی مشہور درسگاہ جامعہ دارالحدیث اثریہ مئو تشریف لے گئے اور یہاں بھی چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی گویا عالمیت کی تکمیل ہوئی۔ (۷) دورۂ حدیث اور فضیلت کے لئے دہلی میں واقع مدرسہ ریاض العلوم وارد ہوئے اور یہیں پر تکمیل کرکے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستویؒ کے پاس سے سند فراغت حاصل کی یہ غالباً ۱۹۵۸ء کا زمانہ تھا۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے اساتذہ کا ابھی تک تفصیلی علم نہ ہوسکا ہے سردست یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی میں آپ کے سب سے مایہ ناز استاذ تھے، بقیہ مئو، بونڈیہار وغیرہ جیسے عظیم اداروں کے اس وقت کے اساطین علم اور کہنہ مشق مدرسین رہے ہونگے۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ کی بھی کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہے۔ البتہ مکتب کی تعلیم وتدریس کے دوران مولانا عبدالواحد انور یوسفی (نوڈھوا) مقیم حال کوکن نے اپنے ایک مضمون میں اپنی شاگردی کی صراحت کی ہے۔

دینی خدمات: (۱) فراغت کے بعد ۱۹۵۸ء میں موضع چمپوا ضلع کیونجھر اڑیسہ میں تدریس کے لئے عازم سفر ہوئے اور وہاں پہنچ کر مدرسہ دارالہدیٰ سے وابستہ ہوگئے۔ یہاں قریب دوسال رہے اس کے بعد وہیں موضع جیت گڑھ کے مدرسہ میں چلے گئے اور وہاں ایک سال تک درس وتدریس کے علاوہ امامت خطابت اور دعوت واصلاح کے کام پر لگے رہے۔ بعدہ مستعفی ہوکر وطن واپس آگئے۔

(۲) ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۹ء تک تقریباً سات سال مدرسہ انوار العلوم، موضع نوڈھوا (سعد اللہ نگر) ضلع گونڈہ سے وابستہ رہے

اور تدریس وتبلیغ کے ساتھ اصلاح وتربیت کی ذمہ داریاں باحسن طریق انجام دیتے رہے۔

(۳) کچھ دنوں تک مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا میں رہے اور اس کے بعد اپنے گاؤں کے مدرسہ مصباح العلوم رسول پور سے وابستہ ہوگئے اور چھ سال تک مدرسہ میں تعلیم وتدریس کے ساتھ مسجد ومحراب کی ذمہ داریاں بھی سنبھالتے رہے۔

(۴) ۱۹۷۵ء میں آپ بحیثیت صدرمدرس مدرسہ اتحاد ملت اٹوابازار ضلع سدھارتھ نگر وارد ہوئے اور پھر یہیں عمرعزیز کا بقیہ عرصہ گزار دیا۔ یہاں کے انتظامی اموروغیرہ سب آپ کے ہاتھ میں تھے، آپ کی نگرانی میں ادارہ نے کافی ترقی کی اور سینکڑوں طلباء فیض یاب ہوئے۔ وفات ۲۰۱۸ء سے چندسال قبل مختلف عوارض کے پیش نظر گھر آگئے اور آخری وقت تک دواعلاج جاری رہا۔ ۲۹ سال تک آپ اتحاد ملت میں پرنسپل اور مہتمم کی حیثیت سے رہے، درس وتدریس کے علاوہ آپ کے خطبات جمعہ یہاں کافی اہمیت کے حامل تھے۔ دوردراز سے لوگ محض خطبہ سننے آیا کرتے تھے۔ تدریس میں مہارت تامہ کا اعتراف تو پورے علاقے کے اہل علم کیا کرتے ہیں۔

(۵) اٹوا میں تدریس کے دوران آپ نے تصنیف وتالیف کا کام بھی شروع کیا اور کچھ کتابیں بھی منظر عام پر آئیں۔ جن میں (۱) زادآخرت اردو صفحات ۱۵۰ (۲) معجزات النبی (اردو) (یااعجاز رسالت) قابل ذکر ہیں۔

اخلاق واوصاف: ہمارے استاذ گرامی شیخ عبدالمنان سلفی مدیر ماہنامہ السراج جھنڈانگر رقمطراز ہیں۔ ''مولانا زین العابدین رحمہ اللہ کا شمار اپنے علاقہ کے بزرگ اور وضعدار علماء میں ہوتا تھا۔ لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ طلبہ کی تربیت کا انداز نرالا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ شفقت سے پیش آتے، علماء کے قدردان اور بڑے مہمان نواز تھے، زندگی کا بڑا حصہ جامعہ اتحاد ملت اٹوابازار ضلع سدھارتھ نگر کی خدمت میں گزار دیا۔ موصوف وہاں کے صدر مدرس تھے مگر سارے انتظامی امور انہیں کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی نگرانی میں اٹوا کے اس ادارہ نے بڑی ترقی کی اور یہاں عربی کی ابتدائی جماعتوں کے ساتھ شعبۂ تحفیظ بھی قائم ہوا۔ اتحاد ملت کی جامع مسجد کو علاقہ میں مرکزیت حاصل رہی۔ مولانا نے یہاں سے سیکڑوں طلبہ کو تیار کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ سلفیہ بنارس اور جماعت کے دیگر بڑے اداروں میں بھیجا اور انہیں باصلاحیت عالم دین بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔ (ماہنامہ السراج مارچ ۲۰۱۸ء ص: ۳۸)

وفات: مولانا کافی دنوں سے ذیابطیس اور بلڈ پریشر وغیرہ کے مریض تھے اس لئے وفات سے قبل اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر اٹوا سے اپنے گھر رسول پور چلے گئے اور وہیں چندسال گزار کر ۷ مارچ ۲۰۱۸ء کو سوئے عقبی چل پڑے۔ نماز جنازہ ۸/ مارچ کو رسول پور میں ادا کی گئی جس میں علماء طلباء اور اہل علم کے علاوہ ایک جم غفیر شریک تھی۔ پسماندگان میں دوصاحبزادے مولانا شرف الدین سلفی اور مولانا ریاض الدین مدنی ہیں۔ رب العالمین غریق رحمت فرمائے۔

مراجع: (۱) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات / مولانا محمد مستقیم سلفی / ص ۱۵۸

(۲) مضمون مرسلہ مولانا عبدالواحد انور یوسفی، سونس

(۳) ماہنامہ السراج مارچ ۲۰۱۸ء (۴) جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/ اپریل ۲۰۱۸ء

❑❑❑

مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیریؒ کا انتقال پر ملال

وفات ۱۳/مارچ ۲۰۱۸ء

عزیز عمر سلفی

وادی کشمیر کے ایک دیدہ ور عالم دین مولانا محمد اسماعیل اثری کشمیری عرف استاذ الاساتذہ ۶۶ سال کی عمر میں ۱۳/مارچ ۲۰۱۸ء کی شب میں حیات مستعار پوری کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد اسماعیل اثری آفتاب تازہ کی مانند وادی کشمیر میں طلوع ہوئے۔ انہوں نے سالوں تک گھر سے باہر رہ کر دہلی، مئو، مبارکپور میں علمی تشنگی بجھائی۔ ۱۹۷۸ء میں مربیان جماعت کی خواہش پر الکلیہ السّلفیہ سرینگر کی آبیاری کے لئے پابند ہو گئے۔ اپنی خداداد صلاحیت اور کوششوں سے طلباء میں علمی صلاحیت، ذوق مطالعہ، پڑھنے پڑھانے اور لکھنے کا ہنر جگا دیا۔ طلباء ماہر اساتذہ بن گئے اور کئی ایک مضبوط قلم کار بن گئے اور کئی ایک دعوت واصلاح کے میدان میں علمی وفکری دولت سے مالا مال ہو گئے۔

وہ اکیلے ہی چلے تھے جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

آج اُن کے تلامذہ میں بڑے بڑے علماء کے علاوہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی درجنوں میں ہے۔ اُن کی چہل سالہ تدریسی علمی، ادبی اور دعوتی خدمات مشعل نور کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ مولانا اسماعیل اثری مرحوم کی شخصیت وادی کشمیر میں حیات سرمدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ کاش اُن کی خدمات کو جس قدر خراج پیش کیا جائے بجا ہے۔ مرحوم درجنوں کتابوں کے مرتب ومؤلف تھے جن میں بیشتر شائع ہو چکی ہیں۔ (نوائے اسلام دہلی، اپریل ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مولانا محمد جعفر سلفیؒ پڑریا، نیپال

وفات ۱۵/مارچ ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

تعلیمی اور دعوتی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ ملک نیپال کے کہنہ مشق مدرس اور مخلص داعی مولانا محمد جعفر سلفیؒ ۱۵/مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات اپنی زندگی کی ۵۴/بہاریں دیکھنے کے بعد دل کا دورہ پڑنے کے سبب اچانک رحلت فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر جس نے سنی اسے اول وہلہ میں یقین نہ آیا، بھلے چنگے اور چست وتندرست مولانا محمد جعفر سلفی جو پوری تندہی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے، کسی نے اس کا تصور تک نہ کیا تھا، ان کی

بیماری کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے بھی کم وبیش تھا، مولانا جامعہ فرقانیہ بھینس کنڈہ میں تدریسی ودعوتی فرائض کی انجام دہی پر مامور تھے، معمول کے مطابق مولانا نے صلاۃ فجر کی امامت کرائی، اس کے بعد مسجد میں درس دیا، پھر چائے ناشتہ کے بعد دو گھنٹیاں پڑھائیں اور تیسری گھنٹی کا درس جاری تھا کہ اچانک سینے میں شدید درد کا احساس ہوا اور انہیں قریبی طبی مرکز علی گڑھوا لے جایا گیا، جہاں ڈاکٹر نے کچھ دوائیں دیں اور کسی بڑے ہاسپٹل میں لے جانے کا مشورہ دیا، اسی دوران دوبارہ ہارٹ اٹیک ہوا اور مولانا گر گئے اور چند لمحوں میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، مولانا جعفر سلفی رحمہ اللہ ایک منجھے ہوئے مدرس، حق گو داعی اور بے لوث مبلغ تھے، دعوت وتبلیغ کا فریضہ ہمہ وقت انجام دیتے تھے، انکار منکر ان کا امتیازی وصف تھا، موصوف حق بات برملا کہنے میں اپنی مثال آپ تھے، خطبات جمعہ کے علاوہ علاقہ کی مساجد میں پابندی کے ساتھ دروس کا اہتمام فرماتے اور دعوتی جلسوں اور پروگراموں میں بھی موثر وعظ کہتے۔

مولانا کی خودنوشت کے مطابق ان کی پیدائش نیپال کے لمبنی سے متصل پڑریا ضلع روپندیہی میں یکم فروری ۱۹۶۴ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ فیض الاسلام السّلفیہ میں حاصل کی، پھر آپ مدرسہ شمس العلوم ہرنام پور تشریف لے گئے اور کم وبیش ڈھائی سال رہ کر جماعت کے معروف عالم دین، مناظر اور شاعر مولانا عبدالحمید حامد الانصاری انجم جمال اثری رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا، ۱۹۷۵ء میں جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر حاضر ہوئے اور دو سال رہ کر جماعت ثالثہ تک تعلیم مکمل کی، ۱۹۷۷ء میں مدرسہ شمس العلوم سمرا ضلع سدھارتھ نگر پہنچ کر مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور جماعت رابعہ تک تعلیم مکمل کی، پھر ۱۹۷۸ء میں مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمیت سال اول میں داخلہ لیا اور چار سال رہ کر ۱۹۸۳ء کے آغاز میں عالمیت کی سند حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا حامد الانصاری انجم، والد محترم مفتی عبدالحنان فیضی، مولانا رحمت اللہ اثری، مولانا عبدالعلیم ماہر، مولانا عبدالمبین منظر، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۴ء میں مدرسہ ریاض العلوم دہلی سے وابستہ ہوکر تدریسی ودعوتی زندگی کا آغاز کیا، ۱۹۸۷ء میں مہاراشٹر کا رخ کیا اور رائے گڑھ میں دو سال امامت وخطابت کے فرائض انجام دئے، وہاں سے مسجد اہل حدیث جری مری ممبئی تشریف لائے اور دو ہی سال یہاں بھی مذکورہ فرائض انجام دئے، ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں دو سال تک جامعہ رحمانیہ کاندیولی میں مدرس مقرر ہوئے اور دعوتی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ وہاں سے نکلنے والے ماہنامہ ''صوت الاسلام'' کے نائب مدیر بنائے گئے، ۱۹۹۳ء میں کسب معاش کے لئے سعودی عرب گئے اور ۱۹۹۸ء تک وہاں مقیم رہے، اس کے بعد جامعہ محمدیہ بھیرہوا میں ڈھائی سال تدریسی خدمات انجام دیں، پھر آپ کو جامعہ فرقانیہ بھینس کنڈہ ضلع کپل وستو میں تدریسی خدمات کا موقع ملا، یہاں آپ نے بچوں کے ساتھ بچیوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ حسن وخوبی سے انجام دیا، مدرسہ ام عمار للبنات میں اونچی کتابیں بالخصوص صحیحین کی تدریس انہیں کے ذمہ تھی، ذمہ داران مدرسہ ان کے اخلاق وکردار اور پُرخلوص محنت سے بڑے متاثر اور ان کے بڑے قدردان تھے، ان کے اچانک رخصت ہوجانے سے جامعہ فرقانیہ اور مدرسہ عمار دونوں کو زبردست جھٹکا لگا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، ساتھ ہی ملت وجماعت ایک مخلص داعی، بے باک مبلغ اور کہنہ مشق مدرس سے بھی محروم ہوگئی۔

ان کی نماز جنازہ ۱۶/ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ صبح ۱۰ بجے ان کے مادر علمی مدرسہ فیض الاسلام پڑریا کے وسیع گراؤنڈ میں پڑھی گئی، جس میں علماء طلباء اور عوام وخواص کی ایک بہت بڑی تعداد نے شریک ہوکر ان کے لئے دعاء مغفرت کی، جامعہ سراج العلوم

السّلفیہ، جھنڈانگر سے راقم (عبدالمنان سلفی) کے علاوہ شیخ الجامعہ مولانا خورشید احمد سلفی، نائب شیخ الجامعہ مولانا عبدالرشید مدنی، ڈاکٹر عبدالغنی القوفی، مولانا شفیع اللہ مدنی، مولانا وصی اللہ مدنی، مولانا محمد اسلم مدنی، مولانا انیس الرحمن مدنی، مولانا پرویز مدنی، مولانا خالد رشید سراجی، مولانا تاج الدین سراجی، مولانا قمر اعظم سراجی، مولانا عتیق الرحمن سراجی اور ماسٹر عبدالحسیب وغیرہم نے جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اوران کے بیٹوں سے اظہار تعزیت کیا، پسماندگان میں ان کی بیوہ کے علاوہ ۳/ بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے اوران کی تمام ترعلمی، اوردعوتی خدمات کوان کی مغفرت اوررفع درجات کا ذریعہ بنائے۔(آمین) (ماہنامہ السراج اپریل ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

معروف عالم دین مولانا محمد جعفر سلفی کے انتقال پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعزیتی پیغام

نئی دہلی: ۲۶ مارچ ۲۰۱۸ء۔ نیپال کے معروف عالم دین مولانا محمد جعفر سلفی کا انتقال نہایت افسوس ناک اور ملت کا بڑا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ نیک، خوش اخلاق، جری اور غیور عالم دین تھے۔ آپ جامعہ سلفیہ کے فارغ التحصیل اور میرے ہم سبق تھے۔ جمعیت وجماعت سے بہت محبت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت کے زیر اہتمام چونتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کا ارادہ تھا لیکن خرابی صحت کی وجہ سے نہیں آسکے۔ آپ کہنہ مشق واعظ اور مدرس تھے۔ ان حقائق واحساسات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں کیا۔

پریس ریلیز کے مطابق مولانا نے کچھ دنوں تک جامعہ ریاض العلوم دہلی اور جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی میں بھی درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا اورایک مدت تک جری مری کی مسجد میں امامت وخطابت سے وابستہ رہے۔ اورآخری ایام میں بھینس کنڈہ نیپال میں لڑکیوں کے مدرسہ سے وابستہ ہوکر درس وتدریس اور علاقے میں تعلیم واصلاح کا کام انجام دے رہے تھے۔ ان کا انتقال مورخہ ۱۵/ مارچ ۲۰۱۸ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے ہوگیا۔ پسماندگان میں بیوہ، تین بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر ودیگر ذمہ داران نے مولانا کے ورثاء سے قلبی تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کی مغفرت وبلندی درجات کی دعا کی ہے۔ (جریدہ ترجمان ۱۵۔۱/ اپریل ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

شیخ محمد توحید بن حافظ جلیل احمد فیضی پرتاپ گڈھ

وفات ۱۰/ اپریل ۲۰۱۸ء

محمد طیب جلیل احمد فیضی پرتاپ گڑھی

حافظ محمد توحید فیضی ہمارے بزرگ ومحترم قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ کے داماد تھے، انتہائی خلیق، ملنسار اور خوش الحان قاری تھے، کبھی کبھار کاندیولی میں منعقد ہونے والی بڑی کانفرنسوں میں تلاوت قرآن کے لئے آں موصوف کو میں مدعو کر لیتا تھا، اور وہ بالکل بے باکی سے اپنے خوبصورت آواز میں سماباندھ کر سامعین کا دل جیت لیتے تھے۔ کافی دنوں تک ہم لوگوں کے گردوپیش رہے، قسمت نے وفا کی سعودی عرب ملازمت کے لئے چلے گئے اور کچھ سالوں کے بعد وہیں عرش والے کا بلاوا آ گیا انا للہ وانا الیہ راجعون، مولا غریق رحمت فرمائے۔ ذیل کے سطور ان کے بھائی حافظ طیب فیضی نے ترتیب دیئے ہیں شکریے کے ساتھ شامل اشاعت ہیں۔ (مولانا عبدالحکیم مدنی)

تاریخ پیدائش: ۹/ اپریل بروز جمعہ ۱۹۸۲ء ہے، آپ کی پیدائش آپ کے آبائی گاؤں موضع تلیاہی ضلع پرتاپ گڑھ میں ہوئی۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن ہیں (۱) محمد طیب فیضی (۲) محمد توحید فیضی (۳) محمد طاہر فیضی، برادر محترم ہم تینوں بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے، اللہ نے آپ کو بہت ہی بااخلاق خوش مزاج وملنسار بنایا تھا، آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص آپ کا دوست ہوجایا کرتا تھا۔

ابتدائی تعلیم: ہم تینوں بھائیوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدین سے حاصل کی، کیونکہ والد محترم ایک اچھے حافظ قرآن ہیں اور والدہ محترمہ بھی ایک بڑے دینی ادارہ سے تعلیم یافتہ ہیں، اس لئے والدین نے گھر سے ہی ہماری تعلیم وتربیت کی شروعات کی، پہلے ہمیں ناظرہ قرآن پڑھایا اور پھر حفظ بھی گھر ہی میں شروع کرادیا مگر وقت کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہے اسی دوران والدین نے ممبئی آنے کا فیصلہ کیا اور چند ہی دنوں بعد ہم سب شہر ممبئی آ گئے۔

یہاں پہنچ کر والدین نے ہماری حفظ کی تعلیم کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے سب سے پہلے جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی کا انتخاب کیا، یہاں ہم نے دوسال تک حفظ کی تعلیم حاصل کی یہاں میرے بھائی کے سب سے پہلے استاد ہیں فضیلۃ الشیخ قاری رحم علی حفظہ اللہ جو ہمارے ہم علاقہ وہم وطن بھی ہیں، آپ نے ان سے تقریباً نصف قرآن کریم حفظ کرلیا تھا، اس کے بعد والد محترم نے ہمیں یہاں سے ہٹا کر ممبئی کے ہی ایک دوسرے مدرسہ میں ہمارا داخلہ کرادیا، پھر بعض وجوہات کی بنا پر ہم تینوں بھائیوں کا ایک ساتھ مدرسہ تعلیم الدین سون پور جھٹوارا، پرتاپ گڑھ میں داخلہ کرایا، یہاں ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ایک ہی استاذ کے پاس اپنے قرآن کریم کے بقیہ حصہ کو حفظ کیا۔ ہم تینوں بھائیوں میں سب سے پہلے جس نے قرآن کریم کو حفظ کیا ہے وہ ہیں شیخ محمد توحید فیضیؒ آپ

نے 1995ء کو پورا قرآن کریم حفظ کرلیا تھا اوراسی سال رمضان المبارک کے مہینہ میں آپ نے شہر پرتاپ گڑھ کی ایک مسجد میں تراویح کی نماز بھی پڑھائی، اس وقت برادرمحترم کی عمر تیرہ سال تھی۔

حصول تعلیم کے لئے سفر: حفظ کی تعلیم سے فراغت کے بعد والدمحترم نے عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۹۹۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنو کی ایک شاخ مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں رائے بریلی میں داخلہ کرایا، برادرمحترم نے یہاں چار سالہ عرصہ گزار کر جماعت رابعہ تک تعلیم حاصل کی، اللہ نے آپ کو بڑی ذہانت سے بھی نوازا تھا۔ ۱۹۹۹ء تک ہم دونوں بھائی ایک ساتھ مدرسہ ضیاء العلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اس وقت ہم لوگ حنفی المسلک تھے مگر ہمارے سگے خالو فضیلۃ الشیخ جناب قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ جو میرے چھوٹے بھائی محمد توحید فیضیؒ کے سسر بھی ہیں ہمیشہ ہم لوگوں کو حق کی تلقین کرتے رہتے تھے، خصوصاً قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ کا شوق دلایا کرتے تھے، اور ہمیشہ ہماری دینی بھلائی کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے انہوں نے ہمیں ۲۰۰۰ء میں کسی سلفی ادارہ میں داخلہ لینے کا مشورہ دیا، ابتداً آپ کی بات بڑی عجیب سی لگی مگر ادباً ہم آپ کی بات کا انکار نہ کرسکے اور آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے والدمحترم نے ہم دونوں بھائیوں کا ایک ساتھ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن میں داخلہ کرادیا۔ ہم دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ ۲۰۰۱ء میں سند عالمیت حاصل کی اور پھر ۲۰۰۳ء میں سند فضیلت حاصل کی اور جامعہ سے فارغ ہوگئے۔

تعلیمی وتدریسی خدمات: برادرمحترم شیخ محمد توحید فیضیؒ نے جامعہ سے فراغت کے بعد تجوید وقرأت پڑھنے کا فیصلہ کیا تو والد محترم نے ان کا داخلہ مدرسہ عربیہ انوار العلوم قصبہ مئو آئمہ الہ آباد میں ہندوستان کے مشہور ومعروف قاری جناب قاری رحمت اللہ صاحب کے پاس کرادیا، یہاں برادرمحترم نے دوسال تک روایت حفص پڑھا، اس دوران برادرمحترم قصبہ مئو آئمہ محلہ کورٹ کی ایک اہل حدیث مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے حتیٰ کہ قرأت کی تعلیم مکمل ہوگئی مگر امامت وخطابت کا یہ سلسلہ بدستور جاری وساری رہا۔

اس کے بعد برادرمحترم ممبئی آئے اور ۲۰۰۵ء سے لے کر ۲۰۱۱ء تک مسجد دارالسلام کاندیولی ممبئی میں بحیثیت امام وخطیب اپنے فرائض انجام دیتے رہے، آپ وقت کے بڑے پابند تھے کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر شرعی ہو، اسی طرح وعدے کے بھی بڑے پختہ تھے کبھی کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے، مسجد میں مکتب کی بھی تعلیم ہوتی ہے اس لئے امام کے علاوہ چھ لوگ اور رہتے ہیں جو ان کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، وہ لوگ آج بھی موجود ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم چھ سال ان کے ساتھ رہے ہیں لیکن کسی معاملہ میں ہم نے ان کو اختلاف کرتے نہیں پایا ہے، کبھی کسی معاملہ میں ہم لوگوں کے درمیان آپس میں نااتفاقی نہیں ہوئی اگر کوئی چیز ناگوار ہوتی تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرلیتے تھے مگر اختلاف نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے ۲۰۱۱ء میں سعودی عرب جانے کا فیصلہ کیا تو رب العالمین نے ان کے لئے سارے راستے آسان کردیئے اور وہ بآسانی سعودی عرب پہنچ گئے الحمدللہ! وہاں پہنچ کر ابتداء میں ایک مسجد میں بطور نائب امام وموذن متعین ہوئے اور یہاں کی طرح وہاں

بھی آپ نے بڑی ایمانداری وامانت داری کا ثبوت دیا، آپ کے طرز عمل سے آپ کے مسجد کے امام محمد احمد الخضیمی بڑے متاثر ہوئے اورانہوں نے آپ کو مکتب دعوۃ المجمعہ میں بھی لگوا دیا انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین۔

دینی خدمات: برادر محترم چار سالوں سے مسجد کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ دعوتی ذمہ داری بھی نبھا رہے تھے، مختلف مقامات پر آپ کے دروس ہوا کرتے تھے، اسی طرح نماز جمعہ کے بعد آپ امام کے عربی خطبہ کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے، اور جو غیر مسلمین سعودی عرب جاتے ہیں، کام کے سلسلہ میں ان کے درمیان بھی آپ دعوت وتبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔

ابھی پچھلے رمضان المبارک کے مہینہ یعنی ۲۰۱۷ء میں آپ نے ایک غیر مسلم کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا تھا جس کا ویڈیو آج بھی یوٹیوب پر موجود ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ سعودی عرب میں آپ کی پوری زندگی کا ماحصل صرف دعوت وتبلیغ رہا ہے۔

وفات: جس دن آپ کا اکسیڈنٹ ہوا ہے اس دن بھی آپ ایک جگہ جمعہ کا خطبہ دینے جا رہے تھے جہاں تقریباً پانچ سو سے زائد لوگ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، مگر رب العالمین کو وہاں تک آپ کا پہنچنا منظور نہیں تھا، اچانک آپ کی کار ایک حادثہ کا شکار ہو کر پلٹ گئی اور آپ بری طرح زخمی ہو گئے، ساری چوٹیں آپ کے سر اور چہرہ پر تھیں، بقیہ جسم کا اکثر حصہ سلامت تھا۔

اس موقع پر مجھے آپ ﷺ کی ایک حدیث یاد آتی ہے جو سنن ترمذی کے اندر بسند صحیح مروی ہے عن مطر بن عکامس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا قضى الله لعبد ان يموت بأرض جعل له اليها حاجة رواه الترمذي. حضرت مطر بن عکامسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے موت کا کسی زمین میں فیصلہ کر دیتا ہے تو اس کے لئے اس زمین میں کوئی حاجت بنا دیتا ہے اور وہ شخص وہاں جاتا ہے تو موت اسے آ کر پکڑ لیتی ہے۔ میرے چھوٹے بھائی شیخ محمد توحید فیضیؒ کی موت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی سرزمین عرب کو مقدرؒ کر رکھا تھا، اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے۔ چنانچہ ۷/اپریل بروز جمعہ ۲۰۱۸ء کو گھر سے جمعہ کے خطبہ کے ارادے سے نکلے، اچانک راستہ میں آپ کی گاڑی کا اکسیڈنٹ ہو گیا اور گاڑی پلٹ گئی، چہرہ اور سر میں سخت چوٹیں آئیں جس وقت آپ کو زخمی حالت میں زمین سے اٹھایا جا رہا تھا اس وقت آپ اپنی زبان سے کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے۔ آپ کو اٹھانے والوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ ہم نے اپنے کانوں سے انہیں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور یہی کلمہ شہادت آپ کی زندگی کا آخری کلام ثابت ہوا اور اس کے بعد آپ کی طبیعت اور بگڑتی چلی گئی اور آپ کو علاج کے لئے شہر مجمعہ سے ریاض کے امام عبدالرحمن الفیصل اسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں چار دنوں تک آپ کا علاج چلتا رہا، وفات سے ایک روز قبل امید کی ایک ہلکی سی کرن نظر آئی ایسا لگا اب آپ بہت جلد روبہ صحت ہو جائیں گے اہل خانہ، رو رو کر رب العالمین کے دربار میں دعائیں کر رہے تھے کہ الٰہی تو انہیں جلد صحت یاب کر دے یہاں والدین کا صدمہ سے دل پھٹا جا رہا تھا، قوت برداشت جواب دے رہی تھی مگر ان سب کے باوجود میرے بوڑھے والدین اپنے جوان بیٹے کی واپسی کے منتظر بیٹھے تھے اور ہر وقت وہر لحہ اللہ سے ایک ہی دعا کیا کرتے تھے پروردگار موت وحیات کا اور صحت وتندرستی کا مالک تو ہی ہے تو میرے بچے کو دوبارہ صحت یاب کر دے، ہم لوگوں کا صدمہ سے براحال تھا لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا، لوگ تسلی دے رہے تھے کہ اطمینان رکھئے، ان شاء اللہ شیخ محمد توحید جلد صحت یاب ہو جائیں گے، اب اخیر میں وہ دن بھی آ پہنچا جس نے ایک بارگی ہم سب کو غموں

سے نڈھال کردیا، ہمتوں کو پست کردیا گھر میں غموں کے بادل منڈلانے لگے میں ابھی ظہر کی نماز کے لے باوضو ہوکر اذان کا انتظار کرتے گھر میں بیٹھا تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی دیکھا تو میرے بہنوئی شیخ کلیم ابن مقصودالحسن فیضی کا فون تھا جو ابتداء سے برابر پل پل کی خبر دے رہے تھے، بڑی پر امیدی سے فون اٹھایا کہ برادر محترم کی اچھی صحت کی خبر ملے گی مگر اللہ کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے قضاء وقدر پورا ہو چکا تھا۔

شیخ نے تو پہلے ہماری خیریت دریافت کیا اور اس کے بعد صرف اتنا کہا کہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے، اب شیخ محمد توحید فیضیؒ اس دنیا میں نہیں رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون برادر محترم شیخ محمد توحید فیضیؒ نے سرزمین عرب کے اندر ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنی آنکھیں بند کرلی ہیں اتنا سننا تھا کہ آنکھیں اشک بار ہوگئیں دل بے انتہا مغموم ہوگیا ایسا لگا کہ جسم بے جان سا ہوکر رہ گیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں چونکہ میں اس وقت ممبئی میں تھا مجھے پتہ نہیں تھا کہ گاؤں میں والدین کو خبر ہوگئی ہے یا نہیں، بعد نماز ظہر میں نے والدین کو فون کیا تو گھر پر بھی غم والم کا ماحول تھا کسی میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہورہی تھی۔

قارئین کرام: آپ تصور کرسکتے ہیں کہ جب بوڑھے ماں باپ کے سامنے جوان بیٹے کا جنازہ اٹھتا ہے تو ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جوان حالات سے گزر چکا ہے، بڑی مشکل سے ایک دو باتیں ہوئیں اور فون کٹ گیا، وہیں پر ان کی نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور ہمیشہ ہمیش کے لئے وہیں انہیں سپرد خاک بھی کردیا گیا۔

آپ ۱۰/اپریل بروز منگل ۲۰۱۸ء کو سعودی عرب کے وقت کے مطابق صبح ۱۰/بجکر ۴ منٹ پر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ آپ کی نماز جنازہ الحمدللہ تین مرتبہ ادا کی گئی بڑی تعداد میں مرد وخواتین آپ کے جنازہ میں شریک رہے۔

۱۰/اپریل بروز منگل صبح ۱۰ بج کر ۴ منٹ پر انتقال ہوا۔ اور ۱۲/اپریل بروز جمعرات ۲۰۱۸ء بعد نماز عصر تدفین میں آئی۔

جس وقت برادر محترم شیخ محمد توحید فیضیؒ کا انتقال ہوا ہے اس وقت ان کے اہل وعیال ان کے ساتھ سعودی عرب میں ہی مقیم تھے ان کے پسماندگان میں ایک بیٹا جو تقریباً گیارہ سال کا ہے جس کا نام محمد عدنان ہے اور دو بیٹیاں ہیں جن میں ایک کی عمر تقریباً چھ سال ہے اور دوسری بیٹی کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے، بڑی بیٹی کا نام ذکریٰ ہے اور چھوٹی بیٹی کا نام یسریٰ ہے ان کے علاوہ ان کی اہلیہ ہیں جو فضیلۃ الشیخ جناب قاری نجم الحسن فیضی حفظہ اللہ کی دوسرے نمبر کی بیٹی ہیں اور ان کے علاوہ مرحوم کے والدین بھی ابھی باحیات ہیں اور ان کے علاوہ مرحوم کے دو بھائی اور ایک بہن ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ مرحوم کے بچوں کی حفاظت فرمائے مستقبل میں انہیں تمام مشکلات سے بھی محفوظ رکھے۔ آمین۔

اب اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے دعاء ہے کہ اے الہ العالمین تو میرے مرحوم بھائی پر اپنی رحمت خاصہ نازل فرما اور ان کی لغزشوں وکوتاہیوں کو معاف فرما، اور ان کی قبر کو کشادہ ومنور کردے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما، اور انہیں ہم لوگوں کے لئے میدان محشر میں سفارش کرنے والا بنا آمین اور پسماندگان کو صبر جمیل واجر عظیم عطا فرما خصوصاً میرے والدین اور ان کے اہل وعیال کو۔ آمین یارب العالمین۔ (مرسلہ بذریعہ میل)

❑❑❑

مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ

ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

وفات ۱۳/ اپریل ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

انا للہ وانا الیہ راجعون انتہائی دکھ کے ساتھ یہ اطلاع دی جارہی ہے کہ جماعت کی معروف شخصیت حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کافی دنوں سے علیل رہنے کے بعد آج بتاریخ ۱۳/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعہ قریباً شام ۴ بجے ۶۳ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

آپ ۴ جنوری ۱۹۵۶ء کو مالیر کوٹلہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ عربی تعلیم مدرسہ سبل السلام پھاٹک حبش خان دہلی اور اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس اور پھر دارالحدیث مدینہ منورہ اور وہاں سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مکمل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا فضل الرحمن رحمہ اللہ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا امر اللہ رحمانی، شیخ عمر فلاتہ اور شیخ عبدالصمد الکاتب وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد ۱۹۸۴ء میں آپ مرکزی جمعیت کے نائب ناظم منتخب ہوئے۔ مولانا عبدالسلام رحمانی ناظم اعلیٰ تھے، اور مولانا عبدالوحید سلفی صدر جمعیت تھے۔ پھر ۱۹۸۷ء میں قائم مقام ناظم اعلیٰ بنے۔ اس کے بعد ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء کے انتخاب میں مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کو امیر اور آپ کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا، اور اس طرح ۱۳/ اکتوبر ۲۰۰۱ء تک آپ ناظم رہے۔ اور کل ۱۷/ سال تک مرکزی جمعیت سے وابستہ رہے، آپ کے دور نظامت میں ''حرمت حرمین شریفین کنونشن'' بڑے تزک واحتشام سے منعقد ہوئی اور کل ہند پیمانے پر حفظ قرآن واحادیث کے مسابقے کی شروعات کی گئی جو آج تک جاری وساری ہے، جریدہ ترجمان کو ہفت روزہ کرنے کے ساتھ ہندی زبان میں ایک ماہنامہ ''اصلاح سماج'' کے نام سے جاری کیا گیا، نیز عالمی سطح پر جماعت کا تعارف ہوا، آپ بین الاقوامی سطح پر مختلف عالمی تنظیموں کے عہدوں پر رہے، مالیر کوٹلہ میں معہد الامام ثناء اللہ امرتسری کے تاسیس وقیام کے علاوہ خاص طور پر جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس منتظمہ، عالمی اسلامی کونسل لندن، اسلامی ایشین کونسل سری لنکا، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت اور کئی بڑے اداروں کے برسوں رکن رکین رہے۔ آل انڈیا ملی کونسل کے کافی عرصوں تک معاون سکریٹری بھی رہے، ملکی اور جماعتی سطح پر آپ کی ہمہ جہت علمی ودعوتی وملی خدمات کافی اہم ہیں، الدارالعلمیہ نامی اشاعتی ادارہ قائم کرکے بڑی اہم علمی کتابیں بھی آپ نے شائع کی تھیں، اللہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، آپ کی نماز جنازہ پٹودی ہاؤس میں شیخ صلاح الدین مقبول مدنی حفظہ اللہ اور سیدی پورہ میں آپ کے فرزند محمد خلجی نے پڑھائی، اور ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء صبح ۸ بجے ایک پرہجوم مجمع میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں شیدی پورہ قبرستان میں انتہائی پرنم آنکھوں سے سپرد خاک کیا گیا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را، اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور کروٹ کروٹ جنت میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان اور پوری جماعت کو صبر جمیل کی توفیق دے آمین۔

❑❑❑

آہ! مولانا عبدالوہاب خلجی رحمہ اللہ

شیخ عبدالمعید مدنی (علی گڑھ)

مولانا عبدلوہاب خلجی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے، کل تک وہ اپنے وجود کے اثرات اچھے خاصے حلقے میں بکھیرے ہوئے تھے۔آج وہ دار برزخ کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔

اس بے وفا دنیا میں کون کس کا ہوتا ہے۔آج ان کی اولاد جس کرب سے گزر رہی ہے۔اس کو وہی جانتی ہے۔وہ جمعیت کے لمبی مدت تک قائد تھے۔ملت اسلامیہ کے ہر حلقے میں وہ متعارف تھے مگر بیماری سے لے کر وفات تک جس طرح وہ لوگوں کی بے اعتنائی کے شکار رہے، دکھ کی بات ہے۔آج کے نفاق، کبر، فسق وفجور اور حرام خوری کے دور میں اعتنائی اور بے اعتنائی بے معنی چیز ہے۔مگر جن کے ساتھ کی دہائیوں کی عملی مرافقت ہو ان سے خوشی وغم میں شرکت کی خواہش ہوتی ہے۔

قبرستان سب سے بڑا وعظ ہے۔جس کو اس سے وعظ نہ مل سکے اس کو کسی دوسرے سے نصیحت نہیں مل سکتی۔عبرت کی بات یہ تھی کہ آخری منزل تک ساتھ وہی تھے جس سے تنظیمی مت بھید اور اختلاف تھا۔یہ دیکھ کر دل بھر آیا کہ جماعتی رشتہ جب آخری منزل تک قائم رہ سکتا ہے تو کیوں نہ اس کو اچھے ڈھنگ سے استوار کیا جائے۔اس سلسلے میں موجودہ ذمہ دار تنظیم سے گذارش بھی کی گئی۔

اس غمناک سانحے پر خلجی صاحب کے گھر والے مواسات اور ہمدردی کے سخت مستحق ہیں۔خلجی صاحب نے بھر پور زندگی گزاری۔تین دھے تک وہ ملک اور بیرون ملک رواں دواں تھے۔انہوں نے ملکی وعالمی سطح پر جماعت وملت کی نمائندگی کی۔جماعت وملت کے مسائل میں کافی حساس تھے۔جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے مخصوص رویوں کے برعکس ملی مسائل میں ان کا موقف غیر جانبدارانہ ہوتا تھا۔یہ ان کا ایسا وصف تھا جس میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ہندوستان میں ہر اس اسٹیج کو انہوں نے رونق بخشی جس سے دین وملت کی آبیاری ہو سکے۔جس اسٹیج پر وہ گئے موثر ثابت ہوئے حالانکہ اسٹیجوں کے آقا بن بیٹھنے والے کبھی دوسروں کو موثر بننے نہیں دیتے۔

خلجی صاحب نے مدرسہ سبل السلام دلی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔مولانا عبدالصمد رحمانی شاگرد سلطان العلماء مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہم اللہ نے ان کے اوپر زبردست چھاپ چھوڑی۔یہ حقیقت ہے کہ ان سے جس نے بھی تعلیم حاصل کی ان سے مسلک اور جماعت کے متعلق خاص طور پر متاثر ہوا۔دوسرے مرحلے میں انہوں نے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا۔وہیں سے وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی شاخ دارالحدیث میں داخلہ پا گئے اور بی اے تک کی تعلیم جامعہ میں مکمل کی۔مدینہ منورہ میں تعلیمی نسبت سے ان کو کم وبیش دس سال سے زیادہ رہنے کا موقع ملا۔اس دوران ان کو علماء مشائخ سے ملنے جلنے اور تعلقات استوار کرنے کے زیادہ مواقع میسر آئے۔

انہوں نے وہاں اداروں کو کام کرتے اور منظّم ڈھنگ سے چلتے دیکھا۔ہندوستان لوٹ کر آئے تو جمعیت کو اچھے نہج پر منظم کرنے

کی کوشش کی۔انہوں نے تنظیمی ڈھانچے کواز سرنو استوار کیا۔ان سے پہلے جمعیت ایک اکائی تھی۔انہوں نے مختلف شعبے بنائے۔کل ہند پیمانے پراسے منظم کیا۔دستور تیار کیا۔جمعیت کے یکجی دھڑے کو جوڑا۔ترجمان کو ہفت روزہ بنایا۔مکتبہ ترجمان کو فعال اور متحرک بنایا۔ویلفیئر کا کام بھی جمعیت کے اسٹیج سے،دیگر جمعیات کے ساتھ بھرپور تعامل اور تعاون کی ابتدا انہوں نے کی۔

ان کا المیہ یہ تھا کہ ان کو محنتی کارکن اور سمجھدار ساتھی نہیں ملے۔اوپر سے ان کے ہاتھ کھلے نہیں تھے۔بزرگوں کی قیدو بندش تھی۔ انسان کی خود اپنی طبعی افتاد ہوتی ہے۔اپنے میلانات ورجحانات ہوتے ہیں جن سے وہ دست بردار نہیں ہوسکتا۔یہ سارے روانا رواوجوہ ہوتے ہیں جوانسان کی کامیابی ناکامی کا سبب ہوتے ہیں۔تنظیم کے تعطل،انتشاراور عدم دستوریت کے تسلسل کو توڑا اور اسے نئی راہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی۔کامیابی ناکامی صرف ان کی ذات سے وابستہ نہیں تھی۔پوری جماعت اگر شعور اور عمل کا ثبوت دیتی تو کامیابی ضرور حاصل ہوتی۔

ایک اہم بات،کانفرنسوں کا مختلف سطحوں پر سلسلہ بھی ان کے ہی دور میں منظم ڈھنگ سے شروع ہوا۔آج جب میں ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچتا ہوں مجھے صاف نظر آتا ہے کہ وہ ایک مظلوم شخص تھے۔انہوں نے اہل حدیث کمپلکس کا بہترین پروجیکٹ اور نقشہ تیار کیا تھا اوراس کو روبعمل لانے کی خاص جہت سے منظوری بھی مل گئی تھی لیکن تخریب پسندی نے اس کو رکوادیا۔خلجی صاحب یہ سارا داغ دل پر لے کر گئے۔

خلجی صاحب کا دور نظامت بساغنیمت تھا اس دور میں جمعیت سے شرفاء جڑے تھے۔جمعیت کو ایک مقام حاصل تھا۔انتشار وخلفشار سے دو چار نہ تھی۔خلجی صاحب کا ذہنی شاکلہ جمعیت کو چلانے کا تھا۔اس کے لئے ان کے اندر یکسوئی تھی انہماک تھا۔لیکن مختلف آقائیتوں اور استحصالیتوں نے ان کو بے بس کردیا۔تنظیم کی قیادت سے الگ ہونے کے بعد جیسے ان کے لئے کوئی ایجنڈا رہ ہی نہیں گیا تھا۔تنظیم کے سلسلے میں ان کے اندر اتنا شدید انہماک تھا کہ وہ خود کو اس سے جدا ہونا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔یہ ان کے لئے ایک سانحہ بن گیا۔اور پھر بعد کے انحطاط و بکھراؤ نے بھی ان کو درد دیا۔

انہوں نے نوکری کے بجائے تجارت کو اپنی معیشت بنایا تھا،مکتبہ الدارالعلمیہ ان کا علمی تجارتی مکتبہ تھا۔انہوں نے چھوٹی بڑی کئی درجن کتابیں شائع کیں۔انہوں نے سالوں ڈائری شائع کی۔مکتبہ کامیاب جارہا تھا لیکن کاموں میں انہماک نے کماحقہ اس کی طرف توجہ سے بازرکھا نیز رابطہ عالم اسلامی میں دوایک بڑی پیمنٹ رک گئی اور مکہ میں کتابوں کے جس خزان میں کتابوں اسٹور ہوتی تھیں وہ تلف ہوگیا اوران کی کتابوں کا سارا ذخیرہ ضائع ہوگیا،اس طرح الدارالعلمیہ کلی طور پر بند ہوگیا۔اس کی وجہ سے خلجی صاحب کو کافی ہارڈشپ بھی جھیلنی پڑی۔لیکن مجال ہے کسی کے سامنے اف بھی کیا ہو۔

خلجی صاحب ایک سیر چشم اور حوصلے والے انسان تھے۔انہوں نے پریشان کن حالات میں بھی بڑکپن اور معیار کو نہیں چھوڑا۔ وہ خوئے وفا رکھتے تھے۔تعلق بناتے تھے اوراس کو نبھانا جانتے تھے۔ایسے بھی واقعات ہیں کہ جیب خالی ہے پھر بھی رسم وفا نبھائی ہے۔انسان قطرے سے پیدا ہوا انسانی سمندر میں قطرہ ہی رہتا ہے۔اس کے لئے بہتر ہے کہ قطرۂ خالص رہے۔گہر ہونے تک اس

پہ کیا کیا بیت جاتی ہے، بڑی غمناک انسانی داستان ہے۔
آج کے دور نفاق وفتن میں انسان اپنوں کی چھری سے روز ذبح ہوتا ہے۔اور چلا نے کی بھی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔سچائی اور کردار کا ستھرا پن وقت کا سب سے بڑا امتحان ہے۔اور عموماً اس امتحان میں سب فیل ہو جاتے ہیں۔اللہ ان کی لغزشوں کو درگذر کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین (نور توحید جھنڈانگر)

❑❑❑

مولانا عبدالوہاب خلجی کا سانحۂ ارتحال ایک عظیم دینی، جماعتی وملی خسارہ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی/ ۱۳؍اپریل ۲۰۱۸ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی پریس ریلیز کے مطابق جماعت اہل حدیث کے ایک فعال ومتحرک قائد اور ملی وسماجی حلقوں میں حرکت وعمل کے لئے معروف ومشہور شخصیت، نامور عالم دین اور سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی طویل علالت کے بعد آج پونے چار بجے بعمر ۶۳ سال دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

پریس ریلیز کے مطابق آپ کے انتقال کی خبر سے جماعتی وملی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی ہے اور ہر چہرہ مغموم نظر آرہا ہے۔ موصوف کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک آناً فاناً پھیل گئی۔ بلاشبہ ان کی وفات سے ملی وجماعتی حلقوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔

مولانا عبدالوہاب خلجی ۴؍جنوری ۱۹۵۶ء کو پنجاب کے مشہور ومعروف شہر مالیرکوٹلہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مالیرکوٹلہ ہی میں حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے دہلی کے لئے عازم سفر ہوئے اور مدرسہ سبل السلام (پھاٹک حبش خاں) دہلی میں داخلہ لیا اور یہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔دہلی سے جامعہ رحمانیہ بنارس کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں داخلہ لیا۔وہاں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا رخ کیا اور مدرسہ دارالحدیث اور پھر جامعہ اسلامیہ سے فراغت حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا فضل الرحمن بن رحم اللہ، مولانا عزیز احمد ندوی، مولانا عبدالسلام رحمانی، مولانا امر اللہ رحمانی، شیخ عمر محمد فلاتہ اور شیخ عبدالصمد الکاتب کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

جماعتی اور تنظیمی ذوق وشوق کی بنیاد پر جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد ہی جماعت سے وابستہ ہو گئے اور مولانا عبدالوحید سلفی کے دور امارت میں جب کہ مولانا عبدالسلام رحمانی ناظم اعلیٰ تھے موصوف نائب ناظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۹۸۷ء میں قائم مقام ناظم اعلیٰ بنے۔حضرت مولانا عبدالوحید سلفیؒ کے انتقال کے بعد ۲۷؍مئی ۱۹۹۰ء کو مولانا مختار احمد ندوی صاحب امیر اور آپ ناظم عمومی منتخب ہوئے۔ چنانچہ ۱۷؍مئی ۱۹۹۰ء سے ۱۴؍اکتوبر ۲۰۰۱ء تک مرکزی جمعیت کے ناظم عمومی کے جلیل القدر

عہدہ پر فائز رہے، اس طرح آپ لگ بھگ ۱۷/سال تک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نائب ناظم، قائم مقام ناظم اعلیٰ اور ناظم عمومی کے عہدوں پر فائز رہے۔

آپ کے دور نظامت میں متعدد اہم اجلاس اور کانفرنسیں ہوئیں اور کئی اہم مسابقے ہوئے جن میں ''حرمت حرمین شریفین''، کانفرنس ''کل ہند مسابقہ حفظ حدیث شریف'' اور ''کل ہند مسابقہ حفظ وتجوید قرآن کریم'' جیسے اہم دینی پروگرام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ''حالات حاضرہ پر علماء اہل حدیث کانفرنس'' منعقد کی اور اس موقعہ پر علماء اہل حدیث کی خدمات پر مشتمل ایک یادگاری مجلہ ''نقشِ فکر وعمل'' شائع کیا۔ آپ کے دور نظامت میں ''صوت الاسلام'' لائبریری قائم ہوئی۔ پندرہ روزہ جریدہ ترجمان ہفت روزہ شائع ہوا۔ ہندی داں طبقہ کے لئے ماہنامہ ''اصلاح سماج'' کا اجراء عمل میں آیا۔ بیرون ملک مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو متعارف کرایا۔ اس سلسلے میں ملک وبیرون ملک کے بے شمار دینی ودعوتی دورے کئے۔ ناظم عمومی کی حیثیت سے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے علاوہ بھی آپ دیگر اسلامی اداروں اور تنظیموں سے وابستہ رہے۔ چنانچہ آپ جامعہ سلفیہ بنارس کی مجلس انتظامیہ، عالمی اسلامی کونسل لندن کی مجلس عاملہ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے رکن نیز آل انڈیا ملی کونسل کے نائب صدر رہے۔

آپ نے اپنا ایک علمی اور تحقیقی ادارہ ''الدار العلمیہ'' کے نام سے قائم کیا جس سے مختلف زبانوں میں سو سے زائد بیش بہا علمی اور تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں اور عالمی سطح پر اس کی ایک پہچان قائم ہوئی۔ موصوف کا شمار جماعت کے انتہائی سرگرم وفعال قائدین میں ہوتا ہے۔ کئی سال قبل فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں، کسی قدر افاقہ ہوا تو پھر ملی وسماجی کاموں میں حصہ لینے لگے لیکن گزشتہ ماہ پھر فالج کا حملہ ہوا اور کلی طور پر صاحب فراش ہوگئے۔ ہاسپٹل میں عیادت کے وقت ان کی حالت دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ اللہ کی رحمتوں پر یقین کامل رکھنے کے باوجود طبیعت حوصلہ افزا نہیں ہے۔ گذشتہ دنوں پنت ہاسپٹل دہلی میں زیر علاج ہی تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور آرٹیمس ہاسپٹل گڑگاؤں میں علاج کی غرض سے منتقل کیا گیا لیکن طبیعت سنبھل نہ سکی اور ڈاکٹروں نے گھر پر ہی رکھنے کا مشورہ دیا، جہاں آج تقریباً پونے چار بجے دن اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں بدل دے، جماعتی وملی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور پسماندگان خصوصاً ان کی اہلیہ محترمہ جو شریک حیات کے ساتھ شریک دعوت رہیں، ان کے صاحبزادگان محمد وعبید اور صاحبزادیوں نیز جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین یارب العالمین۔ (ترجمان ۱۵/مئی ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

معروف دانشور وادیب اور نامور دینی وعلمی خانوادہ کے سپوت پروفیسر زہیر انور کا انتقال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

وفات، مئی ۲۰۱۸ء

دہلی: ۲۱/مئی ۲۰۱۸ء معروف دانشور وادیب، معروف دینی وعلمی خانوادہ کے سپوت اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی کے سابق استاد پروفیسر زہیر انور کا انتقال قابل رنج وافسوس اور تعلیمی وتربیتی میدان کا بڑا خسارہ ہے۔ تواضع وخاکساری، اسلامی وضع قطع اور آداب وشعائر کا پاس ولحاظ، احکام شریعت کی پابندی ان کی پہچان تھی۔ وہ اعلیٰ اخلاق وکردار سے متصف تھے۔ سماجی آدمی تھے اور اصلاح ذات البین میں آگے آگے رہتے تھے۔ اور حقیقی معنوں میں نامور علمی ودینی خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ ان خیالات وتاثرات کا اظہار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں کیا۔

اخباری بیان کے مطابق پروفیسر زہیر انور ادھر کچھ دنوں سے علیل تھے۔ گذشتہ کل بوقت ظہر دہلی کے ایمس ہاسپٹل میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ جہاں سے جنازہ کو راجو پارک خان پور سینک فارم لایا گیا۔

پریس ریلیز کے مطابق بعد نماز عشاء وتراویح مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ایک جم غفیر نے شرکت کی۔ محترم جناب احمد صاحب ایڈوکیٹ اور دیگر رشتہ داروں کی معیت میں جنازہ ساکیت قبرستان میں لے جایا گیا۔ وہاں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ پروفیسر زہیر انور معروف عالم دین، سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ بنارس مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور معروف محقق ڈاکٹر عزیر شمس کے بڑے بھائی تھے۔ اور آپ کے دیگر تمام برادران ذی علم ہند وبیرون ہند کی بڑی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ کے عم مکرم مولانا عین الحق سلفی سابق شیخ الحدیث دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ ہندوستان کی بڑی علمی شخصیت تھی اور آپ کے تمام چچا زاد بھائی بھی بڑے ذی علم اور مختلف کالجوں اور جامعات میں درس وتدریس کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی تعلیمی اور تربیتی امور سے جڑی ہوئی تھیں۔ آپ کی کوئی اولاد تو نہیں ہے۔ لیکن آپ دونوں کی روحانی اور علمی اولاد کی بڑی تعداد ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

آپ کی اعلیٰ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے شعبہ جغرافیہ میں پروفیسر رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سے راجو پارک خان پور سینک فارم کے پاس اقامت پزیر تھے۔ آپ شعر وشاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور اس میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔ اہل علم سے ان کا خاص تعلق تھا اور آپ عصری تعلیم سے منسلک اور اس کے ماہر ہونے کے باوجود دینی تعلیم حاصل کرنے والے نونہالوں سے محبت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور جماعت کی تعمیر وترقی کو سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔ آپ کے پسماندگان اور عزیزوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ پسماندگان میں ڈاکٹر عزیر شمس اور دیگر برادران کے علاوہ آپ کی اہلیہ محترمہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان خصوصاً آپ کی اہلیہ اور بھائی عزیر شمس وغیرھم کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(جریدہ ترجمان۔ ۱۵۔ ۱/جون ۲۰۰۸ء) ❑❑❑

امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان عبدالرحمن خلجی کا سانحۂ ارتحال عظیم جماعتی وملی خسارہ

وفات مئی ۲۰۱۸ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی، ۲۲ر مئی ۲۰۱۸ء۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی نیز ناظم مالیات جناب وکیل پرویز اور دیگر ذمہ داران جمعیت نے اپنے ایک مشترکہ اخباری بیان میں صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے امیر جناب عبدالرحمن خلجی صاحب کے سانحۂ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو گزشتہ کل شام ساڑھے سات بجے وطن مالوف جودھپور میں طویل علالت کے بعد بعمر باسٹھ سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں فرمایا کہ موصوف مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی مجلس شوری وعاملہ کے رکن اور تقریباً ایک دہائی سے صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے امیر تھے۔ اس سے قبل وہ پانچ سال نائب امیر کے عہدے پر بھی فائز رہے، انہوں نے اپنے دور امارت میں صوبائی جمعیت کو کافی متحرک بنادیا تھا اور اس کے پلیٹ فارم سے تعلیمی، دعوتی وسماجی خدمات کا علم بلند کئے ہوئے تھے۔ جودھپور میں مدرسہ دار العلوم اہل حدیث کے رکن تھے۔ وہ ایک متحرک اور فعال رہنما تھے۔ وہ کافی دنوں سے گلے کے کینسر کے مرض میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود جماعتی وسماجی کاموں کے لئے ہمہ وقت فکرمند اور حسب استطاعت جمعیت کے امور کو انجام دیتے تھے۔ مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور کے چند فعال ذمہ داران وارکین میں سے تھے اور اس کے تعلیمی مشن کو یونیورسٹی تک پہنچانے میں چند ذمہ داران کے ساتھ آپ کی شمولیت وکارکردگی لائق تحسین وصد آفرین تھی۔ محترم بھائی شبیر خلجی اور عتیق احمد صاحبان کے دست راست اور یونیورسٹی کے تمام اہم معاملات میں ایک دوسرے کے معاون ومعتمد تھے۔

امیر محترم نے مزید فرمایا کہ پروفیسر اختر الواسع کو یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے جودھپور بلانے کی جب تجویز آئی تو انہوں نے مرکزی جمعیت کے ذمہ داروں کو مشورہ میں ساتھ رکھا اور اس سلسلہ میں تائید اور گراں قدر مشورے پر ہمیشہ شکریہ ادا کرتے تھے۔ ان کی وفات سے نہ صرف جمعیت اہل حدیث نے ایک فعال رہنما کھودیا ہے بلکہ ملک وملت کا بھی بڑا خسارہ ہوا ہے۔ وہ بلا لحاظ مسلک ومشرب ہر خاص وعام میں مقبول تھے یہی وجہ ہے کہ جب رات تقریباً ڈیڑھ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی تو اس میں جم غفیر نے شرکت کی۔

پریس ریلیز کے مطابق پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ تین بیٹے اقبال، رضوان، عبداللہ اور دو بیٹیاں اور پورا بھرا پڑا کنبہ ہے۔ ذمہ داران جمعیت نے ان کے پسماندگان ومتعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہار تعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی ہے۔ (جریدہ ترجمان ر ۱-۱۵ جون ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

استاذِ محترم مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ/ سدھارتھ نگر

حیات وخدمات کے چند اہم گوشے

وفات ۱۱/جون ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

استادمحترم مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ کم وبیش ایک مہینہ انیس دن کی مختصر علالت کے بعد ہمیں سوگوار چھوڑ کر ۱۱/جون ۲۰۱۸ء کو داغ مفارقت دے گئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، مرض الموت میں مبتلا ہونے سے پہلے اللہ کے فضل وکرم سے وہ قابل رشک حد تک صحت منداور چاق وچوبند تھے اور بلڈ پریشر کے عارضہ کے باوجود پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے اوراپنے گھر بڑھنی چوراہا سے خطیب الاسلام کمپلیکس تک کم وبیش دوکلومیٹر کا سفروہ سائیکل سے طے کرتے تھے، بہ ظاہر قبض اوردردشکم کا معمولی عارضہ ایک مہلک مرض کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اس کا کسی نے تصور تک نہ کیا تھا، مگران کا وقت موعود آگیا اور ممبئی میں اپنی شریک حیات اور تمام اولادواحفاد اوراعزہ اوراقرباء کی موجودگی میں رحلت فرماگئے، اللہ تعالیٰ استادمحترم کی مغفرت فرمائے۔ان کی نیکیوں کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور تمام نسبی وروحانی پسماندگان کوصبرجمیل کی توفیق بخشے۔(آمین)

اس مختصر مضمون میں استادمحترم کی زندگی کے اہم گوشوں اوران کی طویل تدریسی ودعوتی خدمات کے بعض پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ معلومات مولانا کے بڑے صاحب زادے برادرم عبدالرحمن اور مولانا کے ۴۲/سالہ یارغار، مونس وغمگسار وہم راز اور قابل اعتماد رفیق محترم مولانا عبدالرشید مدنی حفظہ اللہ کی فراہم کردہ ہیں جب کہ بعض کا تعلق خود راقم کی ذاتی مشاہدات اوراحساسات سے ہے۔

نام ونسب: مولانا کا نام مختار احمد اور والد صاحب کا نام الحاج محمد یونس ہے، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے سبب مدنی نسبت فرماتے تھے، جب کہ جامعہ اسلامیہ جانے سے پہلے مرکزی دارالعلوم بنارس سے فراغت کی بنیاد پر نام کے آخر میں مرکزی لکھتے تھے۔آپ کے والد ماجد الحاج محمد یونس رحمہ اللہ دین پسند، خوش اخلاق اور سیدھے سادے مسلمان تھے۔

وطن اورولادت: آپ کا آبائی وطن اٹوا اور بڑھنی کے درمیان شاہراہ عام پرواقع ایک گاؤں جھکہیاں ہے جو مناظر اسلام مولانا عبدالمبین منظر اور مولانا عبدالعلیم ماہر بستوی کی مردم خیز بستی ''سمرا'' سے متصل ہے، اسی جھکہیاں کے ایک کھاتے پیتے، خوشحال اوردین دار گھرانے میں مولانا کی ولادت کاغذات کے مطابق ۳۱/مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔آپ کا خاندان اپنی شرافت اوردین داری کے سبب علاقہ میں مشہور ومعروف اور محترم تھا۔

تعلیم وتربیت: مولانا کے بچپن میں غالباً جھکہیاں میں کوئی مکتب یا مدرسہ نہ تھا، اس لئے ابتدائی تعلیم آپ نے قریب میں واقع بستی خان کوٹ سمری کے پرائمری اسکول میں مکمل کی، پھر آپ کو درسگاہ اسلامیہ اکرہرا میں داخل کیا گیا جہاں آپ نے متوسطہ کی تعلیم حاصل کی

اور ابتدائی فارسی وعربی زبان اور قواعد صرف ونحو کی تعلیم مولانا عبدالشکور دور صدیقی اور منشی عابد علی (بیت نار) جیسے نامور اساتذہ سے پائی، انہیں دنوں ملگہیا ضلع سدھارتھ نگر کے بزرگ، باعمل اور متبع سنت عالم دین اور مولانا کے رشتہ دار مولانا محب اللہ رحمانی رحمہ اللہ مئو آئمہ ضلع الہ آباد میں تدریسی فریضہ انجام دے رہے تھے، چنانچہ مولانا ان کے ہمراہ مئو آئمہ تشریف لے گئے اور وہاں مولانا محب اللہ رحمانی کے علاوہ مولانا شفیع اللہ رحمانی (ملگہیا) وغیرہ سے صرف ونحو اور عربی زبان وادب اور ترجمہ قرآن کریم وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر وہیں سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے جذبہ سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا جہاں معروف مدرس ومربی اور بیدار مغز مصنف ومورخ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی رحمہ اللہ کا مسند درس بچھا ہوا تھا، یہ مولانا املوی کی بیماری کا زمانہ تھا اور انہیں دنوں جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کے بعد وہاں تعلیم کا افتتاح ہونے والا تھا، چنانچہ مولانا نے جامعہ رحمانیہ میں جماعت رابعہ وخامسہ کی تکمیل کی اور مولانا املوی سے بھی کسب فیض کا موقعہ ملا۔

پھر جب ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم کا تعلیمی افتتاح ہو گیا اور عالمیت وفضیلت کی تعلیم جامعہ رحمانیہ کے بجائے وہاں ہونے لگی تو موصوف جامعہ سلفیہ منتقل ہو گئے اور غالباً عالمیت سال دوم میں داخل ہوئے اور وہاں پانچ سال گذار کر عالمیت وفضیلت کی تعلیم مکمل کی اور ۱۹۷۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے، جامعہ سلفیہ میں آپ نے جن نامور اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عظیم اللہ مئوی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اور شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ جامعہ سلفیہ میں مولانا کے رفقاء درس میں ڈاکٹر صغیر احمد شنکر نگری (استاد جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض) مولانا محمد عیسیٰ سلفی شنکر نگری (استاذ جامعہ سلفیہ) مولانا محمد ثناء اللہ سلفی نیپال (سابق مبلغ جامعہ سلفیہ) اور مولانا عبیدالرحمن سلفی (انتری بازار) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں مولانا مختار احمد مدنی اپنی ذہانت وفطانت اور تحریر وتقریر میں دلچسپی کے سبب طلبہ میں نمایاں اور ممتاز تھے اور ''ندوۃ الطلبہ'' کی مختلف ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے اساتذہ کی جانب سے وہ منتخب ہوتے رہے، چنانچہ اس دور میں طلبہ کا سالانہ مجلہ ''المنار'' کا ایک شمارہ مولانا کی ادارت میں منصۂ شہود پر آیا تھا۔

تدریسی زندگی کا آغاز: ۱۹۷۱ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے فراغت کے بعد خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ نے ایک ماہر جوہری کی طرح آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور موصوف کو اپنے یہاں تدریس کے لئے منتخب فرمایا، یہ جامعہ کی تاریخ کا سنہری دور تھا، والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ کے علاوہ ڈاکٹر محفوظ الرحمن مدنی، مولانا قطب اللہ ندوی رحمانی، مولانا محمد مستقیم سلفی استاد جامعہ سلفیہ بنارس، اور دیگر نامور اساتذہ سراج العلوم میں تدریس کا فریضہ انجام دے رہے تھے، مولانا نے ان نامور اساتذہ کے ساتھ دوسالوں تک سراج العلوم میں تدریس کا فریضہ انجام دیا، ان دنوں یہاں جماعت خامسہ یا سادسہ تک تعلیم ہوتی تھی، ۱۹۷۲ء کے اندر سراج العلوم میں مجھے بھی مولانا سے میزان ومنشعب پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۹۷۳-۷۴ء کے تعلیمی سال میں والد محترم مولانا عبدالحنان فیضیؒ جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ کی دعوت پر بطور مدرس جامعہ سلفیہ تشریف لے گئے، جب کہ استاذ محترم کی تقرری اسی سال جامعہ رحمانیہ بنارس کے ناظم مولانا عبدالقدوس نسیم بنارسی رحمہ اللہ کے انتخاب پر جامعہ رحمانیہ میں ہوئی جہاں آپ ۱۹۷۹ء تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے، مولانا کے جامعہ رحمانیہ

بنارس تشریف لے جانے کے ایک سال بعد میں بھی جامعہ رحمانیہ کی جماعت ثالثہ میں داخل ہوا اور مولانا عزیز احمد ندوی رحمہ اللہ، مولانا امر اللہ رحمانی اور مولانا شاہد جنید سلفی بنارسی حفظہما اللہ وغیرہ سمیت مولانا مختار احمد مدنی رحمہ اللہ سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا، جب میں جامعہ رحمانیہ میں داخل ہوا مجھے عربی عبارتوں کی ترکیب بالکل نہیں آتی تھی، حالانکہ میں مادر علمی درسگاہ اسلامیہ اکرہرا کے اندر جماعت ثانیہ میں شرح مائۃ عامل پڑھ چکا تھا اور اس کے باب اول کی ترکیب بھی زبانی رٹ لی تھی، مگر نہ ترکیب کا مطلب سمجھا تھا اور نہ اس کے طریقہ سے واقفیت ہو سکی تھی، جماعت ثالثہ میں مولانا ہمیں القرأۃ الرشیدہ جلد ثانی اور معلم الانشاء پڑھاتے تھے، مولانا عبارت کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ قواعد صرف ونحو کا اجراء بھی کراتے تھے اور روزانہ بالالتزام کسی ایک جملہ کی ترکیب بہ طور ہوم ورک ہمیں دیتے تھے اور اگلے دن سختی کے ساتھ باری باری سب سے ترکیب کراتے، اس طرح شرح مائۃ عامل میں جو ترکیب ہمیں سمجھ میں نہ آسکی تھی وہ تھوڑے دنوں بعد القراۃ الرشیدہ پڑھتے ہوئے سمجھ میں آنے لگی اور ہم فعل، فاعل، مفعول، موصوف، صفت، مضاف ومضاف الیہ، موصول، صلہ، ذوالحال، حال، تمیز، ممیز وغیرہ پہچان گئے، پھر ہمارے لئے ترکیب آسان ہوگئی جس سے عبارت فہمی میں بھی سہولت ہوگئی، یہ مولانا کا مجھ پر بہ طور خاص احسان ہے، اس کا تذکرہ میں بسا اوقات دوران درس طلبہ سے بھی کرتا رہتا ہوں، اللہ مولانا کو جزائے خیر دے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ: جامعہ رحمانیہ میں تدریس کے دوران مولانا کا داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ہوگیا، اور موصوف ۱۹۷۹ء میں جب میں جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تھا طلب علم کے لئے مدینہ تشریف لے گئے، حسن اتفاق اسی سال سراج العلوم کے سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ مدیر الامتحانات مولانا عبدالرشید مدنی کا بھی داخلہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی میں ہوگیا، یہ دونوں حضرات باصلاحیت، اصول پسند، فرض شناس اور خداترس عالم تھے اور مزاج میں یکسانیت تھی اس لئے دونوں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے زمانہ طالب علمی میں ہم نوالہ وہم پیالہ دوست بن گئے، اور ۴۲ رسال کی اس طویل رفاقت میں ان دونوں نے رسم وفا نبھانے میں کبھی کوئی کوتاہی نہ کی، ایسی قابل رشک دوستی کی مثال شاید بہت کم ملے، یہ دونوں باہم ایک دوسرے کا غایت درجہ احترام اور لحاظ بھی کرتے تھے، استاد محترم رحمہ اللہ چونکہ مولانا عبدالرشید مدنی صاحب سے عمر میں بڑے تھے اس لئے وہ کبھی کبھار اپنے دیرینہ رفیق سے ہنسی مذاق بھی کر لیتے تھے مگر مولانا عبدالرشید مدنی حفظہ اللہ مسکرا کر رہ جاتے اور کبھی جواب نہ دیتے۔

بہر حال مولانا نے اپنے یار غار کے ساتھ چار سال مدینہ میں گزار کر بی اے کا کورس مکمل کیا اور دونوں نے ایک ساتھ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے نیپال کے لئے اپنا تعاقد کرانے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

جامعہ سراج العلوم سے دوبارہ وابستگی: خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ ان دنوں رابطہ کی مجلس تاسیسی کے رکن منتخب ہو چکے تھے اور رابطہ کی میٹنگوں میں وہ پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، جب یہ دونوں رفقاء جامعہ اسلامیہ سے فارغ ہو رہے تھے، حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ان دونوں کا انتخاب اپنے جامعہ کے لئے کر لیا تھا کہ جامعہ اسلامیہ جانے سے پہلے یہ دونوں سراج العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے چکے تھے اور ان کی صلاحیت وصالحیت سے موصوف بخوبی واقف تھے، بہر حال جامعہ اسلامیہ سے فراغت اور رابطہ سے تعاقد کے بعد مولانا صفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۱ء میں ایک مدرس اور داعی کی حیثیت سے قدیم وعظیم تعلیمی ودعوتی مرکز جامعہ سراج العلوم سے وابستہ ہوئے اور تادم واپسیں کم وبیش ۳۷ر برسوں تک اس سے مربوط

رہ کر تدریسی، دعوتی اور انتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا بنیادی طور سے جامعہ کے مدرس اور نیپال کے داعی تھے، موصوف نے یہ دونوں فرائض بہت ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے انجام دئے اور ذمہ داران کو ہمیشہ اپنی حسن کارکردگی سے متاثر کیا، مولانا نے اس طویل عرصہ میں مختلف علوم وفنون کی اہم کتابوں کا درس دیا، آخری کئی سالوں سے موصوف عالمیت اور فضیلت کے درجات کی اہم کتابیں پڑھاتے تھے، جن میں تفسیر فتح القدیر، مؤطا امام مالک اور جامع ترمذی قابل ذکر ہیں، طلبہ میں عبارت فہمی کی صلاحیت پیدا کرنے اور انہیں عربی تراکیب سے روشناس کرانے کے لئے موصوف سالہا سال سے شرح مائۃ عامل بھی پڑھاتے تھے۔ مولانا ایک فرض شناس استاد تھے، بلاوجہ کبھی غیر حاضری نہ کرتے، وقت پر کلاس میں پہونچتے اور پوری تیاری اور مطالعہ کے ساتھ درس دیتے، مولانا کا قیام بڑھنی میں ہوتا تھا، ان کے زیر درس کتابوں کا ایک نسخہ بالعموم بڑھنی چوراہے کی جامع مسجد اہل حدیث میں رکھا رہتا تھا جہاں موصوف بالعموم بعد نماز عصر ان کا مطالعہ کرتے تھے، اور طلبہ کو اپنے علم سے سیراب کرتے تھے۔ ماہر فن مدرس ہونے کے ساتھ موصوف ایک کامیاب اور مشفق مربی بھی تھے اور طلبہ کی اصلاح وتربیت کے لئے ہمیشہ ان پر نظر رکھتے، انہیں اپنی قیمتی نصیحتوں سے نوازتے۔

مولانا کی آواز بہت شیریں اور اچھی تھی، قرآن کریم کی تلاوت تجوید کی رعایت کے ساتھ کرتے تھے کہ سماں بندھ جاتا تھا، جامعہ سے اپنی تدریس کے پہلے دور میں بالعموم جہری نمازوں کی امامت کراتے تھے، پھر جب آپ بڑھنی میں رہنے لگے تو وہاں کی جامع مسجد میں بھی امامت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ استاد محترم یوں تو میدان تدریس کے شہسوار تھے اور جلسہ جلوس کے آدمی نہ تھے، تاہم بسا اوقات دعوتی جلسوں میں شرکت فرماتے اور بالعموم صدارت کرتے اور دلنشیں انداز میں خطاب بھی فرماتے، ان کی تقریر نہایت موثر اور ’’از دل ریزد بر دل خیزد‘‘ کی مصداق ہوتی تھی، جمعہ کے خطبات بالعموم بڑھنی چوراہے کی مسجد میں دیتے، بسا اوقات نیپال وہند کی دوسری بستیوں میں بھی تشریف لے جاتے، کبھی کبھار اگر میں سفر پر ہوتا تو جامعہ کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ کے لئے مولانا سے درخواست کرکے جاتا اور مولانا بے تکلف اس کے لئے تیار ہوتے اور لوگوں کو مستفید فرماتے۔

والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحمہ اللہ جب اپنی بیماری کے سبب شیخ الجامعہ کے منصب سے مستعفی ہو گئے تو خطیب الاسلام جھنڈانگری رحمہ اللہ نے موصوف کو شیخ الجامعہ مقرر فرمایا اور آپ نے کئی سالوں تک یہ اہم ذمہ داری نبھائی، خطیب الاسلام علامہ جھنڈانگری کی وفات کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے ذمہ داران نے موصوف کو نیپال میں رابطہ کے دعاۃ کا مشرف عام مقرر کردیا، اور موصوف تادم واپسیں اس ذمہ داری کو نہایت خیر وخوبی، خوش اسلوبی اور ذمہ داری کے سات نبھاتے رہے، رابطہ کے سارے دعاۃ مولانا کے حسن اخلاق اور خیر خواہانہ رویہ سے بہت مطمئن اور خوش رہے، مولانا نے کبھی کسی کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ان کے ذمہ دار اور مشرف ہیں، گذشتہ پندرہ برسوں تک وہ جمعیۃ الطلبہ کے مربی بھی رہے اور اپنے معاونین اساتذہ کے ساتھ طلبہ کی تقریری وتحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے کوشاں رہے، جمعیت وجماعت سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور حتی المقدور اس کے پروگراموں میں شرکت فرماتے، سالہا سال سے جمعیت اہل حدیث حلقہ بڑھنی کے امیر رہے، ضلع جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کی مجلس عاملہ وشوری کے رکن بھی تھے اور اکثر اس کی میٹنگوں اور پروگراموں میں شرکت فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

اوصاف وشمائل: استاد محترم رحمہ اللہ گوناں گوں خوبیوں اور کمالات سے آراستہ تھے، موصوف نہایت بااصول، فرض سناش، مہمان نواز، کشادہ دست، خوش اخلاق، نظافت پسند اور خوش پوشاک تھے۔ ان کے کپڑے، ٹوپی، جوتے، چپل کتابیں نہایت صاف وشفاف اور داغ دھبوں سے پاک ہوتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی سائیکل بھی صاف ستھری رہتی اور ہروقت چم چماتی رہتی، آواز بڑی نرم اور شیریں تھی، گفتگو کرتے تو لگتا تھا موتیاں جھڑ رہی ہیں، مہمان نوازی میں بھی ممتاز تھے، اگر کوئی ان کے مکان اور دوکان کے سامنے گذرتا اور مولانا باہر کرسی پر تشریف فرما ہوتے تو اسے روکتے اور مٹھائی اور چائے پانی سے ضیافت کئے بغیر نہ جانے دیتے، الحمدللہ یہ صفت مولانا کے بیٹوں میں بھی ہے، ان خوبیوں کے ساتھ استاد محترم حق گو بھی تھے اور حق کا اظہار بلاخوف لومۃ لائم پوری جرأت سے کردیا کرتے تھے اور کبھی لگی لپٹی بات نہ کرتے، ہر معاملہ میں وہ غایت درجہ محتاط رہتے تھے، اور کوئی بھی کام یا بات بغیر سوچے سمجھے نہ کرتے، یہاں تک کہ اگر کسی کاغذ پر دستخط کرنا ہوتا تو قلم ہاتھ میں لے کر وہ مضمون کئی بار پڑھتے اور پوچھتے کہ سب ٹھیک ہے نہ؟ اور جب مکمل اطمینان ہوجاتا تبھی دستخط فرماتے، اہم امور میں اس وقت تک فیصلہ نہ کرتے جب تک اپنے یار غار، مونس وغمخوار اور ہم راز مولانا عبدالرشید مدنی سے استصواب نہ کرلیتے، جب وہ اشارہ دے دیتے تب اس کام کو انجام دیتے، خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے دور نظامت میں وہ ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور ان کے حکم کو بخوشی بجالاتے، پھر موجودہ ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ کا بھی بڑا لحاظ رکھتے تھے اور ذمہ دار کی حیثیت سے ان کے حکم کی تعمیل بلاجھجھک کرتے، محترم ناظم جامعہ صاحب بھی ان کے بڑے قدردان تھے اور ان کی بزرگی اور ورع وتقویٰ کے سبب ان کا غایت درجہ احترام فرماتے تھے، جب بھی جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے سینئر اور ذمہ دار اساتذہ کی میٹنگ طلب کرتے تو مولانا کا نام سرفہرست رکھتے، موصوف جامعہ کی تعلیمی کمیٹی کے معزز رکن بھی رہے، فطری طور پر وہ نرم مزاج اور حد درجہ شفیق تھے اور ہم خوردوں اور تلامذہ پر خصوصی نظر عنایت رکھتے تھے، موصوف جامعہ کے ان اساتذہ میں سے تھے جن سے والد محترم رحمہ اللہ کو بڑی انسیت تھی، والد رحمہ اللہ کی بیماری کے ایام میں جب موصوف ملاقات کے لئے آئے تو والد صاحب فرماتے کہ ”مولانا آپ کو دیکھ کر مجھے بڑا سکون ملتا ہے اور بے حد خوشی ہوتی ہے“

یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا غریب ونادار طلبہ کو نظر میں رکھتے تھے اور اپنی جیب خاص سے گاہے گاہے ان کی مدد کرتے رہتے تھے، غریب اور نیک طلبہ کو خود سے قریب رکھتے اور ہر موقع پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کا بدلہ عطا فرمائے۔

مولانا کی فرض شناسی کے تعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن دنوں موصوف ممبئی کے اسماعیلہ ہاسپٹل میں زیر علاج تھے اور انہیں اپنے مرض کی سنگینی کا علم نہ تھا ایک بار مجھ سے فون پر بات کرتے ہوئے مولانا نے بڑے عزم وحوصلہ سے فرمایا کہ ”شیخ! میں جلد ہی جامعہ میں لوٹ کر آؤں گا اور آپ لوگوں کے درمیان ان شاء اللہ ابھی رہوں گا“ ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی حفظہ اللہ سے گفتگو کرتے ہوئے بھی انہوں نے اسی قسم کی بات کی، اپنے یار غار اور دیرینہ رفیق مولانا عبدالرشید مدنی، جو جامعہ میں مدیر الامتحانات کے منصب پر فائز ہیں، ان سے فون پر بات کرتے ہوئے امتحان سالانہ کے لئے اپنی زیر درس کتابوں کے لئے سوالات بنانے کی ہدایت فرمائی اور فرمایا کہ فلاں اور فلاں سے میری کتابوں کے پرچے سیٹ کرالیں، گویا مرض الموت میں بھی انہیں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس تھا اور ایک طرح بستر مرگ سے وہ اپنی فکرمندی کا اظہار فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔

اولاد واحفاد: اللہ نے آپ کو دو بیٹیوں اور چھ بیٹوں سے نوازا تھا، اولاد میں بہن صبیحہ خاتون سب سے بڑی ہیں، ان کے بعد بالترتیب عزیزان عبدالرحمن، عطاء الرحمن، رضاء الرحمن، شفاء الرحمن سلفی، سعدیہ خاتون، حفظ الرحمن اور ضیاء الرحمن ہیں۔سارے بیٹے اور بیٹیاں شادی شدہ اور بال بچوں والے ہیں، مولانا نے تمام بچوں کو دینی وشرعی تعلیم سے آراستہ کیا، اور سارے بیٹوں کو تجارت سے وابستہ کردیا، اوالذکر دونوں بیٹے بڑھنی میں اور باقی بیٹے ممبئی میں تجارت کے ذریعہ باعزت روزی کمارہے ہیں، استاذ محترم کی تربیت کے نتیجہ میں ماشاء اللہ سب دین پسند اور نہایت سعادت مند ہیں۔اللہ سب کو خوش رکھے۔

بیماری اوروفات: زندگی کی تقریباً ساٹھ بہاریں دیکھنے تک استاد محترم رحمہ اللہ کی صحت قابل رشک حد تک بہتر رہی، البتہ ادھر چند برسوں سے عمر کے تقاضے کے مطابق گھٹنوں میں درد وغیرہ کا سلسلہ رہا کرتا تھا، مگر مولانا چلتے پھرتے تھے اور اپنے فرائض پوری مستعدی کے ساتھ انجام دیتے تھے، ایک سال قبل مثانہ میں تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر کے مشورہ سے موصوف نے ممبئی میں لیزر کے ذریعہ پروسٹیٹ کا آپریشن کرالیا، بلڈ پریشر کی دوا بھی وہ لیتے تھے، مگر اچانک موصوف ایک مہلک اور موذی مرض کا شکار ہوگئے، مرض کی سن گن پاتے ہی بہتر علاج کے لئے ان کے بیٹے انہیں بلا تاخیر ممبئی لے گئے اور اسماعیلیہ ہاسپٹل میں داخل کیا، موصوف کے بیٹوں، بیٹیوں، پوتوں اور دیگر عزیزوں نے علاج ومعالجہ اور خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی، برادران عبدالرحمن وعطاء الرحمن بڑھنی میں اپنی ہارڈ ویئر اور اسپیئر پارٹس کی دوکانیں چھوڑ کر ممبئی چلے گئے اور مولانا کی خدمت میں لگے رہے، باقی بھائیوں نے بھی مولانا کی ہر ممکن خدمت کی، اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔ بالآخر ۱۱/جون ۲۰۱۸ بروز منگل مولانا کا وقت موعود آپہنچا، برادر عزیز عبدالرحمن نے ۱۱/بجے دن کو فون کے ذریعہ والد محترم کی وفات کی خبر سسکتے ہوئے دی، چونکہ مولانا کے تمام بیٹے بیٹیاں اور اعزہ واقارب ممبئی میں تھے اس لئے اہل خانہ نے وہیں مولانا کی تدفین کا فیصلہ کیا، اور اسی دن بعد نماز عصر مسجد دارالسلام ممبئی میں امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی مولانا عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں بڑی تعداد میں علماء کرام، ان کے اعزہ واقرباء، تلامذہ اور عام مسلمانوں نے شرکت کی اور ممبرا کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کردیا گیا۔

مولانا کی وفات بلاشبہ پوری ملت وجماعت کے لئے ناقابل تلافی خسارہ ہے، مگر آپ کے رخصت ہوجانے سے جامعہ سراج العلوم میں جو خلا پیدا ہوا ہے اور یہاں کی ایک باوقار مسند تدریس جو سونی ہوئی ہے اس کی بھرپائی یقیناً بہت مشکل ہے۔اللہ غیب سے جامعہ کو استاد محترم کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ دے، ان کی خدمات کو رفع درجات ذریعہ بنائے اور تمام پسماندگان خصوصاً بیمار اور عمر دراز شریک حیات اور تمام اولاد واحفاد واعزہ واقرباء وتلامذہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے، آمین۔

(السراج جھنڈانگر۔جون وجولائی ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مختار احمد مدنی سدھارتھ نگر/ سابق شیخ الجامعہ سراج العلوم جھنڈانگر

وفات ۱۱/جون ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ اطلاع دی جارہی ہے کہ جماعت کی ایک بزرگ شخصیت اور جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کے سینئر استاد، سابق شیخ الجامعہ مولانا مختار احمد مدنی آج بتاریخ ۱۱/جون ۲۰۱۸ء بروز سوموار صبح دس بجے ممبرا کوسہ ممبئی میں عمر کی ستر بہاریں گزارنے کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کا آبائی وطن جھکہیاں (سمرا) ضلع سدھارتھ نگر ہے، مگر برسوں سے بڑھنی بس اسٹاپ پر اپنے بچوں کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ سے فارغ تھے اور کچھ سالوں جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مستقل طور پر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال میں تدریس سے وابستہ ہوگئے تھے۔ اور عمر کے آخری لمحہ تک بڑی پابندی اور اخلاص سے تعلیم وتدریس کی ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے۔ شگفتہ مزاجی، بذلہ سنجی، اور قول وقرار کی پاسداری، تواضع وملنساری آپ کی پہچان تھی، ہمیشہ ہنستے مسکراتے اور اپنائیت وخلوص کا جذبہ پیہم لئے اپنے متعلقین واعزہ واحباب سے ملاقات کے لئے جیسے منتظر رہا کرتے ہوں، پورے علاقے میں دعوت وتبلیغ اور حق گوئی وبے باکی کے تعلق سے آپ منظور خاص وعام تھے، دعوتی اجلاس، شادی وبیاہ کی محفلوں میں آپ کی شرکت اکثر وبیشتر دیکھنے میں نظر آتی تھی، بڑھنی نیپال کے سرحدی علاقوں میں آپ عوام وخواص میں بے حد مقبول اور ہر دلعزیز تھے، ماہ اپریل ۲۰۱۸ء کے ابتداء میں اچانک طبیعت بگڑی اور گورکھپور لکھنؤ طبی تشخیص کے بعد فوراً ممبئی لائے گئے اور آپ کے جواں سال بچوں نے پوری تندہی سے عمدہ علاج ومعالجہ کی کوشش کی مگر کسے معلوم تھا کہ اتنی جلدی مولانا ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے، آپ کا انتقال جماعت وجمعیت اور پورے علاقے بالخصوص جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے ذمہ داران، اساتذہ طلبہ اور آپ کے سینکڑوں شاگردان کے لئے ایک سوہان روح ہے مگر قضا وقدر کے فیصلے بڑے عجیب ہوتے ہیں پوری عمر سدھارتھ نگر کے علاقے میں گزرگئی اور آخری وقت میں قضاء بمبئی لے چلی، اور یہیں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، فانا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ سے دعا ہے کہ مولیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرے، اور آپ کے پسماندگان اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه وادخله الفردوس آمين۔ تقبل یارب العالمین

❑❑❑

عرب یمنی علمی خاندان کے چشم و چراغ رافع عبدالرحمن عرب کا سانحۂ ارتحال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

وفات ۱/جولائی ۲۰۱۸ء

جولائی ۲۰۱۸ء۔دہلی/ ۲جولائی ۲۰۱۸ءمرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری ایک بیان میں ضلعی جمعیت اہل حدیث بھوپال کے سابق امیر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن نیز سابق کارکن صدر دفتر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند جناب محمد رافع عبدالرحمن عرب کے سانحہ ارتحال پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو یکم جولائی ۲۰۱۸ءکو بعد عصر شہر بھوپال میں مختصر علالت کے بعد بعمر ۸۸ سال انتقال فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا تعلق ہندوستان میں مقیم علامہ خلیل عرب وعلامہ محسن یمانی کے مشہور یمنی علمی خانوادہ سے تھا جس کی بیش بہا علمی و دینی خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔آپ ایک بہت ہی متواضع ومخلص انسان تھے۔دین کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے اور بھلائی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔موصوف صوبائی جمعیت اہل حدیث مدھیہ پردیش کے مؤسسین میں سے تھے۔وہ ایک عرصہ تک ضلعی جمعیت اہل حدیث بھوپال کے امیر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔دیگر ملی تنظیموں کی سرگرمیوں میں بھی وہ دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔تعمیر ملت نامی ادارے کے صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔اصول وضوابط کے بہت ہی پابند تھے۔وہ جب بھوپال میونسپل کارپوریشن کے ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر رہتے ہوئے ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے صدر دفتر میں آفس سکریٹری کے عہدے کے لئے پیش کش کی گئی جسے انہوں نے جماعت کی خدمت کے جذبے سے بخوشی قبول فرمایا اور دفتر کو منظم کرنے میں پوری دلجمعی سے کام کیا لیکن چند سال خدمات انجام دینے کے بعد کچھ گھریلو مجبوریوں کے تحت وہ واپس بھوپال تشریف لے گئے اور بقیہ زندگی وہیں گزاری۔پریس ریلیز کے مطابق پسماندگان میں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔نماز جنازہ وتدفین گیارہ بجے شب عمل میں آئی۔

اخباری بیان کے مطابق امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی، ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز وامیر صوبائی جمعیت مدھیہ پردیش مولانا عبدالقدوس عمری ودیگر ذمہ داران نیز کارکنان نے موصوف کے پسماندگان ومتعلقین سے قلبی تعزیت کی ہے۔اور وہ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے، حسنات کو شرف قبولیت بخشے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے نیز پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین۔

(جریدہ ترجمان/۳۱۔۱۶۔جولائی ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مولانا وجیہ الدین فیضی رحمہ اللہ، سدھارتھ نگر کی وفات

وفات جولائی ۲۰۱۸ء

مولانا محمد رحمانی

۱۲/جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعرات مولانا وجیہ الدین فیضی، ریاضی رات تقریباً ۱۱/بجے 5۴ سال کی عمر میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ان للہ وانا الیہ راجعون۔آپ شوگر کے ساتھ دمہ اور تقریباً چار سال سے کڈنی کے بھی مریض تھے۔آپ کا آبائی وطن کول پور گرانٹ ٹولہ (مینہوا) ضلع سدھارتھ نگر، یوپی ہے۔آپ کی ابتدائی تعلیم معہد مفتاح العلوم بھٹ پرا، ضلع سدھارتھ نگر میں ہوئی، اس کے بعد آپ فیض عام مئوناتھ بھنجن چلے گئے اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد آپ کچھ دنوں تک موضع ترکلواں ضلع مہراج گنج، یوپی، ایک سال اکرہرا، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی اس کے بعد گلہریا نیپال میں کچھ دنوں تک بحیثیت مدرس رہے۔وہاں سے آپ دہلی چلے آئے اور ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے آرگن ''التوعیہ'' میں ڈھائی سال تک کام کیا۔اس کے بعد آپ ملک سعود یونیورسٹی، ریاض، سعودیہ عربیہ پڑھنے چلے گئے اور وہاں آپ نے پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔پھر وہیں پر جالیات میں بارہ سال تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔اس کے بعد آپ ہندوستان چلے آئے اور اپنے آبائی وطن ہی میں کلیہ نورہ للبنات کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی اور آخری عمر تک آپ اس کی دیکھ بھال کرتے رہے، نیز جب تک آپ کی صحت ٹھیک رہی، گاؤں کی مسجد میں خطبہ جمعہ اور دروس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔آپ کی صلاۃ جنازہ آپ کے آبائی وطن ہی میں آپ کے بھتیجہ مولانا عبدالباسط سنابلی مدرس معہد عثمان بن عفان لتحفیظ وتجوید القرآن الکریم، جوگابائی، نئی دہلی نے پڑھائی۔

آپ عالم باعمل تھے، دینی اور سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔پسماندگان میں آپ نے اہلیہ، پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔اللہ تعالیٰ موصوف کے حسنات کو قبول کرے، لغزشوں کو درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔آمین۔ (التبیان دہلی اگست/۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ

جامعہ سلفیہ کے ایک موقر استاذ اور فن حدیث کے شناور

وفات ۱۶ جولائی ۲۰۱۸ء

مولانا محمد اسلم مبارک پوری

مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس (الہند) کے مؤقر اساتذہ میں سے تھے۔آپ پچھلے ماہ ۱۶/جولائی ۲۰۱۸ء مطابق ۳۰/ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ، بروز سوموار، مختصر علالت کے بعد اس جہاں آب وگل سے ہمیشہ کے لئے چل بسے۔آپ علم حدیث کے شناور اور روشن چراغ تھے۔آپ کے انتقال سے مسند درس وتدریس سونی ہوگئی۔اللھم اغفرلہ ارحمہ وادخلہ فی الفردوس الاعلی۔

یہ دنیا فانی ہے۔یہاں جو آیا ہے اسے آخرت کے لئے رخت سفر باندھنا ہے۔کوئی ہمیشہ کے لئے اس جہاں فانی میں نہیں آیا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے کسی کے لئے دوام بخشا ہے۔نبی اکرم ﷺ جو اولوالعزم خیر رسل میں سے ہیں، ان کے لئے بھی رب قدیر نے ہیشگی اور دوام نہیں بنایا ہے تو ہمارے لئے دوام اور ہیشگی کیسے ہوسکتی ہے؟

اس جہاں سے رخصت ہونے والوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے جانے سے پوری قوم غم والم کی تصویر بن جاتی ہے اور ہر کس وناکس کے چہرے پر افسردگی کے آثار نظر آتے ہیں۔انہی میں سے حضرت مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت بھی ہے۔آپ نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس کی وادی کو سیراب کرتے ہوئے گزاردی ہے۔جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس سے عالمیت کی سند حاصل کرنے کے بعد عالم اسلام کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حصول تعلیم کے لئے عازم ہوئے۔مدینۃ النبی ﷺ میں چار سال (۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء تا ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء) تک ماہر اساتذہ سے کسب فیض کے بعد لیسانس (بی،اے) کی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔کہا جاتا ہے کہ جامعہ رحمانیہ سے آپ نے اعزازی سند حاصل کی تھی، کیونکہ ابھی مرحلہ عالمیت ہی میں تھے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ کا پروانہ مل گیا، شیخ عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ نے خودنوشت سوانح میں لکھا ہے کہ انہوں نے کچھ دن فضیلت سال اول تک کی تعلیم حاصل کی اور جامعہ رحمانیہ میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک حصول علم میں مصروف رہے۔

جس سال مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کا جامعہ اسلامیہ میں داخلہ ہوا اسی سال ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی اور ڈاکٹر وصی اللہ بن محمد عباس حفظہما اللہ کا بھی داخلہ ہوا۔محترم شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد نے داخلہ کی منظوری دی اور داخلہ کی کارروائی کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔سفر کا پورا خرچ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) نے برداشت کیا اور مدینہ سے فراغت کے بعد مادر علمی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں تدریسی خدمات انجام دینے کی تاکید کی گئی۔اسی تاکید کی وفاداری کرتے ہوئے مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالرحمن لیثی

حفظہ اللہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس تشریف لائے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ اور ہی مقدر کر رکھا تھا۔ ان کے عہد و پیمان پر تقدیر غالب آ گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (وَمَا تَشَاؤُوْنَ إِلَّا أَن يَّشَاءَ الله)

آپ محنت، کاوش اور علم وشعور سے مزین تھے۔ جہد مسلسل آپ کی زندگی کا جزو تھا۔ آپ کے شاگردان آپ کی محنت کا اعتراف کھلے دل سے کرتے ہیں۔ بے لاگ محنت اور شب و روز کی سعی پیہم نے آپ کو اساتذہ کے درمیان وقار بخشا اور انفرادی شان کا مالک بنا دیا۔ آپ اصول کے پکے تھے اور مشکل حالات میں بھی اپنے اصولوں سے منحرف نہیں ہوتے تھے اور نہ کوئی سمجھوتہ کرتے تھے۔

آپ کلیۃ الدعوہ و اصول الدین سے فارغ التحصیل تھے۔ مگر آپ کو فن حدیث میں جو درک تھا وہ غیر معمولی تھا۔ جامعہ سلفیہ میں مشکوۃ المصابیح جلد ثانی، صحیح بخاری جلد اول، صحیح مسلم جلد اول، سنن النسائی جلد ثانی اور اصول حدیث کی معتبر کتاب نزهة النظر شرح نخبة الفكر اور الباعث الحثيث یکے بعد دیگرے پڑھاتے رہے اور علم وفن کے گوہر لٹاتے رہے۔ راقم الحروف کو نہ آپ سے شرف تلمذ ہے اور نہ آپ کی صحبت سے فیض یاب ہے۔ جامعہ میں جس وقت تدریسی خدمات کے لئے آیا اس وقت مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ سبک دوش ہو کر اپنے وطن لوٹ چکے تھے، بلکہ میری تقرری آپ ہی کی جگہ ہوئی ہے۔ آپ کے زیر درس کتاب سنن النسائی آپ کے جانے کے بعد میرے نصیب میں آئی۔

جن طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا ہے ان کے مطابق آپ کو تدریس اور عبارت فہمی کا ملکہ تھا۔ آپ کا درس حشو و زوائد سے پاک ہوتا تھا۔ بالخصوص اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کی تدریس کا انداز نرالا اور پیارا تھا۔ سب سے پہلے حدیث پاک کی خواندگی ہوتی تھی۔ اس کے بعد اسناد پر بحث ہوتی تھی مبہم اور کنیت والے راویوں کی وضاحت کرتے۔ استدلال پر زور صرف کرتے۔ فقہی اقوال اور ائمہ کرام کے خیالات کی طرف ہاتھ پاؤں مارنے کے بجائے حدیث رسول ﷺ سے بالواسطہ استدلال کرتے اور مسائل کا استنباط کرتے۔ طلبہ کو براہ راست حدیث سے استنباط کرنے پر ابھارتے۔ کبھی کبھی حدیث سے ایسے مسائل مستنبط کرتے جو انفرادی شان لیے ہوتے تھے۔ علماء کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں سب سے اہم چیز فقہ البخاری فی تراجمہ ہے۔ استاد محترم اس پر خاص توجہ دیتے اور اختلافات میں جائے بغیر صحیح مفہوم کی رہنمائی کرتے۔ علاوہ ازیں حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ اور اعراب کی بقدر ضرورت اصلاح کرتے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ آ جاتا جو مابہ النزاع ہوتا تو آپ اس کے مالہ وما علیہ کو بیان کرتے اور اخیر میں اپنا محاکمہ پیش کرتے جو اپنے اندر اجتہادی اور بسا اوقات انفرادی شان لیے ہوئے ہوتا تھا۔ کبھی کبھار درس میں ان مسائل پر بحث چھڑ جاتی جن میں آپ کو مخصوص درک اور تبحر تھا تو ان پر خوب عمدہ بحث کرتے اور مخالف کے دلائل پر تنقید کرتے اور گھنٹی ختم ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

مولانا کئی خوبیوں کے مالک تھے۔ ایک خوبی یہ تھی کہ اپنی رائے کا اظہار جرأت مندانہ طور پر کرتے تھے اور اس میں کسی طرح کی مداہنت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری اہم خوبی یہ تھی کہ مطالعہ کیے بغیر درس نہیں دیتے تھے اور نہ تیقن کے بغیر کوئی مسئلہ بتاتے تھے۔ جس دن مطالعہ نہیں کرتے بلا کسی جھجک بیان کر دیتے تھے کہ آج مطالعہ نہیں کر پایا ہوں اس لئے درس نہیں ہوگا۔ آپ طلبہ کا خیال رکھتے۔ گھنٹی ختم ہونے سے پانچ منٹ پہلے درس روک دیتے تاکہ درس کے متعلق جو اشکال ہو اس کا تشفی بخش جواب دیا جائے اور مسئلہ کو منقح کر کے ذہن نشین کرا دیا جائے۔

مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ گاہے گاہے کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ زیر درس جو کتابیں رہتی تھیں ان کا نوٹ تیار کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ نوٹ حاشیہ کی شکل میں شائع ہوکر منصۂ شہود پر آیا۔ یہ حاشیے عموماً آپ کا حاصل مطالعہ ہیں اور متقدمین علماء کی تحریروں کا نچوڑ۔ آپ نے جن کتابوں پر حاشیہ آرائی کی ہے ان میں سنن النسائی جلد ثانی کا حاشیہ بنام التعلیق المنتقی، مشکوۃ المصابیح جلد ثانی کا حاشیہ، بنام التعلیق الملیح لکھ کر علم حدیث کی خدمت میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اصول حدیث میں نزہۃ النظر پر حاشیہ اور تعلیق لکھی جس پر علمائے عرب وعجم سے داد تحسین حاصل کی۔ ان کے علاوہ مختلف اوقات میں چند مقالات اور مضامین حوالہ قرطاس کیا۔ ماہنامہ ''محدث'' میں درس حدیث کا کالم آپ ہی کے قلم کا فیض ہے جو ''درس حدیث'' کے نام سے مطبوع ہے۔ شنیدہ کہ مولانا مدنی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، جلد اول اور صحیح مسلم، جلد اول پر بھی مختصر حاشیہ لکھا ہے جو مطبوع نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ کے علمی وارثین اس کو منصۂ شہود پر لانے کی کوشش کریں گے۔

مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ نے دعوت وتبلیغ کے میدان کو بھی زینت بخشی اور اسے اپنے خون جگر سے سینچا۔ دروس میں حاضری اور جلسوں میں شرکت کے ذریعہ آپ نے قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل نواز سے قلوب واذہان کو منور کیا اور ان موضوعات کو اپنی گفتگو کا حصہ بنایا جو سماج اور معاشرہ کی اصلاح میں موثر کردار ادا کرسکیں۔ آپ کی تقریر مدلل اور مبرہن ہوا کرتی تھی۔ انداز ناصحانہ تھا۔ نہ اس میں سختی تھی جو دلوں کو ناگوار گزرے اور نہ ہی کڑک اور تڑپ تھی جو قلوب کو بے زار کردے، بلکہ سلجھے سلجھائے انداز کی تقریر تھی۔ تقریر کا یہی انداز جس میں مقرر اپنی بات کہہ لے اور سامع اسے سمجھ جائے، قابل تعریف ہوتا ہے۔

مولانا ممدوح ۷/ فروری ۱۹۴۴ء کو موضع ٹکریا ضلع سدھارتھ نگر میں پیدا ہوئے۔ ابجدی تعلیم گاؤں کے مکتب مفتاح العلوم میں ہوئی۔ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار ضلع بلرام پور میں ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک رہ کر ابتدائی اور ثانویہ کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد دوسال فارسی زبان سیکھی۔ پھر جامعہ رحمانیہ مدن پورہ میں داخل درس ہوئے اور یہاں تفسیر، علوم تفسیر، حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ، نحو، صرف، عربی ادب اور دیگر علوم متداولہ کے حصول کے لئے ماہر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ درس نظامی کے علاوہ عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے مختلف زمانہ میں 'مولوی، عالم، فاضل ادب عربی، کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے پوری تعلیم میں جن اساتذہ سے خوشہ چینی کی ان میں علامہ مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، مولانا اقبال احمد رحمانی، مولانا محمد عابد رحمانی، علامہ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی، علامہ محمد امین شنقیطی مولف اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن، شیخ ممدوح فخری، شامی رحمہم اللہ تعالیٰ اور علامہ شیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ قابل ذکر ہیں۔ یہی وہ اساطین علم وفن ہیں جن کی نگرانی میں اور سایہ تربیت میں مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ کو فن حدیث میں حذاقت ومہارت اور گہرائی حاصل ہوئی۔

شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ سے شاگردی کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو ان سے اجازت حدیث کی سند حاصل کرنے کا شرف حاصل ہے۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ، جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کے تاحین حیات صدر تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ماہ دوماہ بعد جامعہ ضرور تشریف لاتے تھے اور جامعہ کے حالات کو بچشم خود دیکھتے تھے اور کلاس روم میں جاجا کر طریقہ تدریس کا معائنہ کرتے تھے۔

استاد کو درس کی تیاری اور پڑھانے کے متعلق ضروری ہدایتیں کرتے تھے۔بقول مولانا محمد مستقیم صاحب اس کا بہت فائدہ ہوتا تھا۔

شیخ الحدیث مبارک پوری جب جامعہ تشریف لاتے تو مولانا عبدالسلام مدنی رحمہ اللہ آپ کی دل وجان سے خدمت کرتے تھے اور اسے اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے۔یہی خدمت گزاری شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے قربت اور اعتماد کا ذریعہ بنی۔حدیث کے متعلق مولانا مدنی رحمہ اللہ کے ذہن میں جو بھی اعتراضات اور اشکالات تھے یا حدیث کا معنی اور مفہوم متعین کرنے میں جو کچھ تردد تھا، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے سامنے پیش کرتے اور تشفی بخش جواب سے محظوظ ہوتے۔اس طرح مولانا عبدالسلام صاحب مدنی رحمہ اللہ کو علل حدیث کی باریکیوں کے فہم وادراک کا ملکہ پیدا ہوا جس کا فائدہ بعد میں یہ ہوا کہ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کی پروف ریڈنگ آپ کے حصہ میں آئی۔شروع میں تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام تو بہت مشکل لگ رہا تھا، مگر دھیرے دھیرے آسان ہوتا گیا اور مولانا مدنی رحمہ اللہ پر شیخ الحدیث مبارک پوری رحمہ اللہ کا اعتماد بڑھتا گیا۔مولانا کی تبحر علمی اور ژرف نگاہی میں اس پہلو کو طاق نسیاں نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس کا کردار آپ کے استنباط میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بیالیس (۴۲) سالہ تدریسی خدمات کے دوران آپ سے علم دین اخذ کرنے والوں کی تعداد حیطہ شمار سے باہر ہے۔ذیل میں چند مستفیدین کے اسمائے گرامی ذکر کیے جاتے ہیں: ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس صاحب مدنی، سابق شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس (رحمہ اللہ) مولانا عبداللہ صاحب مدنی جھنڈانگری (رحمہ اللہ) مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی، ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، مولانا صلاح الدین مقبول احمد صاحب مدنی (دہلی)، مولانا عزیر شمس صاحب (مکہ مکرمہ) مولانا شہاب اللہ جنگ بہادر مدنی (شارجہ) ڈاکٹر عبدالقیوم محمد شفیع صاحب مدنی (مقیم حال قطر) مولانا احسن جمیل صاحب مدنی (بنارس) مولانا شبیر احمد صاحب مدنی (اٹوابازار) ڈاکٹر بدرالزماں صاحب مدنی (نیپال) مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی (ناظم تعلیمات سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی، دہلی) ڈاکٹر عبیدالرحمن مدنی (تلولی)، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، مولانا عبداللہ سلفی عمر پوری، مولانا مشتاق احمد کریمی (بہار) مولانا عزیز الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ، مولانا مظہر الحق عبدالشکور مدنی، مولانا محمد محسن سلفی املوی، مولانا ازہر عبدالرحمن رحمانی، مولانا صہیب حسن مدنی مبارکپوری، مولانا راشد حسن سلفی مبارک پوری اور حافظ ناصر الدین مبارک پوری وغیرہم۔الحمد للہ اس وقت جامعہ سلفیہ کا نصف تدریسی عملہ مولانا محترم کے شاگردوں پر مشتمل ہے۔جن میں مولانا نعیم الدین صاحب مدنی سابق شیخ الجامعہ، مولانا محمد یونس صاحب مدنی، موجودہ شیخ الجامعہ، مولانا عبدالقیوم مدنی، مولانا سعید میسور مدنی، ڈاکٹر عبدالصبور مدنی، ڈاکٹر عبدالحلیم مدنی، مولانا محمد یوسف محمد عمر مدنی، مولانا سیف الرحمن مدنی، مولانا نورالہدیٰ سلفی، مولانا محمد ایوب سلفی، مولانا طاہر حسین سلفی) حفظہم اللہ تعالیٰ ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ استاد محترم رحمہ اللہ کی لغزشوں کو دامن عفو میں جگہ دے۔ان پر رحم فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین (بذریعہ میل)

نوٹ: استاذ گرامی شیخ عبدالسلام مدنی ؒ کی خودنوشت سوانح سالنامہ تاریخ اہل حدیث، جلد اول میں شائع ہوچکی ہے۔قارئین مزید استفادہ کے لئے وہاں رجوع فرمائیں۔

❑❑❑

پیکر جرأت وہمت، شہر پونہ میں سلفیت کے بے باک سپاہی

الحاج عبدالصمد بن نواب علی چودھریؒ

وفات اگست ۲۰۱۸ء

محمد عاطف سنابلی (ممبئی)

صوبہ مہاراشٹر میں شہر پونہ کئی اعتبار سے کافی مشہور ومعروف اور کافی اہمیت کا حامل ہے، مہاراشٹر کا ایک وسیع وعریض، خوشحال وخوبصورت صنعتی شہر ہے، مہاراشٹر کی معیشت تقریباً اسی شہر پر منحصر ہے، الحمدللہ مسلمان بھی ایک اچھی تعداد میں آباد و مقیم ہیں اور کاروبار سے منسلک ہیں، کئی مسلم تعلیمی اور دینی ادارے اعظم کیمپس جیسے سرگرم عمل ہیں، کئی مسجدیں آباد ہیں، لیکن سلفیوں اور اہل حدیثوں کی کوئی دانشگاہِ تعلیم وتربیت اور مرکزِ عبادت ودعوت موجود نہیں تھا، جہاں سلفیان پونہ جمع ہوکر سنت وصواب کی روشنی میں اپنی اپنی عبادتیں انجام دے سکیں، اور سکون واطمینان کے ساتھ جمعہ وجماعت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

انہیں حالات میں اللہ کی مرضی ومشیئت سے ضلع سدھارتھ نگر کے اجگرا گاؤں کے چودھری خانوادہ کے کچھ لوگ جن میں محسن جماعت عالیجناب الحاج عبدالشکور چودھری صاحب حفظہ اللہ وعافاہ کے والد گرامی محمد عباس بن نواب علی چودھری اور آپ کے خسر اور چچا عالیجناب عبدالصمد چودھری رحمہم اللہ جمیعاً نے ممبئی کے ایک علاقہ سے تجارت اور کاروبار کی غرض سے پونہ کا رخ کیا اور یہاں آنے کے بعد الحمدللہ کاروباری اور تجارتی دنیا میں کافی کامیاب ہوئے، اللہ نے خوب برکت اور فراوانی دی۔ جناب حاجی عباس صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی الحاج عبدالصمد چودھری (عرف ملاسیٹھ) صاحب بھی ساتھ تھے، جو کافی حوصلہ مند، جواں عزم، جرأت وہمت کا پیکر اور نہایت ہی باغیرت اور باحمیت سلفی المسلک اور سخت اہل حدیث تھے، شہر پونہ کی سلفی اور اہل حدیثوں کی تاریخ میں جن کا نام سنہرے اور جلی حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے، موصوف رحمہ اللہ نے پونہ، کُدّل واڑی، مورواڑی میں منہج سلف اور مسلک اہل حدیث کے فروغ واستحکام اور ترویج واشاعت میں کافی اہم رول اور نمایاں کردار ادا کیا ہے، اور بے مثال قربانیاں دی ہیں۔

دین سے وابستگی اور خدمت دین کی ایسی لگن اور تڑپ تھی کہ ہمہ وقت کتاب وسنت کے فروغ واستحکام کے لئے کمربستہ رہتے، یہی وجہ ہے کہ ہمعصر علماء عظام ان کے پاکیزہ جذبات وخدمات جلیلہ کو بے انتہا قدر وتحسین کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے گرویدہ تھے اور بسا اوقات برسر عام ان کے اظہار واعتراف پر مجبور ہوجاتے تھے، ۱۹۹۹ء کے ایک اجلاس کے موقع پر اپنے خطاب عام میں موصوف سے متعلق جماعت اہل حدیث کے ممتاز ومعروف عالم دین، غیور جماعت، کاروان توحید وسنت کے ایک مایہ ناز سپوت

اور بے باک ترجمان علامہ عبدالحمید بن عبدالجبار رحمانی رحمہ اللہ نے کہا تھا۔

''کہ اللہ جل شانہ نے شہر پونہ میں اہل حدیثیت، سلفیت اور دین صحیح کا ایسا شجر ثمر آور لگایا ہے جو کافی پھلدار ہے اور اس کے اثرات ونتائج پورے ملک میں دکھائی دے رہے ہیں اور اس کے ذریعہ پورے ملک میں منہج سلف اور مسلک صحابہ کی کافی نشوونما ہورہی ہے فللہ الحمد''

یہ سچ اور حق ہے کہ پونہ میں رہتے ہوئے صرف پونہ ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں بہتیرے دینی اداروں، تعلیمی وتربیتی دانشگاہوں سے قلبی تعلق رکھا، جڑے رہے، اور فیض پہنچاتے رہے، جمعیت وجماعت سے منسلک اور وابستہ علماء کا بھرپور تعاون اور سپورٹ کرتے رہے، ان کا حوصلہ بڑھاتے رہے، الحمدللہ آج ان کے خانوادہ اور خاندان کے سپوت اور دین پسند احباب ان کے مشن کے سچے جانشین ہیں اور ان کی وراثت کو سنبھالے ہوئے ہیں، مسلک وملت کی خدمات کا کام بڑے پیمانے پر انجام دے رہے ہیں، بڑی فراخدلی اور کشادہ دلی سے جماعت اور ملت کے مشن میں پیش پیش رہتے ہیں، کاروانِ توحید وسنت سے منسلک علماء، دعاۃ اور جماعتی ودینی کاز کو آگے بڑھانے والے، دردمندی کے ساتھ توحید وسنت اور مسلک سلف کی تبلیغ وتعلیم کا کام کرنے والوں کا بھرپور تعاون کرتے رہتے ہیں، بالخصوص محسن جماعت عالیجناب الحاج عبدالشکور چودھری صاحب (رئیس پونہ)، عالیجناب ذکراللہ چودھری صاحب، عالیجناب حبیب اللہ چودھری اور الحاج عبدالصمد چودھری رحمہ اللہ کے فرزندان جناب شمس اللہ چودھری، وغیرہ (حفظہم اللہ) دین ودعوت کے کام میں پیش پیش رہتے ہیں۔ اللہ کریم سبھوں کو سلامت اور شاداب وآباد رکھے۔

اسی خانوادہ کے ایک روشن چراغ اور پونہ شہر میں سلفیت اور اہل حدیثیت کا چراغ جلانے اور روشن رکھنے والے الحاج عبدالصمد چودھری صاحب (عرف ملا سیٹھ) ہیں جن کی مختصر دینی، ملی اور جماعتی خدمات نیز ان کا مختصر سوانحی خاکہ پیش خدمت ہے، رب کریم تمام جماعتی احباب، غیرت وحمیت کے ساتھ کتاب وسنت اور توحید واتباع کے فروغ کے اس مشن کا کام کرنے والوں کو ہمت اور حوصلہ دے۔

نام: الحاج عبدالصمد چودھری (جھنکن) بن نواب علی چودھری

پیدائش: سن ۱۹۴۱ء۔ حاجی عبدالصمد صاحب کہا کرتے تھے کہ ۱۹۴۷ء میں ملک جب آزاد ہوا تو اس وقت میں چھ برس کا تھا۔

مقام پیدائش: مقام وپوسٹ اجگرا، ڈومریا گنج، سدھارتھ نگر یوپی۔

پونہ کی طرف روانگی: عالیجناب الحاج ذکراللہ صاحب نے بتایا کہ محسن جماعت الحاج عبدالشکور چودھری صاحب کے والد گرامی جناب محمد عباس بن نواب علی چودھری انہیں اپنے ساتھ گاؤں سے بغرض تجارت ممبئی لے کر آئے اور انہوں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ تجارت اور کاروبار میں کافی محنت کی، ان کے ساتھ لگے رہے، اس کے بعد اللہ کی مشیئت ومرضی اور رب کریم کا فیصلہ کہ ممبئی سے پونہ کا رخ کرنا پڑا، اور ۱۹۷۱ء میں تجارت کی غرض سے ممبئی سے پونہ کا رخ کیا اور موروواڑی میں لکی اسٹیل کے نام سے دوکان شروع کی، محنت ومشقت کے بعد تجارت میں کامیابی ملی، کاروبار میں اللہ نے کافی برکت اور فراوانی عطا فرمائی، تجارتی فکرمندی کے ساتھ ساتھ اس بات کے لئے بھی ہمیشہ فکرمند رہے کہ ہمارے ساتھ پونہ میں ہماری اپنی قوم اور جماعت ومسلک کے لوگ بھی آباد ہوں، اور اس بات کی کسک

پیدا ہوگئی، اس لئے جو بھی زمین خریدتے، اپنے لوگوں کو بیچ کر اس پر آباد کردیتے۔

موروواڑی میں مدرسہ ومسجد عمر بن خطاب کا قیام:

پونہ پہنچنے اور آباد ہونے نیز کچھ احباب جماعت اور دیگر لوگوں کو آباد کرانے کے بعد مسلکی اور منہجی غیرت وحمیت کے باعث خالص سلفی مرکز عبادت ودعوت کی کمی اور نہ ہونے کا شدید احساس ہوا، اور یہ سوچنے لگے کہ مسلک سلف اور اہل حدیثوں کی کوئی دینی اور روحانی مرکز، عبادت گاہ اور تعلیم وتربیت کی کوئی دانشگاہ اور دعوت وتبلیغ کا کوئی سنٹر نظر نہیں آرہا ہے، پھر اس کے بعد ہار نہ ماننے والی لگن پیدا ہوگئی کہ کاروبار اور تجارتی ترقی کے ساتھ سلفی دعوت اور سلفی منہج کے باحمیت، باغیرت جیالے اہل حدیث کے سچے سپوت اس بات کے لئے فکرمند اور کوشاں رہے کہ اہل حدیث مسلک کا کوئی مرکز قائم ہو، توحید وسنت اور قرآن وحدیث کی دعوت کا کوئی چراغ روشن کریں جہاں سے شرک وبدعات کی تاریکیاں ختم ہوں اور ضلالت وگمرہی کافور ہو، ہم سب سنت وشریعت کے مطابق اپنی عبادتیں انجام دے سکیں، اس کے لئے جناب عبدالصمد چودھری صاحب جناب محمد عباس چودھری اور جناب احسان اللہ چودھری کو ابھارتے رہے، تحریک دیتے رہے بالآخر اللہ نے مراد پوری کردی اور محنتیں اور کوششیں رنگ لائیں الحمدللہ ایک بابرکت شروعات ہوئی، ۱۹۷۹ء میں اس کا موثر وپائیدار مخلصانہ آغاز ہوا اور توحید وسنت کے شمع فروزاں کی شکل میں ۱۹۹۱ء میں باقاعدہ مدرسہ ومسجد عمر بن خطاب کے نام سے جماعت کے معروف عالم اور مشہور داعی مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کے بدست ایک سلفی مرکز قائم ہوا، فللہ الحمد۔

جس کی برکت سے نتیجہ میں دیکھتے دیکھتے کئی مسجدیں، تعلیمی اور تربیتی ادارے قائم ہوگئے اور دعوت دین اور قوم وملت کی خدمت کا کام انجام دینے لگے۔

الحمدللہ آج یہ مسجد ایک عظیم الشان مسجد اور عالیشان خوبصورت عمارت کی شکل میں تمام سہولیات سے مزین وآراستہ مرکز کی شکل میں موجود ہے اور دین کی دعوت وتبلیغ، تعلیم وتربیت، تزکیہ وتطہیر، خطبات جمعہ، ماہانہ وہفتہ واری دروس کا کام منظم انداز میں چل رہا ہے۔

اپنے دور میں آبائی وطن گاؤں کے مدرسہ بیت العلوم کی مکمل کفالت کی ذمہ داری:

آبائی وطن اجگرا سدھارتھ نگر میں گاؤں کے مدرسہ بیت العلوم کی مکمل ذمہ داری جہاں آج الحمدللہ باصلاحیت اور قابل اساتذہ اور معلمین کی نگرانی میں شعبہ حفظ کی تعلیم کا تمام سہولیات اور بچوں کی تمام کفالت کے ساتھ بہترین بندوبست ہے اور مدرسہ کی ایک عالیشان بلڈنگ اور عمارت ہے، پورے علاقہ، قرب وجوار اور دور دراز کے بچے بھی فیضیاب ہورہے ہیں، ان کے خاندان کے لوگ آج اس کی دیکھ ریکھ کررہے ہیں اور جملہ اخراجات برداشت کرتے ہیں، اللہ سب کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

پوار بستی میں جامع مسجد اہل حدیث کے قیام میں کوشش اور مسلسل تحریک:

آپ کے خاندان کے تمام افراد کی مشترکہ کوششوں سے جامع مسجد اہل حدیث، پوار بستی کا قیام ۱۹۹۰ء میں عمل میں آیا، جہاں مسجد کی ایک عالیشان عمارت اور عظیم الشان بلڈنگ کے ساتھ ایک وسیع وعریض کیمپس میں المنار اردو ہائی اسکول قوم کے نونہالوں کو دینی ماحول میں عصری تعلیم وتربیت سے آراستہ کررہا ہے، اسی سے متصل تمام خاندان والوں نے مل کر ۲۰۰۳ء میں مدرسۃ الفرقان لتحفیظ

القرآن الکریم کے نام سے ایک شعبہ تحفیظ بھی قائم کیا، جس میں آپ بھی پیش پیش رہے۔ الحمدللہ ادارہ روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

کدل واڑی (چودھری کانٹا) پر جامع مسجد ابوبکر صدیق کا قیام:

الحاج عبدالصمد چودھری رحمہ اللہ نے ایک نئی آبادی بسائی، جس کا نام چودھری نگر پڑ گیا، وہیں ایک وزن کانٹا نصب کروایا جو چودھری کانٹا کے نام سے مشہور ہے، وہیں پر الحمدللہ ایک عالیشان مسجد بھی بنوائی، جس کا نام مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رکھا، جو اپنے قیام کے اول دن سے اپنا کردار بحسن وخوبی ادا کررہی ہے، یومیہ، ہفتہ واری اور ماہانہ دروس، ماہانہ اور مختلف اجتماعات اور خطبات جمعہ وغیرہ سے مسلک سلف کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ الحمدللہ۔

موتی گنج میں مسجد، مدرسہ (اسکول) اور شعبۂ تحفیظ کا قیام:

پونہ میں رہتے ہوئے صرف پونہ کے حوالے سے فکرمند نہیں رہے، بلکہ اپنے آبائی وطن اور اس علاقہ کی تعلیمی اور دینی حالت پر دردمندانہ اور فکرمندانہ نگاہ تھی، اسی فکرمندی اور لگن کا نتیجہ تھا کہ موتی گنج پورا اہل حدیثوں اور سلفیوں کا گڑھ ہے، اطراف کے زیادہ تر گاؤں میں اہل حدیثوں کی آبادی ہے، سن ۱۹۸۶ء میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ خیر العلوم، ڈومریا گنج کے ذمہ داران کے مشورہ اور رائے سے ایک اسکول اور شعبہ تحفیظ قائم کیا، جو الحمدللہ آج بھی ایک مرکز دین اور دانشگاہ علم کی شکل میں قائم ودائم ہے اور اس کی گراں قدر خدمات جلیلہ جاری اور ساری ہیں اور پورا علاقہ اس سے فیضیاب ہورہا ہے۔

موشی روڈ میں قبرستان کے لئے جگہ کی تعیین میں دلچسپی اور کوشش:

ان تمام خدمات جلیلہ اور دینی لگن کا نتیجہ تھی کہ ہمہ وقت یہ حسرت وآرزو ذہن میں رہتی کہ اہل حدیثوں کا ایک اپنا قبرستان ہو، الحمد للہ تمام خانوادہ اور خاندان نے مل کر ۲۰۰۵ء میں موشی روڈ پر قبرستان کے لئے جگہ مختص اور متعین کردی اللہ ان تمام کوششوں کو قبول فرمائے، صدقہ جاریہ بنائے، رفع درجات کا سامان بنائے، موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔۔

وفات اور نماز جنازہ:

اس طرح شہر پونہ میں اہل حدیثیت کی بنیاد ڈالنے اور اسے تقویت دینے والا تاریخ اہل حدیث کا یہ بے باک سپاہی، مرد مجاہد روشن اور نمایاں خدمات انجام دے کر یکم اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ بوقت صبح ۱۰/ بجے دار فنا سے دار بقا کو کوچ کر گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین موشی روڈ قبرستان میں انجام پائی، ایک تخمینہ کے مطابق نماز جنازہ میں تین ہزار سے زائد افراد شریک صلاۃ ودعا رہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

❑❑❑

مولانا عبدالرحمن ریاضیؒ اگیا

وفات ۲/ اگست ۲۰۱۸ء

مولانا شریف اللہ سلفی

موضع اگیا نزد اٹوابازار سدھارتھ نگر کے ہمارے عزیز اور دوست کاتب مولانا عبدالرحمن یوسف ریاضی مقیم اوکھلائی دہلی بتاریخ ۲/ اگست ۲۰۱۸ء، بروز جمعرات، رات ڈھائی بجے ایک طویل علالت کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

ابتدائی تعلیم گاؤں اور اونرہوا میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم سے فراغت حاصل کی، اوراس کے بعد دہلی میں ہی حصول رزق کے لئے قیام پذیر ہوگئے، اچھے کاتب اور خوش نویس تھے، جماعت کے اہل علم اوراداروں سے بڑی وابستگی رکھتے تھے، اور ہر کسی کے کام آنا ان کا شیوہ تھا، ایک عرصہ تک ریاض العلوم اور مرکزی جمعیت وغیرہ سے بھی وابستہ رہے، کتابوں کی طباعت، شہادات کی تصدیق اور دیگر امور بھی انجام دیا کرتے تھے، نوائے اسلام دہلی، ندوۃ السنۃ اٹوابازار اور دیگر جماعتی اداروں سے گہرا ربط تھا، اللہ نے بڑا حوصلہ عطا کر رکھا تھا، سماجی اور ملی شخصیات سے بھی گہرا تعلق رکھا کرتے تھے، مجھ ناچیز سے برسوں سے یارانہ اور آنا جانا تھا، بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور خوش دلی سے ہر کام میں رہنمائی و مدد کے لئے تیار رہتے، میں نے کبھی انہیں تھکتے یا کسی بھی چھوٹے بڑے کام سے پیچھے ہٹتے نہیں دیکھا، ہمیشہ جذبہ جواں اور عزم رواں لئے رواں دواں رہتے، ادھر کافی دنوں سے بیمار پڑے، یرقان سے شروعات ہوئی اور لیور کینسر تک پہنچ کر چند ہی مہینوں میں جان لیوا ثابت ہوئی، بالآخر ۲/ اگست رات میں راہی ملک بقا ہو چلے اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ سے دعا ہے کہ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، اور جنت میں جگہ عطا کرے، اہل خانہ، بیوی بچے اور تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ اللهم اغفرله وأكرم نزله واسكنه الفردوس۔ ذیل میں مولانا شریف اللہ صاحب سلفی کا تفصیلی مضمون ملاحظہ کریں۔

ہلکا سانولا رنگ مگر بہتر نقوش، جاذب نظر جس سے شرافت کا پتہ چلتا تھا، مسکراتا چہرہ جو دوستی کا پیغامبر تھا، چوڑی پیشانی جو ذہانت کا غماز تھی، عقابی نگاہیں جو حصول مقاصد کے لئے بے چین رہتی تھیں، مضبوط سینہ جس میں غم دوراں کو سمیٹنے کی قابل تقلید حد تک صلاحیت تھی، کشادہ دل جس میں سمندر کی گہرائی تھی اور شکوہ وشکایت کی کوئی جگہ نہیں تھی، قدرے پستہ قد اور نحیف جسم (اسٹیل باڈی) مگر ہمالیہ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت تھی، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملنا، ہر وقت رواں دواں اور خوش وخرم رہنا جس کی فطرت ثانیہ تھی۔ اور جو ذات بچپن ہی سے ہر کام میں اپنی حصہ داری ضروری سمجھتی تھی، وہ تھے ہمارے عزیز مکرم مولانا عبدالرحمن ریاضی رحمہ اللہ تعالیٰ بن محمد یوسف حفظہ اللہ جن کو آج رحمہ اللہ لکھتے اور کہتے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے، اور قلم بھی کانپنے لگتا ہے، یوں تو موت ہر ذی روح

کو آنی ہے مگر جواں سالی میں ان کی موت ہر ایک کو تڑپا گئی، ان کے کم سن بچوں کو یتیم اور وفادار شریک حیات کو عین جوانی میں بیوگی کی چادر اوڑھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بیمار اور کمزور والدین اپنے جواں سال اور لائق سپوت کی موت کس طرح برداشت کریں گے؟ اس کا تصور ہی جان لیوا ہے۔ مگر قضاو قدر کو کون ٹال سکتا ہے، الٰہی فیصلہ اور اس کی حکمتیں ہی الگ ہیں، ان کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ فانا للہ وإنا الیہ راجعون۔

نام ونسب: عبدالرحمن بن محمد یوسف بن محمد ابراہیم بن چنو بن دیانت بن حُبّہ۔

ولادت: نیپال سرحد سے متصل شمال مشرق میں واقع ضلع سدھارتھ نگر کی ایک مشہور تحصیل ہے ''اٹوا'' اس تحصیل کے پورب بانسی روڈ کے قریب چار کلومیٹر کی دوری پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ''اگیا'' جو کسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے۔ اسی بستی کے ایک معروف معزز، دیندار، غیرت منداور ذی علم گھرانے میں ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۴ء میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے وجود سے گھر اور خاندان کو روشن کر گئے۔

تعلیم وتربیت: عزیز مکرم رحمہ اللہ جب مکتب میں جانے کے لائق ہوئے تو خاندان کے دستور کے مطابق گاؤں کے قریب مشہور ادارہ ''دارالتوحید'' بینا عیدگاہ میں بٹھایا گیا۔ جہاں حافظ رضاء اللہؒ جیسے مخلص، تجربہ کار اور ماہر درسیات استاد موجود تھے۔ جو ابتدائی درجات کے پڑھانے کا بہت اچھا تجربہ رکھتے تھے۔ مگر آپ کی طبیعت نہیں جمی اور آپ ''اونرھوا'' ضلع بلرام پور چلے گئے۔ جہاں آپ کی بڑی پھوپھی رہتی تھیں جو آپ کو بہت زیادہ پیار کرتی تھیں، اسی طرح آپ کے پھوپھی زاد بھائی وغیرہ بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ وہاں آپ نے پرائمری درجات اور عربی اول اچھے نمبرات سے پاس کیا۔ مزید اونچی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ''جامعہ عالیہ عربیہ'' مئو کا انتخاب کیا، کیونکہ ان دنوں میں جامعہ عالیہ عربیہ میں بحیثیت مدرس موجود تھا۔ وہاں آپ نے دوسری جماعت (عربی دوم) میں داخلہ لیا اور مسلسل چار سال وہاں کے ماہرین فن اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اور ۱۹۹۰ء میں دہلی کا رخ کیا۔ اور دہلی کے مشہور ادارہ جامعہ ریاض العلوم میں داخلہ لیا اور عالم وفاضل کی معنوی ڈگری سے سرفراز ہوئے۔ عزیز مکرم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ خاندان بلکہ گاؤں کے دوسرے سند یافتہ مولانا ہیں۔ جب کہ اس وقت تک اس فہرست میں صرف خاکسار راقم کا نام تھا۔ اور اس وقت تو خاندان کے تقریباً سبھی بچے بچیاں بحمد اللہ عالم وفاضل، اور بی اے، ایم اے بھی ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اخلاق وعادات: آپ بہت اونچے اخلاق کے حامل تھے، ہنس مکھ اور ملنسار تھے، مسکراتے ہوئے ہر ایک سے ملنا آپ کی فطرت تھی، خلاف مزاج بات ہونے پر بھی ہنس کر ٹال جاتے، صاف دل کے مالک تھے، میں نے آپ کے یہاں کسی کے خلاف کینہ یا بغض وعناد نہیں پایا۔ جامعہ عالیہ عربیہ میں دوران تعلیم آپ کی کوئی شکایت نہیں آئی، چونکہ ہاسٹل کا نگراں ہونے کی وجہ سے طلبہ کی معمولی معمولی بات کی بھی شکایت آتی تھی۔

دہلی آپ کا مسکن تھا، میں جب بھی دہلی جاتا، واپس آنے کے وقت تک چمٹے رہتے، میری موجودگی میں کچھ ایسے بھی لوگ ملے جو بڑی سختی سے پیش آئے مگر ایسے موڑ پر بھی آپ نے اپنی فطری ادا کو نہیں چھوڑا۔ اور مسکرا کر جواب اس طرح دیتے کہ سامنے والا خاموش ہوجاتا۔ یہ بہت ہی اونچے اخلاق اور اللہ والے کی پہچان ہے۔

مولانا عبدالمنان سلفی ایڈیٹر ماہنامہ ''السراج'' جھنڈا نگر نیپال ،آپ کے اخلاق کریمانہ پر بات کرتے ہوئے بطور شہادت بتلا رہے ہیں اور ''ماہنامہ السراج'' میں نقل بھی کیا ہے کہ ایک بار ان کے تجدید تعاقد کی ضرورت پیش آگئی، انہوں نے اتنے تزکیات متعلقہ ادارہ میں بھجوادئے کہ ذمہ داران حیرت زدہ رہ گئے۔ اتفاقاً ایک ذمہ دار سے میری ملاقات ہوگئی اور وہ پوچھ بیٹھے کہ شیخ! یہ عبدالرحمن کون ہے؟ جس کی تائید وتصدیق دسیوں معتبر اداروں اور فاضل علماء نے کی ہے۔ میں نے مختصراً عرض کیا کہ عبدالرحمن سراپا فیض ،ایسی شخصیت کا نام ہے جس کا احسان مند تقریباً ہندونیپال کا ہر ادارہ اور ہر عالم دین ہے۔(ماہنامہ السراج اگست ۲۰۱۸ء/ ۳۶)

آپ کے اونچے اخلاق پر فائز ہونے کی یہ ایک دلیل ہے۔اس طرح کے دسیوں اقوال علماء کرام کی جانب سے دوران تعزیت آئے۔سعودی سفارتخانہ کے ایک اہم اور باوقار شخصیت شیخ نورالہدیٰ حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ''مولوی عبدالرحمن صاحب قابل اعتماد اور ایماندار تھے۔انہیں جو بھی ذمہ داری دی جاتی اسے اچھی طرح اور ایمانداری سے ادا کرتے تھے''۔

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص آپ سے ایک مرتبہ مل لیتا وہ پھر آپ کو نہیں بھول پاتا، آپ کا مسکن تو شاہین باغ تھا مگر عموماً آپ سے ملاقات دفتر جمعیت اہل حدیث ہند، دفتر نوائے اسلام یا محترم محمد اسحاق صاحب کے چائے خانہ پر ہوتی۔

میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ جب بھی کوئی فون کرتا اور پوچھتا کہ آپ کہاں ہیں تو آپ صاف صاف بتلا دیتے کہ فلاں جگہ ہیں۔تاکہ آنے والے شخص کو پریشانی نہ ہو۔یہ ایک ایماندار شخص کی علامت ہے۔

عام طور سے لوگ خاندانی نزاع میں الجھے رہتے ہیں، مگر اپنی رائے دے کر خاموش ہوجاتے۔چونکہ آپ تعلقات استوار کرنے میں ماہر تھے، اس لئے کسی بھی فرد سے کہیں بھی ملنے سے جھجکتے نہیں تھے اور بلاکسی تردد کے ملاقات کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ مئوآئے، میری اپنی ضرورت کے تحت محترم ڈی ایم صاحب سے ملاقات ضروری تھی، آپ نے فوراً فون کیا، معلوم ہوا کہ ڈی ایم صاحب کسی فنکشن میں ہیں۔وہاں پہونچے، تقریب ختم ہوتے ہی بلاکسی رکاوٹ کے ڈی ایم صاحب کے پاس پہنچ گئے، اور کھڑے کھڑے ایک منٹ کا وقت لے کر اپنی پوری بات کہہ گئے۔ڈی ایم صاحب نے غور سے سنا اور اسے حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جہاں آپ نے دوسروں کی مدد کی اور اپنے اچھے اخلاق کا ثبوت دیا۔

فکر معاش اور رفاہی امور: تعلیم کی تکمیل کے بعد دہلی میں ہی رہ کر فن خطاطی کو ذریعہ معاش بنایا۔اور اس نئی دنیا میں قدم رکھا مگر یہ پیشہ آپ کو راس نہیں آیا۔اور اسے خیرباد کہا۔اس کے بعد ''جامعہ السید نذیر حسین'' دہلی میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔مگر قیدوبند کی اس زندگی پر آپ کی سیماب صفت طبیعت قانع نہیں ہوئی۔اور کیوں ہوتی جب کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ایسا کام لینا چاہتا تھا جس سے ایک مخلوق استفادہ کرے، اور ''خیر الناس من ینفع الناس'' کا حقیقی مصداق بنے، اور ہوا بھی یہی۔شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ کی تعمیری خدمات پر تعریف کرتے ہوئے کہا تھا ''آپ نے وہ کام کیا ہے جو ہمارے اسلاف نے نہیں کیا'' اسی طرح میں بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ''عزیز مکرم نے فرد سے لے کر جمعیت وجماعت اور اسکول ومدارس کے لئے جو کچھ کیا ہے اسے ذی علم اور باصلاحیت شخصیات بھی کرنے سے قاصر ہیں''۔

عزیز مکرم کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی رفاہی کام تھا۔ وہ بلاتفریق ہر ایک کے کام آتے تھے، نیپال اور ہندوستان کے دور دراز اور مختلف صوبوں کے ذمہ داران مدارس اپنے اپنے مسائل لے کر آتے اور آپ ہر مسئلہ اپنی فطری صلاحیت اور متعلقہ اداروں سے مضبوط تعلقات کی بنیاد پر حل کر کے ہی دم لیتے تھے۔ سیکڑوں سعودی افاضل ان کے رہین منت ہیں۔ مشکل سے مشکل کام کے لئے بھی آپ نے یہ نہیں کہا ''یہ کام نہیں ہوگا'' اسی وجہ سے آپکو ''حل المشکلات'' کہا جاتا تھا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی، نوائے اسلام دہلی، ندوۃ السنہ اٹوا، سدھارتھ نگر اور جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈا نگر نیپال کے آپ باقاعدہ مندوب تھے، ان اداروں کے امور کو ترجیحی بنیاد پر انجام دیتے تھے۔

بلا شبہ آپ کی وفات گھر و خاندان ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا خسارہ ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور مسبب الاسباب ہے مگر مستقبل قریب میں آپ کا کوئی بدل نہیں دکھائی پڑتا ہے۔

مرض اور وفات: رمضان سے دو مہینہ یا اس سے کچھ پہلے آپ کو پیلیا کی شکایت ہوئی۔ محلہ کے ڈاکٹروں سے علاج لیتے رہے، افاقہ نہ ہونے پر مجیدیہ ہاسپٹل گئے، وہاں چیک اپ (جانچ) کے بعد مرض کی خطرناکی کا احساس ہوا کہ پت کی تھیلی میں کینسر پنپ رہا ہے اس لئے مجیدیہ کے ڈاکٹر نے فوراً ایمس ریفر کر دیا، وہاں جانچ کے بعد کینسر کی تحقیق ہوگئی، اس لئے ڈاکٹر نے فوری آپریشن کی تاریخ متعین کر دی، مگر ''ما قدر اللہ کان'' اس تاریخ پر کسی وجہ سے آپریشن نہیں ہوسکا۔ اور جب دوبارہ تاریخ لی گئی تو اب ایک مہینہ سے بھی زیادہ کی تاریخ ملی، اس درمیان مرض بہت تیزی سے بڑھ گیا اور جب دوبارہ ایمس میں جانچ ہوئی تو ڈاکٹر نے آپریشن سے انکار کر دیا۔ اور دوائیں دے کر واپس بھیج دیا۔ آپ کی بیماری کی پوری تفصیل مجھے عزیز القدر ارشد سلمہ سے ملتی رہی جو دہلی ہی میں مقیم ہیں۔ جو برابر رابطے میں رہتے تھے۔ ویسے میں بھی براہ راست گفتگو کرتا رہا اور جب جب میں نے فون کیا اور بیماری کا معقول علاج کرنے کے لئے کہا تو اس کا جواب یہی دیتے رہے ''چچا جان کوئی خاص بات نہیں ہے، پت کی تھیلی کا منہ بند ہوگیا ہے، آپریشن ہوجائے گا سب ٹھیک ہوجائے گا ان شاء اللہ آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں''۔

رمضان کے پہلے عشرہ میں میں نے ۳/ ۴ مرتبہ ملاقات کیا۔ اور برابر علاج کے لئے تاکید کرتا رہا مگر میری طرح ہر ملاقاتی کو یہی تاثر دیتے رہے کہ کوئی خاص بات نہیں ہے، میں جلد صحتیاب ہوجاؤں گا، ان شاء اللہ۔ اخیر تک آپ کو اپنی صحتیابی کا مکمل یقین تھا اور دوسری جانب مرض کی سنگینی کا احساس بھی نہیں تھا۔

آپ کے چھوٹے بھائی عزیزم شیخ زین اللہ مدنی حفظہ اللہ سعودی جالیات میں موظف ہیں۔ آپ کی بیماری کی خبر سے کافی رنجیدہ تھے اور چھٹی لے کر دہلی آئے، لوگوں کی ہدایت پر آپ کے علاج کے لئے لکھنؤ اور ہماچل پردیش سے ایسی دوائیں لائے جس سے کئی لوگ صحتیاب ہوچکے تھے، مگر عزیز مکرم کے لئے بے اثر ثابت ہوئیں۔ سچ ہے ''لکل داء دواء إلا السام'' موت کے علاوہ ہر مرض کی دوا (موجود) ہے اور دوا بھی اسی وقت اثر کرتی ہے، جب اللہ تعالیٰ شفا بخشتا ہے، ورنہ نہیں، ہمارے عزیز کے متعلق یہی ہوا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

عزیز مکرم شیخ زین اللہ مدنی قدرے افاقہ ہونے پر والد محترم سے ملاقات کی غرض سے گھر (اگیا) آگئے چونکہ والد صاحب کومہ میں تھے اس لئے چند ایام گھر گذار کر اپنی والدہ کو ساتھ لے کر یکم اگست ۲۰۱۸ء کو دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ ۲/ اگست کو دہلی پہونچے، اور رات ۱۲/ بجے تک گھر کے سبھی افراد یکجا بیٹھ کر مختلف موضوع پر گفتگو کرتے رہے اور کچھ ہدایات بھی دیں، ۱۲/ بجے عزیز

مکرم مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ نے خود کہا: آپ لوگ سفر سے آئے ہیں تھکے ماندے ہیں جایئے آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر بعد سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے۔ یہ کہہ کر کہ آپ کو بھی آرام کی ضرورت ہے اس لئے ہم لوگ جا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد عزیز مکرم کی اہلیہ محترمہ آپ کو نزع کی حالت میں دیکھ کر گھبرا گئیں۔ اور لوگوں کو آواز دے کر بلانے لگیں، جب تک لوگ آتے آپ خود دائمی آرام کے لئے دنیا میں نہ جاگنے والی نیند سو گئے۔ رات کے تقریباً ڈھائی بجے تھے اپنے پیچھے بھرا پڑا خاندان، چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بیمار اہلیہ، کومہ میں رہنے والے والد محترم اور بے شمار مخلص احباب کو روتا بلکتا چھوڑ گئے۔ اسی وقت سے آپ کو آبائی گاؤں ''اگیا'' لانے کے لئے تیاری شروع ہوگئی عزیز القدر مولانا ارشد سلمہ، عزیز مکرم مولانا محمد مستقیم سلمہ، عزیزم شیخ زین اللہ مدنی اور دیگر احباب مخلصین نے سواری کا انتظام کیا اور صبح سویرے تقریباً ساڑھے چھ بجے دہلی سے چل کر شام چھ بجے کے قریب ''اگیا'' پہنچ گئے۔ بعد نماز مغرب جنازہ و تدفین ہوئی۔ خراب موسم اور بارش کے باوجود علماء اور خواص کی معتدبہ تعداد موجود تھی، اس سے آپ کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی کی بات حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قبر کو کشادہ کرے، بال بال مغفرت فرمائے، بشری لغزشوں کو معاف فرمائے، جنت الفردوس میں اونچا مقام عطا کرے۔ ان کے کمسن معصوم بچوں، اہلیہ محترمہ کی حفاظت کا غیب سے انتظام فرمادے اور مجبور، بیمار والدین اور تمام محسنین اور مخلص احباب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

اولاد و احفاد: عزیز مکرم مولانا عبدالرحمن ریاضی رحمہ اللہ اپنے ۳/ بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی عزیزم عبداللہ سلمہ ہیں جو گھر رہ کر کھیتی باری کرتے ہیں، دوسرے اور سب سے چھوٹے بھائی شیخ زین اللہ مدنی ہیں جو جالیات سعودی عرب میں موظف ہیں۔ یہ دونوں حضرات صاحب اولاد ہیں اور اپنی زندگی جی رہے ہیں۔ عزیز مکرم رحمہ اللہ کی پانچ اولاد تین بیٹیاں، اور دو بیٹے ہیں۔ بڑی بچی کی عمر تقریباً ۱۱/ سال ہے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے ۳/ اگست ۲۰۱۸ء کو وفات کے دن صرف ۲۲ دن کے تھے۔ آپ کے والدین بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ آپ کی والدہ تو قدرے بہتر ہیں اور چل پھر لیتی ہیں لیکن والد محترم کافی دنوں سے بیمار ہیں اور آج کل کومہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کامل و عاجل عطا فرمائے۔ ان کا سایہ تادیر ان یتیم بچوں پر رکھے، غیب سے ان کی کفالت کا انتظام فرمادے۔ اور ملت اسلامیہ کو ان کا بدل عطا کرے۔ آمین۔

سوچتا ہوں جب اچانک کوئی بجھتا ہے چراغ
زندگی، یہ زندگی کیا زندگی کچھ بھی نہیں

□□□

سانحۂ ارتحال مولانا ولی محمد صاحبؒ بھوپال

وفات ۲۹/اگست ۲۰۱۸ء

آج مورخہ ۲۹/اگست ۲۰۱۸ء بروز بدھ بوقت نماز عصر جناب مولانا ولی محمد صاحب رحمانی بستوی کا انتقال ہوگیا، مولانا کی ولادت اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ نگر کے موضع ''بڑھنی خاص'' میں ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے منشی عظمت اللہ صاحب سے درجہ دوم تک حاصل کیا۔ اور قرآن مجید کی تعلیم اپنے نانا عبدالرحمن سے مکمل کی۔ وہاں چار سال تک تعلیم پانے کے بعد مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال چلے گئے۔ پھر وہاں سے جامعہ رحمانیہ بنارس میں دوسال تک چوتھی اور پانچویں کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جھنڈانگر نیپال واپس آکر چھٹی اور ساتویں کی تعلیم حاصل کی۔ بعدہ ریاض العلوم دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۸ء میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ ''چشمۂ صمد'' مئو ائمہ الہ آباد میں آکر مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے، دوسال تک مدرسہ چشمۂ صمد میں درس دیا۔ پھر وہاں سے خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانیؒ کے طلب پر جھنڈانگر آگئے اور کچھ سالوں تک تدریس سے وابستہ رہے پھر وہاں سے ۱۹۶۵ء میں گجرات کے ''سمی'' علاقہ میں دوسال تک امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں احمد آباد آگئے اور مسلسل آٹھ سال تک امامت وخطابت سے جڑے رہے۔ پھر وہاں سے مدھیہ پردیش کے بھوپال میں سکونت اختیار کرلی۔ اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں ممبئی کے وکرولی مسجد محمدی میں ایک سال تک امامت وخطابت کرنے کے بعد ممبئی سے بھوپال واپس آگئے اور یہاں پر تقریباً دس سال تک امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے لیکن چند وجوہات کی بناپر آگرہ چلے گئے۔ وہاں پر مدرسہ قاسم العلوم کلوگلی نائی کی منڈی میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ امامت وخطابت سے وابستہ ہوگئے۔ پھر وہاں سے واپس بھوپال آئے اور جامع مسجد اہل حدیث نیو کباڑ خانہ میں اپنی پرانی جگہ پر دوبارہ امامت وخطابت کے ساتھ درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ اور ۲۰۰۷ء میں سبکدوش ہوگئے۔ ۲۰۰۹ سے ۲۰۱۰ء تک مدرسہ آسیہ گرلس پبلک اسکول بسکوہر سدھارتھ نگر میں بھی درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ نے اپنے ٹھوس علمی پروگرام کی بنیاد پر چند کتابیں تالیف کی۔ جو عوام میں مفت تقسیم کی گئیں۔

۱۔ صلاۃ خیر الوریٰ، ۲۔ شعبۂ ایمان، ۳۔ حسن یوسف صدیق، ۴۔ احادیث خیر الوری بروایات ابی ہریرۃ، ۵۔ احادیث سید الکونین۔ دو حصے مکمل لکھ چکے تھے اور تیسرا حصہ لکھ ہی رہے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) فی الحال اس کتاب کی کمپوزنگ چل رہی ہے۔

جامع مسجد اہل حدیث بھوپال کا قیام وسنگ بنیاد آپ کی موجودگی میں ہوا، آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے مگر آپ نے سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ موصوف علم حدیث اور خاص طور پر علم فرائض کے ماہر تھے۔ گلستاں بوستاں کے اشعار آپ کو ازبر تھے، جو دوران تقریر زینت بنتے تھے۔ مہمان نوازی کا بہت شوق تھا۔ علماء کے بہت قدرداں تھے، حلال وحرام کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ بے پناہ علمی صلاحیت کے مالک تھے۔ برے لوگوں کی صحبت کو ہمیشہ ناپسند کیا، ۸۰ سال کی عمر پاکر داغ مفارقت دے گئے۔

پسماندگان میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں باحیات ہیں۔ نیز تین لڑکیوں کا آپ کی زندگی میں انتقال ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے، نیکیوں کو نجات کا ذریعہ بنائے ان کی لغزشوں کو درگزر فرماکر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

(مراسلہ از فرزند شیخ، بھوپال)

❑❑❑

معلّم قرآن حافظ وقاری عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

وفات: ۱۱/ستمبر ۲۰۱۸ء

مولانا عبدالمنان سلفی

مادر علمی جامعہ سلفیہ بنارس کے باوقار استاد اور وہاں شعبۂ تحفیظ کے سابق سربراہ جناب حافظ وقاری عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ ۱۱/ ستمبر ۲۰۱۸ء بروز منگل بوقت صبح ۱۰ بج کر ۳۰ منٹ قدرے طویل علالت کے بعد جھنڈا نگر میں رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاری عبدالحکیم فیضی ایک فرض شناس، باوقار، ہردل عزیز اصول پسند اور مشفق استاد کے ساتھ نہایت خوش اخلاق، مہمان نواز، ظاہر وباطن کے اُجلے، صاف گوانسان اور نہایت محتاط زندگی گذارنے والے مردمومن تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں گوناگوں اوصاف حمیدہ سے متصف فرمایا تھا اور بڑی سعادتوں سے نوازا تھا، ان کی سب بڑی سعادت یہ تھی کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ قرآن مقدس پڑھنے پڑھانے میں گذرا اور وہ بجا طور پر حدیث نبوی ’’خیرکم من تعلم القرآن وعلمه‘‘ کا مصداق بنے، اللہ تعالیٰ ان کی اس قرآنی خدمت کو قبول فرمائے اور اسے ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ کا آبائی وطن مشہور مردم خیز اہل حدیث بستی شنکرنگر، ضلع بلرام پور (سابق گونڈہ) ہے، وہیں ان کی پیدائش ۱۹۴۶ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مدرسہ نصرۃ السلام شنکرنگر میں پائی، پھر مدرسہ سراج العلوم بونڈیہار تشریف لے گئے اور ۱۳/ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل کی سعادت حاصل کی، عربی تعلیم کے لئے کچھ دنوں جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر سے بھی فیضیاب ہوئے اور مدرسہ فیض عام سے فراغت حاصل کی۔

حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ کا جھنڈا نگر کے معروف اہل اللہ بزرگ میاں محمد زکریا رحمہ اللہ کے خانوادہ سے مصاہرت کا رشتہ تھا اور موصوف حضرت میاں صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا ابوالبرکات رحمانی رحمہ اللہ کے سب سے بڑے داماد تھے، اس خاندان سے میرا بھی پرانا رشتہ ہے، میری ایک خالہ میاں صاحب کے دوسرے صاحبزادے منشی عبدالتوابؒ سے منسوب تھیں اور میری سب سے بڑی پھوپھی میاں صاحبؒ کے تیسرے فرزند مولانا عبدالوہاب ریاضیؒ کے عقد میں تھیں، پھر بعد میں مجھے مولانا ریاضی کی دامادی کا شرف حاصل ہوا، اس طرح حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ رشتہ میں میرے ہم زلف ہوگئے، گوکہ عمر میں ہم دونوں کے مابین کم وبیش چودہ پندرہ سال کا تفاوت تھا، اس رشتہ کی بنیاد پر ہم سب بلکہ جھنڈا نگر کے اکثر لوگ حافظ صاحب کو احتراماً ’’بھائی جان‘‘ کہا کرتے تھے اور وہ اسی عرفی لقب سے جانے جاتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد غالباً موصوف نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جھنڈا نگر وبڑھنی سے متصل اہل حدیث بستی ملگہیا سے

کیا، جہاں آپ نے کئی سالوں تک روایتی طریقہ سے ہٹ کر بالکل منفرد انداز میں بچوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا، کچھ دنوں تک آپ نے کھنڈیلہ راجستھان میں بھی تعلیم دی، دوتین مہینہ جھنڈا نگر کے شعبۂ تحفیظ میں بھی آپ نے خدمت انجام دی، اور بعد میں کئی سال گورکھپور کے قصبہ بھٹہٹ سے متصل سکھنی گاؤں میں کئی سالوں تک تعلیم دی، اور پھر ۱۹۷۷ء سے لے کر ایک سال قبل تک تقریباً چالیس برس کا طویل عرصہ موصوف نے جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبۂ تحفیظ میں تدریس کا بے مثال فریضہ انجام دینے میں صرف کیا، اس دوران ہزاروں حفاظ وقراء کو فارغ کیا اور اپنے اخلاص اور حسن اخلاق کے گہرے نقوش ان میں ثبت کئے، جامعہ سلفیہ بنارس کی خدمت کے اس طویل دورانیہ میں موصوف نے اپنی فرض شناسی، حسن اخلاق اور تدریس میں بے مثال دلچسپی کے سبب وہاں کے ذمہ داران اور اساتذہ کو متاثر کیا اور سبھی ان کے قدرداں ہوگئے، اس پورے دور میں ماسٹر احمد حسین بستوی اور مولانا حکیم محمد عیسیٰ سلفی جو حافظ صاحب کے ہم زلف بھی ہیں اور جامعہ میں مدرس بھی ان کے ساتھ طویل مخلصانہ رفاقت رہی۔

حافظ عبدالحکیم فیضی گوناگوں خوبیوں کے مالک اور حسن اخلاق کا پیکر تھے، ایک بار ان سے جس کی ملاقات ہوجاتی وہ موصوف کا گرویدہ ہوجاتا تھا، ہنستے مسکراتے چہرے سے ملتے اور حسب مراتب ہر ایک کی قدر کرتے، مہمان نوازی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، گھر کے علاوہ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی ان کی سخاوت کا دریا بہتا رہتا تھا، فجر کی نماز کے بعد اپنے کمرہ میں خود چائے بناتے اور اس کے لوازمات کے ساتھ متعدد اساتذہ کی ضیافت کرتے، اگر کوئی مہمان ہوتا تو کھانا ہوٹل سے منگوا لیتے یا سالن وغیرہ خود تیار کرتے، بڑے نستعلیق، نظافت پسند، سلیقہ مند اور باذوق انسان تھے، کپڑے، ٹوپی اور جوتے چپل وغیرہ موسم کے لحاظ سے پہنتے جو ہمیشہ صاف شفاف رہتے تھے۔

حافظ صاحب کے تعلقات اپنی جماعت کے اکثر بڑے علماء سے تھے، اسی طرح جہاں انہوں نے پڑھایا ہے وہاں کے لوگوں سے بھی مستقل رابطہ رکھتے، ان کے یہاں آتے جاتے، اپنے خاص شاگردوں سے بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے انہیں اپنے یہاں تقریبات میں مدعو کرتے اور کبھی کبھار ان کے یہاں خود جاتے، میری دانست کے مطابق مدنپورہ بنارس، رہٹی ضلع جون پور، جیراج پور اعظم گڑھ اور بھدوہی وغیرہ سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا، جہاں ان کے عقیدت مندوں اور محبین کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ ان کی تربیت کا انداز بڑا اچھوتا تھا، بڑی شفقت سے طلبہ کی تربیت فرماتے تھے، اس لئے طلبہ ان کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔

حافظ صاحب کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ نہایت صاف گو تھے، لگی لپٹی بات نہ خود کرتے نہ اسے سننا پسند کرتے تھے، بلکہ سلیقہ مندی سے غلط کو غلط کہہ دیتے تھے، اور اس معاملہ میں انہیں کسی کی پرواہ نہ ہوتی، جامعہ سلفیہ بنارس کے ذمہ داران واساتذہ کی میٹنگوں میں جب اکثر اساتذہ چپی سادھے بیٹھے رہتے تھے تو موصوف جامعہ کے مفاد کے پیش نظر اپنا موقف پوری ایمانی جرأت کے ساتھ پیش کرتے اور چونکہ ان کا رویہ مخلصانہ ہوتا تھا اس لئے ذمہ داران بھی کبھی برا نہ مانتے، بلکہ ان کی رائے کو بسا اوقات قبول بھی کرتے، حافظ صاحب ان خوبیوں کے ساتھ ایک اچھے منتظم بھی تھے، اس لئے جامعہ سلفیہ کے اکثر چھوٹے بڑے پروگراموں میں انہیں مہمانوں کے استقبال اور ضیافت کی ذمہ داری دی جاتی اور وہ اپنی ٹیم کے ساتھ یہ فریضہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام بھی دیتے۔

حافظ صاحب مجود قاری تھے، اس لئے ہندونیپال میں حفظ قرآن وتجوید کے ملک گیر مسابقات میں وہ حکم کے طور پر مدعو کئے جاتے تھے، موصوف صرف ''حافظ جی'' نہیں تھے، وہ ایک مستند عالم، اچھے خطیب وواعظ بھی تھے اور بڑی سنجیدہ تقریر کرتے تھے، لکھنے کا بھی ہنر جانتے تھے،لیکن اس جانب توجہ نہیں فرماسکے، بہت پہلے ان کا کتابچہ سیرت ابراہیمی پر شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ''اور ابراہیم خلیل ہوگئے''۔

عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد وہ جھنڈانگر میں آباد ہوگئے اور یہیں کے ہو رہے، ایک محتاط اندازہ کے مطابق چالیس پینتالیس سال وہ جامعہ سراج العلوم کے مختلف رہائشی مکانات میں بہ طور کرایہ دار رہے، اور ایک زمانہ تک انہیں سر چھپانے کے لئے مکان بنانے کا موقعہ نہ ملا، تقریبا دس سال پہلے انہوں نے اپنے ہم زلف حاجی عبدالصبور انصاری کے تعاون سے انہیں کے پڑوس میں ایک زمین حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور پھر تنکے جمع کر کے اس پر اپنا آشیانہ بنالیا اور سالوں کا ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا، اور پھر اپنے اسی مکان میں انہوں نے آخری سانس لی۔

تقریباً ایک سال پہلے بنارس میں انہیں دل کا دورہ پڑا، اور وہاں فوری طور پر علاج ہوا اور کچھ افاقہ کے بعد گھر آ گئے، پھر انہیں لکھنؤ لاری کارڈیالوجی لے جایا گیا اور وہاں کا علاج چلتا رہا اور اتنا افاقہ ہوا کہ وہ مسجد تک آنے جانے لگے، ناگپور سے انہوں نے کچھ دوائیں لیں مگر صورت حال یہ ہوگئی کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخری ایک مہینہ میں کافی کمزور ہو گئے تھے اور خود سے اٹھنا بیٹھنا بھی ممکن نہ تھا، ان کے بچوں نے پوری توجہ کے ساتھ خدمت کی، مگر وقت موعود آپہنچا اور ایک باغ وبہار اور سراپا فیض شخصیت ہمارے درمیان سے رخصت ہوگئی، نماز جنازہ میں علماء اور عوام کا بڑا اژدحام تھا، جامعہ سلفیہ سے شیخ اسعد اعظمی، مکتبہ سلفیہ کے ذمہ دار مولانا معین الدین سلفی، حفظ کے تقریباً تمام اساتذہ اور بنارس کے کئی حضرات کے علاوہ مولانا عبدالشکور اثری اپنی سنگین بیماری کے باوجود شریک جنازہ ہوئے، حافظ صاحب کے دیرینہ رفیق ماسٹر احمد حسین بستوی سابق استاد جامعہ سلفیہ اور ان کے ہم زلف مولانا محمد عیسی سلفی صاحبان نے بھی جنازہ میں شرکت کی، ان کے علاوہ ہندونیپال کے اضلاع سدھارتھ نگر، بلرام پور، کپل وستو وروپندیہی کے مدارس کے ذمہ داران اور اساتذہ وطلبہ نے بڑی تعداد میں شرکت کی، نماز جنازہ ۱۲/ستمبر بروز بدھ بوقت ۹/بجے صبح ان کے بیٹے مولوی عبدالعلی عالیاوی سلمہ اللہ نے پڑھائی اور جھنڈانگر کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہوئے، ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ ان کے بیٹے حافظ عبدالولی، مولوی عبدالعلی، حافظ عبدالقوی، عبدالحئی، عبدالعلیم اور حافظ عبدالآخر کے علاوہ بیٹیوں، پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بھرا پرا خاندان ہے، اللہ سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور حافظ صاحب کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله وادخله الفردوس الاعلى من الجنة وأمطر عليه شآبيب رحمتك يا أرحم الراحمين۔

❑❑❑

مشہور مقرئ حافظ عبدالحکیم فیضی رحمہ اللہ

وفات ستمبر ۲۰۱۸ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

بڑے دکھ کی بات ہے کہ آج ۱۱/ستمبر بروز سوموار/۱۱ بجے دن کو جماعت اور جامعہ سلفیہ بنارس کے ایک عظیم وقدیم استاذ اور مشہور قاری وحافظ جناب عبدالحکیم فیضی، جھنڈا نگری ہم سے رخصت ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ غریق رحمت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ موصوف کئی نسلوں کے مربی، محفظ اور معلم قرآن تھے اور برسوں سے مرکزی دارالعلوم بنارس میں خدمات انجام دے رہے تھے، کئی دہائیوں پہلے غالباً بنارس سے قبل آپ نے کئی سالوں تک ہمارے آبائی وطن موضع ملگھیا سدھارتھ نگر میں واقع مدرسہ بحرالعلوم میں بھی تدریسی خدمات انجام دی ہیں، ہمارے خاندان کے آج ۵۰ سے اوپر عمر والے اکثر افراد کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوگا، مسلسل آپ کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا، خاص طور پر ابا مرحوم سے بے حد گہرے روابط تھے، جس کی وجہ سے ہم لوگ جامعہ سلفیہ میں آپ کی ہی سرپرستی ونگرانی میں تعلیم حاصل کرتے تھے، انتہائی سنجیدہ، باوقار، نفاست پسند، خوش گفتار اور خوش اخلاق، متدین وایماندار، اور مخلصانہ وہمدردانہ طبیعت کے مالک تھے، جہاں بھی رہے علماء وطلباء کے بے حد قدردان رہے اور پوری شان وشوکت اور مومنانہ طرز زندگی کا نمونہ بنے رہے، ٹرین کا سفر ہو یا چھٹیوں کا موسم یا جامعہ سلفیہ کے تعلیمی مراحل ہر جگہ اور ہر آن آپ ہمیشہ اپنی مشفقانہ طبیعت سے ہمارے دلوں کو جیت لیا کرتے تھے، جھنڈا نگر اور بڑھنی کا بازار ہو یا سراج العلوم کا وسیع صحن یا بڑھنی کا پرانا اسٹیشن اور پلیٹ فارم یا پھر بنارس کے مشہور اہل حدیث محلات ہر جگہ اپنے خوبرو اور وجیہ چہرے اور خوبصورت ونفیس لباس اور حلیہ جمیلہ وصحتمند وتوانا جسم سے پہچان لئے جایا کرتے تھے، ہمیشہ ہم طلبہ کو آپ نے اخلاص، محبت اور تعلیم میں محنت وجد وجہد کی نصیحت کی، اور خیر وبھلائی کی زندگی گزارنے اور اس پر پابندی سے جینے اور مرنے کی وصیت فرمائی، جب بھی ملے اول آن میں نام گاؤں سے پہچان لیتے، اور ہمیشہ گاؤں خاندان اور قرب وجوار کے لوگوں کو ایسے پوچھتے جیسے کہ سب کے نام ونسب اور پتے نوک زبان پر ہوں، جامعہ سلفیہ بنارس کے علاوہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے مسابقہ حفظ قرآن میں اکثر وبیشتر لجنۃ التحکیم میں مدعو کئے جاتے، انتہائی زندہ دل اور حساس طبیعت کے مالک تھے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بنارس سے جھنڈا نگر بڑھنی پہنچے ہیں اور اسٹیشن ومال گودام روڈ، سے پوری آن بان سے اپنے گھر جا رہے ہیں۔ مگر موت سے کس کو رستگاری ہے، کافی سالوں سے عارضہ قلب کے شکار ہوگئے تھے، علاج ومعالجہ چل رہا تھا، پچھلے سال گھر پر عیادت کا موقع ملا تھا، بلا چائے پئے جانے پر بضد ہوگئے، اور کوئی عذر ومعذرت کام نہ آئی، ادھر دو تین دنوں سے پھر طبیعت کی ناسازی کی خبریں مل رہی تھیں، کسے پتہ تھا کہ پھر ملاقات نہ ہوگی، بہر حال وقت موعود آپہنچا اور بلا آخر آج صبح ۱۱/ بجے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللھم اغفرلہ وارحمہ وأسکنہ الفردوس۔

پسماندگان میں آپ کے بچے عزیزان گرامی عبدالعلی، عبدالقوی ودیگر افراد خانہ، آپ کے داماد مولانا ریاض سلفی اونرہوا، جھنڈا نگر اور قرب وجوار کے آپ کے تمام محبین اور جملہ شاگردان اور سب رشتہ داروں کو اللہ صبر وسکون عطا فرمائے اور حافظ صاحب کی مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین تقبل یا رب العالمین۔

❑❑❑

آہ! ڈاکٹر عبدالدیان انصاری، پنجاب

وفات ۱۵/ستمبر ۲۰۱۸ء

منصور عالم کارگزار ناظم اعلیٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب

ڈاکٹر عبدالدیان انصاری صاحب رحمہ اللہ سابق ناظم وسابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب ان غیور، بے باک اور صریح موقف وشان بان والے آدمی تھے جو کسی سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے، جمعیت وجماعت کی بھلائی وبہی خواہی ہمیشہ پیش نظر رہتی تھی، دینی وجماعتی معاملے میں ادنیٰ ہیر پھیر نہ جانتے تھے اور نہ ہی اسے برداشت کرتے تھے۔ دین کے نام پر سیاست اور جماعت کی ہمدردی کے نام پر جتنی لغویات اور لایعنیات بکے اور کہے جاتے تھے، ان سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ زمینی آدمی تھے اور جماعت وملت کو سمجھتے تھے اور اس میں گہری جانکاری ودلچسپی رکھنے کی وجہ سے حقائق اور سچائیوں پر نظر تھی۔ اس لئے ان سرپھروں اور زبانی جمع خرچ کرتے رہنے والے مصلحین ومفسدین کو یہی نہیں کہ پہچانتے تھے بلکہ ان کو منہ توڑ اور مسکت جواب دیتے تھے۔ ان کے بعض بہت قریبی جن کو قلم پکڑنے کا قدرے شعور آ گیا ہے اور بعض عالمی منظمات وجمعیات واقوام پر ادھر ادھر سے کچھ جمع کر دینے کا گر سیکھ لینے کو اپنی علمی وفکری معراج کی انتہا مانتے ہیں، ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان اقوام وجماعات کی جن سازشوں کا تذکرہ ہمارے بعض عزیز کرتے ہیں، لگتا ہے وہ ان ہتھکنڈوں کو بلاوجہ جماعت وجمعیت اور شخصیات کے لئے استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے ان کو مسکت اور کرارا جواب دے کر راحت محسوس کرتے تھے۔ نصیحت بھی فرماتے تھے اور تعصّبات کے بدبودار وملعون ہونے کی وجہ سے بچنے کی تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔

شنکر نگر کی زرخیز مگر غضب انگیز بستی کے معزز باشندے ہونے کے باوجود مسائل کو خوب پرکھ کر سنجیدہ موقف اختیار کرتے اور اسی میں جماعت وجمعیت اور منہج کتاب وسنت کی بھلائی سمجھتے تھے۔ ان سلبیات سے کوسوں دور ونفور تھے جو آج کل مصلح نما مفسدوں، عالم نما جہلا اور خیر خواہ نما بدخواہوں سے آئے دن سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ ہر تعمیر میں تخریب فرمائی کہ اس کا وجود ختم ہو کر رہ جائے آج ناقدین کا شیوہ بنتا جا رہا ہے۔ گویا وہ ناقد ومصلح نہیں تخریب کار اور فسادی ہوں۔ ایسے وقت میں ڈاکٹر صاحب جیسے لوگوں کی کیا اہمیت وضرورت تھی وہ کام کرنے اور کرانے والے ہی جانتے ہیں۔ وہ یہی نہیں کہ جمعیت کے کاموں میں دست وبازو بنتے تھے بلکہ معاون ومددگار کے ساتھ ہتھیار اور تلوار بر سر گردن اشرار بھی رہتے تھے۔ جماعت وجمعیت کے

کاموں سے انتہائی دلچسپی، لگن اور محنت کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھوں سے خرچ بھی کرتے تھے۔ وہ اس بات کے حق دار و سزاوار ہیں کہ ''اذکرو امحاسن موتاکم'' کے پیش نظر بھی ان کے متعلقین ان کے سلسلے میں لکھیں۔ خوشی ہے کہ عزیز مکرم جناب منصور عالم صاحب کارگزار ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب نے اپنے مضمون میں ان کی زندگی کے کئی اہم گوشوں پر مختصراً روشنی ڈالی ہے، جسے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ الغرض خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ اللہ مغفرت فرمائے، پسماندگان خصوصاً صاحبزادگان انور انصاری صاحب اور اکمل انصاری صاحب اور صاحبزادی کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور جماعت وجمعیت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ (ادارہ ترجمان)

● ● ● ● ● ● ● ● ●

ڈاکٹر عبدالدیان رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات قریباً ۱۵/سال پہلے ہوئی تھی۔ جب ان کا ٹرانسفر جھٹ گاؤں میں ہوا تھا۔ جو مالیر کوٹلہ سے ۲۰ کلومیٹر فاصلے پر ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے اکثر جامع مسجد اہل حدیث تشریف لاتے تھے، اور بہت سے لوگوں سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ جماعت وجمعیت کے لوگوں سے بڑے پر تپاک سے ملتے تھے۔

چونکہ میری دواؤں کی دوکان ہے وہ ہمیشہ نماز جمعہ کے بعد اپنی اور اپنے اہل خانہ کی دوائیں مجھ سے ہی خریدتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں آنے سے پہلے ان کی بائی پاس سرجری ہو چکی ہے اور اکثر ان کی دوائیں بھی اسی تعلق سے ہوتی تھیں۔

ڈاکٹر عبدالدیان انصاری رحمہ اللہ کا آبائی وطن شنکر نگر ضلع بلرام پور صوبہ اتر پردیش تھا۔ آپ نے ابتدائی دینی اور دنیاوی تعلیم گاؤں میں ہی حاصل کی اور انٹر کی تعلیم کے لئے بلرام پور چلے گئے اور آپ نے بی یو ایم ایس کی ڈگری طبیہ کالج پٹنہ بہار سے امتیازی نمبروں سے حاصل کی۔ ڈاکٹر عبدالدیان انصاری رحمہ اللہ پہلی مرتبہ پنجاب میں اپنی نوکری کے سلسلے میں ہی آئے تھے اور ان کا تقرر میڈیکل آفیسر یونانی کے طور پر ہو گیا۔ بعدازاں پنجاب گورنمنٹ کی شرائط کے مطابق پنجابی مضمون دسویں جماعت کے اسٹینڈرڈ کا پاس کیا۔ اور اس طرح آپ پنجاب سرکار کے صحت محکمہ کے مستقل موظف ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو خرافات، بدعات اور دنیاوی رسموں سے کوسوں دور تھا۔ آپ میں دین اور شریعت کی صحیح تصویر عام لوگوں تک پہنچانے کی تڑپ تھی۔ بدعات کے آپ سخت خلاف تھے۔ ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راہ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ جن پر چلنے پر ہی ایک سچے و پکے مسلمان کو منزل مل سکتی ہے۔

آپ نے پنجابی کا دسویں جماعت کا مضمون پاس کیا تھا۔ اس لئے آپ پنجابی زبان بہت اچھی طرح بولتے تھے اور پنجابی گورمکھی لپی میں لکھ بھی لیتے تھے۔ آپ نے قرآن شریف کے پنجابی ترجمے کی پروف ریڈنگ کی۔ آپ نے سلفی العقیدہ پنجابی زبان میں نماز کے کتابچے اور بہت سی دوسری مستند کتابوں کی پروف ریڈنگ اور ایڈیٹنگ کی۔ ان سب کتابوں کو عالم اسلام کے معروف اشاعتی ادارے دارالسلام ریاض، سعودی عربیہ نے شائع کیا۔ اللہ آپ کو اس کام کے لئے صدقہ جاریہ کا حصہ ضرور بنائے گا۔ ان شاء اللہ۔

ڈاکٹرعبدالدیان انصاری رحمہ اللہ نے ۲۰۰۳ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد مالیرکوٹلہ کو ہی اپنا مسکن بنایا۔ڈاکٹر صاحب کی قابلیت اوراہلیت کو دیکھتے ہوئے آپ کو پہلے جمعیت اہل حدیث پنجاب کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔اس ذمہ داری کوانہوں نے بڑے ہی احسن طریقے سے نبھایا۔آپ نے معاشرے کے سبھی لوگوں کو جمعیت اہل حدیث پنجاب کا فارم بھر کرممبر بنایا۔اوراسلامی تنظیموں میں کام کرنے کی ترغیب دلائی اوران کی افادیت اوراہمیت کولوگوں کے سامنے رکھا۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے اسلامی لٹریچر منگوا کر لوگوں میں مفت تقسیم کئے۔تاکہ لوگوں میں دین کے تئیں بیداری پیدا ہواور سماج میں لوگوں کے پیدا کردہ رسومات وخرافات سے امت مسلمہ بچے۔پنجاب میں اردو نہ جاننے والوں کے لئے قرآن شریف پنجابی ترجمے کے ساتھ مفت تقسیم کئے،نماز کی مختصر کتابیں گورمکھی رسم الخط میں شائع کیں جومفت تقسیم کی گئیں۔

ڈاکٹرعبدالدیان انصاری رحمہ اللہ بہت ہی آسان اورسادہ زبان میں لکھتے تھے ان کی تحریر میں روانی اورسلاست موجودتھی اوران کی زبان میں شگفتگی اور چاشنی بدرجہ اتم موجودتھی۔پڑھنے والا ان کے خط اورتحریر کو پڑھ کرلطف اندوز ہوتا تھا۔گرچہ وہ شاعر اورادیب نہیں تھے۔پھربھی ان کی بیسویں صدی کے شاعر اکبرالہ آبادی کے مزاحیہ اشعار،ڈاکٹر علامہ اقبال کے فکر انگیز اشعاراورکبیر کے دوہے زبانی یاد تھے۔اکثر ہم لوگوں کووہ برمحل شعرسنا کرمحظوظ کیا کرتے تھے۔

ڈاکٹرعبدالدیان انصاری رحمہ اللہ آخری دنوں میں جماعت اہل حدیث پنجاب کے امیر تھے۔پچھلے کچھ عرصے سے وہ متواتر بیمار چلے آرہے تھے۔کئی ڈاکٹروں اورمعالجوں کے مشورے کے بعد بھی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی۔ناسازطبیعت ہوتے ہوئے بھی وہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی میٹنگوں اور پروگراموں میں تواتر سے شامل ہوتے تھے۔آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ اورمجلس عاملہ دونوں کے ممبر تھے۔مرکز میں آپ کی علمیت اوردوراندیشی کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اوراکثر ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ سے مختلف امور پرمشورہ بھی طلب کیا جاتا تھا۔ان سب باتوں سے ان کی قدرومنزلت کا پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اپنی بیماری کی پریشانی کوتوبرداشت کررہے تھےاورساتھ ہی وہ جمعیت اہل حدیث پنجاب کے کاز کے بارے میں بھی فکرمند رہتے تھے۔انہوں نے اپنے انتقال سے دومہینے قبل اپنا استعفیٰ مجھے بھیج دیا تھا۔اوردوسری طرف جمعیت اہل حدیث پنجاب کی میقات بھی پوری ہونے والی تھی۔

آخرموت پرکس کا زورہے۔اپنی طویل علالت کے بعدڈاکٹر صاحب ۱۵/ستمبر ۲۰۱۸ءبعد دوپہرتین بجے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔اناللہ واناالیہ راجعون،انتقال کے وقت ان کی عمرتقریبا ۶۸ سال تھی۔آپ ۱۵/فروری ۲۰۰۷ءکواپنے محکمہ سے ریٹائر ہوئے تھے۔ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ بیٹے اورایک بیٹی ہے۔جمعیت اہل حدیث پنجاب غم کی اس گھڑی میں پسماندگان،متعلقین اورسوگواران سے اظہارتعزیت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی لغزشوں کومعاف کرے اوران کے درجات بلند کرے اورجنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔اور جملہ ارکان ولواحقین کوصبرجمیل عطافرمائے۔آمین

(جریدہ ترجمان/۱۵-۱دسمبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کا انتقال پُرملال

وفات اکتوبر ۲۰۱۸ء

شیخ اصغرعلی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی نے ہندوستان کی قدیم ترین دینی وتعلیمی درسگاہ احمدیہ سلفیہ آرہ بھوجپور، بہار کے ناظم اعلیٰ جناب ضیاء الحسن صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی موت کوقوم وملت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ ضیاء الحسن صاحب جن کا انتقال پرملال کل شام آٹھ بجے بعمر ۸۰ سال ہوگیا، اپنی خاندانی وجاہت، انتظامی قابلیت اورعلمی ترفع کی وجہ سے خاص وعام میں کافی معروف ومشہور تھے اور معززین شہر میں شمار ہوتے تھے۔آپ جین کالج آرہ میں فزکس کے ڈیموسٹریٹر رہے۔ پھرکتاب وسنت کی نشرواشاعت اوردینی تعلیم وتربیت کے فروغ کی طرف متوجہ ہوئے۔مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ جوکہ ہندوستان کی قدیم ترین دینی تعلیمی اقامتی درسگاہ اور بزرگوں کی یادگار رہے۔جس کی بنیاد یکتائے روزگار علامہ محدث ابومحمد ابراہیم آروی رحمہ اللہ نے ڈالی تھی اور جہاں اہم علمی اورتاریخی سالانہ اجتماع ''مذاکرۂ علمیہ'' کا آغاز کیا تھا جس میں ہندستان کے اکابر علماء ودانشوران شریک ہوتے تھے اوراس شرکت کواپنے لئے سرمایۂ امتیاز اورعلم وثقافت کی اعلیٰ سندگردانتے تھے اوراسی تاریخی تعلیمی دعوتی مرکز میں ۱۹۰۶ء کوسلفیان ہند کی متحدہ مرکزی تنظیم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس) کا قیام عمل میں آیا تھا، اوراسی تاریخی مذاکرۂ علمیہ میں مرکزی جمعیت کی سالانہ رپورٹ پیش کی جاتی تھی۔مرحوم ضیاء الحسن صاحب نے تقریباً پچاس سال قبل اس مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اس حال میں کوشش کی جب ادارہ مکمل طور پر دست بردزمانہ کا شکار ہو چکا تھا، اس کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا اوریگانہ زمانہ اورعالم میں روزگار اور یادگار اورمنتخب ومختار یہ مرکزعلم وعمل قصہ پارینہ بن چکا تھا۔مرحوم نے اسے زندہ وپائندہ بنادیا۔اورتعمیر وترقی کی راہ پر بتوفیق الٰہی گامزن کردیا۔جوان سب کے لئے صدقہ جاریہ بھی ہے اور یادگار بھی، اللہ اسے دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔آمین۔مرحوم تادم واپسیں اس کی تعمیر وترقی میں لگے رہے اوران کے دست راست وہمدم وہمراز انورعلی آروی نوجوانی سے ہی ان کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر وترقی کے لئے مرحوم ضیاء الحق صاحب کے زیرسایہ وزیرقیادت منتظم کارمہتمم، اوراول دستہ اورہدی خواں بنے رہے۔بلاشبہ مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ آپ کے لئے ''اوعلم ینتفع به'' کے مصداق صدقہ جاریہ ہے۔جس میں سینکڑوں طالبان علوم نبوت کتاب وسنت کا علم حاصل کررہے ہیں۔امیرمحترم نے مزید کہا کہ ضیاء الحسن صاحب کی دینی وابستگی اوردینی علم سے رغبت ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے اپنے بچوں کوعصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرایا۔سب نیک ہیں۔آپ کے فرزند ارجمند مولانا ابوناصر

رضاء الحسن سلفی ومدنی صدر مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ وحال مقیم دبئی مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہوئے جو دین وملت کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اوراپنے اسلاف کی یادگار کتاب وسنت کے علمبردار اوراپنے والدمحترم کے ذریعہ نشاۃ ثانیہ سے دوچار کئے ہوئے ادارہ کی تعمیر وترقی میں شب وروز کوشاں ہیں۔

امیر محترم نے کہا کہ جناب ضیاء الحسن صاحب کے مجھ سے ذاتی روابط تھے اوروہ مجھ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ افسوس کہ ان دنوں انگلستان میں پڑا ہوا ہوں اوران کے انتقال کی خبر تاخیر سے موصول ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان خصوصا صاحبزادگان اورصاحبزادی کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ اوراس کے ذمہ داران، اساتذہ اور طلباء اور جماعت وملت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ پانچ صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی، محبوب الحسن، عین الحسن، منیر الحسن، ثناء الحسن اورایک بیٹی اور پوتے پوتیاں ہیں۔ نماز جنازہ آج بعد نماز ظہر آپ کے صاحبزادے مولانا رضاء الحسن سلفی نے پڑھائی اور قبرستان روضہ محلہ آرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ (جریدہ ترجمان/ ۱۵-۱نومبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مولانا عبدالحفیظ سنابلی رحمہ اللہ سدھارتھ نگر

وفات نومبر ۲۰۱۸ء

مولانا جمیل احمد سنابلی

ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے اعلیٰ تعلیمی ادارہ جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی کے ایک ہونہار فارغ التحصیل مولانا عبدالحفیظ بن محمد یونس سنابلی تقریباً ۴۳ سال کی عمر میں اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالحفیظ صاحب کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر، یوپی کے مشہور گاؤں ٹکریا سے تھا، ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے مدارس سے حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ سنابل کا رخ کیا اور یہیں سے ۱۹۹۶ء میں سند فضیلت حاصل کی نیز آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے ڈپلومہ، ایڈوانس ڈپلومہ اور دہلی یونیورسٹی سے عربی میں ایم۔ اے۔ کیا بعدازاں ایم۔ اے انگلش میں داخلہ لیا لیکن خرابی صحت کی وجہ سے اسے مکمل نہ کرسکے۔ ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۸ء تک موضع ہٹوا، الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۲۰۰۹ء سے ۲۰۱۴ء تک سعودی سفارت خانہ، نئی دہلی کے ملحق ثقافی اوراس کے بعد ۲۰۱۸ء تک عراقی سفارت خانہ، نئی دہلی میں کام کیا۔ عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ متین، سنجیدہ، ملنسار، خوش طبع مخلص اور باوقار شخصیت کے حامل تھے، اہل علم اور حلقۂ احباب میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

موصوف کی طبیعت ۲۰۱۶ء سے ہی خراب چل رہی تھی۔ اس دوران ہولی فیملی ہاسپٹل، نئی دہلی، پنت ہاسپٹل، نئی دہلی میں زیر علاج رہے اور پھر ایمس ہاسپٹل، نئی دہلی میں علاج کے دوران مختلف اوقات میں ان کے لیور کے پانچ آپریشن ہوئے، آخری آپریشن ۱۴/اگست ۲۰۱۸ء کو ہوا جس کے بعد طبیعت بگڑتی چلی گئی اور بالآخر ۱۲/نومبر بروز پیر بعد صلاۃ مغرب ۶/بج کر ۲۰/منٹ پر انتقال

کر گئے ۔اگلے دن بعد صلاۃ ظہر جامعہ اسلامیہ سنابل کے وسیع میدان میں ان کی صلاۃ جنازہ ادا کی گئی ۔صلاۃ جنازہ ان کے چچازاد بھائی مولانا عبدالشکور صاحب رحمانی حفظہ اللہ نے پڑھائی ۔

پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے اور دو بیٹیاں، والدہ، چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سارے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے اور بچوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور عبدالحفیظ صاحب رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ۔آمین ۱۲/نومبر کو بعد صلاۃ عصر سنٹر کے صدر مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ اپنے بعض رفقاء کار کے ساتھ عبدالحفیظ صاحب کی عیادت کے لئے ان کے گھر گئے ،عیادت کے بعد واپس اپنے گھر پہنچے ہی تھے کہ انتقال کی خبر ملی ۔صدر محترم اور ادارہ کے دیگر ذمہ داران پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ (التبیان نومبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی ، بنگال

وفات نومبر ۲۰۱۸ء

اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے معروف عالم دین، اردو، ہندی اور بنگلہ کے خطیب اور مغربی بنگال کے قدیم تعلیمی وتربیتی ادارہ جامعہ اسلامیہ اصلاح المومنین سعید پور، دلیل پور، مالدہ مغربی بنگال کے شیخ الحدیث مولانا مشتاق احمد قاسمی کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وغم کا افسوس کیا ہے اوران کی موت کو علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ مولانا مشتاق احمد قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔انہوں نے بتیس سالوں تک جامعہ اسلامیہ اصلاح المومنین مالدہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔ وہ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ اور ردِ قادیانیت میں مصروف رہے۔مورخہ ۱۷/نومبر ۲۰۱۸ء کو بعارضہ کینسر بعمر ۵۶/سال مالک حقیقی سے جاملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گذشتہ کل بعد نماز ظہر تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ پسماندگان میں والد، بیوہ، تین لڑکے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

امیر محترم نے افسوس جتاتے ہوئے کہا کہ مرحوم کے چھوٹے حقیقی بھائی مولانا محمد اکرام سلفی کا ایک سال قبل ہی انتقال ہو گیا تھا۔ جو ایک جواں سال متحرک عالم دین تھے اور جماعت وجمعیت اور خیر کے کاموں میں آگے آگے رہتے تھے، وہ میرے ہونہار شاگردوں میں سے ایک پیارے شاگرد تھے،اس لئے ان خانوادے سے میرا ذاتی طور پر تعلق وہمدردی کا معاملہ رہا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے،لغزشوں سے درگذر فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جامعہ اسلامیہ اصلاح المومنین مالدہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔آمین۔

(جریدہ ترجمان/ ۱۵۔۱/دسمبر ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

استاد محترم حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی مئو کا سانحہ ارتحال

وفات ۱۱/ دسمبر ۲۰۱۸ء

مولانا فیضان اشرف/ مئو

برصغیر ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں لاتعداد مدارس قائم ہیں اور ان مدارس سے لاتعداد علماء فضلاء، حفاظ اور قراء پیدا ہو رہے ہیں اور کتاب وسنت کی آبیاری میں مشغول ہیں، کہیں کسی کے درس وتدریس میں مہارت کا ڈنکا بج رہا ہے کہیں وعظ وتذکیر کی محفلیں جمی ہوئی ہیں اور کہیں کسی کے تصنیف وتالیف کے ہنگامے جاری ہیں گویا ہر کوئی علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد اس کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ومصروف ہے اور حق تعالیٰ نے جس کو جتنی زندگی دی ہے، وہ اسے خدمت دین میں لگا رہا ہے اور اپنی محدود زندگی گزار کر اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہے اب تک میں نے جن اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا ہے ان میں ۱۰/ اساتذہ اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہیں۔

۱۔ حافظ وقاری بشیر، مئو (۲۰۰۳ء) ۲۔ ماسٹر اقبال جاوید، مئو (۲۰۱۱ء) ۳۔ مولانا شمس البشر فیضی، مئو (۲۰۱۴ء) ۴۔ مولانا اشفاق احمد مدنی، سدھارتھ نگر (۲۰۱۴ء) ۵۔ قاری عزیز اللہ مظاہری، مئو (۲۰۱۴ء) ٦۔ علامہ رئیس الاحرار ندوی، بھٹیا سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۰۹ء) ۷۔ ڈاکٹر حافظ مقتدیٰ حسن ازہری، مئو (۲۰۰۹ء)، ۸۔ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی، مغربی چمپارن، ۹۔ مولانا عبدالسلام مدنی، ٹکریا، سدھارتھ نگر، یوپی (۲۰۱۸ء) ۱۰۔ حافظ قاری مولانا محفوظ الرحمن مفتاحی، مئو (۲۰۱۴ء)۔

اول الذکر پانچ اساتذہ کرام جامعہ عالیہ عربیہ مئو کے اور موخر الذکر چار اساتذہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے اور ایک جامعہ مفتاح العلوم مئو کے استاذ تھے، اللہ تعالی ان اساتذہ کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

سب سے زیادہ صدمہ اس وقت ہوا جب ایک خوش مزاج اور ہمیشہ خنداں وفرحاں رہنے والے استاذ صرف ۴۴ سال کی عمر میں موت کی آغوش میں چلے گئے اور اپنے متعلقین، احباب ورفقاء، اساتذہ، تلامذہ، اور اعزہ اور اقارب کو غم واندوہ کے اتھاہ سمندر میں غرقاب چھوڑ گئے، مگر اس کو کیا کہیے!!! موت کا قانون ہمہ گیر ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں اور حسب فرمان الہی تمام مخلوقات کو (کُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فان) ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے اور (كُلُ نَفۡس ذائقَةُ الۡمَوۡتِ) ''ہر سانس لینے والے کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔

موت کے قانون کا پابند قانون حیات
موت کی زد میں بہر لحظہ ہے پوری کائنات

ہر چند کہ تقلید شخصی اسلامی روح کے منافی ہے مگر شخصیت فراموشی اور بڑوں کا احترام واکرام نہ کرنا اسلامی اقدار کی پامالی ہے، اس

کے لئے علمائے دین اور صلحائے امت کا تذکرہ ضروری ہے تاکہ ان کے علم وعمل اور سیرت وکردار سے عبرت حاصل کرکے ہمیں سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق حاصل ہو اور ہم بھی ملک وقوم میں رشد وہدایت کا کام کرسکیں اسی جذبہ نے راقم السطور کو مہمیز کیا کہ اپنے استاذ محترم کی حیات وخدمات کو حیطۂ تحریر میں لاکر اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ ''جانے والوں کا اچھے انداز میں تذکرہ کرو'' فرمان نبوی ﷺ کو عملی جامہ پہنائیں۔

اور ہمیں معلوم ہے کہ سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے لئے انتہائی محنت، قلبی تعلق، والہانہ وابستگی اور معلومات کی فراوانی سب کچھ ضروری ہے، صاحب تذکرہ سے عقیدت کے بغیر اس کا سوانحی خاکہ وجود میں نہیں آسکتا ہے۔ چونکہ استاذ محترم کا تعلق بنگال سے ہے اس لئے ان کے گھریلو حالات کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں، چند یادداشت جو میں نے زمانہ طالب علمی میں حافظ صاحب سے حاصل کی تھی اسی کو مختصراً سپرد قرطاس کر رہا ہوں، ع:

کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

تاریخ ومقام پیدائش: حافظ قاری مولانا عبداللہ فیضی رحمۃ اللہ علیہ صوبہ مغربی بنگال کے ایک مشہور ضلع مرشد آباد کے علاقہ راتوری (ڈائیں) میں ۲۵ مئی ۱۹۷۶ء کو پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد کا نام عبدالستار اور دادا کا نام دوست محمد ہے، آپ کا آبائی پیشہ کھیتی باڑی ہے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم وادب کی سرزمین مئوناتھ بھنجن تشریف لائے، سب سے پہلے مدرسہ دارالعلوم مئو کے شعبۂ تحفیظ القرآن میں داخلہ لے کر اپنے سینے کو کلام الٰہی سے معمور کیا، وہیں سے حدر وتجوید کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں قرآن وحدیث، فقہ اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا اور وہیں سے عالمیت اور فضیلت کی تعلیم مکمل کرکے ۲۰۰۱ء میں فراغت حاصل کی اس کے معاً بعد جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ میں شعبۂ تحفیظ القرآن میں مدرس مقرر ہوگئے۔ درس نظامیہ کے علاوہ آپ نے عربی فارسی الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل، دینیات، فاضل ادب، فاضل طب اور فاضل معقولات کی ڈگریاں حاصل کیں۔

جامعہ محمدیہ مئو میں تدریس کے ایام میں ہی جامعہ مفتاح العلوم مئو کے بہت ہی معتبر استاذ حافظ وقاری، مولانا ومفتی محفوظ الرحمن مفتاحیؒ شاہی امام سے قرأت سبعہ کی تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ کرام: آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام کے جن مایہ ناز اساتذہ کرام سے تعلیم وتربیت پائی تھی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ۱۔ مولانا مفتی محفوظ الرحمن فیضی سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ، ۲۔ حافظ قاری مولانا نثار احمد فیضی، ۳۔ مولانا عبدالحمید فیضی ریاضی، ۴۔ مولانا عبدالغنی فیضی سلفی سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ، ۵۔ مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم عالی مدنی، ۶۔ مولانا مظہر علی فیضی مدنی شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ، ۷۔ مولانا شکیل احمد اثری مدنیؒ (م ۲۰۰۸ء)، مولانا نسیم اختر فیضی، ۸۔ مولانا حماد الرحمن سلفی ریاضی، ۹۔ مولانا زین العابدین فیضی سلفی، ۱۰۔ مولانا ابوسعید فیضی ریاضی حفظہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔ اللہ رب العالمین ان تمام اساتذہ کرام کا ہم پر

تادیر سایہ قائم رکھے اوران کے علم سے ہم سب کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

ہم سبق علماء: آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں جن کے ساتھ کسب فیض کیا تھا ان میں سے مئو ناتھ بھنجن کے علماء کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ ۱۔مولانا جمیل احمد فیضی، ۲۔مولانا ماسٹر جاوید فیضی، ۳۔مولانا محمد شعیب فیضی، ۴۔مولانا شکیل احمد فیضی، ۵۔مولانا فیاض احمد فیضی، ۶۔مولانا مجاہدالاسلام فیضی بہار (متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) حفظہم اللہ۔اول الذکر صرف دوساتھیوں کو اپنے مادرعلمی کا مدرس بننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ان کے علاوہ یوپی، بہار، بنگال کے کئی ایک مولانا آپ کے رفیق درس تھے جن کے بارے میں معلومات نہیں ہوسکی۔

حافظ صاحب بحیثیت مدرس: آپ کی خوش قسمتی تھی کہ جس سال فارغ ہوئے اسی سال آپ کو جامعہ محمدیہ کھیدوپورہ مئو میں شعبۂ حفظ کا استاذ مقرر کردیا گیا، اس وقت سے لے کر وفات تک معہد زید بن ثابت لتحفیظ القرآن الکریم کے عمید کے فرائض انجام دیتے رہے، ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

جامعہ محمدیہ سے متصل مسجد پر ''معهد زيد بن ثابت رضى الله عنه لتحفيظ القرآن الكريم'' ہے اسی میں حافظ علیہ الرحمہ پڑھاتے تھے، اسی میں حافظ قاری مولانا ابوالفیض فیضی حفظہ اللہ بھی مدرس ہیں، دونوں آمنے سامنے بیٹھتے تھے اور ہم طلباء دونوں کے یمین وشمال حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے، دونوں اساتذہ پہلے تمام طلباء کے اسباق باری باری سنتے تھے پھر سبق پارہ اور پھر آموختہ سنتے تھے قرآن سنانے میں ہم لوگ بھولتے یا غلطی کرتے تو وہاں لال چپی لگواتے تھے تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو، اس کے علاوہ اپنے شاگردوں کو جبراً نفل نماز پڑھوا کر تراویح اور فرض نمازوں کی امامت کرنے کی عادت ڈالتے تھے اور یہ بات واضح رہے کہ حفظ قرآن کے لئے اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے دوہری محنت کی ضرورت پڑتی ہے، من جدّ وجد۔

آموختہ سننے کے بعد حافظ صاحب شعبۂ عربی کے آخری جماعت کے طلبہ کو ایک گھنٹی مشق قرأت کرانے چلے جاتے پھر واپس آکر تجوید کی کتاب پڑھاتے تھے۔آپ کی محنت کا نتیجہ ہے کہ میں نے آپ کو روزانہ ایک پاؤ سبق اور آدھا پارہ آموختہ سنا کر چھ مہینہ میں مکمل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرلی تھی۔

تلامذہ: آپ نے اپنے پیچھے شاگردوں کا ایک ہجوم چھوڑا ہے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف مئو کے ان طلباء کے اسمائے گرامی ذکر کروں جو میرے ہم عصر تھے: ۱۔حافظ مولانا محمد عارف سلفی (داعی مہاراشٹر)، ۲۔حافظ انور جمال اثری، ۳۔حافظ مولانا عباس نوشاد عالی (متعلم شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ) ۴۔حافظ قاری راشد جمال (متعلم جامعہ اسلامیہ دریا آباد)، ۵۔حافظ محمد شعیب (سعودی عرب)، ۶۔حافظ محمد آصف (قطر)، ۷۔حافظ اختر (کیرالا)، ۸۔حافظ قاری محمد آصف (کیرالا)، ۹۔حافظ محمد حماد، ۱۰۔حافظ مولانا فیصل فیضی (حیدرآباد)، ۱۱۔حافظ نغمہ خاتون وغیرہ۔ان کے علاوہ بہار بنگال کے طلبہ کی کثیر تعداد ہے جن کے اسماء یاد نہیں ہیں۔

امامت وخطابت: حافظ صاحب نے فیض عام کے زمانہ طالب علمی ہی سے امامت شروع کردی تھی، مئو میں جامعہ فیض عام

کے قریب عادل ہوٹل کے سامنے ''سبحانی مسجد'' میں پنج وقتہ پابندی سے امامت کرتے تھے، جامعہ محمدیہ سے منسلک ہونے کے بعد کھیدو پورہ محمدیہ کی مسجد میں امامت کرتے تھے، اس کے علاوہ حافظ ہونے کے بعد سے صرف پچھلے سال کو چھوڑ کر بلا ناغہ ہر سال تراویح کے فرائض چنئی اور کیرالا وغیرہ میں انجام دیتے رہے ہیں، آپ مئو کی مختلف مساجد میں گاہے بگاہے جمعہ کے خطبے بھی دیتے تھے، ایک خطبہ میں نے محمدیہ کی بڑی والی مسجد میں ''توکل'' کے موضوع پر سنا ہے خطاب کا انداز موثر اور ناصحانہ تھا۔ پہلے شہری جمعیت اہل حدیث کے ہفتہ واری پروگرام میں بھی شرکت کرتے تھے اور آپ کی تلاوت سے جلسے کا آغاز ہوتا تھا۔

معمولات زندگی: جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ شعبۂ حفظ کے استاذ اور ہاسٹل کے نگراں تھے کلی طور پر شعبۂ حفظ کی ذمہ داری آپ ہی کے سر پر تھی، صبح سے دوپہر تک تو طلباء کے سینوں میں کلام الٰہی اتارنے میں مصروف رہتے اس کے علاوہ طلباء کے داخلے کی کارروائی کرنا، ہاسٹل کی ذمہ داری کما حقہ ادا کرنا، طلباء کے رہن سہن، آنے جانے اور نمازوں میں حاضری وغیرہ دیکھنا پھر گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے عصر بعد کھیدو پورہ سے پیدل چل کر مرزا ہادی پورہ جاتے اور گھریلو ضروریات کے سامان لے کر پھر پیدل ہی مغرب سے پہلے پہلے آنے کی کوشش کرتے تھے اس کے علاوہ مئو کے دوسرے اداروں میں سالانہ انعامی مسابقہ کے موقع پر بحیثیت حکم اور ممتحن بلائے جاتے تھے، آپ کے حسن اخلاق، پابند شریعت اور وجیہ شکل وصورت سے لوگ بے حد متاثر تھے اور لوگ آپ سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، بیمار اور آسیب زدہ لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور دعا کراتے تھے اور ان کی دعا سے لوگوں کو بڑی راحت اور شفا ملتی تھی۔

حافظ صاحب سے میرے روابط: فضیلت کرنے کے بعد ۲۰۰۹ء میں، میں نے جامعہ محمدیہ میں داخلہ لیا تھا آپ نے میرا داخلہ اپنے ہی پاس لیا تھا اسی وقت سے بحیثیت استاذ شاگرد تعلق قائم رہا، فراغت کے بعد موبائل کے ذریعہ ہر ہفتہ علیک سلیک رہتا تھا، اپنی چھٹیوں میں بالمصافحہ ملاقات کرنے کے لئے مدرسہ ضرور جایا کرتا تھا اور آپ فارغین طلباء کی اسناد پر مجھ سے نام، پتہ اور نتیجہ وغیرہ کتابت کرواتے تھے، ۲۰۱۰ء میں کل ہند مرکزی جمعیت اہل حدیث کے مسابقے میں شرکت کے لئے مدرسہ کی طرف سے مجھے بھیجا تھا، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات مئو کے سالانہ انعامی مسابقہ میں ہم دونوں حکم کے فرائض بھی انجام دیے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم دونوں نے کیرالا کے مختلف اضلاع کالی کٹ، مالا پورم، کنور، اور تلشیری وغیرہ میں تراویح پڑھائی ہے وہاں ملاقات کے وقت ایک ساتھ مارکیٹنگ کرتے، سمندر کا نظارہ کرتے اور وہاں کے طرح طرح کے کھان پان اور حالات پر تبصرہ کرتے تھے۔

حافظ صاحب کی زندگی: اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حافظ صاحب کا آبائی وطن بنگال ہے مولانا شمیم احمد انصاری عمری (شیخ الجامعہ محمدیہ مئو) کے بقول: ''حافظ صاحب بہت چھوٹے تھے تبھی مئو آئے تھے ایک غریب گھرانے کے فرد تھے مئو میں سبحانی مسجد پر امامت کرتے تھے، وہیں سے آپ کی قرأت سن کر فراغت کے بعد ہم لوگ اپنے ادارے میں لائے تھے''

زمانہ طالب علمی میں اور مدرس ہونے کے بعد شادی ہونے تک مدرسہ کے مطبخ ہی کے کھانے پر اکتفا کرتے تھے، زمانہ طالب علمی میں ہاسٹل ہی میں رہتے تھے اور مدرس ہونے کے بعد بھی محمدیہ ہی کے ہاسٹل میں رہتے تھے، جب مہمان خانہ بنا تو مہمان خانہ

میں رہنے لگے، شادی ہونے کے بعد جامعہ محمدیہ کی پرانی بلڈنگ جس میں اس وقت بچیوں کی تعلیم ہوتی ہے اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنے لگے تھے جب آپ ۲۰۰۷ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اتر پردیش کی طرف سے آپ کو درجات عالیہ کا مدرس منظور کرلیا گیا اور سرکار سے ایڈ ملنے لگی تو آپ کی تنگی اور پریشانی دور ہوگئی اور محلہ کھیدوپورہ سے متصل ایک وسیع زمین خرید کر بڑا مکان تعمیر کرایا جس میں آپ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہنے لگے اور گاہے بگاہے آپ کے والدین، بھائی بہن اور دیگر رشتہ دار آکر رہتے تھے، اور سب کو عزت سے رکھتے تھے۔

آپ توسط اور اعتدال کو پسند فرماتے تھے، بخالت اور اسراف دونوں سے گریز کرتے تھے، کھانے پینے اور لباس میں بھی آپ معتدل رہتے تھے عموماً شلوار اور کرتا زیب تن کرتے تھے اور سفید گول ٹوپی پہنتے تھے جو نہ بہت اونچی ہوتی اور نہ بالکل سر سے چپکی، کپڑا نہ بہت معمولی ہوتا اور نہ ہی بہت مہنگا کبھی کبھی مخمل کی جناح کیپ بھی پہنتے تھے جاڑے کے موسم میں گول اون کی ٹوپی صدری اور کبھی جیکٹ بھی پہنتے تھے، آپ کی داڑھی لمبی اور گھنی تھی جس میں گاہے گاہے کنگھی کرتے تھے اور اس کی خاطر جیب میں کنگھی رکھتے تھے اور عطر کی شیشی بھی رکھ کر استعمال کرتے تھے، حسن کردار کے ساتھ ساتھ حسن خلق کی حامل بھی تھے، مخاطب کی زبان میں گفتگو کرتے تھے اردو والوں کے ساتھ اردو بولتے اور بنگلہ والوں کے ساتھ بنگالی بولتے تھے۔

آپ کا قد درمیانہ چہرہ بالکل صاف شفاف، گندمی رنگ کا تھا بڑے بڑے بال اور داڑھی کافی لمبی، گھنی اور کالی تھی مدرسہ میں سب سے بڑی داڑھی آپ ہی کی تھی، چہرے سے نورانیت ٹپکتی تھی اور حدیث نبوی ﷺ ''ولوان تلقى أخاك بوجه طلق'' پر عمل کرتے ہوئے اپنا ہو یا غیر سب سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے، اور بات میں ادب و شائستگی ہوتی تھی۔

اور ڈاکٹروں کے بقول ''۲۵/ ہزار میں ایک کیس ایسا ہوتا ہے'' حافظ صاحب کی بڑی والی ہی کڈنی خراب ہوگئی تھی ڈائلیسس کا سلسلہ بنارس میں چلتا تھا جب کچھ طبیعت ٹھیک ہوجاتی تو تدریسی خدمات انجام دینے لگتے ادھر مہینہ پہلے جب بیماری کی وجہ سے چلنے سے معذور ہوگئے تو اپنے شاگرد اور بہنوئی حافظ مولانا فیصل فیضی کو اپنی جگہ پڑھانے کے لئے عارضی طور پر متعین کردیا تھا، جب سے بیماری کی خبر ملی تھی بذریعہ فون خیریت پوچھتا رہتا تھا اور چار مرتبہ آپ کے گھر جاکر خیر خیریت لیا، آخری ملاقات آپ سے ۲۵/ نومبر ۲۰۱۸ء کو اپنے ایک دوست اور ماموں زاد بھائی حافظ عارف سلمہ کی شادی کے موقع پر میں گیا تھا حافظ عارف کا گھر آپ کے پڑوس ہی میں ہے، اسی دن آپ سے آخری ملاقات آپ کے گھر پر ہوئی تھی، اس وقت بالکل نحیف ہوچکے تھے اٹھنے بیٹھنے سے بھی قاصر ہوچکے تھے اپنے بھائیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور بار بار مجھ سے صحت یابی کے لئے دعاؤں کی درخواست کررہے تھے اور جب تک بیمار رہے جامعہ محمدیہ کے اساتذہ عیادت کے لئے ان کے گھر برابر جاتے رہے، خیر خیریت لیتے، تسلی دیتے، جو بنتا مشورہ دیتے اور صحت یابی کی دعائیں کرتے آخر وقت میں ایسی کیفیت ہوگئی تھی کہ جو بیان کرنے سے باہر ہے، بالآخر ۱۱/ دسمبر بروز منگل بعد صلاۃ مغرب جب میں اپنا واٹ شاپ کھولا تو ''حفاظ گروپ'' پر خبر ملی کی حافظ عبداللہ فیضی فاطمہ ہاسپٹل مئو میں انتقال کرگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے دن ۱۲/ دسمبر ۲۰۱۸ء بروز بدھ ایک بج کر دس منٹ پر قبرستان پچھم کھیدوپورہ مئو میں آپ ہی کے ہم سبق، شاگرد اور حقیقی بہنوئی حافظ قاری مولانا تفضّل حق فیضی کی امامت میں نماز جنازہ اور تدفین عمل میں لائی گئی جس میں مئو کے علماء طلباء اور خواص نے کافی

تعداد میں شرکت کی۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حافظ صاحب اور مولانا تفضّل حق دونوں کی فراغت جامعہ فیض عام سے ایک ہی ساتھ ہوئی ہے، فراغت کے بعد دونوں حضرات جامعہ محمدیہ آئے، حافظ صاحب بحیثیت استاذ اور مولانا تفضّل حق بحیثیت شاگرد حفظ کرنے آئے تھے اور حافظ صاحب ہی کے پاس انہوں نے حفظ کیا تھا اور یہیں سے حافظ صاحب نے اپنی بہن سے رشتہ کی بات چلائی اور شادی بھی کردی۔ استاذ محترم کے انتقال کے وقت میں لکھنؤ میں تھا جنازہ میں شرکت سے قاصر رہا لیکن میں اپنے استاذ محترم کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہوں گا۔ (اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر وعذاب النار)

شادی اور اولاد: حافظ صاحب کی شادی مغربی بنگال کے ضلع بیر بھوم میں محترم نجیب الرحمن صاحب کی دختر نیک اختر محترمہ منیرہ حقانی سے ہوئی جو اس وقت زیر تعلیم تھیں اور مئو آ کر "کلیہ خدیجۃ الکبریٰ" میں عالمیت کی تعلیم حاصل کی اللہ نے آپ کو ایک لڑکی رباب عبداللہ اور دو لڑکے رشاد عبداللہ اور زیاد عبداللہ سے نوازا ہے جو باحیات ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بیچاری بیوہ اور اس کے بچوں کی حفاظت فرمائے اور پرورش کا راستہ آسان کردے، آمین۔ اس کے علاوہ حافظ صاحب نے اپنے پیچھے بزرگ والدین، چار بھائی۔ ا۔ کتاب الشیخ، ۲۔ مولانا ربیع الاسلام فیضی، ۳۔ مولانا عارف شیخ، ۴۔ مولانا شریف شیخ اور تین بہنوں کو چھوڑا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

اخلاق و کردار: حافظ علیہ الرحمہ بلند اخلاق کے عالم دین تھے، عمدہ ترین عادات واطوار کے مالک تھے، تقویٰ شعار، نہایت متواضع اور ملنسار تھے، علماء طلباء سے بدرجہ غایت محبت رکھتے اور سب کی مہمان نوازی کرتے تھے اور حدیث نبوی ﷺ "وتقرا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف" پر عمل کرتے ہوئے راستہ گزرتے تو سب سے سلام کرتے تھے، نرم کلام اور شیریں گفتار تھے چہرے پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا، زمانہ طالب علمی میں طلباء کو تنبیہ کے دوران کبھی غلط الفاظ استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں سنا البتہ کبھی کبھی اسباق یاد نہ ہونے پر ڈسک سے پتلی چھڑی نکالتے تھے لیکن معمولی سزا دیتے تھے، آپ کے اندر خشیت الٰہی کا غلبہ تھا جس سال ہم لوگ فارغ ہوئے تھے نانا محترم مولانا اعظمی حفظہ اللہ (سابق شیخ الحدیث وشیخ الجامعہ عالیہ عربیہ مئو) نے محمدیہ کی دوسری منزل پر بڑے والے ہال میں جس میں ناظرہ قرآن والے بچے پڑھتے ہیں ہم فارغ ہونے والے طلباء کو تقریباً ایک گھنٹہ "قرآن کی فضیلت اور حفاظ کا مقام ومرتبہ" کے عنوان پر درس دیا تھا، اس درس کو سن کر حافظ صاحب رو پڑے تھے۔

ایک مرتبہ میں اور مولانا سفیان مدنی (شیخ الجامعہ اثریہ دارالحدیث مئو) کھیدوپورہ بندہ پر بات کر رہے تھے اسی دوران حافظ صاحب کا گزر ہوا مولانا نے فوراً کہا "حافظ صاحب ہمارے علاقے میں سب سے متقی آدمی ہیں"

آپ فرض نمازوں کے علاوہ سنن ونوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، تہجد بھی پڑھتے تھے جیسا کہ مولانا عزیز الرحمن سلفی (استاذ جامعہ محمدیہ مئو) نے بتایا کہ "ایک مرتبہ رات میں سالانہ جلسہ اور تقسیم اسناد کے موقع پر حافظ صاحب کی ضرورت پڑی تلاش بسیار کے بعد مدرسہ کے اس کمرے میں جس میں پہلے رہتے تھے صلاۃ تہجد پڑھتے ہوئے ملے"۔ ۲۷/نومبر ۲۰۱۸ء کو استاذ محترم قاری نثار احمد

صاحب فیضی کی عیادت کے لئے ان کے گھر گیا تھا اور حافظ صاحب کی بیماری کا تذکرہ کیا تو استاذ محترم نے کہا کہ ''ہاں عبداللہ تو میرا ہی شاگرد ہے، زمانہ طالب علمی ہی سے شریف بن کر رہا ہے اور بنگال کے طلباء کی یہ خوبی ہے کہ فراغت کے بعد داڑھی بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور وہاں کے لوگ ۴۰/ سال بعد تہجد گزار بن جاتے ہیں، رات تین بجے مسجدوں میں آنا شروع ہوجاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو بھی تہجد گزار بننے کی توفیق بخشے۔ آمین

آپ کی شفقت کا ایک واقعہ: یہ بات حفظ کرنے والے ہر طالب علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن حفظ کرنے میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے، صبح سے دوپہر تک پڑھتے پڑھتے بھوک ستانے لگتی تو مئو کے ہم دو تین طلبہ چپکے سے اٹھ کر مطبخ میں جاکر باورچی سے کہتے کہ حافظ صاحب نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مطبخ سے کھانا کھاکے آؤ جب کئی مرتبہ ہوگیا اور کئی طلبہ اس کام میں شرکت کرنے لگے تو بالآخر حافظ صاحب سے باورچی سوال کر بیٹھا اور ہم لوگ پکڑے گئے، شیخ الجامعہ تک بات پہونچی شیخ الجامعہ نے ہم لوگوں کے مقامی طلباء ہونے اور مطبخ کا کھانا کھانے کی وجہ پوچھی؟ جب ہم لوگوں سے جواب بن نہ پڑا، تو حافظ صاحب نے بڑی شفقت سے فرمایا کھانا صرف بیرونی طلبہ کے لئے بنتا ہے مقامی لوگوں کے لئے نہیں، لہٰذا آپ لوگ اب ایسا نہ کریں باہر کچھ کھالیا کریں!! جب کئی سالوں بعد مجھے اس غلطی کا احساس ہوا تو ایک حساب سے مدرسہ میں پیسہ ادا کردیا۔

آخری بات: موت ضرور آئے گی کسی بھی ذی روح کو اس سے چھٹکارا نہیں ہے، اسی طرح لوگوں میں کسی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس کی موت کب اور کہاں آئے گی اور نہ تو کوئی دوسرے کے بارے میں بتا سکتا ہے اگر کوئی بتانے کا دعوی کرے تو جھوٹا ہے، جانکنی کے وقت آدمی پر کیا گزرتی ہے ایسی تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہے باہر سے اسے کوئی محسوس نہیں کرسکتا اور اس پریشانی کو ہر شخص کو جھیلنا ہے۔

لہٰذا آئیے ہم عہد کریں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی کو نیک کاموں میں صرف کریں گے اور اس سے پہلے کہ ہمارا حساب لیا جائے ہم خود اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے استاذ، قرآن کے حافظ، قرآن کے قاری، قرآن کے خادم، قرآن وسنت کے عالم باعمل کے گناہوں کو معاف فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھردے، ان کی تدریسی خدمات کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین (ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه اجمعين)

(ترجمان دہلی ۳۰-۱۶ ستمبر ۲۰۱۹)

❑❑❑

مولانا عبداللہ سعیدیؒ ہرہٹہ بلرام پور

وفات ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء

آہ! مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے شاگرد مولانا عبداللہ سعیدی نہ رہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتہائی دکھ کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ جماعت کی بزرگ ہستی اور مولانا سیف بنارسی کے آخری شاگردوں میں سے ایک ممتاز شاگرد حضرت مولانا عبداللہ سعیدی موضع ہرہٹہ تلسی پور ضلع بلرام پور یوپی آج بتاریخ ۲۰ دسمبر ۲۰۱۸ء جمعرات کی درمیانی شب میں زندگی کی ۹۸ بہاریں گزار کر اس دارفانی سے دارالبقاء کی طرف کوچ فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر له وارحمه وأسكنه الفردوس الاعلیٰ۔

ابھی ماہ ستمبر میں ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی میں مرحوم کی سوانح اور خدمات شائع کرنے کا مجھے شرف ملا ہی تھا کہ ماہ دسمبر میں آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی و بڑھنی سدھارتھ نگر کے ریکارڈ کے مطابق آپ ۵/جنوری سن ۱۹۲۰ء کو اپنے آبائی وطن ہرہٹہ میں پیدا ہوئے، آپ ہرہٹہ کے مشہور اہل حدیث خاندان ”خاندان خرم خاں“ کے چشم و چراغ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد عربی وفارسی کی تعلیم کے لئے مدرسہ مدینۃ العلوم، رسولی بارہ بنکی، بعدہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۳ء تک ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اور ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۶ء تک جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں حاصل کی۔ تکمیل صحیحین کے لئے مدرسہ سعیدیہ دارانگر بنارس میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے پاس حاضر ہوئے اور وہیں سے ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی۔ گویا کہ آپ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے بیک واسطہ شاگرد تھے۔ فراغت کے بعد دو سال گھریلو کاروبار میں مشغولیت رہی، بسکوہر بازار سے تدریس کی شروعات کی، ۱۹۵۳ء میں جب آپ کی ایماء وترغیب پر گاؤں میں مدرسہ ضیاء العلوم ہرہٹہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کے صدر مدرس منتخب کئے گئے، چالیس سال تک صدر مدرس رہے، اور ۱۵ سالوں تک مدرسے کے ناظم اعلیٰ رہے، پورے علاقے میں دینی تعلیم اور منہج سلف کے فروغ میں آپ کا کردار بڑا روشن اور طویل ہے۔ اپنے آبائی گاؤں ہرہٹہ میں کم وبیش چالیس سال کے طویل عرصے تک بالاتفاق امامت، خطابت اور عیدین کی نمازیں پڑھاتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصے تک علم وعمل کی روشنی بکھیرنے والا یہ آفتاب چند سالوں سے صاحب فراش رہتے ہوئے آج عمر کی ۹۸ بہاریں گزار کر راہی ملک بقا ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے پسماندگان میں پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں میں حافظ عبدالقوی اثری، مولانا شفیق الرحمن فیضی، ہمارے دوست مولانا عطاء الرحمن مدنی سعیدی، حفظ الرحمن اور ضیاء الرحمن نذیری ہیں۔ اور اسی خاندان کے چشم و چراغ معروف قلمکار مولانا عبدالرؤف ندوی، اور مولانا زبیر احمد عبدالمعبود مدنی، اور معروف سماجی کارکن محمد ظفر محمدی وغیرہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔ نماز جنازہ ۲۰/دسمبر بروز جمعرات بعد نماز ظہر آبائی گاؤں ہرہٹہ میں ادا کی گئی۔ اللھم اغفرله وارحمه واسكنه الفردوس وتغمده بواسع رحمة۔ آمين تقبل يا رب العالمين۔

نوٹ: آپ کی سوانح پر تفصیلی مضمون کے لئے سالنامہ تاریخ اہل حدیث جلد دوم کی طرف رجوع کریں۔

بقیۃ السلف مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ/سدھارتھ نگر

وفات ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء

مولانا عبدالمنان سلفی، جھنڈانگر

علمی ودعوتی حلقوں میں یہ خبر بڑے دکھ کے ساتھ سنی گئی کہ بزرگ عالم دین بقیۃ السلف مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانیؔ موتی پوری رحمہ اللہ نے علم وعمل سے بھرپور طویل زندگی گذار کر ۸۵/برس کی عمر میں داعی اجل کولبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ جامع المعقولات والمنقولات علامہ نذیر احمد املوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، بڑے ذہین وفطین اورمختلف فنون میں درک رکھنے والے عالم دین تھے، ظاہری کروفر سے دوررہ کر خاموشی سے تدریسی ودعوتی فرائض انجام دئے اور نامور تلامذہ کی ایک اچھی خاصی ٹیم تیار کرکے دنیا سے رخصت ہوئے جو ان کے لئے ان شاءاللہ صدقہ جاریہ ہوں گے۔

مولانا جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر چندسطور موصوف کے شاگرد رشید اور جماعتی تاریخ پر نظر رکھنے والے اپنے بزرگ دوست مولانا مطیع اللہ سلفی کی بذریعہ فون فراہم کردہ بنیادی معلومات کی روشنی میں لکھنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔

مولانا ڈاکٹر ابوالفضل جلال الدین رحمانی رحمہ اللہ کا تعلق ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) کے خطہ نوگڑھ میں دھان کی کاشت کے لئے معروف مٹکا علاقہ میں مدھوبنیا چوراہا سے مغرب کی جانب ایک مسلم بستی موتی پور برڈپور نمبر ۱۳ سے تھا، وہیں مولانا کی ولادت یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسہ دارالسلام موتی پور، مکتب اسلامیہ مہدیا اور بیسک اسکول نوگڑھ میں حاصل کی، فارسی کی ابتدائی کتابیں دارالعلوم ششہنیاں میں مفکر اسلام مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالقدوس ٹکریاوی اور مولانا عبدالشکور دورصدیقی رحمہم اللہ جیسے نابغۂ روزگار اساتذہ سے پڑھیں۔عربی کے ابتدائی درجات جماعت ثالثہ تک دارالہدیٰ یوسف پور میں ایک فاضل استاد مولانا عبدالاحد (پرینا والے) اور مولانا عبدالرحمن جمنی سے حاصل کیں۔

۱۹۵۲ء میں مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن تشریف لے گے اور ناظم مولانا محمد احمد، مولانا عبداللہ شائق مئوی، مفتی حبیب الرحمن فیضی اور حکیم محمد سلیمان جیسے اساتذۂ فن سے کسب فیض کیا، دوسال بعد ۱۹۵۴ء میں مولانا احمد املوی رحمہ اللہ کی خدمت میں جامعہ رحمانیہ بنارس پہونچے اور وہاں مولانا املوی کے علاوہ مولانا فضل الرحمن اعظمی، مفتی عبدالعزیز عمری اور مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعہ) وغیرہم سے اکتساب فیض کرکے ۱۹۵۹ء میں فراغت حاصل کی، جامعہ رحمانیہ بنارس سے فراغت کے بعد آپ کے دل میں جامعہ ازہر جانے کا شوق پیدا ہوا، اس مقصد سے موصوف نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا جہاں اس وقت کے ناظم مولانا محمد عرفان خاں ندوی نے انہیں بغیر امتحان کے داخل کرلیا، موصوف نے ندوہ میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا

سعید الرحمن اعظمی وغیرہ سے کسب فیض بھی کیا اور اپنی صلاحیت اور قابلیت کا سکہ بھی ندوہ میں بٹھا دیا، ابھی چھ مہینہ ہی گذرا تھا کہ آپ اپنے بھائی محمد یونس کے ایماء پر ندوہ سے گھر آ گئے، مگر گھر بیٹھے نہ رہے بلکہ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے آپ دوبارہ بنارس مولانا املوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور مولانا سے خصوصی استفادہ کرنے لگے۔

بنارس سے واپس آنے کے بعد آپ ضلع بدایوں کے ایک گاؤں بھوانی پور کھلی تشریف لے گئے جہاں موصوف نے بچوں کی تعلیم کے ساتھ دعوت کا ٹھوس کام کیا اور محض آٹھ مہینہ کی محنت سے اسی (۸۰) گھرانوں کو موحد اہل حدیث بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

۸ر مہینہ بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے اور مادر علمی دار الہدیٰ یوسف پور میں صدر المدرسین مقرر ہوئے، چار سال کے دوران موصوف نے ادارہ کو ترقی دی اور منتظمین کو اعتماد میں لے کر مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا مجیب اللہ فیضی اور مولانا محمد ادریس قاسمی جیسے اساتذہ کی تقرری کرائی اور اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے مدرسہ کو بورڈ سے ملحق کرانے میں کامیابی حاصل کی، ابھی ادارہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہی ہوا تھا کہ بعض منتظمین کے آمرانہ و تحکمانہ رویہ سے دل برداشتہ ہو کر یہ کہتے ہوئے کہ ''لعنت ہزار بار بکار ملازمت'' مدرسہ کو خیر باد کہہ دیا۔ مولانا ایک متمول اور رئیس گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، ان کے بڑے بھائی حاجی محمد یونس رحمہ اللہ کا ممبئی میں اچھا کاروبار تھا، یوسف پور چھوڑنے کے بعد انہوں نے مولانا سے کہا کہ مدرسوں کے منتظمین کے عام رویہ سے آپ کا خوددارانہ مزاج میل نہیں کھا سکتا اس لئے آپ مدرسوں میں ملازمت نہیں کر پائیں گے۔ چنانچہ اپنے بڑے بھائی کے مشورہ پر آپ نے حکیم اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی، یو، ایم، ایس، میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۷۰ء میں اس کا کورس مکمل کر کے ڈاکٹر بن گئے اور اپنے اس علم سے بھی لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے، علی گڑھ سے واپسی کے بعد موصوف اپنے گاؤں کے مدرسہ دار السلام کی تعمیر و ترقی میں لگ گئے، اس درمیان موصوف نے دو سال یوسف پور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث خدمات انجام دیں، نیز دار العلوم ششہنیاں میں بھی کچھ دنوں آپ نے اپنا فیض جاری رکھا، آپ کے گاؤں میں جب نسواں مدرسہ قائم ہو گیا تو حدیث کی تمام کتابیں آپ آخری دم تک پڑھاتے رہے۔ اس طویل تدریسی دورانیہ میں آپ سے مستفید ہونے والے علماء کی ایک طویل فہرست ہے جن میں چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں، ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس مفتی حرم، ڈاکٹر حشمت اللہ (بھوانی پور کھلی بدایوں) ڈاکٹر عبد الوہاب خلیل الرحمن صدیقی، مولانا ابوالکلام احمد، مولانا اقبال احمد سلفی موتی پوری، مولانا خورشید احمد سلفی اور مولانا مطیع اللہ سلفی وغیرہم۔

۲۸ اور ۲۹ر جنوری ۲۰۱۹ء کی درمیانی شب میں مختصر علالت کے بعد آپ کا انتقال ہوا، نماز جنازہ ۲۹ر جنوری کو بعد نماز عصر استاد مکرم نمونۂ سلف مولانا محمد ابراہیم رحمانی رحفظہ اللہ کی اقتداء میں ادا کی گئی، نماز جنازہ میں علماء، طلبہ اور عامۃ المسلمین کا بڑا ہجوم تھا، ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر اور مدارس کے اساتذہ و ذمہ داران، مولانا کے تلامذہ اور علاقہ کے عام مسلمانوں نے جنازہ میں حاضر ہو کر مولانا کے لئے دعاء مغفرت کی، جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے اکثر اساتذہ نے بھی جنازہ و تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

یقیناً مولانا کی وفات تعلیمی و دعوتی حلقوں کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، آپ بلاشبہ بزرگوں کی نشانیوں میں سے تھے، پوری زندگی للہ فی اللہ تعلیم و دعوت سے وابستہ رہے، انہیں نہ صلہ کی آرزو تھی اور نہ ستائش کی تمنا، ایسے بے لوث لوگ اب عنقا ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ

مولانا کی خدمات کو رفع درجات کا ذریعہ بنائے اوران کی بال بال مغفرت فرمائے۔(آمین) (ماہنامہ السراج جھنڈانگر، فروری ۲۰۱۹ء)
(مولانا کی تفصیلی سوانح وخدمات کے لئے دیکھئے شیخ مطیع اللہ مرکزی کا مضمون شائع شدہ محدث بنارس جنوری، فروری ۲۰۱۹ء، وبعد اورکاروان سلف از مولانا عبدالرؤف ندوی ۱۰۶/۵)

❑❑❑

معروف عالم دین استاذ الاساتذہ مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی کا انتقال

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی: ۲۸ جنوری ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے معروف عالم دین، استاذ الاساتذہ مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی موت کو علمی دنیا کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس اورنشر واشاعت کے لئے وقف کردی تھی۔ وہ ایک جید عالم دین اور کامیاب داعی و مصلح تھے۔

پریس ریلیز کے مطابق مولانا کی پیدائش یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو موضع موتی پور، نوگڑھ ضلع سدھارتھ نگر، یوپی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالسلام موتی پور اور مکتب اسلامیہ مہدیاں میں حاصل کی۔ پھر عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم ششہنیاں میں داخلہ لیا، وہاں سے جامعہ دارالہدیٰ یوسف پور، پھر وہاں سے مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں داخلہ لیا۔ فضیلت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس کا قصد کیا جہاں جملہ علوم وفنون کی تکمیل کرکے سند اجازہ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد رحمانی املوی، مولانا فضل الرحمن عمری، مئوی، مولانا عبدالعزیز عمری مئوی، مولانا عبدالوحید رحمانی قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد سہسوان ضلع بدایوں کے قریب ایک موضع ''بھوانی پور کھلی'' کے مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی۔ اس دوران دعوتی سلسلہ کو بھی جاری رکھا۔ پھر دارالہدیٰ یوسف پور ''شیوپتی نگر'' کے تعلیمی وتنظیمی امور سے جڑ گئے، یہاں چار سال رہے۔ پھر طب یونانی کا پانچ سالہ کورس (بی، یو، ایم، ایس) طبیہ کالج علی گڑھ سے مکمل کیا اور موضع ہی کے مدرسہ ''دارالسلام'' موتی پور میں بحیثیت ناظم مدرسہ ومدرس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف تھے اور طبابت کے ذریعہ جڑ کر خدمت خلق انجام دیتے تھے۔ آج شب بعمر ۸۴ سال ان کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جملہ ذمہ داران وکارکنان نے بھی مولانا کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے۔ اوران کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔ (ترجمان دہلی ۱۵-۱/ فروری ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

حافظ محمد اسحاق صاحب راجستھان

(خازن مرکز محمد یحییٰ صاحب حفظہ اللہ کو صدمہ)

وفات فروری ۲۰۱۹ء

مولانا محمد رحمانی

۴ فروری ۲۰۱۹ء بروز سوموار ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کے خازن محترم جناب یحییٰ صاحب کے والد حافظ محمد اسحاق صاحب تقریباً ۷۶ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کا نام ونسب اس طرح ہے حافظ محمد اسحاق بن حاجی محمد اسماعیل بن چاند محمد۔ آپ کا تعلق ڈیڈوانہ راجستھان کے رامیر الوگھرانے سے تھا لیکن آپ کی ولادت ۱۹۴۲ء میں سرائے خلیل صدر بازار دہلی میں ہوئی۔ آپ نے ۱۹۶۷ء میں پان منڈی صدر بازار سے اپنا کاروبار شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت عطا فرمائی۔ دنیاوی نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر دینی جذبہ اور دینی حمیت وغیرت بھی رکھی تھی اسی وجہ سے دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور دین کے خدمت کے لئے ہمیشہ اپنے آپ کو وقف رکھتے تھے۔ ناریل والی مسجد صدر بازار میں صلاۃ تراویح میں کئی برسوں تک قرآن سناتے رہے اور جب آپ کے صاحبزادے محمد ہارون حافظ قرآن ہو گئے تو بھی وہ سامع کی حیثیت سے جمے رہتے تھے۔

۱۹۹۱ء میں آپ کے والد محترم نے مصطفیٰ آباد میں ۲۵۰ گز زمین مسجد کے لئے وقف کی تھی اور اس پر مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ناریل والی مسجد اور اس مسجد دونوں کا انتظام وانصرام اور نگرانی آخری دم تک نبھاتے رہے۔ آپ نے ناریل والی مسجد میں حفظ کا شعبہ بھی قائم کیا اور گھر گھر جا کر بچوں کو حفظ کے لئے بلاتے اور اسکی ترغیب دیتے۔ محمدی مسجد مصطفیٰ آباد میں بھی درس قرآن کا مدرسہ قائم کیا۔

تعلیم وتعلم سے اتنی رغبت تھی کہ اپنی زندگی کے آخری دن بھی آپ نے صلاۃ مغرب کے بعد بچوں کو تعلیم دی، آپ صوم وصلاۃ کے پابند نہایت ہی متواضع اور ملنسار تھے۔ دینی مجلسوں اور شخصیات سے آپ کا گہرا ربط تھا۔ علماء دین سے بہت گرمجوشی سے ملتے تھے اور ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر نئی دہلی کے بانی وتاحیات صدر محترم مولانا عبدالحمید رحمانی رحمہ اللہ سے آپ کے تعلقات اور دوستی ۴۰ سال سے زائد عرصہ پر محیط تھی۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے علماء وفضلاء سے آپ کے گہرے تعلقات تاحیات رہے۔

آپ کی صلاۃ جنازہ اسی دن بعد صلاۃ عشاء سنٹر کے صدر محترم جناب مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی حفظہ اللہ نے پڑھائی اور خواجہ باقی باللہ قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے پسماندگان میں ۶ بیٹے اور ۵ بیٹیوں کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو قبول فرما کر آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔ (التبیان مارچ ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

معروف عالم دین مولانا محی الدین عمری کیرالا کا انتقال پر ملال

وفات ۲۷ مارچ ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

دہلی، ۲۸/ مارچ ۲۰۱۹ء۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست وسابق نائب امیر، جمعیۃ العلماء کیرالا کے امیر اور ندوۃ المجاہدین کیرالا کی مجلس عاملہ کے رکن معروف عالم دین مولانا محی الدین عمری کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو قوم وملت اور جماعت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

امیر محترم نے اپنے بیان میں فرمایا کہ مولانا محی الدین عمری ایک بااخلاق اور متواضع عالم دین تھے۔ انہوں نے کیرالا میں دین وجماعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور ایک بھرپور زندگی گزار کر بعمر ۸۵/سال کل مورخہ ۲۷/ مارچ ۲۰۱۹ء بعد نماز عصر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محی الدین عمری علم فرائض کے ماہر ومعلم معروف عالم دین شیخ عبدالصمد الکاتب مہاجر مدنی کے برادر خرد تھے۔ ان کی پیدائش ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۴ء کو مالاپورم کیرالا کے معروف دینی وعلمی خانوادے میں ہوئی۔ حصول تعلیم کے بعد کلیۃ الانصار کیرالا میں دس سالوں تک تدریس کے فرائض انجام دیے، پھر گورنمنٹ کالج میں مدرس ہوئے، اس دوران دعوت واصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے، کئی کتابیں تصنیف اور ترجمے کیے۔ شبان ندوۃ المجاہدین کے امیر بھی رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے بہت زیادہ لگاؤ تھا اور اس کے کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو مرکزی جمعیت کے نائب امیر کے منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا تھا۔ وہ پاکوڑ کی عظیم تاریخی کانفرنس میں کیرالا کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد پروگراموں اور میٹنگوں میں بھی تشریف لاتے رہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند علم، اہل علم اور مراکز علم کی تشجیع اور تعمیر وترقی کے لئے ان کی خدمات کے اعتراف وقدردانی کے طور پر ایوارڈ بھی دیتی ہے۔ اسی طرح شعراء، ادباء، نقباء اور مختلف میدانوں کی اہم شخصیات کو بھی اس ایوارڈ سے نوازتی رہی ہے۔ مولانا موصوف کی گراں قدر اور ہمہ جہت خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ماضی میں ان کو اپنے اس ایوارڈ سے بھی نواز چکی ہے، جس کے مولانا بجا طور پر مستحق تھے۔ مولانا کا مقام ومرتبہ اور للّٰہیت وصلاحیت کیرالا کی پوری جماعت میں معروف ومسلم تھی۔ کتاب وسنت کے باغیرت داعی تھے۔ پیرانہ سالی میں بھی مفوضہ ذمہ داریوں کو اپنی طاقت سے زیادہ ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ملیالم کے علاوہ اردو اور عربی بھی جانتے تھے۔ مولانا کے چلے جانے سے وہاں بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ وہاں کی ایک عظیم شخصیت، داعی، مبلغ ومناظر اور ندوۃ المجاہدین کے ناظم مولانا عبدالقادر صاحب انتقال فرما چکے ہیں۔ آج گیارہ بجے دن میں کیرالا میں مولانا کی تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں بیوہ، تین بیٹے، پانچ بیٹیاں اور متعدد پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں۔ جب کہ ہزاروں، لاکھوں ان کے متعلقین ومستفیدین سوگواروں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے، جمعیت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے جملہ ذمہ داران وکارکنان نے مولانا کی وفات پر رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور پسماندگان سے قلبی تعزیت کی اور ان کی بلندی درجات کے لئے دعا گو ہیں۔

(جریدہ ترجمان مارچ ۲۰۱۹ء) ❑❑❑

صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش کے سابق امیر محمد عبدالرحمن فاروقی کا سانحۂ ارتحال عظیم جماعتی خسارہ

وفات مئی ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں سابق امیر شہری جمعیت اہل حدیث حیدرآباد و سکندرآباد و سابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث آندھرا پردیش عبدالرحمن فاروقی کے سانحۂ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو گزشتہ رات گیارہ بجے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں کہا کہ ان کی وفات سے جماعت ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئی ہے۔ موصوف ایک مدرس تھے لیکن مطالعہ بہت وسیع تھا جس کی بدولت علماء کے طبقے میں شمار ہونے لگے انہوں نے اپنے علم سے بے شمار لوگوں کو مستفیض فرمایا اور دعوت دین کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ایک انتہائی مخلص، ہمدرد، حق گو اور بے باک انسان تھے۔ انگریزی و اردو زبان پر عبور رکھتے تھے، شیریں کلامی، خلوص ومحبت، ہمدردی بے لوث دینی خدمات انجام دینے والی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک بہترین مقرر و مصنف بھی تھے۔ انہوں نے دو دہائی تک مسجد اہل حدیث چوراہا مشیرآباد میں خطبہ جمعہ کی عظیم ذمہ داری ادا کی۔ ان کے خطبات سے ہزاروں لوگ مستفید ہوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان میں اہلیہ چار بیٹے اور چار بیٹیاں متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔

امیر محترم کے علاوہ دیگر تمام ذمہ داران وکارکنان جمعیت نے ان کے پسماندگان و متعلقین نیز جملہ سوگواران سے اظہار تعزیت کیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور بلندئ درجات کی دعا کی ہے۔

(ترجمان دہلی ۱۵۔۱/ جون ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

مولانا محمد اسرائیل ندویؒ ہریانہ

وفات جولائی ۲۰۱۹ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

بڑے ہی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر دی جارہی ہے کہ جماعت اہل حدیث ہند کی ایک بزرگ اور معتبر شخصیت، میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے بیک واسطہ اجازہ حدیث اور سند عالی کے حامل، معروف عالم دین شیخ الحدیث مولانا حکیم محمد اسرائیل سلفی ندوی جھانڈہ، ہریانہ، ۲/جولائی ۲۰۱۹ء بروز منگل صبح سویرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا شمار عصر حاضر کے ان علماء میں ہوتا تھا جنھیں روایت حدیث میں مشاہیر اساتذہ ومشائخ سے سند اجازہ حاصل ہے خاص طور پر عرب وعجم کے استاذ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۹۰۲ء سے بدوواسطہ اور بیک واسطہ بھی آپ کو سند عالی کا عظیم اعزاز حاصل تھا۔ اس لئے بیماری کے آخری ایام میں بھی عرب وعجم کے شائقین حدیث آپ کی خدمت میں یہ اعزاز لینے اور سند عالی حاصل کرنے کے لئے میلوں کا سفر طے کر کے آیا کرتے تھے اور کبھی کبھی خود آپ کو دیار عرب میں بلا کر سند حدیث اور مجلس سماع منعقد کر کے اس سعادتمندی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ اجازۂ حدیث کے حوالے سے آپ کے بے شمار عربی تلامذہ بھی ہیں جنھوں نے آپ سے حدیث کا سماع کر کے یہ شرف حاصل کیا ہے۔ ذیل میں چند سطور آپ کی حیات وخدمات کے متعلق درج ہیں امید کہ قارئین کے لئے باعث استفادہ ہوں گے۔

نام ونسب: مولانا حکیم محمد اسرائیل سلفی ندوی بن حاجی محمد ابراہیم بن عبدالحلیم بن دریا بن دھن سنکہ بن نعمت بن نظام

ولادت وخاندانی پس منظر: آپ کی ولادت مئی ۱۹۳۴ء صفر ۱۳۵۳ھ کو ہریانہ کے مشہور گاؤں رنیالہ خورد جھانڈہ میں ہوئی۔ بعض اہل علم نے سن ولادت ۱۹۲۴ء لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ کے بعض شاگردوں نے تحریر فرمایا ہے۔ اور خود صاحب ترجمہ نے صراحت کی ہے۔

آپ کے والد حاجی محمد ابراہیم (متوفی ۲۶/جولائی ۱۹۸۴ء) انتہائی صالح، نیک اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اور اپنے علاقے کے زمینداروں میں سے تھے۔ علماء کی صحبتوں کا اثر تھا کہ آپ نے ہونہار بیٹے کو علم حدیث کی راہ پر لگایا اور کامیابی ملی۔ سنت صحیحہ پر عمل کے شیدا تھے۔ اور بڑی سختی سے اس پر عمل کرنے کے لئے اہل خانہ، اقارب واحباب کو دعوت دیتے تھے۔ ہونہار بیٹے کی بعض تصنیف کردہ کتابوں میں آپ کا مشورہ بے حد کارگر تھا۔ خاص طور پر ایک ہاتھ سے مصافحہ والی کتاب ''التحفة الحسنى فى اثبات سنية المصافحة باليد اليمنى'' اور دیہات میں جمعہ سے متعلق کتاب ''نور الهدى فى فرضية الجمعة على اهل القرى'' کی تالیف میں آپ کا اہم رول تھا۔ میاں صاحب کے آخری دور کے شاگرد مولانا عبدالحکیم زیوری بلند شہری تقسیم ہند کے بعد آپ کے پاس ہی

اقامت گزیں تھے اور وہیں جھانڈہ میں کئی سالوں تک امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

تعلیم وتربیت: ۱۔ابتدائی، پرائمری اور مڈل تک ہندی اردو کی تعلیم آبائی گاؤں جھانڈہ، شکراوہ اور کوٹ میں حاصل کی۔

۲۔ناظرہ قرآن میاں جی مہراللہ اور مولانا داؤد راز سے۔اورعم پارہ کی تعلیم گاؤں کے بزرگ حافظ نور محمد سے پائی۔

۳۔جامعہ سلفیہ شکراوہ، میوات میں عربی وفارسی کی تعلیم مولانا داؤد راز دہلوی اور مولانا عبدالجبار شکراوی سے حاصل کی، خاص طور پر نحو،صرف، گلستاں، دبستاں، اور عربی ادب وغیرہ کی تعلیم سے یہاں بہرہ ور ہوئے۔

۴۔مزید تعلیم کے لئے دہلی گئے اور مدرسہ عبدالرب صاحب میں داخلہ لیا یہاں پر مولانا محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محبوب الٰہی سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھی اور شعبان ۱۳۸۵ھ کو فارغ التحصیل ہوئے۔

۵۔۱۹۵۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا یہاں ندوہ کے مایہ ناز اساتذہ سے کئی سالوں تک علم حاصل کیا اور یہیں سے ۱۹۶۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے یہاں آپ کے ساتھیوں میں مولانا رئیس الاحرار ندویؒ بھی تھے۔

۶۔دہلی میں مولانا سید تقریظ سہسوانی کی خدمت میں کئی سال تک رہے اور خوب استفادہ کیا۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔میاں جی مہراللہ ۲۔حافظ نور محمد ۳۔مولانا داؤد راز دہلویؒ ۴۔مولانا عبدالجبار شکراوی ۵۔مولانا محمد رابع ندوی ۶۔مولانا عبدالماجد ندوی ۷۔مفتی مولانا ظہور احمد ۸۔مولانا محمد اسحاق ندوی ۹۔مولانا ابوالعرفان ندوی ۱۰۔مولانا عبدالحفیظ بلیاوی ۱۱۔مولانا محمد اویس ندوی ۱۲۔مولانا محمد شفیع دیوبندی ۱۳۔مولانا محبوب الٰہی دیوبندی ۱۴۔مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی (طب کی تعلیم) ۱۵۔مولانا عبدالحکیم زیوری بلند شہری (آپ سے تقسیم ہند کے بعد جھانڈہ میں تعلیم حاصل کی) ۱۶۔مولانا سید تقریظ احمد سہسوانی ۱۷۔مولانا منظور احمد نعمانی ۱۸۔مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی سے استفادہ کیا ہے، باقاعدہ درس نہیں لیا ہے۔

سند اجازۂ حدیث: مولانا محمد اسرائیل سلفی ندویؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کی سند میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کی سند حدیث تک بدو واسطہ اور بیک واسطہ بھی پہنچتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔بیک واسطہ: مولانا عبدالحکیم بن الٰہی بخش زیوری بلند شہری (متوفی ۱۹۷۲ء/ ۱۳۹۲ھ) کی سند سے جو کہ میاں صاحب کے آخری دور کے شاگردوں میں سے ہیں۔تقسیم ہند کے بعد مولانا نے کئی سال جھانڈہ میں امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے اور مولانا اسرائیل ندوی کے والد محترم کے پاس اکثر وبیشتر قیام بھی رہا ہے۔اور مکتوب سند اجازہ بھی آپ کی طرف سے مولانا اسرائیل ندویؒ کو حاصل ہے۔آپ نے مولانا کو صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے اطراف سنائے اور سند اجازہ سے سرفراز ہوئے۔

۲۔بدو واسطہ: مولانا عبدالجبار شکراوی (متوفی ۱۹۸۵ء) کی سند سے جو بواسطہ مولانا عبدالوہاب صدری (متوفی ۱۳۵۷ھ) اور بواسطہ شیخ الحدیث احمد اللہ پرتا پگڈھی (متوفی ۱۹۴۳ء) میاں صاحب تک پہنچتی ہے آپ سے مشکوۃ، بلوغ المرام، اور صحاح ستہ پڑھی۔اس کے علاوہ آپ کو دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں مولانا محمد شفیع دیوبندی سے صحیح بخاری وترمذی اور مولانا محبوب الٰہی دیوبندی سے بھی صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ کے درس لینے کا بھی موقع ملا ہے اور ان دونوں کی سند بالترتیب مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا عبد

الغنی قاسمیؒ کے واسطے سے مولانا محمد قاسم نانوتوی تک اوران سے بیک واسطہ شاہ اسحاق تک پہنچتی ہے۔

جہود وخدمات: ۱۔فراغت کے بعد ۱۹۶۱ء میں جامعہ سلفیہ شکراوہ میوات سے وابستہ ہوگئے اور تقریباً ۱۹۹۰ء تک جڑے رہے یہاں آپ شیخ الحدیث کے بلند مقام پر فائز تھے،کم وبیش ۲۵ سالوں تک آپ نے صحیح بخاری وغیرہ کا درس دیا ہے۔

۲۔جماعتی لگاؤ اور علمی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو تدریس کے دوران ہی جمعیت اہل حدیث ہریانہ کا ناظم مقرر کردیا گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی انتھک محنتوں سے جماعت کو جوڑا اور دعوتی کاموں کو منظم کیا۔بالخصوص آپ کے استاذ مولانا عبدالجبار شکراوی کے بعد تو یہ ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں۔۱۹۸۶ء سے ۲۰۱۸ء تک آپ وہاں کی جماعت کے امیر رہے۔

۳۔استادعالی مقام مولانا عبدالجبار شکراوی کے ۱۹۸۵ء میں انتقال کے بعد آپ نے افتاء کی بھی ذمہ داری سنبھالی اور کتاب وسنت کی روشنی میں عوام وخواص کی رہنمائی فرماتے رہے، یہ کام جماعت کی نگرانی میں تاحیات آپ نے انجام دیا ہے۔اللہ قبول فرمائے۔

۴۔اپنے گاؤں جھانڈہ کے علاوہ رنیالہ خورد میں ۱۹۹۳ء میں مدرسہ محمدیہ میوات للبنین والبنات قائم کیا جسے مولانا مختار احمد ندویؒ نے تعمیر کرایا تھا۔آج بھی وہ مدرسہ جاری وساری ہے اوراس کی دیکھ ریکھ آپ کے فرزند مولوی ثناء اللہ کرتے ہیں۔

۵۔الدارالسلفیہ بمبئی کے قیام کے بعد کچھ مہینوں تک مولانا مختار احمد ندویؒ کی نگرانی میں ڈاکٹر عبدالعلی ازہری وغیرہ کے بعد شعب الایمان للبیہقی کی تخریج پر بھی آپ نے کام کیا تھا جو ۱۶ویں جلد سے ۲۰ویں جلد تک ہے۔

۶۔کویت، بحرین، سعودی عرب اور قطر وغیرہ میں سماع حدیث اوراجازہ کی مجلسوں میں اہل عرب کی دعوت پر شریک ہوکر ہزاروں طلباء کو حدیث پڑھانے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے، ایک مجلس میں تو دو ہزار عربی طلباء شریک تھے۔

تالیفات وتحقیقات: مولاناؒ ایک بلند پایہ قلمکار اور محقق تھے عربی، اردو اور فارسی زبانوں پر عبور تھا۔آپ کے گہربار قلم سے کئی اہم علمی وتحقیقی کتابیں اشاعت پذیر ہوکر مقبول خاص وعام ہوچکی ہیں۔ذیل میں ان کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:

عربی کتابیں جن کی آپ نے تخریج وتحقیق یا تصنیف کی ہے۔ ۱۔تحفۃ الانام فی تخریج جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری (مطبوع) ۲۔تذکرۃ الشیخ الامام السید نذیر حسین المحدث الدھلوی (مطبوع) ۳۔تصحیح جامع شعب الایمان للبیہقی ۱۶ سے ۲۰ جلد (مطبوع) ۴۔تخریج احادیث زوائد صحیح ابن حبان (غیر مطبوع) ۵۔التعلیقات السلفیہ علی جامع الترمذی (غیر مطبوع) ۶۔التعلیقات علی تقریب التھذیب (غیر مطبوع) ۷۔تخریج احادیث مختصر الخلافیات للبیہقی (غیر مطبوع)

اردو کتابیں: ۸۔التحفۃ الحسنی فی اثبات سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنی ۹۔نور الھدیٰ فی فرضیۃ الجمعہ علی اھل القریٰ ۱۰۔الھدایۃ الکاملۃ، ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک ہونے کا ثبوت ۱۱۔ایک مجلس کی تین طلاق قرآن وحدیث کی روشنی میں ۱۲۔فرضیت فاتحہ خلف الامام، ایک حنفی مولوی کے اشتہار کا جواب ۱۳۔نماز میں سورہ فاتحہ کی فرضیت ۱۴۔ایک مجلس کی تین طلاق کا سرسری جائزہ ۱۵۔مقتدی کے ذمہ سورہ فاتحہ کی فرضیت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۱۶۔مسئلہ رفع الیدین پر تحقیقی نظر امین اوکاڑوی کے جواب میں ۱۷۔رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی ۱۸۔تراجم علمائے اہل حدیث میوات ۱۹۔امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ کی فرضیت

۲۰۔قرأت فاتحہ خلف امام کی فرضیت صحیح بخاری کی روشنی میں (دیوبندی عالم فخر الدین کے جواب میں)،۲۱۔طلاق قرآن وحدیث کی روشنی میں، ۲۲۔البینات الی مافی نجاۃ النیاز من الاتھامات، ۲۳۔حنفیہ کے بارہ انعامی مسائل کے تحقیقی جوابات، ۲۳۔اردو جزء القراءۃ کی تصحیح وتعلیق، ۲۴۔نماز میں سورہ فاتحہ کی فرضیت (ہندی)، ۲۵۔تحریک جہاد میں اہل حدیث اور علمائے دیوبند کا کردار (الحمد للہ یہ ساری کتابیں مطبوع ہیں۔)

مشاہیر تلامذہ: آپ کے وہ تلامذہ جنھوں نے جامعہ سلفیہ شکراوہ اور مدرسہ محمدیہ میں تعلیم حاصل کی ہے ان کی تعداد بھی بے شمار ہے ان میں چند مشاہیر درج ذیل ہیں:

۱۔مولانا عبدالرحمن سلفی موجودہ ناظم صوبائی جمعیت، ہریانہ ۲۔مولانا محمد ایوب عمری ۳۔مولانا عبدالمنان سلفی (مرکزی جمعیت) ۴۔مولانا علی محمد مدنی (مالیگاؤں) ۵۔مولانا نواب سلفی ہریانہ ۶۔د۔اسحاق ابراہیم (ریاض) ۷۔حافظ محمد الیاس (ریاض) ۸۔مولانا محمد صدیق سلفی (شکراوہ) ۹۔مولانا محمد فاروق ندوی (شکراوہ) اور ان کے علاوہ بے شمار شاگرد وتلامذہ ہیں جنھوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔

وہ تلامذہ اور شائقین حدیث جنھوں نے آپ سے سند اجازہ حاصل کیا ہے ان کی تعداد تو کئی ہزار سے بھی متجاوز ہے خاص طور سے آخری عمر میں آپ اجازہ حدیث کی بڑی بڑی مجلسوں میں خلیجی ممالک میں بلائے جاتے تھے اور باضابطہ ہزاروں کی تعداد میں طلباء شریک مجلس ہوکر صحاح ستہ اور دیگر کتابوں کو پڑھتے اور سناتے تھے، مجلس سماع اور قراءت دونوں ہوتی تھی اور پھر آپ سے سند اجازہ پاکر سعادتمندی محسوس کرتے تھے۔ان میں چند نام درج ذیل ہیں:۱۔د۔فضل الرحمن مدنی مالیگاؤں ۲۔د۔عبدالرحمن فریوائی ۳۔شیخ محمد زیاد تکلۃ (ریاض) ۴۔شیخ فلاح خالد مطیری (کویت) ۵۔محمد بن ناصر العجمی (کویت) ۶۔حمد بن فلاح المطیری ۷۔د/محمد ھشام الطاھری ۸۔شیخ انس بن عبدالرحمن العقیل ۹۔د/طاھر الازھر خذیری ۱۰۔شیخ محمد سلیمان الجیلانی ۱۱۔شیخ عبداللہ حسین العیسیٰ وغیرھم کثیر۔(تفصیل کے لئے دیکھئے آپ کی کتاب۔تذکرۃ السید نذیر حسین۔صفحہ ۱۲)

ازدواجی زندگی اور اولاد: آپ کی شادی مئی ۱۹۵۲ء میں ''راولکا گاؤں'' میں رحیمی بنت خیراتی سے ہوئی مگر مشیئت الٰہی کے بموجب تین چار سالوں کے بعد ۱۹۵۶ء میں یہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔بعد میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۹۶۰ء میں آپ کی دوسری شادی ریشمی بنت نبی خان، ساکن کھڑ کھڑی سے ہوئی۔چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔بیوی کا بھی آپ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا ہے۔

بیٹوں میں بالترتیب: ۱۔مولوی عطاءاللہ ۲۔مولوی ثناءاللہ ۳۔حکیم عبیداللہ ۴۔احمداللہ ہیں۔

فی الوقت مولانا ثناءاللہ آپ کے علمی اور انتظامی کاموں کو دیکھتے ہیں۔اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور شیخ کے علمی کاموں کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے کی سعادت عطا فرمائے۔آمین۔

وفات حسرت آیات: عمر طبعی اور کمزوری وبڑھاپے کی پریشانیوں کی وجہ سے کافی علیل چل رہے تھے۔نوح کے علاقے میں کسی ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرائے گئے تھے۔موت کا وقت مقدر ہے بالآخر ۲/جولائی بروز منگل صبح سویرے اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اور ایک پرہجوم مجمع میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ جماعت کے ذمہ داران، علماء، طلباء اور عوام الناس کی موجودگی میں عصر کی نماز کے بعد اپنے آبائی وطن جھانڈہ کے عوامی قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ نماز جنازہ آپ کی وصیت کے مطابق جماعت کے محقق عالم اور کاتب شیخ صلاح الدین مقبول مدنی نے پڑھائی۔ امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور مولانا محمد رحمانی کے علاوہ دہلی، میرٹھ اور اطراف واکناف سے ایک بڑی تعداد جنازے میں حاضر تھی۔ تغمدہ اللہ بواسع رحمتہ واسکنہ فسیح جناتہ۔ آمین

مراجع ومصادر: ۱۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث وانسائیکلو پیڈیا بڑھنی، سدھارتھ نگر۔ ۲۔ مولانا مرحوم کی کتاب تحفۃ الانام فی تخریج جزء القراءۃ خلف الامام ۳۔ تذکرۃ السید نذیر حسین المحدث الدھلوی ۴۔ محمد زیاد تکلۃ کے عربی مضامین ۵۔ افادات مولانا عزیز عمر سلفی، نوائے اسلام، وشیخ عبدالمعید مدنی (علیگڑھ) عبدالمنان سلفی (مرکزی جمعیت)، خالد حنیف صدیقی (دہلی) ۶۔ گلستان حدیث مولانا اسحاق بھٹی۔

❑❑❑

مولانا محمد اسرائیل ندوی رحمہ اللہ

کے گُہر بار قلم سے تصنیف کردہ

ایک تاریخی کتاب

تراجم علمائے اہل حدیث میوات

ضرور پڑھیں

مولانا عبدالرشید عمری ادھونی آندھرا پردیش جوارِ رحمت میں

وفات اگست ۲۰۱۹ء

محمد رفیع کلوری عمری

یہ خبر دکھ کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ جامعہ کے قدیم ترین فرزند اور دورِ اول کی یادگار مولانا عبدالرشید عمری ادھونی کا طویل علالت کے بعد یکم اگست ۲۰۱۹ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ولادت ۱۲/دسمبر ۱۹۲۴ء کو ادھونی، ضلع کرنول میں ہوئی تھی۔ عمر کی ساتویں منزل میں تھے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدۂ ماجدہ نے زندگی کے سرد گرم حالات کا تنہا مقابلہ کرتے ہوئے ان کی پرورش کی۔ مولانا کے والد اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن توحید وسنت کا گہرا شعور رکھتے تھے اور اہل علم کے بڑے قدردان اور خدمت گزار تھے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ ان کا چشم وچراغ عالمِ دین بن کر دین وملت کی بے لوث خدمت کرے، اور وہ بار بار اس کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان کی ناگہانی وفات کے بعد مولانا کی والدۂ محترمہ نے ان کی تمنا پوری کر دی۔

۱۹۳۳ء میں عبدالرشید صاحب کا داخلہ جامعہ کی پہلی جماعت میں ہوا۔ جن پاک نفس اساتذہ سے آپ نے شرفِ تلمذ حاصل کیا ان میں جامعہ کے ناظم اول مولانا فضل اللہؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمیؒ، شیخ الادب علامہ شاکر نائطیؒ، شیخ التفسیر مولانا عبیدالرحمن عاقل رحمانیؒ، مولانا محمد عطاء اللہ سلفیؒ، مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاریؒ، مولانا حافظ عبدالواجد عمریؒ، مولانا عبدالسبحان اعظمی عمریؒ اور انگریزی کے استاذ مولانا حبیب خان سروش عمریؒ قابل ذکر ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"یہ میرے وہ محترم اساتذہ تھے جنہوں نے مجھے باپ کی سی شفقت عطا کی، ہمیشہ اپنائیت اور محبت سے پیش آئے اور میری تعلیم وتربیت کے معاملے میں روحانی باپ کا حق ادا کیا"۔

جامعہ سے آپ کی فراغت ۱۹۴۱ء میں ہوئی شیخ التفسیر مولانا سید عبدالکبیر صاحب عمریؒ، ممتاز قلم کار مولانا محمد شعیب صاحب عمریؒ، مولانا محمد اسحاق عمریؒ، (فرزند شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیلؒ)، مولانا عبدالرحمن خاں پتنگرمی عمریؒ، مولانا قاری عبیداللہ عمری، اور مولانا عبدالشکور سگری عمریؒ، آپ کے ہم سبق تھے۔ آخر الذکر دونوں نابینا تھے۔

جامعہ سے فراغت کے بعد آپ نے جامعہ محمدیہ عربیہ رائیدرگ میں چھ ماہ تدریسی خدمت انجام دی۔ پھر بعض عزیزوں کے اصرار پر مدرسہ تعلیم القرآن سگر، ضلع گلبرگہ میں بحیثیت ناظم اور استاذ ساڑھے تین سال تک خدمت کرتے رہے۔ عمر آباد کے تعلیمی دور میں مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور منشی فاضل کے امتحانات نکال لیے تھے۔ اس بنیاد پر آپ کا تقرر سرکاری مدرس کے طور پر "میونسپل ہائر سکنڈری اسکول، ادھونی" میں ہوا۔ استاذ سے ترقی پا کر صدر مدرس بنے اور کئی سال خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۸۳ء

میں وظیفہ یاب ہو گئے۔

جب تک صحت نے ساتھ دیا مولانا اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دین وملت کی خدمت بڑی توجہ اور خلوص سے انجام دیتے رہے۔ چنانچہ مسجد فتح دروازہ ادھونی میں پورے پچاس سال امام وخطیب کی حیثیت سے بلا معاوضہ خدمت انجام دی۔ مولانا فرماتے ہیں:

''یہی میرے اساتذہ کرام کی تعلیم وتربیت اور نصیحت تھی کہ جہاں بھی رہوں میں اپنے علم وعمل سے دین وملت کو فائدہ پہنچاتا رہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اپنے اساتذہ کرام کی کم ازکم ایک نصیحت پر تو عمل کیا''

مولانا کی ایک تابندہ خدمت نوجوانوں کی دینی تعلیم وتربیت ہے۔ اپنے پچاس سالہ دورِ خدمت میں آپ نے اس طرف بڑی توجہ دی۔ مسلک ومشرب کے فرق کے بغیر عوام وخواص سے آپ نے وسیع تعلقات رکھے۔ دینی معاملات میں آپ کی شخصیت شہر ادھونی میں مرجع کی حیثیت رکھتی تھی۔

مولانا نے صحیح مسلم شیخ الحدیث مولانا محمد نعمان اعظمی علیہ الرحمن سے پڑھی تھی، جو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ چند سال پہلے جب اہل علم کو معلوم ہوا کہ آپ کے پاس سندِ عالی ہے، تو عرب وعجم کے قدردان آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور سند حدیث حاصل کرتے رہے۔

مولانا نے بڑی طویل عمر پائی اور دین وملت کی خدمت سے معمور زندگی گزاری۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۵/سال تھی۔ آپ کی قابلِ رشک زندگی پر یہ حدیث صادق آتی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: خیر الناس من طال عمرہ وحسن عملہ۔ (سنن ترمذی)

''تم میں بہترین آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور جس کا عمل بہترین ہو''

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور چادرِ مغفرت میں ڈھانپ لے۔

(راہ اعتدال عمرآباد ستمبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

ڈاکٹر سلمان راغب بن شاد عباسی بنارس کا سانحہ ارتحال

وفات ۲۹/ اکتوبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اپنے ایک اخباری بیان میں بنارس کے مشہور شاعر وصاحب قلم ڈاکٹر سلمان راغب بن شاد عباسی کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو آج دو پہر دو بجے بنارس میں طویل علالت کے بعد بعمر پچپن سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے اخباری بیان میں کہا ہے کہ ان کی وفات سے جماعت وملت اپنے ایک قابل قدر سپوت سے محروم ہوگئی ہے۔ موصوف نے بی ایچ یو سے اردو ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ زرنگار سوسائٹی کے ذمہ دار تھے جس کے توسط سے وہ اپنے تمام دینی وادبی پروگرام منعقد کرتے تھے۔ المنار پبلک اسکول زیر نگرانی جامعہ سلفیہ بنارس کے نگراں وانچارج کے علاوہ الاحد پبلک اسکول کے بھی ذمہ دار تھے۔ بنارس میں مولانا آزاد اوپن یونیورسٹی کا جو سینٹر ہے وہ اس کے بھی نگراں تھے۔ حال ہی میں یوپی اردو اکیڈمی نے انہیں ان کی خدمات کے لئے صحافتی ایوارڈ سے نوازا تھا۔ ان کا شمار شرفاء بنارس میں ہوتا تھا جب کہ ان کے جد امجد حافظ عباس اپنے تقویٰ وطہارت کے لئے مشہور اور جماعتی وملی خدمت کے لئے ہمیشہ وقف رہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ اور ان کے خانوادے کے ساتھ ان کا تعلق ولگاؤ بہت گہرا تھا۔ ان کے ساتھ ادب واحترام کا ایسا رویہ رکھنے والے ان کے جیسے بہت کم لوگ ملے۔ اہل علم سے ادب واحترام کا رویہ اس خانوادے کا طرۂ امتیاز اور مہمان نوازی ان کی پہچان ہے۔ جس کی بنا پر ہم جیسے خوردوں کو بھی انہوں نے جماعتی غیرت وحمیت اور ملی ہمدردی کے پیش نظر ہمیشہ قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا۔ سلمان راغب عظیم خاندان کے چشم وچراغ اور اپنے خاندان کی روایات واقدار کے امین تھے۔ ادبی وصحافتی دنیا میں بھی اس طریقہ سے وہ اپنے والد کی علمی میراث کو زندہ رکھنے اور خاص طور پر شعر وادب اور اصلاحی وادبی کتابوں کی نشر واشاعت میں سرگرم رہے۔ اہل علم سے ان کے روابط بہت اچھے تھے۔ للہ فی اللہ جامعہ سلفیہ بنارس کی حقیقی خدمت نیز تعمیر وترقی میں فکری وعملی طور پر جتنی بھی مساہمت ہوسکتی تھی برابر کرتے تھے۔ جامعہ وجمعیت کو اپنی حیثیت وجاہ نیز اپنے سنجیدہ رویے سے فیض پہنچاتے رہے۔ حافظ عباس والیاس دار رحمہ اللہ جامعہ سلفیہ کے پروگراموں میں دعوت نامہ کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہتے تھے۔ بلکہ وہ جامعہ سے اپنے قلبی لگاؤ کے باعث ہمیشہ پابندی سے شریک ہوتے تھے اور ہمہ وقت اس کی خدمت کے لئے وقف رہتے تھے۔ ناظم جامعہ مولانا عبد الوحید سلفی اور شیخ الجامعہ مولانا عبد الوحید رحمانی ان کے بڑے قدردان تھے اور یہ دونوں بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ڈاکٹر سلمان جمعیت وجماعت کے لئے ہمیشہ فکرمند رہتے تھے، وہ فون پر حالات معلوم کرتے رہتے اور ہمیشہ خدمت کی پیش کش کرتے رہتے۔ انکے والد ماجد ابوالقاسم شاد

عباسی فکر وفن، شاعری، اورعلم وادب کے شوقین ورمز شناس ہیں۔ بڑھاپے میں اس صدمہ عظیم سے دوچار ہیں۔ہم ان کے غم میں شریک ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعاہے کہ وہ ان کی حسنات کوقبول فرمائے اورلغزشوں سے درگذر فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔پسماندگان میں والدمحترم ابوالقاسم شادعباسی، بیوہ اورتین لڑکے ہیں۔

(ترجمان ۳۰-۱۶/نومبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

حافظ محمد ظہورالحق السّلفی/اڑیسہ

وفات:۲نومبر ۲۰۱۹ء

محمد حفیظ الرحمن

انتہائی رنج وملال کے ساتھ یہ خبردی جارہی ہے کہ جمعیت اہل حدیث جھوم پورہ کے سابق صدراورجامعہ مصباح العلوم جھوم پورہ کے پہلے ناظم جناب حافظ محمد ظہورالحق السّلفی تقریباً سوسال کی عمرمیں گزشتہ ۲/نومبر ۲۰۱۹ءبروزسنیچررات ۱۰ بجے انتقال کرگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔دوسرے روزصوبائی امیرالشیخ طٰہٰ سعید خالد المدنی حفظہ اللہ کی امامت میں ایک جم غفیر نے نمازجنازہ اداکی اورجماعت کی قبرستان میں انہیں سپردخاک کیا۔نمازجنازہ میں مقامی جمعیت جھوم پورہ کے علاوہ ضلع کیونجھر وگھوسدا، یونٹ اورکیندرہ پاڑا کی جمعیتوں سے بھی افرادجماعت شریک تھے۔

موصوف علیہ الرحمۃ نمونہ سلف، انتہائی متواضع اورعلم وعمل کے پیکر تھے اورمتعددبارحج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل کئے۔دینی وملی خدمات کے ساتھ حکمت (علاج) بھی کرتے تھے۔اوراڑیشہ سے متصل جھارکھنڈ کے علاقہ جنت گڑھ میں ایک لمبے عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیئے۔پس ماندگان میں اولادواحفاد کے ساتھ شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے۔اللہ تعالیٰ حافظ صاحب موصوف کی مغفرت فرمائے اورجملہ لواحقین کوصبرجمیل عطافرمائے۔آمین (شریک غم:محمد حفیظ الرحمن، امیرجمعیت اہل حدیث جھوم پورہ وصدرجامعہ مصباح العلوم، جھوم پورہ، اڑیشہ)

(ترجمان:۳۰-۱۶/نومبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

مدرسہ عربیہ ہدایت العلوم چمن پور، مکرانہ، راجستھان کے بانی
جناب فقیر محمد رانڈر کا سانحہ ارتحال

وفات: ۶؍نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ وشوریٰ کے رکن رکین، صوبائی جمعیت اہل حدیث راجستھان کے ناظم اعلیٰ، راجستھان کے معروف ماربل مائنس مالک وتاجر اور ملک وملت اور جمعیت وجماعت کی نہایت مخلص وغیور، مخیر اور ذمہ دار شخصیت جناب عبدالحفیظ صاحب رانڈر کے والد ماجد اور مدرسہ عربیہ سلفیہ ہدایت العلوم چمن پورہ، مکرانہ، راجستھان کے بانی جناب فقیر محمد رانڈر صاحب کے سانحہ ارتحال پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کیا ہے جو کل مورخہ ۶ رنومبر ۲۰۱۹ء کو شام سات بجے وطن مالوف مکرانہ راجستھان میں طویل علالت کے بعد بعمر ۷۹ سال اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر محترم نے کہا کہ مرحوم نہایت ہی نیک، پرہیز گار، خصائل حمیدہ اور اخلاق عالیہ سے متصف، صوم وصلاۃ کے پابند اور نہایت ہی مخلص وغیور اہل حدیث تھے۔ سخاوت وفیاضی ان کا امتیاز تھا اور مدارس ومساجد اور دیگر مستحقین کی امداد کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ جماعتی وملی کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے اور دینی کاموں کے علاوہ سماجی خدمات کی انجام دہی میں لگے رہتے تھے۔ علاقہ کے چند باحیثیت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ علماء نواز تھے اور ان کی ضیافت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور جب بھی مکرانہ حاضری ہوتی تو بڑے خلوص سے ملتے، پرتپاک استقبال کرتے اور پر تکلف ضیافت فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد واحفاد کی صحیح اسلامی تربیت فرمائی جس کا نتیجہ ہے کہ جناب عبدالحفیظ صاحب سمیت ان کے تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں نیک، شریف اور دیندار ہیں اور دین وملت اور جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مرحوم اپنے لگائے ہوئے چمن مدرسہ عربیہ ہدایت العلوم مکرانہ جس کے روح رواں جناب عبدالحفیظ صاحب ہیں کی تعمیر وترقی کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے اور وہاں تعلیم وتربیت میں بہتری لانے کے لئے ہمیشہ مشورے دیتے رہتے تھے۔ اساتذہ وطلباء آپ کے اخلاق کریمانہ سے بے حد متاثر تھے اس لئے ان کی موت پر ان کا غمزدہ ہونا ایک فطری امر ہے۔ اسی طرح مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا تعمیراتی کام جو اہل حدیث منزل جامع مسجد، دہلی میں پایہ تکمیل تک پہنچنے والا ہے اس کے لئے انہوں نے نہ صرف یہ کہ سنگ مرمر کے ذریعہ تعاون فرمایا بلکہ وہ اس کی تکمیل کے لئے بہت فکر مند بھی تھے اور اپنے فرزند ارجمند جناب عبدالحفیظ صاحب کو دیگر جماعتی اور ملی کاموں کی طرح اس کی بھی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ ان کی تجہیز وتدفین کل ہی رات ۱۱ ربجے آبائی قبرستان مکرانہ میں عمل میں آئی۔ پسماندگان میں چھ صاحبزادے جناب عبدالحفیظ صاحب، جناب عبدللطیف صاحب، جناب محمد صدیق صاحب، جناب معین الدین صاحب، جناب کلام الدین صاحب، چار صاحبزادیاں، تین درجن سے زائد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں جن میں بڑے پوتے عبدالرحیم جامعہ اسلامیہ مدینہ

منورہ کے فیض یافتہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً عبدالحفیظ صاحب، ان کے بھائیوں، بہنوں اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت و جماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔(ترجمان ۳۰-۱۶/نومبر ۲۰۹ء)

❑❑❑

مبارکپور کی معروف سماجی وملی شخصیت الحاج عبدالرقیب کا انتقال پرملال

وفات: ۹/نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی

۹/نومبر ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے مولانا عبدالسلام مبارکپوری کے پوتے، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری کے برادرزاد، جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کے موقر استاذ مولانا فضل حق مدنی کے والد گرامی اور جامعہ عربیہ دارالتعلیم پورہ صوفی مبارکپور کے استاذ مولانا عتیق الرحمن سلفی کے بڑے بھائی اور مبارکپور کی معروف شخصیت جناب الحاج عبدالرقیب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے۔

امیر محترم نے فرمایا کہ الحاج عبدالرقیب صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری کے زیر تربیت پلے بڑھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اوپر شیخ الحدیث کی تربیت کے گہرے نقوش پائے جاتے تھے۔ وہ بڑے خوش مزاج وملنسار اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے۔ نیک نفسی، تقوی، شرافت اور عبادت وریاضت ان کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔ علماء نواز تھے اور علماء کی مجالس میں بڑے شوق اور رغبت سے بیٹھتے تھے۔ مجھ ناچیز سے بھی بڑی محبت سے پیش آتے تھے اور میں مبارک پور حاضری کے موقع پر ان کی شفقت ومحبت سے فیض یاب ہوتا تھا۔ وہ ملی وسماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گذشتہ شب بارہ بجے طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اور آج بعد نماز ظہر آبائی وطن مبارک پور میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اہل حدیث کمپلیکس اوکھلا، نئی دہلی میں بھی ان کے پوتوں کی موجودگی میں نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ پسماندگان میں چار صاحبزادے مولانا فضل حق مدنی، الحاج محب الحق، الحاج شمس الحق اور الحاج فیاض الحق، ایک صاحبزادی فاضلہ اور پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں پر مشتمل ایک بڑا خاندان ہے۔ بڑے صاحبزادے مولانا فضل حق سلفی مدنی جو نیپال کے معروف مرکزی تعلیمی وتربیتی ادارہ ام الجامعات جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر کے سینئر استاذ ہیں، اخلاق، دین داری اور طہارت و پاکیزگی میں ممتاز ہیں اور احفاد مولانا صہیب حسن مدنی، حافظ راشد حسن سلفی، حافظ حامد حسن سلفی، حافظ حمید حسن سلفی، حافظ حبیب حسن سلفی، حافظ حمود حسن، ڈاکٹر ضیاء الحق وغیرہ سب عالم وفاضل ہیں۔ صاحب تصنیف ہیں اور دینی وتعلیمی خدمات سے جڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (ترجمان ۳۰-۱۶/نومبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

جناب ریاض رب صاحب کلکتہ کی وفات

وفات: ۱۳/نومبر ۲۰۱۹ء

مولانا محمد رحمانی

۱۳/نومبر ۲۰۱۹ء بروز بدھ رات سوا آٹھ بجے کلکتہ کے معروف تاجر جناب ریاض رب صاحب رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی۔ مارچ ۲۰۱۳ء میں ان کی اہلیہ فوت ہوگئی تھیں جس کا ان کو بڑا صدمہ تھا۔ وفات سے چند ماہ قبل ماہ اپریل ہی میں انہوں نے دوسری شادی کی تھی وہ اپنے خاندان کے باقی افراد میں سب سے بڑے تھے اور مختلف خاندانی وتجارتی معاملات کے ذمہ دار بھی تھے۔ خاندان کا کوئی بھی مسئلہ وہی حل کیا کرتے تھے۔

موصوف کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ علماء کے بڑے قدردان تھے۔ کلکتہ میں جماعت کا کوئی بھی عالم آنے والا ہوتو وہ اس کے استقبال سے لے کر تمام چیزوں کی ذمہ داری اٹھانے کا پورا بندوبست کرتے تھے، علماء کے محاضرات کی ترتیب، ان کے دروس معروف شخصیات سے ان کی ملاقاتوں کا بندوبست اور اگر ان کا تعلق مدارس اسلامیہ سے ہے تو اہل خیر حضرات سے تعاون کے حصول کے امکانات پیدا کرنا ان کا خاص وصف تھا۔ اپنے دولت خانہ پر علماء کے اعزاز میں مختلف افراد کو جمع کرنا، ان کی دعوتیں کرنا اور رہائش کی مجلس میں بھی علمی مسائل کی فضا بنانا اور دروس وغیرہ کا اہتمام کرنا ان کا خاص مشغلہ تھا۔

جولائی ۲۰۱۹ء میں انہیں پینکیریا کا کینسر ہوا، اس کے پہلے رمضان المبارک ہی سے وہ پیٹ کی تکلیف محسوس کرتے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے کینسر نے خطرناک شکل اختیار کرلی اور ساری کوششوں کے باوجود وہ شفایاب نہ ہوسکے۔ وہ بیماری کے ایام میں مسلسل دعاؤں اور شرعی مسائل کے لئے بذریعہ فون رابطہ کرتے تھے، ان کو کسی نے کینسر کے علاج کے لئے کسی بابا سے رجوع کرنے کی صلاح دی لیکن وہ فوراً انکار کر بیٹھے اور فون پر مجھ سے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو بھی کی اور غیر شرعی طریقہ کا ذکر کرکے اس سے اپنی بے زاری کا اظہار بھی کیا، اور اللہ کے فضل سے شدید تکلیف کے ماحول میں بھی شرک باللہ سے محفوظ رہے۔

وہ چمڑے کے بڑے تاجروں میں سے تھے، ملک میں چل رہی غلط پالیسیوں کے نتیجہ میں ان کی تجارت بھی مندی کی بھینٹ چڑھ گئی لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا اور ڈٹ کر اپنے پیشہ سے جڑے رہے۔ وہ جون ۲۰۰۱ء سے تاوفات ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی کی جنرل باڈی کے ممبر بھی رہے، صوم وصلاۃ اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ان کا خاصہ تھا اور یہ صفت ان کے بچوں میں بھی بڑی حدتک موجود ہے۔ موصوف سے بڑی ایک بہن تھیں، ان کے بعد بڑے بھائی فیاض رب نیز چھوٹے بھائیوں میں نیاز رب، ممتاز رب اور ضیاء رب ہیں اور نیاز رب کے بعد تین بہنیں بھی ہیں، اولاد میں بالترتیب سالم، دو بیٹیاں پھر طارق اور عمر سلمہم اللہ ہیں نیز دوسری بیوی (بیوہ) بھی ہیں۔ موصوف کی صلاۃ جنازہ دوسرے دن ۱۴/نومبر بروز جمعرات صلاۃ ظہر کے بعد گھر سے متصل غلام رسول مسجد میں ادا کی گئی، ان کے بھائیوں اور بچوں نے صلاۃ جنازہ پڑھانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی تھی اور تقریباً صلاۃ عصر سے قبل گوبرا قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

□□□ (التبیان دہلی دسمبر ۲۰۱۹ء)

آہ! الحاج عبدالرشید صاحب، مالیرکوٹلہ، پنجاب

وفات: ۲۱/نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ اصغر علی امام مہدی السلفی

دہلی: ۲۲/نومبر ۲۰۱۹ء مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے صوبائی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے سابق امیر، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سابق رکن مجلس عاملہ وشوری، جامعہ سلفیہ بنارس کے سابق نائب صدر ورکن مجلس منتظمہ معروف تاجر وصنعت کار، غیور ومخیر اور مقتدر ومعتبر جماعتی وملی شخصیت الحاج عبدالرشید صاحب کے انتقال پر ملال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک وملت، جماعت اور انسانیت کا بڑا خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ الحاج عبدالرشید صاحب جن کا کل مورخہ ۲۱/نومبر ۲۰۱۹ء کو شب کے گیارہ بجے آبائی وطن مالیر کوٹلہ میں بعمر ۹۲ سال انتقال ہوگیا، نہایت ہی نیک، پرہیزگار، اور خصائل حمیدہ سے متصف، پابند شرع اور نہایت ہی مخلص وغیور اور نامور اہل حدیث بلکہ پنجاب میں اہل حدیث اور مسلمانوں کی پہچان تھے۔ سخاوت وفیاضی ان کا امتیاز تھا اور مدارس ومساجد اور دیگر مستحقین کی امداد کے لئے ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ آپ بہت سی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے سرپرست، عہدیدار اور رکن تھے۔ جماعتی کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ علماء نواز تھے اور ان کی ضیافت کرتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور جب مالیرکوٹلہ حاضری ہوتی تو بڑے خلوص سے ملتے، پرتپاک استقبال کرتے اور امکان اور اصرار کی حد تک اپنے یہاں قیام پر مجبور کرتے تھے۔ جمعیت وجماعت کے لئے مفید مشورے دیتے تھے۔ اور اس پیرانہ سالی میں بھی جمعیت وجماعت کی خبر بذات خود فون کرکے معلوم کرتے تھے اور مرکز کی متنوع دینی، علمی، تحقیقی، دعوتی، نشریاتی، تعمیراتی، رفاہی اور قومی وملی سرگرمیوں کے بارے میں اچھی خبر سن کر خوش ہوتے تھے، خصوصاً جمعیت کی طرف سے نئی کتابوں کی طباعت پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ کتابوں کے نسخے طلب کرتے اور تعریف وتوصیف کے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں دیتے تھے۔ اور اپنی اولاد واحفاد کو بھی دینی اور جماعتی کاموں کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔

امیر محترم نے کہا کہ اہل حدیث منزل کے کاغذی منتقلی کے سلسلے میں الحاج عبدالرشید صاحب نے مخلصانہ کوششیں صرف کیں اور اس سلسلہ میں انہوں نے کئی مرتبہ عازم سفر ممبئی وغیرہ ہونے کے لئے کمر کسا اور اس قضیہ کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس عاملہ اور شوریٰ کی میٹنگوں میں بلاناغہ اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔ اور بہت

صاف گوئی سے جمعیت کی تعمیر وترقی کے لئے مخلصانہ مشورہ دینے کے ساتھ ساتھ کسی کی طرف سے بھی ادنی ریشہ دوانی، الزام تراشی وپروپیگنڈوں کو کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حزم وجزم پر مبنی ان کے مواقف بارہا خصوصاً میٹنگوں کے دوران دیکھنے کو ملتے رہے۔ وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر جمعیت کے کارناموں پر بیجا نکتہ چینی اور حاسدانہ پروپیگنڈوں اوراعتراضات کرنے والوں پر غصہ ہوتے تھے اوراپنے مسکت جواب سے بڑے بڑوں کی مطلب براری اورتذلیل وتلبیس کا پردہ چاک کردیتے تھے، وہ بہت سارے لوگوں کی نفسیات سے بخوبی واقف تھے۔ جمعیت کی موجودہ ترقی اوراستحکام میں ان کی ہمت افزائی کا بڑا دخل ہے۔ وہ غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ امیر محترم نے مزید کہا کہ ادھر بہت دنوں سے مرحوم کی شدید خواہش اورتمنا تھی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سرپرست اورسابق امیر محترم جناب حافظ محمد یحییٰ دہلوی حفظہ اللہ صاحب سے ان کی ملاقات ہواوردوسری یہ کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے دونوں عظیم تعمیراتی پروجیکٹوں خصوصاً اہل حدیث منزل جس کی تعمیر کی خبر سن کر بہت خوش تھے، کا معائنہ کریں لیکن پیرانہ سالی کے سبب نیز امروز وفردا میں ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ البتہ اس کے اجروثواب سے ان شاء اللہ محظوظ وماجور ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً صاحبزادوں ساجدرشید، بلال رشید، طلحہ رشید، یاسر رشید، سہیل رشید، اور ہارون رشید اکلوتی صاحبزادی، داماد محمد اویس صاحب، پوتے پوتیوں اورنواسے نواسیوں اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

پریس ریلیز کے مطابق ان کی تجہیز وتدفین آج ۱۱/ بجے دن آبائی قبرستان اجاڑ وتکیہ مالیر کوٹلہ میں عمل میں آئی، اہل حدیث کمپلیکس دہلی میں بعد نماز جمعہ نماز جنازہ غائبانہ کا اہتمام ہوااور بنگال میں گاجول کی عظیم جامع مسجد میں بھی امیر محترم کے زیرامامت نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ۔ (ترجمان ۱۵۔۱/دسمبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

بھدوہی کی ممتاز ومقتدر شخصیت اور معروف شاعر وتاجر

جناب الحاج شرافت حسین وزیری کا انتقال

وفات: ۲۹/ نومبر ۲۰۱۹ء)

شیخ اصغر علی امام مہدی السّلفی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند سے جاری ایک اخباری بیان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے بھدوہی کی ممتاز ومقتدر دینی، ملی وسماجی شخصیت، معروف شاعر وادیب اور مشہور قالین تاجر جناب الحاج شرافت حسین وزیری کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اوران کی موت کو بڑا دینی، علمی، ادبی، قومی، ملی اور جماعتی خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ جناب الحاج شرافت حسین وزیری صاحب جن کا گذشتہ شب دو بجے دہلی کے ایمس ہاسپٹل میں بعمر ۸۷ سال انتقال ہوگیا، نہایت ہی نیک، دیندار، پرہیزگار اور خصائل حمیدہ سے متصف، پابند شرع اور نہایت ہی مخلص وغیور، نامور اہل حدیث اور بھدوہی کے معروف دینی وتجارتی خاندان وزیری کے سرپرست تھے۔ دعاء واذکار کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے اور حسب مراتب عزیزوں، رشتہ داروں، دوست واحباب اور علماء کرام اور عوام وخواص کے لئے باالالتزام وباہتمام دعائیں کرتے تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ عام لوگوں کی غفلت کا عالم یہ ہے کہ اپنی ذات تک کو فراموش کردیا ہے اور اپنے لیے بھی دعا کی توفیق نہیں ملتی چہ جائیکہ اپنے خویش واقارب، دوست واحباب اور عوام وخواص کے لئے دعا کریں، شرافت حسین وزیری کی شخصیت اس حوالے سے غنیمت وممتاز تھی۔

امیر محترم نے فرمایا کہ الحاج شراف حسین وزیری صاحب اردو زبان وادب کے ماہر، عروضی، قادرالکلام اور کہنہ مشق شاعر تھے۔ رونق تخلص فرماتے تھے، ان کا مجموعہ کلام ''احساس کی خوشبو'' شائع ہوچکا ہے۔ پاکیزہ تصورات وخیالات اور اسلامیات میں ڈوبی ہوئی نظمیں کہتے تھے، خصوصاً نعت گوئی کی باریکی ونزاکت کو نبھاتے تھے۔ عقیدہ کی پختگی اور مقام رسالت سے واقفیت ووارفتگی کی وجہ سے کبھی بھی افراط وتفریط اور غلو کا شکار نہیں ہوئے۔ ان کی نعتیں محبت رسول کا حقیقی آئینہ دار ہوتی تھیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ یوں تو نیا بازار بھدوہی اور چہار بنگلہ خصوصاً وزیری خاندان اپنے متنوع دینی مزاج، اخلاقی برتاؤ، سماجی خدمات، تجارتی امتیازات، خاندانی رکھ رکھاؤ، قومی وملی یکجہتی وغیرہ خصوصیات کی وجہ سے اپنے جد امجد کے زمانہ ہی سے بہت ہی ممتاز گردانا جاتا ہے لیکن شرافت وزیری صاحب کی زندگی کی مختلف خصوصیات انفرادیت کی شکل اختیار کرگئی تھیں۔ آپ کے بڑے بھائی

جناب اشفاق وزیری مرحوم جہاں اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہاں جماعت خصوصاً جمعیت کے سلسلے میں آپ کی کوشش اور فکر مندیاں لائق تعریف وتحسین تھیں۔ جمعیت کے پلیٹ فارم سے جو موجودہ ہمہ جہت کارنامے انجام پائے ہیں اوراس کی ایک طرح سے جونشاۃ ثانیہ ہوئی ہے اس میں اشفاق وزیری صاحب اور دیگر مخلصین کا ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز''امیر جمعیت'' کے ساتھ جس طرح کا پرخلوص تعاون اور جدوجہد تھی وہ لائق ستائش ہے۔ شرافت وزیری صاحب بھی آخری عمر میں جماعتی کاز سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران خصوصاً مجھ ناچیز سے بڑی محبت کرتے تھے اور دعاؤں میں یاد رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی آل واولاد کی دینی تربیت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ سب اپنی اعلیٰ تعلیمی وتجارتی اور منصبی مصروفیات کے باوجود دینی وملی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ الحاج شرافت وزیری صاحب ادھر کچھ دنوں سے صاحب فراش تھے ان کا علاج مختلف پرائیوٹ ہاسپٹلوں کے علاوہ ایمس میں ہوا، اس دوران آپ کے تمام ہی فرزندگان، بھتیجے، خویش واقارب اور دوست واحباب مکمل طور سے تیمارداری میں لگے رہے۔ لیکن موت کا وقت متعین ہے آج ۳۰/نومبر کو اللہ کے پیارے ہوگئے۔ اور سہ پہر بذریعہ ہوائی جہاز ان کو آبائی وطن بھدوہی لے جایا گیا جہاں آج ہی بعد نماز عشاء ان کی تجہیز وتدفین عمل میں آئے گی۔ ان شاءاللہ۔ پسماندگان میں نو بیٹے جناب ارشد وزیری، جناب نجمی وزیری جج دہلی ہائی کورٹ، جناب فرحت وزیری، جناب عشرت وزیری، جناب انتخاب وزیری، جناب فیروز وزیری، جناب فضل وزیری، جناب انیس وزیری، جناب ضیاء وزیری، اکلوتی بیٹی، بھتیجے اور متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس کا مکین بنائے۔ پسماندگان خصوصاً صاحبزادے جناب ارشد وزیری صاحب اوران کے دیگر آٹھ بھائیوں، اکلوتی بیٹی، داماد، بھتیجوں، دیگر اہل خانہ اور پورے خاندان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور جمعیت وجماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ترجمان دہلی ۳۱-۱۶/دسمبر ۲۰۱۹ء)

❑❑❑

مولانا عبدالحفیظ سلفی بسکوہری

وفات ۳۰ نومبر ۲۰۱۹ء

شیخ عبدالمعید مدنی

پچاس سال کا تعلق انسیت اور یگانگت آج صبح پانچ بجے اس وقت ختم ہوگئی جب انھوں نے آخری سانس لی۔آج جب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں یادوں کی ایک برات سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔انسان ممتاز فصیح اللسان بلیغ البیان ہوکربھی ان حالات وظروف کو بیان کرنے پر قدرت نہیں رکھتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ودیعت ہوتے ہیں اور انسان لحہ لحہ سانس سانس جیتا ہے۔وہ سب ماضی کی امانت بن جاتے ہیں۔تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں اور خیر وشر کراما کاتبین کے ریکارڈ کا حصہ۔خاندان میں جس پیڑھی کے ہم ہیں وہ چوتھا لیئر ہے مولانا دوسرے لیئر کے فرد تھے اس میں تین حضرات تھے ڈاکٹر محمد اجمل ندوی، جمیل احمد اور مولانا۔تینوں اللہ کو پیارے ہوگئے۔تیسرے لیئر میں عبدالوحید اور مقبول احمد بھی راہی عالم ارواح ہوگئے۔پہلا لیئر انوارالحق صاحب اور ڈاکٹر خلیل احمد کا ہے اول الذکر نے شاید آزادی سے قبل لکھنؤ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔خلیل صاحب نے فیض عام ندوہ بمبئی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور مسلم یونیورسٹی سے عربی میں پی ایچ ڈی کی۔اس لیئر کے لوگ باحیات ہیں چوتھے لیئر میں ڈاکٹر محمد اقبال ,ہیں اور خاکسار راقم ھے۔مولانا ہمارے سب سے بڑے ,سگے چچا محمد اسرائیل کے پوتے اور سب سے بڑے چچیرے بھائی عبدالاحد کے بیٹے تھے۔مولانا کے اباجان کل سات بھائی تھے۔انکی ولادت اندازا ۱۹۴۶ یا ۴۷ میں آبائی گاؤں چیونٹھوا میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔عربی درجات کی ابتدائی کتابیں مدرسہ محمدیہ بسکوہر میں مولانا عبداللہ پسر کبیر مولانا عبدالغفور بسکوہری سے پڑھیں۔بسکوہر سے بونڈھیار گئے اور مدرسہ سراج العلوم میں داخلہ لیا۔جب جامعہ سلفیہ میں تعلیم شروع ہوئی تو ۱۹۶۶ میں مولانا محمد عابد رحمانی صاحب کی رہنمائی میں اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہونچے اور وہاں داخلہ ملا۔بات یوں ہے جامعہ کو استاد کی ضرورت تھی مولانا رحمانیہ میں پڑھ وپڑھا چکے تھے۔خسروان بنارس انھیں جانتے تھے۔استاد محترم اس وقت سراج العلوم میں مدرس تھے۔جامعہ کے ذمہ داروں نے مولانا محمد اقبال رحمانی سے انھیں اپنے مدرسے سے ریلیز کرنے کو کہا۔مولانا کو ریلیز کردیا گیا مگر اس گزارش کے ساتھ کہ مدرسے کے پانچ منتہی طلباء کو جامعہ میں داخلہ ملے۔وہ پانچ طلباء تھے۔عبدالحفیظ (چیونٹھوا) عبداللہ (کونڈو) سمیع اللہ (سریا) محمد الیاس (گورا بھاری) محمد عیسی (شنکرنگر) ۱۹۶۹ / ۷۰...کے تعلیمی سال میں انھوں نے مرکزی دارالعلوم (اب جامعہ سلفیہ) سے فضیلت سال دوم کی تکمیل کی۔

اسی سال وہ ہمیں اور اقبال کو اپنے ساتھ بنارس لے گئے اور ہم دونوں کو جامعہ رحمانیہ میں داخلہ ملا۔داخلہ پہلے سے طے تھا ابا حضور (حکیم مولانا محمد اسحاق رحمانی) نے مولانا عزیز احمد ندوی سے پہلے ہی میرے اور اقبال کے داخلے کے متعلق بات کرلی تھی۔

مولانا ندوی ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش ہی نہ تھی۔جامعہ سے فراغت کے بعد انھوں نے ایک سال موتی پور (مضافات تلسی پور) میں پڑھایا۔دوایک سال انھوں نے جمعیت اہلحدیث ضلع گونڈہ کے دفتر واقع تلسی پور میں قائم مکتب میں پڑھایا(دفتر تلسی پور میں نئی بستی,پولیس لائن کے پاس تھا۔اس وقت پورے ہندوستان میں جمعیت کے پاس ایسا دفتر نہیں تھا۔چار کمرے بنے تھے لائبریری تھی۔مکتب تھا آفس تھی دعوتی دورے ہوتے تھے۔ضلع کے استر سے زیادہ مکاتب اسلامیہ دفتر کی نگرانی میں چلتے تھے مسجد کی بنیاد مولانا عبدالغفور بسکوہری کے ہاتھوں سے ۱۹۷۶ء میں رکھوائی گئی تھی۔چار پانچ آدمیوں کا اسٹاف کام کرتا تھا ۱۹۷۲ء سے میرا وہاں آنا جانا تھا۔پھر کچھ فسادی ملاؤں نے اس کوکوڑیوں میں بیچ دیا(عاملهم الله بما یستحقون) وہاں سے مولانا کوئلہ باسا نیپال میں چلے گئے۔اور چند سال وہاں پڑھایا۔۱۹۷۵ میں جب میں جامعہ سلفیہ میں عالم رابع میں تھا انھیں کھریانواں ضلع اورنگ آباد بہار جانے کا بندوبست کیا۔وہاں وہ سات سال سے زیادہ رہے۔کھریانواں اہل حدیث بستی ہے بلکہ اسے قصبہ کہئے۔وہاں کے اہلحدیثوں کی قیادت ڈاکٹر شوکت حیات کے ہاتھ میں تھی۔انتہائی نفیس آدمی۔ایسا باوقار مہذب اور شائستہ انسان میں نے اپنی زندگی میں کم دیکھا ہے۔کھریانواں میں انھوں نے اتنی دلجمعی سے کام کیا اور ڈاکٹر صاحب نے اتنا تعاون کیا کہ پوری بستی میں دینی بہار آگئی بچہ بچہ ان سے وابستہ وخوش۔بڑوں کی بات ہی کیا؟ کئی لڑکوں نے وہاں سے آکر جامعہ سلفیہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ایسا لگتا تھا جیسے مسجد اور,مدرسے میں نورانیت چھا گئی ہے۔میرا بھی وہاں دو بار جانا ہوا۔وہاں کی مسجد میں خطبہ بھی دیا۔۱۹۸۲ء کے اخیر میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں میں نے تعلیم مکمل کی اور جامعہ سلفیہ میں مدرس لگ گیا ۱۹۸۳ء میں میں نے انھیں بنارس بلالیا۔اس وقت مشرقی یوپی کے امیر مولانا عبدالسلام مدنی تھے ان سے رائے مشورہ ہوا مولانا مستقیم اور مولانا عزیز الرحمن سے رائے مشورہ ہوا دونوں مولانا کے خاص احباب میں سے تھے سب کی تصدیق سے بات آگے بڑھی بات دربار عالی میں گئی۔مولانا کی شرط تھی کہ اہل وعیال کے ساتھ رہوں گا۔رہائش گاہ شرط اولیں ہے۔شرط مان لی گئی مولانا بچوں کے ساتھ کھریانواں سے آگئے اور مشرقی یوپی کی نظامت سنبھال لی۔انور صاحب نائب ناظم ہوا کرتے تھے اور عبدالرشید سلمہ کے ابا جان مولانا عبدالودود صاحب آفس سکریٹری۔(اگر مجھ سے غلطی ہورہی ہو تو رشید سلمہ درست کردیں) مولانا جب تک ناظم رہے۔بہت اسمو تھلی کام ہوتا تھا۔ان کے دور میں ۱۹۸۵ء میں بھدوہی میں دوروزہ صوبائی کانفرنس ہوئی۔دعوتی کاموں میں تیزی آئی۔۱۹۸۵ء کے اخیر میں میں نے جامعہ سلفیہ چھوڑ دیا۔دم گھٹتا تھا میرا۔میرے جانے کے کچھ دنوں بعد مولانا نے بھی بنارس چھوڑ دیا۔نظامت سے استعفیٰ دے دیا۔انھوں نے مجھے استعفیٰ دینے کا سبب بتایا۔تفصیل میں جائے بغیر بس دو لفظ۔مولانا رہائش گاہ کی شرط پر آئے تھے۔چند سالوں کے بعد حکم آنے لگا رہائش گاہ خالی کرو۔مولانا ابھی لیت ولعل میں تھے کہ دربار عالی سے غنڈوں کی بھی دھمکی آئی مکان خالی کردو ورنہ سامان سڑک پر پھینکوادیں گے مولانا کو شاک لگا بوریا بستر باندھا اور گھر آگئے اور طے کرلیا اب نوکری نہیں کریں گے۔ہمارے گھرانے میں چاپلوسی نہیں ہے کھرا کھرا حساب ہے ایمان داری محنت اور خودداری پہچان ہے۔ہمارے گھرانے نے کتنوں کو پالا ہے اور لٹ لٹ گئے ہیں اپنی داستاں بڑی لمبی ہے کیا چھیڑوں اسے آخرت کے لئے سینے میں چھپا رکھا ہے احمقوں کو میرے متعلق سب الٹا نظر آتا ہے۔مولانا نے استعفیٰ کا سبب بتایا بہت دکھ ہوا۔میں نے ''جمعیت اہلحدیث ایک جائزہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو ''نوائے اسلام'' کے

۱۹۸۵ء کے کسی شمارے میں چھپا تھا۔ اس میں چند جملے آقاوں کے متعلق اشارتاً آگئے تھے اس پر یہ بوکھلا اٹھے۔ میرا کیا بگاڑتے۔ میں کب خودساختہ آقاوں کو خاطر میں لاتا ہوں۔ اس کا صلہ عزیز عمر سلفی اور عبدالواجد کو ملا دونوں دربار عالی کے گھر سے اور جامعہ سلفیہ سے بھگائے گئے۔ اور جب خیرات بٹورنے میں نوائے اسلام بہت آگے نکل گیا تو صاحب زادے چاہ رہٹ پہونچنے لگے۔ یہ ہے انکی اوقات۔ مولانا بنارس سے واپس آکر اپنے آبائی پیشہ تجارت میں لگ گئے اور چند سالوں میں کافی ترقی کرلی۔ جب اولاد بمبئی میں سٹل ہوگئی تو انھوں نے کاروبار تجارت بند کردیا اور دینی رجحان کے سبب تدریس میں آگئے آخری چند سالوں میں میرے کہنے پر جیتا پور میں اقصی جونیر ہائی اسکول میں بچوں کو قرآن کریم اور دینیات پڑھاتے تھے بنیادی طور پر ان کو دینی تربیت اور رہنمائی ابا حضور سے ملی۔ انکے خاص اساتذہ میں ہیں مولانا محمد اقبال رحمانی، مولانا محمد عابد رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عبدالمعید بنارسی اور مولانا شمش الحق سلفی۔

مولانا انتہائی محنتی بے ریاء اور مخلص انسان تھے وقار اور سادگی ان کی پہچان تھی۔ وہ معاملہ کے بہت صاف ستھرے تھے۔ ایسا انسان لازماً حساس ہوتا ہے۔ آدمی جب محنتی ہو بے لاگ ہو کام میں کوچر نہ ہو تو کیوں کسی سے دبے گا؟ لالچی ذلیل اٹھائی گیرے اور پنچ منافق جوڑتوڑ کرنے والے منافق اور مکھن باز ہوتے ہیں۔ مولانا باہمی اکرام اور محبت کے آدمی تھے۔ وہ دکھ سہ لینے دکھ نہ دینے کے اصول کے قائل تھے۔ دین سے انکا لگاو بہت مضبوط تھا۔ زمانے تک انھوں نے خطابت کی۔ دعوت کا کام وسعت بھر انھوں نے ہمیشہ کیا۔ کتابوں کے عاشق تھے۔ دعوتی کتابیں بانٹنے کے وہ ایک طرح سے دیوانہ تھے۔ تقریباً پندرہ سال میں انھیں دعوتی کتابیں دلی سے بھیجتا رہا کچھ سالوں سے مکتبہ دارالھدی کے مالک عزیزم شہاب الدین اور میں مشترکہ طور پر انھیں کتابیں بھیجتے رہے وہ ایک ایک نسخہ پوری ذمے داری سے دور دور تک پہنچاتے تھے۔ گاوں گھر اور اعزاء میں سلسلہ وار کتابیں پہونچاتے۔ میرے رسالے الاحسان کو اور میری تصنیفات کو خاص طور پر بڑے اہتمام سے لوگوں کو دیتے۔ یہ سب للہ فی اللہ۔ بعض چھوٹی موٹی چیزیں جو ان کو پسند تھیں انھیں خود چھپوا کر تقسیم کیا۔

مولانا تین بھائی دو بہنوں میں سب سے بڑے تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو چھ بچوں اور دو بچیوں سے نوازا۔ سب کی شادی ہوچکی ہے اور سب ویل سٹلڈ ہیں مولانا خاندان رشتہ داروں اور احباب میں ہردلعزیز تھے رب کریم سے دعا ہے کہ انھیں اپنے عفو و مغفرت سے شادکام کرے انھیں اپنی رضا بخشے اور سبھی پسماندگان کو صبر عطا کرے آمین یارب العالمین۔

❑❑❑

باب ششم

موجودین علمائے اہل حدیث و اعیان جماعت

۲۰۱۸ء/۲۰۱۹ء

مولانا شفیع اللہ رحمانی/حفظہ اللہ ملگہیا، سدھارتھ نگر

ولادت: ۱۹۳۰ء

خالد حنیف صدیقی

مولانا شفیع اللہ رحمانی ہمارے بڑے والد چچا زین اللہ کے بڑے لڑکے ہیں۔ جامعہ رحمانیہ بنارس کے قابل فارغین و لائق فائق تلامذہ میں سے ہیں، ایک طویل تدریسی اور تعلیمی خدمات کے ساتھ بہترین قلمکار اور شاعر خوش الحان بھی ہیں۔ اور ماہر فرائض مولانا عبدالرحمن بجواوی، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری وغیرھم جیسے اساطین علم و معرفت کی شاگردی کا آپ کو شرف بھی حاصل ہے۔ ذیل کے سطور میں سوانحی خدمات اور تعارف کا ایک مختصر خاکہ پیش ہے جسے مولانا خالد حنیف صدیقی صاحب نے ہمارے وطن جاکر مولانا سے بذریعہ انٹریو مرتب فرمایا ہے۔ موصوف کے شکریہ کے ساتھ یہ نامہ حوالہ قرطاس ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزء (عبدالحکیم مدنی)

• • • • • • • •

نام: مولانا شفیع اللہ بن زین اللہ بن بشیر احمد

مقام پیدائش: ملگہیا، پوسٹ ڈھکھری، تھانہ ڈھبروا، ضلع سدھارتھ نگر۔ اترپردیش

تاریخ پیدائش: ۱۹۳۰ء (کاغذات میں ۱۹۳۶ء)

ابتدائی تعلیم: گاؤں ہی کے مدرسہ بحر العلوم میں قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی اردو فارسی کی تعلیم درجہ پنجم تک حاصل کی۔ گاؤں کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں داخلہ لیا، وہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مولانا عبدالرحمن بجواوی، مولانا عبدالشکور دورصدیقی، مولانا محمد زماں رحمانی، مولانا عبدالصبور رحمانی، اکرہرا، اور میاں محمد زکریا قابل ذکر ہیں۔

یہاں کی تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم ششہنیاں میں داخلہ لیا اور جماعت رابعہ و خامسہ تک تعلیم کی تکمیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالجلیل رحمانی، عبدالشکور دورصدیقی، منشی رحم اللہ صاحب بستوی، وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

پھر جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لے کر فضیلت کی سند حاصل کی۔ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد املوی سے سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، صحیحین، مولانا عبدالعزیز مئوی سے تلخیص المفتاح اور سراجی، مولانا فضل الرحمن سے متنبی، دیوان حماسہ، مولانا عبیداللہ (دربھنگہ، بہار) سے نحو و صرف اور ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی سے فارسی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

درس و تعلیم کا سلسلہ سراج العلوم جھنڈانگر سے شروع کیا۔ اونچی مسجد کانپور میں امامت و تدریس سے وابستہ رہے۔ پھر مسجد اہل حدیث مالیر کوٹلہ میں بھی (امامت و تدریس) سے جڑے رہے۔ جامعہ ریاض العلوم دہلی (۱۹۸۰۔۱۹۸۱ء) میں درس و تعلیم کا فریضہ

انجام دیا۔ یہاں کے دیگر اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا امان اللہ فیضی (چندن بارہ بہار) مولانا شکر اللہ ٹکریا (سدھارتھ نگر) مولانا عبدالعلیم ماہر سمرا (سدھارتھ نگر، یوپی) مولانا قطب اللہ ندوی (سدھارتھ نگر، یوپی) مولانا عبدالرشید ازہری (مولانا عبدالسلام بستوی کے پسر کبیر) قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۱ء کے نصف میں مدرسہ میاں صاحب میں تشریف لائے اور مدرسہ کے تعلیمی سلسلہ کا آغاز کیا۔ یہاں آپ نے دوسال درس وتعلیم کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے ساتھ مولانا ابوالکلام احمد بھی تھے۔ رمضان المبارک میں مستعفی ہوکر وطن واپس چلے آئے، اور بعد رمضان المبارک ۱۹۸۳ء میں مدرسہ دارالتوحید مینا عیدگاہ (ضلع سدھارتھ نگر، یوپی) میں تدریسی فریضہ انجام دیا۔ ایک سال مدرسہ مدینۃ العلوم لہرسن بازار (ضلع سدھارتھ نگر، یوپی) دوسال جامعۃ الصالحات، تلسی پور (حال ضلع بلرام پور) رہے۔ (غالباً اسی درمیان جامعہ اسلامیہ دریاباد میں بھی چندسالوں تک تدریس سے وابستہ رہے۔ (عبدالحکیم) اس کے بعد مولانا صلاح الدین مقبول صاحب کے قائم کردہ نسواں ادارہ ''معہدالصالحات'' اونرہوا سے وابستہ ہوئے۔ یہاں آپ نے ۲۲ رسال تک طالبات مدرسہ کو تعلیم دی۔ مسلسل ۶۲ سال تک مدارس اسلامیہ سے وابستہ رہ کر درس وتعلیم کا فریضہ انجام دیا، جو اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ ۲۰۱۷ء میں مستعفی ہوکر گھر پر آرام فرمارہے ہیں۔ اس پیرانہ سالی میں بھی اچھے خاصے تندرست اورصحت مند ہیں۔

(مذکورہ سطور کی اشاعت کے موقع پر خبر لگی کہ مولانا سخت علیل ہوچکے ہیں، دسمبر ۲۰۱۹ء کی ٹھنڈک نے آپ کو فالج زدہ کردیا ہے۔ ابھی صاحب فراش ہیں، مولائے کریم صحت عاجلہ وشفائے کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔ (عبدالحکیم)

(بذریعہ انٹرویو)

❑❑❑

مولانا عبدالرحمن بن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری/ حفظہ اللہ

ولادت: ۵/جولائی ۱۹۳۵ء

جمع وترتیب: فواز عبدالعزیز مبارکپوری

نام ونسب: عبدالرحمن بن عبیداللہ (۱۳۲۷ھ۔ ۱۴۱۴ھ، ۱۹۰۹ء۔ ۱۹۹۴ء) بن عبدالسلام (۱۲۸۹ھ/ ۱۳۴۴ھ) بن خان محمد (۱۲۵۸ھ/۱۳۲۷ھ) بن امان اللہ بن حسام الدین (شہادت برصوبہ سرحد ۱۲۴۴ھ)، کنیت ابوزہیر ہے۔

والدہ مکرمہ کا نام حکیمہ خانم بنت محمد اکبر ہے، جو حضرت مولانا عبدالصمد حسین آبادی شارح سنن ابن ماجہ کی چھوٹی بہن تھیں، ان کا انتقال بروز منگل ۸/جون ۱۹۹۸ء تین بجے شب میں ہوا۔

ولادت: آپ کی ولادت یکم رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۵/جولائی ۱۹۳۵ء بروز شنبہ بوقت نماز فجر ہوئی، تمام بھائی بہنوں میں چھٹے نمبر پر ہیں۔

ابتدائی تعلیم وتربیت: قرآن کریم اور ابتدائی دینیات کی تعلیم والدہ ماجدہ اور بڑی بہن صفیہ (وفات ۱۹۵۶ء) سے پائی، ایک ختم قرآن مجید کے بعد تیسواں پارہ حفظ، صلوۃ محمدی (حضرت مولانا محمد جونا گڑھی) نبیوں کے قصے (خواجہ عبدالحئی فاروقی) اور اسلامی عقائد بھی انہیں سے حفظ کیا، پھر مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور میں داخل کئے گئے جہاں پرائمری درجات ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۸ء میں پاس کیا۔

عربی تعلیم: عربی تعلیم کا آغاز ۱۹۴۸ء میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے ہوا، پھر ۱۹۴۹ء میں مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن پہونچے۔ جہاں دوسری جماعت سے لے کر پانچویں تک تحصیل علم میں منہمک رہے، ۱۹۵۴ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کا رخ کیا، جہاں ۱۹۵۶ء میں عالمیت کی سند سے نوازے گئے۔

اساتذہ: گھر پر والد مکرم سے عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں والدہ مکرمہ سے قرآن کریم اور بڑی بہن صفیہ سے نماز کی تعلیم، ادعیہ مسنونہ۔ **مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور:** مولانا حکیم محمد اصغر مبارکپوری سے فارسی کی پہلی، گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی وغیرہ، منشی محمد احسن صاحب سے پرائمری درجات چہارم تک کہ اس وقت پرائمری درجات درجہ چہارم تک ہی ہوتے تھے۔ **مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن:** حضرت مولانا محمد احمد ناظم مئوی سے کافیہ اور ہدایۃ النحو، حضرت مولانا عبدالرحمن نحوی، دیوان الحماسہ (باب الحماسۃ، مختصر المعانی، سلم العلوم فی المنطق اور توضیح تلویح فی اصول الفقہ اور حضرت مولانا حکیم محمد سلیمان مئوی سے، تلخیص المفتاح، مشکوۃ المصابیح اور فقہ۔ حضرت مولانا عبداللہ شائق مئوی سے اصول فقہ (نورالانوار تا مبحث امر ختم) اور عربی ادب (دیوان متنبی)۔ حضرت مولانا جمیل احمد مئوی سے قطبی فی علم المنطق۔ حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن اعظمی (۱۹۹۶ء) سے بلوغ المرام۔ قاری عبدالسبحان مئوی صاحب سے فصول اکبری۔ حضرت مولانا عظیم اللہ مئوی سے بعد صلاۃ مغرب تا عشاء خارج از مدرسہ۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر: یہاں آپ تقریباً چھ ماہ رہے ہوں گے، طبعی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت مولانا نظام الدین اصلاحی حفظہ اللہ وبارک فی عمرہ سے جمیرۃ خطب العرب، ترجمہ قرآن مجید اورانشاء۔حضرت مولانا اختر احسن اصلاحی سے المفصل للزمخشری۔حضرت مولانا صغیر احمد اصلاحیسے مختصر القدوری، چند ابواب۔ حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحیسے مؤطاامام مالک چندابواب۔

جامعہ رحمانیہ بنارس: حضرت مولانا نذیر احمد بن شیخ عبدالشکور املوی رحمانی (۱۹۰۶ء۔۱۹۶۵ء) سے صحیح بخاری ومسلم، حجۃ اللہ البالغۃ جلداول، ہدایۃ الحکمۃ، مسلم الثبوت، تفسیر الجلالین، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر اورتاریخ الفخری۔حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز بن مولانا ابوالقاسم عمری (۱۳۴۰ھ۔۱۴۲۶ھ/ ۱۹۲۲ء۔۲۰۰۵ء) سے سنن ابوداؤد، جامع امام ترمذی، موطا امام مالک، مدارک التنزیل، تفسیر امام بیضاوی، اتقان فی علوم القرآن، سراجی فی علم الفرائض، حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی، شرح عقائدنسفی، ہدیہ سعیدیہ اوررشیدیہ۔حضرت مولانا فضل الرحمن بن مولانا محمد نعمان عمری مئوی سے ہدایہ (آخری دونوں جلدیں) انشاء، ادب عربی، دیوان الحماسۃ، السبع المعلقات اورابومنصور الثعالبی کی احسن ماسمعت۔حضرت مولانا عبدالمجید حریری (۱۳۱۲ھ۔۱۳۹۲ھ/ ۱۸۹۴ء۔۱۹۷۲ء) سے ابن الحاجب کی شافیہ اورزمخشری کی المفصل (بعدصلاۃ عصرتامغرب۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ: ۱۹۶۲ء میں جب جامعہ اسلامیہ مدینہ کا قیام ہواتو ہندوستان سے آپ کے نام کی بھی ترشیح کی گئی۔ وہاں کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ ملا، پوری دلجمعی کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک ہوگئے، جامعہ کے ابتدائی ایام تھے، عالم اسلام کی چنندہ اور اپنے فن کے نہایت قابل اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

امام شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (۱۳۳۰ھ۔۱۴۲۰ھ/ ۱۹۱۰ء۔۱۹۹۹ء) سے بلوغ المرام مع سبل السلام۔امام شیخ ناصرالدین الالبانی (۱۳۳۳ھ۔۱۴۲۰ھ/ ۱۹۱۴ء۔۱۹۹۹ء) سے بلوغ المرام مع سبل السلام۔مفسر قرآن علامہ محمد الامین الشنقیطی (۱۳۲۵ھ۔۱۳۹۳ھ/ ۱۹۰۵ء۔۱۹۷۴ء) سے تفسیر اوراصول فقہ۔علامہ حافظ محمد گوندلوی (۱۳۱۵ھ۔۱۸۹۷ء/ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۹ء) سے مادۃ الاسانید جامع ترمذی۔شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد (ولادت: ۱۳۵۳ھ) سے المقنع، بدایۃ المجتہد، شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔شیخ عبدالغفارحسن رحمانی (۱۵/۹/۱۳۳۱ھ۔۲۰/۷/۱۹۱۳ء۔۳/۳/۱۴۲۸ھ۔۲۲/۳/۲۰۰۷ء) سے مصطلح الحدیث۔ شیخ محمد المجذوب (۱۹۰۷ء/ ۱۹۹۹ء) سے اصول تربیت اورتعلیم۔شیخ محمد ناظم ندوی (۱۳۳۳ھ۔۱۴۲۱ھ ۱۹۱۴ء۔۲۰۰۰ء سے بلاغت، شیخ محمد سلیمان الاشقر (۱۹۳۰ء/ ۲۰۰۹ء) سے نحو۔محمد بن ابراہیم شقرۃ (۱۹۳۴ء۔۱۶/۷/۲۰۰۹ء) سے نحو۔شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد (ولادت ۱۹۲۱ء) سے نحو، قواعد اوراصول فقہ۔شیخ عطیہ سالم (۱۳۴۸ھ۔۱۴۲۰ھ/ ۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) سے ادب عربی، انشاء، اوراصول الدعوۃ والارشاد۔شیخ قاضی عبداللطیفسے اصول القضاءفی الاسلام۔وغیرہ جیسی کتابیں پڑھیں۔

استفادہ: شیخ محمد بن ناصرالعبودی رحفظہ اللہ: سابق امین عام جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔

اجازات حدیث: والدگرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی املوی اورحضرت مولاناظہیرالدین اثری رحمانی (۱۹۲۰ء۔۲۰۱۷ء) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

بعض رفقاء درس: بنارس کے رفقاء میں مولانا محمد ایوب ندوی رحمانی مقیم ممبئی، مولوی محمد صالح رحمانی (ہندسی سی تیل) مئوناتھ بھنجن، مولانا ثناء اللہ رحمانی بونڈیہار، مدرسۃ الاصلاح کے رفقاء میں حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی دارالمصنفین، مدینہ کے رفقاء میں مفتی پنجاب مولانا فضیل الرحمن ہلالی عثمانی، ڈاکٹر تقی الدین ندوی فردوسی پٹنہ، شیخ سراج الرحمن قاضی، شیخ حفیظ الرحمن عمری مدنی، خالد شا کرنائطی عمری، مزمل صدیقی، احمد عبدالرحمن ملیباری، شیخ احمد عبدالصمد الشنقیطی، شیخ عبدالرحمن عبدالخالق (مصری) مقیم کویت، شیخ عبدالرحمن الکواتی (سیریا)، علامہ ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی، شیخ جابر محمد مدخلی، شیخ علی محمد مدخلی، شیخ محمد عبدالرحمن العامودی، شیخ مصلح بن سلمیٰ الردادی، شیخ احمد محمد صالح اور سرکمال الدین سودانی قابل ذکر ہیں۔ حفظ الله الاحياء و رحم من افضی الی ربه وغفرله واسكنه فسيح جناته۔

درس وتدریس: جامعہ رحمانیہ بنارس سے فضیلت کے فوراً بعد ۱۹۵۶ء سے لے کر ۱۹۶۰ء چار سال تک، مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں بھی پڑھانے کا موقع ملا، جامع ترمذی، بلوغ المرام، شرح وقایہ، دیوان حماسہ، دیوان متنبی، تہذیب، مشکوۃ المصابیح وغیرہ جیسی کتابیں پڑھانے کے لئے ملیں، پھر دو سال تک والد صاحب کے ساتھ تک کام کرتے رہے، مدینہ سے فراغت کے بعد چار سال تک روڈیشیا میں دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے، ۱۹۷۱ء میں ہندوستان واپس آئے تو والد گرامی کی معاونت کے علاوہ مدرسہ عربیہ دارالتعلیم میں نظامت کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے، یہ سلسلہ ۱۹۹۹ء میں موقوف ہوا۔

معروف تلامذہ: حضرت مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر حافظ مقتدی حسن ازھری، ڈاکٹر حافظ عبدالعلی ازھری، حضرت مولانا مظہر احسن ازھری، حضرت مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا لعل محمد بستوی دہلوی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرب فیضی بھوارہ، قاری محمد زبیر مبارکپوری، مولانا قرۃ العین فائق املوی (۱۹۳۸ء - ۲۰۱۴ء) مولانا محمد یحییٰ فیضی، حافظ نصر اللہ جون پوری، (وفات ۲۰۱۸ء) کاتب سطور کو بھی عم گرامی رحفظہ اللہ وبارک فی عمرہ سے مشکوۃ المصابیح جلد اول، تحفۃ اہل الفکر فی مصطلح اہل الاثر اور سراجی پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

دعوت وتبلیغ: فراغت کے بعد ہی سے مختلف مساجد میں خطبات جمعہ اور قرب وجوار کے دیہاتوں میں دعوت وارشاد کا سلسلہ شروع کردیا تھا، ایک لمبی مدت تک جامع مسجد حافظ خدا بخش غلہ منڈی اور جامع مسجد اہلحدیث اسلام پورہ مبارک پور کے خطیب بھی رہے ہیں، پیرانہ سالی کی وجہ سے اب یہ سلسلہ موقوف ہے۔

جب مدینہ پہنچے وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے سماحۃ الشیخ عبداللہ بن حمید سابق رئیس شئون الحرمین وسابق ممبر سپریم علماء کمیٹی مملکت سعودی عرب کے زیر ہدایت مسجد حرام مکہ میں ہندوستانی حجاج کو بعد صلاۃ مغرب تا صلاۃ عشاء اور بعد صلاۃ فجر تاوقت اشراق درس دینے اور رہنمائی کا زریں موقع نصیب ہوا، اسی طرح رابطہ عالم اسلامی اپنے یہاں بعد صلاۃ عشاء منعقد ہونے والے مختلف محاضرات اور لکچرز کا فوری ترجمہ کرنے کی خدمات حاصل کرتی رہی، اسی موقع پر بیت اللہ شریف میں داخلہ اور اس میں دو رکعت نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسی طرح جب روڈیشیا میں برسرعمل تھے، تو وہاں پر بھی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا تھا جس کے مفید اثرات آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔

وطن واپس آنے پر یہ سلسلہ اور دراز ہوگیا، دعوت وارشاد اور اصلاح ذات البین کے لئے ملک کے مختلف مقامات کا سفر کیا،

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور جامعہ سلفیہ بنارس کے مختلف پروگراموں میں برابر شامل ہوتے رہے ہیں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ نوگڑھ ۱۹۶۳ء سے لے کر اب تک ہونے والی تمام تاریخ ساز کانفرنسوں میں شرکت کا شرف حاصل ہے، عمر کا ایک معتدبہ حصہ سفر میں ہی گذرا ہے، آج بھی درازی عمر کے باوجود قرب وجوار کے جلسوں میں برابر شریک ہوتے ہیں، وہ ان چند گنے چنے اعیان جماعت میں سے ہیں، جنہوں نے جماعت اور جمعیت کے مختلف ادوار کا بچشم خود نہ صرف مشاہدہ کیا ہے بلکہ اس کے اتار چڑھاؤ کے عینی شاہد ہیں، عروج وزوال کے بہتیرے مناظر کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور جانا ہے۔ انہیں گونا گوں خدمات کے پیش نظر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ میں مختلف اہل علم کے ساتھ آپ کو بھی ایوارڈ سے نوازا ہے۔

مناصب وذمہ داریاں: درس وتدریس کے ساتھ ساتھ مختلف علمی اور دعوتی ذمہ داریوں کو بھی نبھانے کی کوشش کرتے رہے۔

● ممبر مجلس عاملہ وشوریٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند۔ ● ممبر مجلس شوریٰ صوبائی جمعیت اہل حدیث مشرقی یوپی، لکھنؤ۔ ● ممبر مجلس منتظمہ جامعہ سلفیہ بنارس۔ ● ممبر مجلس تاسیسی وعاملہ دینی تعلیمی کونسل لکھنؤ۔ ● ممبر مجلس عاملہ ملت اسکول مبارک پور۔ ● سابق ممبر ادارہ اصلاح المساجد ممبئی۔ ● سابق ناظم مدرسہ عربیہ دار التعلیم مبارکپور، ساڑھے سترہ سال (۱۹۸۷-۲۰۰۲ء) ● بانی ناظم جامعۃ المعارف الاسلامیہ مبارک پور۔ ● سرپرست جامعہ سراج العلوم کنڈؤ، بونڈیہار، ضلع بلرام پور۔

اسی طرح مبارکپور کی متعدد اہل حدیث مساجد کے متولی اور نگراں ہیں، قرب وجوار کی متعدد اہل حدیث مساجد آپ کے توسط سے اصلاح المساجد ودیگر اہل خیر کے تعاون سے تعمیر ہوئی ہیں۔

کانفرنس اور سیمینار میں شرکت: ملک وبیرون ملک متعدد کانفرنس اور سیمینار میں شرکت کا موقع ملا ہے جن میں قابل ذکر عالمی سیرت کانفرنس، دوحہ قطر ہے، اس عالمی کانفرنس میں جو مقالہ پیش فرمایا تھا، اس کو جامعہ سلفیہ بنارس نے اپنے مؤتمر علمی کے زریں موقع پر صوت الجامعہ کے نمبر میں طبع کر دیا ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاق منعقدہ ۴/ ۵/ ۶ نومبر ۱۹۷۳ء احمد آباد: اس علمی سیمینار میں سابق امیر جماعت حضرت مولانا مختار احمد ندوی کے ساتھ جماعت اہلحدیث کی نمائندگی فرماتے ہوئے شریک ہوئے تھے، بعد میں جملہ مقالات ''مجموعہ مقالات علمیہ: ایک مجلس کی تین طلاق'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا تھا، پاکستان میں یہ کتاب حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے، اس میں آپ کا مقالہ ص: ۹۷ سے لے کر ۱۱۳ تک مطبوع ہے، جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقد ہونے والی کانفرنس اور علمی سیمینار میں برابر شریک رہے ہیں۔

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۲ء نئی دہلی

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۶ء نئی دہلی

صدر مجلس استقبالیہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس منعقدہ ۲۰۱۸ء نئی دہلی

تحقیق وتصنیف: تحفۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر: یہ رسالہ پہلے مرعاۃ المفاتیح کے مقدمہ کے طور پر لکھا گیا تھا۔ اہمیت وافادیت اور متعدد اہل علم کے ایماء پر الگ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا، متعدد مدارس کے نصاب میں داخل بھی ہے۔ ● خطبات

محمدی: حضرت مولانا محمد جوناگڑھی، مراجعہ وتدقیق، یہ نسخہ حضرت مولانا مختار احمد ندوی کے اہتمام سے برابر دار المعارف ممبئی سے چھپتا رہا ہے۔ ● ما یجب ان یعرفہ المسلم: سماحۃ الشیخ عبداللہ عبدالغنی خیاط سابق امام وخطیب مسجد حرام مکہ وسابق ممبر سپریم علماء کمیٹی سعودی عرب (اردو ترجمہ) ● ارکان الاسلام: سماحۃ الشیخ عبداللہ عبدالغنی خیاط سابق امام وخطیب مسجد حرام مکہ وسابق ممبر سپریم علماء کمیٹی مملکت سعودی عرب (اردو ترجمہ) ● اخبار عمر واخبار عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما): شیخ علی طنطاوی وشیخ ناجی طنطاوی، سوانح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اردو ترجمہ از صفحہ ۵۵۷ تا صفحہ ۵۹۵۔

اسی طرح مجلہ حضارۃ الاسلام، مجلہ التربیۃ الاسلامیہ (الکرخ بغداد) اور مجلہ التمدن الاسلامی میں شائع ہونے والے بہت سارے مضامین کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو اخبار اہل حدیث، دہلی اور ترجمان دہلی میں چھپتا رہا ہے۔

ازدواجی زندگی: آپ کی شادی بڑے ماموں حضرت مولانا عبدالصمد حسین آبادی شارح سنن ابن ماجہ کی بڑی صاحبزادی عائشہ سے (۱۹۳۵ء۔۱۶/۶/۲۰۱۲ء) ہوئی تھی، تین بچے اور چار بچیاں ہیں:

۱۔ زہیر (پیدائش ۲۸/رجب/۱۳۸۵ھ) جامعہ اسلامیہ مدینہ سے گریجویٹ ہیں۔ معہد اعداد الائمہ والدعاۃ رابطہ عالم اسلامی مکہ سے دوسالہ کورس بھی کیا ہے، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات جھنڈانگر، جامعہ ابوہریرہ الاسلامیہ لال گوپال گنج الہ آباد میں پڑھانے کے بعد مدرسہ احیاء السنۃ بجرڈیہہ، بنارس میں مسند درس پر فائز ہیں۔

۲۔ ازہر (پیدائش: ۱۱/۳/۱۳۸۷ھ مطابق ۲/۶/۱۹۶۷ء): جامعہ سلفیہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے گریجویشن اور جامعۃ الملک سعود، ریاض سے تعلیم وتربیت میں ڈپلومہ کے بعد کچھ دن جامعہ محمدیہ، بنگلور میں درس وتدریس سے وابستہ رہے، پھر سعودی عرب کے شہر بریدہ میں شعبہ دعوت وتبلیغ (جالیات) میں کام کرنے کا موقع ملا، فی الحال جامعہ ابوہریرہ الاسلامیہ لال گوپال گنج الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ایک مدت تک شیخ الجامعہ بھی رہے ہیں۔

۳۔ اجمل (پیدائش ۱۸/۹/۱۳۸۹ھ مطابق ۲۹/۱۱/۱۹۶۹ء) جامعہ سلفیہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغ التحصیل ہیں اور سعودی عرب کے شہر الاسیاح میں شعبہ جالیات سے جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ زرینہ (پیدائش ۶/۹/۱۳۷۵ھ مطابق ۱۸/۴/۱۹۶۵ء)

۵۔ امیمہ (پیدائش ۱۵/۲/۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸/۷/۱۹۶۲ء)

۶۔ ثمامہ (پیدائش ۲۴/۴/۱۳۹۲ھ مطابق ۷/۶/۱۹۷۲ء)

۷۔ عطیۃ (پیدائش ۲۴/۸/۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲/۹/۱۹۷۴ء): کلیہ فاطمۃ الزہرا الاسلامیہ للبنات مئوناتھ بھنجن کی فاضلہ ہیں۔

(ماخوذ از: کاروان سلف حصہ پنجم ص: ۱۴۱۔۱۵۰)

❑❑❑

استاذ گرامی عم محترم

مولانا احسان اللہ رحمانی / حفظہ اللہ ملگہیا سدھارتھ نگر

استاذ کلیۃ عائشہ صدیقہ جھنڈانگر

ولادت: ۱۹۴۰ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

ہمارے خاندانی چچا اور مکتب کے مربی اور استاذ مولانا احسان اللہ رحمانی / حفظہ اللہ حلقہ بڑھنی ضلع سدھارتھ نگر کی ایک معروف علمی شخصیت ہیں جنہوں نے عمر عزیز کا دو تہائی حصہ درس وتدریس اور تعلیم وتربیت میں گزار دیا ہے۔ اور فی الوقت مملکت نیپال کی عظیم نسواں درسگاہ کلیۃ عائشہ صدیقہ شاخ جامعہ سراج العلوم، جھنڈانگر میں ایک طویل عرصے سے بچیوں کی تعلیم وتربیت پر مامور ہیں۔ آپ جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ التحصیل اور فخر جماعت جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املوی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ اور تعلیم وتدریس کے ایک طویل تجربے کے ساتھ کم وبیش ۱۵/سالوں تک خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے عظیم الشان تصنیفی کاموں میں معاون رہے ہیں۔ خاص طور پر ایمان وعمل کے مسودات کی ترتیب اور حوالہ جات کی درستگی میں آپ کا اہم کردار رہا ہے۔ جامعہ رحمانیہ بنارس سے ۱۹۶۴ء میں فراغت کے بعد سے لے کر آج تک تعلیم وتدریس سے جڑے ہیں۔ ایک بہترین محرر اور مدرس کے ساتھ اچھے خطیب بھی ہیں۔ جھنڈانگر کے مشہور نسواں ادارہ کلیہ عائشہ میں دیگر عربی کتابوں کے ساتھ صحیح بخاری ج ۲ بھی آپ کے زیر تدریس ہے۔

مرکز تاریخ اہل حدیث کے اہم ترین منصوبے ''تذکرہ علمائے موجودین'' کے تحت میں نے چچا محترم سے گذارش کی کہ احوال واقعی تحریر فرمادیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے قلم سے ''سرگزشت'' کے عنوان سے درج ذیل تحریر مجھے عطا کی۔ چچا محترم کے شکریہ کے ساتھ اسے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ اللہ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور آپ کی خدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

اپنی سرگزشت

منظور ہے گذارشِ احوال واقعی
کچھ اپنی نمائش کی تمنا نہیں مجھے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الامين محمد وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد!

محترم قارئین! عزیزم مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی سلمہ کی فرمائش پر اپنی سوانح کے بارے میں چند سطور حوالہ قرطاس کر رہا ہوں۔شاید کہ اس میں طالبان علوم نبوت ومتلاشیان حق کے لئے کچھ نصیحت وعبرت کا پہلو نظر آجائے جس کو وہ اپنے لئے مشعل راہ بناسکیں۔واللہ الموفق

نام ونسب: احسان اللہ بن دین محمد بن گلاب محمد (آگے کا نسب معلوم نہ ہوسکا)

خاندانی پس منظر: اصل میں میرا خاندان ''گوماترولہ'' سے متعلق ہے وہاں سے چند افراد حالات کے تحت ہجرت کر کے اونرھوا بلرام پور میں آبسے، پہلے تو لوگ بڑی جہالت اور بدعات وخرافات میں مبتلا تھے اب بھی گوما کے باقی ماندہ افراد بریلویت اور بدعات وغلط عقائد کے شکار ہیں، جو حضرات اونرھوا وارد ہوئے انہیں اچھا دینی ماحول ملا، وہ دھیرے دھیرے پختہ اہل حدیث اور سلفی مسلک کے پیرو ہوگئے، توحید ان کے رگ وپے میں رچ بس گئی، وہیں سے دادا رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادران کے ہمراہ تلاش رزق میں ادھر ادھر پھیل گئے، ایک صاحب بیروا ضلع بلرام پور میں اقامت پذیر ہوئے اور ایک صاحب ''سنسری'' سدھارتھ نگر میں آباد ہوئے اور سب کی نسلیں پھیلیں، ہمارے دادا رحمۃ اللہ علیہ نے موضع ملگہیا سدھارتھ نگر کو اپنا مسکن بنایا اور زمین داری خریدی، پیشہ کے سب کاشتکار تھے، الحمدللہ یہ خاندان علمی واقتصادی حالات کے اعتبار سے آج بہتر اور شہرت کا حامل ہے۔خاندان میں کئی معتبر علمائے دین اور ڈاکٹر ہیں کچھ تو اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں اور کچھ ابھی باحیات ہیں۔ہمارے والد رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی شریف، صالح، حق گو وحق پرست، خلیق وملنسار، عابد وزاہد، ایماندار، پکے سچے موحد اور دیانتدار شخص تھے۔ہلواہ رکھ کر کھیتی باڑی کراتے اور نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، تغمدہ اللہ بغفرانہ، میں اپنے پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا ان کی خواہش تھی کہ میں دینی علوم نیز مروجہ عصری علوم سے بھی اپنے آپ کو آراستہ کروں۔

حصول تعلیم: شروع شروع میں قرب وجوار کے اندر دینی مکاتب نہیں تھے، گاؤں میں کوئی خاص مسجد بھی نہیں تھی، خاندان ہی کے ایک صاحب کے چھپر وپھوس کے بنگلہ میں جمعہ پڑھی جاتی تھی کچھ بزرگوں کو احساس ہوا کہ اسی میں بچوں کے لئے تعلیمی سلسلہ بھی جاری کردیا جائے۔سخت ضرورت ہے، چنانچہ ہمارے چچیرے بھائی مولانا محب اللہ صاحب کو اس کا مکلف بنایا گیا، آپ نے بڑی محنت وجانفشانی اور سرگرمی سے اس میں دس پانچ بچوں کو تعلیم دینا شروع کردیا، آہستہ آہستہ قرب وجوار کے مواضعات مصرولیا، جیا بھاری، اور مڑنی کے بھی لڑکے آنے لگے اور علم دین سے اپنے دامن مراد کو بھرنے لگے، میری بھی ابتدائی تعلیم اسی چھپر والے مکتب میں ہوئی مولانا موصوف تنہا مدرس تھے مگر للہ فی اللہ بڑے ہی ذوق وشوق اور لگن کے ساتھ پڑھاتے تھے۔درد تھا کہ قوم کے بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھنا آجائے کچھ دینیات سے متعلق نماز وغیرہ کے بارے میں ضروری مسائل اور دعائیں یاد ہوجائیں۔

گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول بھی چل رہا تھا اس میں بھی نام لکھ کر مستقلاً حصول علم میں لگا رہا، اس طرح ماشاء اللہ دینیات کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی آشنا ہوتا رہا، جب درجہ پنجم سرکاری اسکول سے اچھے نمبرات سے پاس کرلیا تو اونچے

درجات میں حصول علم کے لئے جونیر مڈل اسکول ''گھرواز'' میں داخلہ لے لیا، وہاں تین سالوں تک عصری علوم کے حصول میں لگا رہا، درجہ ہشتم ''اسکا'' میں بورڈ کا امتحان دے کر اول درجہ سے کامیاب ہوا۔

اب آگے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کا سوال تھا، میں اپنا نام گاندھی آدرش ودیالے بڑھنی میں لکھوانے والا تھا مگر انہیں ایام میں اتفاق سے ہمارے یہاں اکرھرا کے ایک بزرگ عالم مولانا عظیم اللہ صاحب، مولانا عبدالصبور صاحب رحمانی کے والد محترم تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے خطبہ جمعہ علم دین کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے موضوع پر بہت ہی موثر، بلیغ اور رقت آمیز لہجہ میں دیا اسے سن کر میں بہت متاثر ہوا، میرے دل میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا، جس کی وجہ سے میں نے اپنا ارادہ یکلخت بدل دیا اور عزم مصمم کرلیا کہ اب عصری علم کے بجائے دینی تعلیم ہی حاصل کریں گے۔

اتفاق سے ان دنوں ہمارے مشفق چچیرے بھائی استاذ محترم مولانا محب اللہ صاحب مئو آئمہ ضلع الہ آباد میں پڑھا رہے تھے وہ گھر پر تشریف لائے ہوئے تھے ان کے بھی ایماء ومشورے پر ان کی معیت میں مئو آئمہ جانے کے لئے مزید دوتین ساتھیوں کے ہمراہ پابرکاب ہوگیا، موصوف کے ساتھ مئو آئمہ اپنے قلب میں حصول علم کی تمنا لئے ہوئے وارد ہوا اور وہاں کے ''مدرسہ چشمہ صمد'' میں ۱۹۵۶ء میں داخلہ لے لیا۔

گرچہ مولانا مرحوم عربی درجات میں اکیلے ہی مدرس تھے، نیا نیا شعبہ عربی قائم ہوا تھا مگر بڑے ہی ذوق وشوق، جدوجہد اور جان توڑ محنت ومطالعہ کے ساتھ درس دیتے تھے، ادنیٰ سے لے کر ثالثہ تک عربی گرامر، نحو وصرف، ترجمہ قرآن، بلوغ المرام، عربی ادب وغیرہ کی بڑی ٹھوس اور معیاری تعلیم ہوتی تھی، ناظم مدرسہ محترم الحاج عبدالصمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی محترم الحاج عبدالرؤف صاحب بڑے ہی خلیق وشفیق اور طلبہ وعلماء نواز شخص تھے۔ شروع شروع کا معاملہ تھا اس زمانہ میں ہم ۱۵۔۲۰ ہی طلبہ داخل مطبخ ومدرسہ تھے، ان کی مہربانیوں سے مدرسہ منازل عروج کو بہت آسانی کے ساتھ طے کرتا رہا، کھانے پینے کا بہت اچھا اور اعلیٰ نظم تھا، آج بھی وہ حسین منظر ذہن میں نقش ہے۔ اللہ عزوجل انہیں اور ان کے تمام برادران کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور ان کے اس دینی خدمات کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔

استاذ محترم برادرم مولانا محب اللہ صاحب کا تدریسی اسلوب بڑا ہی نرالا و نفع بخش تھا، جمعرات کے دن برابر آموختہ سنتے اور ہر پندرہ یوم پر برابر امتحان کی طرح ٹیسٹ بھی لیتے جس کی وجہ سے صرف ونحو اور دیگر فنون کے مسائل اکثر ازبر ہوجایا کرتے تھے، پہلے سے ہم تلامذہ منجھائے اور ٹرینڈ ہوتے جس کی وجہ سے امتحانی پرچے بہت شاندار جاتے، امتحان کا کوئی خوف نہیں رہتا، دل میں اسی طرح ایک مضبوط اعتماد ہوتا کہ ہم کبھی فیل نہ ہوں گے اور الحمد للہ نہ کبھی ناکام ہی رہے۔ جب کہ سالانہ امتحان کے لئے جامعہ رحمانیہ بنارس کے بعض اساتذہ کو برابر مدعو کیا جاتا تھا، کبھی مولانا فضل الرحمن صاحب مئو سے تشریف لاتے اور کبھی مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب عمری کا ورود مسعود ہوتا اور باقاعدہ پرچہ بنا کر یہ حضرات امتحان لیتے تھے اور اپنے اچھے تاثرات کا اظہار فرماتے تھے۔

سفر بنارس: ''مدرسہ چشمہ صمد'' مئوائمہ الہ آباد سے ثالثہ پاس کر چکے تو مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دل میں شوق موجزن

ہوا کہ اب شہرہ آفاق ادارہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں داخلہ لیا جائے چنانچہ میں اپنے ہم درس مولانا عبدالسمیع مصرولیا کے ہمراہ ۱۹۵۹ء میں بنارس پہنچا، وہاں اس وقت کے ناظم اعلیٰ محترم مولانا عبدالمتین صاحب کوٹھی والے سے مسجد طیب شاہ میں بعد نماز ظہر ملاقات ہوئی موصوف نے احوال وکوائف دریافت کیا، پوچھا کہاں سے پڑھ کر آئے ہو اور کون سی جماعت پڑھ کر آئے ہو کس جماعت میں داخلہ مطلوب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہم لوگ مدرسہ چشمہ صمد مئو آئمہ سے ثالثہ جماعت تک پڑھ کر آئے ہیں رابعہ میں داخلہ چاہتے ہیں، انہوں نے مسجد ہی میں کچھ قواعد اور ترجمہ قرآن پوچھا تسلی بخش جواب مل جانے پر رابعہ میں داخلہ تحریری شکل میں منظور فرمالیا مگر جب جامعہ کی درس گاہ میں پہنچا اور محترم ناظم صاحب کا منظور شدہ رقعہ صدر مدرس حضرت الاستاذ مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کے حوالہ کیا تو انہوں نے دوبارہ ٹیسٹ لیا بہرحال ان کے امتحان میں بھی ہم دونوں کامیاب ہوگئے اور بایں طور رابعہ میں ہم سب کا داخلہ ہوگیا۔

جامعہ رحمانیہ بنارس دراصل ان دنوں رحمانیہ دہلی کا ثانی درجہ رکھتا تھا، گنے چنے ۲۰۔۲۵ منتخب طلبہ ہوتے تھے بہت ہی ٹھوس اور معیاری تعلیم آٹھویں جماعت درجہ فضیلت تک کی نامور اور جید علماء کے ذریعہ ہوتی تھی اس طرح وہاں مسلسل پانچ سالوں تک اس گلشن علمی کا خوشہ چیں رہے۔ منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر وعقائد نیز فن عروض وبلاغت وغیرہ کی مضبوط تعلیم حاصل کی، اس طرح درس نظامیہ پڑھ کر ۱۹۶۴ء میں جامعہ رحمانیہ سے سند فراغت حاصل کرلی، فالحمدللہ علی ذلک حمداً کثیرا۔

جامعہ کے دوران تعلیم ناچیز نے الہ آباد بورڈ سے عالمیت اور فضیلت کی ڈگری بھی حاصل کی۔

قابل ذکر اساتذہ کرام: جامعہ رحمانیہ کے دوران تعلیم میرے نامور اور عبقری اساتذہ حسب ذیل رہے:

۱۔فخر جماعت جامع المعقول والمنقول حضرۃ العلام مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی رحمۃ اللہ علیہ، ۲۔حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب اعظمیؒ، ۳۔حضرت مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانیؒ، ۴۔ماہر ادب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مئوی اعظمیؒ، ۵۔حضرت مولانا عبدالوحید صاحب رحمانیؒ شیخ الجامعہ مرکزی دارالعلوم بنارس۔

میدان عمل بعد از تخرج: چونکہ میری فراغت کے دو سال قبل ہی والد محترم کا انتقال ہو چکا تھا اور مارچ ۱۹۶۳ء میں والدہ محترمہ کا بھی سایۂ شفقت سر سے اٹھ چکا تھا، ایسی صورت میں گھر کے حالات اجازت نہیں دے رہے تھے کہ کہیں باہر جا کر تدریسی خدمات انجام دوں، اس لئے بدرجہ مجبوری گاؤں ہی کے کچھ ذمہ داران حضرات کی اصرار وفہمائش پر گاؤں ہی پر تعلیم دینے پر راضی ہوگیا۔ ماشاء اللہ میری وجہ سے مدرسہ کو خوب خوب ترقی ہوئی، درجہ پنجم تک کی تعلیم بہت اچھی اور معیاری ہوتی رہی، اس دور کو لوگ اب تک سراہتے ہیں، اس وقت کے میرے دو شاگرد عزیزم مولانا عبدالحکیم مدنی اور عزیزم مولانا وسیم احمد مدنی اس وقت مرتبہ علیا پر فائز ہیں، ایک صاحب مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوکر جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی میں تدریسی ودعوتی فرائض انجام دے رہے ہیں اور ثانی الذکر مولانا عبدالحمید صاحب رحمانیؒ کے معروف ومشہور ادارہ جامعہ سنابل میں تدریس وانتظامی امور پر فائز ہیں، اسی طرح میرے دو شاگرد عزیزم ڈاکٹر اسماعیل علیگ اور عزیزم شمیم احمد ڈاکٹر بنے جو دہلی میں قیام پذیر ہیں۔

اس طرح تدریسی سلسلہ میرا کٹیا بھاری، بلرام پور تک بھی دو سالوں تک جاری رہا، وہاں کے مدرسہ سے بھی میرے پڑھائے

ہوئے ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر عزیزم محمد اعظم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (چچا محترم کئی سالوں تک گاؤں کے مکتب کے ناظم بھی رہے)

نعمت الٰہیہ کا خصوصی واقعہ: پھر قسمت نے جب یاوری کی تو حضرۃ العلام خطیب الاسلام والہند مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی طلب پر جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر چلا آیا، کچھ سالوں تک قدرے تدریسی خدمت کے ساتھ ساتھ مولانا کے تحریری کاموں کو انجام دیتا رہا، پھر کاموں کا جب ہجوم ہوا تو مولانا جھنڈانگری نے اپنے تحریری کاموں میں مستقلاً مجھے لگالیا، ان کے مضامین کو صاف کرنا، خطوط کے جوابات لکھنا، عربی خطوط کو ٹائپ کرنا، مسودات کی پروف ریڈنگ کرنا، مشہور تصنیف ایمان وعمل کے مسودات کو ترتیب دینا اوران کے حوالہ جات کو درست کرنا وغیرہ وغیرہ کاموں میں مولانا مرحوم کی ہدایات کے مطابق ۱۸۔۱۵ سالوں تک منہمک رہا، انہیں ایام ۱۹۸۲ء میں مولانا کی عنایت اور خدا کی مہربانی سے ملک نیپال کے لئے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے مبعوث ہوگیا، اس طرح نیپال کے میدانی اور بعض پہاڑی علاقوں میں دعوتی فریضہ بھی انجام دیتا رہا۔

پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قویٰ جب زیادہ مضمحل اور کمزور ہوگئے، چلنے پھرنے سے مختلف عوارض کی بنا پر مجبور ہوگئے تو مجھے ۱۹۹۴ء میں کلیہ عائشہ صدیقہ جو جامعہ ہی کی ایک عظیم شاخ ہے جس کی تعمیر ۱۹۸۹ء میں ہوئی ہے، مدرس کی حیثیت سے منتقل کردیا تب سے تادم تحریر الحمدللہ ۲۵۔۲۴ سالوں سے کلیہ عائشہ میں تدریسی فرائض بحسن وخوبی محنت سے انجام دے رہا ہوں، میرے زیر تدریس بخاری ج ۲، مختارات، کتاب التوحید وفرائض وغیرہ ہیں۔

ناظم کلیہ الحاج عبدالرشید خان صاحب کو مجھ پر بڑا اعتماد اور میری کارکردگی سے بہت مطمئن ہیں، کچھ دنوں تک مربی انجمن اور مدیر الامتحان رہا اوراس سال سے صرف ایک ذمہ داری مدیر الامتحان پر مامور ہوا۔

بایں طور بفضل رب تقریباً ۴۲۔۴۰ سال سے جامعہ میں آنے کے بعد تحریر، تدریس، دعوتی ودینی خدمت میں لگا ہوا ہوں، رب کائنات سے دعا گو ہوں کہ زندگی کے بقیہ ایام کو بھی اسی طرح مستقل مزاجی اور خلوص کے ساتھ گزار دے، ہمارے والدین، اساتذہ، محسنین، برادران ورفقاء مرحومین حضرات کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہماری ان چھوٹی موٹی خدمات کو ہمارے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین، تقبل یارب العالمین۔

❑❑❑

مولانا رحمت اللہ جامعی بن شکراللہ/ حفظہ اللہ

تلمیذ مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کرتھی ڈیہہ

برگدوا، پتھرا بازار، ضلع سدھارت نگر یوپی

ولادت: ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۰ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

نام ونسب: مولانا رحمت اللہ جامعی بن شکراللہ بن ابراہیم خان

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش سدھارتھ نگر (بستی) کے مشہور علاقہ پتھرا بازار کے قریب واقع ایک گاؤں برگدوا سسئی میں ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۰ء کو ہوئی۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان زراعت پیشہ تھا۔لیکن دین پسندی غالب تھی چنانچہ آپ کے والد نے آپ کو دینی تعلیم کے لئے آمادہ کیا اور اس طرح محنت ومشقت کرکے آپ کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے اور علاقے کی اہم ترین شخصیت مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ کے زیر تربیت پروان چڑھانے میں کامیاب ہوگئے۔یہ علاقہ دراصل جماعت کے دو اہم بزرگوں کی دعوتی آماجگاہ اور انہیں کے زیر اثر تھا (۱) مولانا ممتاز علی رحمہ اللہ (۲) مولانا عبدالقدوس (ٹکریا) رحمہ اللہ (والد ماجد مولانا عبدالواحد مدنی ڈومریا گنج)۔چنانچہ ان دونوں کی دعوتی واصلاحی کاوشوں سے مولانا کا گھرانہ بھی متاثر ہوا اور اس طرح برگدوا اور قرب وجوار میں ایک معلم وداعی کی حیثیت سے آپ کو کام کرنے کی سعادت ملی۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم سسئی کلاں کے مکتب میں درجہ پنجم تک حاصل کی۔(۲) درجہ آٹھ تک ہندی کی تعلیم بانسی میں واقع جونیئر ہائی اسکول شیتل گنج میں مکمل کی۔(۳) علاقے کے مشہور مدرسہ (مدرسہ مظہر العلوم) اوسان کوئیاں میں جماعت ادنی میں داخلہ لیا اور جماعت رابعہ تک تعلیم کی تکمیل ہوئی۔(۴) پانچویں اور چھٹی جماعت کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ کھیرٹیا میں حاصل کی۔۱۹۵۸ء میں مدرسہ قاسم العلوم ریواں میں جماعت سابعہ میں داخل ہوئے ایک سال تک تعلیم میں لگے رہے۔(۵) ۱۹۵۹ء میں دہلی گئے اور بلی ماران میں واقع مدرسہ جامع اعظم میں دورہ میں داخل ہوئے، مولانا داؤد راز رحمہ اللہ صحیحین کے مدرس تھے، یہیں پر آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سند فضیلت سے سرفراز ہوئے، اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے جامعی لکھنے لگے۔

فراغت: ۱۹۵۹ء جامع العلوم بلی ماران دہلی۔

مشاہیر اساتذہ: اوسان کوئیاں میں (۱) مولانا عبدالقدوس رحمہ اللہ (ٹکریا) (۲) مولانا خلیل رحمانیؒ (ٹکریا)، (۳) مولانا عبدالرحمن نومسلمؒ (کھیرٹیا) ریواں میں (۴) مولانا ممتاز علیؒ (کرتھی ڈیہہ) (۵) مولانا حسن رضاؒ (امونا) (۶) مولانا سید عبدالاولؒ ریواں (۷) دہلی میں مولانا داؤد راز دہلویؒ شارح بخاری (۸) اور مولانا عبدالسلام بستویؒ شیخ الحدیث سے بھی استفادہ فرمایا۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا عبدالرحمن اثری (قدمڈوا) (۲) مولانا عبدالحلیم سنابلی امام مسجد اہل حدیث یادونگر سا کی ناکہ (۳) مولانا محمد اقبال اثری سابق امام مسجد اہل حدیث ساتیولی وسئی (۴) مولانا حمید اللہ مفتاحی (سسئی خورد) (۵) مولانا محمد مستقیم فیضی برگدوا (۶) مولانا سمیع محمد دھرم پوروا (۷) مولانا حقیق اللہ قاسمیؒ قدمڈوا (۸) عبدالواحد مرحوم سسوا اوران کے تمام بچے بالخصوص (۹) ڈاکٹر عبدالکریم سلفی علیگ مقیم حال حیدرآباد (۱۰) ماسٹر عبدالصبور (سہری بزرگ) (۱۱) مولانا عبدالرحیم سلفی (مدرس رحمانیہ بنارس) (۱۲) مولانا نثار احمد سلفی (سسئی کلاں) (۱۳) مولانا عبدالرحمن عالیاوی (پالا) (۱۴) مولانا جمیل احمد قاسمی (پالا) (۱۵) مولانا جیش محمد قاسمی (پالا) (۱۶) مولانا صراط اللہ قاسمی (دھرمپوروا) (۱۷) مولانا عبدالمنان قاسمی سسوا (۱۸) مولانا شبیر احمد مفتاحی (سسئی خورد) (۱۹) مولانا محمد عمیر قاسمی سسوا۔

تدریسی ودعوتی خدمات: (۱) آپ کا آبائی علاقہ شرک وبدعت وقبر پرستی وتعزیہ داری میں ڈوبا ہوا تھا اور دینی تعلیم سے کوسوں دور تھا چنانچہ اس علاقے میں دینی تعلیم عام کرنے اور توحید وسنت کی آبیاری کے لئے آپ کے استاذ اور علاقے میں تحریک اہل حدیث کی ممتاز شخصیت مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ رحمہ اللہ نے آپ کو اپنے گاؤں ہی میں اقامت گزیں ہوکر تعلیم ودعوت کا کام کرنے کا حکم دیا۔ الحمد للہ کام شروع ہوگیا اور مولانا ممتاز علیؒ اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ اور اپنے مرشد مولانا ممتاز علیؒ کے مشورے پر اپنے پورے علاقے کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لئے گاؤں ہی میں ایک دینی مدرسہ ومکتب بنام جامع العلوم شروع کردیا۔ بفضلہ سبحانہ اس مکتب کا فیض رفتہ رفتہ ۱۶ گاؤں تک پہنچ گیا اور پورے علاقے سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنے لگے اور مدرسہ کی تعلیم بھی درجہ ششم تک پہنچ گئی۔ آپ نے اپنی پوری زندگی اپنے علاقے کی اصلاح اور تعلیم کے لئے لگادی۔ آج بحمداللہ پورا علاقہ توحید وسنت کی روشنی سے منور ہے اور دور دور تک کہیں تعزیہ پرستی اور شرک وبدعت کا نام ونشان نہیں ہے۔

قرب وجوار اور اس علاقے کے اکثر لوگ مدرسہ جامع العلوم میں تعلیم حاصل کرنے اور بھرپور فیض اٹھانے کی وجہ سے آپ کے ہی شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ کئی نام اوپر لکھے جاچکے ہیں (سہری بزرگ سے مٹھول پرا، ڈنڈوا، دھرم پوراوغیرہ)۔ مولانا الحمدللہ ابھی باحیات ہیں اور تعلیم ودعوت کے اس عظیم میدان میں اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں اور آج بھی مدرسہ آپ کے مشوروں اور آپ کے ہونہار بچوں کے تعاون سے چل رہا ہے۔ گاؤں کے علاوہ آپ نے سسئی کلاں کے مدرسہ میں بھی چند سالوں تک تعلیم دی ہے اور اسی طرح وہیں پڑوس میں واقع ایک گاؤں دھرم پوروا میں باضابطہ ایک دینی مکتب کی بنیاد ڈلوائی اور کچھ دنوں اس سے بھی وابستہ رہے۔

(۲) آپ کے علاقے میں مولانا ممتاز علیؒ اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا دعوت وتبلیغ کے لئے آتے تھے۔ آپ نے بھی فراغت کے بعد انہیں بزرگوں کی معیت میں علاقے میں آمدورفت شروع کردی، اور بزرگوں کی گھوڑی پر پیچھے سوار ہوکر دعوت واصلاح کے لئے نکل پڑے۔ خود آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پورے علاقے تک ان علماء کے فیوض کو پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ جس کے حسین اثرات آج دور دور تک ہر صاحب فکر ونظر کو ضروری دکھائی دیں گے۔

(۳) مولانا حفظہ اللہ اپنے اساتذہ کے نقش قدم پر گامزن رہ کر دعوت وتعلیم کے ساتھ تعمیر مساجد کی طرف بھی توجہ دی۔ علاقے کے مشہور چوراہا ''ٹیڑھی چوراہا'' پر مسجد کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ کی کوششوں سے یہاں مسجد تعمیر ہوئی اور بحمداللہ جمعہ جماعت قائم ودائم ہے۔

(۴) آپ کے گاؤں کی مسجد بے حد قدیم تھی اور مرور زمانہ کے ساتھ مصلیوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے تنگدامنی کا شکایت کررہی تھی۔آپ کے بچوں نے والدہ کے نام سے پڑوس کی زمین خرید کر وقف کردی اور اس طرح مسجد کا توسیعی کام شروع ہوگیا۔ اور بحمد اللہ ایک وسیع وعریض مسجد اہل قریہ کے لئے تیار ہوگئی اور مصلیان سے آباد ہوگئی۔یہ سب کچھ آنجناب حفظہ اللہ کی نگرانی اور آپ کے مشوروں اور آپ کے بچوں کے حسن تدبیر وانتظام سے ممکن ہوا اور پایہ تکمیل کو پہنچا۔فللہ الحمد

شادی واولاد: آپ کی شادی آپ کے استاذ مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہؒ کے ایماء پر کرتھی ڈیہہ کی ایک نیک خاتون ثقلین سے ہوئی۔جن سے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔سبھوں کی شادی ہوچکی ہے اور آپ کی اہلیہ ۳۰/جون ۲۰۱۴ء مطابق ۳/رمضان ۱۴۳۵ھ کو ہی داغ مفارقت دے کر اس دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں۔اللہ مغفرت فرمائے اور مولانا اور بچوں کی حفاظت فرمائے۔ بچوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔

(۱) حبیب الرحمن: ان کی پیدائش ۱۹۶۵ء میں ہوئی، پرورش وپرداخت کرتھی ڈیہہ میں ہوئی، ابتدائی عربی اور اردو کے ساتھ آٹھویں تک ہندی کی تعلیم ہے اور انہیں مولانا ممتاز علی اور مولانا عبدالقدوس ٹکریا سے ملاقات وزیارت کا شرف بھی حاصل ہے۔کافی دنوں سے ممبئی کاندیولی اسلام کمپاؤنڈ میں تجارت سے جڑے ہوئے تھے، فی الوقت چھوٹے بھائیوں کی خوشحالی وفارغ البالی کی وجہ سے گاؤں پر مقیم ہیں اور والد صاحب کی دیکھ ریکھ کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

(۲) فضل الرحمن مفتاحی: یہ بھی عربی تعلیم یافتہ ہیں فی الوقت تجارت پیشہ ہیں اللہ انہیں نیک توفیق عطا فرمائے۔

(۳) عبیدالرحمن ریاضی: یہ مولانا کے سب سے ہونہار اور لائق فرزند ہیں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۱/۷/۱۹۷۱ء ہے، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں سے عربی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ریاض العلوم دہلی سے ۱۹۹۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ اور فراغت کے بعد سے ہی ٹریول ایجنسی سے وابستہ ہیں۔اور انتہائی خوشحال اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ دین پسند اور اخلاق مند، جماعت وجمعیت اور منہج ومسلک سے مضبوطی سے جڑے ہیں۔علماء، ائمہ مساجد اور دعاۃ کے لئے انتہائی مخلص اور بے حد قدرداں ہیں۔ اور ہمیشہ جماعتی اور دینی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔بحمد اللہ ہمارے ساتھ ملک کی اہم ترین کانفرنسوں میں بھی شرکت اور استفادہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔اللہ ان کے نیک جذبات کو قائم ودائم فرمائے اور دین ودنیا کی ہر طرح کی بھلائی وترقی سے ہم کنار فرمائے۔آمین

(۴) مجیب الرحمن: یہ مولانا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں پانچویں جماعت تک جامعہ محمدیہ منصورہ میں عربی کی تعلیم پانے کے بعد عصری علوم سے وابستہ ہوگئے اور ایم بی اے کی ڈگری حاصل کی، بحمد اللہ آج اپنے برادر کبیر عبیدالرحمن کے ساتھ ان کے قائم کردہ دہلی، ممبئی حیدرآباد وغیرہ کی ٹریول آفسوں کو بڑی کامیابی اور حسن وخوبی کے ساتھ ہینڈل کررہے ہیں۔نیک طبیعت اور دین پسند واخلاق مند ہیں، اللہ تعالیٰ ان سبھوں کی حفاظت فرمائے اور اپنے والد کے نیک کاموں کا سچا وارث وامین بنائے آمین تقبل یارب العالمین۔

نوٹ: یہ مضمون مولانا کی تحریر کردہ سوانحی معلومات اور آپ کے فرزندان بالخصوص عبیدالرحمن صاحب ریاضی سے کئے گئے استفسارات وٹیلی فون گفتگو کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے اور سنین وغیرہ کی توثیق دیگر تاریخی مصادر سے کی گئی ہے۔

❑❑❑

مشہور مربی و مدرس استاذ گرامی

مولانا امر اللہ بن عبد اللطیف رحمانی / حفظہ اللہ ٹکریا، سدھارتھ نگر

سابق مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

ولادت: ۲۰/ جولائی ۱۹۴۱ء

مولانا عبد الحکیم عبد المعبود مدنی

جامعہ رحمانیہ، جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس میں ایک صاف ستھری شبیہ کے مالک، علم وعمل کے وصف سے متصف، انتہائی کہنہ مشق اساتذہ کرام کی فہرست میں ایک نام استاذ محترم مولانا امر اللہ رحمانی / حفظہ اللہ کا بھی ہے۔ راقم کو آپ سے مشکوٰۃ المصابیح جلد اول پڑھنے کا شرف حاصل رہا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ شیخ محترم ہمیشہ مرعاۃ زیر مطالعہ رکھتے اور شیخ الحدیث کے تحقیقی وعلمی بحثوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم طلباء کو ان کی قیمتی باتوں سے سیراب کرتے تھے۔ عبارت فہمی، دقت نظری اور تشریح احادیث واستنباط مسائل کا مکمل درک ابتداء میں سیکھنے کا ہنر اگر ہمیں کہیں سے ملا تو مشکوۃ کے درس میں۔ نہ بہت سختی نہ بہت نرمی، ہمیشہ طلب علم کا جذبہ اور حوصلہ بلند کرنے والی باتیں، ناصحانہ ومشفقانہ کلمات ہی سننے کو ملیں۔ رب العالمین آپ کو اس عظیم خدمت کا پورا پورا بدلہ عنایت فرمائے۔ گذشتہ سال (نومبر ۲۰۱۸ء) ابنائے جامعہ سلفیہ کانفرنس بنارس میں مدتوں بعد ملاقات ہوئی، شاگردوں کا ہجوم طالبعلمی کے زمانے کی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کے خوشگوار اثرات طلباء کے حسن ادب اور حسن کلام سے محسوس کئے جارہے تھے۔ بڑا اچھا لگا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی، سدھارتھ نگر کے عظیم منصوبے میں اپنے اساتذہ کرام کی سوانحی زندگی اور خدمات وجہود کی نشر واشاعت بھی ہے اور یہ مضمون اسی کا ایک حصہ ہے۔ میں شیخ محترم کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنے فرزند مولانا عبید اللہ مکی کے حوالے سے ایک سوانحی تحریر اور معلومات مجھے عنایت کیں، اسی کی روشنی میں اور دیگر معلومات اور شیخ سے استفسارات کے بعد یہ مضمون ہدیۂ قارئین ہے۔

سلسلہ نسب: مولانا امر اللہ رحمانی بن عبد اللطیف بن سبراتی بن الٰہی۔

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش ضلع بستی (حال سدھارتھ نگر یوپی) کے مشہور علمی گاؤں موضع ٹکریا پوسٹ کسمہی میں ۲۰/ جولائی ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔ یہ گاؤں ڈومریا گنج کے علاقے میں قدیم زمانہ سے اہل علم اور توحید کا مرکز رہا ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد ماجد زراعت پیشہ کسان تھے۔ نیک اور صالح تھے اور والدہ ماجدہ بھی خاندان ہی کی تھیں، اور یہ خانوادہ اپنے علم وعمل اور علماء کی وجہ سے علاقہ میں مشہور ومعروف تھا، مولانا خلیل رحمانیؒ اور مولانا عبدالسلام مدنی جیسی عظیم شخصیتیں اسی خاندان سے متعلق تھیں، اول الذکر رشتے میں ماموں اور ثانی الذکر ماموں زاد بھائی کی نسبت رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت: ۱۔ درجہ طفلاں سے پنجم تک مکتبی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں ہوئی۔

۲۔ عربی کی ابتدائی تعلیم علاقہ کے مشہور گاؤں اوسان کوئیاں کے مدرسہ مظہر العلوم میں ہوئی۔ یہ مدرسہ تحریک شہیدین کے منشی مولانا جعفر علی نقوی میر مجھوانے ۱۸۶۲ء میں قائم کیا تھا۔

۳۔ جماعت اولیٰ سے جماعت رابعہ تک جماعت کے مشہور ومعروف ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تعلیم پائی، جو صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری کی یادگار ہے۔

۴۔ جماعت خامسہ سے آٹھویں یعنی فراغت تک تعلیم ملک کی مایہ ناز سلفی دانشگاہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں حاصل کی اور یہیں سے شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں فراغت بھی ہوئی۔

۵۔ جامعہ رحمانیہ بنارس میں آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں جماعت کے مشہور ومعروف مورخ اور عالم مولانا عبدالحمید رحمانی، مولانا عزیز الحق عمری، مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی وغیرھم جیسے اساطین اہل علم تھے۔

۶۔ عربی وفارسی بورڈ الہ آباد سے عالم اور فاضل ادب ودینیات کے امتحانات بھی آپ نے فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔

مشاہیر اساتذہ کرام: ۱۔ مکتب کے اساتذہ میں ماسٹر حیات اللہ عرف کالے خاں، کرڑا گرانٹ، ۲۔ منشی محمد رضا صاحب ٹکریاوی، ۳۔ منشی عبدالحکیم صاحب ٹکریاوی، ۴۔ مولانا محمد ادریس صاحب کسھٹا ● مدرسہ مظہر العلوم کے اساتذہ میں، ۵۔ مولانا عبدالقدوس صاحب ٹکریاوی، ۶۔ مولانا شکر اللہ صاحب فیضی ٹکریاوی، ۷۔ مولانا عبدالکریم ندوی ششہنیاں، ۸۔ منشی عبدالوہاب صاحب، کرتھی ڈیہہ ● بونڈیہار کے اساتذہ میں ۹۔ نمونہ سلف مولانا محمد اقبال صاحب ایمن رحمانیؒ، ۱۰۔ مولانا عبدالعزیز احمد صاحب ندوی عرف بیت اللہ صاحب، ۱۱۔ مولانا صغیر احمد صاحب کنڈوبونڈیہار ● بنارس کے اساتذہ میں ۱۲۔ جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد رحمانی املویؒ، ۱۳۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمانیؒ بہرائچی، ۱۴۔ مولانا محمد بشیر صاحب رحمانی مبارکپوریؒ، ۱۵۔ مولانا عبدالعزیز صاحب مئویؒ، ۱۶۔ مولانا فضل الرحمن صاحب مئویؒ، ۱۷۔ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی بنارسیؒ (شیخ الجامعہ) جیسے اساطین اہل علم وفضل وماہرین تعلیم وتدریس تھے۔

سند حدیث: علم حدیث میں آپ کا سلسلہ سند بواسطہ جامع المعقول والمنقول علامہ نذیر احمد رحمانی املویؒ سے صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری تک پہنچتا ہے اور صاحب تحفہ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور بقیہ سند میاں صاحب کے استاذ شاہ محمد اسحاق اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے واسطہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تک پہنچتی ہے۔ اور شاہ صاحب کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مشہور ومعروف ہے جس کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب ''عجالہ نافعہ'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

تدریسی خدمات: ا۔۱۹۶۲ء میں فراغت کے بعد اپنے استاذ مولانا نذیر احمد املویؒ اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوریؒ کے توسط سے مدرسہ یوسفیہ تلسی باغ، ناگپور میں تدریس کے لئے تشریف لے گئے اور یہاں ۲/سال تک چوتھی جماعت تک تدریسی فریضہ انجام دیتے رہے۔

۲۔ ۱۹۶۴ء میں جامعہ رحیمیہ کتلاماری وکھڑیا مغربی بنگال سے وابستہ ہوگئے اور سات سالوں تک تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے یہاں زیر تدریس کتابوں میں تفسیر بیضاوی، حجۃ اللہ البالغۃ جیسی اونچی اور ضخیم کتابیں تھیں۔

۳۔۱۹۷۱ء میں اپنے استاذ مولانا محمد اقبال رحمانیؒ کے بلاوے پر اپنے آبائی علاقہ کے مشہور ادارہ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار میں تدریس پر مامور ہوئے اور دوسال تک یہاں خدمت انجام دیتے رہے۔

۴۔ ۱۹۷۳ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید سلفی صاحب کی دعوت پر بنارس چلے گئے اور جامعہ رحمانیہ بنارس سے وابستہ ہوگئے، ۱۹۷۳ء سے لے کر ۲۰۰۴ء تک مسلسل تدریس سے وابستہ رہے۔ یوں تو آپ کا تقرر الہ آباد بورڈ سے جامعہ رحمانیہ میں تھا مگر آپ رحمانیہ کے ساتھ جامعہ سلفیہ میں بھی مشکوٰۃ اور دیگر عربی زبان واسلامی فنون کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ کا انداز تدریس بے حد نرالہ اور ذہن ودماغ کو چھونے والا تھا۔ یہیں پر ۱۹۸۹ء میں آپ سے مشکوٰۃ پڑھنے کا مجھ خاکسار کو بھی شرف حاصل ہے۔

۵۔ ۲۰۰۴ء میں گھریلو حالات، والد صاحب کی بیماری اور بورڈ سے ریٹائرمنٹ کی وجہ سے آپ اپنے وطن اور آبائی گاؤں ٹکریا، سدھارتھ نگر آگئے، گھر پر ہی سکونت کا ارادہ تھا مگر علاقہ کے ایک بااثر اور ماہر تعلیم شخصیت ڈاکٹر عبدالباری خان صاحب نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اپنے ادارہ کے شعبہ نسواں کلیۃ الطیبات میں بچیوں کی تدریس پر مامور فرمادیا، بنارس سے واپس آنے کے بعد سے ہی آپ تا حال جنوری ۲۰۲۰ء یہیں سے وابستہ ہیں، اور صحیح مسلم جلد اول وثانی، السراجی فی المیراث، تیسیر مصطلح الحدیث جیسی عظیم کتابیں زیر تدریس ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید خیر وبرکت کی توفیق دے اور صحت وعافیت بحال فرمائے۔ آمین۔

۶۔ آپ کی تدریسی خدمات اس طرح ۱۹۶۲ء سے لے کر تاحال ۲۰۲۰ء کل ۵۷/سالوں پر محیط ہیں اور یہ سلسلہ خیر ابھی جاری وساری ہے، اللہ قبول فرمائے اور صحت کاملہ کے ساتھ آپ کے علم وعمل سے زیادہ سے زیادہ طلباء وطالبات کو فیض اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین۔

دعوتی وتصنیفی خدمات: ا۔ تعلیم وتدریس کے ساتھ استاذ محترم جہاں بھی رہے، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتربیت سے بھی جڑے رہے۔ چنانچہ دوران تدریس جامعہ رحمانیہ، بنارس آپ مستقل کہیں نہ کہیں خطبات جمعہ ضرور دیتے رہے ہیں، خاص طور پر مدنپورہ بنارس کی مشہور مسجد طیب شاہ میں اکثر وبیشتر آپ کا خطبہ ہوا کرتا تھا، اس کے علاوہ مسجد باگڑبلی، مسجد نیمیا، بجرڈیہہ، سریاں، جلالی پورہ، بھدوہی نئ بازار کی مسجد وغیرہ میں بھی خطبہ جمعہ کے لئے جانا ہوا کرتا تھا، آپ کے خطبات انتہائی موثر اور دلپذیر ہوا کرتے تھے۔

۲۔ بسا اوقات شہر کے بعض مقامات پر منعقد ہونے والے اجلاس اور دعوتی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرتے تھے، اور اپنے قیمتی وناصحانہ کلمات سے عوام وخواص کو فیض یاب کرتے تھے۔

۳۔ ویسے تو آپ کی سردست تصنیفات کا ہمیں علم نہ ہوسکا البتہ جامعہ سلفیہ کے طلباء کی انجمن ندوۃ الطلبہ سے شائع ہونے والے

مجلہ المنار ۲۰۱۴ء میں ایک عدد تصنیف کا ذکر ہے۔ اور وہ ہے ''نثرۃ الدر ترجمہ بھجۃ النظر'' یہ کتاب بلوغ المرام کے ساتھ داخل نصاب ہوا کرتی ہے۔ استاذ محترم نے ہمیں خبر دی کہ جامعہ اسلامیہ خیر العلوم کے نائب ناظم مولانا فخر الدین ندوی حفظہ اللہ نے اسے چھپوایا ہے۔ اور کلیۃ الطیبات میں فی الوقت داخل نصاب ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

مشاہیر تلامذہ: یوں تو ایک طویل مدت تک ناگپور، مغربی بنگال، بونڈ یہار، اور خاص طور پر جامعہ سلفیہ بنارس میں ۳۱/سال تک تدریس کا فریضہ انجام دینے کی وجہ سے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ملک و بیرون ملک خدمات انجام دے رہے ہیں تاہم یہاں چند مشاہیر کے نام درج کئے جا رہے ہیں تاکہ سند رہے۔

۱۔ مولانا عبدالوہاب خلجیؒ، سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۲۔ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۳۔ مولانا محمد یونس صاحب مدنی (بنارس)، ۴۔ مولانا عبدالمتین مدنی (بنارس)، ۵۔ مولانا عبدالرحیم مدنی (بنارس)، ۶۔ مولانا عبدالاول سلفی (بنارس)، ۷۔ مولانا حافظ عبیداللہ بن مولانا عبدالوحید سلفی (بنارس)، ۸۔ مولانا محمد انس بن مولانا عبدالوحید رحمانی (بنارس)، ۹۔ مولانا راحت اللہ فاروقی (مالیگاؤں)، ۱۰۔ مولانا عبدالسلام سلفی (ممبئی)، ۱۱۔ مولانا عبدالحفیظ ندوی (ڈومریا گنج)، ۱۲۔ مولانا محمد اسلام مدنی (ڈومریا گنج)، ۱۳۔ مولانا عبدالجلیل انصاری (ممبئی)، ۱۴۔ مولانا عبدالمنان سلفی (جھنڈا نگر)، ۱۵۔ مولانا عبدالمعید مدنی، ۱۶۔ مولانا محمد اقبال بسکوہری (مالیگاؤں)، ۱۷۔ مولانا شبیر احمد مدنی (اٹوا)، ۱۸۔ مولانا عبدالمعین مدنی (اٹوا)، ۱۹۔ خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (کاندیولی، ممبئی)، ۲۰۔ ناگپور کے طلباء میں عبدالجبار ناگپوری اور بنگال کے طلباء میں مولانا عبداللہ نومسلم مدنی، مولانا جلال الدین، مولانا محمد زکریا اور مولانا شمس الحق وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

اولاد واحفاد: آپ کی اہلیہ ۲۰۱۲ء میں ہی اللہ کو پیاری ہوگئیں اللہ مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا کرے۔ اور ان کے بطن سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ سب کے سب ماشاءاللہ باحیات ہیں۔

لڑکوں میں: ۱۔ مولانا عبیداللہ مکی (مدرس ریاض العلوم دہلی) ۲۔ مولانا وصی اللہ مکی (مدرس جامعہ رحمانیہ بنارس) ۳۔ مولانا ولی اللہ مکی (مدرس مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا) ۴۔ مولانا کلیم اللہ صاحب جو صاحب تجارت ہیں اور شیخ کے ساتھ ڈومریا گنج میں اقامت پذیر ہیں۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ استاذ محترم کے حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کے علم وعمل کو دنیا وآخرت کی بھلائی کا ذریعہ بنائے۔ اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فیض اٹھانے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین۔

مراجع ومصادر: ۱۔ مولانا عبیداللہ مکی کا بھیجا ہوا مراسلہ بابت سوانحی معلومات۔ ۲۔ مجلہ المنار ۲۰۱۸ء (بنارس)، ۳۔ شیخ محترم سے پوچھے گئے سوالات واستفسارات، ۴۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر۔

❑❑❑

استاذ گرامی

حضرت مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب/حفظہ اللہ سدھارتھ نگر یوپی

سابق استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

(ولادت: ۸/جون ۱۹۴۶ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

جامعہ سلفیہ بنارس کے ہمارے اساتذہ میں جن مدرسین کو ملکی شہرت ملی، طلباء وعوام الناس کے بیچ اعتماد ملا ان میں مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازھری، مولانا رئیس الاحرار ندوی اور مولانا عبدالسلام مدنی رحمہم اللہ کے پہلو بہ پہلو استاد محترم مولانا عبدالوہاب حجازی کا نام بھی شامل ہے۔ آپ کئی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ ایک سنجیدہ اور خاموش طبیعت کے مالک ہیں۔ اور اسی خاموشی اور سنجیدگی میں آپ کا وقار، آپ کی صلاحیت اور آپ کی خدمات واعمال کی مقبولیت کا راز چھپا ہوا ہے۔ پہلی بار آپ کو جامعہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے سنا تو طبیعت مچل گئی۔ انتہائی شگفتہ، علمی اور دلائل وحکمت سے پر خطاب آواز وانداز کی دلپذیری ورعنائی دل کی گہرائیوں تک اثر ڈال گئی جو آج تک باقی ہے۔ تدریس وتعلیم، دعوت وتبلیغ کے ساتھ ایک صاف ستھرے علمی وتحقیقی ذوق کے حامل اور مسلسل اس راہ میں کچھ نیا کرنے کا عزم وحوصلہ، جس کا نتیجہ ہے کہ ۲۴/سالوں تک ماہنامہ محدث کی شاندار ایڈیٹری کے علاوہ ۲۰ سے زائد کتابیں الگ الگ موضوعات پر آج ہمارے سامنے ہیں۔ اور ملک کی چھوٹی بڑی لائبریری کی زینت ہیں، اور یہ عمل مسلسل آج بھی جاری وساری ہے۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ آپ ایک خوش گلو اور مترنم لب ولہجہ کے ممتاز سلفی شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور آپ کی اسلامی نظمیں انتہائی معتبر اور مستند مانی جاتی ہیں۔ بعض کو تو اتنی شہرت ملی کی آج انہیں ہر چھوٹی بڑی کانفرنس اور اجتماعات میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت عطا فرمائے اور خدمات وحسنات کو قبول فرمائے۔ ذیل میں استاذ محترم کی زندگی اور عمل کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ نسل نو کے لئے مشعل راہ ہو۔

نام ونسب: مولانا عبدالوہاب حجازی بن حبیب اللہ بن محمد اشرف بن محمد امیر خان۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپ ۸/جون ۱۹۴۶ء کو ضلع بستی حال سدھارتھ نگر کے ایک مشہور ومعروف اہل حدیث گاؤں ''کسمہی'' میں پیدا ہوئے جو ڈومریا گنج سے مشرق میں موتی گنج چوراہا سے قریب واقع ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کے والد زراعت پیشہ تھے۔ صرف قرآن پڑھنا جانتے تھے، اپنے برادر نسبتی مولانا شکر اللہ فیضی سے

بہت متاثر ہوئے چنانچہ آپ کی تربیت کے گہرے اثرات آپ کی زندگی میں مرتب ہوئے۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ انتہائی نیک، دیندار اورصوم وصلاۃ کی پابند تھیں اور ایک دیندار گھرانے کی تربیت یافتہ صالحہ خاتون تھیں، اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں، بھائیوں میں مولانا شکراللہ فیضی ایک بہن کے علاوہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے، چونکہ حجازی صاحب کے نانا بڑے دیندار تھے،اس لئے آپ کے والداور دادانانا کی دینداری سے بڑے متاثر تھے،اوراس کے علاوہ مولانا سید ممتاز علیؒ کرتھی ڈیہہ سے بھی عقیدہ ومسلک کے گہرے روابط تھے، جواصلا آپ کے گاؤں کسمہی کے ہی رہنے والے تھے، اسی طرح ایک بزرگ شخصیت مولانا عبدالوہاب بانسویؒ بھی قصبہ بانسی سے آپ کے یہاں آیا کرتے تھے، یہ بڑے نیک بزرگ تھے، غالباً حجازی صاحب کا نام عبدالوہاب کا انتخاب بھی انہیں کے نام پر ہوا تھا۔ دراصل انہیں لوگوں کے دینی حماس اور نیک جذبات اور صحیح عقیدہ وعمل کا گہرا اثر ہے جو آج بھی حجازی صاحب کی خوبو میں رچا بسا ہوا نظر آتا ہے۔

● آپ کے دادا محمد اشرف اور پردادا محمد امیر خان دینی تعلیم یافتہ تو نہیں تھے مگر پڑھے لکھے تھے اور اپنے وقت کے اوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ اور علاقے میں اچھا اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ حسن اتفاق ایسے خانوادے میں رشتہ داری کی سعادت ملی جس کی وجہ سے پورے خاندان کی کایا پلٹ ہوگئی۔ واقعہ یوں ہے کہ حجازی صاحب کے والد محترم حبیب اللہ کی شادی حاجی حشمت اللہ ٹکریا کی صاحبزادی سے ہوئی اور یہیں سے یہ انقلاب پیدا ہوا اور صالحیت اور دینداری اور علم وعمل سے گہرا لگاؤ بڑھتا گیا۔ حاجی حشمت اللہ جو حجازی صاحب کے نانا ہیں وہ علاقہ گونڈہ وبستی میں تحریک اہلحدیث کی دوسری اہم کڑی ولی جماعت مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہ کے اہم ترین رفقاء میں سے تھے۔ اور انتہائی نیک، تربیت یافتہ اور شب زندہ دار تھے اور آپ کے والد محمد فاضل مولانا جعفر علی نقوی میرمنشی تحریک شہیدین کے فیض یافتہ تھے۔

● اسی طرح اس خانوادے کے ایک عظیم سپوت جماعت کی بزرگ شخصیت مولانا شکراللہ فیضی ٹکریاوی آپ کے ماموں تھے۔ اور جماعت وعلاقے کے ایک مستند عالم دین مانے جاتے تھے۔ برسوں تدریس ودعوت سے جڑے رہے اور پورے علاقہ کو فیض پہنچاتے رہے۔ گاؤں ٹکریا میں تو آپ کی سرداری وامامت متفق علیہ تھی۔

حجازی صاحب کے دو بھائیوں میں ایک بزرگ عالم مولانا انعام اللہ قاسمی بھی ہیں جو ایک کہنہ مشق مدرس اور ماہر معقولات مانے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج بھی آپ کے خاندان ورشتہ داریوں میں کئی اہم ترین علماء میدان عمل میں موجود ہیں جن میں مولانا محمد احمد اثری بن مولانا شکراللہؒ جواب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں، مولانا عزیز الرحمن سلفی، سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا سعید احمد سلفی پونہ، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا فضل اللہ، ڈاکٹر مختار احمد سلفی، مولانا شمس الرب سلفی پروفیسر مہاراشٹرا کالج، وغیرھم کے نام قابل ذکر ہیں۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب کسمہی اور مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں حاصل کی۔ (۲) عربی جماعت اولیٰ وثانیہ کی تعلیم اپنے ماموں شکراللہ فیضی کی نگرانی میں مدرسہ مفتاح العلوم ٹکریا میں حاصل کی۔ (۳) ۱۹۶۰ء کے آس پاس

دارالحدیث اثریہ مئو میں جماعت ثالثہ میں داخل ہوئے اور کم وبیش چھ سالوں تک وہاں رہ کر اساطین علم وفضل کی رہنمائی میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور ۱۹۶۶ء میں عالمیت مکمل کی۔ (۴) ۱۹۶۶ء میں جامعہ سلفیہ کے تعلیمی افتتاح کے سال بنارس وارد ہوئے اور عالم ثالث میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۷ء میں عالمیت کی سند سے سرفراز کئے گئے۔ (۵) ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۹ء مرکزی دارالعلوم یعنی جامعہ سلفیہ بنارس ہی میں تخصص فی الشریعہ کا کورس مکمل کیا اور یہیں سے ایک اچھے عالم وداعی بن کر ۱۹۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: (۱) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (۲) مولانا عبداللہ شائق مئوی (۳) مولانا عبدالوحید رحمانی (۴) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری (۵) ڈاکٹر ربیع ہادی مدخلی (۶) ڈاکٹر صالح العراقی (۷) ڈاکٹر ابوالفتوح مصری (۸) ڈاکٹر ادریس افریقی (۹) ڈاکٹر طیب سویسی (۱۰) ڈاکٹر خلیل خلیفہ فلسطینی (۱۱) مولانا عظیم اللہ مئوی (۱۲) مولانا شکراللہ فیضی (۱۳) مولانا شمس الحق سلفی۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا عبدالمتین مدنی بنارس (۲) مولانا اشفاق الرحمن سلفی بہار (۳) خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی، ممبئ (۴) مولانا آصف اقبال مدنی، کلکتہ (۵) ڈاکٹر فوزان ازہری دہلی (۶) مولانا رضاءالحسن آروی (۷) مولانا احمد سلفی سمراوی دہلی (۸) د/ عبیدالرحمن محمد حنیف مدنی تلولی ممبئ (۹) مولانا ہلال ہدایت اللہ سلفی (۱۰) مولانا عبدالمعین مدنی اٹوا بازار (۱۱) د/ عبدالغنی القوفی، جھنڈا نگر نیپال۔ وغیرھم کثیر

تدریسی ودعوتی خدمات: (۱) ۱۹۶۹ء میں فراغت کے بعد کچھ دنوں تک سہ روزہ دعوت دہلی میں کام کرتے رہے بعدہ جامعہ سلفیہ اکبر پور جمنی میں تدریس سے منسلک ہوئے اور دو سال تک یہاں رہ کر تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۲) دعوت وتبلیغ کے جذبہ سے ضلع بریلی کے مشہور اہل حدیث قصبہ دھونرا، ٹانڈہ تشریف لے گئے اور کم وبیش سات سالوں تک وہاں تدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام بھی بڑے پیمانے پر کرتے رہے، بحمد اللہ اس علاقے میں آپ کی دعوتی خدمات کے گہرے اثرات اور قابل قدر نقوش آج بھی محسوس کئے جاتے ہیں۔

(۳) اگست ۱۹۸۰ء میں آپ کی تقرری ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس کے شعبہ تصنیف وتالیف میں بحیثیت باحث ومحقق ہوئی، دو سال تک ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کی آفس میں تحقیق وترجمہ کا کام بھی کرتے رہے، اس دوران آپ نے نواب صدیق حسن خان کی بعض کتابوں کی تحقیق کے ساتھ کتاب الکبائر کا ترجمہ بھی کیا اور نصرانیت پر علامہ ثناءاللہ امرتسری کے تحریر کردہ مقالات کو جمع بھی فرمایا۔ رفتہ رفتہ تحقیق وتالیف کے ساتھ تدریس سے بھی وابستہ کردیئے گئے، اور اس طرح جامع ترمذی، حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ الفوز الکبیر، تفسیر بیضاوی، تفسیر زمخشری، مقدمہ ابن خلدون، اور مجموعہ من النظم والنثر جیسی اہم ترین کتابیں زیر تدریس رہنے لگیں۔

مولانا رئیس الاحرار ندویؒ کی وفات کے بعد صحیح بخاری بھی آپ کے حصہ میں آئی اور دو سالوں تک آپ اس کی تدریس کا بھی فریضہ انجام دیتے رہے اور اس طرح کم وبیش ۳۲/ سالوں تک آپ نے جامعہ سلفیہ بنارس میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور ہزاروں تشنگان علوم آپ سے فیض یاب ہوئے اس طویل فترے میں تدریس کے ساتھ تحقیق وتصنیف کا کام چلتا رہا اور اس طرح متعدد کتابیں آپ کے گہربار قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ جولائی ۲۰۱۳ء میں آپ یہاں سے مستعفی ہوئے۔

(۴) جامعہ سلفیہ سے مستعفی ہونے کے بعد ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۴ء تک آپ جامعہ اسلامیہ دریاباد ضلع سنت کبیر نگر یوپی سے وابستہ ہوگئے اور وہاں کم وبیش ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیں پھر آمدورفت کی دقت کی وجہ سے قریب کے ایک مشہور ومعروف ادارہ جامعہ خیر العلوم، ڈومریا گنج منتقل ہوگئے۔

(۵) ۲۰۱۵ء سے تاحال (جنوری ۲۰۲۰ء) آپ جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈومریا گنج سے وابستہ ہیں اور کتب حدیث بالخصوص صحیح بخاری کی تدریس وتعلیم کے ساتھ تصنیف وترجمہ کے کام میں مصروف ہیں۔ اللہ استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور ملک وجماعت کو آپ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

(۶) دوران قیام ضلع بریلی دھونرا ٹانڈا کے علاقے میں سات سالوں تک آپ نے دعوت وتبلیغ سے بھری پر زندگی گذاری ہے اور اپنے پیچھے وہاں بہترین نقوش چھوڑے ہیں۔

(۷) خطابت کے میدان میں آپ کو بنارس آنے کے بعد کافی شہرت ملی، انتہائی دلپذیر اور موثر انداز میں آپ نے بڑے بڑے اجلاس میں خطابات کئے جنہیں بے حد پسند کیا گیا۔ دوران تدریس جامعہ سلفیہ بنارس مسلسل خطبات جمعہ کے ساتھ ساتھ ملک وجماعت کی اہم ترین کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ کی شرکت رہی۔ شیخ صفی الرحمن مبارکپوری اور ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کے پہلو بہ پہلو جن اساتذہ جامعہ کو ملک وجماعت کی بڑی کانفرنسوں میں نمائندگی کا موقع ملا ان میں آپ کی شخصیت بھی سرفہرست ہے جن کانفرنسوں اور سیمیناروں میں آپ کو شرکت کا موقع ملا ان میں علوم الحدیث پر منعقد سیمینار علی گڑھ، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس مئو، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ ودہلی نیز دہشت گردی پر منعقد سیمینار جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ماہنامہ محدث بنارس کی ادارت اور مختلف خصوصی نمبرات وشماروں کا اجراء: ماہنامہ محدث بنارس، جماعت کا مشہور آرگن اور جامعہ سلفیہ بنارس کا بے باک ترجمان ہے جس کے مدیران بالترتیب مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۶ء اور مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۸ء رہے مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ کے مدینہ یونیورسٹی کی طلب پر سیرت اور حدیث میں ریسرچ وتحقیق کے لئے مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد حجازی صاحب کو مجلہ کی ادارت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۸۸ء سے لے کر جولائی ۲۰۱۳ء تک مسلسل آپ ہی اس کے مدیر رہے۔ چوبیس سال کے اس طویل عرصہ تک آپ نے اپنی صحافتی اور قلمی صلاحیتوں سے مجلہ کو بام عروج تک پہنچایا اور اہم ترین عناوین وموضوعات پر تحقیقی وعلمی مضامین کے علاوہ کئی قابل قدر خصوصی شمارے بھی اشاعت پذیر ہوئے اور بحمد للہ چوبیس سالہ دور ادارت میں تحریر کردہ تمام مضامین ومقالات کو درجۂ علیا کے ایک ہونہار طالب علم نے اپنے مقالہ میں جمع کیا ہے جو جامعہ سلفیہ میں حصول سند کے لئے تیار کرایا گیا تھا اس کی ایک فوٹو کاپی حجازی صاحب کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کی نگرانی وادارت میں شائع شدہ ماہنامہ محدث بنارس کے خصوصی نمبرات: (۱) موتمر الدعوۃ والتعلیم نمبر ۱۹۸۱ء، یہ شمارہ بھی آپ کی کاوشوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ (۲) موسم ثقافی نمبر ۱۹۸۱ء، یہ شمارہ بھی آپ کی کاوشوں سے مرتب کیا گیا تھا۔ (۳) خلیجی بحران نمبر ۱۹۹۱ء، یہ آپ کے دور ادارت میں شائع ہوا۔ (۴) مولانا عبد الوحید سلفی نمبر ۱۹۹۱ء، یہ آپ کے دور ادارت میں

شائع ہوا۔ (۵) بابری مسجد نمبر ۱۹۹۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۶) صحافت کانفرنس نمبر ۱۹۹۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۷) شیخ الحدیث نمبر ۱۹۹۷ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۸) دررضاء اللہ مبارکپوری نمبر ۲۰۰۳ء، یہ آپ کے دورادارت میں شائع ہوا۔ (۹) شیخ محمد بن عبدالوہاب نمبر ۲۰۱۰ء، یہ آپ کے دوران ادارت میں شائع ہوا۔

شاعرانہ ذوق: استاذ محترم حجازی صاحب ایک بہترین مدرس وقلم کار کے ساتھ عمدہ شاعر بھی ہیں اور اس کے لئے حجازی تخلص اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جو سرزمین حجاز کی طرف نسبت کی وجہ سے انتہائی پاکیزہ اور مقدس محسوس ہوتا ہے۔ آپ کی دینی واسلامی نظمیں ملک کے بڑے بڑے اجلاس وکانفرنسوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ اور اگر اسے ترتیب دیا جائے تو ایک اچھا خاصہ دیوان تیار ہوسکتا ہے۔ الحمدللہ استاذ محترم اس کی ترتیب وتدوین میں کوشاں ہیں۔

شاعری کے ساتھ آپ ایک مترنم لب ولہجہ کے بھی مالک ہیں اور کبھی کبھار سامعین اور اہل علم کی فرمائش پر اپنی تخلیق کردہ نظمیں اپنے خوش گلو آواز میں اجلاس واجتماعات میں پڑھتے ہیں تو ایک سماں سا بندھ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی ایک نعتیہ نظم ''انوار رسالت سے لو جس نے لگائی ہے'' بہت ہی مشہور ہے اور اسے ملک کے طول وعرض میں منعقد ہونے والے اجتماعات وغیرہ میں بڑے شوق سے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ آپ کے پاس ایک شعری مجموعہ ہے جو ابھی تک منظر عام پر نہ آسکا ہے بلکہ مسودے کی ہی شکل میں آپ کے پاس محفوظ ہے، اس پر ۲۰۰۹ء ہی میں مشہور علمی وادبی شخصیت استاذ محترم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ نے ایک جامع مقدمہ بھی لکھا تھا جس میں حجازی صاحب کے شاعرانہ ذوق اور ادبی صلاحیتوں کو کافی سراہا ہے۔ اور اہل علم وطلباء سے اس طرح کے دینی واسلامی نظموں کو اختیار کرنے اور پڑھنے پڑھانے کی ترغیب دلائی ہے۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ مولائے کریم اسے منظر عام پر لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تصنیفات وتالیفات: حجازی صاحب کے گہر بار قلم سے کئی اہم تصنیفات اور متعدد کتابوں کے تراجم اور اس کے علاوہ بہترین تحقیقی وعلمی کام منصۂ شہود پر آچکے ہیں جو اہل علم اور طلباء کے ساتھ ساتھ امت کے لئے بے حد مفید ہیں۔ ذیل میں اس کی فہرست پیش ہے:

۱۔ عورت اور تعلیم، ۲۔ اسلامی تربیت، ۳۔ حجیت حدیث، ۴۔ سلفی دعوت کے علمی اصول، ۵۔ سلفی دعوت اور ائمہ اربعہ، ۶۔ قیاس ایک تقابلی مطالعہ، ۷۔ ماسونیت، ایک تاریخی دستاویز، ۸۔ کتاب الکبائر، ۹۔ کمیونزم اور مذہب، ۱۰۔ جائزۃ الاحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی، ۱۱۔ اسلامی عقیدہ (۱۶ اجزاء) یہ ساری کتابیں جامعہ سلفیہ سے مطبوع ہیں۔ ۱۲۔ آیات نبوت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے اقوال کی روشنی میں، مطبوع از مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، ۱۳۔ علمائے اہل حدیث کی حدیثی خدمات، ۱۴۔ علمائے اہل حدیث کی تفسیری خدمات، ۱۵۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی علمی سیرت، ۱۶۔ بعض مقالات کے عربی تراجم جو شیخ الاسلام سے متعلق ہیں، ۱۷۔ چوبیس سالہ ادارت محدث بنارس کے طویل ومتوسط مقالات (آخر الذکر ۱۳ سے ۱۷ تک غیر مطبوع ہیں)۔ ۱۸۔ عرب کے دو مدبرین معاویہؓ کی صف میں، ۱۹۔ مضامین ابوالوفاء (قلمی) ۲۰۔ ترجمہ قرآن، ۲۱۔ اسلامی تحریکات، ۲۲۔ شرح عقیدہ واسطیہ مترجم، ۲۳۔ ضخیم شعری مجموعہ یا دیوان اور، ۲۴۔ قضاء وقدر پر ایمان زیر ترتیب وتالیف ہیں۔ ۲۵۔ اس کے علاوہ ملک کی مختلف علمی

کانفرنسوں اورسیمیناروں میں تحریر کردہ متعدد مقالات ومضامین ہیں جومختلف جرائدورسائل کی زینت بن چکے ہیں۔

اخلاق وعادات: میں بحیثیت ایک شاگرد کچھ نہ لکھتے ہوئے مفکر جماعت شیخ عبدالمعید مدنی علی گڑھ کے ان کلمات کو درج کردے رہاہوں جوحجازی صاحب کے سلسلے میں میرے بھی دل کی آواز ہے۔شیخ عبدالمعید مدنی صاحب علیگڈھ اپنی ایک واٹسپی تحریر میں جامعہ سلفیہ کے دولعل کے عنوان سے رقم طراز ہیں کہ:''حجازی صاحب وقت کے پابند، صلاۃ وصوم کے پابند، دعوت وتبلیغ کے جذبہ سے سرشار، مسلک وجماعت کا صحیح شعور رکھنے والے، بساط بھر جماعت اورمسلک کے خادم، ریاونمود سے دورونفور، تدریس کا حق اداکرنے والے، حجازی صاحب کی کئی کتابیں جامعہ سے شائع ہوئیں، ماہنامہ محدث کے زمانہ تک مدیر رہے۔تعلیم وتدریس کو جوڑیں تو زندگی کا بیشتر حصہ جامعہ میں کاٹ دیا۔ وقار وسنجیدگی، زہد وتقویٰ، فکر وفہم سے اللہ نے انہیں نوازا ہے اللھم زدفزد آمین، بڑا ہونے کے لئے آج کے دور میں یہی کافی ہے۔اصلا جوسچا ایماندار ہووہی بڑا ہے''۔

یہ تحریر آپ کے اخلاق وعادات کی صحیح آئینہ دار ہے۔اللہ شیخ کی حفاظت فرمائے۔

شادی واولاد: آپ کی شادی آپ کے ماموں مولانا شکراللہ فیضی کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی۔جن سے ۴ بچے اور پانچ بچیاں ہیں۔ بچوں میں مولانا جاویداحمد سلفی پونہ، مولانا شاہد سلفی عالیاوی پریوانرائن پور، مولانا عبدالاعلیٰ سلفی اور محمد طارق سلمہم اللہ ہیں۔ جواپنے اپنے حساب سے تلاش رزق میں مشغول ہیں اوردین وایمان اورصحیح عقیدے پر قائم ودائم ہیں، رب العالمین انہیں اپنے صالح اورصاحب عزیمت باپ کا سچا جانشین بنائے۔آمین۔

فی الوقت (جنوری ۲۰۲۰ء) حجازی صاحب جامعہ اسلامیہ خیرالعلوم ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اورساتھ ہی ساتھ دعوتی اورتصنیفی کام بھی جاری ہے۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ استاذ محترم کو صحت کاملہ عطا فرمائے اورملک وجماعت کو آپ سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔آمین تقبل یارب العالمین۔

مراجع ومصادر: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث بڑھنی سدھارتھ نگر(۱) ذاتی معلومات اورحجازی صاحب سے کئے گئے ٹیلیفونک استفسار (۳) علمائے اہل حدیث ہند اوران کی تصنیفی خدمات ازمولانا محمد مستقیم سلفی ۱/ ۴۳۵۔(۴)۔المنار ۲۰۱۸ء (اساتذہ جامعہ سلفیہ بنارس)(۵) علوم الحدیث مطالعہ وتعارف۔علی گڑھ ص ۱۸۔

❑❑❑

صاحبِ تحقیق وافتاء استاذ گرامی

شیخ احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم سلفی مدنی حفظہ اللہ پورنیہ بہار

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۳/فروری ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

۹۰/کی دہائی سے کچھ پہلے جامعہ سلفیہ بنارس میں جن نام چیں اساتذہ کی تقرری ہوئی ان میں استاذ گرامی ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی، شیخ اصغر علی امام مہدی اور ہمارے صاحب تذکرہ شیخ احمد مجتبیٰ مدنی تھے۔ بڑے پرجوش اور حوصلہ افزاء ماحول میں ہمیں جامعہ کے قدیم کہنہ مشق اساتذہ کے پہلو بہ پہلو مذکورہ اصحاب تحقیق مدنی علماء سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا، بالخصوص جامعہ کے بدلتے ہوئے حالات اور تعلیمی ذوق وشوق کی لو کچھ مدھم ہوجانے کے بعد ان حضرات کی آمد اور تقرری اور تدریس سے طلباء کے تحقیقی رجحان کو جلا ملا، تعلیمی ذوق وشوق میں حوصلہ مندی وترقی پسندی کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو وباہمی محادثہ کا ایک ماحول بنا، اور فن حدیث وغیرہ میں تحقیق وتخریج کی نئی راہیں کھلیں، اسی راہ تحقیق کے ایک باوقار اور صاحب علم راہی ہمارے ممدوح استاذ محترم شیخ احمد مجتبیٰ سلفی مدنی بھی تھے۔ مقررہ نصابی کتابوں کی گتھیاں عمدہ انداز میں سلجھانے کے ساتھ، مسلک سلف اور اس کے دفاع کا جذبہ فراواں بھی ہمیں آپ سے سیکھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کا کچھ سلیقہ آیا۔ موصوف جہاں فن حدیث ودیگر فنون کے ایک کہنہ مشق معلم تھے وہیں طلبہ کی رگوں میں مسلک سنت کی حمیت اور خدمت کا جذبہ پیدا کرنے والے ایک تجربہ کار مربی بھی تھے، ۱۴ سالوں تک ملک کی مرکزی درسگاہ میں اپنی تحقیقی وعلمی صلاحیتوں کے جواہر پارے بکھیر کر دارالدعوۃ دہلی وبعدہ جامعہ ابی ہریرہ لال گوپال گنج الہ آباد میں خدمت حدیث پر مامور ہوئے، اور آج بھی اسی میدان حق کے ایک فرض شناس مرد مجاہد شمار کئے جاتے ہیں۔ اللہ رب العالمین آپ کی خدمت کو قبول فرمائے۔ ذیل میں آپ کی سوانح نظر قارئین ہے۔

نام ونسب: احمد مجتبیٰ بن نذیر عالم بن صاحب الدین بن جھپسی میاں۔

تاریخ پیدائش: ۳/فروری ۱۹۴۹ء (مدنی ٹولہ) پورنیا، گوسائیں، ضلع مغربی چمپارن، بہار۔

خاندانی پس منظر: (۱) شیخ کے خاندان کے ایک بزرگ ''میاں جھگڑو'' نام کے تھے جو تحریک شہیدین اور مجاہدین کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔

(۲) آپ کے پردادا جھپسی میاں، شیرِ بہار راجہ کنور سنگھ (والی بھوجپور بہار) کے درباری تھے اور اس کے ساتھ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شریک تھے، کنور سنگھ کی شکست کے بعد یہ لوگ چمپارن جا بسے اور یہاں پر پورنیاں نام کی ایک بستی کو بسایا اور آباد کیا

اور یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

(۳) آپ کے والد نذیر عالم ایک متحمس عالم دین تھے اور جماعت کے مشاہیر اہل علم بالخصوص مولانا منیر خان بنارسی، مولانا عبدالنور مناظر بہار اور فیض عام مئو کے سابق ناظم مولانا احمد کے شاگردوں میں سے تھے، نیز مولانا عبدالکریم مسلم صاحب/دیوان گلشن کے نواسے مولانا منظور الحق جھکاوی ثم بلی رامپوری کے ساتھ ضلع مغربی چمپارن اور اس سے متصل نیپال کے علاقوں میں سلفی دعوت کے فروغ اور مدارس کے قیام میں بڑے اہم کردار کے مالک تھے۔ خاص طور پر مغربی چمپارن کے مشہور جماعتی ادارہ مدرسہ منظر العلوم بلی رامپور کے بانیان میں سے تھے اور پہلے پہلے مدرس اور صدر المدرسین بھی تھے۔ یہ بات یاد رہے کہ یہاں آپ کے شاگردوں میں صاحبزادے احمد مجتبیٰ کے علاوہ مولانا محمد حنیف فیضی مدنی بھی تھے جو برسوں جامعہ سلفیہ کے استاذ رہ چکے ہیں، اور اسی ادارہ میں مرکزی جماعت کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے بھی کئی سالوں تک خوشہ چینی کی ہے۔

تعلیمی مراحل: ۱۔ابتدائی تعلیم اپنے والد کے ساتھ موضع بہنت پور کے ایک مدرسے میں حاصل کی۔

۲۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء دار العلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں (متوسط، ثانویہ) کی تعلیم حاصل کی۔

۳۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۰ء دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (عربی پنجم تا ہفتم) میں رہے اور عالمیت کی سند حاصل کی۔ لیکن وہاں درمیان سال میں اسٹرائک کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے۔

۴۔ ۱۹۷۱ء میں جامعہ فیض عام مئو میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث میں داخلہ لیا اور ایک سال تک وہاں اساطین اہل علم سے تعلیم حاصل کی اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

۵۔ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء جامعہ سلفیہ بنارس میں رہے، یہاں آپ نے فضیلت کا کورس مکمل کیا اور ۱۹۷۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۶۔ دسمبر ۱۹۷۸ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے یہاں آپ نے لیسانس (B.A.) اور ماجستر (M.A.) کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۸۶ء میں ماجستر کی سند سے سرفراز کئے گئے۔ آپ کے ماجستر کے رسالہ کا موضوع تھا تحقیق ودراسة ''الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی للمناوی''۔

مشاہیر اساتذہ: ۱۔مولانا عین الحق سلفی، ۲۔مولانا محمد رئیس ندوی، ۳۔مولانا محمد عمیس اختر سلفی، ۴۔مولانا عبدالخالق سلفی، ۵۔مولانا محمد اکمل اعظمی، ۶۔مولانا نور عظیم ندوی، ۷۔مولانا عبدالحفیظ بلیاوی صاحب مصباح اللغات، ۸۔مولانا عبدالماجد ندوی، ۹۔مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، ۱۰۔مولانا محمد رابع ندوی، ۱۱۔مولانا محمد عرفان ندوی، ۱۲۔ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، ۱۳۔مولانا عبدالوحید رحمانی، ۱۴۔مولانا عبدالحمید رحمانی، ۱۵۔مولانا عابد رحمانی، ۱۶۔مولانا آزاد رحمانی، ۱۷۔مولانا شمس الحق سلفی، ۱۸۔مولانا عبدالمعید بنارسی، ۱۹۔شیخ ربیع ہادی المدخلی، ۲۰۔شیخ عبدالمحسن العباد، ۲۱۔شیخ حماد الانصاری، ۲۲۔ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی، ۲۳۔ڈاکٹر سعدی الہاشمی، ۲۴۔ د/ عبدالرحیم القشقری، ۲۵۔ د/ اکرم ضیاء العمری، ۲۶۔مفتی حبیب الرحمن فیضی مئو، ۲۷۔مولانا قاری عبدالسبحان مئوی، ۲۸۔مولانا جمیل احمد فیضی مئو، وغیرھم کثیر۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ بنارس اور دیگر اداروں میں تدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے، چند مشاہیر کے نام درج ذیل ہیں: ۱۔مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی (دہلی)، ۲۔مولانا ارشد فہیم الدین سلفی مدنی، بہار، ۳۔مولانا ریاض احمد سلفی (دہلی) ۴۔مولانا عبدالرحمن عبدالغفور مدنی، ۵۔راقم عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی، ۶۔مولانا عبدالعلیم عبدالحفیظ مدنی، ۷۔مولانا صہیب حسن مبارکپوری، ۸۔مولانا محمد فاروق سلفی، ۹۔ڈاکٹر عبدالغنی القوفی، ۱۰۔ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ، ۱۱۔مولانا عبدالسلام شکیل مدنی، (سعودی عرب) ۱۲۔مولانا محمد اسلم سلفی (بہار)، ۱۳۔مولانا رحمت اللہ سلفی (بہار) ۱۴۔مولانا شکیل احمد اثری، بہار، ۱۵۔مولانا نورالہدیٰ سلفی، مفتی جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۶۔مولانا محمد اشفاق سجاد سلفی وغیرھم کثیر۔

ہم سبق رفقاء: بنارس میں آپ کے ہم سبق رفقاء میں۔ ۱۔ڈاکٹر عبدالرحمن فریوائی، ۲۔مولانا عبداللہ زبیری، ۳۔مولانا ابوالقاسم فاروقی، ۴۔مولانا عبداللہ طیب مکی وغیرھم تھے۔

تدریسی ودعوتی خدمات: ۱۔فراغت کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ احیاء السنۃ، بجرڈیہہ میں درس وتدریس پر مامور ہوئے اور جلد ہی مستعفیٰ ہوکر باؤٹا بیڑی مدراس کے یہاں امام وخطیب مقرر ہوگئے، یہ عرصہ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک ہے۔

۲۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء مدرسہ منظر العلوم بلی رامپور بہار میں تدریس سے وابستہ رہے یہاں تک کہ جامعہ اسلامیہ سے داخلہ کی منظوری آگئی، اور مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔

۳۔مدینہ سے لوٹنے کے بعد جنوری ۱۹۸۸ء میں ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس سے وابستہ ہوگئے، اور ۲۰۰۲ء تک مسلسل چودہ سال تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۴۔جنوری ۲۰۰۲ء میں بنارس سے جماعت کے معروف اسکالر شیخ عبدالرحمن فریوائی کے قائم کردہ ادارہ دارالدعوۃ دہلی منتقل ہوگئے۔ اور حدیث انسائیکلو پیڈیا پر کام شروع کردیا۔ اس درمیان حدیث کی کئی کتابیں (خاص طور پر سنن اربعہ ترجمہ وتحشیہ کے ساتھ) منظر عام پر آئیں۔ یہاں آپ دہلی میں ۲۰۱۰ء تک کل آٹھ سال رہے۔

۵۔ ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر فریوائی صاحب کے ہی قائم کردہ ادارہ جامعہ ابی ہریرہ لال گوپال گنج الہ آباد میں چلے گئے اور بحمداللہ تاحال (۲۰۲۰ء تک) حدیث ودیگر فنون کی تدریس کا یہ عمل جلیل اب بھی وہاں انجام دے رہے ہیں۔

۶۔دوران قیام دہلی جامعہ ملیہ دہلی اور علی گڑھ وغیرہ میں بھی جزءوقتی عربی زبان کی تدریس اور دروس وغیرہ دیتے رہے۔

۷۔آپ تدریس کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے بھی کام سے وابستہ ہیں، جمعہ وجماعت اور ملک کے طول وعرض میں منعقد ہونے والے اجتماعات واجلاس میں شریک رہا کرتے ہیں۔ اللہ قبول فرمائے۔

تصنیفی خدمات: استاذ گرامی شیخ احمد مجتبیٰ درس وتدریس میں مہارت کے ساتھ ایک کہنہ مشق قلمکار، محقق اور مصنف بھی ہیں، ذیل میں آپ کی تحقیقات وتصنیفات کی فہرست درج ہے۔

۱۔التعلیقات السّلفیہ علی سنن النسائی رمولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی کی طبع دوم کی تحقیق وتخریج جو پانچ جلدوں میں ریاض سعودی

میں طبع ہو چکی ہے۔
۲۔ ماجستر کا رسالہ بعنوان ''تحقیق الفتح السماوی فی تخریج احادیث البیضاوی للمناوی'' مطبوع ریاض سعودی عرب۔ ۳/جلدیں۔
۳۔تخریج احادیث ''تنویر العینین فی فضیلۃ الشیخین للشاہ ولی اللہ الدہلویؒ عربی ترجمہ از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ۔غیر مطبوع۔
۴۔تحقیق ودراسۃ ''ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل'' للذہبی۔
۵۔تخریج ''حسن الصناعۃ فی صلوۃ التراویح بالجماعۃ'' مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مطبوع از جامعہ سلفیہ بنارس۔
۶۔تحقیق نصوص مختارہ فی الاقتصاد لابن تیمیہ، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی۔
۷۔آسان طریقۂ حج (مطبوع از جامعہ سلفیہ، بنارس)
۸۔خطا معاف (مطبوع از مدرسہ امام بخاری چمپارن)
۹۔دارالدعوہ دہلی سے شائع ہونے والی لگ بھگ بیس کتابوں پر مقدمہ یا عرض ناشر۔
۱۰۔جمعیۃ الامام ابن باز سیتلا، جھارکھنڈ سے شائع ہونے والی ۱۵/کتابوں پر مقدمہ اور یہ کتابیں مطبوع ہیں۔
۱۱۔سیمینار علی گڑھ مطالعہ علوم الحدیث ودیگر مناسبات پر تحریر کردہ متعدد اہم مقالات ومضامین۔
۱۲۔تجدید ایمان، قرآن کے حقوق، تعدد ازدواج وغیرہ متعدد کتابوں کا مراجعہ تصحیح وتقدیم۔اور آج بھی الحمدللہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔
اہم عہدے ومناصب: ۱۔رئیس مجلس علمی جامعہ ابی ہریرہ، لال گوپال گنج۔ ۲۔رئیس قسم الافتاء وشیخ الحدیث، ۳۔نائب رئیس دارالدعوہ، دہلی۔ ۴۔تاسیس مدرسہ امام بخاری مدنی ٹولہ پورنیہ بہار، ۵۔تاسیس مدرسہ دارالکتاب والسنۃ، محمد پور چمپارن، ۶۔تاسیس معہد احیاء السنۃ، مصرولی چوک، چمپارن، ۷۔تاسیس جمعیۃ الامام ابن باز سیتلا جھارکھنڈ۔
اولاد واحفاد: آپ نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی کو شادی کے بعد ہی کسی وجہ سے طلاق دے دیا، دوسری شادی ۱۹۷۷ء میں ہوئی اس کے بطن سے ۶/لڑکیاں، ۵/لڑکے ہیں۔
بچوں کے نام بالترتیب عبدالاحد، محمد مدنی، عبداللہ، عبدالواحد، عبدالرحمن ہے۔سب کے سب تعلیم یافتہ اور برسر روزگار ہیں۔
رب العالمین آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔اور صحت وعافیت کے ساتھ انہیں جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔آمین۔
مراجع ومصادر: (۱) ریکارڈ، مرکز تاریخ اہل حدیث واہل حدیث انسائیکلو پیڈیا۔ بڑھنی، سدھارتھ نگر (۲) شیخ کے بھیجے گئے خود نوشت معلومات اور استفسارات۔ (۳) علوم الحدیث، مطالعہ وتعارف، ص ۲۰۔ (۴) گلستانِ حدیث، بھٹی صاحب ص ۴۰۷۔ (۵) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات/مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۶۴۔

❑❑❑

استاذ گرامی

مولانا عزیز الرحمن سلفی/ حفظہ اللہ ٹکریا، سدھارتھ نگر

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۸/ مارچ ۱۹۴۹ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

اسّی نوے کے دہے میں جب میرا داخلہ جامعہ رحمانیہ بنارس میں ہوا اس قت سلفیہ کے در و بام میں کئی اساطین اہل علم کا غلغلہ تھا۔ ادیب شہیر ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ، معروف سیرت نگار و مناظر مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانیؒ، بطل جلیل مولانا رئیس الاحرار ندویؒ، جیسے عباقرہ موجود تھے۔ بڑی رعنائیاں تھیں، رونق بزم سجی تھی۔ رفتہ رفتہ جب شناسائی بڑھی تو بہت سارے اصحاب علم وعرفان کو دیکھنے، ملنے اوران سے پڑھنے کا موقع ملا۔ جامعہ کے اساتذہ کی فہرست میں ان عباقرہ کے پہلو بہ پہلو اپنی تدریسی صلاحیتوں کا سکہ اگر کسی نے منوار کھا تھا تو ان میں استاذ گرامی مولانا عزیز الرحمن سلفی حفظہ اللہ وتولاہ کا نام سرفہرست رکھا جاسکتا ہے۔ صحیح مسلم کا درس ہو یا عروض وبلاغت کی گھنٹیاں طلباء کو اپنے اسلوب اور مواد سے پرمغز معلومات سے آشنا کرنے اور گھول کر پلانے کا ہنر رب العالمین نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ انتہائی سادہ، شیفتہ اور عام فہم الفاظ میں بڑے بڑے مسائل کی توضیح اور پوری دلجمعی اور چابکدستی سے درس پر کنٹرول جیسی بیش بہا صفات آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تدریس کا میدان بڑا صبر آزما اور محنت طلب ہے۔ جامعہ سلفیہ جیسے مرکزی ادارے میں برلینٹ وذہین طلباء کے بیچ اپنی ہنرمندی اور صلاحیت کا سکہ بٹھانا ہی اپنے آپ میں ایک اعزاز ہے۔ رب العالمین نے یہ اعزاز دیگر اساطین علم واساتذہ جامعہ کے ساتھ آپ کو بھی عطا کر رکھا تھا۔ کم وبیش ۳۸/ سالوں تک آپ نے اس میدان کی آبلہ پائی کی ہے اور ہزاروں طلباء کو اپنے علم وہنر سے بھرپور فیض پہنچایا ہے۔ رب العالمین شیخ محترم کو صحت وعافیت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔ ذیل میں آپ کی سوانح وخدمات جلیلہ کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

نام ونسب: عزیز الرحمن سلفی بن نصیب اللہ بن جان محمد بن محمد شریف بن فقیر بخش بن للئی بن منشاد۔

تاریخ پیدائش: کاغذات کے اعتبار سے ۸/ مارچ ۱۹۴۹ء اور آپ کے والد صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۵۲ء۔

خاندانی پس منظر: آپ کے اجداد میں للئی ومنشاد دو بزرگ تھے جن کا تعلق اترولہ راجہ خاندان سے تھا۔ ان کے آباء واجداد میں سورج بنس ٹھاکر نامی ایک آدمی تھے جنھوں نے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور اس طرح بعد کی نسلیں اسلام کی برکت سے مالامال ہوئیں، یوں تو آپ کا گاؤں ایک علمی اور تاریخی گاؤں مانا جاتا ہے، یہاں جماعت مجاہدین کے قافلے آیا کرتے تھے۔ جماعت

مجاہدین کے میر منشی مولانا جعفر علی نقویؒ مجھوا میر سے لے کر مولانا اللہ بخش بسکوہریؒ، مولانا محمد جعفر صاحب پنجابیؒ، مولانا شمس فیض آبادیؒ، اور مجدد وقت مولانا ممتاز علی کرتھی ڈیہہؒ کے تبلیغی مراکز میں سے ایک اہم مرکز یہ گاؤں ٹکریا بھی تھا یہاں کی خاک سے مولانا عبدالرزاق صاحبؒ، مولانا عبدالغفور صاحبؒ، مولانا عبدالقدوس صاحبؒ، مولانا محمد خلیل رحمانی صاحبؒ، مولانا عبدالسلام مدنیؒ صاحب، رحمہم اللہ اجمعین جیسے عباقرہ پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ جماعت کے عظیم مجاہد وداعی مولانا شکر اللہ فیضیؒ بھی اسی گاؤں کے تھے جو آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد اس گاؤں میں دعوت اہل حدیث کے ایک مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے تھے اور رشتے میں صاحب ترجمہ استاد مکرم کے سگے ماموں تھے۔

شیخ محترم چونکہ اپنے والد کی اکلوتی اولاد بچے تھے اس لئے والد اور دادا اور ماموں وغیرھم کی بھرپور محبت اور عنایتیں ملی۔ تعلیم وتربیت پر بچپن ہی میں توجہ دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی خداداد ذہانت کی وجہ سے یہ ذرہ رفتہ رفتہ علم وعرفان کا آفتاب وماہتاب بن کر ملک کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں اپنی خوشبوئیں بکھیرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم انتہائی کم عمری میں گاؤں کے مکتب میں شروع کی اور جلد ہی ''ابر رحمت'' کی دوسری کتاب تک پہنچ گئے اور پرائمری پاس کئے بغیر فارسی میں داخل ہو گئے۔ (۲) ۱۹۵۴ء میں جب آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ فیضی نے گاؤں میں عربی مدرسہ بنام مفتاح العلوم شروع کیا تو اپنی ذہانت کی وجہ سے فارسی درجات میں داخل کر لئے گئے اور فارسی کے بعد عربی درجات شروع کر دی اور عربی کی پانچویں جماعت تک کی تعلیم یہیں مکمل کی۔ (۳) دار الحدیث اثریہ مئو میں جماعت سادسہ میں داخلہ لیا اور ایک سال تک رہ کر سادسہ کی تعلیم مکمل کی۔

اس کے بعد جامعہ فیض عام میں داخل ہوئے مگر عید الاضحیٰ کی تعطیل تک صرف دو ماہ ہی تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اسی دوران جامعہ سلفیہ میں تعلیمی افتتاح کا اعلان ہوا جس کی بنیاد پر بہت سارے طلباء فیض عام سے بنارس چلے گئے۔ مارچ ۱۹۶۶ء کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی نے امتحان لیا اور آپ کا داخلہ عالم ثالث میں منظور فرمایا اور اس طرح دو سال میں درجہ عالمیت کی تکمیل ہوئی۔ عالمیت کی تکمیل کے بعد فضیلت میں داخل ہوئے جو ''التخصص فی الشریعۃ الاسلامیہ'' کے نام سے فضیلت کورس کی شکل میں چل رہا تھا چنانچہ دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور ''التخصص فی الشریعۃ'' کی سند ملی۔

(۴) جامعہ سلفیہ بنارس سے سال فراغت ۱۹۶۹ء ہے۔ اسی سال ۳۱/اکتوبر و یکم نومبر کو تقسیم اسناد کانفرنس ہوئی تھی جس میں جامعہ اسلامیہ مدینہ کے معروف استاذ شیخ عبدالوہاب البنّا تشریف لائے تھے اور انہیں کے مبارک ہاتھوں سے سند تفویض کی گئی۔

(۵) دوران تعلیم اور تدریس آپ نے منشی، مولوی، عالم، فاضل دینیات، فاضل ادب کے امتحانات عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے اور ادیب ماہر وادیب کامل کا امتحان جامعہ اردو علی گڑھ سے دیا اور اچھے نمبرات سے پاس ہوئے۔

(۶) دوران تدریس بنارس، جامعۃ الملک سعود ریاض سے ۱۹۸۷ء۔۱۹۸۸ء میں تدریب المعلمین کا کورس بھی مکمل کیا اور یہاں کے مختلف الجنسیات اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے ماموں مولانا شکر اللہ فیضیؒ، ۲۔مولانا عبداللہ سعیدی جمنویؒ، ۳۔مولانا محمد احمد اثریؒ، ۴۔مفتی عبدالعزیز صاحب عمریؒ (مئو)، ۵۔مولانا فیض الرحمن فیضیؒ (مئو)، ۶۔ادیب شہیر مولانا عبداللہ شائق مئویؒ، ۷۔مولانا عبدالمعید صاحب بنارسیؒ، ۸۔مولانا عظیم اللہ صاحب مئویؒ، ۹۔مولانا عبدالوحید رحمانی (شیخ الجامعہؒ)، ۱۰۔مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ۱۱۔شیخ الحدیث مولانا شمس الحق سلفیؒ، ۱۲۔مولانا محمد عابد رحمانیؒ، ۱۳۔ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ، ۱۴۔مولانا امان اللہ فیضیؒ، بہار، ۱۵۔شیخ صالح العراقی، ۱۶۔شیخ ڈاکٹر ربیع ہادی المدخلی، ۱۷۔شیخ ہادی الطالبی، ۱۸۔ماسٹر اعجاز احمد بنارسی، ۱۹۔ماسٹر شمس الدین بنارسی، ۲۰۔قاری عبدالحمید صاحب جونپوری، ۲۱۔ماسٹر حمید اللہ صاحب جونپوری اور جامعۃ الملک سعود ریاض میں، ۲۲۔ڈاکٹر ابوالفتوح مصری، ۲۳۔ڈاکٹر راشد سعودی، ۲۴۔ڈاکٹر احمد الطیب السویسی، ۲۵۔ڈاکٹر خلیل خلیفہ اردنی، ۲۶۔زہیر تیونسی، ۲۷۔رضا تیونسی، ۲۸۔عبدالخالق سودانی، ۲۹۔عمر صدیق سودانی، ۳۰۔ادریس سودانی وغیرھم ہیں۔

رفقائے درس: جامعہ سلفیہ بنارس کے چیدہ رفقاء میں (۱) عالم اسلام کی معروف شخصیت مفتی حرم شیخ وصی اللہ عباس مدنی (۲) ڈاکٹر محفوظ الرحمن مدنی، دبئی (۳) حافظ محمد اسماعیل صاحب مئوی (۴) مولانا نوراللہ پراری بیتول (۵) مولانا محمد یوسف صاحب مرکزی (مالیر کوٹلہ پنجاب)۔(۶) مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی بنارس (۷) مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی جیسے اساطین علم وفن تھے۔ رحم اللہ الاموات وحفظ الاحیاء منهم۔

تدریسی، تصنیفی ودعوتی خدمات: ۱۔فراغت کے بعد کچھ دنوں تک جامعہ سلفیہ کی لائبریری میں خدمت پر مامور ہوئے۔

۲۔فروری ۱۹۷۹ء میں مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں پوسٹ اجگرا، سدھارتھ نگر (قدیم بستی) سے وابستہ ہوگئے اور عربی کی پانچویں جماعت تک پڑھانے لگے، یہیں سے آپ کی تدریسی صلاحیتوں کا شہرہ ہوا اور مختلف جامعات ومدارس سے طلب آنے لگے یہاں آپ نے چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

۳۔۱۹۷۵ء میں جامعہ انوار العلوم پرساعماد سدھارتھ نگر میں آگئے اور یہاں بھی چار سالوں تک تدریس سے وابستہ رہے۔

۴۔اکتوبر ۱۹۷۸ء کو جامعہ سلفیہ بنارس میں تقرری ہوئی اور مرکزی دارالعلوم کی پر کیف فضاؤں میں آپ نے ہزاروں شاگردوں کو اپنے علم وہنر سے فیض یاب کیا ہے۔خصوصاً صحیح مسلم کا درس بڑا ہی موثر اور نرالہ ہوتا تھا۔اس کی لذت وچاشنی اور خوشبوئے علم وعرفاں آج بھی طلباء کے دلوں میں رچی بسی ہے۔یہاں کم وبیش آپ نے ۳۸رسالوں تک تدریسی خدمات انجام دیں، آخر میں طبیعت کی ناسازی اور فالج کے حملے کی وجہ سے جامعہ سے مارچ ۲۰۱۵ء میں سبکدوش ہوگئے۔علاج ومعالجہ جاری ہے الحمدللہ افاقہ ہے۔فی الوقت اپنے مولد ومسکن ٹکریا ضلع سدھارتھ نگر میں قیام فرما ہیں۔رب العالمین صحت کاملہ عطا فرمائے۔اور آپ کی خدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔

مولانا تدریسی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے۔آپ کے گہربار قلم سے کئی علمی وتحقیقی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہیں۔(۱) جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات۔مطبوع از جامعہ سلفیہ بنارس۔(۲) حکم الدعاء وآدابہا۔

اردو وعربی۔(۳)امام مسلم اوران کی صحیح کی خصوصیات۔غیر مطبوع (۴)تعلیق وتحقیق سیرۃ البخاری (مطبوع) (۵)معاویہ بن ابی سفیانؓ ترجمہ باشتراک دیگراساتذہ۔ (۶)ترجمہ نورالیقین فی سیرۃ سیدالمرسلین (۷)عالم وطاغیۃ ترجمہ (۸)تعلیق مختصر الاتقان۔(۹)شعری مجموعہ بنام''پرواز''۔

شہر بنارس کی مختلف مساجد میں خطبہ جمعہ کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے کبھی کبھار پروگراموں میں بھی شریک رہتے تھے جمعیت اتحاد ابناء السلفیہ کے تحت توباضابطہ آپ نے جمعہ کے لئے جونپور رہٹی تک کا سفر کیا ہے۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس میں ایک لمبے عرصے تک تعلیم وتدریس کی وجہ سے آپ کے شاگردوں کا احصاء ناممکن ہے۔ذیل میں چند مشاہیر کے نام درج ہیں: (۱)مولانا اصغرعلی امام مہدی سلفی دہلی، ۲۔مولانا سعید احمد سلفی (پونہ)، ۳۔مولانا عبدالمنان سلفی، جھنڈانگر، ۴۔مولانا عبدالسلام سلفی، ممبئی، ۵۔مولانا ارشد فہیم الدین سلفی، موتیہاری بہار، ۶۔مولانا نسیم خلیل صدیقی (ممبئی)، ۷۔خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، ۸۔ڈاکٹر فوزان مقتدی حسن ازہری (دہلی)، ۹۔ڈاکٹر احمد سعید فاروقی (دہلی)، ۱۰۔مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی (ممبئی)، ۱۱۔عبدالسلام شکیل (سعودی عرب) وغیرھم کثیر۔

اولاد واحفاد: آپ کی شادی میمونہ شہناز نامی خاتون سے ہوئی جن کے بطن سے رب العالمین نے پانچ بچیاں اور چار بچے عنایت فرمائے۔بچیاں۔۱۔عزیزہ شہناز، ۲۔خورشیدہ شہناز، ۳۔صبا شہناز، ۴۔وحیدہ نسرین شہناز، ان چاروں کی شادی ہوچکی ہے۔۵۔عبیدہ یاسمین شہناز ابھی چھوٹی ہیں۔اور بچے بالترتیب۔۱۔حافظ عبدالرحمن سلفی، ۲۔مطیع الرحمن عزیز سلفی ابھی دہلی میں ایک اردو اخبار سے وابستہ ہیں، ۳۔حافظ سعیدالرحمن سلفی، ۴۔شعیب الرحمن (سب سے چھوٹے ہیں) اور سب کے سب برسر روزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین وایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔آمین۔

مصادر ومراجع: ۱۔علمائے اہل حدیث ہند اوران کی تصنیفی خدمات/مولانا محمد مستقیم سلفی

۲۔مجلہ المنار، ۲۰۱۸ء جامعہ سلفیہ بنارس۔

۳۔شیخ کا سوانحی مضمون، موضع ٹکریا، میرا مولد میرا مسکن

۴۔ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی وذاتی معلومات۔

۵۔شیخ سے کئے گئے استفسارات وتوضیحات بذریعہ موبائل۔

❑❑❑

مولانا عبدالقدوس مدنی/ حفظہ اللہ مالیگاؤں

ولادت جنوری ۱۹۵۱ء

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مولانا عبدالقدوس مدنی جماعت کے ایک نشیط اور فعال مدرس وداعی ہیں جو ۱۹۸۱ء سے لے کر تا حال کم وبیش چالیس سالوں سے ہندوستان کی مشہور درسگار جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مہاراشٹر بالخصوص مالیگاؤں ومضافات میں دعوتی وتبلیغی سلسلہ سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ انتہائی کہنہ مشق، ملنسار اور اپنے عمل اور ڈیوٹی کی پابندی کرنے والے ایک بہترین مربی ومعلم ہیں۔ ذیل میں شیخ محترم کی سوانح وخدمات مختصراً درج ہیں۔

تاریخ پیدائش: آپ کی پیدائش موضع فتح پور پوسٹ بنکے گاؤں ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں یکم جنوری ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم: (۱) گاؤں کے مدرسہ موضع فتح پور میں ہوئی۔ (۲) جامعہ رحمانیہ بنارس میں عربی کی ابتدائی وثانوی تعلیم حاصل کی۔ (۳) جامعہ سلفیہ بنارس سے عالمیت اور فضیلت کی سند حاصل کی۔ سال فراغت ۱۹۷۶ء ہے۔ (۴) ۱۹۷۷ء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا اور چار سال لیسانس یعنی بی اے کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۸۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مشہور اساتذہ: (۱) مولانا شمش الحق سلفیؒ (۲) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (۳) مولانا عبدالوحید رحمانیؒ شیخ الجامعہ (۴) مولانا رئیس الاحرار ندویؒ (۵) مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ (۶) مولانا انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ (۷) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ (۸) مولانا محمد عابد رحمانیؒ وغیرھم۔

تدریسی ودعوتی خدمات: (۱) مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد ۱۹۸۰ء سے تا حال ۲۰۱۹ء جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں اور حدیث وعقیدہ کے ساتھ دیگر عربی علوم وفنون کی تعلیم پر مامور ہیں۔

(۲) مالیگاؤں اور اس کے مضافات بالخصوص دھولیہ، ناسک، اورنگ آباد، ایولہ، احمد نگر وغیرہ میں دعوتی کام بھی انجام دیتے ہیں اور خطبہ جمعہ ودینی پروگراموں میں شریک ہوکر اصلاح عقائد واعمال فرماتے ہیں۔

(۳) مسجد اہل حدیث موسم پل مالیگاؤں میں برسوں سے خطابت کا فریضہ بھی انجام دے چکے ہیں۔

(۴) کلیۃ عائشۃ صدیقۃ منصورہ مالیگاؤں اور قسم الثانویہ کے عمید بھی رہ چکے ہیں۔

(۵) اپنے آبائی گاؤں فتح پور میں جامع مسجد اہل حدیث کے قیام میں آپ کا کلیدی رول ہے۔

(۶) سند فراغت کے لئے طلباء جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے بعض علمی مقالات کی نگرانی واشراف بھی آپ کے ذمہ رہا کرتی ہے۔

(۷) ملک کے مختلف علاقوں میں منعقد ہونے والے سیمیناروں میں آپ کی شرکت وحاضری رہا کرتی ہے بالخصوص مالیگاؤں اور اسی طرح بھساول، اورنگ آباد، احمد نگر، داوروواڑی، دہلی اور عمرآباد تک بھی آپ نے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔

مشاہیر تلامذہ: (۱) مولانا ارشد مختار محمدی (۲) مولانا ابورضوان محمدی (۳) مولانا ڈاکٹر وسیم المحمدی (۴) مولانا محمد ہارون محمدی (۵) مولانا اظہار بشیر مدنی (۶) مولانا خالد بشیر محمدی (۷) کے عبدالرحمن مدنی (۸) مولانا انیس الرحمن محمدی وغیرھم کثیر اوراس کے علاوہ چالیس سال کے طویل تدریسی عہد میں محمدیہ منصورہ اور کلیۃ عائشہ سے فارغ ہونے والے طلباء وطالبات۔

بحمد اللہ شیخ محترم ابھی بھی روبصحت ہیں اور عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد بھی اپنے دعوتی وتدریسی مشن میں رواں دواں ہیں، اللہ تعالیٰ خدمات کو قبول فرمائے اور صحت مندی کے ساتھ ایمان پر قائم ودائم رکھے اور امت وجماعت کو آپ سے بھرپور فیضیاب کرے۔ آمین۔

(یہ معلومات مولانا کے بھیجے گئے تحریری افادات سے ماخوذ ہیں)

❑❑❑

خانوادۂ سعیدی کے گل سر سبد استاذ گرامی

مولانا ابوالقاسم فاروقی/حفظہ اللہ پریوانرائن پور، الہ آباد یوپی

سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت: ۲۵/دسمبر ۱۹۵۲ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

۹۰/کی دہائی میں میری ثانوی تعلیم کی تکمیل معہد التعلیم الاسلامی دہلی (حال سنابل) کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں ہوئی، اس وقت ثانویہ کے لئے جامعہ رحمانیہ اوراس کے بعد درجات عالمیت وفضیلت کے لئے جامعہ سلفیہ میں ناموں کا اندراج ہوتا تھا مگر کیمپس ایک ہی تھا۔ استاذ محترم مولانا عزیز احمد ندویؒ رحمانیہ کے پرنسپل تھے اور شیخنا الجلیل مولانا عبدالوحید رحمانیؒ شیخ الجامعہ کے عہدہ پر فائز تھے۔ دونوں اپنے اپنے منصب پر بالکل فٹ اور ایکدم پرفیکٹ تھے۔ جامعہ رحمانیہ یعنی ثانویہ کے اساتذہ میں ایک نام مولانا ابوالقاسم فاروقی کا تھا جو ہمیں عربی ادب وغیرہ پڑھانے آتے تھے۔ کچھ دنوں جامعہ کے کیمپس میں گذارنے کے بعد جب شناسائی بڑھی اور صف اول میں استاذ کے ڈیسک کے سامنے زانوئے تلمذ رکھ کر جم کر پڑھنے کا موقع ملا اور اپنے اساتذہ ومشائخ سے قربت ہوئی تو ایسا لگا کہ فاروقی صاحب تو صرف ایک نصابی مدرس ہی نہیں بلکہ ایک صاحب مطالعہ، صاحب ذوق، صاحب سخن اردو فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھنے والی مرنجاں مرنج شخصیت ہیں اور ہر موضوع پر مطالعہ اور گفتگو کا ہنر رکھتے ہیں۔ دوران تدریس کبھی کبھار ایسے موضوعات پر گفتگو چھڑ جاتی جس سے ہمارے ذوق تعلیم اور شوق مطالعہ میں مزید اضافہ ہوجاتا اور ہم طلباء کو ایک الگ طرح کی علمی وتحقیقی لذت محسوس ہوتی، الغرض رحمانیہ کے اساتذہ میں ہمارے صاحب ترجمہ استاذ محترم مولانا ابوالقاسم فاروقی کا ہم طلباء کے مابین ایک نام تھا۔ خارجی مطالعہ، اردو ادب اور اخبارات ورسائل تک رسائی، نصابی کتابوں سے نکل کر لائبریری سے استفادہ اور مختلف موضوعات پر اہم ترین کتابیں پڑھنے کا اگر ہمیں ابتدائی ذوق ہوا تو اس میں استاذ محترم کا بڑا اہم رول ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین صلہ دنیا وآخرت میں عطا فرمائے۔ آمین اور یہ سب آپ کی علمی استعداد اور وسعت مطالعہ کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ کم وبیش چالیس سال تک رحمانیہ وسلفیہ میں تدریس سے وابستہ رہے، اور برسوں جامعہ کے آرگن ماہنامہ محدث بنارس کے ایڈیٹر رہے۔ تاریخ عالم، تاریخ ہند، تاریخ مذاہب بالخصوص جماعت اہل حدیث اور ۱۸۵۷ء کے بعد وہابی مومنٹ کی تاریخ پر آپ کو گہری دسترس حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ رب العالمین نے آپ کو بہترین قلمی صلاحیت سے مالا مال فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے وسعت مطالعہ اور شگفتہ قلم سے تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق کو الفاظ کا جامہ پہنا کر نہ صرف یہ کہ علمی وتحقیقی مضمون کی شکل دیتے رہے ہیں بلکہ اسے اردو

ادب کا ایک حسین مرقع بھی بنا دیتے ہیں، اس کی بہترین مثال آپ کی متعدد تصانیف کے بعد ابھی حال ہی میں آپ کے گہربار قلم سے منظر عام پر آنے والی ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے، جو بطل جماعت مولانا ابوالقاسم سیف بنارسیؒ کی حیات وخدمات پر ایک تاریخی دستاویز کے ساتھ برصغیر میں آزادی سے پہلے جماعت کی تاریخ اور اس کے مدوجزر کی ایک مستند ومکمل داستان بھی ہے۔ ۶۹۶/ صفحات پر مشتمل یہ کتاب آپ کے علم وقلم کی رعنائیوں کا ایک طرف حسین شاہکار ہے، تو دوسری طرف ہم طلبۂ علوم نبوت کے لئے علم وادب کا ایک شہ پارہ بھی ہے۔ اسے پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ علم وتحقیق کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ قلم توڑنے کے ساتھ پورا خونِ جگر اس کتاب میں انڈیل دیا ہے۔ اور پوری جماعت پر جو قرض سیف بنارسیؒ کے تعلق سے باقی تھا اسے کما حقہ ادا کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً۔

دراصل اس کا حق بھی آپ کو زیادہ تھا، ایک طرف خانوادۂ سعیدی وسیف بنارسی سے خاندانی نسبت، دوسری طرف مولانا مرحوم کی لائبریری سعیدیہ دارانگر سے قربت اور تیسری طرف اس دور کی تاریخ اور تحریک کے مدوجزر سے آپ کی گہری واقفیت، حق بحقدار رسید کے تحت آپ نے اس حق کو قبول کیا اور پوری امانت داری سے اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا، رب العالمین سے دعا ہے کہ آپ کی خدمات کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

ذیل کے سطور میں خاکسار راقم آثم اپنی جمع کردہ معلومات اور استاذ محترم سے استفسارات کے بعد یہ سوانحی خاکہ حوالہ قرطاس کر رہا ہے امید کہ اہل علم اور طلبہ واساتذہ کے لئے باعث استفادہ ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نام ونسب: مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی سلفی بن مولانا ابوالخیر رحمانی بن ابوبکر بن عظیم اللہ بن الٰہی بخش بن امام بخش۔

تاریخ پیدائش: ۷/ فروری ۱۹۵۳ء ہے، البتہ کاغذات میں ۲۵/ دسمبر ۱۹۵۲ء درج ہے۔

خاندانی پس منظر: ضلع پرتاپ گڑھ یوپی میں اہل حدیثوں کی ایک معروف بستی ہے پریوا نرائن نگر، یہی بستی آپ کی جائے پیدائش ہے، آپ کا گھرانہ ایک زمیندار معزز گھرانہ ہے جو شیوخ کا گھرانہ کہلاتا ہے۔ یہ علاقہ کے بائیس گاؤں میں آباد ہیں اور بارہ بائیس کے نام سے مشہور ہیں اور اپنا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جوڑتے ہیں اور اسی نسبت سے اپنے کو فاروقی کہتے اور لکھتے ہیں۔

- آپ کے والد مولانا ابوالخیر فاروقیؒ دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے جماعت سادسہ تک پڑھے ہوئے تھے۔ دورۂ حدیث مدرسہ زبیدیہ دہلی سے مکمل کیا تھا۔ اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی اور مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالحلیم ناظم پیغمبر پوری اور خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری رحمہم اللہ جیسے اساطین علم سے آپ کو خوشہ چینی وشرف تلمذ حاصل تھا۔

- مولانا ابوالخیر فاروقیؒ رشتے میں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے داماد تھے۔ مولانا سیف بنارسی کی سگی بھانجی سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ اور مولانا سیف بنارسی کے مشورے پر ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس سے بطور مبلغ وابستہ ہو گئے تھے اور پورے جوش وخروش سے دعوت وتبلیغ اور توحید وسنت کے احیاء میں مصروف تھے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۱ء تک ضیاء العلوم مئوائمہ میں

تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔اور ۱۹۴۲ء سے ۱۹۶۲ء تک جامعہ رحمانیہ مدن پورہ بنارس میں بیس سال تک پڑھاتے رہے۔پھر مستعفی ہوکروطن چلے گئے اور وہیں مسلک اہل حدیث کے احیاء وفروغ میں لگے رہے اور خاندانی مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ'' کی باگ ڈور بھی سنبھالے رہے بالآخر ۶/اپریل ۱۹۸۰ء میں اس دارفانی سے رحلت فرماگئے۔

● آپ کے دادا شیخ ابوبکر صدیق تھے جو اچھے خاصے تعلیم یافتہ تھے۔عربی فارسی سے خوب واقف تھے زبردست پہلوان تھے۔والد نے کبھی دنگل میں اترنے کی اجازت نہیں دی، راجہ بھدری کے اے ڈی سی تھے عین عالم شباب میں دماغی توازن بگڑ گیا بالآخر ۱۹۳۷ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

● آپ کے پردادا شیخ عظیم اللہ اوران کے برادران شیخ عنایت اللہ اور شیخ احسان اللہ وغیرھم تحریک شہیدین سے وابستہ تھے۔ بالخصوص آپ کے علاقے میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی متوفی ۱۸۹۲ء کے اثر سے وہابی تحریک کی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور انہیں اسی پاداش میں انگریزوں نے کالاپانی کی سزا بھی دی تھی، آپ کے پردادا کے ان لوگوں سے گہرے مراسم تھے اور انہیں کے بہترین اثرات سے آپ اور آپ کا گھرانہ کتاب وسنت کا شیدائی بنا تھا۔

● آپ کی والدہ جماعت کے مشہور محدث مولانا محمد سعید بنارسی کی نواسی اور مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کی سگی بھانجی تھیں اور اپنے بڑے ماموں اور مولانا سیف بنارسی ہی کی پروردہ اور تربیت یافتہ تھیں۔

● مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کے فارغ التحصیل اور اس کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہیں۔۱۹۶۷ء تا ۲۰۰۰ء کم وبیش چونتیس سالوں تک جامعہ رحمانیہ بنارس پرائمری کے مدرس رہ چکے ہیں۔

● مذکورہ خاندانی پس منظر سے یہ بات عیاں ہے کہ گھر کا پورا ماحول علمی اور دینی تھا، اسی ماحول میں آپ کی پیدائش ہوئی اور والدہ کی خواہش کے مطابق ان کے بڑے ماموں مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی کے نام پر آپ کا نام بھی محمد ابوالقاسم رکھا گیا۔اس طرح توحید وسنت اور علم وعمل سے بھرپور ایک عظیم خاندان میں آپ کی نشوونما ہوئی جس نے آپ کو آج ایک بلند مقام تک پہنچادیا۔

(خاندانی معلومات اور تفصیل کے لئے دیکھیں۔استاذ محترم کی مایہ ناز تصنیف: مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، حیات وخدمات ص ۴۰۱-۵۷۵)

تعلیم وتربیت: (۱) ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن میں مدرسہ محمدیہ ''مدینۃ العلوم'' میں حاصل کی جسے آپ کے والد مولانا ابوالخیر فاروقی رحمانیؒ نے قائم کیا تھا۔(۲) فارسی وعربی کی بنیادی وابتدائی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔(۳) ۱۹۶۵ء میں اپنے بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی کے ساتھ مدرسہ سعیدیہ دارنگر، بنارس آگئے، نانا مولانا سیف بنارسی کا ادارہ تھا اور بھائی صاحب یہیں پر مدرس تھے، متوسطہ ثالثہ تک نحو وصرف وغیرہ کتابیں اپنے بھائی صاحب سے چھ ماہ میں پڑھ لیں۔(۴) ۱۹۶۶ء میں جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس میں داخلہ لیا اور ثانویہ (مولوی رابع) تک تعلیم مکمل کی۔

(۵) ۱۹۶۸ء میں جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لیا اور یہیں پر عالمیت وفضیلت کی تکمیل کی اور ۱۹۷۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔(۶) بعد میں بنارس ہندو یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے بھی مکمل کیا، پی ایچ ڈی میں تسجیل

ہوچکی تھی مگر تدریسی مشغولیات کی وجہ سے تکمیل نہ کرسکے۔ آپ کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لئے آپ کے استاد ڈاکٹر محمد حنیف نقوی نے ''علمائے اہل حدیث کی ادبی خدمات'' کا موضوع مقرر کیا تھا مگر وقت نے وفا نہ کی اور یہ موضوع تشنہ رہ گیا۔

رفقائے درس: آپ کے جامعہ سلفیہ کے ساتھیوں میں (۱) شیخ احمد مجتبیٰ سلفی (بہار)، ۲۔ڈاکٹر عبدالرحمن پریوائی، (دہلی)، ۳۔ڈاکٹر مفضل مدنی (سنابل)، ۴۔مولانا عبداللہ زبیری (بنارس)، ۵۔مولانا عبداللہ طیب مکی (بنارس)، ۶۔مولانا سہیل مدنی (مئو) ۷۔حکیم عبدالحنان (دہلی)، ۷۔شیخ نیاز الدین (بنگالی)، ۸۔شیخ عبداللہ (دیناج پوری، بنگال)، ۹۔مولانا اقبال احمد سلفی (عالیہ مئو)، ۱۰۔ڈاکٹر عزیز الرحمن جون پوری وغیرہم تھے۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے مشاہیر اساتذہ میں (۱) آپ کے والد محترم مولانا ابوالخیر فاروقیؒ، ۲۔ بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانیؒ، ۳۔مولانا عبدالحمید رحمانیؒ، ۴۔مولانا محمد عابد رحمانیؒ، ۵۔مولانا ادریس آزاد رحمانیؒ، ۶۔شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانیؒ، ۷۔مولانا عظیم اللہ صاحب مئویؒ، ۸۔مولانا شمس الحق صاحب سلفیؒ، ۹۔مولانا محمد رئیس ندویؒ، ۱۰۔ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ، ۱۱۔ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، ۱۲۔ڈاکٹر عبدالعلیم سلفی (اکرہرا)، ۱۳۔شیخ ربیع ہادی المدخلی، ۱۴۔شیخ صالح علی المحسن، ۱۵۔مولانا عبدالمعید بنارسیؒ، ۱۶۔ڈاکٹر محمد حنیف نقوی سہسوانی، (بنارس ہندو یونیورسٹی)، (آپ ابن احمد نقوی کے بھائی ہیں اور اردو کے مشہور محقق ہیں)، ۱۷۔اے کے مکھرجی، ۱۸۔پروفیسر حکم چند نیر، ۱۹۔ڈاکٹر قمر جہاں، ۲۰۔وغیرھم۔ آخر کے چاروں بنارس ہندو یونیورسٹی کے اساتذہ ہیں۔

تصنیفی، صحافتی وتدریسی خدمات: ۱۔فراغت کے بعد ایک سال کا عرصہ تلاش رزق میں گزر گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۵ء میں اپنے آبائی گاؤں والد صاحب کے قائم کردہ مدرسہ محمدیہ مدینۃ العلوم میں تدریس کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک سال یہاں سے وابستہ رہے۔

۲۔ ۱۹۷۶ء میں آپ جامعہ رحمانیہ مدنپورہ کے عربی شعبہ سے منسلک ہوگئے (اس وقت رحمانیہ کا عربی شعبہ جامعہ سلفیہ میں ہی چلایا جاتا تھا) اور بحمد اللہ الہ آباد بورڈ سے آپ کی تقرری بھی منظور ہوگئی۔ جب سے لے کر ریٹائرمنٹ کی عمر تک آپ سلفیہ کے در و بام میں تشنگان علوم کتاب وسنت اور شیدائیان زبان وادب کی تشنگی بجھاتے رہے۔ کئی زبانوں کے آپ ماہر اور کئی اہم ترین موضوعات خاص طور پر تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں، چالیس سال تک تدریس سے وابستہ رہنے کے بعد اپریل ۲۰۱۶ء میں آپ ریٹائر ہوگئے اور اب بنارس ہی میں اپنے خرید کردہ ذاتی مکان میں رہائش پذیر ہیں۔

۳۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۰ء میں جب آپ کے بھائی مولانا خالد شفاء اللہ رحمانی نے ایک ہفت روزہ ''مسلم رابطہ'' نکالنا شروع کیا تو آپ اس کے نائب ایڈیٹر تھے، مگر افسوس کہ سال بھر نکلنے کے بعد یہ آگے جاری نہ رہ سکا۔

۴۔ ۲۰۱۰ء تا ۲۰۱۳ء آپ جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے والے اردو ماہنامہ محدث کے نائب ایڈیٹر اور ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۶ء تک ایڈیٹر (مدیر) بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کے اداریے اور مضامین کافی دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔

۵۔کئی کتابوں کے مصنف اور شارح بھی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔کتاب ازہار العرب۔ مولفہ مولانا محمد السورتیؒ۔ شرح، تحقیق وتعلیق، ۲۔قبر سے حشر تک (تالیف)، ۳۔تہذیب وتنقیح ہدایۃ

النحو، ۴۔ بابری مسجد کی تاریخ (زیر ترتیب)، ۵۔ فقہ السیرہ پر ایک مفصل ومبسوط کتاب ''مطالعہ سیرت'' کے نام سے جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ (زیر ترتیب)، ۶۔ ترجمہ خصائص التصور الاسلامی للسید قطب بشراکت مولانا عبدالمعید صاحب مدنی علیگڑھ، ۷۔ ابھی آپ کی جماعتی تاریخ پر ایک معرکۂ آرا کتاب ''علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی، حیات وخدمات'' ۶۹۶ رصفحات پر مشتمل منظر عام پر آچکی ہے۔ جو مولانا کی زندگی پر ایک اہم دستاویز کے ساتھ جماعتی تاریخ کا بھی ایک اہم مرجع ہے۔ ۸۔ اس کے علاوہ متعدد علمی وتحقیقی مضامین ''وہابیت ایک مطالعہ'' کلوننگ (مصنوعی تخلیق)، اسلام اور سائنس اور دیگر متعدد مقالات ومضامین ماہنامہ محدث بنارس، نوائے اسلام (دہلی)، ودیگر جرائد ورسائل میں شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہو چکے ہیں۔ ۹۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، مطبوعہ جامعہ سلفیہ، (حضرت عثمان والے باب کا ترجمہ) ۱۰۔ اردو اصناف ادب میں افسانہ نگاری بھی آپ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے، مصطفیٰ لطفی منفلوطی کے متعدد افسانوں کو اردو قالب میں ڈھال کر تحریر کیا تھا مگر شائع نہ کرا سکے۔ ۱۱۔ تاریخی وادبی مطبوع وغیر مطبوع مضامین کا ایک مجموعہ بنام ''کرمِ شبِ تاب'' زیر ترتیب ہے۔ شیخ محترم کی اطلاع کے مطابق نصف سے زیادہ کام ہو چکا ہے۔ ان شاءاللہ العزیز تین چار ماہ میں یہ ادبی مجموعہ شائع ہوجائے گا اور اردو صحافت وتاریخ کے باب میں ایک زریں اضافہ ثابت ہوگا۔

مشاہیر تلامذہ: یوں تو جامعہ رحمانیہ وجامعہ سلفیہ بنارس دونوں میں تدریس کی وجہ سے آپ کے تلامذہ ومستفیدین کی تعداد ہزاروں میں ہوگی مگر یہاں چند قابل ذکر نام درج ہیں۔

۱۔ مولانا محمد آصف مدنی (کلکتہ)، ۲۔ ڈاکٹر فوزان ازہری (دہلی)، ۳۔ خاکسار عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، ۴۔ آپ کے فرزند ڈاکٹر احمد سعید، دہلی، ۵۔ مولانا رضاء الحسن آروی، ۶۔ مولانا عبدالقیوم مکیؒ، بنارس، ۷۔ مولانا عبدالمتین وارثی، ۸۔ مولانا عبدالرحیم ریاضی، بنارس، ۹۔ مولانا ارشد امان اللہ، بہار، ۱۰۔ ڈاکٹر حشر الدین مدنی، ۱۱۔ مولانا عبدالصبور مدنی، ۱۲۔ مولانا صدیق سلفی الہ آبادی، ممبئی، ۱۳۔ مولانا کلیم اللہ جون پوری، ۱۴۔ مولانا مطیع اللہ مدنی (جھنڈا نگر)، ۱۵۔ مولانا عبداللہ الباقی، ۱۶۔ مولانا ہلال ہدایت سلفی، ۱۷۔ مولانا عبدالسلام شکیل، ۱۸۔ صہیب حسن مبارکپوری، ۱۹۔ مولانا طارق اسعد سلفی، ۲۰۔ یاسر اسعد سلفی، ۲۱۔ مولانا خبیب حسن مبارکپوری، ۲۲۔ مولانا ازہر بن اصغر علی امام مہدی، ۲۳۔ مولانا عبداللہ طیبؒ، بنارس وغیرھم کثیر۔

اولاد واحفاد: ۱۹۷۳ء میں آپ کی شادی زرّین اختر بنت منشی ثناء اللہ فاروقی، ساکن پر یوانرائن پور سے ہوئی، آپ کی اہلیہ دراصل آپ کی خالہ زاد تھیں۔ ان کی ماں اور آپ کی والدہ عم زاد تھیں، پرائمری کے بعد خصوصی طور سے انہوں نے مولانا ابوالخیر فاروقی م ۱۹۸۰ء سے علم دین کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۸۱ء میں جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس شعبۂ نسواں میں دینیات اور اردو کی معلمہ کے طور پر تقرری ہوئی اور پچیس سال تک یہاں پر عقائد، فقہ، اردو اور دینیات کی تعلیم دیتی رہیں۔ ساتھ میں مدن پورہ عورتوں کی دینی اجتماعات میں بھی دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیتی رہیں، ۲۰۰۹ء میں شدید بیماری کی وجہ سے تدریس سے علیحدہ ہونا پڑا، طویل علالت کے بعد ۲۸ رمارچ ۲۰۱۲ء کو اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ تدفین پر یوانرائن پور، آبائی قبرستان میں ہوئی۔

اولاد میں چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر احمد سعید ہیں جو جامعہ سلفیہ کے ہمارے ہم سبق

ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس اور ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی اور فی الوقت سی سی آر یو ایم منسٹری آف آیوش میں ریسرچ آفیسر ہیں۔ دوسرے بیٹے ڈاکٹر فارقلیط ربانی ہیں، ہمدرد دہلی سے نیورو فیزیوتھراپی میں ماسٹر ہیں، فی الوقت سعودی عرب ابہا میں ایک ہاسپٹل سے وابستہ ہیں۔ تیسرے بیٹے ڈاکٹر سعد احمد ہیں، جامعہ سلفیہ سے عالمیت کے بعد دہلی جامعہ ملیہ سے بی اے، ایم اے، ایم فل ہیں اور ابھی حال ہی میں جے این یو دہلی کے پولیٹیکل سائنس کے شعبہ اسکول آف ویسٹ ایشیا سے ڈاکٹریٹ یعنی پی ایچ ڈی کر چکے ہیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے محمد فاروقی ہیں بی ٹیک کرنے کے بعد کوچین کیرالہ میں برسر روزگار ہیں، تینوں بیٹیوں میں دو گریجویٹ اور ایک پوسٹ گریجویٹ ہے۔ ماشاءاللہ سب کی شادیاں ہو چکی ہیں اور سب اپنے گھر میں خوشحال ہیں۔ رب العالمین سب کو ایمان وعقیدہ پر صحت وعافیت بھری زندگی نصیب فرمائے اور استاذ محترم کے ہمہ جہتی خدمات کو آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

مراجع:

۱۔ ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث، بڑھنی سدھارتھ نگر۔

۲۔ ذاتی معلومات واستفسارات۔

۳۔ المنار میگزین، بنارس ۲۰۱۶ء

۴۔ علامہ ابوالقاسم سیف بنارسیؒ، حیات وخدمات از ابوالقاسم فاروقی۔

۵۔ علمائے اہل حدیث اور ان کی تصنیفی خدمات از مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۵۰۸۔

۶۔ شیخ محترم کے ساتھ واٹس ایپ اور ٹیلیفونک گفتگو سے لی گئی تفصیل۔

❑❑❑

مولانا شریف اللہ سلفی / حفظہ اللہ، سدھارتھ نگر یوپی

سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو

ولادت: ۴/اکتوبر ۱۹۵۴ء

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

آزادی کے بعد جماعت اہل حدیث میں جن شخصیتوں کا نام تدریسی خدمات کے حوالے سے سنہرے حروف میں لکھا جاسکتا ہے ان میں ہمارے صاحب ترجمہ مولانا شریف اللہ سلفی حفظہ اللہ بھی سرفہرست ہیں۔ ہندوستان کی صنعتی شہر بنارس میں واقع مرکزی دارالعلوم سے ۱۹۷۴ء میں فراغت کے بعد سے ہی آج ۲۰۲۰ء تک آپ اس حسین سلسلہ تعلیم وتدریس سے وابستہ ہیں، اور عمر کی قیمتی بہاریں جماعت کے قدیم ترین ادارہ جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں تدریسی خدمت اور خدمت دین میں لگادی ہیں اور بحمداللہ یہ سلسلہ چالیس سالوں کے طویل خدمت کے بعد آج بھی جاری وساری ہے۔ آپ ایک کہنہ مشق مدرس اور تجربہ کار معلم کے ساتھ انتہائی سنجیدہ قلم کے مالک بھی ہیں۔ اور مختلف علمی وتحقیقی مضامین کے ساتھ کئی کتابیں آپ کے گہربار قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ اللہ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ذیل میں چند سطور آپ کی سوانح وخدمات کے متعلق آپ کے مرسلہ معلومات کی روشنی میں حوالہ قرطاس ہیں۔

نام ونسب: مولانا شریف اللہ سلفی بن محمد قاسم بن چنو بن دیانت بن حبہّ

آبائی وطن: آپ کا آبائی گاؤں سدھارتھ نگر ضلع کے مشہور قصبہ اٹوا بازار سے چار کلومیٹر پورب موضع ''اگیا'' ہے۔

تاریخ پیدائش: موضع اگیا میں آپکی پیدائش ۴/اکتوبر ۱۹۵۴ء کو ہوئی۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: (۱) از طفلاں تا جماعت رابعہ علاقے کے مشہور سلفی درسگاہ مدرسہ دارالتوحید (اتحاد قوم) مینا عیدگاہ میں حاصل کی۔ (۲) ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۴ء عالمیت وفضیلت جامعہ سلفیہ میں مکمل کیا اور ۱۹۷۴ء میں فراغت حاصل کی۔ (۳) منشی، عالم، فاضل ادب، فاضلِ دینیات کی ڈگری مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنؤ سے حاصل کی۔ (۴) ایم اے اردو آگرہ یونیورسٹی آگرہ سے کیا۔ (۵) تدریب المعلمین یعنی ٹیچرس ٹریننگ کا کورس جامعۃ الملک سعود ریاض سے مکمل کیا۔

مشاہیر اساتذہ: آپ کے مشاہیر اساتذہ درج ذیل ہیں ● دارالتوحید مینا عیدگاہ میں: (۱) میاں شوکت علیؒ (۲) مولانا سلیم الدینؒ (۳) ماسٹر عبدالکریمؒ (۴) مولانا کتاب اللہ اطہر مظاہریؒ ● جامعہ سلفیہ بنارس میں: (۵) مولانا عبدالوحید رحمانی شیخ الجامعۃؒ (۶) مولانا عابد حسن رحمانیؒ (۷) مولانا محمد رئیس ندویؒ (۸) مولانا عبدالمعید بنارسیؒ (۹) مولانا شمس الحق سلفیؒ (۱۰) مولانا محمد ادریس آزاد رحمانیؒ (۱۱) ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ (۱۲) مولانا عبدالحمید رحمانیؒ (۱۳) شیخ ربیع ہادی مدخلی حفظہ اللہ (۱۴) شیخ صالح عراقی (۱۵) شیخ علی مشرف (۱۶) شیخ عبداللہ الغنیمان وغیرھم کثیر۔

مشہور تلامذہ: (۱) مولانا رفیق احمد رئیس سلفی، (۲) مولانا عزیز احمد ندوی، (۳) مولانا محمد ابراہیم مدنی، (۴) مولانا ضمیر احمد مدنی، (۵) مولانا محمد صغیر مدنی، (۶) مولانا عبدالسمیع مدنی، (۷) مولانا حافظ اسعد اعظمی، (۸) مولانا عبدالمجید مدنی، (۹) ڈاکٹر اطہر افضال مئوی، (۱۰) ڈاکٹر طلحہ فرحان مئوی، (۱۱) حماد ظفر آئی اے ایس مئو، (۱۲) مولانا شمیم احمد عبدالغفار ریاضی، (۱۳) مولانا انصار زبیر محمدی، (۱۴) مولانا عبداللہ تبریز اعظمی،

(۱۵) مولانا ممتاز احمد سالک بستوی وغیرھم کثیر۔

تدریسی دعوتی وصحافتی خدمات: (۱) دعوت وتبلیغ کے لئے خطبہ جمعہ، دروس قرآن وغیرہ کا سلسلہ ہمیشہ سے آپ نے جاری رکھا، مئوو غیرہ کے مختلف علاقوں میں اس کے لئے آپ تشریف لے جاتے رہےاور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

(۲) فراغت کے بعد دو سال تک (۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء) مدرسہ دارالتوحید بینا عیدگاہ سدھارتھ نگر اور اس کے بعد ۱۹۷۶ء تا ۱۹۸۱ء پانچ سال تک جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں تدریسی سلسلہ سے وابستہ رہے۔

(۳) ۱۹۸۱ء میں آپ کی تقرری جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں ہوئی اور زندگی کا بیشتر حصہ ملک کی اس قدیم سلفی درسگاہ میں تدریس میں گزر گیا، آپ وہاں کئی سالوں مدرس رہے، آپ کی عمدہ کارکردگی اور سینئرٹی کو دیکھ کر انتظامیہ نے صدر مدرس شیخ الجامعہ کا عہدہ تفویض کر دیا۔ وہاں ۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۵ء تک ۲۰ سالوں تک شیخ الجامعہ اور صدر المدرسین بھی رہے ہیں۔ الہ آباد بورڈ سے ریٹائرڈمنٹ کے بعد اپنے مادر علمی جامعہ دارالتوحید بینا عیدگاہ میں بحیثیت مدرس خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت عطا فرمائے۔

(۴) ملک کے مختلف جرائد ومجلّات اور کانفرنسوں میں مقالات، مضامین اور علمی وتحقیقی بحوث ہمیشہ لکھتے رہے ہیں خاص طور پر مجلہ افکار عالیہ میں آپ کے اداریے وغیرہ بے حد مشہور ومعروف ہیں۔

(۵) مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی تمام کانفرنسوں اور اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی دعوتی کانفرنس، مطالعہ علوم حدیث کانفرنس علی گڑھ وغیرہ میں آپ کی نمایاں شرکت رہی ہے۔

(۶) جامعہ عالیہ عربیہ میں تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی بھی ذمہ داری کئی سالوں تک انجام دی ہے۔ (۷) فی الحال اپنے آبائی گاؤں اگیا میں والد کے قائم کردہ مکتب کی دیکھ ریکھ خاندان کے مشورے سے بھی انجام دے رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات: مولانا موصوف ایک کہنہ مشق مدرس ومعلم کے ساتھ بہترین قلمکار اور صاحب تحقیق انشاء پرداز بھی ہیں، آپ کے گہربار قلم سے کئی کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مسنون نماز (مطبوع) (۲) مسنون دعائیں (مطبوع) (۳) علل حدیث پر ایک تاریخی واصولی بحث (زیر طبع) (۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اسلوب (زیر طبع) (۵) سود اور اس کی تباہ کاریاں (زیر طبع) (۶) حیات اقبال (زیر طبع)، (۷) تربیت کے اسلامی اصول (زیر طبع)، (۸) طالبان علوم نبوت کے صفات اور ذمہ داریاں (زیر طبع)، اور اسکے علاوہ کچھ مفید پمفلٹ وغیرہ بھی ہیں۔

اولاد: ۱۹۶۸ء میں آپ کی شادی ماموں زاد بہن سے ہوئی جس کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے، سبھی باحیات ہیں اور خوشحال ہیں۔

اولاد کے نام بالترتیب درج ہیں۔ (۱) تسلیم کوثر، (۲) نسرین کوثر (۳) محمد ارشد (۴) ارشاد احمد (۵) شمیمہ کوثر (۶) راشد کمال۔

مراجع ومصادر: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث وانسائیکلو پیڈیا اہل حدیث بڑھنی سدھارتھ نگر۔ (۲) شیخ کا تحریر کردہ معلوماتی خاکہ (۳) ذاتی معلومات واستفسارات بذریعہ فون (۴) علوم الحدیث مطالعہ وتعارف (۵) علمائے اہل حدیث ہند اور ان کی تصنیفی خدمات مولانا محمد مستقیم سلفی، ص ۱۷۵۔

❑❑❑

صاحب تحقیق وافتاء استاذ گرامی

مولانا علی حسین السّلفی رحفظہ اللہ (جھارکھنڈ)

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

(ولادت جنوری ۱۹۵۵ء)

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

۱۹۹۰ء میں جب میرا داخلہ مدینہ یونیورسٹی میں ہوا اور وہاں کی پرفضا ماحول میں حصول تعلیم کا موقع ملا تو بڑی باریک علمی باتوں سے ہمیں واقفیت حاصل ہوئی۔ دوران طالب علمی کلیۃ الحدیث کے ایک بڑے دکتور نے حدیث کی تین اہم کتابوں کا ذکر فرمایا اور پوچھنے لگے کہ تینوں کے محققین کو کون جانتا ہے؟ ہم نئے نئے تھے اتنی جانکاری بھی نہیں تھی، خیر کسی طالب علم نے جواب نہ دیا تو دکتور صاحب خود گویا ہوئے کہ پہلی کتاب امام مزی کی تحفۃ الاشراف ہے جس کی تحقیق ہندوستانی عالم شیخ عبدالصمد شرف الدین نے کی ہے، دوسری کتاب امام دارقطنی کی العلل ہے جس کی تحقیق دکتور محفوظ الرحمن زین اللہ الہندی نے کی ہے اور تیسری کتاب امام سخاوی کی فتح المغیث ہے جس کی تحقیق جامعہ سلفیہ بنارس الہند کے استاذ شیخ علی حسین السّلفی نے کی ہے اور تینوں کی تحقیقات بہت علمی اور قابل اعتبار ہیں۔ میں چونک سا گیا، سوچا کہ ان میں سے شیخ علی حسین السّلفی تو میرے استاذ ہیں، خیر... بے حد خوشی ہوئی اور ہندوستانی ہونے کی وجہ سے ذرا فخر بھی محسوس ہوا، بعد میں طلبا و باحثین کے درمیان بحث و گفتگو پر یہ بات سامنے آئی کہ اہل عرب کے یہاں فتح المغیث کا جونسخہ زیادہ قابل اعتبار ہے وہ جامعہ سلفیہ بنارس والا ہے، جو فتح المغیث طبعۃ الجامعہ السلفیہ بنارس الھند کے نام سے اہل علم کے مابین مشہور و معروف ہے اور آج میرے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ میں اسی معتبر نسخہ کے عظیم محقق استاذ گرامی شیخ علی حسین السّلفی کی سوانح اور خدمات قلمبند کر رہا ہوں۔

مجھے یاد آرہا ہے کہ دوران طالب علمی شیخ محترم منطق وفلسفہ سے لے کر علم حدیث اور دیگر فنون کی بڑی عمدہ تدریس اور خاص طور پر انتہائی شرح وبسط کے ساتھ افہام وتفہیم کے ماحول میں پڑھانے کے لئے مشہور و معروف تھے۔ ہمیشہ درس کے لئے رواں دواں، لائبریری میں بکثرت آمدورفت، صرف تعلیم وتدریس اور اپنی ذمہ داریوں پر توجہ مرکوز، اور اپنے وسیع مطالعہ سے ہم طلباء کو معلومات کے ذخیروں تک پہنچنے کا گر اور ہنر سکھلانے میں آپ کا بڑا اہم رول ہے۔ ساتھ ساتھ وقت کی قدردانی اور اہمیت کا جو کچھ سلیقہ ہمیں سیکھنے کا موقع ملا، اس میں ہمارے اساطین اساتذہ کے پہلو بہ پہلو آں موصوف کا بڑا دخل ہے۔ رب العالمین آپ کو صحت وعافیت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات کو آپ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

ذیل میں آپ کی مختصر سوانح وخدمات کا خاکہ درج ہے جو دراصل استاذ محترم کے مرسلہ معلومات اور استفسارات کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے امید کہ اہل علم طلباء واساتذہ کے لئے مفید اور قابل مطالعہ ہوگا، وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نام ونسب: ابو جمیلہ علی حسین بن علی جان بن عالم میاں بن پوجن میاں بن وینو میاں الکاشفی السّلفی، کاشفی نسبت ہے مدرسہ کاشف العلوم تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی کی طرف اور سلفی جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف)

تاریخ ومقام پیدائش: آپ کی پیدائش ۲۳/جنوری ۱۹۵۲ء مطابق ۲۰/۷/۱۷ ۱۳ھ کو آبائی وطن بڑا سرشاہ، پوسٹ پیچ محل، ضلع پاکوڑ، صوبہ جھارکھنڈ میں ہوئی، البتہ کاغذات میں تاریخ میلاد یکم جنوری ۱۹۵۵ء درج ہے۔ یہ علاقہ بنگال کے سرحدی علاقہ سے متصل ہے مگر اصلاً صوبہ جھارکھنڈ (قدیم بہار) میں ہے اور اس وجہ سے بعض احباب غلط فہمی کی بنیاد پر آپ کی نسبت بنگال سے جوڑ دیتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ آپ جھارکھنڈ (قدیم بہار) سے تعلق رکھتے ہیں۔

خاندانی پس منظر: آپ کا خاندان بڑا سرشاہ میں ایک معزز خاندان تھا۔ اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ دنیوی جاہ وحشم کا مالک تھا البتہ دین سے دوری اور احکام اسلام سے بے توجہی کے شکار ہونے کی وجہ سے تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کئی دہائیوں قبل مولانا مصلح الدین اعظمیؒ، مولانا عبد الحنان دلال پوریؒ، مولانا شمس الضحیٰ مرشد آبادیؒ، حاجی رئیس ہرن پور اور امام الدین، وغیرھم کی کاوشوں سے گاؤں میں مکتب کا قیام عمل میں آیا اور رفتہ رفتہ لوگ تعلیم سے جڑتے گئے اور مکتب کی تعلیم کے بعد کچھ طلبہ کرام ہندوستان کے مختلف اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے، دعوت کا کام ہوا اور اس طرح گاؤں میں دینی رجحان کو فروغ حاصل ہوا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں مولانا کی ولادت ہوئی اور بڑے ہوکر بحمد اللہ آپ کو بھی قافلہ تعلیم ودعوت سے منسلک ہونے کی توفیق وسعادت حاصل ہوئی۔ اب بحمد اللہ آپ کا پورا گاؤں دعوت کے حسین اثرات سے منور ہے، رب العالمین مزید توفیق بخشے۔

تعلیمی مراحل: (۱) ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں بڑا سرشاہ میں ۹/سال کی عمر میں شروع کی اور اس کے بعد راج گاؤں بیر بھوم بنگال میں پندرہ سال کی عمر میں اس کی تکمیل ہوئی۔ (۲) عربی تعلیم مدرسہ دار العلوم دیوتلہ پاکوڑ میں حاصل کی اور تین سال کی مدت میں یہاں شرح جامی، شرح کافیہ اور مشکوۃ تک کی تعلیم ختم کر لی۔ (۳) ۱۹۷۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی نظام الدین میں واقع تبلیغی مرکز کے مدرسہ ''کاشف العلوم'' میں داخل ہوئے اور یہاں چار سال تک تعلیم حاصل کر کے ۱۹۷۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کاشفی کہلائے۔ (۴) ۱۹۷۶ء میں سلفیان ہند کے مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں عالم ثانی میں داخلہ ملا، عالمیت کے بقیہ دو سال اور اس کے بعد فضیلت کے دو سال مکمل کر کے یہیں سے تعلیم پوری کی اور ۱۹۸۱ء میں سند فضیلت سے سرفراز کئے گئے۔

مشاہیر اساتذہ کرام: ● راج گاؤں میں: مولانا علاء الدین صاحب، مولانا عبد المنان صاحب ● دیوتلہ گاؤں میں: مولانا عبد الرحمن دیوتلوی، مولانا نذیر حسین ادھوپڑوی ● دہلی میں: مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا اظہار الحق کاندھلوی، مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی، مولانا شبیر احمد نحوی ● بنارس میں: مولانا شمس الحق سلفی، مولانا محمد رئیس ندوی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، ڈاکٹر مقتدیٰ حسن

ازہری، شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمانی، مولانا عبدالمعید بنارسی، مولانا عبدالسلام مدنی ٹکریا، ماسٹر اکبر بنارسی وغیرھم۔

رفقائے درس: آپ کے بنارس کے ساتھیوں میں۔(۱) دکتور ابراہیم مدنی (۲) مولانا طیب مدنی (۳) دکتور اسحاق مدنی، کلکتہ (۴) مولانا احسان اللہ سلفی استاذ جامعہ رحمانیہ بنارس وغیرھم قابل ذکر ہیں۔

مشاہیر تلامذہ: جامعہ سلفیہ بنارس میں طویل عرصے سے تعلیمی وتدریسی خدمات سے وابستگی ہی کثرت تلامذہ کی دلیل ہے ذیل میں چند معروف اسماء گرامی درج ہیں: (۱) ڈاکٹر عبدالحلیم مدنی، مدرس جامعہ سلفیہ بنارس (۲) ڈاکٹر عبدالصبور مدنی، مدرس جامعہ سلفیہ بنارس (۳) مولانا نورالہدیٰ (استاذ ومفتی جامعہ سلفیہ بنارس) (۴) مولانا عبدالمتین مدنی بنارسی (۵) ڈاکٹر رحمت اللہ سلفی (بہار) (۶) خاکسار راقم عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی ممبئی (۷) مولانا محفوظ الرحمن سلفی (امین المکتبہ المرکزیہ بنارس) (۸) ڈاکٹر حشرالدین مدنی (۹) شیخ عبدالسلام شکیل مدنی سعودی عرب (۱۰) مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی ممبئی (۱۱) ڈاکٹر فوزان ازہری (دہلی) (۱۲) مولانا آصف اقبال مدنی (کلکتہ) وغیرھم کثیر۔

تدریسی ودعوتی خدمات: (۱) استاذ محترم ایام طالبعلمی سے دعوتی فکر کے حامل تھے چنانچہ اسی وقت سے آج تک یہ نیک شغل جاری ہے۔ بنارس میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ کے ساتھ تبلیغی واصلاحی پروگرام نیز خطبات جمعہ وغیرہ کا سلسلہ قائم تھا، آج بھی ماشاءاللہ برقرار ہے۔

(۲) فراغت کے بعد ۱۹۸۱ء میں جماعت کی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں آپ کی تقرری ہوئی اور تب سے تاحال (جنوری ۲۰۲۰ء) آپ تدریسی خدمات سے جڑے ہوئے ہیں۔ آپ کے زیر تدریس کتابوں میں خاص طور پر صحیح بخاری جیسی عظیم کتاب قابل ذکر ہے۔ آپ انتہائی کہنہ مشق اور صاحب تجربہ اور صاحب علم وعرفان مدرس ہونے کے ساتھ ایک مخلص مربی اور معلم بھی ہیں۔ اللہ صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے۔ آپ کی کاوشوں کو ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ آمین

تصنیفی وتالیفی خدمات: استاذ محترم تدریس وتعلیم کے ساتھ فن تحقیق وترجمہ کا ایک بلند ومعیاری ذوق رکھتے ہیں اور بڑی عرق ریزی سے اس میدان میں رواں دواں ہیں۔ خاص طور پر تحقیقی دنیا میں فتح المغیث کی مثالی ومعتبر تحقیق کے لئے آپ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ ذیل میں آپ کی تصنیفات، تعریبات اور ترجمہ شدہ کتابوں کی فہرست درج ہے:

(۱) فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث للسخاوی، تحقیق وتعلیق، چار جلدوں میں جو دس سال کی طویل محنت کے بعد تیار ہوئی، جامعہ سلفیہ سے مطبوع ہے اور فی الوقت عرب کے متعدد کتب خانوں نے اس کی اشاعت کی ہے۔ کم وبیش دو ہزار صفحات پر مشتمل یہ کتاب فتح المغیث کی تحقیق میں سب سے معتبر ومستند تسلیم کی گئی ہے۔

(۲) العلامہ نواب صدیق حسن خان البہوفالی حیاتہ وآثارہ، یہ تقریباً چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل عربی زبان میں نواب صاحب پر ایک تحقیقی کتاب ہے، ابھی غیر مطبوع ہے۔ آپ کے داماد شیخ عبدالمعید، طالب دکتوراہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے پاس موجود ہے۔ طباعت کے لئے جدوجہد جاری ہے۔ اللہ آسانی فرمائے۔

(۳) نقض المنطق: مولانا ابوالعاص وحیدی حفظہ اللہ کا مقالہ بزبان اردو ابن تیمیہ کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا اس کی تعریب (عربی ترجمہ ہے) جو ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے اور مجلّہ الجامعۃ السّلفیہ بنارس کے خصوصی شمارہ میں شائع شدہ ہے۔

(۴) عنایۃ علماء اہل الحدیث بمسئلۃ التوحید: یہ دراصل ہدایۃ المستفید شرح کتاب التوحید کے اردو مقدمہ کی تعریب ہے۔ مطبوع ہے۔

(۵) اعجاز القرآن مولفہ مولانا مجیب الرحمن بنگلہ دیشی، بزبان بنگلہ کا اردو ترجمہ، بعض طلباء جامعہ سلفیہ کے تعاون و اشتراک سے اور شیخ محترم کی تصحیح سے مطبوع ہے۔

(۶) رسالہ رفع الیدین، (۷) رسالہ آمین بالجہر، (۸) رسالہ نماز جنازہ (۹) منہج سلف، (۱۰) اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے یا عرش وفرش دونوں پر (یہ کتاب دراصل ایک بدعتی ماتریدی کا جواب ہے) (۱۱) سود اسلام کی نظر میں (۱۲) فتاوی جو جامعہ سلفیہ کے دارالافتاء کے رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

اہم عہدے اور مناصب: (۱) رئیس قسم الافتاء: شیخ محترم تدریس و تحقیق کے ساتھ فتوی نویسی اور افتاء سے بھی جڑے ہوئے ہیں، جامعہ کے اہم ترین مفتیان مولانا عابد حسن رحمانی، مولانا رئیس ندوی جیسے عباقرہ سے آپ نے کسب فیض کیا ہے چنانچہ اسی بنا پر جامعہ سلفیہ میں افتاء کے اس اہم منصب پر فائز کئے گئے ہیں۔ (۲) تعلیمی کمیٹی جامعہ سلفیہ بنارس کے بھی آپ ایک رکن ہیں۔

اولاد واحفاد: آپ کو رب العالمین نے آٹھ اولاد سے نوازا ہے: چھ بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں۔

بیٹیاں بالترتیب: (۱) جمیلہ خاتون (۲) نبیلہ خاتون (۳) فضیلہ خاتون (۴) سعدیہ خاتون (۵) حلیمہ خاتون (۶) علیمہ خاتون اور بیٹے (۱) حافظ عبدالحلیم (۲) عبدالعلیم ہیں۔

ان میں سب سے چھوٹی علیمہ خاتون ہیں، مذکورہ بالا بچیوں میں سے چار شادی شدہ ہیں اور اصحاب اولاد ہیں، رب العزت سبھوں کو دین وایمان پر استقامت عطا فرمائے۔

مصادر ومراجع: (۱) ریکارڈ مرکز تاریخ اہل حدیث، بڑھنی، سدھارتھ نگر۔

(۲) شیخ کا مرسلہ، سوانحی معلومات واستفسارات۔

(۳) مجلہ المنار، بنارس سال ۲۰۱۷ء

❑❑❑

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اقبال احمد مدنی بسکوہری / حفظہ اللہ

استاد حدیث جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں

(تاریخ ولادت ۱۰/ اگست ۱۹۵۶ء)

خودنوشت

نام: اقبال احمد محمد اسحاق بسکوہری

ولادت: حسب کاغذات ۱۰/ ۸/ ۱۹۵۶ء

مقام پیدائش: موضع چپوٹھوا، نزد بسکوہر ضلع بلرام پور یوپی

ابتدائی تعلیم: (۱) گاؤں کے مدرسہ سے شروع ہوئی جس کا کوئی نام نہ تھا، بس تعلیم دینا مقصد تھا، بغیر درجہ بندی بغیر امتحان کے تعلیم دی جاتی تھی، ہر جمعرات کو آموختہ ہوتا تھا، ہر کتاب فراٹے کے ساتھ یاد رہتی تھی، نہ کوئی قانون، نہ ضابطہ، ناظم وصدر واراکین کا کوئی پتہ نہیں پھر یہ مدرسہ کسی وجہ سے بند ہو گیا۔

(۲) کچھ وقفہ بعد ایک رضا خانی مدرسہ (تلوک پور) سکھا ڈیہہ گاؤں میں کچھ دن ابتدائی درجات کی تعلیم ہوئی۔

(۳) اس کے بعد جب درجہ سوم میں تھا تو وہاں سے چھوڑ کر ایک معمولی واقعہ کو بہانہ بنا کر بسکوہر بازار مدرسہ محمدیہ میں آ گیا، یہاں درجہ سوم کی کتابیں مکمل کر کے درجہ ادنیٰ تک کی تعلیم مکمل ہوئی جس میں آمدنامہ، تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں۔ (۴) ۱۹۶۴ء میں جب جواہر لال نہرو کی وفات ہوئی تو میں بسکوہر میں پڑھ رہا تھا ایک اندازہ کے مطابق اسی سال ۱۹۶۴ء میں گاؤں میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے دوسرا مدرسہ جاری ہوا، مولانا عبداللہ بن عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ جو بسکوہر کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے وہی گاؤں میں مدرس رکھے گئے، لہٰذا گاؤں میں واپس آ گیا، پہلی دوسری جماعت کی تعلیم مکمل ہوئی، (۵) اسی درمیان ۱۹۶۵ء میں جس سال ہندو چین میں لڑائی ہو رہی تھی سرکاری پرائمری اسکول میں درجہ پنجم میں داخلہ لے کر ٹی سی حاصل کیا (۶) اور دوبارہ پھر مدرسہ محمدیہ چپوٹھوا میں تیسری جماعت کی کتابیں شروع ہوئیں۔ (۷) ۷۰-۱۹۶۹ء میں جامعہ رحمانیہ بنارس کا رخ ہوا اور وہاں تیسری جماعت میں داخلہ ملا دو سال کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں وہاں سے منتقل ہوا اور ۱۹۷۷ء میں وہاں سے تکمیل فضیلت ہوئی۔

(۸) جامعہ سلفیہ سے فراغت حاصل ہونے کے بعد مدرسہ نصرۃ الاسلام شنکر نگر میں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیا، اسی وقت بورڈ سے عالم کا امتحان دیا تھا کیونکہ جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے دوران کسی دوسری جگہ سے امتحان دینا یا تعلیم حاصل کرنا ناقابل معافی جرم تھا اسی موقع سے محترم المقام جناب مولانا عبدالرؤف صاحب ندوی حفظہ اللہ سے ملاقات وشناسائی ہوئی۔

(۹) پھر رب العالمین کے فضل وکرم سے مدینۃ الرسول میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۷۹ء میں کلیۃ

الحدیث میں داخلہ ہوا، ۱۹۸۷ء کے درمیان تک وہاں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، ۱۹۸۲ء میں کلیۃ الحدیث سے فارغ ہونے کے بعد دراسات علیاء ماجسٹر(MA) میں داخلہ ہوگیا، ۱۹۸۷ء میں ایک سال کے طویل انتظار کے بعد رسالہ کا مناقشہ ہوا آگے داخلہ نہ ہوسکا، اس لئے وطن واپس ہونا پڑا، اور جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں میں تدریسی ذمہ داری ادا کرنے کی سعادت ملی، مؤسس جامعہ مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے تحریر کردہ تعیین کا ورقہ آپ کے بدست ۲۶/۷/۱۹۸۷ء کو ملا اور میں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں میں مصروف عمل ہوگیا جو آج تک جاری ہے۔

(۱۰) مدینہ منورہ میں کلیۃ الحدیث سے لیسانس (B.A.) کی ڈگری اور دراسات علیا ماجستر (M.A.) کی سند ملی، جامعہ محمدیہ تدریس کے درمیان لکھنؤ یونیورسٹی سے دکتورہ (P.H.D.) کی ڈگری حاصل ہوئی۔

اساتذۂ کرام: والد محترم حکیم مولانا محمد اسحاق رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، میاں محمد یونس (بیت ناری) مولانا عبداللہ بن عبدالغفور بسکوہری، منشی مطیع اللہ دھنورہ، مولانا عبدالسمیع رحمانی مصرولیا، مولانا عزیز احمد بیت اللہ ندوی بونڈیہار، مولانا عبدالسلام رحمانی بونڈیہار (فیجی والے) مولانا عبدالسلام طیبی، ڈاکٹر صغیر احمد شنکر نگری، شیخ عبدالسلام ابواسلم مدنی ٹکریا والے، مولانا عبدالرحمن شفیع مدنی پیرگڈی، شیخ رئیس احمد ندوی موضع بھٹیا نزد بانسی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی املوی، مولانا شمس الحق سلفی بہاری، مولانا عبدالوحید رحمانی بنارسی، مولانا ابوعبیدہ عبدالمعید بنارسی، مولانا محمد عابد رحمانی کنڈؤ، مولانا عبدالحنان فیضی انتری بازار، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری مئوی رحمہم اللہ اجمعین، ہندوستانی اساتذہ کرام ہیں نیز شیخ انیس الرحمن اعظمی حفظہ اللہ تعالیٰ ہیں، محترم المقام عبداللہ الغنیمان حفظہ اللہ نے بنارس میں کتاب التوحید پڑھایا ہے۔ عصری اساتذہ میں ماسٹر فیروز بلیاوی، ماسٹر شمس الدین بنارسی، ماسٹر اکبر علی بنارسی اور ماسٹر منظور احمد ندوی مئوی ہیں۔

میرے تعلیم میں نقل مکانی نہ ہونے کے برابر ہے، گاؤں سے سکھاڈیہہ، وہاں سے بسکوہر پھر وہاں سے سیدھے بنارس گیا وہاں سے مدینہ منورہ اس لئے اساتذہ کی تعداد مختصر ہے اور اس وجہ سے اپنے علاقے کے علماء کی معرفت سے بھی محروم رہ گیا۔ مدینہ منورہ میں بہت سارے اساتذہ سے مختلف فنون کا درس لیا ان میں سے اکثر مصری اساتذہ کا نام بھی یاد نہیں رہ گیا، کیونکہ یہ دوسرے کلیات کے اصل مدرس ہوتے تھے ان سے ربط وضبط نہیں ہو پاتا تھا، کلیۃ الحدیث میں جن اساتذہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملا ان میں: ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی، ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی، ڈاکٹر محمد محمد شریف مصری، نیز ڈاکٹر عبدالفتاح سلامہ مصری، شیخ حبیب اللہ سندھی، ڈاکٹر عشماوی، ڈاکٹر نجم، ڈاکٹر عبدالرحیم قشقری، ڈاکٹر بشیر ترابی سوڈانی، ڈاکٹر بابکر دوشین صومالی، ڈاکٹر ربیع ہادی عمیر مدخلی، شیخ عمر فلاتۃ امین عام جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ہیں۔

دراسات علیا کے اساتذہ میں: شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ حماد محمد انصاری، ڈاکٹر ربیع ہادی عمیری مدخلی، یہ تینوں سعودی ہیں، ڈاکٹر محمود میرۃ شامی، ڈاکٹر اکرم ضیا عمری عراقی ہیں، ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی، ڈاکٹر ربیع مدخلی حفظہ اللہ کلیۃ سے دراسات میں منتقل ہوچکے تھے، ڈاکٹر ربیع مدخلی حفظہ اللہ ہمارے رسالہ کے مشرف بھی تھے، آپ جامعہ سلفیہ بنارس میں بھی کچھ دن پڑھا چکے تھے لیکن

وہاں ان سے کوئی خاص کتاب پڑھنے کا موقع میسر نہ تھا۔ سب سے زیادہ قربت آپ ہی سے تھی، اسی طرح ڈاکٹر ضیاء الرحمن اور حماد محمد انصاری سے بھی کافی قربت تھی۔ دکتورہ کے رسالے کے مشرف پروفیسر شبیر احمد ندوی قادر آباد نز دڈومریا گنج کے تھے۔

شیخ الحدیث ابوالحسن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، شیخ مکرم محمد اسرائیل ندوی ہریانہ حفظہ اللہ اور محترم المقام ابومحمد عبدالواحد سلفی دہلوی بن العلامہ عبدالوہاب ملتانی رحمہ اللہ امیر غرباء اہل حدیث سے تحریری سند اجازت اور مولانا شمس الحق سلفی رحمہ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ بنارس سے شفوی اجازت روایت حاصل ہے، محترم شیخ عبداللہ جولم حفظہ اللہ شیخ الحدیث دارالسلام عمرآباد سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مُدِّ مدنی کی سند بھی حاصل کیا ہے۔

شاگردوں کی تعداد کا علم نہیں ہے جب سے ۱۹۸۷ء سے مالیگاؤں آیا ہوں صحیح بخاری پڑھا رہا ہوں، کلیہ عائشہ میں بھی سادس اور فضیلت میں سنن ابی داؤد اور صحیح بخاری کا درس دیا ہے۔ شعبہ تخصص کلیہ عائشہ میں علوم حدیث اور کبھی اللولوء والمرجان پڑھایا ہے، بہت سارے طلبہ عربی رابع سے نکل جاتے ہیں کتنے ایسے ہیں جن کو پڑھایا ہے لیکن کسی وجہ سے ان کی تعلیم یہاں مکمل نہ ہوسکی ان فارغین میں سے بہت سارے سعودیہ عربیہ میں جالیات اور ملک میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں کتنے جو سماجی کام میں ہیں اللہ رب العالمین ان سب شاگردوں اور شاگردات کو اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ (آمین)

عموماً اپنے فن سے متعلق کتابیں ہی پڑھایا ہے، کبھی کبھی دوسرے فن کی کتاب بھی پڑھایا ہے بلوغ المرام، مشکوۃ المصابیح، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، صحیح مسلم، صحیح بخاری جرح وتعدیل، تخریج حدیث، علوم حدیث، عربی ادب، سیرت نبوی پڑھانے کا موقع زیادہ ملا ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جرح وتعدیل، تخریج حدیث اور علوم حدیث، نحو وصرف فی الحال اپنا مادہ درس ہے۔

جب شنکر نگر پڑھا رہا تھا اس وقت زوجہ کی رخصتی ہوئی جن کے بطن سے کل گیارہ اولاد اللہ نے عطا کیا جن میں پانچ ذخیرہ آخرت بنے، موجودہ اولاد مندرجہ ذیل ہیں۔

عبدالرحمن اقبال: جامعہ اسلامیہ میں فی الحال شعبہ عقیدہ میں (PHD) کررہے ہیں (حافظ، فاضل جامعہ محمدیہ)

سعد اقبال: فضیلت، بارہویں اور طبابت سیکھنے کے بعد ممبرا میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اسعد اقبال: حافظ، عالمیت، بارہویں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ سے کلیہ کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ کوسہ میں مدرس ہیں۔

محمودہ اقبال: شوہر کے ساتھ فی الحال مدینہ منورہ میں ہی رہتی ہیں (حافظہ، فاضلہ کلیہ عائشہ)

سعید اقبال: متوسطہ کے بعد فارمیسی میں ابھی ابھی (M. Farma) کی تکمیل ہوئی ہے۔ منفوسہ اقبال: حافظہ کے بعد عربی سادس میں زیر تعلیم (کلیہ عائشہ مالیگاؤں میں) سابق اہلیہ کی وفات کے بعد دوسری نکاح ہوا جن سے:

سعیدہ اقبال: شعبہ حفظ میں طالبہ (کلیہ عائشہ)، مساعد اقبال: درجہ سوم میں طالب علم (کلیہ عائشہ)، سعود اقبال: درجہ طفلاں میں طالب علم (کلیہ عائشہ)۔

بقیہ سب اللہ کا فضل وکرم ہے۔

وفات: جس دن اللہ نے مقرر کر رکھا ہے اس دن ہو جائے گی۔ جب جس کو اطلاع ملے رب العالمین سے خصوصی دعاؤں میں یاد کرلیں، قارئین کی یہ بہت بڑی مدد ہوگی اللہ ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرمائے آمین۔

تصنیف کردہ کتابیں: (۱) تحقیقات بزبان عربی

۱۔ المخزون فی علم الحدیث للازدی۔ ۲۔ کتاب البدر المنیر لابن الملقن (ج:۶،۵،۹) (المطبوع فی ۲۸ مجلد) ۳۔ أسماء من یعرف بکنیته من أصحاب رسول اللہ ﷺ للازدی۔ ۴۔ .... من لا یعرف له اسم من أصحاب رسول اللہ ﷺ للأزدی۔ ۵۔ من وافق اسمه اسم أبیه للازدی۔ ۶۔ من وافق اسمه کنیة أبیه للازدی۔ ۷۔ نخبة الفکر فی مصطلح أهل الاثر لابن حجر

(۲) تصنیفات بزبان عربی

۸۔ ذیل المخزون، ۹۔ ذیل من وافق اسمه اسم ابیه، ۱۰۔ ذیل من وافق اسمه کنیة ابیه، ۱۱۔ ارشاد النبیل الی الجرح والتعدیل، ۱۲۔ تحفة الخریج الی طرق التخریج، ۱۳۔ قضاء الوطر من قصب السکر (شرح)، ۱۴۔ اجلاء البصر من نزهة النظر (تعلیق وتحقیق)، ۱۵۔ أصول التوفیق بین الاحادیث المتعارضة (غیر مطبوع)، ۱۶۔ التعلیق الملیح علی المنشاء الصحیح (صحیح مسلم) الی نهایة الایمان (غیر مطبوع)، ۱۷۔ الفقه المحمدی کتاب الطهارة، الجنائز، العیدین، الکسوف والخسوف، الاستسقاء الخوف، الزکاة، الصیام والحج بالاشتراک (غیر مطبوع)، ۱۸۔ السیر الحدیث فی علوم الحدیث: (للتدریس فی کلیة الشریعة)

۱۹۔ العمل الجاری: التعلیق علی صحیح البخاری (فی الحال سجدہ تلاوت میں کام جاری ہے)

اردو کتابیں:

۲۰۔ رسالہ اصول حدیث، ۲۱۔ رہبر تخریج حدیث۔ ۲۲۔ جرح وتعدیل، ۲۳۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (تحفہ سلام) ۲۴۔ آسان درس حدیث ۲۵۔ مذکرۃ الادعیۃ وحفظ الحدیث ۲۶۔ تاریخ تحفظ سنت اور خدمات محدثین ۲۷۔ رہبر توفیق حدیث، ۲۸۔ متعارض حدیثیں (ماخوذ از تاویل مختلف الحدیث)، ۲۹۔ آئے جبرئیل سکھانے دین (غیر مطبوع)، ۳۰۔ مردوزن کی نماز میں فرق اور صحیح طریقہ نماز (غیر مطبوع)۔

رب العالمین شیخ محترم کی خدمات کو قبول فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ درازی عمر عطا فرمائے آمین۔

❑❑❑

ڈاکٹر لیث محمد مکی حفظہ اللہ اجگرا، سدھارتھ نگر

ولادت جنوری ۱۹۶۲ء

خودنوشت

نام ونسب: لیث محمد بن لال محمد بن دولت

آبائی وطن: موضع اجگرا، پوسٹ اجگرا، ضلع سدھارتھ نگر (سابق بستی)، یوپی۔ پن کوڈ: 272153

تاریخ پیدائش: کاغذات کے مطابق تاریخ پیدائش ۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء ہے مگر حقیقی تاریخ پیدائش غالباً ۱۹۶۰ء ہے۔

خاندانی پس منظر: خاندان بلکہ گاؤں کی پوری مسلم آبادی میں اعلیٰ تعلیم مفقود تھی، بعض ہی افراد پرائمری یا جونیر یا ہائی اسکول یا مکتب یا عربی کی پہلی یا دوسری جماعت تک پڑھے ہوئے تھے، اس طرح میں بفضلہ تعالیٰ سب سے پہلا فارغ التحصیل عالم ہوا، علاقے کے بعض علماء اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ سے .B.A اور M.Phil کی ڈگریاں حاصل کر چکے تھے، لیکن اللہ کے فضل وکرم سے سب سے پہلے ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے مجھے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

تعلیمی مراحل: (۱) مکتب سے لے کر عربی کی جماعت ثانیہ تک کی تعلیم قدیم جماعتی ادارہ مدرسہ مظہر العلوم اوسان کوئیاں میں حاصل کی، ابھی میں درجہ طفلاں ہی میں تھا کہ والد محترم رحمہ اللہ واسکنہ فسیح جناتہ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا، اس کے بعد چچا محترم رحمہ اللہ وأسکنہ فسیح جناتہ۔ کے زیر نگرانی اور والدہ ماجدہ۔ رحمها الله وأسكنها فسيح جناته۔ کے زیر تربیت تعلیم حاصل کرنے لگا، والدہ پڑھی لکھی تو نہیں تھیں لیکن صوم وصلاۃ کی مکمل پابند اور دیندار تھیں، ہم دو بھائیوں اور اکیلی بہن کو صلوات کی تلقین کرتی رہتیں اور اس سلسلے میں ہمارا احتساب بھی کرتی تھیں، رات میں بستر پر لیٹتے وقت ان کی پر خلوص و پرسوز دعائیں آج بھی کانوں میں رس گھولتی رہتی ہیں کہ اے اللہ میرے بیٹے کو عالم دین بنانا، میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کے فضل وکرم کے بعد والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ میں کسی لائق بن سکا۔ گھر اور خاندان میں کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے شروع سے لے کر آخر تک مجھ میں مسابقت کا جذبہ ودیعت کر رکھا تھا، اس لئے کلاس میں پہلی پوزیشن، بلکہ اکثر پورے مدرسہ میں پہلی پوزیشن رہتی تھی۔
(۲) جماعت ثالثہ سے جماعت خامسہ تک جامعہ اسلامیہ فیض عام مئوناتھ بھنجن میں پڑھا وہاں بھی جماعت میں پہلی پوزیشن حاصل ہوتی رہی۔ (۳) جماعت سادسہ سے جماعت ثامنہ تک کی تعلیم جنوبی ہند کی معروف درسگاہ جامعہ دار السلام عمرآباد میں مکمل کی، اور سند فضیلت حاصل کی، یہاں بھی دوسری تیسری پوزیشن حاصل ہوتی رہی، ہم لوگوں کے حفل التخرج میں عالم اسلام کی مشہور اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کے وائس چانسلر عالیجناب ڈاکٹر عبداللہ زائد تشریف لانے والے تھے، مگر قضا وقدر کا فیصلہ کچھ اور تھا، حفل التخرج سے پہلے جلالۃ الملک خالد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ بنابریں وائس چانسلر صاحب کا معذرتی ٹیلی گرام آ گیا۔

دیر آید درست آید: سعودی جامعات میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ سے متعلق جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا وہ ''عسی ان

تکرھوا شیئا وھو خیرلکم ‘‘ کی عملی تفسیر تھا، ہوایوں کہ ۱۹۸۱ء میں ہم لوگوں کی فراغت کے سال اسلامک یونیورسٹی مدینہ کے وائس چانسلر نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم دارالسلام عمرآباد کے تین طلبہ کو داخلہ دیں گے، نمبرات وعمر کی نئی شرطوں پر ہمارے ساتھیوں میں سے صرف ہم تین ہی ساتھی پورے اتر رہے تھے، میں، عبدالمقیت، فریدالدین، مگر نہ جانے کیوں جامعہ والوں نے اور ساتھیوں کے کاغذات بھیج دیئے تھے، قضاوقدر کے تحت دوشرط والوں کا داخلہ ہوا میرا داخلہ نہ ہوکر ایک تیسرے غیر شرط والے کا داخلہ ہوگیا، بظاہر یہ معاملہ تکلیف دہ اورناپسندیدہ تھا، لیکن میرے لئے اس میں خیر کے پہلو چھپے تھے، اس کے بعدوالے سال میں اتفاق سے مدینہ یونیورسٹی میں ہندوستان سے کسی کا داخلہ نہ ہوا، ان دنوں فراغت کے بعد دوسال گزرجانے پر مدینہ یونیورسٹی میں انقطاع دراسہ کی شرط کی وجہ سے کسی طالب علم کا داخلہ نہیں ہوتا تھا، اس طرح مدینہ یونیورسٹی میں میرا داخلہ نہ ہوسکا، تیسرے سال جامعہ دارالسلام کی جانب سے ام القری یونیورسٹی میں میرے داخلہ کی کوشش ہوئی جو کامیاب رہی اور میرا داخلہ ام القری مکہ مکرمہ میں ہوگیا۔

اس میں میرے لئے جو خیر کا پہلو تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان دنوں مدینہ یونیورسٹی میں ہندوستانی طلبہ کے لئے دراسات علیا کا دروازہ مکمل طور پر بند تھا، اس لئے میرے جن ساتھیوں کا وہاں داخلہ ہوا وہ صرف .B.A کرسکے، میرا داخلہ اگر چہ دوسال بعد ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ جیسی متبرک جگہ، جس کے حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے، میں سترہ سال سے زائد عرصہ تک قیام کی سعادت نصیب فرمائی اور ام القریٰ یونیورسٹی سے معہد اللغہ کے اتمام الدراسہ، کلیۃ اللغہ سے B.A., PhD. M.Phil ڈگریاں حاصل کرنے کا زریں موقعہ عنایت فرمایا، یہ بھی واضح کردوں کہ اللہ کے فضل وکرم سے میں پہلا ہندوستانی طالب علم تھا جس نے ام القریٰ میں شروع سے آخر تک تمام تعلیمی مراحل کو مکمل کیا تھا، مجھ سے پہلے جن لوگوں نے پی ایچ ڈی کی تھی وہ .B.A مدینہ یونیورسٹی سے کئے ہوئے تھے، ام القریٰ یونیورسٹی کے تمام تعلیمی مراحل میں امتیازی نمبرات اور پوزیشن حاصل ہوتی رہی نیز امتیازی تمغے بھی ملتے رہے، بالخصوص کلیۃ اللغۃ سے جس سال کلیہ میں میری پہلی پوزیشن تھی، یہ مجھ جیسے عجمی طالب علم کے لئے یقیناً اعزاز کی بات تھی۔

تعلیمی مراحل کی ترتیب کے ساتھ قابل ذکراساتذہ کرام: مدرسہ مظہرالعلوم اوسان کوئیاں میں مکتب کے اساتذہ میں سے مولاناغیث اللہ صاحب ٹکریا، منشی عبدالوہاب صاحب کرٹھی ڈیہہ، ماسٹر محمد ہارون پیرگڈی رحمہم اللہ اور ماسٹر عبدالحکیم حفظہ اللہ، عربی درجات کے اساتذہ میں سے ناظم مدرسہ مولانا عبدالقدوس صاحب رحمہ اللہ، قاری ابوالقاسم صاحب، مولانا عزیز الرحمن سلفی صاحب (تینوں کاتعلق ٹکریا سے ہے) مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب اہراڈیہہ، حال مقیم ڈومریا گنج، حفظہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

جامعہ اسلامیہ فیض عام میں قابل ذکر اساتذہ کرام قاری عبدالسبحان رحمہ اللہ مئو، مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی مئو، قاری نثار احمد فیضی صاحب مئو، مولانا سہیل احمد صاحب مدنی مئو، حفظہم اللہ، مولانا محمد حنیف صاحب مدنی رحمہ اللہ، ماسٹر رفیع اللہ صاحب ادری تھے۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: مولانا عبدالواجد صاحب رحمانی، مولانا ظہیرالدین رحمانی اثری، مولانا عبدالسبحان اعظمی عمری، مولانا سیدامین صاحب عمری، مولانا امین احمد صاحب عمری، مولانا سیدعبدالکبیر صاحب عمری، مولانا اطہرحسین صاحب مدنی رحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ، مولانا حفیظ الرحمن صاحب اعظمی عمری مدنی، مولانا ظفرالحق صاحب عمری، مولانا ابوالبیان حماد صاحب عمری متعنا اللہ بطول حیاتھم الطیبۃ۔

ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں قابل ذکراساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں: دکتور سلیمان العائد، دکتور عیاد عیدالثبیتی،

دکتور عبداللطیف خلیف (مصر)، دکتور محمد المختار محمد المہدی (مصر)، دکتور عبدالرحمن محمد اسماعیل (مصر)، دکتور عبدالمحسن العمیر ی، دکتور عبدالفتاح البرکاوی (مصر) وغیرھم۔

چند قابل ذکر تلامذہ یہ ہیں: زبیر احمد مدنی ہرہٹہ بلرام پور، محمد ہارون مدنی موڑاڈیہہ سدھارتھ نگر، فضل الرحمن مدنی کونکٹی سدھارتھ نگر، قربان علی مدنی بہار، ابوسعید فیضی پھریندا سدھارتھ نگر، عزیز الرحمن فیضی مالدہ بنگال، ظہیر احمد فیضی بہار۔

تدریسی خدمات: ۱۹۸۱ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد سے فراغت کے بعد مولانا عبدالغنی سیفی عمری رحمہ اللہ ناظم جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے فرزند ارجمند برادرم کے عبدالمالک عمری جو اس وقت دارالسلام میں زیر تعلیم تھے وہ مصر ہو گئے کہ والد صاحب کی خواہش ہے کہ آپ رائیدرگ چلیں۔ وہاں تدریس کا معاملہ طے کر کے پھر اپنے وطن جائیں، ان کی حسب خواہش برادرم عبدالمالک کے ساتھ جامعہ محمدیہ رائیدرگ پہنچا، تدریس کا معاملہ طے کر کے وطن واپس لوٹا، اس طرح ۸۲۔۱۹۸۱ء کے مکمل تعلیمی سال اور ۸۳۔۱۹۸۲ء کے تعلیمی سال میں عیدالاضحیٰ کے کچھ دنوں بعد تک وہاں تدریسی فریضہ انجام دیا۔

عیدالاضحیٰ کی چھٹی میں گھر آیا ہوا تھا، واپسی میں مئوناتھ بھنجن ہوتے ہوئے جانا تھا، وہاں استاذ محترم قاری نثار احمد صاحب فیضی، مولانا محفوظ الرحمن صاحب فیضی حفظہما اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی، اساتذہ کرام نے کہا اتنی دور کیوں چلے گئے، یہاں ضرورت ہے چلے آؤ، انہیں حضرات نے بات ناظم اعلیٰ مفتی حبیب الرحمن صاحب فیضی رحمہ اللہ تک پہنچائی، چنانچہ یہ سوچ کر کہ جامعہ فیض عام جماعت کا معروف ترین ادارہ نیز مادر علمی بھی ہے اور رائیدرگ کے بالمقابل وطن سے بہت قریب ہے اس لئے وہاں تدریس کا معاملہ طے کر لیا، ذہن میں یہ بات تھی کہ رائیدرگ والے میری دوری والے مجبوری اور میری اس مصلحت (فیض عام میں ملازمت سرکاری ہو جانے کی امید) کا خیال کرتے ہوئے بطیب خاطر مجھے چھوڑ دیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، میں وہاں پہنچ کر چند ہی دن میں جامعہ اسلامیہ فیض عام واپس آ گیا، اس طرح ۸۳۔۱۹۸۲ء والے تعلیمی سال میں عیدالاضحیٰ کے بعد سے سال کے آخر تک اور ۸۴۔۱۹۸۳ء والے تعلیمی سال میں تقریباً نصف سال تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیا، دونوں ہی اداروں میں اونچی جماعتوں تک کی کتابیں زیر تدریس تھیں، اس کے بعد جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ حرسھا اللہ من کید الکائدین وصانھا من کل مکروہ۔ میں داخلہ کی سعادت نصیب ہوئی اور دنیا کے مقدس ومتبرک ترین شہر مکہ کی جانب عازم سفر ہو گیا، بفضلہ تعالیٰ وہاں ۸۵۔۱۹۸۴ء سے لے کر ۰۲۔۲۰۰۱ء کے تعلیمی سال تک، یعنی تقریباً سترہ سال سے زائد طویل عرصہ وہاں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

● ۲۰۰۲ء میں دکتوراہ کی تکمیل کے بعد جمعیۃ ندوۃ السنۃ اٹوا بازار سدھارتھ نگر میں تدریسی فرائض انجام دینے کے لئے آ گیا، اسی سوسائٹی کے ادارہ کلیہ حفصہ اسلامیہ للبنات (جہاں فضیلت تک کی بہترین تعلیم ہوتی ہے) میں تدریسی فرائض انجام دینے لگا، دوسرے ہی سال سوسائٹی کے تمام تعلیمی اداروں کا تعلیمی نگراں یا بلفظ دیگر ناظم تعلیمات بنایا گیا، اسی وقت سے ۱۴۔۲۰۱۳ء کے نصف تک جیسا کچھ اللہ نے توفیق بخشی اس فریضے کو انجام دیا، نتیجتاً امتحانات کے اصول وضوابط میں تبدیلی آئی، امتحانات میں بہتری آئی، معیار تعلیم بلند ہوا، اس عرصے کے طلبہ اور اساتذہ اس کے گواہ ہیں ۲۰۱۰ء میں جب جامعۃ الفاروق الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو اس کا عمید بنایا گیا، جب تک عمید رہا جامعہ کے نظم ونسق، تعلیم وتربیت میں بحمداللہ کوئی خلل نہیں پایا گیا، ۱۴۔۲۰۱۳ء میں نظامت تعلیمات وعمادت سے مستعفی ہونے کے بعد صرف تدریس کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔

تدریس کے اس دوسرے دور میں تقریباً چھ مہینہ کا خلل واقع ہوا ہے، ہوا یوں کہ خرچ کے اضافہ اور راتب کی قلت کے دور سے گذر رہا تھا اسی درمیان سنا کہ وزارۃ الشئون الاسلامیۃ ریاض سے تعاقد ہوسکتا ہے، اس کے لئے ریاض جانا ضروری تھا، میرے کرم فرما فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ ڈائریکٹر مکتبہ دارالسلام ریاض نے بڑی کرم فرمائی کی، ویزہ وٹکٹ بھیج کر اچھی تنخواہ پر دارالسلام میں کام کرنے کے لئے بلالیا، ملازمت کے ساتھ ساتھ وزارۃ الشئون میں مراجعہ کرتا رہا، اللہ کا فضل وکرم رہا کہ میرے علمی کاموں کو دیکھتے ہوئے یا اللہ جانے کسی اور وجہ سے تحریری امتحان اور انٹرویو دونوں سے مجھے استثناء مل گیا اور تعاقد ہوگیا، جب میں نے شیخ موصوف کو اس کی خبر دی اور عقد کی فوٹو کاپی دکھائی تو بہت خوش ہوئے، کہا آپ اپنے بچوں کے ساتھ وطن میں رہیں یہ بہتر ہے، اس سے پہلے وطن میں رہتے ہوئے آپ نے میرا کام کیا ہے بعد میں بھی ضرورت پڑنے پر کریں گے، چنانچہ ایک اچھے ہوٹل میں وداعی پارٹی دی، حسن کارکردگی پر مشتمل ایک شیلڈ عطا کی، چھ مہینے کی قلیل مدت میں واپسی کا ٹکٹ دے کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، حسب وعدہ واپس آکر ندوۃ السنہ میں تدریسی فریضہ انجام دینے لگا، یہ ۱۳۔۲۰۱۲ء کا واقعہ ہے۔

تالیفات: ۱۔ ماجستر کا رسالہ بعنوان ''الاقتصاد اللغوی ومظاہرہ فی العربیہ (غیر مطبوع)

۲۔ تیسیر النحو (عربی): ہدایۃ النحو کی جگہ پڑھانے کے لئے بطور نصابی کتاب میں نے اس کی تالیف کی ہے، کتاب سوالات وتمرینات پر مشتمل ہے، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ نے اس کے لئے ایک عمدہ مقدمہ لکھا تھا اور اہل مدارس سے اس کو داخل نصاب کرنے کی سفارش کی تھی، بالفعل یہ کتاب بہت سارے مدارس وجامعات میں داخل نصاب ہے، میرے لئے اعزاز وخوشی کی بات ہے کہ مادر علمی جامعہ دارالسلام میں بھی یہ کتاب داخل نصاب ہوچکی ہے، کتاب کے کئی ایڈیشن ندوۃ السنہ سے چھپ چکے ہیں۔

۳۔ تیسیر النحو (اردو): کچھ اداروں بالخصوص نسواں اداروں کا کہنا تھا کہ عربی نسخہ طالبات کے لئے مشکل ہے اس لئے اس کتاب کا اردو ایڈیشن تیار کردیں، چنانچہ یہ ایڈیشن تیار کیا گیا اور مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن نے اس کو شائع کیا ہے۔

۴۔ تیسیر قواعد التخفیف والاعلال والادغام: یہ کتاب فن صرف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے عموماً اور علم الصیغہ وامین الصیغہ پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے خصوصاً ترتیب دی گئی ہے، اسے مکتبہ نعیمیہ مئوناتھ بھنجن نے شائع کیا ہے۔

۵۔ البلغۃ فی مفردات اللغۃ: یہ کتاب باکورۃ الادب کی جگہ پڑھانے کے لئے ترتیب دی گئی ہے، بار بار چھپنے کے باعث باکورۃ الادب کے بہت سارے کلمات میں تصحیف ہوچکی ہے، اس کے بعض کلمات متروک ہوچکے ہیں، ضرورت کے بہت سارے کلمات اس میں نہیں تھے، انہیں وجوہ واسباب کی بنا پر البلغۃ کو میں نے ایک اچھی ترتیب کے ساتھ مرتب کیا، یہ کتاب بھی بہت سے مدارس وجامعات میں داخل نصاب ہے، اسے ندوۃ السنۃ اور بعض دیگر مکتبات نے بھی چھاپا ہے۔

۶۔ تیسیر تصریف الاسماء: ہندوستان کے مدارس میں صرف کی جو کتابیں داخل نصاب ہیں ان میں اکثر وبیشتر کا اہتمام اشتقاق وافعال کے مباحث پر ہوتا ہے، اشتقاق سے ہٹ کر اسماء سے متعلق مباحث بالکل تشنہ رہ جاتے ہیں، اس تشنگی کو بجھانے کے لئے بعض اداروں میں شذا العرف داخل نصاب ہے، مگر اس کتاب کا معیار بہت اونچا ہے جسے سمجھنا اور ہضم کرنا طلبہ کے لئے مشکل ہوتا ہے، اس لئے اسماء کے مذکورہ مباحث کو آسان اور سہل انداز میں اکٹھا کرنے کے لئے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے، کتاب غیر مطبوع ہے، کمپوزنگ کے لئے دی گئی ہے۔

تحقیق وتراجم: ا۔ دکتوراہ کا رسالہ ''الهداية في شرح الكفاية "لشعبان الآثاری کے ایک جزء کی تحقیق۔

۲۔ مولانا صلاح الدین یوسف کی تفسیر ''احسن البيان'' کا اردو سے عربی ترجمہ، مکتبہ دارالسلام ریاض کے ڈائریکٹر فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ نے اس ترجمہ کا مطالبہ کیا تھا تاکہ اس کو بنیاد بنا کر فرانسیسی وغیرہ میں ترجمہ کرائیں، عربی ترجمہ پسند آجانے پر اسے عربی میں بھی شائع کرنے کا ارادہ تھا، مگر مطبوع کتابوں کی مارکیٹنگ مدھم پڑ جانے کی وجہ سے غالباً یہ ترجمہ نہ چھپ سکا۔

۳۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی کے فارسی فتاویٰ پر مشتمل ضخیم کتاب ''دليل الطالب على أرجح المطالب'' کا فارسی سے عربی ترجمہ، شیخ الحدیث علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی حفظہ اللہ کو اس ترجمہ کے لئے مکلف کیا تھا، مگر عدیم الفرصتی کے باعث وہ نہ کر سکے تو انہوں نے مجھ سے اس کا مطالبہ کیا، میں نے ترجمہ کر کے دے دیا تھا، موصوف ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکتبہ دارالداعی ریاض سے نصف اول کو آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل شائع کیا تھا، چھپے ہوئے نسخے ختم ہو چکے ہیں، اب موصوف ڈاکٹر صاحب پوری کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں، اللہ کرے یہ کام جلد مکمل ہو جائے۔

۴۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی کی کتاب ''سلسلة العسجد في ذكر مشائخ السند'' کا فارسی سے عربی ترجمہ، فضیلۃ الشیخ فلاح بن خالد المطیری حفظہ اللہ رئیس لجنۃ القارۃ الہندیۃ بالکویت کے خرچ اور فضیلۃ الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ کی طلب پر یہ ترجمہ مکمل ہوا، مکتبہ نظام یعقوبی الخاصۃ، بحرین نے اس کو شائع کیا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر محمد علی الصلابی کی کتاب ''سيرة الحسن بن علي رضي الله عنهما'' کا عربی سے اردو ترجمہ، اسے ندوہ السنہ نے شائع کیا ہے۔

۶۔ فضیلۃ الشیخ محمد جمیل زینو رحمہ اللہ کی کتاب ''العقيدة الاسلامية في ضوء الكتاب والسنة'' کا عربی سے اردو ترجمہ، جو مکہ مکرمہ میں بارہا چھپا اور مفت تقسیم ہوا۔

۷۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتاب ''وجوب الاخذ باحاديث الآحاد في العقيدة کا عربی سے اردو ترجمہ (غیر مطبوع)''۔

۸۔ فضیلۃ الشیخ محمد خلیل ہراس کی کتاب ''الحركة الوهابية'' کا عربی سے اردو ترجمہ (غیر مطبوع)۔

نظر ثانی ومراجعات: ا۔ مجمع ملک فہد برائے طباعت قرآن مجید، مدینہ منورہ کی جانب سے ''القرآن الكريم وترجمة معانيه وتفسيره الى اللغة الاردية'' کے عنوان سے مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ کا ترجمہ اور مولانا صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی جو تفسیر چھپی ہے، اس کے نظر ثانی ومراجعہ میں اگرچہ فضیلۃ الدکتور وصی اللہ بن محمد عباس حفظہ اللہ کے ساتھ فضیلۃ الدکتور اختر جمال لقمان کا نام درج ہے، مگر بالفعل فضیلۃ الدکتور وصی اللہ محمد عباس حفظہ اللہ کے ساتھ نظر ثانی ومعراجعہ کا شرف مجھے حاصل رہا۔

۲۔ ۳۔ فضیلۃ الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے پاکستان میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی سے متعلق ایک اکیڈمی قائم کی ہے، اسی اکیڈمی سے ان کی دو ضخیم کتابوں (۱) ''دليل الطالب على أرجح المطالب''، (۲) ''هداية السائل الى ادلة المسائل'' کا فارسی سے اردو ترجمہ ہوا ہے، شیخ عارف صاحب کی طلب پر دونوں ترجموں پر نظر ثانی ومراجعہ کا شرف مجھے حاصل رہا۔

۴۔ شاگرد رشید زبیر احمد عبدالمعبود مدنی حفظہ اللہ کی تالیف ''تسهيل العوامل شرح مائة عامل بشكل سوال وجواب'' پر

نظر ثانی ومراجعہ۔

مقالات ومضامین: مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کا موقع ملا، ان میں سے اکثر میں مقالات پڑھنے کا موقع میسر ہوا، حسب ضرورت بعض مجلّات میں مضمون لکھے، مذکورہ مقالات ومضامین کی تفصیل باعث طوالت ہوگی اور اسے ذکر کرنا میں مناسب بھی نہیں سمجھتا۔

شادی، اولاد واحفاد: میری شادی خسر محترم سرتاج علی رحمہ اللہ کی بڑی صاحبزادی فاطمہ سے ہوئی، وہ صوم وصلاۃ اور تلاوت قرآن کی پابند ایک نیک خاتون اور خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ کی مصداق ہیں، گھر کی اقتصادی حالت کو سدھارنے اور میری علمی ترقیوں میں ان کی حکمت عملی اور قربانیوں کا بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ انہیں مزید نیک بنائے اور جنت الفردوس میں بھی ہماری رفاقت برقرار رکھے، آمین۔

ان کے بطن سے پانچ بچے اور دو بچیاں پیدا ہوئیں: ۱۔ عبدالعظیم، حفظ وعالمیت مکمل کرنے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے .B.A اور عظیم پریم جی یونیورسٹی بنگلور ڈیولپمنٹل اسٹڈیز میں .M.A میں شریک ہوئے اور پہلی دوسری پوزیشن حاصل کرتے رہے، اب .I.A.S کے لئے کمپیٹیشن کی تیاری کررہے ہیں، اللہ انہیں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ ۲۔ عبدالمجید، خیر العلوم ڈومریا گنج سے حفظ، جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی سے عالمیت وفضیلت مکمل کر کے شعبۂ حفظ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، فی الحال .M.I موبائل کمپنی کا اسٹور لے کر تجارت کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تجارت کو باعث خیر وبرکت بنائے۔ آمین۔ ۳۔ عبدالعزیز: جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی سے عالمیت وفضیلت کر کے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے .B.A کررہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ اسپینی زبان میں ڈپلوما کررہے ہیں۔ ۴۔ عبدالعلیم: مکتب کی تعلیم کے بعد عصری تعلیم میں لگ گئے، اس سال B.Tech انجینئرنگ کے آخری سال میں ہیں۔ ۵۔ عبدالحکیم: جامعۃ الفاروق اٹوا بازار کے شعبۂ حفظ سے حفظ قرآن مکمل کر کے فی الحال جامعہ اسلامیہ سنابل دہلی میں جماعت سادسہ میں پڑھ رہے ہیں۔ ۶۔ شبنم: ندوۃ السنۃ اٹوا کے ماتحت چلنے والا ادارہ، کلیہ حفصہ اسلامیہ للبنات میں جماعت خامسہ کی طالبہ ہیں، اس کلیہ میں دینیات کی اچھی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بھی نظم ہے، چنانچہ بچیاں جماعت رابعہ میں ہائی اسکول اور جماعت سادسہ میں انٹر کا امتحان دیتی ہیں چنانچہ انہوں نے جماعت رابعہ میں ہائی اسکول کا امتحان 80% نمبرات حاصل کر کے پاس کیا ہے۔ ۷۔ صفیہ، یہ بھی مذکورہ کلیہ میں اس سال جماعت رابعہ کی طالبہ ہیں اور اس سال اسکول کا بھی امتحان دیں گی۔

بحمد اللہ سارے بچے اور بچیاں صوم وصلاۃ کی پابند اور دین پسند ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید دین دار بنائے اور زندگی میں خوشحالی عطا فرمائے آمین۔

ایک شبہ کا ازالہ: اپنے اس سوانحی خاکہ میں میں نے اپنی بعض خوبیوں کا تذکرہ اظہار حقائق وتحدیث نعمت کے طور پر کیا ہے، معاذ اللہ خودنمائی وخودستائی مقصود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان باتوں سے کوسوں دور رکھے، آمین وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وأصحابه أجمعين۔

(مضمون مرسلہ از شیخ محترم بذریعہ میل)

❑❑❑

مولانا اسعد اعظمی رحفظہ اللہ۔ مئوناتھ بھنجن

استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ولادت ستمبر ۱۹۶۶ء

ہلال ہدایت
ایڈیٹر ماہنامہ الاتحاد، ممبئ

نام ونسب: اَسعد اعظمی بن محمد انصاری بن عبدالعلی بن عبداللہ بن سلیم اللہ بن حکیم جمال الدین۔
تاریخ پیدائش: ۱۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کومحلہ ڈومن پورہ مئومیں ہوئی۔

آپ کا تعلق صوبہ اتر پردیش کے مشہور صنعتی شہر مئو سے ہے جو علم وفضل اور تعلیم وتعلم کے لحاظ سے ایک نمایاں مقام رکھتا ہے، عرصہ دراز سے یہاں کتاب وسنت کی تعلیم کا چرچا رہا ہے، شہر مئو کے بہت سارے علماء نے شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا اور آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوکر علمی تشنگی بجھائی، میاں صاحب کے تلامذہ میں مولانا عبداللہ غازی پوریؒ (صدر اول جمعیت اہل حدیث ہند) مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضیؒ، مولانا محمد نعمانیؒ، مولانا حکیم محمد سلیمان بن داؤدؒ وغیرہ مئوی علماء قابل ذکر ہیں انہیں نفوس قدسیہ کی بدولت شہر مئوناتھ بھنجن میں کتاب وسنت کا پرچم بلند ہوا اور اسلامی تعلیمات کا دوردورہ ہوا۔

خاندانی پس منظر: شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے خالص دینی وعلمی فضا میں آنکھیں کھولیں اور دینی آغوش میں پرورش و پرداخت پائی، جس میں ابتدا ہی سے علم دوستی، قرآن وحدیث سے والہانہ لگاؤ اور علماء سے خصوصی تعلقات کے جذبات موجود تھے، آپ کی پیدائش ملک کے مشہور صنعتی اور گہوارہ علمی شہر مئوناتھ بھنجن میں ۱۵/ستمبر ۱۹۶۶ء کو محلہ ڈومن پورہ کساری میں ہوئی۔ اس محلہ سے استاذ الاجیال ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہریؒ (سابق صدر جامعہ سلفیہ بنارس)، مولانا مختار احمد ندویؒ، (سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند ومؤسس جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں) فیض الحسن فضا ابن فیضیؒ (معروف سلفی شاعر)، پروفیسر ڈاکٹر نورالحسن انصاری (ادیب)، جیسی غیر معمولی اور مجمع الفحول ہستیوں نے جنم لیا۔

شیخ کے والد محترم مولانا محمد اعظمی صاحب حفظہ اللہ کو علامہ سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے متعدد شاگردوں سے براہ راست شاگردی کا شرف حاصل ہے، اس طرح صرف ایک واسطے سے آپ کی سند حدیث سید میاں نذیر حسین صاحبؒ سے ملتی ہے، اس شرف کے حامل اس وقت شاذ ونادر ملیں گے، اس سند عالی کی وجہ سے ملک وبیرون ملک سے لوگ سند اجازہ کے لئے برابر آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ متعدد لوگوں نے حدیث کی کوئی کتاب مکمل سنا کر اجازہ حاصل کی، بیشتر اطراف پڑھ کر سند لیتے ہیں۔

آپ کے جد امجد حکیم جمال الدین صاحب مرحوم نہایت ہی متقی اور پرہیز گار شخص تھے، آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا

جاسکتا ہے کہ جس محلہ میں آپ کا قیام تھا اسے آپ کی طرف منسوب کر کے ''جمال پورہ'' کے نام سے موسوم کردیا گیا۔ آپ کے صاحب زادے حاجی عبدالرحمن شہیدؒ میاں صاحب دہلویؒ کے شاگرد تھے، علامہ شبلی نعمانیؒ کے استاد مولانا فیض اللہ مئویؒ کے ساتھ آپ مدرسہ عالیہ عربیہ کی بنیاد رکھنے میں شانہ بشانہ رہے، لیکن ایک رات غلط فہمی کے سبب گھر لوٹتے وقت غیر مسلموں نے آپ کو شہید کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حاجی عبدالرحمن شہیدؒ کے صاحبزادے مولانا محمد نعمان اعظمی مرحوم ایک عظیم المرتبت عالم تھے آپ نے بھی شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحبؒ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا، ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت اٹھی تو مئوناتھ بھنجن میں بھی خلافت کمیٹی نے قومی عدالت قائم کی، مولاناؒ اس تحریک سے وابستہ رہے، آپ نے تقریباً ربع صدی تک جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کا انتقال بوقت تدریس ہی ۱۹۵۱ء میں ہوا۔

شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ کے دادا جناب مولانا عبدالعلی بن عبداللہ مرحوم کا شمار ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پوری زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کردی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا خلیل الرحمن سہارنپوریؒ (صاحب بذل المجہود)، مولانا ابونعمانؒ، مولانا عبداللہ شائقؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ جامعہ محمدیہ کھیدر پورہ مئو میں آپ نے ایک عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیں، بعدازاں جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز ہوئے اور تاحیات اس خدمت کو انجام دیتے رہے، آپ ایک مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین داعی ومقرر وخطیب بھی تھے، آپ کی وفات حسرت آیات ۱۹۶۷ء میں ہوئی، اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

تعلیمی سفر: شیخ اسعد اعظمی حفظہ نے تعلیمی سفر کا آغاز محلہ ہی کے مدرسہ عالیہ عربیہ سے کیا، کم عمری ہی میں حفظ قرآن مکمل کیا اور پھر ثانویہ، عالمیت، فضیلت کی اسناد بدرجہ ممتاز حاصل کیں، بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے سعودی عرب کا رخ کیا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کلیۃ القرآن سے ۱۴۱۰ھ میں بی اے کیا، جامعۃ الملک سعود ریاض کی قسم اعداد المعلمین سے ہائر ڈپلوما، معہد الائمۃ والدعاۃ مکہ مکرمہ سے ایم اے کی ڈگری بدرجہ ممتاز حاصل کیں، علاوہ ازیں لکھنؤ یونیورسٹی سے عربی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

درس وتدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی میدان میں قدم رکھا، جس کی شروعات ۱۹۹۴ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو سے کی، آپ وہاں تفسیر، حدیث، عقیدہ، ادب، نحو وغیرہ فن کی کتابوں کا درس دیتے رہے، اس دوران جامعہ اثریہ کے میگزین ''آثار'' کی ادارت بھی بہت کامیاب طریقے سے فرمائی۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں درس وتدریس کا آغاز: فروری ۲۰۰۳ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں آپ کی تقرری ہوئی، تادم تحریر آپ اسی ادارہ سے منسلک ہیں، آپ کے زیر درس عربی ادب، انشاء، صحافت، علوم القرآن جیسے اہم فن کی کتابیں ہیں۔ آپ تدریس کے لئے وقت مقررہ پر کلاس میں جلوہ افروز ہوجاتے ہیں، پورے سکون واطمینان اور پوری تیاری کے ساتھ طلباء کے سامنے فیضانِ علم کا دریا بہاتے ہیں، آپ کے اندر مستقل مزاجی بدرجۂ اتم موجود ہے۔

رازہائے کامیابی: کسی شخص کے کامیابی کے لئے ناگزیر ہے کہ اس کے اندر رازہائے کامیابی کے عناصر موجود ہوں ورنہ انسان کتنا ہی بڑا دانشور اور مفکر کیوں نہ ہو اس کو کامیابی ملنا محال ہے، جن میں قابل ذکر وقت کی قدر وقیمت، مستقل مزاجی، نظم ونسق ہیں۔ شیخ ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں، کلاس میں وقت متعینہ پر پہونچتے ہیں، راقم کو شیخ کے زیر نگرانی لگاتار دوسال تک شرف تلمذ حاصل

ہے اور معلوم ہے کہ شیخ کتنا وقت کے پابند ہیں، اور کس درجہ شیخ میں نظم ونسق کی قوت موجود ہے، آپ جو کرنے کا عزم کرتے ہیں الحمدللہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں، کسی کام کو کرنے کا پورا حوصلہ رکھتے ہیں۔ شیخ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوران تدریس طلباء کو کس طرح ذہنی یکسوئی حاصل ہو اس کا مکمل ہنر رکھتے ہیں۔

اخلاق وعادات: اخلاق وعادات بنی نوع انسان کا وہ متاع ناگزیر ہے جس کے بغیر ترقی کی راہ پر قدم رکھنا ممکن نہیں، اسلام کی بنیاد اخلاق کریمانہ پر ہی قائم ہے۔ شیخ اخلاق کے پیکر مجسم ہیں، آپ خوش طبع، خوش مزاج، ملنسار ہیں، متانت وسنجیدگی ورثہ میں ملی ہے۔ شیخ کے اندر اپنائیت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، لمحہ بھر میں کوئی بھی شخص شیخ کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ انہیں صفات کی بنا پر اساتذہ وطلباء کے درمیان یکساں طور پر مقبول ہیں۔ طلباء کو اگر درس یا خارجی مضامین میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اور شیخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو آپ اس کو تشفی بخش جواب دیتے ہیں یا بسا اوقات طلباء کو مزید مطالعہ کے لئے اصل کتاب کی جانب رہنمائی کردیتے ہیں تاکہ طلباء کے علم میں گہرائی وگیرائی پیدا ہو۔ راقم بھی وقتاً فوقتاً شیخ کی جانب رجوع کرتا رہا ہے اور عالمیت آخر کا مقالہ بعنوان ''اسلام اور جدید معیشت وتجارت'' شیخ کے زیر اشراف مکمل کرنے کا حسین موقع ملا اور صحافت سے متعلق بنیادی سبق وہیں سے حاصل ہوئے۔ اس کے بعد سے راقم کو شیخ سے اور زیادہ روابط ہوئے، دوران مقالہ نویسی جو بھی مشکلات پیش آئیں شیخ سے ملاقات کر کے حل کیا اور پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ طلباء کو علمی میدان میں ترقی وعروج کے لئے آپ ہمیشہ ہمت بڑھاتے رہتے ہیں، یہی اوصاف شیخ کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ شیخ کا ایک قول جسے آپ صحافت کے درس کے دوران اکثر وبیشتر کہا کرتے ہیں کہ ''اغیار سونے (مادہ) کو ترجیح دیتے ہیں اور ہماری مسلم قوم سونے (نیند) کو ترجیح دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم قوم اوروں سے بہت پیچھے ہے''

تصنیف وتالیف: شیخ أسعد اعظمی حفظہ اللہ ایک مضبوط قلم کار ہیں، آپ کے رشحات عربی واردو زبان میں ملک وبیرون ملک کے مختلف جرائد ومجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی تعداد ۵۰۰/ سے متجاوز ہیں۔ تقریباً ۲۰/ کتابوں کے مصنف ومؤلف اور مرتب بھی ہیں، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ (سابق ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس) کے رحلت کے بعد جامعہ سلفیہ کے عربی مجلہ ''صوت الامۃ'' کی ادارت کی ذمہ داری آپ کو تفویض کی گئی جسے آپ ہنوز بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی چند اہم تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) تاریخ وتعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی (کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مکتبہ الفہیم مئو سے اشاعت کے بعد دارابی الطیب گجرانوالہ پاکستان نے بھی اسے شائع کیا، اور مؤرخ جماعت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا ہے۔)، ۲۔رسوم شب برأت: علمائے امت کی نظر میں، ۳۔تعزیہ داری: علمائے امت کی نظر میں، ۴۔ اہل طریقت کے نزدیک شیخ کا مقام ومرتبہ، ۵۔اہل طریقت کی اصطلاح میں تصور شیخ، ۶۔مسائل حج وعمرہ برائے خواتین، ۷۔حضرت عثمان بن عفان: حیات اور محاسن وکمالات، ۸۔ روزہ کے (۱۰۰) مسائل، ۹۔عہدہ اور منصب کا اسلامی تصور، ۱۰۔اسلامی آداب واحکام، ۱۱۔دروس وخطبات، ۱۲۔اصلاحی جلسوں کی اصلاح کی ضرورت، ۱۳۔ اربعین فی تربیۃ البنات والبنین، ۱۴۔خمسین برائے خواتین، ۱۵۔ترجمہ تعلیقات سلفیہ برتفسیر جلالین، ۱۶۔تعلیم وتربیت (مجموعہ مقالات) (غیر مطبوع)، ۱۷۔دعوت حق اور اس کے اصول وضوابط (غیر مطبوع)، ۱۸۔احادیث ضعیفہ: صحیح نقطہ نظر (غیر مطبوع)، ۱۹۔رویت ہلال اور اختلاف مطالع (غیر مطبوع) وغیرہ

اس کے علاوہ متعدد کتابوں کی تحقیق بھی کی ہے، مثلاً ردعقائد بدعیہ مولانا نذیر احمد املوی رحمانی وغیرہ۔

عربی کتابوں کی تعداد دس سے زائد ہے، جس میں شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کی حیات وخدمات بھی شامل ہے۔
مواعظ وخطبات: شیخ موصوف کے اندر حالات وکوائف کو بھانپنے اوراس کے مطابق سامعین کو خطاب کرنے کا حاسہ کافی قوی ہے۔ حالات وظروف اورزمان ومکان کے اعتبار سے خطبات تیار کرنے اوراس کے لئے سماجی وسیاسی اوراسلامی نقطہ نظر کوملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ زبان میں شیرینی اوردل کومتاثر کرنے والی آواز نے دوسروں سے ممتاز کردیا ہے۔ دوران خطاب آواز نابہت زیادہ بلند اورناہی مدھم، سنجیدگی کا پیکراوردل میں گھرکرجانے والی تاثیر سے سامع مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔
عربی زبان وادب: عربی زبان وادب کے حوالے سے اپنی قلم سے شیخ کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہوگا۔ عربی زبان وادب کا مکمل درک رکھتے ہیں، عربی زباندانی میں اپنی مثال ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سے جامعہ سلفیہ بنارس سے شائع ہونے عربی ماہنامہ ''صوت الامۃ'' کی ادارت کی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھارہے ہیں۔ ادارتی صفحات کے مطالعے سے ان کے عربی زبان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جامعہ سلفیہ کے اونچے درجات میں عربی ادب کی کتابیں آپ ہی کے سپرد ہیں، معلقات سبع کا درس کیا دیتے ہیں مانو گھول کر پلا دیتے ہیں۔ ایک ایک لفظ کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ طلباء کی تشنگی ختم ہوجاتی ہے۔
عہدہ ومناصب: خطابت کے ذریعہ آپ اصلاح معاشرہ کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ملک وبیرون ملک کانفرنسوں واجلاس اوردعوتی پروگرام میں شریک ہوتے رہتے ہیں، اپنے آبائی وطن مئو کی اصلاحی تنظیم ''مجلس ندائے وقت'' سے وابستہ ہیں۔ فی الحال آپ جامعہ سلفیہ میں تدریسی فرائض انجام دہی کے ساتھ جامعہ کے عربی مجلہ صوت الامۃ کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ کی انہیں خدمات کوسراہتے ہوئے فروری/ ۲۰۱۴ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تحت ''الہیئۃ العالمیۃ للعلماء المسلمین'' رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کاممبر منتخب کیا گیا ہے، اس کے بعد آپ رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر مکہ مکرمہ میں منعقد اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ علاوہ ازیں رکن اتحاد اساتذہ وعلماء اللغۃ العربیہ فی الہند ہیں۔ اوراسی طرح آل انڈیا مسلم پرلاء بورڈ کے رکن رہ چکے ہیں۔
کارہائے نمایاں: تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیفی صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے جس کا لوہا عالم عرب نے مانا ہے۔ ۲۰۱۷ء میں عالم عرب کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعۃ الملک سعود ریاض کے اسلامک ڈپارٹمنٹ کی طرف سے معاصر ادیان وعقائد وجماعت پر ایک انسائیکلو پیڈیا تیار کیا گیا، جس پر نظرثانی کے لئے دنیا بھر سے دس شخصیات کا انتخاب ہوا جس میں سعودی عرب کے وزیر برائے اسلامی اموراورامام حرم بھی شامل تھے، اس کے بعض اجزاء پر نظرثانی کی ذمہ داری شیخ کو دی گئی۔ الحمدللہ مراجعت کے بعد یہ انسائیکلو پیڈیا شائع ہوچکا ہے۔ اس کی مراجعت میں جس باریک بینی سے شیخ نے کام لیا اس کو یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ نے بے پناہ سراہا، نیز انسائیکلو پیڈیا کمیٹی کے نگراں ڈاکٹر امیر سعود بن سلمان آل سعود نے بھی آپ کی خدمات کی تعریف فرمائی۔
اسفار: ملک وبیرون ملک ۶۰/ سے زائد سیمیناروں اورکانفرنسوں میں شریک ہوچکے ہیں، جن میں کویت، سعودی عرب، قطر، دبئی، نیپال قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، رابطہ عالم اسلامی، مرکز البحوث والتواصل المعرفی ریاض وغیرہ کی متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔
عکس تحریر مولانا اسعد اعظمی: ''قرآن کریم کے سلسلے میں کیے جانے والے اعتراضات ہوں یا اس کی توہین واستخفاف

کے واقعات، ان کے تعلق سے ہمیں یہ ذہن بنانا ہوگا کہ یہ حق و باطل کی کشمکش کا ہی ایک حصہ ہیں، ان میں صبر وثبات، اور تحمل وبصیرت کا امتحان بھی ہے اور ہماری غیرت وحمیت اور بیداری کو چیلنج بھی، اس لئے ایسے مواقع وواقعات پر ہم نہ تو خاموش تماشائی بنے رہیں اور بے غیرتی اور بے حسی کا مظاہرہ کریں اور نہ ہی مشتعل ہوکر اور جذبات میں آکر ایسے اعمال وحرکات کا سہارا لیں جو آگے چل کر ہماری تضحیک کا سبب بنیں''۔

''مشترک خاندان کے تمام افراد کے درمیان بظاہر یکساں سلوک ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر زیادہ کمانے والے کو کم کمانے والے کے مقابل گھر میں زیادہ عزت وتوقیر حاصل ہوتی ہے اور یہ عزت وتوقیر اس کی بیوی بچوں تک کو مشتمل ہوتی ہے، اسی طرح مشترک خاندان کی ناگزیر باہمی آویزش اور کشاکش کے نتیجے میں، یا موہوم معاشی مسائل کا ہوا کھڑا کرکے بہت سے نونہالوں کو ناخواندہ اور جاہل چھوڑ دیا جاتا ہے اور انہیں قبل از وقت کمائی کی مشین کا پرزہ بنادیا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ نظام بہت سے افراد کی فرضی کفالت کا ذمہ لے کر انہیں جدوجہد کے میدان میں اترنے سے باز رکھتا ہے، اس طرح گھر کے لوگوں میں سے بہتوں کو یہ نظام کمزور کردیتا ہے اور انہیں ناکارہ اور نااہل بنانے میں مدد کرتا ہے''۔

''قائدین قوم وہی ہیں جو بصیرت اور خداترسی کے عنصر سے آراستہ ہوں، جنہیں بحث وجدال کسی قسم کی جانبداری میں نہ مبتلا کرے اور نہ ہی عامۃ الناس کی خواہشات کے سامنے وہ سپر ڈال دیں، یہ تو وہ لوگ ہیں جو نصیحت وخیر خواہی اور حق وصبر کی تلقین میں بھرپور کردار ادا کرتے ہیں، ہر شخص ایسی بصیرت کا مالک نہیں ہوتا جس کے ذریعہ وہ معاملات کی تہ تک پہنچ سکے اور معاملات کی تہ تک پہنچنے والوں میں سے ہر شخص آنے والے خطرات کو دفع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا''۔

''جدیدیت اور مغربیت سے متاثر نئی نسل کے ذہن میں مختلف قسم کی جو غلط فہمیاں پرورش پارہی ہیں انہیں میں سے ایک غلط فہمی شخصی آزادی کے تعلق سے بھی موجود ہے، عام طور سے جب لوگوں کو اسلامی احکام وآداب کو برتنے اور تقویٰ یا تدین کی دعوت دی جاتی ہے تو شیطان اس دعوت سے متنفر کرنے کے لئے لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ دینداری نام ہے بے پناہ حدود وقیود کا، اسلامی زندگی عبارت ہے شخصی آزادی سے محرومی کا، اسے اپنا کر آزادانہ زندگی کی پرکیف لذتوں اور رنگینیوں سے ناطہ توڑ لینا بڑی بیوقوفی اور نادانی کا کام ہے، اس لیے تم ہرگز اپنے اختیارات سے دست بردار ہونے کے بارے میں نہ سوچنا، الغرض اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں انسان کے ذہن میں شیاطین الجن والانس دونوں ڈالتے ہیں، اور اس قسم کے تصورات کا غلام بن کر ایک بندہ بزعم خویش آزادانہ زندگی گزارتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''آزادی'' کے معنی ومفہوم کو متعین کرنے میں ایسے لوگ زبردست فریب کا شکار ہیں، حالانکہ معمولی غور وفکر سے ایک عام آدمی 'آزادی' کی حدود اربعہ کی تعیین کرسکتا ہے، عام طور سے فریب خوردہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، جیسے چاہے جیے، اس کی مرضی اور منشا کے مطابق ہی اس کا ہر کام ہو، اس کے ارادوں اور خواہشوں کی تکمیل کی راہ میں کوئی چیز آڑے نہ آئے، یہی ہے آزادی اور یہی ہے خودمختاری''۔ (مرسلہ از مضمون نگار/ بذریعہ میل)

❏❏❏

مولانا ارشد فہیم الدین مدنی ؍حفظہ اللہ بہار

ولادت نومبر ۱۹۶۷ء

خودنوشت

نام ونسب اور خاندانی پس منظر: محمد ارشد بن فہیم الدین بن محمد شجاعت بن محمد پردل بن بکاؤ بنو بن لال محمد بن محمد نعیم بن محمد جنیا بن محمد حافظ بن عبدالکریم۔

آبائی وطن: مقام اُموا مدینۃ الشیخ، پوسٹ اموا کلاں، وایا پیراہی، ضلع شیوہر بہار۔

تاریخ پیدائش: ۳؍نومبر ۱۹۶۷ء

حالیہ رہائش اور پتہ: جامعہ امام ابن تیمیہ مدینۃ السلام چندن بارہ ضلع مشرقی چمپارن بہار۔

ابتدائی واعلیٰ تعلیم: (۱) ابتدائی تعلیم مدرسہ اموا مدینۃ الشیخ ۱۹۷۴ء (۲) متوسطہ جامعہ فیض عام مئو ۱۹۷۶ء (۳) ثانویہ جامعہ فیض عام مئو ناتھ بھنجن یوپی ۱۹۷۸ء (۴) عالمیت وفضیلت جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۳ء۔ ۱۹۸۵ء (۵) بی اے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ۱۹۹۱ء (۶) ایم اے پٹنہ یونیورسٹی ۲۰۰۶ء (۷) پی ایچ ڈی پٹنہ یونیورسٹی ۲۰۱۱ء۔

جامعہ ؍مدرسہ جہاں سے فراغت حاصل کی: (۱) جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۵ء (۲) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورۃ ۱۹۹۱ء۔

سن فراغت اور تعلیمی لیاقت: دکتورہ مکمل ہے، وسطانیہ سے فاضل فارسی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بہار۔

مشہور اساتذہ: (۱) مولانا محمد داؤد سلفی مہواری (۲) ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ (۳) مولانا عبدالغفار امواوی (۴) مولانا عابد حسن رحمانی (۵) مولانا محفوظ الرحمن فیضی (۶) مولانا عبدالوحید رحمانی (۷) مولانا عبدالمعید بنارسی (۸) د؍عبدالعزیز مدینہ منورہ (۹) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری (۱۰) ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی (۱۱) مولانا رئیس ندوی (۱۲) مولانا احسن جمیل مدنی (۱۳) قاری ایوب صاحب مدینہ (۱۴) د؍حکمت بشیر مدینہ۔

مشہور تلامذہ: (۱) نذیر احمد سراج الحق تیمی (۲) عبدالسبحان شمس الدین تیمی (۳) محمد شیث محمد ادریس تیمی (۴) محمد یوسف ابوطلحہ تیمی (۵) خالد انور برکت اللہ تیمی (۶) جواد عالم اعجاز الرحمن تیمی (۷) عبدالواسع واقف الدین تیمی (۸) رفیع اللہ مسعود تیمی (۹) ذبیح اللہ عبدالرؤف تیمی (۱۰) بشیر الدین محمد ہارون تیمی (۱۱) محمد ابراہیم سجاد تیمی (۱۲) ثناء اللہ صادق تیمی وغیرہم کثیر۔

اہم دعوتی ؍تدریسی ؍تصنیفی ؍صحافتی ودیگر خدمات: تدریسی خدمات (۱) جامعہ سلفیہ سے فراغت کے بعد ڈیڑھ سال جامعہ سلفیہ جنک پوردھام نیپال میں شیخ الحدیث (۲) جامعہ امام ابن تیمیہ چندن واڑہ میں ۲؍دسمبر ۱۹۹۱ء سے تاہنوز ۲۰۲۰ء جاری ہے۔

(۱) صحیح بخاری، نسائی، ترمذی، نیل الاوطار، سبل السلام، بدایۃ المجتہد، الباعث الحثیث، طرق التدریس، جیسی کتابیں اورفنون

زیر تدریس ہیں۔

دعوتی خدمات: جامعہ ابن تیمیہ میں نماز ظہر کی امامت، وعظ وارشاد کے ساتھ خطبہ جمعہ، ملک بھر کی کانفرنسوں میں شرکت۔

صحافتی خدمات: مدیر اعلیٰ مجلہ طوبیٰ اور نائب رئیس مجلس ادارت مجلۃ الفرقان عربی، شائع کردہ جامعہ ابن تیمیہ۔

تصنیفی خدمات: (۱) شیعہ سنی مفاہمت (۲) اطاعت رسول کی شرعی حیثیت (۳) تعلیم نسواں اور اسلام (۴) ترجمہ فتاوی شیخ ابن باز (۵) فتح المنان تخریج وتحقیق (۶) قیام رمضان اور اعتکاف (۷) الدور الريادی لعلماء المملكة العربيه السعوديه فى بيان ونشر العقيده الصحيحة (۸) مساهمت جامعات ولاية بيهار فى تطوير اللغة العربيه وآدابها (۹) اهمية التعليم الديني والعصرى۔

مقالات کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں چند درج ذیل ہیں: (۱) سید نواب صدیق حسن خاں بھوپالی پر علماء کی تنقیدات اور انکا جائزہ ودیگر۔

اہم مناصب رعہدے رذمہ داریاں: (۱) مدیر عام الشئون التعلیمۃ جامعہ ابن تیمیۃ ۱۹۹۲ء۔ ۱۹۹۴ء (۲) وکیل الجامعہ ۱۹۹۴ء۔ ۲۰۰۴ء (۳) نائب رئیس جامعہ، وائس چانسلر ۲۰۰۴ء تا حال (۴) ایڈیٹر ماہنامہ طوبیٰ از ابتداء تا حال (۵) نائب رئیس مجلس ادارت مجلہ الفرقان از ابتداء تا حال ۲۰۱۶ء (۶) صوبائی جمعیت بہار، نائب امیر اور رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند (۷) صدر مدرسہ الامام عبدالعزیز رحیم آبادی مہسول چوک سیتامڑھی بہار ۲۰۰۹ سے تا حال۔

اولاد واحفاد: (۱) بیوی شہناز بیگم بنت محمد عبداللہ چندن بارہ۔ (۲) ۳ بچیاں اور ایک لڑکے سب تعلیم یافتہ ہیں۔

علمی ودعوتی اسفار: (۱) ۲۰۱۰ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے عالمی کانفرنس میں شرکت اور مقالہ بعنوان (۱) الدور الریادی لعلماء المملکہ (۲) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی کی علمی کانفرنس ۲۰۱۱ء اور مقالہ (۳) جامعہ سلفیہ بنارس کی عالمی کانفرنس حدیث نبوی اور امن عالم ۲۰۱۴ء (۴) وزارۃ الشئون الاسلامیہ السعودیۃ علمی دورات ۲۰۱۲ء۔ ۲۰۱۳ء۔ ۲۰۱۴ء ۲۰۱۵ء میں شرکت اور مقالات کی خواندگی۔ (۵) صوبائی جمعیت ممبئی کی اسلام اور رواداری کانفرنس میں شرکت اور خطاب۔

❑❑❑

باب ہفتم

مناظرات و متفرقات

مناظرہ مرشد آباد بنگال ۱۸۸۸ء

۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء میں مرشد آباد میں اہل حدیث اور احناف کے مابین ہونے والا مناظرہ

محمد تنزیل صدیقی

ہندوستان کی تاریخ کے چند مشہور ترین اور بڑے مناظروں میں سے ایک تھا۔ مناظرہ وجوب تقلید پر تھا۔ فاتح مناظر علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی نے اس مناظرے کی مکمل روداد لکھی ہے، وہ اس مناظرے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پوشیدہ نہ رہے کہ ابتدا اس کی اس طرح ہوئی کہ درمیان مولوی عبدالحق نامی ایک حنفی مذہب اور مولوی ابراہیم نامی ایک اہل حدیث باشندگان ضلع مذکورہ (مرشد آباد) کے اور مسئلہ وجوب تقلید شخصی کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرہ میں مولوی عبدالحق حنفی صاحب مغلوب ہوئے اور مزید انصاف پسندی سے سر مجلس کھڑے ہو کر اقرار اپنی مغلوبیت کا کر دیا اور کہا کہ ابھی میں اس مسئلہ کو اس وجہ سے تسلیم نہیں کر سکتا کہ مجھ سے بڑھ کر بڑے بڑے علماء ہیں۔ اس کے لئے میں اہتمام کروں گا اور تمام علماء کو اکٹھا کر کے مناظرہ کراؤں گا۔ اس وقت جو محقق ہوگا تسلیم کروں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے مزید صرف ہمت و کشش کے ساتھ تمام رؤسا اور اکابر اس دیار کو آمادہ کیا اور ہزاروں روپئے اکٹھے کیے، اور علمائے دیار و امصار کو طلب کیا اور اہل حدیث کو بھی اپنے اہتمام کی خبر دی تا کہ وہ لوگ بھی آمادہ رہیں'' (روداد مناظرہ مرشد آباد ص ۳)

مولانا ابراہیم خلیل دیب کنڈی مرشد آبادی نے بھی علمائے اہل حدیث کو مناظرے کی کیفیت سے آگاہ کیا اور ان سے مرشد آباد آنے کی استدعا کی۔ بوقت مناظرہ کبار اہل حدیث علماء وہاں مجتمع ہو گئے، جن میں مولانا حافظ ابو محمد ابراہیم آروی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا محمد منگل کوٹی، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا محمد بن کرامت اللہ راجشاہی، مولانا ابو محمد حفاظت اللہ مرشد آبادی وغیرہم شامل تھے۔ تجویز یہی قرار پائی کہ اہل حدیث کی جانب سے مولانا عبدالعزیز مناظر ہوں۔ مناظرے کی خاص بات یہ تھی کہ روز اول سے آخر تک فریق اہل حدیث کی جانب سے فاضل رحیم آبادی واحد مناظر رہے، جب کہ احناف کی طرف سے مناظر بدلتے رہے۔ سب سے پہلے مولوی کریم بخش صاحب سامنے آئے۔ اس کے بعد ملا محمد عارف، مولانا لطف الرحمن بردوانی اور مولوی سعد الدین مناظرہ کرتے رہے حتیٰ کہ اثنائے مناظرہ ہی میں جون پور سے مولانا ہدایت اللہ منطقی جون پوری اور دہلی سے مولانا عبدالحق حقانی دہلوی کو بلوایا گیا، مگر یہ تمام مناظر فاضل رحیم آبادی کے سامنے بے بس ہی رہے۔ وجوب تقلید کا اثبات بدستور احناف پر قرض ہی رہا۔ اس مناظرے نے فاضل رحیم آبادی کی شہرت کو بام عروج پر پہنچا دیا اور بنگال میں مسلک اہل حدیث کو فروغ اور استحکام حاصل ہوا۔ دورانِ مناظرہ مولانا رحیم آبادی نے بیش بہا قیمتی نکات پیش کیے جنہوں نے اکابر اہل علم کو بھی متاثر کیا۔ مولانا حافظ محمد صدیق مرولوی

مظفر پوری لکھتے ہیں۔

''اسی مناظرہ میں حضرت مولانا امام المناظرین نے آیت کریمہ۔(فَاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون) کی جو تفسیر کی ہے، اس کی نسبت غالباً مخدومی و مکرمی مولوی نور الحق صاحب وکیل ذکر فرماتے تھے کہ جناب حضرت میاں صاحب موقع مدح میں فرماتے تھے کہ مولوی عبدالعزیز نے اس آیت کی تفسیر ایسی کی ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے یہ تفسیر نہیں کی اور امام رازی کو بھی نہ سوجھی''۔(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء)

یہاں یہ امر بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ احناف کی طرف سے پیش ہونے والے مناظر ملا محمد عارف، مولانا لطف الرحمن بردوانی اور مولانا عبدالحق حقانی دہلوی، حضرت شیخ الکل محدث دہلوی سے رشتہ تلمذ رکھتے تھے۔آخر الذکر مولانا حقانی، فاضل رحیم آبادی کے رفیق درس بھی تھے۔یہی وجہ تھی کہ مولانا نے انہیں رودادِ مناظرہ میں ''پرانے دوست'' کہہ کر یاد کیا ہے۔

مولانا رحیم آبادی نے اس مناظرے کی روداد قلمبند کی تھی، جو''روداد مناظرہ مرشد آباد'' کے عنوان سے طبع ہوئی۔ یہ روداد کئی مرتبہ طباعت پذیر ہوئی ہے۔ اس کا بنگالی ترجمہ''صمصام الموحدین'' کے عنوان سے طبع ہوا۔مولانا سعید بنارسی نے بھی''کیفیت مناظرہ مرشد آباد'' کے عنوان سے اس کی روداد لکھی۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(۱)مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی،۸ ۱۹۳ء

(۲) اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۲/مارچ ۱۹۲۰ء

(۳)ایضاح الطریق صاحب التحقیق۔

(۴) تذکرۃ المناظرین جلد اول،ص ۱۶۴

(۵)روداد مناظرہ مرشد آباد،مطبوعہ ۱۳۰۵ھ

(دبستان نذیریہ محمد تنزیل صدیقی ۱/ ۶۳۳۔۶۳۵)

❑❑❑

مولانا محمد داؤد راز دہلویؒ

کی حیات وخدمات پر دستاویزی کتاب کی اشاعت اور باوقار سیمینار

تاریخ ۷/ جنوری ۲۰۱۸ء

ایک مستحسن اور قابل تقلید اقدام

(مولانا داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر سیمینار کا خاکہ ۲۰۱۰ء ہی میں خاکسار نے مسجد کے ذمہ داران بالخصوص عزیز گرامی سہیل صاحب کے ساتھ بنایا تھا مگر وہ نشستن گفتن وبرخاستن کی نذر ہوگیا۔ برسوں بعد پھر سہیل صاحب کا ہی تقاضہ ہوا تو میں نے بہت ہی زور دے کر یہ مشورہ دیا کہ فوراً اس کام کو کرلیا جائے ،اب بہت دیر ہوچکی ہے اور دوسرے یہ کہ جھولا میدان کی کانفرنس سے پہلے اسے زیورطباعت سے آراستہ کرکے اجراء کیا جائے ،صرف مقالات کی خواندگی اور جمع کرکے ٹھنڈے بستے میں ڈالنے والا معاملہ نہ ہو، بحمد اللہ ایک ماہ تک ہم لوگوں کی شب وروز کی محنتیں رنگ لائیں، میں صبح وشام اپنی دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ اس میں لگا رہا اور دیگر احباب واخوان بھی شریک عمل رہے اور اس طرح یہ مبارک عمل پایۂ تکمیل تک پہنچا فللہ الحمد والمنة۔عبدالحکیم)

• • • • • • • • • • •

ماضی قریب میں اکابر علماء اہل حدیث کی حیات وخدمات سے متعلق جماعت کے مختلف پلیٹ فارموں سے جو علمی سیمینار اور مذاکرات علمیہ منعقد ہوئے ہیں ان میں سال گذشتہ مارچ کے مہینہ میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے اندر حضرت شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ،اور اس سال کے بالکل آغاز میں ۷/ جنوری ۲۰۱۸ء کو عروس البلاد ممبئی کی قدیم ترین تاریخی جامع مسجد اہل حدیث (بھائیکلہ) مومن پورہ میں ہمہ صفت موصوف عالم دین مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقد ہونے والے سیمینار اپنی انفرادیت کے سبب نہایت مفید اور اہم تصور کئے گئے، کہ ان کے ذریعہ جماعت کی ان گراں مایہ شخصیت کی زندگی اور ان کی گوناں گوں خدمات کے ایسے بہت سے گوشے منظر عام پر آسکے جو اب تک پردۂ خفا میں تھے اور ان شخصیات کی ہمہ جہت خدمات کے حوالے سے بڑی نادر اور انوکھی معلومات سامنے آگئیں جن کے بارے میں کم ہی لوگوں کو کچھ علم تھا، اسی طرح برصغیر میں جماعت کی تابناک تاریخ کے اندر دو نہایت روشن ابواب کا اضافہ ہوگیا، فالحمدللہ علی ذلک۔ اللہ تعالی ان ہر دو پروگراموں کے منتظمین کو جزائے خیر دے، آمین۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ پر پیش کئے گئے گراں قدر مقالات میں سے بعض تو مستقل کتاب کی حیثیت کے حامل ہیں اور مجموعۂ مقالات کی اشاعت سے قبل ہی ان میں کچھ تحقیقی وعلمی مقالات مستقل کتاب کی حیثیت سے منظر عام پر آگئے ہیں، امید کہ منتظمین سیمینار اپنے اسلاف سے بے لوث جذباتی وابستگی کے نتیجے میں مجموعۂ مقالات کی اشاعت بھی جلد از جلد کرنے میں کامیابی حاصل کریں گے، واللہ الموفق وھو الھادی الی السبیل۔

البتہ مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقد سیمینار اس لحاظ سے دیگر تمام سیمیناروں میں منفرد اور ممتاز رہا کہ منتظمین سیمینار کی مخلصانہ سرگرمیوں سے جماعت کے افاضل علماء کرام اور بابصیرت اصحاب قلم کے قیمتی مقالات کی طباعت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر سیمینار سے قبل عمل میں آگئی اور ۷ رجنوری ۲۰۱۸ء کو سیمینار کی نشست کے اختتام کے بعد اسی تاریخ میں جھولا میدان ممبئی کے اندر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر اہتمام منعقدہ ''پیغام حق کانفرنس'' کی دوسری نشست میں بعد نماز مغرب جماعت کے اکابر علماء کرام کے ہاتھوں اس کا اجراء بھی عمل میں آ گیا، اور یہ سب اللہ کے فضل وکرم کے بعد جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ کے ٹرسٹیان کے اخلاص، شب وروز کی بے لوث محنت اور مقصد سے جذباتی وابستگی بالخصوص ہمارے برادر فاضل مولانا عبدالجلیل انصاری مکی حفظہ اللہ کی جنون کی حد تک دلچسپی کا نتیجہ ہے، جنہوں نے اہل علم مقالہ نگاران سے نہ صرف رابطہ کر کے ہر ایک سے راز دہلوی پر مقالہ لکھنے کی درخواست کی، بلکہ وہ اس وقت تک انہیں فون اور واٹس ایپ کے ذریعہ مہمیز کرتے رہے جب تک ان حضرات نے اپنے مقالات ان کی خدمت میں بھیج نہ دیئے، اس سیمینار کی کامیابی اور بروقت مولانا محمد داؤد راز دہلوی پر ضخیم مجموعۂ مقالات کی اشاعت اللہ کے فضل کے بعد انہیں کی بے لوث کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

سیمیناروں اوران کے لئے لکھے گئے مقالات کے تعلق سے اہل علم کو اس تلخ حقیقت کا بخوبی تجربہ ہے کہ بالعموم خون جگر سے لکھے گئے قیمتی مقالات وقت کی تنگ دامانی کے سبب نہ تو پورے پڑھے جاتے ہیں اور نہ بعد میں ان کی ایک ساتھ اشاعت ہی ہو پاتی ہے، الا ماشاءاللہ۔ ایسے میں اس سیمینار کے مقالات کی سیمینار سے پہلے اشاعت کسی کرشمہ سے کم نہیں، ساتھ ہی یہ نہایت مستحسن اور قابل تقلید اقدام بھی ہے، اس کے لئے منتظمین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ پر منعقدہ اس سیمینار کی تخطیط ومنصوبہ بندی، موضوعات کے انتخاب، اہل علم کی گراں قدر تحریروں کے حصول، مجموعۂ مقالات کی معیاری طباعت اور باوقار سیمینار کی مثالی کامیابی میں ٹرسٹیان مسجد بالخصوص مولانا عبدالجلیل انصاری مکی اوران کے معاون مولانا محمد اسلم صیاد کے علاوہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ذمہ داران وکارکنان اور ممبئی کے دیگر افاضل علماء خصوصاً امیر محترم مولانا عبدالسلام سلفی، مولانا محمد مقیم فیضی، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی، جناب عبدالحمید خاں، مولانا انصار زبیر محمدی، ڈاکٹر عبیدالرحمن مدنی، مولانا خالد جمیل احمد مکی، مولانا اسماعیل رافعی، مولانا سرفراز فیضی، مولانا ہلال احمد سلفی، مولانا عبدالباری شفیق سلفی اور مولانا کاشف شکیل سلفی وغیرہم کا خون جگر شامل ہے، یہ سب حضرات پوری جماعت کی جانب سے شکر وسپاس، مبارکباد اور دعاء کے مستحق ہیں، اللہ انہیں جزائے خیر دے اوران سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کے تعلق سے اپنے مقالہ کی تمہید میں راقم نے انہیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

''برصغیر ہندو پاک کی جماعت اہل حدیث کی ماضی قریب کی تاریخ میں جماعت کے جن ممتاز اور اکابر علماء نے اپنی زبردست دعوتی وعلمی کاوشوں کے تابندہ اور گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور جنہوں نے ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دئے ہیں ان میں مولانا محمد داؤد راز دہلوی کا نام نہایت تابناک اور روشن ہے اور میری ناقص معلومات کی حد تک شیخ الاسلام علامہ ثناءاللہ امرتسری اور مولانا محمد جوناگڈھی رحمہما اللہ کے بعد جماعت کے افاضل علماء میں وہ اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ انہیں ہمہ جہت علمی، دعوتی وتدریسی خدمات انجام دینے کی توفیق ملی، یا بالفاظ دیگر مولانا راز بجاطور پر جماعت کے ہمہ صفت موصوف (آل راؤنڈر) عالم دین کی حیثیت

سے متعارف ہوئے، کاردعوت کے ہر میدان میں انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں اور بیک وقت وہ مدرس، مفسر، محدث، مصنف، مترجم، خطیب، مناظر، شاعر، صحافی اور جمعیت کے کامیاب ناظم کی حیثیت سے جانے گئے، درحقیقت یہ سعادت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے کہ اللہ انہیں ہر میدان میں کام کی توفیق عطا فرمادے اور وہ اللہ کے فضل وکرم اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے ہر میدان میں سرخرو اور کامیاب بھی رہیں''۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرے مذکورہ خیالات میں کسی قسم کا غلو اور مبالغہ ہرگز نہیں، یہی وجہ ہے کہ جماعت کے اصحاب قلم نے مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی خدمات کے ہر پہلو پر خوب خوب روشنی ڈالی ہے اور ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کی قابل قدر کاوشیں کی ہیں۔

۹۵۲ صفحات پر مشتمل مجموعۂ مقالات کا عنوان **''مفسر قرآن وشارح حدیث علامہ محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ۔ حیات وخدمات''** رکھا گیا ہے، اس ضخیم کتاب کے مرتبین کے طور پر عبدالجلیل انصاری مکی، خالد حنیف صدیقی، عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی، اسماعیل رافعی اور محمد اسلم صیاد کے نام درج ہیں، کتاب تمہیدی حصہ کے علاوہ دس ابواب اور متفرقات پر مشتمل ہے، تمہیدی حصہ میں اس منصوبہ کے روح رواں مولانا عبدالجلیل انصاری مکی حفظہ اللہ کا مختصر اور جامع مقدمہ ہے جس میں موصوف نے مولانا محمد داؤد راز دہلوی پر سیمینار کے انعقاد اور ان کی حیات وخدمات پر مجموعہ مقالات کی اشاعت کا مقصد اور پس منظر بیان کیا ہے اور اس عظیم خدمت کے تعلق سے اپنے تمام معاونین کا شکریہ ادا کیا ہے، اسی حصہ میں جامع مسجد اہل حدیث (بھائیکلہ) مومن پورہ کی تاریخ اور مسجد کے تعلق سے بعض عرب علماء کے قیمتی تاثرات درج ہیں۔

پہلے باب میں ہندو بیرون ہند کے ۱۶ مقتدر علماء اہل حدیث کے پیغامات وتاثرات نقل کئے گئے ہیں، دوسرا باب ''حیات وخدمات'' کے عنوان سے ہے، جس کے تحت ۱۹/اصحاب قلم نے مولانا راز کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، تیسرا باب مولانا راز کی تالیفات، تصنیفات اور تراجم وغیرہ سے متعلق ہے، جس کے تحت ۱۹/مقالات شامل ہیں، اس باب کا آغاز حضرت خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ کے ایک مختصر مضمون سے کیا گیا ہے جو مولانا راز دہلوی کے اشاعتی ادارہ ''ادارہ اشاعت دینیات'' کے تعارف پر مشتمل ہے۔ پانچویں باب میں مولانا راز کی خدمات قرآن کے تعلق سے ۳/مقالات ہیں، چھٹے باب میں مولانا کی حدیثی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ۹/افاضل اصحاب قلم کے مضامین شامل ہیں، ساتواں باب مولانا راز رحمہ اللہ کی خدمت افتاء کے تعلق سے ہے، جس کے تحت ۵/اہل قلم علماء نے فتاوی ثنائیہ کی جمع وترتیب اور اشاعت سے متعلق مقالات قلمبند کئے ہیں، آٹھواں باب دفاع اسلام کے عنوان سے ہے جس میں ۸ ممتاز اہل قلم حضرات نے اس باب میں مولانا کی خدمات کو اجاگر کیا ہے، نوویں باب میں مولانا راز رحمہ اللہ کی جماعتی اور دعوتی خدمات کا تذکرہ ۱۵ قلم کاروں نے مختلف عناوین کے تحت کیا ہے، دسویں باب میں ۹/اہل حدیث شعراء کے ۱۱/منظوم کلام شامل کئے گئے ہیں جن میں ان حضرات نے مولانا راز کو خراج عقیدت پیش کئے ہیں، آخر میں متفرقات کے عنوان سے مولانا راز دہلوی کا ایک یادگار خطاب اور ان کی ایک نظم ''میدان محشر'' شامل ہے۔ کتاب کے مضامین اور محتویات کے اس سرسری تذکرہ سے مجموعہ کی جامعیت، افادیت اور اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اس عظیم الشان اور قابل قدر خدمت کے حوالے سے مولانا عبدالجلیل انصاری مکی حفظہ اللہ اور ان کے مخلص رفقاء اور معاونین نے پوری جماعت کو اپنے اسلاف اور ان کی گراں قدر خدمات کو محفوظ کرنے کا ایک خاموش پیغام دیا ہے، امید کہ دیگر خطوں اور مقامات کے غیور اہل حدیث افراد اور وہاں کی مقامی، ضلعی، صوبائی اور مرکزی جمعیات نیز دیگر تعلیمی اور دعوتی ادارے بھی اس

جانب پیش رفت کرکے اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں گے۔

اب تھوڑا سا تذکرہ اس باوقار سیمینار کا جو مولانا محمد داؤد راز دہلوی رحمہ اللہ کی حیات وخدمات پر ۷/جنوری ۲۰۱۸ء بروز اتوار اس قدیم تاریخی جامع مسجد اہل حدیث (بھائیکلہ) مومن پورہ، میں منعقد ہوا جس مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر مولانا راز نے اہم علمی اور دعوتی فتوحات حاصل کیں اور وسائل کی کمیابی کے باوجود قابل قدر خدمات انجام دیں، سیمینار کی صدارت جماعت کے بزرگ اور معروف عالم دین، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کے سابق شیخ الجامعہ اور موجودہ مفتی نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی کے معزز رکن جناب ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی حفظہ اللہ نے فرمائی، بہ حیثیت مہمان خصوصی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے نائب ناظم جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ نے شرکت فرماکر پروگرام کو وقار واعتبار عطا کیا، اور نظامت کا فریضہ معروف داعی اور مناظر مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی حفظہ اللہ نے انجام دیا، سیمینار کا آغاز صبح دس بجے کے بعد ہوا، تلاوت قرآن اور نظم خوانی کے بعد سیمینار کے کنوینز اور اس پورے پروگرام کے روح رواں مولانا عبدالجلیل انصاری مکی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، جس میں مہمانان گرامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس اہم سیمینار کے انعقاد پر اختصار سے روشنی ڈالی، اور ممبئی کی جماعتی تاریخ میں اس جامع مسجد کے اہم رول کی جانب اشارہ کیا، نیز تمام مہمانان گرامی، مقالہ نگاران اور اپنے مخلص معاونین کے مخلصانہ تعاون کا جذباتی انداز میں تذکرہ کرتے ہوئے ان سب کی خدمت میں ارمغان تشکر اور نذرانہ امتنان پیش کیا، اس کے بعد ناظم پروگرام نے اپنے افتتاحی کلمات میں شریک بزم مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں کچھ گذارشات پیش کیں اور وقت کی تنگ دامانی کا حوالہ دیتے ہوئے ان سے اپنے مقالات کی تلخیص یا تاثرات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی درخواست بڑے سلیقہ سے کی، اس کے بعد شریک پروگرام مقالہ نگار حضرات یکے بعد دیگرے مائک پر تشریف لاکر اپنے اپنے مقالات کی تلخیص یا تاثراتی کلمات پیش کرتے رہے۔

مقالات کی تلخیص پیش کرنے والے افاضل علماء کرام کے اسماء گرامی پروگرام کی ترتیب کے اعتبار سے اس طرح ہیں: مولانا عبدالوہاب سامرودی (سورت)، مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی (ممبئی)، مولانا محمد ارشد سکراوی (ممبرا)، مولانا محمد مقیم فیضی (ممبئی)، مولانا محمود احمد فیضی (ممبئی)، مولانا امیر الحسن ندوی (گجرات)، مولانا ہلال احمد سلفی (ممبئی)، ڈاکٹر لیث احمد مکی (سدھارتھ نگر)، راقم عبدالمنان سلفی (جھنڈانگر)، مولانا مطیع اللہ سلفی (سدھارتھ نگر)، مولانا خالد جمیل مکی (ممبئی)، مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی (ممبئی)، مولانا محمد رحمانی (دہلی)، مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری (برطانیہ)، شیخ ظفر الحسن مدنی (شارجہ)، وقت کی تنگی کے باعث مولانا عبدالباری شفیق سلفی اور بعض دیگر اہل علم اپنے مقالات کی تلخیص پیش نہ کرسکے، دوران پروگرام امیر جمعیت مولانا عبدالسلام سلفی اور بزرگ عالم دین قاری نجم الحسن فیضی اور مولانا راز کے صاحبزادے مولانا نذیر احمد نے اپنے تاثراتی کلمات سے مستفید فرمایا، درمیان میں فاضل نوجوان عزیزم کاشف شکیل سلفی سلمہ نے مولانا رازؔ پر اپنی نہایت معیاری نظم ''علم کے رستم وسہراب تھے مولانا رازؔ'' خوبصورت انداز میں پیش کی، سب سے آخر میں صدر سیمینار کا مختصر صدارتی خطاب ہوا، وقت کی کمی کے سبب ہم کما حقہ موصوف سے استفادہ نہ کرسکے، پھر اس مسجد کے امام وخطیب مولانا ظہیر الدین سنابلی کے کلمات تشکر پر سیمینار کے اختتام کا اعلان ہوا۔ فالحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات۔

❑❑❑

جماعتی مصالحت: ایک مستحسن اور مبارک اقدام

تاریخ: ۲۴/فروری ۲۰۱۸ء

عبدالمنان سلفی

سلفیان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ''مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند'' گذشتہ چند برسوں سے اختلاف وانتشار کا شکار ہوکر بد قسمتی سے دوحصوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور جماعت کے موقر عالم دین اور مایہ ناز مصنف ومحقق جناب شیخ صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی سربراہی میں ایک متوازی جمعیت قائم ہوچکی تھی، اس جماعتی اختلاف سے ہندوستان میں آباد چار کروڑ سے زائد اہل حدیث افراد نہایت دل برداشتہ، کبیدہ خاطر اور سخت ملول تھے اور کسی بھی صورت میں وہ جمعیت کے اندر اتحاد کے آرزومند اور اس کے لئے دعا گو بھی تھے، اس دوران بعض حلقوں، اداروں اور شخصیات کی جانب سے مصالحت کی اجتماعی اور انفرادی کوششیں بھی ہوئیں، مگر بوجوہ وہ کامیاب نہ ہوسکیں اور پوری جماعت اختلاف کے کرب اور اذیت سے دوچار رہی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے نائب ناظم جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ کو جنہوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے دونوں جمعیات کے مابین مصالحت کی ایک بار پھر کوشش کی، اولاً انہوں نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا، اس کے لئے ایک محکم اور ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا، شیخ صلاح الدین مقبول اور شیخ اصغر علی امام مہدی سلفی صاحبان اور ان کے رفقاء کار سے تبادلۂ خیالات کرکے انہیں اختلاف وانتشار کے بدترین نتائج یاددلائے اور پھر جب کوشش قدرے نتیجہ خیز محسوس ہوئی تو موصوف بنفس نفیس برطانیہ سے دہلی تشریف لائے اور ان دونوں اہم شخصیات کو ان کے بعض رفقاء کے ساتھ ایک ساتھ ایک میز پر بٹھانے میں کامیاب ہوگئے، نتیجہ کے طور پر محترم شیخ صلاح الدین حفظہ اللہ نے اپنی وسعت ظرفی، صالحیت اور صلح پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جماعتی مفاد کی خاطر اپنی نوتشکیل شدہ ''جمعیت اہل حدیث ہند'' کو تحلیل کرکے اسے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ساتھ ضم کرنے کا اعلان فرمایا اور باہم متحد ہوکر مرکزی جمعیت کے پلیٹ فارم سے دعوتی، علمی اور تنظیمی خدمات انجام دینے کا عزم ظاہر کیا، اسی طرح امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ نے بھی سابقہ تلخیوں کو فراموش کرتے ہوئے بڑی اپنائیت کے ساتھ شیخ کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور اس اتحاد کو جمعیت کے حق میں باعث خیر وبرکت قرار دیا۔

مصالحت کی کامیابی کی خبر سوشل میڈیا پر عام ہوتے ہی متوقع طور پر ہندوستان کے چار کروڑ سے زائد اہل حدیثوں میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے اس مبارک اقدام کا جذباتی استقبال کرکے یہ ثابت کردیا کہ مصالحت ان سب کے دلوں کی آواز اور ان کی دیرینہ تمنا تھی جسے اللہ نے اپنے خصوصی فضل وکرم اور اپنے ایک مخلص بندے جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ کے ذریعہ پوری فرمادی، اس مثالی کامیابی پر موصوف کو ہر چہار جانب سے لوگوں نے مبارکبادیوں اور دعاؤں کے سوغات

نذر کئے، جس کے وہ بجاطور پر مستحق ہیں۔

بلاشبہ اس تاریخی، نتیجہ خیز اور دوررس نتائج کی حامل مصالحت کی تمام تر کامیابی کا سہرا اللہ کے فضل واحسان کے بعد جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری کے سر بندھتا ہے جنھوں نے کئی مہینوں کی شب وروز کی انتھک محنتوں اور کوششوں کے بعد جماعت کی یہ سنہری تاریخ رقم کرنے میں کامیابی حاصل کی، اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، یہ مصالحت موصوف کی بصیرت، ان کے اخلاص، سوجھ بوجھ، فہم وفراست، معاملہ فہمی اور جمعیت و جماعت کے تعلق سے ان کی دردمندی بلکہ دل سوزی کی غماز ہے، اللہ انہیں سلامت اور خوش رکھے اور مصالحت کے اگلے تمام مراحل کو خیر وخوبی اور کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق اور حوصلہ دے، آمین۔

میں اس مبارک اور پرمسرت موقعہ پر اپنی طرف سے، ضلعی جمعیت اہل حدیث سدھارتھ نگر کے تمام ذمہ داران وارکان اور پورے ضلع کے اہل حدیث علماء کرام اور عوام الناس کی جانب سے جناب مولانا شیر خان جمیل احمد عمری سمیت اپنے محترم قائدین جناب شیخ صلاح الدین مقبول احمد اور امیر محترم جناب مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی اور دونوں حضرات کے تمام رفقاء مرکزی جمعیت کے دیگر تمام عہدیداران وارکان اور ہندوستان کی پوری جماعت کو مبارکباد دیتے ہوئے سب سے مخلصانہ گذارش کر رہا ہوں کہ اس مصالحتی کاوش کو مکمل طور پر ثمر بار ہونے دیا جائے، جلد بازی کا مظاہرہ بالکل نہ کیا جائے، اور خدشات، اندیشوں اور وسوسوں کو پالنے کے بجائے مصلح جماعت جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد عمری حفظہ اللہ پر اعتماد کیا جائے، ان شاء اللہ بہتر نتیجہ کی توقع ہے۔ مجھے اللہ کی ذات سے اس بات کی بھی قوی امید ہے کہ اسی کے فضل وکرم سے ایک بار پھر ہمارا قافلہ پورے عزم وحوصلہ اور اجتماعیت کے ساتھ سوئے منزل رواں دواں ہو کر اپنی عظمت رفتہ کو دوبارہ جلد حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(السراج جھنڈا نگر مارچ ۲۰۱۸ء)

❑❑❑

مسلک اہل حدیث کی تاریخ اور اس کے علماء کی خدمات کی منظم ترتیب واشاعت کے لیے ہندوستان کا اوّلین علمی مرکز

مرکز تاریخ اہل حدیث ممبئی

برصغیر میں جماعت اہلِ حدیث کی ایک سنہری تاریخ ہے، جو ماضی میں قافلۂ حق وصداقت کے سرفروشانہ جدوجہد، اس کی بے مثال قربانیوں، علماء کی ہمہ جہت دعوتی، تدریسی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور ان کی مثالی زندگیوں کے سنہرے اور تابندہ نقوش سے عبارت ہے، اسی سنہری تاریخ کی منظم ترتیب واشاعت کے لیے مرکز تاریخ اہلِ حدیث کا قیام عمل میں آیا، تاکہ جماعت کا یہ عظیم الشان علمی وتاریخی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے اور ماضی کے سنہرے اوراق کی روشنی میں نسلِ نو اپنے حسین وتابناک مستقبل کی تعمیر کرسکے۔

بنا بریں تمام علماء، دعاۃ، ائمہ، خطباء، اعیانِ جماعت اور ہمدردانِ تاریخ سے مخلصانہ اپیل ہے کہ اہلِ حدیث انسائیکلوپیڈیا وجماعتی تاریخ کی تدوین واشاعت میں مرکز کا ہر ممکن تعاون فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

دعاؤں کا طالب: عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

مرکز تاریخ اہلِ حدیث ممبئی

MARKAZ TAREEKH AHLEHADEES, Mumbai

Branch Office: Bus Stop Barhani Bazar, Siddharth Nagar, U.P.
E-mail: tareekh.ahlehadees@gmail.com, abdulhakimmumbai@gmail.com